سفیرانِ
خدا
جل جلالہٗ
ترتیب و تحقیق
مسعود مفتی
www.urdujazeera.com

فہرست مضامین

﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾

”مقدمہ“

الحمد لله الذی خلق الارض والسماء وفضل علی جمیع الخلق الانبیاء ورفع درجات محمد سید الانبیاء والصلوة والسلام علی نبی الانبیاء وعلی سائر الانبیاء صحابته واله وعلی العلماء والصلحاء الاتقیا.

اما بعد !

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ☆

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِکَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ (پ۲۳ سورۃ المومن ۸۴)

”اور بے شک ہم نے تم سے پہلے کتنے رسول بھیجے کہ جن میں کسی کے احوال تم سے بیان فرمائے اور کسی کے احوال بیان نہیں فرمائے“۔

قرآن پاک میں بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے اسماء گرامی مذکور ہیں اور ان کے حالات کو بھی ذکر کیا گیا ہے اور بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے نام تو ہیں لیکن ان کے حالات ذکر نہیں کیئے گئے جیسے حضرت الیسع اور حضرت ذوالکفل اور بعض کے واقعات ذکر ہیں لیکن نام نہیں، جیسے حضرت حزقیل اور حضرت شموئیل اور بعض کے نام بھی نہیں اور حالات بھی نہیں ،جیسے حضرت دانیال علیہ السلام ۔

انبیائے کرام کے اسماء گرامی قرآن کریم میں:

حضرت آدم ،حضرت نوح ،حضرت ابراہیم ،حضرت اسماعیل ،حضرت اسحاق ،حضرت یعقوب ،حضرت یوسف حضرت ہود،حضرت صالح ،حضرت لوط،حضرت موسیٰ ،حضرت ہارون ،

حضرت شعیب، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت ادریس، حضرت ذوالکفل، حضرت یونس، حضرت ایوب، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوۃ والسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔

تعداد انبیائے کرام علیہم السلام

اگرچہ مشہور روایت یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے لیکن ایک روایت میں دو لاکھ چوبیس ہزار کا بھی ذکر ہے ایک روایت میں آٹھ ہزار کا بھی ذکر ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ عقیدہ یہ ہو کہ جتنے انبیائے کرام علیہم السلام رب تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں سب برحق تھے ان تمام پر ہمارا ایمان ہے معین تعداد ذکر نہ کی جائے، کیونکہ ایسا نہ ہو کہ یہ کم تعداد پر ایمان لائے اور واقع میں زائد ہوں، یا ایسا نہ ہو کہ یہ زائد تعداد پر ایمان لائے اور واقع میں کم ہوں۔

پہلی صورت میں کئی انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان نہیں ہوگا اور دوسری صورت میں جو نبی نہیں ہوں گے ان کو نبی ماننا لازم آئے گا اس لئے دونوں صورتوں میں خرابی آتی ہے لہٰذا یہی بہتر صورت ہے کہ یہ ایمان رکھے: ''اے اللہ تیری طرف سے بھیجے ہوئے تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر میرا ایمان ہے اور وہ برحق ہیں''۔

(از شرح عقائد)

تنبیہ:

انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد کا ہمیں یقین نہیں کیونکہ روایات مختلف ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی کریم ﷺ کو بھی علم نہیں تھا اسی طرح تفصیلا انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات کو نہ ذکر کرنے کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ پر بذریعہ وحی کئی انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات ظاہر نہیں کئے گئے اگر بذریعہ وحی آپ کو خبر دی جاتی تو ہمیں بھی علم حاصل ہوتا۔ یہ درست نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کے اپنے علم کا یہ عالم ہے۔

''انہ ﷺ لم یخرج من الدنیا حتی علمہ اللہ بجمیع مغیبات الدنیا والآخرۃ ولکن امر بکتم اشیاء منھا''

(صاوی، حاشیہ جلالین ص ۳۹۰ زیر آیت یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسھا)

''بے شک نبی کریم ﷺ اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا و آخرت کے تمام غیبی علوم عطا فرما دیئے، البتہ بعض چیزوں کے چھپانے کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔''

تعداد رسل اور آسمانی کتب

تمام انبیائے کرام علیہم السلام میں سے بعض زیادہ مرتبہ والے نبی ہوئے ہیں جن کو رسول کہا جاتا ہے ان رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) ہے اور آسمانی کتابوں کی تعداد کل ایک سو چار (۱۰۴) ہے۔ چار کے مستقل نام ہیں: توراۃ، انجیل، زبور، قرآن پاک اور ایک سو کے مستقل نام نہیں بلکہ ان کو صحیفے کہا جاتا ہے۔

کسے نبی کہا جاتا ہے؟

نبی کا لفظ یا تو ''نباوۃ'' سے بنا ہے جس کا معنی ہوتا ہے بلندی مرتبہ اور یا یہ لفظ بنا ہے ''نبا'' (باساکن) سے جس کا معنی ہوتا ہے خبر دینا ظاہر کرنا۔ اور یا یہ لفظ بنا ہے ''نباۃ'' (باساکن اور تاء زائد) سے جس کا معنی ہوتا ہے مخفی آواز۔

پہلے معنی کے لحاظ پر نبی کو ''نبی'' اس لئے کہتے ہیں کہ تمام مخلوق سے بلند مرتبہ رکھتا ہے دوسرے معنی کے لحاظ سے کہ وہ حق بات کو ظاہر کرتا ہے اور غیبی خبریں دیتا ہے اور تیسرے معنی کے لحاظ سے کہ وہ وحی کو سنتا ہے جو آواز دوسروں پر مخفی ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ لفظ میں نبیء (مہموز اللام بروزن فعیل) ہو تو اس وقت معنی ہوتا ہے راستہ، اس صورت میں نبی کو نبی کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتا ہے جس طرح راستہ منزل مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح انبیائے کرام علیہم السلام رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اور منزل مراد کو پانے کا ذریعہ اور واسطہ ہوتے ہیں۔

(از نبراس بر شرح العقائد النسفی)

یہ تو لفظ ''نبی'' کے لغوی معنی تھے جو سب کے سب نبی میں بیک وقت جمع ہوتے ہیں اصطلاحی طور پر نبی کی تعریف یہ ہے کہ:

''نبی آدم سے ہو، یعنی انسان ہو، مذکور ہو، آزاد ہو، اس کی طرف وحی آئے اور لوگوں تک اللہ کے احکام پہنچائے، نیک لوگوں کو جنت کی بشارت دے اور کفار

کو جہنم سے ڈرائے اور معجزات کے ذریعے اس کی نبوت کو تائید حاصل ہوتی ہے"۔

"رسول" کا معنی پیغام پہنچانے والا۔لیکن اصطلاح میں رسول اسے کہتے ہیں: جسے کتاب بھی عطا ہو یا پہلی شریعت پر عمل کرنا ختم ہو چکا ہو تو از سرنو اسے پہلی شریعت کی تجدید کا حکم دیا جائے۔ ہر رسول نبی ضرور ہوتا ہے لیکن ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔

تمام رسولوں اور انبیائے کرام علیہم السلام کو معجزات سے تقویت پہنچائی جاتی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ معجزہ کسے کہتے ہیں؟

معجزہ:۔

عادت کے خلاف آلات کے واسطہ کے بغیر مدعی نبوت سے بعد از اعلان نبوت کسی کام کا خلاف عادت سرزد ہونا "معجزہ" کہلاتا ہے۔عادت کے مطابق کام کرنے کا نام معجزہ نہیں، جیسے تیز دوڑ کر دوسروں سے آگے نکل جانا، تیز نظر والے شخص کا کسی چیز کو اتنے دور سے دیکھ لینا کہ عام آدمی کو نظر نہ آسکے۔اس قسم کے کام معجزہ نہیں کہلاتے۔

آلات کے واسطہ سے عادت کے خلاف کام کرنے کا نام بھی معجزہ نہیں۔ٹیلیفون کے ذریعے دور دراز بات کر لینا ٹیلیویژن کے ذریعے کسی کی شکل دیکھ لینا وغیرہ اس قسم کے کام معجزات نہیں۔

معجزہ صرف نبی سے عادت کے خلاف ہونے والے کام کا نام ہے۔غیر نبی نے کوئی کام حیرت انگیز کر دیا ہو تو اسے معجزہ کہنا جہالت و دیوانگی ہے، جیسے آج کے دور میں عام کاموں کو معجزہ کہنا اکثر پڑھے لکھے بے وقوفوں میں رواج پا چکا ہے جو سراسر باطل ہے۔

ارہاص:۔

اعلان نبوت سے پہلے نبی سے عادت کے خلاف کوئی کام سرزد ہو تو اسے معجزہ نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے "ارہاص" کہا جائے گا جیسے حضور نبی کریم ﷺ کو اعلان نبوت سے پہلے ہی پتھر سلام کیا کرتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں کلام فرمایا۔

کرامت:۔

اللہ کے ولی سے کوئی کام عادت کے خلاف واقع ہو تو اسے "کرامت کہا جائے گا۔

معونت:۔

عام مومن جو ولی نہیں اور فاسق بھی نہیں تو اس سے کوئی کام عادت کے خلاف ہو تو اسے "معونت" کہا جائے گا۔

استدراج:۔

کافر یا فاسق کے ہاتھوں شعبدہ بازی کا مظاہرہ، عادت کے خلاف کام کرنے کو "استدراج" کہتے ہیں کیونکہ وہ اس کی وجہ سے جہنم کی آگ میں پہنچ جاتا ہے۔استدراج کا مطلب ہوگا آگ کی طرف پہنچانا یہ اس وقت ہے جب یہ کلام اس کی غرض کے مطابق واقع ہوں۔

اہانت:۔

کافر سے کوئی کام عادت کے خلاف سرزد ہو لیکن اس کی غرض کے خلاف ہو تو اسے "اہانت" کہتے ہیں جیسے مسیلمہ کذاب نے اپنا کمال ظاہر کرنا چاہا تو کلی کر کے پانی کنوئیں میں ڈالا تو وہ نمکین اور کڑوا ہو گیا ایک شخص کی ایک آنکھ ضائع تھی اس پر ہاتھ پھیر کر درست کرنا چاہا تو دوسری آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔

سحر (جادوگری):۔

شریر لوگ اپنے خاص اعمال کے ذریعے شیاطین کی امداد سے کئی کام عادت کے خلاف واقع کرتے ہیں یہ "سحر" یعنی جادوگری ہے۔

تنبیہ:۔

مخالفین کے چیلنج اور مطالبہ پر اور نبی کے دعویٰ پر معجزہ کا وقوع ضروری ہو جاتا ہے لیکن کرامت کا وقوع ضروری نہیں۔

کون نبی نہیں ہو سکتے؟

"مونث" کو نبی نہیں بنایا گیا کیونکہ تبلیغ دین ان سے ممکن نہیں، نبی کو گھر سے باہر مردوں کے ہجوم اور مجالس میں احکام الٰہیہ پہنچانے ہوتے ہیں یہ کام مونث سے نہیں ہو سکتے۔

"غلام" نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ غلام دوسرے لوگوں کی نظر میں حقیر ہوتا ہے اور مالک

کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کرسکتا اس لئے اس سے تبلیغ احکام دین ممکن نہیں۔

جن اور فرشتے نبی نہیں بنائے گئے۔ جنس کا جنس سے فائدہ حاصل کرنا تو ممکن ہوتا ہے لیکن دوسری جنس سے فائدہ حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے انسانوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے نبی کا انسان ہونا ضروری ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا﴾ (الانعام ۹)

''اگر ہم نبی کو فرشتہ بناتے جب بھی اسے مرد ہی بناتے''۔

یہ ان کفار کو بتایا گیا ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کو اپنے جیسا بشر کہہ کر ایمان سے محروم ہوتے تھے کہ ہم اس پر ایمان کیوں لائیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی کی تعلیم سے فیض حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ نبی کو انسانی شکل میں بھیجا جائے تاکہ وہ لوگ فائدہ حاصل کرسکیں۔ اگر فرشتہ کو نبی بناتے تو اسے اصلی شکل میں دیکھنے کی انسانوں میں طاقت ہی نہ ہوتی اگر فرشتہ کو نبی بنایا بھی ہوتا تو انسانی شکل میں ہی آتا تاکہ لوگ اس سے فیض حاصل کرسکتے۔

نبی گناہوں سے پاک ہوتے ہیں :۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ذهب طائفة من محققى الفقهاء والمتكلمين الى العصمة من الصغائر كالعصمة من الكبائر"

(نبراس ص ۸۵۳)

''فقہائے کرام اور متکلمین میں سے محققین کی ایک جماعت کا مذہب یہی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام جس طرح قبل از نبوت اور بعد از نبوت کبیرہ گناہوں سے پاک ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی پاک ہیں''۔

انبیائے کرام اخلاق عظیمہ کے مالک ہوتے ہیں :۔

انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے اعلان نبوت سے پہلے بھی ایسے اعلیٰ اور پاکیزہ اخلاق عطا کئے ہوتے ہیں تاکہ لوگ ان کے ماضی حال مستقبل پر کوئی اعتراض نہ کرسکیں، یعنی یہ پاکیزہ اخلاق ان کو تمام اوقات میں حاصل رہتے ہیں۔ شجاعت، بردباری

، کریمانہ گفتگو وغیرہ، ہر قسم کے اچھے اخلاق کے مالک ہوتے ہیں اور رذیل وگھٹیا کاموں سے پاک ہوتے ہیں۔

نفس نبوت میں تمام انبیاء علیہم السلام برابر ہیں :۔

تمام انبیائے کرام علیہم السلام نفس نبوت میں یعنی بحیثیت نبی ہونے کے برابر ہیں ،ایسا نہیں کہا جاسکتا کہ کسی نبی کی نبوت اصلی ہو اور کسی نبی کی نبوت عارضی ہو، بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہمارے نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

دنیا میں تشریف لانے کے لحاظ سے سب سے پہلے آنے والے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخر میں تشریف لانے والے سیدنا ونبینا محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

مسعود مفتی

تعریف معجزات

معجزات جمع ہے معجزہ کی ۔لفظ معجزہ ایک علمی اور کلامی اصطلاح ہے مگر قرآن پاک نے ایک جامع لفظ آیت یعنی نشان استعمال کیا ہے جس کے تحت دونوں خارجی خوارق اور معنوی دلائل آجاتے ہیں ۔عہد مستقبل کا علم کسی انسان کو حاصل نہیں وَمَاتَدْرِیْ نَفْسٌ مَاذَاتَکْسِبُ غَدًا کسی شخص کو بھی یہ پتہ نہیں کہ آنے والے کل کو وہ کیا کیا کرے گا۔

علم غیب کا مالک صرف رب العالمین ہے کہ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی اسی کے لئے ہے آسمانوں اور زمینوں کا غیب یا پوشیدہ علم ۔اللہ رب العالمین اپنے برگزیدہ انبیاء ورسلؑ پر علم غیب کا صرف اس قدر حصہ ظاہر فرماتا رہا ہے جس کی ان کو ضرورت ہوئی یا جس کی ضرورت ان کی صداقت ورسالت کا یقین دلانے کے لئے پائی گئی ۔ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ وہ غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول سے وہ خوشی ہو ۔معجزہ یا تائید غیبی ونصرت حق کے لئے خارق عادت شاید ہر پیغمبر کی زندگی کا ایک لازمی جزو رہا ہے اور اکثر انبیاء ورسلؑ یعنی حضرت نوحؑ ، حضرت ابراہیمؑ ، حضرت ہودؑ ، حضرت صالح علیہم السلام وغیرہ کے معجزات تو قرآن پاک میں باصراحت بیان کئے گئے ہیں اور اسی طرح یہ سلسلہ حضرت خاتم النبینؐ تک جاری رہا اب ذہن میں سوال ابھر رہا ہے کہ ان کے معجزات کی جو تقریباً تمام انبیاء کو تائید حق کے لئے دیئے گئے ان کی غرض وغائیت کیا تھی؟ آیئے مختصر طور پر اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔

معجزات کی غرض وغائیت :۔

معجزہ نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے بلکہ مذہب کی بنیاد تمام تر اسرار وغیوب پر ہے اور سب سے بڑا سریا غیب بلکہ غیب الغیب خود خدا کا وجود اور اس کی ذات ہے حشر ونشر ،جن وملک ،وحی والہام تمام اشیاء ایک وسیع عالم غیب سے وابستہ ہیں ۔نبوت اصل نام ہے اس عالم

غیب کے ساتھ روابط وعلائق کا۔ معجزہ میں بھی چونکہ ایک طرح کا غیب پایا جاتا ہے یعنی وہ عالم ظاہری کے سلسلہ علل واسباب سے الگ معلوم ہوتا ہے اس لئے جو شخص ان پر ایمان رکھتا ہے اس کا نفس قدرتاً اس یقین کی جانب مائل ہو جاتا ہے کہ جس برگزیدہ انسان سے معجزہ ظاہر ہوتا ہے وہ عالم الغیب سے خاص تعلق اور رابطہ رکھتا ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری اور لازمی سمجھا جاتا ہے تاکہ وہ فلاح حاصل کر سکیں۔

لیکن جو شخص غیب پر ایمان نہ رکھتا ہو یعنی وہ بالکل خدا اور مذہب کا قائل ہی نہ ہو اور ان کا منکر ہو تو ظاہر ہے کہ اس کے لئے معجزہ تصدیق نبوت کی نہ کوئی دلیل بن سکتا ہے اور نہ آیت کسی نبی کے صادق یا کاذب ہونے کا تصفیہ تو اس کے بعد کے شئے ہے کہ پہلے آدمی کا نفس اس امر کا قائل ہو کہ خدا کا کوئی وجود ہے اور وہ ہدایت خلق کے لئے انبیاء کو بھیجتا ہے یا بھیج سکتا ہے۔ تو ایسے شخص کے لئے معجزہ تصدیق نبوت کا باعث بن سکتا ہے مگر اس سے ہٹ کر جو منبع خلقت کے وجود کا ہی انکاری ہے اس کے لئے معجزے یا آیات کسی قسم کی تصدیق کا باعث نہیں بن سکتے بلکہ اس کو مزید باتیں کرنے کا موقع فراہم کرنے کا باعث بنتے ہیں جس طرح نمرود اور فرعون انبیاء کے معجزے دیکھ کر ان کو جادوگر یا ساحر کے نام سے پکارتے رہے ہیں اس لئے یہ تفصیلات مذہب پر یقین کرنے کے لئے پہلے نفس مذہب کا یقین لانا ضروری ہے۔ اصل حقیقت کو تو پہلے تسلیم کیا جائے پھر آگے بڑھیں۔

غرض معجزہ کو معجزہ سمجھ کر اس کے یقین وقبول کر لینے کی اولین شرط یہ ہے کہ آدمی پہلے غیب پر ایمان رکھتا ہو اس میں اہم خدا تعالیٰ کی ذات پاک اور مذہب ہے۔ اور اس کے لئے مقدم شرط یہ بھی ہے کہ فرعون وابوجہل کی طرح دل میں خصومت وعناد، خودی وخود بینی، ذاتی اغراض یا ہوا وہوس کے موانع یقین موجود نہ ہوں۔ جس طرح ان شرائط کی عدم موجودگی میں کوئی دلیل یقین معجزات پر آمادہ نہیں کر سکتی بالکل اسی طرح ان کی موجودگی میں کوئی دلیل یقین معجزات سے باز نہیں رکھ سکتی۔

معجزے کے ساتھ دوسرا لفظ قرآن پاک میں آیت کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی نشانی یا علامت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو علم واحساس کے جو ذرائع عطا کئے ہیں۔ وہ حقیقت میں صرف آیات وعلامت کی شناخت کرتے ہیں۔ دنیا میں جس قدر چیزیں ہیں تم ان کو کس طرح جانتے اور پہچانتے ہو محض نشانیوں اور علامات کو دیکھ کر ہی ان کو پہچانا جاتا ہے یعنی وہ درخت ہے، انسان ہے، حیوان ہے یا کوئی دوسری چیز ہے جو دنیا میں کام آ سکتی ہے۔

پیغمبر کا اصل معجزہ اور ان کے منجانب اللہ ہونے کی کھلی دلیل خود اسی کا سراپا وجود ہوتا ہے دیکھنے والوں کے لئے اس کی چشم وآبرو میں اور سننے والوں کے لئے اس کے لب ولہجہ میں اور سمجھنے والوں کے لئے اس لئے پیام ودعوت میں اعجاز ہوتا ہے لیکن جو لوگ احساس حقیقت میں فروتر ہوتے ہیں ان کو اس سے تسکین نہیں ہوتی اور وہ مادی اور محسوس نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں جو بالآخر ان کو دی جاتی ہے۔ لیکن انبیاء کے متبعین میں سے سابقین اور اولین اور صدیقین وصالحین نے اپنے پیغمبروں سے معجزہ طلب نہیں کیا حضرت ہارونؑ ویوشعؑ نے حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر ان کو پیغمبر تسلیم نہیں کیا تھا اور حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے ان کا معجزہ دیکھ کر آسمانی دولت کا حصہ نہیں پایا تھا۔

حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں مگر چاند کے دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھ کر نہیں بلکہ یہ جان کر کہ آپ غریبوں کے دست وبازو ہیں۔ قرضداروں کی تسکین اور سہارا ہیں مسافروں کے ملجا وماوی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دیگر اصحاب اکرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی آپ کی صداقت اور راہنمائی کی حقیقت کو ظاہری آیات ومعجزات کی روشنی میں تلاش نہیں کیا ان کے لئے آپ کا سراپا وجود، نقش دعوت حق اور پیام اخلاص ہی معجزہ تھا۔

انہوں نے اس کو کافی سمجھا اور اس سے ایمان کی دولت پائی مگر نمرود وفرعون اور ابوجہل وابولہب جو آتش خلیل وطوفان نیل میں قحط مکہ اور انشقاق قمر کے معجزوں کے طالب تھے پھر بھی ایمان کی دولت عظمیٰ سے محروم رہے لیکن ان کے درمیان ایک متوسط طبقہ بھی موجود تھا جس کی بصیرت کے آئینہ پر غفلت کے رنگ کی کچھ چھائیاں تو پڑی ہوتی تھیں مگر جب حقیقت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے اور اس کی معجزانہ کرنیں ان آئینوں پر پڑتی ہیں تو وہ چمک اٹھتے ہیں جس طرح فرعون کے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھ کر پکار اٹھے آمَنَّا بِرَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ (قرآن طہ) اور موسیٰ وہارون کے رب کے آگے سجدہ میں گر پڑے۔

آنحضرت ﷺ کی فتح روم کی پیشین گوئی پوری ہوئی تو قریش کے نیک طبع لوگوں کی چشم باطن کھل گئی۔ اور حقیقت کا پیکر ان کے سامنے جلوہ نما ہو گیا۔ یہی طبقہ ہے کہ جس کو معجزات کی ظاہر نشانیوں (آیات) سے جس قدر استعداد وحصہ پہنچتا ہے اس کے علاوہ معجزات کا بڑا حصہ تائید حق کے لئے غیر منتظر اور غیر متوقع حالات کا رونما ہونا ہے مومنین وصادقین کو مشکلات کے عالم اور اضطراب کی گھڑیوں میں ان کے ذریعہ سے تسکین دی جاتی ہے۔ اور رسوخ ایمان اور اثبات

قدم مرحمت ہوتا ہے ان کی بے سروسامانیوں اور بے نواؤں کی مکافات کی جاتی ہے اور اس سے ان کی دولت ایمانی کا سرمایہ ترقی کرتا ہے۔

اصطلاحی نام :-

انبیائے کرامؑ سے جو یہ مافوق العادۃ کیفیات اور اعمال صادر ہوتے ہیں ان کے لئے عام طور پر معجزہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے لیکن اصطلاحی نقطہ نگاہ سے یہ غلط تصور کیا جاتا ہے۔

(۱) سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن پاک اور احادیث میں یہ الفاظ مستعمل نہیں ہوئے بلکہ اس کی جگہ آیت (نشانی) اور برہان (دلیل) کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو اپنے مفہوم کو نہایت خوبی سے واضح کرتے ہیں اور قدیم محدثین نے بھی ان کی جگہ دلائل وعلامات کے الفاظ استعمال کئے ہیں جو کہ قرآن الفاظ کے ہم معنی ہیں۔

(۲) عام استعمال کی وجہ سے لفظ معجزہ کے ساتھ کچھ خاص لوازم ذہنی پیدا ہوگئے ہیں جو حقیقت میں درست نہیں ہے۔ مثلاً اسی لفظ سے عوام میں یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ وہ خود پیغمبر کا فعل ہوتا ہے جس کا صدور خاص اس کے اعضاء سے ہوتا ہے اور نیز یہ کہ اس لفظ کے سبب سے اس کا معجزہ ہونا گویا اس کی حقیقت میں داخل ہوگیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں خیال غلط ہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ معجزہ پر عقلی حیثیت سے جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان کا ایک بڑا حصہ خود لفظ معجزہ کے غلط استعمال سے پیدا ہوگیا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم کو ایک ایسا لفظ درکار ہے۔

جس میں نبوت کے تمام خواص' کیفیات' مشاہدات اور اعمال مخارقہ عادات اور غیر مخارقہ عادات سب داخل ہوں۔ لیکن معجزہ کا لفظ اتنا وسیع نہیں ہے۔ لہٰذا ان وجوہ کی بنا پر صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم صرف قرآن کی اصطلاح حدیث یا برہان اور محدثین کی اصطلاح علامات ودلائل کو استعمال کریں تا کہ سارا مفہوم زیادہ واضح اور صحیح طریقہ سے اور زیادہ وسیع طور پر ادا ہو سکے لیکن چونکہ ہماری زبان میں معجزہ کا لفظ عام استعمال ہو رہا ہے اس لئے اس لفظ کو یکدم نہیں چھوڑا جاسکتا۔ اور نہ فوری طور پر دوسرا لفظ زبان پر

لایا جاسکتا ہے کیونکہ یہ مزید الجھن کا باعث بنے گا۔ اور ہر شخص معجزے کے مفہوم سے مراقعت ہے۔ اس کا متبادل لفظ پیش کرنے سے اس کے مفہوم کو سمجھانے کے لئے وقت اور محنت کی ضرورت ہوگی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض احباب کی نظر میں تنقید کا باعث ہو اور قارئین رہنمائی حاصل کرنے کی بجائے الجھن کا شکار ہو کر رہ جائیں۔

انبیاءؑ کی سیرت کا دلائل و براہین سے تعلق:

قرآن مجید اور دیگر صحف آسمانی میں انبیائے کرامؑ کے قصص اور واقعات مذکور ہیں ان میں ان کے روحانی حالات و کیفیات یعنی دلائل و براہان اور آیات کا ذکر نہایت موثر اور عبرت انگیز الفاظ سے کیا گیا ہے مثلاً سیر ملکوت، مکالمہ الٰہی، روایت ملائکہ، رویائے صادقہ، استجابت دعا" طوفان نوح' آتش خلیل' عصائے موسیٰ' نفس عیسیٰ اور اسی قسم کے دیگر بے شمار کیفیات وواقعات و حالات کا ذکر قرآن پاک میں بار بار جگہ جگہ پر آیا ہے۔ اور ان کے ساتھ ان کے عواقب ونتائج بھی نہایت موثر انداز سے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت سے ہر زمانہ میں ان چیزوں کو خاص تعلق رہا ہے اور اسی وجہ سے وہ ان کے واقعات زندگی کا جزو لاینفک ہوگئے ہیں۔

اگرچہ انبیاء کرامؑ کی زندگی گوناگوں واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے لیکن نتائج کے لحاظ سے ان تمام واقعات کا مرکز صرف یہ ہوتا ہے کہ ان کو اخلاق ذمیمہ کے خس وخاشاک سے پاک کر کے محاسن اخلاق کے گل وریحان سے آراستہ کیا جائے۔ تا کہ برکات آسمانی کا دامن کانٹوں سے الجھنے نہ پائے۔ اس مقدس فرض کو ادا کرنے میں اگرچہ کبھی کبھی انبیائے علیہم السلام کو مادی آلات سے بھی کام لینا پڑتا ہے لیکن وہ لوگ اکثر اپنی روحانی طاقت سے اس مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اور مادی آلات کے استعمال میں بھی ان کے جسمانی دست وبازو سے زیادہ ان کی روحانی دست بازو کام کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے انبیائے علیہم السلام کے واقعات زندگی میں ان دلائل و براہان و آیات کو نہایت اہمیت دی ہے اور ان کے ذکر سے گویا انبیاء علیہم السلام کے تمام حالات زندگی کو سلسلہ علل واسباب سے مربوط کر دیا ہے تا کہ قارئین کے اذہان میں غلط تصورات نہ ابھریں جو کہ گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اگر قرآن پاک کا بغور مطالعہ کیا جائے تو قطعی طور پر یہ وضاحت حاصل ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے تمام حالات زندگی کو سلسلہ

علل واسباب سے مربوط کر کے واضح کیا گیا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ کسی خاص واقعہ کے ظہور پذیر ہونے کے اصل وجوہ کیا تھیں اوران واقعات کے اس طرح ظہور پذیر ہونے پر کونسی مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔

سیرت محمدیؐ سے دلائل وآیات کا تعلق:

یہ تو سب پر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی سیرت پاک تمام انبیاء علیہم السلام کے واقعات زندگی کا خلاصہ، ان کی تعلیمات کا عطراوران کے حالات ومشاہدات کا نچوڑ ہے آپؐ ایک عالمگیر اور ابدی دین لے کر مبعوث ہوئے تھے اس لئے آپؐ نے ایک ہی خطاب کے ساتھ ان تمام لوگوں کو مخاطب فرمایا جن کو طوفان نوح دفعتہً بہالے گیا تھا۔

جن کو دریائے قلزم کی لہریں نگل چکی تھیں۔

جن کو نفس حضرت عیسیٰؑ نے دوبارہ زندہ کردیا تھا۔

ان سب سے بڑھ کر آپ کا خطاب ایک اور گروہ کو بھی تھا جوان چیزوں کو صرف عجائب پرستی کی نگاہ سے نہیں بلکہ ژرف نگاہی سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس وجہ سے جس چشمہ فیض نے اسباط حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سیراب کیا تھا۔ وہ ان تشنہ مان روحانیت سے کیوں کر بے پرواہ ہوسکتا تھا؟ چنانچہ اس نے آپؐ کی ذات کو ان تمام معجزات کا مجموعہ بنا دیا جو اعلیٰ قدر ،مراتب ہر طبقہ، ہر فرقہ اور ہر گروہ کے لئے ضروری تھے آپؐ کے اخلاق وعادات معجزہ ہیں آپؐ کی شریعت معجزہ ہے اور آپؐ پر جو عظیم اور پاک کتاب نازل ہوئی وہ ایک بہت بڑا معجزہ ہے جس کی مثال آج تک کہیں سے نہیں مل سکی۔ اس کے علاوہ آپؐ کی روحانی طاقت نے جسم وروح دونوں کی کائنات میں بہت کچھ اثر ڈالا۔ اس نے کبھی طوبیٰ کے سایہ میں آپؐ کے لئے بستر لگایا کبھی سِدْرَةُ الْمُنْتَھٰی کے حدود میں رفرف کی سواری کھڑی کی، کبھی مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ کے نور سے قلب مبارک کو منور کیا گیا۔

☆ کبھی نزول رحمت الٰہی کے لئے آسمان کے دروازے کھلے، کبھی وادی حق کے پیاسوں کے لئے زمین کی تہہ سے پانی کے چشمے ابل آئے۔

☆ کبھی سنگ خارا کے شراروں کی روشنی میں قیصر وکسریٰ کے خزانے دکھلائے۔

کبھی انبیائے سابقین علیہم السلام کی زبان الہام سے اپنی کامیابی کے نغمہ ہائے بشارت سنائے اور آئندہ دنیا کے واقعات وحالات غیب بتا کر رہروان عالم کو منزل حقیقت کے نشان

دکھائے۔

آپؐ کی زندگی کے واقعات کا سب سے بڑا حصہ غزوات ومحاربات ہیں ان ہنگامہ خیز واقعات کے تاریخی علل واسباب اوران کے نتائج کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔

آپ کی زندگی کا سب سے بڑا فرض اسلام کی اشاعت وتبلیغ ہے۔ اور آپؐ نے اپنی کیمیا اثر تقاریر میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر مشرف بہ اسلام کیا۔ غرضیکہ آپ کی پیغمبرانہ زندگی کے ہر مظہر میں دلائل، یہ براہان، یہ آیات، یہ معجزات اسباب ظاہری کے پہلو بہ پہلو اسباب حقیقی بن کر رونما ہوتے رہے ہیں۔ اگر چہ دنیا میں عقل ونقل اور فلسفہ مذہب کا جب سے وجود ہے ان مباحث پر معرکہ آرا بحثیں ہوتی چلی آئی ہیں۔ کچھ لوگ اس عمل ممکنات میں سے سمجھتے ہیں اور بعض ناممکنات میں سے اوراپنی دلی تسلی کے لئے اپنے فہم وادراک کے موافق مختلف نظریات قائم کرتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنی راز طبیعت کی تشنہ طبعی کو تسکین دے سکیں۔

تین باتیں ضرور ہوں:

وہ حکمائے اسلام جو حقیقت کی منزل کو پانا چاہتے ہیں یا اس کے متلاشی نظر آتے ہیں ان کے مطابق نبی وہ ہے جس میں تین، باتیں اکٹھی جمع ہوں یا اس میں یہ تینوں اوصاف پائے جاتے ہیں۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

(۱) اس کو امور غیب کی اطلاع ہو۔

(۲) ملائکہ اس کو نظر آئیں اور وہ ان سے باتیں کریں۔

(۳) اس سے خوارق عادت عمل ظاہر ہوں۔

ان تینوں اوصاف پر مختصری روشنی ڈالی جائے گی تاکہ قارئین آسانی سے ان فلسفیانہ باتوں کو سمجھ سکیں۔

اطلاع غیب:

یہ خدائی کائنات ایک تسلسل اور ترتیب کے ساتھ نظام فطرت پر قائم ہے جس کا ہر طبقہ دوسرے پر فوقیت رکھتا ہے جو کہ درج ذیل ہے۔

ا۔ جمادات:

جو کہ نہ حرکت کر سکتے ہیں اور نہ ان میں نمو ہی ہے ان میں نہ تو احساس ہی ہے اور نہ

ارادہ نطق اور نہ ادراک کلیات کی قوت۔

۲۔نباتات:

ان میں حرکات ونمو ضرور ہے لیکن وہ دوسری ضروری صفات سے محروم نظر آتے ہیں۔

۳۔حیوانات:

حیوانات میں حرکت اور نمو کے ساتھ احساس وارادہ بھی ہے۔

۴۔انسان:

ان تمام کے آخر پر درجہ انسان کا آتا ہے جس میں ان تمام خصوصیات کے ساتھ بولنے اور ادراک کلیات کی قوت بھی ہے۔ یہ نظر آتا ہے کہ کائنات کے اسی پورے نظام میں یکسانیت پائی جاتی بلکہ ان کا ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف قدم ہے اور ان میں ادنی سے اعلیٰ کی طرف ترقی محسوس ہوتی ہے مگر ان کی اس ترقی کی یہاں ہی پر انتہا نہیں ہو جاتی کیونکہ انسانوں میں جستجو اور تگ ودو جاری رہتی ہے۔ اور اسی جستجو میں ترقی کے راز پنہاں ہیں اور علمی ترقی کی راہ ہموار کرتی ہے جس سے علمی ادراک اور ترقی حاصل ہوتی ہے۔

معجزہ اور سحر کا فرق:

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ معجزہ اور سحر میں کیا فرق پایا جاتا ہے۔ کیونکہ معجزہ سے جس طرح عجیب وغریب امور صادر ہوتے ہیں۔ تو ایسے ہی سحر، طلسم، نیرنگ اور شعبدہ سے بھی اس قسم کی چیزیں دکھائی جاسکتی ہیں۔ تو ایسی حالت میں ایک عام آدمی کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ معجزہ اور سحر میں کیا فرق پایا جاتا ہے؟

اس سلسلے میں مختلف علماء کے بیانات درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ علامہ ابن حزمؒ کا یہ دعویٰ ہے کہ معجزہ کے علاوہ سحر وطلسم وشعبدہ وغیرہ جو چیزیں ہیں وہ صرف فریب نظر ہیں۔ لیکن معجزہ سے قلب حقیقت اور تبدیل خاصیت ہو جاتی ہے۔

۲۔ شاعرہ سحر طلسم کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ معجزہ سے جو عظیم الشان عجائب سرزد ہوتے ہیں مثلاً سمندر کا خشک ہونا اور چاند کا شق ہو جانا وغیرہ یہ چیزیں سحر وطلسم کے زور سے ممکن نہیں۔

۳۔ حکمائے اسلام کا مسلک یہ ہے کہ معجزہ اور سحر میں فرق یہ ہے کہ صاحب معجزہ اپنی قوت کو خیر میں صرف کرتا ہے اور ساحر شر میں۔

ان دعوؤں سے معجزہ اور سحر میں فرق واضح نہیں ہو رہا کیونکہ دونوں اپنے اپنے دعوے کے حق میں دلائل پیش کرتے ہیں۔ مگر اصل یہ ہے کہ معجزہ اور دیگر عجائبات امور میں دو عظیم الشان فرق ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ معجزہ براہ راست خدا کا فعل ہوتا ہے اور سحر میں عجائب امور اسباب طبعی ونفسی کے نتائج ہوتے ہیں۔

۲۔ معجزہ سے مقصود اعدائے الٰہی کی ہلاکت یا مبلغ رسالت کی تائید اور مومنین وصادقین کی حمایت اور برکت ہوتی ہے محض کھیل تماشہ، شعبدہ بازی اور بازی گری اس کا مقصد نہیں ہوتا اور سب سے آخری اور اہم جو دونوں میں حد فاصل بن جاتی ہے وہ یہ ہے۔

کہ ساحر، بازی گر، شعبدہ باز صرف تماشہ، کرتب اور عجائبات دکھاتے ہیں اس کے ساتھ وہ اپنی زندگی کی پاکیزگی، ارادوں کی بے گناہی، دلوں کی طہارت اور صفائی، شریعت الٰہی کی تبلیغ، قلوب کا تزکیہ اور سیہ کاریوں کے قلع قمع کے نہ وہ مدعی ہوتے ہیں اور نہ بدخواص اور کارنامے ان سے ظاہر ہوتے ہیں۔

لیکن انبیاء علیہم السلام کی معصوم زندگی، پاک اخلاق، مقدس اعمال اور دیگر پیغمبرانہ خصائص وکیفیات خود ان کی منادی کرتے رہے ہیں قدم قدم پر خدا ان کی دعوت کی تائید کرتا ہے ان کی صدائے حق جماعتوں، قوموں اور ملکوں میں روحانی انقلاب پیدا کردیتی ہے ان کی سچائی، راستی اور صداقت پر ان کے سوانح حیات کا حرف حرف گواہی دیتا ہے وہ سونے چاندی پر نہیں بلکہ دلوں پر اخلاص وایثار اور صدق وصفائی کی مہر لگاتے ہیں اس کے برعکس ایک ساحر اور سمریز خواص اشیاء میں انقلاب پیدا کرسکتا ہے مگر وہ

☆ کافر کو مومن نہیں بنا سکتا۔

☆ بدکار کو نیکوکار میں تبدیل نہیں کرسکتا۔

☆ بے باک کو متقی نہیں بنا سکتا۔

☆ بخیل کو فیاض نہیں بنا سکتا۔

☆ سخت کو نرم نہیں بنا سکتا۔

☆ جاہل کو عالم نہیں بنا سکتا۔

وہ لوہے کو زرِ خالص کی صورت میں بدل سکتا ہے مگر کسی زنگ آلود دل کو جلا یا روشنی نہیں بخش سکتا۔

ممکن ہے کہ عوام دونوں کے کرتب کے اعتبار سے فرق نہ کر پائیں مگر اہلِ نظر دھوکا نہیں کھا سکتے ان دونوں کی ظاہری شکل وصورت گو ایک جیسی ہے مگر ان دونوں کے خصائص میں بہت بڑا فرق ہے۔

کیونکہ ایک پیغمبر اپنا معجزہ اور جادوگر اپنا کرتب دکھاتے ہیں تو ظاہری حیرت کدائی کے لحاظ سے عوام کے نزدیک ایک لمحہ کے لئے گو دونوں ایک ہی ہوں مگر جب حقیقت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے تو ایک اخلاق مجسمہ، پاکیزگی کا فرشتہ، شریعت کا حامل، گنہگاروں کا طبیب اور قلوب کا معالج ہوتا ہے جب کہ دوسرا محض تماشا گر، شعبدہ باز یا مصنوعی حیلہ گر اور نقال ہوتا ہے۔ ساحر کا مقصد محض وقتی طور پر لوگوں کو خوش کرنا اور کچھ حاصل کرنا ہوتا ہے مگر پیغمبر اپنا معجزہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور لوگوں میں اپنی تائید پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع چاہتا ہے اس کو عوام سے دوسرا کوئی کسی قسم کا لالچ یا مدح سرائی کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ معجزہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیش کرتے ہیں جب کہ ساحر اپنی مرضی یا ضرورت کے تحت۔

اب یہ شک رہ جاتا ہے کہ دونوں میں مشابہت پائی جاتی ہے یعنی جادوگر بے تکلف اپنی ساحرانہ قوت کو دنیا کی تزکیہ اخلاق واصلاح عالم میں صرف کر سکتا ہے اور اس سے کوئی محال عقل لازم نہیں آتا لیکن امکان عقلی اور امکان واقعی دو مختلف چیزیں ہیں۔ یہ عقلاً ممکن ہے کہ ہر شخص بادشاہ بن سکتا ہے، عالم عصر ہو سکتا ہے اور کشور کشا ہو سکتا ہے مگر واقعتاً اور عملاً یہ قدرت ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی۔

اس لئے جادوگر ایک تماشا گر ہوتا ہے اس میں یہ قدرت نہیں ہوتی کہ وہ قوت سے تزکیہ نفس، تطہیر اخلاق اور اصلاح عالم کا کام لے سکے یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی ساحر اور شعبدہ گرنے اصلاح عالم کا فرض ادا نہیں کیا لیکن پیغمبر اپنے معجزانہ کارناموں سے دنیا کو الٹ دیتا ہے، بدی کے کانٹوں کو ہٹا کر نیکی کے گل وریحان سے اس خاکدان عالم کو سجا دیتا ہے۔ اس سلسلے میں زندہ مثال اور تازہ حالات عرب کے لوگوں کے سب کے سامنے آئینہ کی طرح اسلام سے قبل

ان کیسی حالت زار تھی؟ لیکن اسلام کے پھیل جانے کے بعد انہی بدوؤں پر کیا رنگ چڑھا وہ کس طرح ظالم تھے تو کیسے رحم دل اور مشفق نظر آئے؟ تو یہی سب سے بڑا فرق سحر اور معجزہ میں ہے۔ مگر اہل علم اور بہتر عقل والے سمجھ سکتے ہیں۔؟

کیا معجزہ دلیل نبوت ہے؟:

یہاں یہ بھی سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ معجزہ پیش کرنے سے واقعی نبوت کا ثبوت مل جاتا ہے یا کہ نہیں، یا صرف معجزہ نبوت کے لئے کافی نہیں اس سلسلے میں اشاعرہ کا جواب اثبات میں اور معتزلہ کا منفی میں ہے۔ اور اس سلسلے میں ابن رشد نے کشف الادلہ میں کافی بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ منطقیانہ حیثیت سے دعویٰ اور دلیل میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے۔ معجزہ اور نبوت میں کسی قسم کی مناسبت نہیں پائی جاتی۔ مثلاً جب ایک شخص بذات خود دعویٰ کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے قوم کے عقائد واعمال اور اخلاق وغیرہ کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوا ہے۔ لیکن جب اس سے اس دعویٰ کی تصدیق طلب کی جاتی ہے تو

وہ خشک چشمے کو پانی سے لبریز کر دیتا ہے۔

یا چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھا دیتا ہے۔

یا لاٹھی کو سانپ بنا کر دکھا دیتا ہے۔

یہ واقعات اگرچہ عجیب وغریب ضرور ہیں مگر ان کو دعویٰ کے ساتھ کوئی نسبت نظر نہیں آتی۔ یعنی جس طرح کا سوال ہے سوال کے مطابق جواب نہیں دیا جا رہا۔ مثال کے طور ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بجلی یا گیس کے کام کا ماہر ہے تو وہ اپنے اس کام کی مہارت کا ثبوت یہی کام کر کے دکھائے گا تو وہ دوسرا شخص اس کی مہارت کو تسلیم کرے گا اگر وہ بجلی یا گیس کے کام کی مہارت کے بدلے انسان کو جانور اور جانور کو انسان بنا دیتا ہے تو اس کا اس کے دعوے کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے۔ اشاعرہ اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ نبوت علم وعمل کے مجموعے کا نام ہے۔ اور جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی نسبت یہ تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ وہ ان دونوں چیزوں میں کمال رکھتا ہوگا اور اسی کمال کے اظہار کے لئے معجزہ طلب کیا جاتا ہے اور انبیاء کے معجزات اگرچہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں تاہم ان کو صرف دونوں میں شمار کیا جاتا ہے:

ا اخبار بالغیب۔

۲ تصرف فی الکائنات۔

۱ ان دونوں کو اجزائے نبوت کے ساتھ ربط واتحاد ہے۔ اخبار بالغیب سے اس کے علمی کمال کا اظہار ہوتا ہے۔

۲ اور تصرف فی الکائنات سے اس کی عملی قوت ظاہر ہوتی ہے۔ ایک اور مناسبت یہ بھی ہے کہ معجزہ خرق عادت کا نام ہے۔ اس میں کوئی نزاع نہیں ہے کہ اشیاء اور حقائق کے خصائص وعلل اپنے معجزے سے توڑ دیتا ہے تو گویا وہ اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ جس برتر ذات نے ان اسباب وعلل کو بنایا ہے وہی ان کو توڑ سکتی ہے اور یہ عمل چونکہ اس کے واسطہ سے ظاہر ہوا ہے اس لئے ثابت ہوا کہ وہ اس کا فرستادہ ہے۔

اس کی مثال ایسے بھی دی جاسکتی ہے کہ ایک بادشاہ اپنی رعایا کے پاس اپنا کوئی قاصد بھیجتا ہے تو رعایا اس کو شاہی قاصد تسلیم نہیں کرتی تو وہ اس دعوے کے ثبوت میں شاہی مہر یا انگوٹھی یا سرکاری پروانہ دکھاتا ہے۔ اگرچہ ان چیزوں کو دعوی قاصد شاہی ہونے کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے مگر مناسبت اس طریقے سے ظاہر بھی ہوتی ہے کہ ایک تو انگوٹھی، مہر بادشاہ کی نشانی ہے یا پروانے پر بادشاہ کے دستخط ہونگے۔ تو یہ اشیاء عام آدمی کے ہاتھ میں نہیں ہوسکتیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کا ہی قاصد ہے اور اسی نے یہ نشانی دے کر بھیجا ہے۔

اس بحث سے یہ ظاہر ہوا کہ جس کا قاصد یا پیامبر فرستادہ ہوگا اس نے اس کی حمایت کے لئے کوئی نہ کوئی نشانی اس کو ضرور دینی ہوتی ہے تا کہ اس کی پہچان ہو اور اس کے حسب مراتب اس کا خیال رکھا جائے۔ ابن رشد نے کشف الادلہ میں معجزہ کو خطابیات میں داخل کیا ہے یعنی معجزہ بالذات اگرچہ نبوت پر یقینی طور پر دلالت پیش نہیں کرتا۔ تاہم جب کوئی پیغمبر سلسلہ کائنات میں عجیب وغریب واقعات کا اظہار کرتا ہے تو لوگ اس کے اس قدر کمال طور جانی کا اعتراف کر لیتے ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو شخص اس قسم کے ان ہونے واقعات کا مظاہرہ کرسکتا ہے تو وہ ضرور اپنے دعوی میں سچا ہوگا۔ اگرچہ نسبت منفی میں ہی ہے۔ مگر عوام کی دلفریبی کے لئے یہ کافی ہے۔

لیکن اس سے زیادہ سے زیادہ صحیح سمجھا گیا ہے کہ یہ جدل ہے جس سے مسلمات خصم سے استدل کیا جاتا ہے اور تاریخی حیثیت سے معجزات کو قیاس جدل کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔ زمانہ قدیم

سے یہ تصور پایا جاتا ہے کہ جو لوگ پیغمبر ہوتے ہیں ان میں کوئی نہ کوئی مافوق الفطرت قوت ضرور ہوتی ہے اور وہی قوت پیغمبر کو عام لوگوں سے ممتاز کرتی ہے اس بنا پر جب کوئی پیغمبر کسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے تو اس عقیدے یا خیال کے مطابق لوگ اس سے معجزہ طلب کرتے ہیں اور اس کو اپنی صداقت کی خاطر معجزہ دکھانا پڑتا ہے۔

اشاعرہ کا خیال یہ ہے کہ معجزہ منطقی نہیں بلکہ نفسیاتی دلیل ہے کیونکہ عادت انسانی یہ ہے کہ جب کسی سے کوئی غیر معمولی کارنامہ ظہور پذیر ہوتا ہے تو لوگ اس کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں اور اس کو اپنے دعوی میں صادق مان لیتے ہیں۔

آج کل اگرچہ نبوت کا سلسلہ بند ہو چکا ہے مگر ولایت کا سلسلہ تو جاری ہے اور آج کل اگر کوئی شخص ولی ہونے کا دعویٰ کردے تو لوگ اس سے کرامات کا مطالبہ کرتے ہیں اور اگر وہ شخص اپنے ولی ہونے کے لئے کوئی کرامت لوگوں کو دکھائے تو لوگوں کا حسن اعتقاد اس کے لئے بڑھ جاتا ہے۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جو شخص فطرتی طور پر متعصب معاند اور کور باطن ہے اس کے لئے یہ خوارق عادت معجزات قطعاً بے سود ہوتے ہیں کیونکہ ان کا عناد تعصب اور کور باطنی حسن ظن کے بجائے سوء ظن کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ان کے اذہان میں مختلف قسم کے شیطانی خیال آتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ان معجزات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور ان کو جادوگر یا شعبدہ باز کا نام دے کر اپنے نفس کو تسلی دیتے ہیں۔

اس لئے صحیح راستہ ہے کہ مدعی نبوت کے اخلاق، خلوص، پاکیزگی اور طہارت کا امتحان لیا جائے۔ جس میں یہ باتیں ثابت ہو جائیں گی وہ اپنے دعوے میں صادق ثابت ہو جائے گا بصورت دیگر کاذب اور جھوٹا قرار پائے گا اس سلسلے میں امام غزالیؒ نے منقدہ میں، امام رازی نے مطالب عالیہ میں اور عارف روم نے مثنوی میں بڑی وضاحت وصراحت کے ساتھ بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ نبوت کی اصل دلیل معجزہ نہیں ہے بلکہ تعلیم وارشاد اور قوت عمل کا کمال ہے۔
دہرایا جائے اس کے معاشرتی، سماجی، اخلاق اور مذہبی کردار کا جائزہ لیا جائے اور اگر اس ماضی کا کردار موجود دعوے کے ساتھ یعنی یہ نبوت کے دعوے کو پرکھنے کے لئے یہ دیکھنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس شخص کے ماضی کو کردار موجود دعوے کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے تو اس کے دعوے کو صادق تسلیم کیا جائے ورنہ اس کے دعویٰ کو رد کر دیا جائے۔ دعوے کی صداقت داعی کے ماضی کے کردار پر مبنی ہونی چاہیے نہ زبانی لفاظی کی بنیاد پر۔؟

صحابہ رضی اللہ عنہ کو نبوت کا کیسے یقین آیا

حضور اکرم ﷺ نے جب اپنی نبوت کا دعویٰ فرمایا تو مکہ شریف میں ماسوائے ایک دو افراد کے کوئی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ:۔

۱ آپؐ نے جو پیغام دیا وہ ان کے آباؤ اجداد کے مذہب کے قطعی خلاف تھا۔

۲ جو جہان کی برائیاں تھیں مثلاً چوری، ڈاکہ، قتل وغارت، کینہ عداوت، سود، قمار، شراب وغیرہ غرض وہ تمام افعال جو عرب کے خصائص بن چکے تھے آپؐ اُن کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے جس کے لئے وہ کسی صورت پر تیار نہ تھے۔

۳ آپ کے ہاتھ میں کوئی طاقت نہ تھی، دولت خزانہ نہ تھا۔

اس کے علاوہ جو کوئی ایمان کی دولت سے سرفراز ہوتا اس کو طرح طرح کی مشکلات، مصائب اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا مگر اس کے باوجود کچھ عرب کے دور دراز کے قبائل تھے جو پوشیدہ طور پر آ کر بیعت کرتے اور چلے جاتے تھے۔ آخر کار یہ تمام دشمن آپؐ کے سامنے سرنگوں ہوئے اور ایمان لے آئے۔ آخر اس کی کیا وجہ تھی؟ کہ دشمن دوست بن گئے۔ باغی مطیع ہو گئے۔

اس کے بارے میں اگر بغور مطالعہ کر کے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان سب لوگوں کے اسلام لانے کا ایک ہی سبب نہ تھا۔ سینکڑوں اور ہزاروں آدمی ایک متحد نتیجہ کا یقین رکھتے تھے۔ ہزاروں صحابہؓ نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی، آپؐ کی رسالت پر ایمان لائے۔ آپ کی صداقت پر یقین کیا۔ مگر یہ تصدیق، ایمان اور صداقت کسی ایک سبب کا نتیجہ نہ تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف معجزہ ہی نبوت کی دلیل نہیں ہے بلکہ ہر طبیعت صالحہ اور قلب سلیم کے لئے پیغمبروں کی صداقت کی مختلف دلیلیں موثر اور کارگر ہوتی ہے۔ مثلاً

۱۔ حضرت ابوبکرؓ صرف دعویٰ نبوت سن کر ایمان لے آئے انہوں نے کسی قسم کے براہان ودلائل کی ضرورت محسوس نہ کی۔

۲۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ کر ایمان لے آئے کہ وہ اس قدر سمجھ دار، دانشمند اور جہاں دیدہ ہیں اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ اور ابوعبیدہ بن جراحؓ نے بھی یہی کیا۔

۳۔ حضرت خدیجہؓ جو کہ آپ کی پہلی زوجہ محترمہ تھیں وہ آپؐ کے ماضی کے کردار اور عادات کو دیکھ کر ایمان لائیں۔

۴۔ حضرت انیس غفاریؓ اور حضرت عمرو بن عتبہ سلمیؓ یہ دیکھ کر ایمان لائے کہ آپؐ ہمیشہ مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں۔

۵۔ حضرت عمرؓ، حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی، حضرت جبیرؓ بن مطعم، نجاشیؓ شاہ حبش وغیرہ اور سینکڑوں اشخاص کلام اللہ ربانی سن کر اس سے متاثر ہو کر ایمان لائے۔

۶۔ حضرت ضمادؓ بن ثعلبہ ازدی نے کلمہ طیبہ سن کر ایمان لایا۔

۷۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام چہرہ انور دیکھ کر پکارا اٹھے کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں اور وہ مسلمان ہو گئے۔

۸۔ حضرت ضمام بن ثعلبہ رئیس بنی سعد کے السلام لانے کا واقعہ یوں ہے کہ انہوں نے بے تکلفی سے درباری نبویؐ میں آ کر آنحضرت ﷺ کو قسم دلائی کہ تم کو سچ مچ خدا نے بھیجا ہے اور جب آپؐ نے قسم کھائی تو وہ مسلمان ہو گئے۔

اوس اور خزرج قبائل کے لوگ اپنے یہودی ہمسایوں سے حضور ﷺ کے بارے سنا کرتے تھے کہ آپؐ کا ظہور ہونے والا ہے تو انہوں نے آپ کی تقریر سنی تو وہ مسلمان ہو گئے فتح مکہ کے موقع پر سینکڑوں مسلمان ہوئے اور لوگ یہ ماننے پر مجبور ہو گئے کہ یہ خانہ خلیل ایک جھوٹے پیغمبر کے قبضے میں نہیں جا سکتا بعض قبائل محض آپؐ کی فیاضی کو دیکھ کر ایمان لے آئے۔ عرب کے متعدد شعراء اور اصحاب علم قرآن پاک کر اثر اور اس کی فصاحت وبلاغت کو دیکھ کر ایمان لے آئے۔

چند کفار غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں کے آداب واخلاق کو مدنظر رکھ کر مسلمان ہو گئے تھے۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب مسلمانوں اور کفار مکہ کا میل جول عام ہو گیا تو کفار مکہ مسلمانوں کے عادات واطوار اور کردار سے متاثر ہو کر ایمان لے آئے اور آپؐ کی صداقت کا دم بھرنے لگے۔ اس کے علاوہ بہت سے کفار، یہودی اور نصرانی وغیرہ فتح مکہ کے مختلف محرکوں میں مسلمانوں کے عمل حسنہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے۔

مگر اس کے ساتھ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن پر نہ تو آپؐ کی امانت وصداقت کے موتیوں کی چمک پڑ سکی اور نہ ہی ان کے دلوں میں آپؐ کے معجزات نے ہی اثر پیدا کیا اور نہ ہی ان کے دلوں میں آپؐ کے معجزات نے ہی اثر پیدا کیا اور نہ ہی ان کو آپ کی رشتہ داری دل نرم کر سکی وہ باقاعدہ اپنی ہٹ دھرمی، حسد اور تعصب کی عینک لگائے اڑے رہے جن میں درج ذیل نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ ابوجہل۔ابوسفیان وغیرہ

ان کے علاوہ ثمامہ بن آثال، ہندہ زوجہ ابوسفیان، ہبار بن الاسود، وحشی قاتل حضرت حمزہ یہ دیکھ کر مسلمان ہوگئے کہ آپؐ دشمنوں کے ساتھ بھی محبت وشفقت کا سلوک کرتے ہیں۔
قیصر روم محض آپؐ کے چند اوصاف اور اسلام کے چند مناقب سن کر اظہار حق پر مائل ہوگیا تھا۔
حضرت عدی بن حاتم طے کے عیسائی رئیس تھے۔ وہ آپ کو بادشاہ سمجھ کر مدینے طیبہ آئے مگر جب یہ دیکھا کہ آپؐ ایک ادنی آدمی کو بھی اٹھ کر ملتے ہیں اور بڑے آداب سے بٹھا کر خدمت کرتے اور بات کرتے ہیں تو اس نے پکار کر کہا کہ آپؐ بادشاہ نہیں پیغمبر ہیں۔"

ایسے بے شمار لوگ تھے جو محض آپؐ کے کردار، اخلاق، فیاضی اور محبت وشفقت کو دیکھ کر ایمان لے آئے۔ ایک عورت نے آپؐ کے ہاتھ کی انگلیوں سے پانی نکلتا دیکھ کر اپنے قبیلے کے لوگوں کو بتایا تو وہ اس حیران کن عمل کو دیکھ کر ایمان لے آئے۔

بعض لوگ آپؐ سے مختلف معجزات کو دیکھ کر ایمان کی نعمت سے مالا مال ہوئے مثلاً سراقہ بن مالک جو ہجرت کے وقت آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتے آرہے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ آپ کی دعا سے تین دفعہ ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین مین دھنس گئے تو ان کو یقین ہوگیا کہ اسلام کے اقبال کا ستارہ نقطہ عروج پر پہنچ کر رہے گا چنانچہ خط امان حاصل کیا اور بعد میں مسلمان ہوگئے۔

یہ ہیں وہ حالات اور وجوہات جن کی وجہ سے صحابہ کرام حضورﷺ پر ایمان لائے اور یہود کو یہ ثبوت پیش کیئے۔ کہ اسلام تلوار کے سائے میں نہیں پھیلا بلکہ وہ حضورﷺ کے اخلاق وکردار کی برکت، ان کی تعلیمات اور قرآن پاک کی برکت سے عرب میں پھیلا کیونکہ کفار مکہ حضورﷺ کو بچپن سے ہی جانتے تھے، ان کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ اور اہل مکہ کی دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے طریقوں اور مذہب ورسومات کو چھوڑنا اپنی بے عزتی اور بزدلی تصور کرتے تھے۔

مفہوم نبوت

یہ ایک سنت الٰہی ہے کہ جب دنیا میں ہر طرف ظلم وضلالت وگمراہی کے بادل چھا جاتے ہیں تو اچھے برے کی تمیز مٹ جاتی ہے بلکہ برے کو اچھے پر ترجیح دی جاتی ہے اور اس کا احترام واکرام مدنظر رکھا جاتا ہے قانون قدرت کے مطابق ہدایت ونور کا سورج طلوع ہوتا ہے۔ اس کی مثال علماء کرام نے یوں پیش کی ہے کہ جس طرح رات کی تاریکی کے بعد دن کا طلوع ہونا قانون قدرت ہے اسی طرح ظلمت وگمراہی کے بعد ہدایت ورہنمائی کا نور طلوع ہونا بھی قانون قدرت کا ایک حصہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے اگرچہ عام مصلحین اور مبلغین دین اس ظلمت شب مین چھوٹے بڑے علماء اپنی بساط کے مطابق کچھ نہ کچھ ہدایت کا کام کرتے رہتے ہیں مگر اس وقت ان کی حقیقت ختم ہونے کے برابر نہ سہی تو غیر موثر ضرور تصور کی جاتی ہے تو ان حالات میں آفتاب کی ضیاء پاشی کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے اور اس کے سامنے ان چھوٹے بڑے ستاروں یا علماء کی جھلملاہٹ بالکل ماند پڑ جاتی ہے اور کرہ ارض دفعتہً بقعہ نور خود بن جاتا ہے۔
سلسلہ مصلحین کے اس آفتاب ہدایت ونور کا نام ادیان شرائع کی اصطلاح میں نبیؐ پیغمبر یارسول ہے۔ عام مصلحین کے ہاتھ میں صرف انسانی عقل وبصیرت کی مشعل ہوتی ہے لیکن مشکوۃ نبوت سے جو نور ہدایت ابلتا ہے اس کا سرچشمہ وہ نور السموات والارض ہوتا ہے جس سے عام مادی کی آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں۔ پیغمبر جو کچھ دیکھتا ہے وہ ہم نہیں دیکھ سکتے، وہ جو کچھ سنتا ہے وہ ہم نہیں سن سکتے اس کے احوال وکوائف سے ہم ناآشنا اور اس کے عقل وحواس سے بیگانہ ہوتے ہیں مختصر طور پر یوں عرض کیا جاسکتا ہے کہ پیغمبرانہ خصائص کی اصل روح عالم ناسوت سے اور کسی عالم غیب کے ساتھ تعلق وربط ہوتا ہے انسان اسی عالم اسرار غیوب کو اپنی محدود تعبیر میں عالم قدس، عالم ارواح اور عالم مثال وغیرہ سے موسوم کرتا ہے۔ غرضیکہ مفہوم نبوت کو سمجھنے کے لئے ہدایت ورہنمائی کے سلسلے میں لالٹین اور بجلی کے بڑے بلب کی روشنی کی مثال سامنے رکھی جائے تو آسانی رہے گی۔
نبی دنیا کو روشن کرنے والا ہوتا ہے اور عام مصلحین اپنے معمولی دائرہ اختیار تک بساط رکھتے ہیں۔
اسی طرح ان کے درجات ومراتب میں فرق ہوتا ہے۔

قوانین فطرت اٹل ہیں

جن چیزوں کو ہم قانون فطرت کا نام دیتے ہیں وہ بظاہر اس قدر قطعی اور اٹل نظر آتی ہیں کہ ان کو تبدیل کرنے کا کسی کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے مثلاً اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ:۔

نمک نمکین اور شکر میٹھی کیوں ہوتی ہے؟

اگر چہ یہ سوال مہمل نظر آئے گا یا دوسرا سوال اگر کوئی دریافت کرے کہ:

''جز کل سے کیوں چھوٹا ہے؟''

تو ظاہر ہے کہ جز تو جز ہوتا ہے اور کل بہ کل ہوتا ہے اسی طرح یہ وضاحت کی جاسکتی ہے کہ نمک کیوں نمکین ہوتا ہے اور چینی کیوں میٹھی ہوتی ہے؟ اور یہ تمام تجربے نے انسان کو علم کی حد تک پہنچایا ہے۔ جیسے کہ نمک کو آگے پیچھے سے یا چینی کو اوپر نیچے یا سینکھیے کو دائیں بائیں سے دیکھیں تو کچھ نظر نہیں آئے گا ان کی تاثیر کا کوئی علم نہیں ہوگا جب تک ان کو چکھا نہ جائے یعنی عمل میں نہ لایا جائے تو ظاہر ہے کہ عمل سے علم حاصل ہوتا ہے۔ تجربے سے انسان کے علم کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ جب یہ تسلیم کرلیا کہ قوانین فطرت کی بنیاد تمام تر تجربہ پر ہے اور تجربہ کے ناقابل خطا ہونے کا کبھی کسی حالت میں بھی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا تو پھر ظاہر ہے کہ کسی شے کو خلاف فطرت یا خارق عادت کہہ کر اس کو غلط یا ناممکن کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے؟ چنانچہ ہیوم کو اپنے اسی اصول پر دعویٰ ہے کہ:۔

''جس شے کا تصور ممکن ہے وہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہوسکتی اور جو شے مستلزم تناقض نہ ہو اس کو کسی حجت و برہان یا عقلی دلیل سے غلط ثابت نہیں کیا جاسکتا''۔

پروفیسر ہکسلے جو کہ فلسفی سے زیادہ حکیم یا سائنسدان بھی ہے اور حکماء کی صف اول میں مقام رکھتا ہے اس نے بھی ہیوم کے اس قوم کی تائید کی ہے۔ خود ہیوم کے نظریہ معجزات پہ بحث کرتے ہوئے پہلے تو اس نے معجزہ کے متعلق اس کی اس تعریف کی تغلط کی ہے۔ ''کہ وہ نام ہے قوانین فطرت کے خرف عادت کا'' اور بتلایا ہے کہ معجزات کے معنی زیادہ سے زیادہ انتہائی حیرت انگیز واقعات کے ہوسکتے ہیں پھر اس نے ہیوم کے مذکورہ بالا قوم کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

''لیکن معجزہ کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ یہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہے لہٰذا خود ہیوم ہی کے دعویٰ کے مطابق معجزہ کو کسی برہانی دلیل سے غلط ثابت نہیں کیا جاسکتا۔''

''باایں ہمہ ہیوم خود اپنے اصول کے خلاف اور بالکل متناقض ایک دوسری جگہ پر لکھتا ہے کہ مردہ کا زندہ ہوجانا معجزہ ہے کیونکہ ایسا پہلے کبھی کسی زمانے میں اور کسی ملک میں نہیں ہوا ہے''۔

پروفیسر ہکسلے اور پروفیسر ہیوم کے استدلال کی مہملیت کو برہنہ کرکے دیکھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ:۔

''جو چیز پہلے کبھی نہیں واقع ہوئی وہ آئندہ بغیر قوانین فطرت کے خرق کے نہیں واقع ہوسکتی''۔

باالفاظ دیگر قانون فطرت کی نوعیت دراصل قانون عادت کی ہے یعنی کسی شخص کے بارے میں یہ پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی کہ وہ اتنی عمر میں مرجائے گا۔ تجربے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ کسی جماعت میں اتنے فیصد لوگ چالیس سال یا پچاس سال کی عمر میں مرجائیں گے تو مذہب کی زبان میں اس قانون عادت کو عادت اللہ کہا جاتا ہے۔ جس کی بنا پر بھی عمل فطرت کی یکسانی یا قوانین فطرت کے نفس وجود کا انکار لازم نہیں آتا۔ البتہ ان قوانین کا نشانہ یہ ہے کہ بہرے، بے علم و اختیار مادہ کا اٹل وجوب ولزوم سے نہیں ایک علم واختیار والی ذات (اللہ تعالیٰ ن) کی عادت جاریہ سے ہے جو کسی حکمت ومشیت کے تحت کبھی کبھی اس عادت جاریہ کے خلاف بھی کرسکتی اور کرتی ہے، یہی معجزہ ہے۔ اور بقول مشہور سائنسدان ڈاکٹر کارپنٹر کے کہ:۔

''قائل مذہب سائنسدان کو اس کے ماننے میں کوئی عقلی دشواری نہیں پیش آسکتی کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف بھی کرسکتا ہے ہم کو معجزات کے خلاف اگر سائنس کے کسی ایسے فتوے کا علم نہیں جو معتبر شہادت کی موجودگی میں ان کے قبول سے مانع ہو''۔

ہکسلے کو اگرچہ ہیوم سے شدید اختلاف ہے کہ معجزہ نام قوانین فطرت کے خرق کا ہے لیکن توضیحات بالا سے قانون فطرت کی جو حقیقت ثابت ہوتی ہے۔ اس کو اگر وضاحت کے ساتھ سامنے رکھا جائے تو ہمارے نزدیک معجزہ کی یہ تعریف چنداں قابل اعتراض رہ جاتی:۔

۱۔ قوانین فطرت عبارت ہیں قوانین عادت سے۔

۲۔ جو ہم کو بذات خود اشیاء کے اندر نہیں معلوم بلکہ ان کی بنیاد تمام تر گذشتہ تجربہ پر ہوتی ہے۔ جس کے خلاف ہونا ہمیشہ ممکن ہے اور کسی اصلی استحاد کو مستلزم نہیں۔

۳۔ لہٰذا قوانین فطرت کے خلاف ہونا یعنی ان کا خرق بذات خود ممکن عقلاً جائز ہے بہ الفاظ دیگر یہ کہ معجزہ عقلاً بالکل جائز و ممکن ہے۔

☆..........☆..........☆

شہادت معجزات

امکان وقوع کے لئے کافی نہیں

اگر کسی امر کا صرف عقلاً جائز و ممکن ہوتا اس کے وقوع کی دلیل نہیں۔ یہ بالکل جائز و ممکن تھا کہ اکبر ہندوستان کے ساتھ کسی دوسرے ملک کا بھی بادشاہ ہوتا مگر واقعتاً ایسا نہیں ہوا۔

کسی کے وقوع کو قبول کرنے کے لئے دو صورتیں ضروری ہیں:۔

(۱) غیر مشتبہ مشاہدہ (۲) تشفی بخش شہادت

۱۔ غیر مشتبہ مشاہدہ! یعنی ایسا مشاہدہ جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔

۲۔ تشفی بخش شہادت: ایسی شہادت جس سے انسان کو بالکل تسلی اور اطمینان حاصل ہو جائے کہ یہ واقعہ صحیح ہے۔

نمبر (۱) غیر مشتبہ مشاہدہ کی صورت میں کوئی شے بحث طلب نہیں رہ جاتی مثلاً آنحضرت ﷺ نے ایک سفر میں حضرت جابرؓ سے وضو کا پانی طلب فرمایا، اُنہوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈا مگر پانی نہ ملا۔ ایک انصاری خاص طور پر آنحضرت ﷺ کے لئے پانی جمع کر کے رکھتے تھے۔ حضرت جابرؓ نے آپ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی تو آپؐ نے ان کو انصاری کے پاس بھیجا لیکن ان کے پاس بھی اس قدر کم پانی تھا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصے ہی میں جذب ہو کر رہ جاتا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو خبر دی تو آپؐ نے اس برتن کو منگوا بھیجا اور ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور اس کو ہاتھ سے دبا دیا۔ پھر حضرت جابرؓ کو برتن دیا اور طشت طلب فرمائی آپؐ نے ہاتھ کی انگلیاں پھیلائیں اور اس طشت کے اندر رکھ کر حضرت جابرؓ کو حکم دیا کہ ''بسم اللہ کر آپؐ نے ہاتھ پر پانی گرائے'' حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے پانی

ڈالنا شروع کیا پہلے آپؐ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اُمڈا پھر تمام طشت بھر گیا۔ یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیر ہو گئے اس کے بعد آپؐ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت پانی سے بھرے کا بھرا رہا۔ اب اگر حضرت جابرؓ نے اس واقعہ کو خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا یا دیکھا ہو اور اس کو اس واقعہ میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو تو تبھی کو یقین کر لینے میں کیا روک ٹوک ہو سکتی ہے؟ البتہ دوسرے کو باور کرنے میں بحث ہو سکتی ہے کہ واقعی یہ واقعہ ممکن ہے یا کہ ناممکن اور حضرت جابرؓ کی شہادت کہاں تک قابل قبول ہو سکتی ہے؟

لہٰذا امکان معجزہ کا مرحلہ طے ہو جانے کے بعد دوسری بحث شہادت معجزات کی پیدا ہوتی ہے۔ اگر کسی معجزہ کی تصدیق میں تسلی بخش شہادت موجود ہو تو اس کے قبول سے محض معجزہ ہونے کی بنا پر کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا مثلاً:۔

> ''ایک سفر میں صحابہ بھوک سے اس قدر بے تاب ہوئے کہ اونٹنیاں ذبح کرنا چاہیں لیکن آپؐ نے تمام لوگوں کو زادِ راہ جمع کرنے کا حکم دیا اور ایک چادر بچھائی گئی اور اس پر تمام زادِ راہ ڈھیر کیا گیا اس تمام سامان کی مجموعی تعداد نے صرف اس قدر زمین کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی جبکہ اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھا لیا اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لیے''۔

اب اگر اس حدیث میں ان امور کی شہادت مل جائے کہ:۔

۱۔ تمام زادِ راہ صرف ایک بکری کے بیٹھنے بھر کی جگہ میں آ گیا تھا۔

۲۔ اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی۔

۳۔ سب لوگوں نے سیر ہو کر کھا لیا تھا۔

۴۔ اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے تھے۔

تو اس بارے میں تشفی بخش شہادت مل جائے گی تو ہکسلے جیسے حکیم و فلسفی تک کو اس روایت کے قبول کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ اور اسی قسم کا حضرت مسیح علیہ السلام کا معجزہ انجیل مقدس میں مذکور ہے کہ:۔

> ''پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں سے پانچ ہزار آدمیوں کا پیٹ بھر گیا پھر بھی اتنے ٹکڑے بچ گئے کہ ان کو جمع کرنے سے بارہ ٹوکریاں بھر گئیں''۔

لیکن اس معجزہ کو تسلیم کرنے میں روایۃً اور درایۃً جو دشواری محسوس کی جاتی ہے اس کو

واضح کرنے کے بعد بھی ہکسلے نے لکھا ہے کہ:۔

''اگر یہ ثابت ہو جائے کہ:۔

۱۔ کھانا شروع کرتے وقت روٹیوں اور مچھلیوں کا وزن کیا تھا۔؟

۲۔ پانچ ہزار آدمیوں میں تقسیم کی گئیں تا کہ ان کی کمیت یا کیفیت میں کوئی اضافہ ہوا ہو۔

۳۔ تمام آدمی واقعاً پوری طرح آسودہ ہو گئے۔

۴۔ اس کے بعد ٹوکریوں میں جو ٹکڑے جمع کئے گئے ان کا وزن کیا تھا تو پھر ممکنات وناممکنات کے بارہ میں میرے موجودہ خیالات کچھ بھی ہوں۔لیکن مذکورہ بالا چار چیزوں کی تشفی بخش شہادت کے بعد مجھ کو ماننا پڑے گا کہ پچھلے خیالات غلط تھے اور اس معجزہ کو ممکنات فطرت کی ایک نئی اور خلاف توقع مثال سمجھوں اے گا۔غرض معجزہ نہ صرف فی نفسہ ایک ممکن الوقوع شے ہے بلکہ تشفی بخش شہادت کی بنا پر اس کے وقوع کا یقین بھی کیا جاسکتا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ معجزات کا یقین کروانے کے لئے کسی معجزہ یا کرامت کی تائید میں صرف ممکن سے ممکن انسانی شہادت کا مہیا کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ پہلے اس کے عدم امکان کا وسوسہ پوری طرح ذہن سے نکالنا ضروری ہے اور پھر یقین کی ما واسباب پر بحث کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ وسوسہ یا وہم کو کسی حکیم ،فلاسفر کے پاس علاج نہیں ہے اور یہ شیطانی عمل ہے۔

لہٰذا یقین معجزہ کے لئے بھی کسی غیر معمولی شہادت کی ضرورت نہیں کیونکہ کسی کے پاس کسی کو معجزہ کا یقین دلانے کے لئے کوئی ایسی منطق یا عقلی استدلال نہیں جو بذات خود ہر عام وخاص کو معجزات کا یقین دلا سکے۔غرض یقین اپنی ماہیت کی رو سے تمام تر صرف ایک نفسی میلان ہے جو نہ علم کا پابند ہے نہ جہل کا ،جس کا انحصار نہ عقل پر ہے نہ بے عقلی پر، جو نہ سچ پر موقوف ہے نہ جھوٹ پر، وہ فلسفہ، حکمت، علم وعقل سب چیزوں پر پیدا ہوسکتا ہے اور کسی سے بھی پیدا نہیں ہوسکتا

خواہش یقین

اس سے یہ مراد ہے کہ کسی چیز کے یقین کرنے کے لئے یہ امر لازمی ہے کہ پہلے دل میں اس کے یقین کرنے کا ارادہ یا خواہش پیدا ہو۔ کیونکہ یقین ایک قسم کی تشفی یا تسلی ہے جو کہ ایک

نفسیاتی عمل ہے جب تک اس کے لئے طلب وتشنگی موجود نہ ہو۔اس وقت تک یقین حاصل نہیں ہوتا کیونکہ:۔

پانی پینے اور اس سے سیراب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے پیاس لگے لیکن اکثر پیاس لگنا ہی پانی کیلئے کافی نہیں ہوتا بلکہ شرط یہ ہے کہ اس کے پینے سے کوئی روکنے والا خیال موجود نہ ہو۔مثلاً پانی کا دشمن کے ہاتھوں ملنا،اس کی ناپاکی ،شبہ، کسی بیماری کے لگنے یا اس کے مضر ہونے کا اندیشہ وغیرہ ہو مگر بعض اوقات انسان کو ترغیبات کی موجودگی بھی پانی پینے یا کسی چیز کے کھانے پر آمادہ کر دیتی ہے۔مثلاً اگر گرمی کے موسم میں صحت وصفائی کے ساتھ ٹھنڈا پانی میسر آنا یا سردی کے موسم میں کسی دوست کے ہاں چائے کا دور چل رہا ہو اور دعوت دی جائے تو خواہ مخواہ پینے کو جی کر آئے گا۔

☆..........☆..........☆

غایئت معجزات

معجزہ منطقی دلیل نہیں

فلاسفر اور حکماء نے یہ ثابت کیا ہے کہ معجزہ نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے۔ البتہ جو شخص:۔

۱۔ مذہب کا قائل ہو۔

۲۔ غیب پر ایمان رکھتا ہو۔

۳۔ سنت الٰہی کا معتقد ہو تو بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے خدا ان ہی کے اندر سے کسی نہ کسی برگزیدہ بندے کو اپنے پیام کے ساتھ بھیجتا رہا ہے۔

اس کے سامنے جب کسی مقدس انسان کی طرف سے اس پیام کے حامل نبی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور یہ داعی الی اللہ اپنے ظاہری و باطنی کمالات اخلاقیہ و اوصاف حمیدہ کے لحاظ سے عام انسانوں سے برتر نظر آتا ہے تو اس شخص کے دل میں ایمان کی لہر پیدا ہو جائے گی اب اگر اسی نبی یا پیغمبر سے کوئی معجزہ نما واقعہ ظاہر ہوتا ہے یا اس کی طرف کسی معجزہ کا انتساب کیا جاتا ہے تو اس کی صداقت کی ایک ''آیت' یا نشانی کا کام دیتی ہے جس سے ذوق ایمان کی تقویت ہوتی ہے اور اس طرح ایمان کے تشنہ کام نفوس کے لئے ایک معنی کر کے معجزہ براہ راست خود نبوت نہیں البتہ مدعی نبوت کی صداقت کی ایک نفسی دلیل بن جاتا ہے۔

معجزہ کی اصل غایئت

مذہب کی بنیاد تمام تر اسرار وغیوب پر ہے سب سے بڑا سراپا غیب خود خدا کا وجود اور اس کی ذات ہے۔ حشر ونشر، جن وملک، وحی والہام وغیرہ تمام چیزیں ایک عالم غیب ہیں اور نبوت نام ہے اسی عالم غیب کے ساتھ روابط وعلائق کا۔ معجزہ میں بھی چونکہ ایک طرح کا غیب پایا جاتا

ہے یعنی وہ عالم ظاہری کے سلسلے علل و اسباب سے الگ معلوم ہوتا ہے اس لئے جو غیب پر ایمان رکھتا ہے اس کا نفس قدرۃ اس یقین کی جانب مائل ہو جاتا ہے کہ جس برگزیدہ انسان سے معجزہ ظاہر ہوا ہے وہ عالم غیب سے خاص تعلق رکھتا ہے۔

لیکن اگر کوئی غیب پر ایمان ہی نہیں رکھتا یعنی سرے سے ہی خدا اور مذہب کا قائل نہیں تو ظاہر ہے کہ اس کے لئے معجزہ تصدیق نبوت کی نہ کوئی دلیل بن سکتا ہے اور نہ آیت یا نشانی وغیرہ۔ غرض معجزہ کو معجزہ سمجھ کر اس کے یقین وقبول کی اولین شرط یہ ہے کہ وہ آدمی غیب (خدا و مذہب) پر ایمان رکھتا ہو۔ اس کے بعد دیکھنے کی بات یہ ہے کہ معجزہ کی مذکورہ بالا غایت اور اس پر یقین اولین شرط کو پیش نظر رکھ کر وقوع معجزہ کی دو ہی صورتیں نکلتی ہیں جن کی طرف ارشاد کیا گیا ہے۔

پہلی صورت

پہلی صورت یہ ہے کہ خدا نے نظام عالم چلانے کے لئے کچھ اصول وقوانین مقرر کر دیئے ہیں جن کے مطابق اس کل کا ہو پرزہ اپنی اپنی جگہ پر کام کرتا رہتا ہے۔ اور ارادہ الٰہی اپنی اس سنت جاریہ میں کبھی کسی حالت میں کوئی تغیر یا تبدیلی نہیں کرتا بقول ''اسپنوزا'' کے کہ:۔

''خدا کی خدائی اور اس کی حقیقی عظمت وحکمت کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ عالم ایک بندھے ہوئے غیر متغیر نظام کا پابند ہو۔ قدرت خداوندی کے معنی یہی ہیں کہ کارخانہ قدرت فطرت اپنے ازلی یا اٹل قوانین کی تابع ا۔ ہے''۔

اس احتمال کی رو سے معجزہ کا وقوع بھی ان ہی ازلی قوانین کی کسی نہ کسی ایسی کارفرمائی کے ماتحت ہونا چاہیے جس کا کم از کم ظہور معجزہ کے وقت عالم لوگوں کو علم نہیں ہوتا اس لئے معجزہ دراصل محض ایک فطری واقعہ ہوتا ہے جو بظاہر لوگوں کو معجزہ نظر آتا ہے۔ مثلاً جس وقت تک عمل تنویم کے نفسی قوانین فطرت کا انکشاف نہیں ہوا تھا عصائے موسیٰ علیہ السلام کا اژدھا بن جانا معجزہ تھا لیکن آج اس نفسی قانون کے جاننے والوں کے لئے کرسی کا شیر بن جانا فطری واقعہ ہے اور عصائے موسیٰ علیہ السلام کے اژدھا نظر آنے کی بھی اس سے توجیہ کی جاسکتی ہے۔

دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ کارخانہ کائنات خدا تعالیٰ کے بندھے ہوئے قوانین یا اصولوں کے تحت چل رہا ہے لیکن کبھی کبھی خدا اپنے مرسلین ومقربین کی تائید غیبی اور برائے مظاہرہ

صداقت کے اس سنت جاریہ مین مداخلت اور تغیر و تبدیلی کو بھی جائز رکھتا ہے کیونکہ فلاسفروں ، عقلاء اور حکماء کے نزدیک ہر معلول کی براہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہستی برتر کا ارادہ ہے۔ ان فلاسفروں کے نزدیک وقوع معجزہ کے لئے ارادہ الٰہی کی براہ راست مداخلت والا ہی احتمال زیادہ قابل قبول ہوگا۔

یقین معجزہ کی شرائط

معجزہ پر یقین کرنے کے لئے درج ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ خدا اور غیب کا یقین۔

۲۔ غیب پر ایمان رکھتا ہو۔

۳۔ سنت اللہ کا معتقد ہو۔

اگر کسی شخص کا غیب پر ایمان ہے اور فرعون وابوجہل کی طرح عناد و تعصب کے موانع موجود نہیں ہیں۔ اور ساتھ ہی حضورﷺ کی نبوت کی زندگی اپنے احوال و اخلاق کے لحاظ سے بجائے خود اس کی نبوت کی دلیل ہے تو معجزہ (یعنی خارق عادت) کا کیا ذکر ہے جو پیغمبر کی آواز و صوات کا ہی معجزہ ہے۔

در دل ہر کس کہ دانش رامزہ است
روے و آواز پیغمبر معجزہ است

حقیقت وحی

لغت میں وحی کے معنی ''الاشارۃ السریعۃ'' ہیں یعنی تیزی سے اشارہ کرنا۔ قرآن میں وحی کا لفظ مختلف موقعوں پر استعمال ہوا ہے۔ ان سب متفرق آیتوں کو جن میں لفظ وحی آیا ہے۔ ایک جگہ جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی سے مراد وہ کلام ہے جو منھ اور کان کی مدد کے بغیر کسی تک پہنچا ہو۔ جب خدا نے حضرت زکریا علیہ السلام کو جب کہ وہ بوڑھے تھے اور ان کی بی بی بانجھ تھیں، ان کے ہاں بیٹا پیدا ہونے کی بشارت ہوئی تو حضرت زکریا نے اپنے اطمینان کے لئے ایک نشانی مانگی۔ خدا نے فرمایا کہ تمہاری یہ نشانی ہے کہ تم برابر تین رات دن لوگوں سے بات نہ کرسکو گے۔ جب حضرت زکریا حجرے سے باہر آئے تو وہ بول نہیں سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اشارہ سے لوگوں کو سمجھادیا کہ صبح شام خدا کی تسبیح کرتے رہو۔ یہاں منہ اور کان کی مدد کے بغیر ایک بات کے سمجھا دینے کو وحی کہا گیا ہے۔

(فَاَوْحٰی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا) (ع مریم ۴۳)

خدا نے شہد کی مکھی کو چھتا بنانے اور شہد جمع کرنے کی جو تعلیم دی اور اسی طرح جانوروں کی ہر ایک نوع کو زندگی کا جو طریقہ سکھایا یعنی ان کو عقل حیوانی دی تو خدا کی یہ تعلیم بھی وحی ہے جیسا کہ خدا نے فرمایا۔

اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ (ع نحل ٦٧)

خدا نے غیر ذی روح چیزوں کو جو ان کا کام بتادیا اور ان کو ان کے ڈھرے پر لگادیا اس کو بھی وحی کہا گیا ہے۔

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ اَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا

"پھر دو دن میں خدا نے سات آسمان بنا دیئے اور سب آسمانوں کو ان کا کام بتا دیا (وحی کر دیا)" (۴ع فصلت ۵۹)

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا

جب زمین زور سے ہلا دی جائے گی

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا

اس دن یہ (زمین) اپنی خبریں بیان کر دے گی

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا

اس لئے کہ تمہارا پروردگار اس کو حکم دے گا (وحی کرے گا) (۵ زلزال ۹۵)

خدا فرشتوں کے ساتھ جو کلام کرتا ہے وہ بھی وحی ہے، جیسا کہ جنگ بدر کے متعلق ارشاد ہے:

اِذْ يُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ

جب تمہارے رب نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، سو تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو، میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب اور ہیبت ڈال دونگا (۲ع انفال ۸)

شیطان ایک پلید روح ہے، وہ جب لوگوں کے دلوں میں برے وسوسے اور خیالات ڈالتا ہے تو چونکہ اس کا یہ کلام بھی منہ اور کان کی مدد کے بغیر ہوتا ہے اس لئے اس کے لئے بھی لفظ وحی استعمال ہوا ہے۔

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ

"اور (اے محمدؐ) شیاطین تو اپنے رفیقوں کو کہتے رہتے ہیں کہ تمہارے ساتھ جھگڑا کرتے رہو"۔ (۱۱ع ۱۴ انعام ۵۳)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا

اور اسی طرح ہم نے انسانوں کے شیاطین کو اور جنوں کو ہر ایک نبی کا دشمن بنا دیا تھا کہ دھوکا دینے کی غرض سے ایک دوسرے کو طمع کی باتیں کہا کرتے تھے۔

(ن ۱۴ ۱۱ انعام ۵۳)

پیغمبروں کے علاوہ حضرت موسیٰؑ کی والدہ اور حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کو جو حکم دیا گیا اس میں بھی لفظ وحی استعمال ہوا ہے۔

اِذْ اَوْحَيْنَا اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى

(اے موسیٰ) جب ہم نے تمہاری ماں کی طرف وہ وحی بھیجی جس کا حال (تم کو اب) وحی کے ذریعے سے بتایا جاتا ہے (۱۴ع ۲ طہٰ ۴۴)

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی بھیجی کہ ان کو دودھ پلاؤ (۷ع القصص ۴۸)

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ

اور جب میں نے حواریوں کو وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (خدا) تو اس بات کا گواہ رہے کہ ہم فرمانبردار ہیں (۳ع ۱۵ مائدہ ۱۱۴)

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ

جب وہ لوگ یوسف کو اپنے ساتھ لے گئے اور سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا اس کو کسی اندھے کوئیں میں ڈال دیں (اور انہوں نے ایسا ہی کیا) تو ہم نے یوسف کو وحی کی کہ ایک دن آئے گا جب کہ تم ان کو اس کام پر متنبہ کرو گے اور وہ جان نہ سکیں گے۔ (۹ع ۲ یوسف ۵۱)

پیغمبروں پر وحی

قرآن میں مندرجہ بالا گیارہ آیتوں کے سوا جن میں لفظ وحی عام معنی میں مستعمل ہوا ہے جہاں کہیں لفظ وحی آیا ہے اس سے خدا کا وہ کلام مراد ہے جس کے مخاطب پیغمبر ہیں۔

چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰے وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَھٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا.

(اے محمدؐ) ہم نے تمہاری طرف (اسی طرح) وحی بھیجی ہے جس طرح ہم نے نوحؑ اور (دوسرے) نبیوں کی طرف، جو ان کے بعد ہوئے وحی بھیجی تھی، اور (جس طرح) ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیل اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤدؑ کو زبور دی تھی۔

ایک اور جگہ فرمایا کہ:

اور کتنے رسول ہیں جن کا حال ہم تم سے پیشتر بیان کر چکے ہیں اور کتنے رسول ہیں جن کا حال ہم نے تم سے بیان نہیں کیا، اور اللہ نے موسیٰؑ سے باتیں کیں۔

رُسُلاً مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا.

یہ رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے (تھے) تاکہ پیغمبروں کے (آئے) پیچھے لوگوں کو خدا پر حجت باقی نہ رہے۔ اور خدا غالب (اور) حکمت والا ہے (۳۰ع ۲۳ نساء ۹۴)

وحی نازل کرنے کے طریقے

قرآن میں وحی بھیجنے کا طریقہ بھی بیان فرما دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

وَمَا کَانَ لِبَشَرٍاَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْیُرْسِلَ رَسُوْلاً فیوحی باذنہ ما یشاء انہ علی حکیم.

کسی آدمی کو یہ تاب نہیں کہ خدا اس سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی یا حجاب کا پیچھے سے، یا کسی فرشتے کو اس کے پاس بھیج دیتا ہے۔ اور وہ فرشتہ اللہ کے حسب حکم اور حسب منشاء وحی کرتا ہے بیشک وہ بلند مرتبہ حکمت والا ہے۔

وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ہ مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَاالْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صراط مستقیم.

اور (اے محمدؐ) اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح (یعنی وحی) بھیجی تم تو نہ کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو، لیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک نور بنا دیا ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اس کے ذریعے سے ہدایت کرتے ہیں۔ اور (اے محمدؐ) اس میں شک نہیں کہ تم سیدھا راستہ ہی دکھاتے ہو۔"

صِرَاطِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اَلَآ اِلَی اللّٰہِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ.

(یعنی) اس خدا کا راستہ کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ میں ہے (سب) اسی کا ہے۔ سنو جی! خدا ہی سب کاموں کا مرجع ہے۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝

وہ اپنے حکم سے فرشتوں کو روح (یعنی وحی) دے کر اپنے بندوں میں سے جس کی طرف چاہتا ہے بھیجتا ہے کہ (لوگوں کو) اس بات سے آگاہ کردو کہ ہمارے سوا کوئی اور معبود نہیں تو ہم سے ڈرتے رہو۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ

(اے محمدؐ تم ان لوگوں سے) کہہ دیجیے کہ روح القدس نے اس (قرآن) کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہو۔

پہلی آیت میں تین طریقے بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) وحی بلاواسطہ یعنی اللہ تعالیٰ بغیر کسی ذریعے کے کسی کے دل میں ایک بات ڈال دیتا ہے۔

(۲) حجاب کے پیچھے سے خدا کا کلام سنائی دے۔

(۳) خدا فرشتے کو نبی کے پاس بھیجتا ہے اور خدا کے حکم اور منشا کے مطابق وحی کرتا ہے۔

خدا نے وحی کو روح کے لفظ سے بھی تعبیر کیا ہے اور وحی کے لے جانے والے (فرشتے) کو بھی روح کہا ہے۔ اس سے وحی اور حاصل وحی کی اصل حقیقت کا بھی کچھ پتہ چلتا ہے۔

خدا نے پہلے پہل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو کلام کیا تھا اس کی کیفیت قرآن میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى۔

اور (اے محمدؐ) بھلا تم کو موسیٰ کی حکایت پہنچی ہے کہ جب انہوں نے آگ دیکھی تو اپنے اہل سے کہا (ذرا) ٹھہرو، مجھ کو آگ دکھائی دی ہے۔ (میں وہاں جاؤں تو) شاید اس میں سے تمہارے لیے ایک چنگاری لے آؤں یا آگ کے پاس کوئی راہ بتانے والا پاؤں۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى۔

پھر جب وہاں آئے تو ان کو آواز آئی کہ موسیٰ تحقیق میں ہوں تمہارا رب، تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو (کیونکہ اس وقت) تم طویٰ کے مقدس میدان میں ہو اور میں نے تم کو (پیغمبری کے لیے) منتخب فرمایا ہے تو جو کچھ تم کو وحی کی جاتی ہے۔ سنو۔

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ۔

میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔ قیامت ضرور آنے والی ہے اور ہم اس (کے وقت) کو پوشیدہ رکھنے کو ہیں تاکہ ہر شخص کوشش (کرے اور اس) کا بدلہ پائے۔

حضرت موسیٰ کے ساتھ خدا کا یہ کلام حجاب کے ساتھ ہوا تھا حضرت موسیٰ نے خدا کو دیکھے بغیر خدا کا کلام سنا تھا۔ ایک بار حضرت موسیٰ نے خدا سے درخواست کی کہ وہ حضرت موسیٰ کو دکھائی دے۔ چنانچہ قرآن میں مذکور ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ

جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر (کوہ طور پر) آئے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا تو وہ کہنے لگے اے میرے پروردگار! تو مجھے اپنے تیئں دکھا کہ میں تجھے دیکھ سکوں۔ اللہ نے کہا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو۔ اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے۔ جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی کی تو پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو بولے اللہ تیری ذات پاک ہے، میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں پہلا ایمان لانے والا ہوں۔

آنحضرت ﷺ پر پہلی وحی

آنحضرت ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی تھی اس کی دلچسپ کیفیت امام بخاری نے حضرت عائشہؓ سے اس طرح روایت کی ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا پہلے پہل رسول اللہ ﷺ پر جو چیز وحی سے شروع ہوئی، وہ سچے خواب تھے جو سوتے میں دکھائی دیتے تھے۔ جو کچھ آپ دیکھتے وہ صبح کے تڑکے کی طرح نمودار ہو جاتا تھا۔ پھر آپ کو تنہائی پسند آئی۔ آپؐ غار حرا میں خلوت نشیں رہتے اور اس میں تحنث کرتے تھے۔ اور وہ (یعنی تحنث) کئی کئی راتوں کا عبادت کرنا ہے، جب تک آپ کو گھر آنے کی خواہش نہ ہوتی۔ اور اس کے لیے توشہ لے جاتے، پھر خدیجہؓ کے پاس آتے اور اسی طرح توشہ لے جاتے، یہاں تک کہ آپ پر حق آیا (یعنی وحی آئی) اور آپؐ غار حرا میں تھے۔

آپؐ کے پاس فرشتہ آیا اور کہنے لگا۔ ''اقراء'' (یعنی پڑھو) آپؐ نے فرمایا، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپؐ نے فرمایا پھر اس نے مجھ کو پکڑا اور دبوچا یہاں تک کہ مجھ کو طاقت نہ رہی۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھو، تو میں نے کہا، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ تو اس نے مجھ کو پکڑ کر دوبارہ دبوچا یہاں تک کہ مجھ کو طاقت نہ رہی۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھو، تو میں نے کہا، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر اس نے مجھ کو پکڑ کر سہ بارہ دبوچا پھر چھوڑ دیا اور کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاء وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ۔

پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا۔

اور پڑھو۔ اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ ان آیتوں کے ساتھ گھر لوٹ آئے۔ آپؐ کا دل کانپ رہا تھا۔ حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کے پاس آ کر آپ نے فرمایا: مجھ کو اڑھا دو۔ مجھ کو اڑھا دو۔ لوگوں نے آپ کو اڑھا دیا یہاں تک کہ آپ کا ڈر جاتا رہا۔ پھر آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے کہا اور ان کو اس سے آگاہ کیا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ تو حضرت خدیجہؓ نے کہا ہرگز خوف نہ کیجئے۔ قسم ہے اللہ کی اللہ آپ کو گھبراہٹ میں نہ ڈالے گا۔ آپؐ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرتے ہیں، یتیموں کی خبر گیری کرتے ہیں، مفلسوں کو کمائی دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اور ان کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چچا کے بیٹے ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس لے آئیں۔ ورقہ ایام جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے وہ عبرانی لکھنا جانتے تھے اور وہ انجیل کو عبرانی میں (مسلم کی روایت میں بجائے عبرانی کے عربی ہے) مشیت الٰہی کے موافق لکھا کرتے تھے۔ اور وہ بہت بوڑھے تھے، اندھے ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا اے میرے چچیرے بھائی اپنے بھتیجے کی بات سنو، ورقہ نے آپؐ سے کہا، اے میرے بھتیجے! تم نے کیا دیکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا اس کا حال ان سے بیان کر دیا۔ تو ورقہ نے آپؐ سے کہا یہ وہی ناموس ہے جس کو اللہ نے موسیٰ پر نازل کیا تھا (لفظ ناموس ضد ہے لفظ جاسوس کی، جاسوس برے راز داں کو کہتے ہیں اور ناموس نیکی کے راز داں کو کہتے ہیں۔ یہاں ناموس سے مراد جبرائیلؑ ہے)

مندرجہ بالا روایت میں صرف تین آیتوں کا ذکر ہے۔ مگر اور روایتوں میں پایا جاتا ہے کہ پہلی وحی میں پانچ آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ جو ترجمے کے ساتھ ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یَعْلَمْ۔

پڑھو، اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا، اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اس کو معلوم نہ تھیں۔

دوسری وحی

پہلی وحی کے اترنے کے بعد کچھ عرصہ تک وحی کا نازل ہونا موقوف رہا۔ یہ توقف کا زمانہ آنحضرت ﷺ پر بہت شاق گزرتا تھا۔ آخرکار ایک روز آپ پر وحی نازل ہوئی۔ دوسری وحی کے نزول کی کیفیت بخاری اور مسلم نے جابرؓ بن عبداللہ انصاری سے اس طرف روایت کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں ایک مرتبہ جا رہا تھا میں نے آسمان سے ایک آواز سنی تو میں نے اپنی نظر بلند کی، دیکھا تو وہی فرشتہ جو حراء میں میرے پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ میں اس کو دیکھ کر مرعوب ہوگیا اور (گھر) لوٹ آیا، اور کہا مجھ کو اڑھا دو، مجھ کو اڑھا دو پھر اللہ نے (یہ آیتیں) نازل کیں۔

یَاَیُّھَا الْمُدَثِّرُ ہ قُمْ فَاَنْذِرْ ہ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ہ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ ہ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ ہ

اے محبوب چادر اوڑھنے والے اٹھ کھڑے ہو اور ڈر سناؤ اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو اور نجاست کر دور کرو۔

قرآن میں اور بھی دو جگہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل کو افق میں دیکھا اور پھر جبرئیل نے آپؐ پر وحی اتاری۔ اگرچہ یہ آیتیں مذکورۂ بالا حدیث سے متعلق نہیں ہیں مگر موقع کی مناسبت کے لحاظ سے درج کی جاتی ہیں۔ سورۂ نجم میں ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی ہ مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی ہ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰیٰ ہ اِنْ ھو الا وحی یوحی ہ عَلَّمَہٗ شدید القوی ہ ذومرة فاستوی ہ وھو بالافق الاعلی ہ ثم دنی فتدلیٰ ہ فکان قاب قوسین او ادنی ہ

فاوحی الی عبدہ عبدہ ما اوحی.

ستارے کی قسم جبؐ وہ ٹوٹے کہ تمہارے صاحب (محمدؐ) نہ راہ راست سے بھٹکے اور نہ بہکے اور نہ وہ اپنی مرضی سے بولتے ہیں جس کی تعلیم دی ہے ان کو بڑے طاقت ور نے بڑے زبردست نے پھر وہ پورا نظر آیا اور وہ افق اعلیٰ پر تھا وہ جھکا اور نزدیک ہوا یہاں تک کہ دو کمان یا اس سے کم (فاصلہ) رہ گیا پھر تو وحی اتاری اس نے اپنے بندے پر جو وحی (اتارنی) تھی۔

سورۂ تکویر میں ہے:

فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس والیل اذا عسعس والصبح اذا تنفس انه لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین وماصاحبکم بمجنون ولقد راہ بالافق المبین وما ھو علی الغیب بضنین وما ھو بقول شیطن رجیم فاین تذھبون .

ہم کو قسم ہے ان (ستاروں) کی جو چلتے چلتے پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں سیدھا چلتے چلتے چھپ جاتے ہیں اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے۔ اور صبح کی قسم جب وہ آنے لگے بیشک یہ قرآن بزرگ رسول (یعنی فرشتے) کا قول ہے جو قوت والے (اور مالک عرش کے پاس جگہ اپنے والے ہیں وہاں سردار (اور) امین ہیں۔ اور تمہارے صاحب کچھ دیوانے نہیں ہیں اور بیشک انہوں نے اس کو (یعنی فرشتے جبرائیل کو) افق (یعنی مطلع صاف) میں دیکھا ہے اور وہ (یعنی پیغمبر) غیب کی باتوں (کے بیان کرنے) میں بخل کرنے والے نہیں اور یہ (قرآن) کچھ شیطان مردود کا قول نہیں ہے۔ پھر تم (لوگ) کدھر (بہکے) چلے جا رہے ہو۔

نزول وحی کی کیفیت

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ صدیقہ سے مروی ہے کہ:

حارث بن ہشام نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپؐ پر وحی کس طرح آتی ہے تو آپؐ نے فرمایا کبھی تو گھنٹے کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ وحی مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے۔ پھر وہ مجھ سے منقطع ہو جاتی ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں جو کچھ اس نے (یعنی فرشتے نے) کہا:

آنحضرت ﷺ پر نزول وحی بہت سخت گزرتی تھی۔ امام بخاری نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ "کڑکڑاتے جاڑے میں بھی آپؐ پر وحی اترتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ نکلتا تھا۔ حضرت عائشہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ پر وحی اترتی تھی تو آپ کا سر جھک جاتا اور چہرہ متغیر ہو جاتا تھا، دانت کٹکٹانے لگتے تھے اور اس قدر پسینہ آجاتا تھا کہ اس کے قطرے موتیوں کے دانوں کی طرح ٹپکتے تھے۔ اگر اس وقت آپؐ کسی اونٹ یا مرکب پر سوار ہوتے تھے تو وہ زمین پر بیٹھ جاتا تھا۔ کاتب وحی حضرت زید بن ثابت کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے زانو کا سہارا لیے لیٹے ہوئے تھے کہ وحی نازل ہوئی۔ قریب تھا کہ میرا زانو سختی اور گرانی سے ٹوٹ جائے اور میں سمجھ رہا تھا کہ اب میں اپنے پاؤں سے نہ چل سکوں گا۔

وحی بالفظ الہام والقا

جو کچھ اوپر بیان ہو چکا ہے اس سے وحی کی حقیقت اس کے نزول کے طریقے اور کیفیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ وحی کو بعض وقت الہام اور القا بھی کہتے ہیں مگر ان تینوں

میں فرق ہے۔ وحی مرتب شدہ کلام ہے جو الفاظ کے ساتھ ایک نبیؐ کے دل میں ڈالا جاتا ہے
قرآن میں صرف ایک جگہ لفظ الہام آیا ہے وہ یہ ہے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰاهَا

اور نفس کی قسم اور اس کی قسم جس نے نفس کو درست بنایا ہے۔ پھر اس کو اس کی برائی اور پرہیزگاری کا الہام کیا۔

خدا نے انسان کی طبیعت میں اچھے اور برے کی شناخت کا جو مادہ پیدا کر رکھا ہے وہ خدا کی طرف سے الہام ہے اسی طرح جس طرح کہ شہد کی مکھی کی تعلیم اس کے لیے خدا کی وحی ہے۔ جب کبھی کسی آدمی کے دل میں بغیر کسی غور و فکر کے یکا یک کوئی ایسا خیال آجائے جس کے آنے کا کوئی ظاہری سبب نہ ہو تو ایسے خیال کو الہام کہتے ہیں۔

لفظ القا کا ماخذ لقا ہے القا کے لغوی معنی ہیں "ڈالنا" لقا کے معنی ملنے اور سامنے آنے کے ہیں۔ اسی سے لفظ ملاقات بنا یعنی روبرو ہونا۔ خدا فرماتا ہے۔

وَاِنَّکَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ

اور (اے محمدؐ) آپ کو قرآن (خدائے) حکیم و علیم کی طرف سے القا کیا جاتا ہے

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ

اور (اے محمدؐ) آپ کو توقع نہ تھی کہ آپ پر کتاب القا کی جائے گی۔

الہام، وحی اور القا میں یہ فرق ہے کہ الہام فقط ایک خیال ہے جو بغیر الفاظ کے دل میں ڈالا جاتا ہے۔ جو بات الفاظ کے ذریعے سے جملوں کی ترتیب میں خدا کی طرف سے پیغمبر کے دل میں ڈالی جائے وہ وحی ہے۔ جب کوئی روحانی منظر آنکھوں کے سامنے آجائے تو اس کو القا کہتے ہیں۔

ہر پیغمبر کو خدا کی طرف سے الہام بھی ہوتا تھا اور اس پر وحی بھی اترتی تھی۔ پیغمبر منصب نبوت کے متعلق جو کچھ بھی کرتے تھے، الہام الٰہی کی تائید ہی سے کرتے تھے۔ مثلاً نماز کے ارکان اور ان کے ادا کرنے کی ترکیب آنحضرت ﷺ کو الہام ہی سے معلوم ہوئی تھی، اس کے متعلق کوئی وحی بہ لفظ نہیں اتری تھی جو قرآن میں داخل کی جاسکتی۔ نماز کے لئے وضو شروع ہی سے فرض تھا اور آنحضرت ﷺ نے وضو کی یہ فرضیت الہام ہی سے قرار دے رکھی تھی، ایک عرصے دراز کے بعد مدینہ کے آخری زمانے میں وضو کی وحی نازل ہوئی جو قرآن کی آخری سورۂ مائدہ ۱۱۴ میں رکھی گئی

ہے۔

خدا کا جو پہلا پیغام آنحضرت ﷺ کے پاس آیا، اس کا پہلا لفظ ہے ''اقراء'' (پڑھو)

حضرت موسیٰ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو خدا یہ کہہ کر کہ میں تمہارا رب ہوں اور میں نے تم کو (پیغمبری کے لئے) منتخب کیا ہے ''فرماتا ہے کہ'' سنو جو کچھ کہ (تم کو) وحی کی جاتی ہے۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وحی الفاظ کے ساتھ ہوتی تھی اور خدا کی غرض یہ تھی کہ تمام وحی یاد کرلی جائے اور بطور کتاب کے پڑھی جایا کرے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

سَنُقْرِئُکَ فَلَاتَنْسٰٓی اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ ۔

(اے محمدؐ) ہم تم کو قرآن اچھی طرح پڑھائینگے کہ تم (اس کو) نہ بھولنے پاؤ گے۔ مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

آنحضرت ﷺ کو اس بات کا خوف تھا کہ آپ کہیں وحی کی آیتوں یا بعض الفاظ کو نہ بھول جائیں، اس لئے آپ نزول کے ساتھ ہی وحی کے الفاظ کو اپنی زبان سے جلد جلد دہرایا کرتے تھے جس پر خدا نے آپ کو اس طرح جلد جلد دہرانے سے منع فرمادیا۔

لَاتُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ ۔

(اے محمدؐ) اس کے لئے (یعنی وحی یاد کرنے کے لئے) اپنی زبان نہ چلانے لگا کرو تا کہ تم کو وہ جلدی سے یاد ہوجائے۔ قرآن کا جمع کرادینا اور اس کا پڑھادینا ہمارا کام ہے۔ تو جب ہم اس کو پڑھ چکا کریں تو اس کے پڑھنے کی پیروی کیا کرو پھر اس کو سمجھادینا (بھی) ہمارا کام ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰٓی اِلَیْکَ وَحْیُہٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۔

(اے محمدؐ) وحی کے تمام ہونے سے پہلے قرآن (کے پڑھنے) میں جلدی نہ کیا کرو اور دعا کرتے رہو کہ اے میرے پروردگار! مجھے اور زیادہ علم نصیب کر۔

وحی کی زبان

پیغمبروں پر وحی کا نزول پیغمبروں کی قومی زبان میں ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ ۔

ہم نے پیغمبروں میں سے کسی کو نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں تا کہ ان کو اچھی طرح سمجھادے۔

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِہِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِہٖ قَوْمًا لُّدًّا ۔

تو (اے محمدؐ) ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری زبان میں اس غرض سے آسان کردیا ہے کہ تم اس سے پرہیزگاروں کی خوشخبری سناؤ اور اس سے اکھڑ لوگوں کو ڈراؤ۔

وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا وَّصَرَّفْنَا فِیْہِ مِنَ الْوَعِیْدِ لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ اَوْیُحْدِثُ لَھُمْ ذِکْرًا ۔

ایسا ہی ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن اتارا ہے اور اس میں طرح طرح پر ڈراوے سنادیئے ہیں تا کہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں یا اس کے ذریعے سے ان (کے دلوں) میں غور (وفکر) پیدا ہو۔

✿

قبل از اسلام عرب کی حالت

طلوع اسلام سے قبل عرب کی حالت ہر لحاظ سے ناگفتہ بہ تھی۔ ملک میں بدحالی، بدنظمی اور زمانہ جاہلیت کا دور دورہ تھا۔ سیاسی استحکام اور مرکزیت کا فقدان تھا۔ اس زمانے کو مورخین زمانہ جاہلیت قرار دیتے ہیں۔ قبل از اسلام، عرب کی سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور اقتصادی حالت کا جائزہ حسب ذیل ہے:۔

۵۷۱ سن عیسوی میں ظہور قدسی کے وقت عرب کی سیاسی حالت عجیب وغریب صورت کی حامل تھی۔ سارے ملک میں سیاسی انتشار اور لامرکزیت کا دور دورہ تھا۔ سارا ملک مختلف حصوں میں منقسم تھا۔ جہاں قبائلی سردار اور کئی ایک خودمختار بادشاہ حکمران تھے۔ ہر قبیلے کا سردار شیخ کہلاتا تھا۔ اگرچہ ان میں سے اکثر کسی بادشاہ کے تابع ہوتے تھے لیکن وہ اپنی داخلی آزادی اور جذبہ حریت کو ہر حالت میں برقرار رکھتے تھے۔ اور یہی ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا نصب العین تھا۔ ہر سردار اپنے قبیلے میں سے ہوتا تھا۔ جمہوری اصول کے مطابق قبیلہ کا وہی شخص اس منصب جلیلہ پر فائز ہوسکتا تھا۔ جو اکثریت کا لیڈر ہو اور شجاعت، بردباری، مہمان نوازی اور فیاضی میں ممتاز حیثیت کا حامل ہو۔ امن کے زمانے میں قبیلے کا سردار قبیلے کا نگران ہوتا تھا اور اپنے لوگوں کے تحفظ اور ان کی فلاح و بہبود کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ جنگ کی صورت میں وہی سپہ سالار ہوتا تھا۔ قبیلے کے افراد ایک دوسرے سے رشتہ محبت اور خلوص ومنسلک ہوتے تھے۔ لیکن دوسرے قبیلوں سے ان کی زبردست دشمنی رہتی تھی۔ اپنے قبیلے کی عزت اور حرمت کے لئے وہ ہر وقت جان کی بازی لگانے کو تیار رہتے تھے۔ بعض قوی قبیلے کمزور قبیلوں کو زیرنگیں کر کے ان سے خراج بھی وصول کرتے تھے۔

اقتصادی وجوہ کی بنا پر ایک قبیلے کے لوگ دوسرے قبیلے کے افراد کو تاخت وتاراج اور لوٹ مار کا نشانہ بنانے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ ذرا سی بات پر جھگڑا ہو جاتا۔ جس کا نتیجہ کشت وخون اور جنگ وجدل کی صورت میں رونما ہوتا۔ جس کا سلسلہ نسلوں تک جاری رہتا تھا۔ اس سلسلے میں دور جاہلیت کی جنگیں بہت مشہور ہیں جو معمولی باتوں پر شروع ہوئیں لیکن کئی پشتوں تک جاری رہیں۔ ان میں سے ایک جنگ بسوس کے نام سے مشہور ہے جو بنوبکر اور بنو تغلب کے مابین لڑی گئی اور اس کی وجہ صرف ایک اونٹنی تھی۔ یہ جنگ پورے چالیس برس تک جاری رہی۔ اسی طرح جنگ داحس وغبرا جو گھوڑ دوڑ کی وجہ سے بنوعبس اور بنوذبیان کے درمیان لڑی گئی اور جو نصف صدی تک نسل درنسل جاری رہی۔ قبائلی لڑائیاں اور لوٹ مار معمولات زندگی میں شمار ہوتی تھیں۔ ملک میں کوئی باضابطہ نظام حکومت نہ تھا جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر عمل ہوتا تھا۔

نسلی لحاظ سے عرب دو بڑی نسلوں میں منقسم تھے۔

۱۔ قحطانی ۲۔ عدنانی۔

قحطانی:۔

یہ لوگ عرب کے اصلی باشندے تھے اور دراصل یمن کے رہنے والے تھے۔ زمانہ قدیم ان کا ایک بادشاہ سرخ لباس پہننے کی وجہ سے حمیر کے لقب سے مشہور تھا۔ اسی نسبت سے یہ لوگ بھی حمیری کہلانے لگے۔ دوسری صدی عیسوی میں ان کی یاک شاخ بنی خزاعہ مکہ کے نواح میں جاکر آباد ہوگئی۔ ظہور قدسی کے وقت یہ قبیلہ نواح مکہ ہی میں سکونت پذیر تھا۔ حمیریوں کی ایک دوسری شاخ مدینہ میں آباد تھی اور اوس وخزرج کے دو قبیلوں میں بٹ گئی۔ ایک تیسیر شاخ عراق اور شام کے علاقوں میں جا پہنچی اور دو حصوں میں بنی عدنان اور تبی کلب میں منقسم ہوکر رہ گئی۔

عدنانی:۔

یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اکبر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے تھے مگر بعد میں اپنے ایک عظیم سردار مضر کے نام پر مضری کہلانے لگے۔ ان کے قبائل وسط عرب یعنی صوبہ حجاز میں آباد تھے۔ یہ مختلف شاخوں بنی قیس، بنی بکر، بنی تغلب، بنی تمیم اور بنی قریش میں منقسم تھے۔ خانہ کعبہ کے متولی ہونے کے باعث قبیلہ قریش کو افضل وارفع حیثیت حاصل تھی۔ قحطانی اور عدنانی عرب نسلوں کے مابین ابتداء ہی سے عداوت چلی آتی تھی۔ اس کا سبب حمیریوں

کی تمدنی فوقیت تھی۔ حمیریوں نے مصریوں کے متعدد قبائل کو اپنا باجگذار بنا رکھا تھا۔ اس غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے انہوں نے کئی ایک خونریز لڑائیاں کیں۔ لیکن ساتویں صدی عیسوی میں اسلام نے اس دیرینہ بغض وعناد کو ختم کر کے دیرینہ دشمنوں کو باہم شیر وشکر بنا دیا۔

رسول اکرم ﷺ کے ظہور قدسی کے وقت سیاسی لحاظ سے سرزمین عرب حسب ذیل حصوں میں منقسم تھی:۔

۱۔ جنوبی عرب ۲۔ وسطی عرب ۳۔ شمالی عرب

جنوبی عرب:۔

قبل از اسلام جنوبی عرب میں قحطانی قبائل کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ چھٹی صدی عیسوی میں جنوبی عرب کی عظیم الشان حمیری حکومت کو حبشہ کے بادشاہ نے شکست دے کر یمن پر اپنا تسلط جما لیا اور ابرہہ کو یمن کا حاکم مقرر کیا۔ ابرہہ عیسائیت کا حامی تھا۔ اس نے قریش مکہ کے سردار عبدالمطلب سے ناراض ہو کر خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کی غرض سے ۵۷۰ء میں مکہ معظمہ پر حملہ کر دیا۔ اس لشکر ہاتھیوں پر مشتمل تھا اس لئے اس کی فوج کو اصحاب فیل کہا جاتا ہے۔ ابرہہ کی مہم ناکامی سے دوچار ہوئی اور خدا کی قدرت سے ابرہہ کی ساری فوج نیست ونابود ہو گئی۔ ایران کے بادشاہ خسرو اول کجکلاہ کے عہد میں ساسانیوں نے یمن پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح طلوع اسلام کے وقت یمن اپنی سیاسی خود مختاری کھو چکا تھا اور وہ ایرانی حکومت کا ایک صوبہ تھا۔

وسطی عرب:۔

ملک کا یہ حصہ تہذیب وتمدن اور مرکزیت سے یکسر نابلد تھا۔ اس علاقے کا بے آب وگیاہ صحرا عرب قبائل کیلئے قدرتی محافظ کی حیثیت رکھتا تھا۔ بڑی حکومتوں کو اول تو اس علاقے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اور اگر کسی حکومت نے اسے زیرنگیں کرنے کی کوشش بھی کی تو وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ وسطی عرب کا علاقہ حجاز اور نجد پر مشتمل تھا۔ جن کی تمام آبادی مختلف قبائل میں بٹی ہوئی تھی اور وہ ہمیشہ آپس میں برسرپیکار رہتی تھی۔ حجاز میں قبیلہ قریش کو برتری حاصل تھی اور خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی حیثیت سے وہ تمام قبائل میں معزز ومحترم سمجھے جاتے تھے۔

شمالی عرب:۔

تیسری صدی عیسوی میں چند قحطانی قبائل یمن کے علاقے سے ترک وطن کر کے شمالی

عرب میں آباد ہو گئے۔ وہ اعلیٰ تہذیب وتمدن کے حامل تھے۔ انہوں نے اس علاقے میں دو قابل ذکر حکومتوں کی بنیاد ڈالی جو طلوع اسلام تک قائم رہیں۔ ان میں سے ایک حکومت غسان تھی۔ یہ شمالی مغربی عرب میں قائم تھی اور سرحد شام سے ملحق تھی۔ اس لئے بہت جلد یہ حکومت رومی حکومت کی باجگذار بن گئی اور غسانی بادشاہوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ شمالی عرب کی دوسری بڑی حکومت لخمی حکومت تھی جو شمال مشرقی عرب میں قائم تھی اور جس کا پایہ تخت حیرہ تھا۔ اس کی سرحدیں عراق سے ملتی تھیں۔ چنانچہ یہ حکومت ساسانی حکومت کے زیر اقتدار آ گئی۔ چونکہ ساسانی اور رومی حکومتیں ایک دوسرے کی حریف تھیں اس لئے غسانی اور لخمی فرماں روا بھی برسرپیکار رہتے تھے۔ غرضیکہ طلوع اسلام کے وقت عرب میں سیاسی انتشار اور لامرکزیت کا دور دورہ تھا۔

مذہبی حالت:۔

طلوع اسلام سے قبل اہل عرب کے مذہبی حالات عجیب وغریب تھے۔ سرزمین عرب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ متعدد انبیاء علیہم السلام ،توحید الٰہی ،اور رشد وہدایت کا پیغام سنا گئے تھے۔ خدائے واحد کی عبادت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کی تعمیر کیا تھا۔ یہ اہل عرب کا دینی مرکز تھا۔ ہزارہا لوگ ہر سال حج اور طواف کے لئے آتے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ توحید کا نام عرب سے اٹھ گیا اور بت پرستی کی قبیح رسوم اور بیہودہ خیالات نے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ آفتاب اسلام کے ظہور سے پیشتر عرب میں حسب ذیل مختلف مذاہب اور عقیدے رائج تھے:

بت پرستی:۔

عربوں کی اکثریت مشرک اور بت پرست تھی۔ وہ پتھر کے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے اور ان کی پرستش کرتے تھے۔ دکھ درد میں ان سے مدد مانگتے۔ وہ اپنے بتوں کی صورتوں کی تشکیل اپنے تصورات کے تحت کرتے تھے۔ بتوں کے علاوہ سورج، چاند، ستارے اور ہوا کی بھی پرستش کرتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے پتھروں کے ٹکڑوں، درختوں اور ریت کے تودوں کو بھی اپنا معبود بنا رکھا تھا۔ وہ خدا کی وحدانیت، انسانی روح کی لافانیت اور روز قیامت کے قائل نہ تھے۔ صرف مدینہ میں کچھ ایسے لوگ تھے جو خدا کی وحدانیت کو پہچانتے تھے۔ پرستش کے لئے ہر قبیلے اور ہر شہر کا اپنا ایک علیحدہ دیوتا اور دیوی ہوتی تھی۔ سارے عرب میں ان بتوں کی تعداد لامحدود تھی۔ صرف خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے لیکن ان میں سے صرف چند ایک ہی نمایاں اہمیت

کے حامل تھے۔ ان میں لات طائف کے مقام پر نصب تھا اور قبیلہ ثقیف کا معبود تھا۔ منات مدینہ منورہ کے نواح میں تھا اور اوس و خزرج اس کی پرستش کرتے تھے۔ عزیٰ کا بت مکہ معظمہ میں نصب تھا۔ قبیلہ قریش و کنانہ اس کی عبادت کرتے تھے۔ عرب ان تینوں بتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ ان کے نزدیک سب سے زیادہ باعظمت اور بڑا بت ہبل تھا جو کہ خانہ کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ اور تمام عرب اس کی پرستش کرتے تھے۔ ان کے علاوہ دیگر بڑے بت سواع، نسر، اور یغوث تھے۔ اسی طرح کوہ صفا پر اساف کی مورتی اور کوہ مروہ پر نائیلہ کی مورتی نوجوان عورتوں کی مسجود تھی۔ اہل عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے اور ان کی بھی پوجا کرتے تھے۔ جنوں اور بھوتوں کی بھی پوجا کی جاتی تھی۔

اہل عرب اچھے سنگتراش نہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے بت عموماً ناتراشیدہ پتھر یا لکڑی کے لٹھ کے بنے ہوئے تھے۔ عرب اس قدر متلون مزاج واقع ہوئے تھے۔ کہ اگر کوئی پہلے سے زیادہ خوبصورت پتھر ملتا تو اسے اپنا معبود بنا لیتے تھے اور پہلے کو اٹھا کر باہر پھینک دیتے تھے۔ ایندھن کی ضرورت ہوئی تو لکڑی کے بت ہی کو توڑ کر جلا لیتے۔ کہیں شوق چرایا تو آٹے کا صنم بنا لیا، پھر بھوک لگی تو اسے توڑ پھوڑ کر پیٹ کا ایندھن بنا لیا۔ بت پرستوں کا دعویٰ تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیرو ہیں۔ لیکن درحقیقت ابراہیمی دین سے ان کا دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ کعبہ کو گو سب سے زیادہ مقدس عبادت گاہ سمجھتے تھے لیکن اس میں بتوں کا ایک لشکر کھڑا کر رکھا تھا۔ ہر سال ان دیوتاؤں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے عرب کے کونے کونے سے لوگ جوق در جوق مکہ معظمہ آتے تھے۔ اس موقع پر ایک بہت بڑا میلہ لگا کرتا تھا جسے عکاظ کا میلہ کہا جاتا تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی بجائے باپ دادا کے کارنامے سناتے تھے اور مستی اور ترنگ میں آ کر کعبہ کے گرد تالیاں پیٹتے اور سیٹیاں بجاتے۔ بعض دفعہ مرد تو مرد، عورتیں بھی مادر زاد برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کرتی تھیں۔

الحاد:۔

بت پرستوں کے علاوہ عرب میں کچھ لوگ ملحد (دہریئے) بھی تھے۔ جو خدا کی ذات اور آخرت کے منکر اور مذہب کے سرے سے قائل ہی نہ تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ یہ دنیا قدیم ہے اور جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ خود بخود ہو رہا ہے اور اسی طرح مسلسل ہوتا رہے گا۔

شرک:۔

عربوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو اللہ کا نام لیتے تھے لیکن اس کے بارے میں عجیب و غریب عقائد اور خیالات رکھتے تھے۔ مثلاً وہ اللہ تعالیٰ کو بھی انسان کی طرح ایک جسمانی پیکر سمجھتے تھے اور جنوں اور فرشتوں کو اس کی بیٹے بیٹیاں خیال کرتے تھے۔

صابئین:۔

یہ لوگ مناظر قدرت کے پرستار تھے۔ ستاروں کو پوجتے تھے اور انہیں خدا کا شریک ٹھہراتے تھے۔

زندیق:۔

یہ لوگ دو خداؤں کے قائل تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ایک خالق خیر ہے اور دوسرا خالق شر۔ عربوں نے یہ عقیدہ اہل حیرہ سے لیا تھا جو ایرانیوں کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے مجوسی مذہب قبول کر چکے تھے۔

یہودیت:۔

عرب کے بعض زرخیز حصوں مثلاً مدینہ، خیبر اور حجاز میں یہود کی آبادیاں تھیں، جن کا ذریعہ معاش زراعت، دستکاری، تجارت اور سود خوری تھا۔ یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیرو ہونے کے دعویدار تھے۔ لیکن انہوں نے حضرت موسیٰ شریعت کو مسخ کر ڈالا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا یہود اللہ کی محبوب اور برگزیدہ امت ہیں، سیدھے جنت میں جائیں گے۔ اگر کچھ افراد دوزخ میں گئے بھی تو فقط گنتی کے دو چار روز ہی رہیں گے یہود کے علماء خودغرض اور دنیا پرست تھے۔ انہوں نے توریت میں ترمیمیں کر دی تھیں اور اپنے مفاد اور مطلب براری کی خاطر ساری قوم کو مبتلائے فریب کر رکھا تھا۔

عیسائیت:۔

عرب میں عیسائیت کے حامی بھی تھے جو حضرت عیسیٰ بن مریم کو اپنا پیغمبر اور ان کی آسمانی کتاب انجیل کو اپنی ہدایت اور راہنمائی کی کتاب سمجھتے تھے۔ لیکن یہودیوں کی طرح انہوں نے بھی اپنے مذہب کا ڈھانچہ بدل ڈالا تھا۔ "انہوں نے عیسائیت سے سوائے شراب نوشی کے اور

کچھ نہیں سیکھا''۔عرب کے بعض مشہور قبائل مثلاً تغلب ،غسان ، قضاعہ وغیرہ عیسائی ہو گئے تھے۔

مجوسیت یا آتش پرستی :۔

طلوع اسلام سے قبل مجوسیت ایران کا مذہب تھا۔اس کے پیرو آتش پرست تھے۔ایرا
اثرات کے ماتحت شمالی مشرقی عرب قبائل نے مجوسیت کو اپنا لیا تھا۔ان میں بنوتمیم اور بنولخم خاص طو
پر قابل ذکر ہیں۔اندرون عرب میں بھی مجوسیت کے پیرو کہیں کہیں موجود تھے۔مجوسی دو خداؤں
مانتے تھے۔اس لئے ان کے مذہب کو ثنویت بھی کہتے ہیں۔ان کا عقیدہ تھا کہ ایک نیکی کا خدا
اور دوسرا بدی کا۔نیکی کے خدا کو وہ یزداں اور بدی کے خدا کو ہرمن کہتے تھے۔روشنی کو خیر کا مظہر او
تاریکی کو شر کا مسکن سمجھتے تھے۔آگ کو خدا کا نور اور نیکی کی علامت جان کو پوجتے تھے۔

حنفیت :۔

بعض نیک طبع افراد بھی تھے۔جن پر یہ حقیقت واضح ہوگئی تھی کہ جہالت نے دین کی
حقیقت پر پردہ ڈال رکھا ہے۔یہ حق پسند لوگ حضرت ابراہیم حنیف علیہ السلام کے دین کی جستجو
میں رہتے تھے اور ان کے نام سے بالعموم حنفی کہلاتے تھے۔یہ لوگ توحید خالص کے قائل تھے ان
کی تعداد بہت کم تھی۔یہ اپنے طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ان میں زید بن عمرو، عبداللہ
بن جحش ، امیہ بن ابی صلت ، ورقہ بن نوفل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ان میں سے ورقہ بن نوفل
نے بعد میں عیسائیت کو اپنا لیا تھا۔

گو عرب میں ہر قسم کے مذاہب موجود تھے جن میں یہودیت اور عیسائیت جیسے الہامی
مذہب بھی شامل تھے لیکن وہ اپنی اصل صورت کھو چکے تھے۔کفر و شرک اور مذہب میں امتیاز کرنا
مشکل ہو گیا تھا۔توحید جو ہر مذہب کا بنیادی اصول ہے اس کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔عیسائیت
تثلیث کے جھگڑوں میں پھنس کر رہ گئی تھی۔یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بتائے ہوئے
رستے سے بھٹک کر اوہام پرستی کے گورکھ دھندوں میں الجھ کر رہ گئی تھی۔ایرانی یزداں اور اہرمن کے
قائل تھے۔ہندوستان سراسر بت پرستی اور کفر کا گہوارہ بن چکا تھا۔اخلاقی پستی کے لحاظ سے ان
ممالک کے باشندے عربوں سے بھی گئے گزرے تھے غرض عرب کیا ، تمام دنیا ضلالت اور گمراہی
میں غرق تھی۔اس ہمہ گیر ظلمت و تیرگی میں خدائے بزرگ و برتر نے اہل زمین کی راہنمائی کے
لئے رسول اکرم ﷺ کو رشد و ہدایت کا آفتاب بنا کر ملک عرب کے مشہور شہر مکہ میں طلوع کیا ، جس
نے اپنی ضیا پاشیوں سے تمام روئے زمین کو منور کر دیا۔

معاشرتی حالت :۔

قبل از اسلام تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب مختلف حصوں میں بٹا ہوا تھا۔یمن
معاشرتی لحاظ سے اوج کمال پر پہنچا ہوا تھا۔وہ علاقے بھی جو ایران اور شام کے متصل واقع تھے،
ترقی یافتہ تھے۔لیکن عرب کے اندرونی علاقوں کی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی۔تمدنی لحاظ سے عرب
سوسائٹی امیر ، متوسط اور غریب تین قسم کے طبقوں پر مشتمل تھی۔مگر غریب طبقہ اکثریت میں تھا۔
قدیم یونانیوں کی طرح عرب میں بھی غلامی کا رواج عام تھا۔لونڈیاں اور غلاموں کی باقاعدہ خرید و
فروخت ہوتی تھی۔آقا اپنے غلاموں سے طرح طرح کے کام لیتے تھے اور ان کے ساتھ نہایت
ہی برا سلوک روا رکھتے تھے۔غلام سوسائٹی کا مظلوم ترین طبقہ تھا۔

آبادی کے لحاظ سے عرب سوسائٹی حضری اور بدوی دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔حضری
وہ لوگ تھے جو شہروں میں مستقل مکانات میں رہتے تھے۔یہ لوگ اقتصادی لحاظ سے نسبتاً خوشحال
تھے۔ان کا ذریعہ معاش تجارت اور زراعت تھا۔یہ لوگ مکہ، مدینہ اور طائف جیسے بارونق اور آباد
شہروں میں سکونت پذیر تھے اور اخلاق و عادات میں بدویوں سے بہتر تھے۔

بدوی :۔

وہ لوگ تھے جو خانہ بدوش تھے اور وسیع و عریض صحرا اور جنگل میں رہتے تھے۔اور
نخلستانوں اور چراگاہ کی تلاش میں عموماً ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے۔یہ لوگ
اونٹ کے بالوں سے بنے ہوئے خیموں میں زندگی گزارتے تھے۔اقتصادی لحاظ سے یہ انتہائی
افلاس زدہ اور نادار تھے۔اونٹ ، گھوڑے اور بھیڑ بکریاں پال کر اپنی گزر اوقات کرتے تھے۔
کاروانوں اور دیگر بدوی قبائل کو لوٹنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔یہ لوگ تعلیم سے قطعی بے بہرہ تھے۔
قبائلی عصبیت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔قبیلہ کی عزت و ناموس و وقار کے لئے مر مٹتے تھے۔
مقتول کے خون کا انتقام قبیلہ کے ہر فرد کا فرض اولین ہوتا تھا اور قاتل کے قبیلے کا کوئی بھی آدمی
قصاص میں ہلاک کیا جاسکتا تھا۔انتقام قبیلہ کے ہر فرد کا فرض اولین ہوتا تھا اور قاتل کے قبیلے کا
کوئی بھی آدمی قصاص میں ہلاک کیا جاسکتا تھا۔انتقام کو ان کے ہاں مذہبی فریضہ کی حیثیت حاصل
تھی۔اسی لئے ان میں اکثر انتقامی کاروائیاں ہوتی رہتی تھیں جو بعض دفعہ پشت در پشت جاری
رہتی تھیں۔مال غنیمت کو پاکیزہ ترین مال خیال کرتے تھے۔

عرب لوگ شجاعت و جوانمردی میں فقید المثال تھے۔عزت نفس کے لئے جان تک کی

بازی لگا دیتے تھے۔ اور ہر حالت میں اپنی آزادی برقرار رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایفائے عہد، مہمان نوازی، بہادری، وفاداری اور وطن پرستی ان کے معاشرتی کردار کے نمایاں اوصاف تھے لیکن ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان میں بے رحمی، شراب خوری، جہالت، سودخوری، توہم پرستی، دختر کشی، جنسی بے راہروی اور قمار بازی جیسی بری عادات بھی موجود تھیں۔ شراب سے مدہوش ہو کر بے حیائی کی باتیں کرنا ان کے نزدیک چنداں معیوب نہ تھا۔ ان کے معاشرے میں تعداد ازواج پر قطعی کوئی پابندی نہ تھی۔ بلکہ عورتوں کو اشیائے خرید وفروخت کی طرح ایک عام اور حقیر شے سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ عورت عرب معاشرے کا مظلوم ترین طبقہ بن کر رہ گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ اپنی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی مار دیتے تھے۔ غرضیکہ فسق وفجور اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ روسا بڑی تعداد میں شادیاں کرتے تھے۔ باپ کی وفات کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں کو جائیداد کے طور پر داشتہ اپنے پاس رکھتا تھا۔

شعروشاعری کا عام رواج تھا۔ میلوں اور دیگر اجتماعوں میں شعراء اپنا اپنا کلام سناتے اور حسب قابلیت انعام واکرام حاصل کرتے۔ شعراء نہایت عمدہ شعر کہتے تھے مگر ان میں فسق وفجور اور بدکاری کی باتوں کو عورتوں کے نام لے کر بیان کیا جاتا تھا۔ تاہم شاعر اپنے قبیلے کی ناک سمجھا جاتا تھا۔ لیکن محض شاعری کے لئے ہی نہیں بلکہ اس لئے بھی کہ وہ بات کا دھنی، قول کا پکا، ہاتھ کا سخی اور میدان کا مرد ہوتا تھا۔

ملک میں کئی ایک جگہ بازار اور منڈیاں لگتیں جہاں لوگ خرید وفروخت کے لئے جمع ہوتے۔ سوداگروں کے قافلے ایران اور عراق سے تجارتی سامان لے کر یہاں آتے اور یہاں کی اشیاء کو بغرض تجارت اپنے ممالک کو لے جاتے۔ اہل عرب کے اپنے تجارتی قافلے بھی غیر ممالک کو جاتے۔ قریش کا زیادہ تر پیشہ تجارت ہی تھا۔ ان کے قافلے موسم گرما میں مشہور راستہ بحیرۂ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ تھا۔ جس کے وسط میں مکہ واقع تھا۔ علاوہ ازیں خلیج فارس سے ایک راستہ نجد کی پہاڑیوں میں سے ہوتا ہوا مکہ کو آنکلتا تھا۔ ایک اور راستہ خلیج فارس سے شمال کی طرف عراق کو جا کر پھر مغرب کی طرف مڑ کر مکہ پر دوسرے راستوں سے آملتا۔ تجارتی لحاظ سے مکہ کو بہت بڑی اور مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

عرب تمدنی لحاظ سے ضعیف الاعتقاد واقع ہوئے تھے۔ اور طرح طرح کی توہم پرستیوں میں مبتلا تھے۔ خبیث روحوں، جنوں اور دیوتاؤں سے بہت ڈرتے تھے۔ اکثر بیماریوں اور آفتوں کو ان کو ناراضگی کا نتیجہ قرار دیتے تھے۔ کسی نئے کام کو ہاتھ میں لینے سے پہلے شگون کے

طور پر ان تیروں کو جوان کے بتوں کے پاس رکھے ہوئے تھے، چھو کر استخارہ کر لیتے تھے۔ علاوہ ازیں جانوروں کے اڑنے سے بھی اچھا برا شگون لیتے تھے۔ وہ اپنے معبود کی قربان گاہ پر اکثر انسانی جانوں کی قربانی پیش کرتے تھے۔ جو لوگ حیات بعد الموت کے قائل تھے وہ مردے کی قبر پر ایک اونٹ باندھ دیتے تھے۔ جسے بھوکا پیاسا رکھ کر مار دیتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جب مردہ دوبارہ زندہ ہوگا تو اس اونٹ پر سواری کرے گا۔ رمالوں، کاہنوں اور جادوگروں پر انہیں بے حد اعتماد تھا۔ منتر، ٹوٹکے اور تعویذ استعمال کرنا ان کے معاشرے کا عام رواج تھا۔

اقتصادی حالت :۔

عرب کا بیشتر حصہ بنجر اور بے آب وگیاہ ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر اس ملک کے باشندوں کی اقتصادی حالت اچھی نہ تھی۔ زمانہ قبل از اسلام میں سیاسی اور باہمی جنگوں اور عام بدنظمی وافراتفری کے باعث اقتصادی حالت اور بھی ناگفتہ بہ تھی۔ بدوی لوگ خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ لوگ انتہائی غربت وافلاس کے شکار تھے۔ ان کی زندگی کا دار ومدار زیادہ تر اونٹ گھوڑے اور بھیڑ بکریاں پالنے پر تھا۔ ان کی زندگی کا دارومدار زیادہ تر اونٹ گھوڑے اور بھیڑ بکریاں پالنے پر تھا۔ یہ مال غنیمت کو ایک پاکیزہ مال تصور کرتے تھے۔ اس لئے عموماً کاروانوں اور دیگر بدوی قبائل کو لوٹنے کو بھی معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ شہری لوگ جو حضری کہلاتے تھے، اقتصادی لحاظ سے نسبتاً خوشحال تھے۔ تجارت اور زراعت ان کا پیشہ تھا۔ مکہ اور طائف میں بڑے بڑے روسا رہتے تھے۔ جن کا ذریعہ آمدن عموماً تجارت تھا۔ جس سے وہ کثیر منافع کماتے تھے۔ روسائے طائف میں سے اکثریت کی آمدنی کا انحصار ان کی زرخیز زمینوں اور باغات پر تھا۔ یہ لوگ بڑے خوشحال اور متمول تھے۔ اور انہوں نے اپنے آرام وآسائش کے لئے غلام رکھے ہوئے تھے۔ لیکن انہیں غریبوں اور عوام کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

آفتاب رسالت کا طلوع

مولائے کائنات، فخر موجودات، محسن انسانیت، رسول اکرم ﷺ اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ کی وفات کے چار ماہ بعد بی بی آمنہؓ کے ہاں موسم بہار میں دوشنبہ کے روز بتاریخ ۹ ربیع الاول سنہ عام الفیل (واقعہ اصحاب فیل سے پچاس روز بعد) مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء یکم جیٹھ سمت ۶۲۸ بکرمی بوقت صبح صادق (طلوع آفتاب سے قبل) پیدا ہوئے۔ عبدالمطلب کے سارے گھرانے میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اس وقت کسے معلوم تھا کہ یہی دریتیم عالم مخلوقات کی جلیل ترین ہستی اور دنیائے انسانیت کا محسن اور رحمتہ للعالمین ہوگا۔ عبدالمطلب اس ولادت باسعادت پر کس درجہ مسرور وشادمان ہوئے۔ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ کیونکہ آپؐ ان کے مرحوم بیٹے کی یادگار اور نشانی تھے۔ فوراً گھر آئے اور اس دریتیم کو اٹھا کر سینے سے لگا کر خانہ کعبہ لے گئے اور پوتے کی درازی عمر کے لئے دعا مانگی اور محمد نام رکھا۔ والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ نے آپ کا نام احمد رکھا۔

پیدائش کے ساتویں دن آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے قربانی کی اور تمام قریش کو دعوت دی۔ دعوت کھانے کے بعد اہل قریش نے پوچھا، بچے کا نام کیا رکھا۔ عبدالمطلب بولے محمدؐ۔ قریش نے تعجب سے پوچھا۔ آپ نے اپنے خاندان کے سب مروجہ ناموں کو چھوڑ کر یہ نام کیوں رکھا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا: میں چاہتا ہوں کہ میرا یہ بچہ دنیا بھر کی تعریف وستائش کے لائق بنے۔

رضاعت:۔

آٹھویں روز آنحضرت ﷺ کی رضاعت (پرورش) ابولہب کی لونڈی ثوبیہؓ کے سپرد ہوئی مگر چند دن کے بعد عرب کے دستور کے مطابق آپؐ کی تربیت اور پرورش حضرت حلیمہ سعدیہؓ جو قبیلہ بنو سعد سے تعلق رکھتی تھیں، کے سپرد ہوئی۔ عرب میں رواج تھا کہ شہر کے روساء

اور شرفاء اپنے بچوں کو زمانہ شیر خوارگی میں شہر سے باہر دیہات میں بھیج دیتے تھے تا کہ وہ قبائلی بدوں میں پل کر جوانمردی اور فصاحت کے اوصاف سے متصف ہو سکیں۔

حضرت حلیمہؓ کے ساتھ آپ کو بڑی محبت تھی۔ جب آپ منصب رسالت پر مبعوث ہوئے'' تو حلیمہؓ ایک مرتبہ ملنے کے لئے آئیں۔ آپؐ میری ماں، میری ماں، کہہ کر لپٹ گئے جس طرح بچپن میں لپٹا کرتے تھے''۔

حضرت آمنہؓ اور عبدالمطلب کا انتقال:۔

آپؐ کی عمر چھ برس کی تھی جب حضرت آمنہؓ آپؐ کے ہمراہ لے کر مدینہ تشریف لے گئیں تا کہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کر سکیں اور ساتھ ہی آپ کو حضرت عبدالمطلب کے ننہال سے ملا سکیں۔ تقریباً ایک ماہ کے قیام کے بعد حضرت آمنہؓ واپس مکہ آ رہی تھیں کہ دوران سفر بیمار ہو گئیں۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع موضع دوان کے قریب وفات پا گئیں۔ اس سفر میں آپؐ کی خادمہ ام ایمن بھی ساتھ تھیں وہ آپ کو لے کر مکہ آئیں اور آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے آپؐ کی نگہداشت کے فرائض سنبھال لئے۔ حضرت عبدالمطلب حضورؐ پر جان چھڑکتے تھے۔ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے اور انؐ کے بغیر کھانا تک نہ کھاتے تھے۔ لیکن دو سال کے بعد جب آپؐ کی عمر آٹھ برس کی ہوئی تو آپؐ کے بوڑھے دادا عبدالمطلب بھی ایک سو بیس (۱۲۰) برس کی عمر میں وفات پا گئے۔ مگر وفات سے قبل آپ کو حقیقی چچا حضرت ابوطالب کے سپرد کر گئے۔

ابوطالب کی کفالت:۔

حضرت ابوطالب نے آپؐ کی نگہداشت بڑے اچھے طریقے پر کی۔ وہ آپ کو اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے اور پیار وشفقت فرماتے تھے۔ آپؐ بھی اپنے چچا کی خدمت و اطاعت میں کوئی کوتاہی نہیں فرماتے تھے۔

جب آپؐ کی عمر بارہ برس کی تھی تو آپؐ کے چچا نے تجارت کے غرض سے ملک شام جانے کا قصد کیا تو وہ آپؐ کے اصرار پر آپ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ راستے میں ایک عیسائی راہب بحیرہ نامی نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ آپؐ میں انجیل کی پیشین گوئیوں کے مطابق نبوت کی علامات ہیں اور آپؐ عنقریب منصب نبوت پر سرفراز ہوں گے۔ عیسائی راہب نے آپؐ کے چچا حضرت ابوطالب سے کہا کہ آپ اس بچے کو ساتھ ساتھ نہ لئے پھریں مجھے اندیشہ ہے کہ یہودی ان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ شفیق چچا نے فوراً آپ کو بصرہ سے ہی اپنے

غلاموں کے ساتھ مکہ واپس بھیج دیا۔

آپؐ نے لڑکپن میں اپنے چچا کے پاس رہ کر تجارت کے کاروبار میں سوجھ بوجھ پیدا کرلی تھی۔ جب آپؐ پورے جوان ہوگئے تو آپؐ نے ازخود تجارت شروع کردی اور اس سلسلے میں یمن، شام اور دیگر علاقوں کے سفر کیے۔ چونکہ آپؐ کے پاس اپنا سرمایہ نہ تھا اس لئے آپ اکثر دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے۔ دنیاوی معاملات اور تجارتی کاروبار میں آپ کا طرزِ عمل اس قدر دیانتداری اور راستبازی پر مبنی تھا۔ کہ مالدار لوگ عموماً اپنا سرمایہ آپؐ کے سپرد کرکے منافع میں شریک ہوجایا کرتے تھے اور اکثر لوگ اپنی امانتیں آپؐ کے پاس رکھتے تھے۔ چنانچہ انتہائی راستباز اور اپنے فرائض پر سختی سے کاربند ہونے کے سبب زمانہ جاہلیت میں بھی آپؐ الامین یعنی امانت دار کے لقب سے مشہور اور ہردلعزیز ہوگئے۔

حربِ الفجار:۔

آنحضرتﷺ کی عمر پندرہ (۱۵) سال کی تھی کہ ۵۸۶ سن عیسوی کے قریب قریش اور قبیلہ قیس میں جنگ چھڑ گئی۔ آلِ ہاشم کے علمبردار زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ جناب رسول اللہﷺ بھی آلِ ہاشم کی صف میں شریک تھے۔ چونکہ یہ لڑائی ان مہینوں (ذیقعد، ذوالحجہ اور محرم الحرام) میں ہوئی، جنہیں عرب حرمت والے مہینے کہتے ہیں اور ان میں لڑنا جائز نہ تھا اس وجہ سے اس لڑائی کو حرب الفجار کہتے ہیں چونکہ قریش حق پر تھے اس لئے خاندان والوں کے ساتھ آپؐ بھی اس لڑائی میں شامل ہوئے لیکن قتال میں کوئی حصہ نہ لیا۔ اپنے چچاؤں کو صرف تیر پکڑاتے رہے۔ بالآخر صلح پر اس لڑائی کا خاتمہ ہوگیا۔ اس لڑائی میں قریش کا رئیس اور سپہ سالارِ اعظم حرب بن امیہ تھا جو ابوسفیان کا باپ اور امیر معاویہ کا دادا تھا۔

حلف الفضول:۔

لوٹ مار اور عاجزوں اور بیکسوں پر ظلم وتشدد کے واقعات عام تھے۔ معقول انسان ہروقت کی خانہ جنگیوں سے بہت تنگ آچکے تھے۔ جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے تو حضورﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر خاندان بنو ہاشم، بنو زہرہ اور بنو تیم عبداللہ بن جرعان کے گھر میں جمع ہوئے اور باہمی مشاورت کے بعد ایک معاہدہ کیا گیا جس کی رو سے یہ طے پایا کہ ہم ہر مظلوم کی دادرسی کرینگے چاہے وہ مکہ کا ہو یا باہر کا، کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا اور ہم یتیموں اور بیواؤں کی امداد اور خبرگیری کرینگے۔ نیز جنگ و جدل سے گریز کریں گے۔ آنحضرتﷺ اس معاہدہ میں

شریک تھے اور عہد نبوت میں اکثر اس معاہدے کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدہ کے مقابلے میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیے جائیں تو میں نہ لوں اور آج بھی اگر کوئی شخص مجھے حلف الفضول کی طرف بلائے تو میں اس کے بلاوے کو قبول کرلوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ شروع ہی سے امن پسند، مظلوموں کے حامی اور تنظیم کو پسند کرنے والے تھے۔

اس معاہدے کو حلف الفضول اس لئے کہتے ہیں کہ اول اول اس معاہدے کا خیال جن لوگوں کو آیا ان کے ناموں میں فضل کا لفظ آتا تھا۔ یعنی فضیل بن حرث، فضیل بن داعی، اور مفضل اور فضل کی جمع فضول ہے اس وجہ سے عہد نامے کا نام حلف الفضول مشہور ہوا۔ یعنی فضل نام والوں کو عہد نامہ۔ یہ قبیلہ بنوجرہم اور بنوقطورہ سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی ۵۹۶ء

جب آنحضورﷺ جوان ہوئے تو اہل مکہ کی طرح آپ کو بھی تجارت کا خیال آیا لیکن کوئی سرمایہ پاس نہ تھا اور نہ آپؐ کے چچا ابوطالبؓ کی مالی حالت ایسی نہ تھی کہ آپ کو ان سے مالی مدد مل سکتی۔ اس وقت خدا نے اپنی رحمت سے ایک وسیلہ پیدا کردیا۔ مکہ میں ایک نہایت شریف خاندان کی دانشمند بیوہ خاتون خدیجہؓ نام تھی۔ جن کے والد کا نام خویلد بن اس بن عبدالعزی بن قصی تھا۔ اور والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ ہاشمیوں کے ساتھ ان کے گھرانے کی رشتہ داری بھی تھی۔ نیک اور پاک اتنی تھیں کہ لوگ انہیں طاہرہ (پاک) کہتے تھے۔ بڑے بڑے دولتمندوں نے شادی کی درخواستیں کیں لیکن انہوں نے منظور نہ کیں۔ معاش کے لئے اپنا مال تجارت میں لگائے رکھتیں۔ انہوں نے آنحضرتؐ کی خوبیاں اور اوصاف سن کر اور آپ کی سچائی، دیانتداری، سلیقہ شعاری کا حال معلوم کرکے آنحضرتؐ کو خود پیغام بھیجا کہ اگر میرا مال قافلے کے ساتھ شام لے جائیں تو دوسروں سے دگنا معاوضہ دوں گی۔ رسول پاکؐ نے یہ پیش کش منظور کرلی۔ آنحضرتؐ اس کا مال لے کر شام گئے۔

وہاں ایک راہب نسطورا نام نے آپ کو دیکھا۔ اس نے آپؐ کی نبوت کے بارے میں پیش گوئی کی۔ اس سفر میں خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی آنحضرتؐ کے ساتھ تھا۔ اس نے اس واقعہ کے علاوہ آنحضرتؐ کی ان تمام خوبیوں اور بزرگیوں کا ذکر خدیجہ سے کیا، جو سفر میں اس نے خود دیکھی تھیں۔ خدیجہ آپ کے پاکیزہ خصائل سے پہلے ہی متاثر تھی۔ ان اوصاف کے بارے میں سن کر آپ کو اپنی ایک سہیلی کے ذریعہ شادی کا پیغام بھجوایا۔ چچا کے مشورے سے آنحضرتؐ

نے یہ پیغام قبول فرمالیا۔ اورشادی ہوگئی۔ اس طرح خدیجہ ؓ کوامت کی پہلی ماں ام المومنین بننے کا
شرف حاصل ہوا۔ خطبہ نکاح آپ ؐ کے چچا ابو طالب نے پڑھا۔ پانچ سوطلائی درہم مہر قرار پایا۔
شادی کے وقت آنحضرت ؐ کی عمر پچیس (۲۵) سال اور خدیجہ بی بی ؓ کی عمر چالیس سال کی تھی۔
آپ آنحضرت ؐ کے نکاح میں پچیس سال تک زندہ رہیں۔ اس شادی کے بعد آپ ؐ چچا کے گھر
سے اپنے گھر میں اٹھ آئے۔ نیز آپ ؐ نے اپنے چچا ابو طالب کے فرزند عالی مقام حضرت علی ؑ کو
بھی اپنی کفالت میں لے لیا۔ شادی کے بعد آپ تقریبا دس (۱۰) برس تک اپنے کاروبار میں
مصروف رہے اوراپنی سچائی اورامانت سے روز افزوں عزت وشہرت حاصل کرتے رہے۔

حضرت خدیجہ ؓ کا شجرہ نسب پانچویں پشت پر حضور ﷺ سے مل جاتا ہے۔ حضرت
خدیجہ ؓ کے بطن سے حضور ﷺ کی چار لڑکیاں ہوئیں۔ حضرت زینب ؓ، حضرت رقیہ ؓ، حضرت ام
کلثوم ؓ، اور حضرت فاطمہ ؓ۔ چار صاحبزادے تھے۔ حضرت قاسم، حضرت طیب، حضرت طاہر اور
حضرت عبداللہ۔ یہ چاروں صاحبزادے قبل از اسلام رحلت فرما گئے۔

حضرت خدیجہ ؓ نے تازیست ہر معاملے میں اور ہر طرح آنحضرت ؐ کی رفاقت اور پشت
پناہی کا حق ادا کیا اوراپنی مال و دولت کو اپنے نامدار شوہر کی رضا جوئی کے لئے راہ خدا میں بنی آدم
کی فلاح و بہبود پر صرف کیا۔ آنحضور کو بھی ان سے ایسی محبت تھی کہ جب تک آپ زندہ رہیں،
آنحضرت ؐ نے دوسری شادی نہیں کی حالانکہ عرب معاشرہ میں کئی کئی شادیاں کرنے پر کوئی پابندی
نہ تھی۔ جب حضرت خدیجہ ؓ نے رحلت فرمائی تو آنحضرت ؐ ساری عمر آپ کو یاد کرتے رہے۔ اور
ان کی سہیلیوں سے بھی عزت اور شفقت کا برتاؤ کرتے رہے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر نو ۶۰۶ء

۶۰۶ سن عیسوی میں رسول پاک ؐ کی عمر پینتیس (۳۵) برس کی تھی جب کہ مکہ میں بارش
کے پانی سے سیلاب آ گیا جس سے بہت سی عمارتیں گر گئیں اور کعبہ کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا۔
اس پر قریش نے کعبہ کی عمارت کو گرا کر نئے سرے سے تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا۔ لکڑی بہت
کامیاب تھی۔ اتفاق سے جدہ کی بندرگاہ پر ایک تجارتی جہاز ٹوٹ گیا۔ قریش نے اسے خرید لیا اور
کعبہ کی تعمیر نو شروع کردی۔ عمارت کے بنانے میں تو سب قبائل شامل تھے مگر جب حجراسود (سیاہ
پتھر) نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت اختلاف پیدا ہوگیا۔ کیونکہ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ یہ شرف
اسی کو حاصل ہو۔ چار دن تک برابر یہی جھگڑا ہوتا رہا۔ جھگڑا اتنا بڑھا کہ بعض لوگوں نے لہو سے

بھرے ہوئے پیالہ میں انگلیاں ڈبو کر قسم کھالی کہ وہ جانیں دے دیں گے لیکن اپنی ضد نہ چھوڑیں
گے۔ عربوں میں یہ بہت بڑی قسم تھی۔

محسن انسانیت ؐ کا فیصلہ:۔

ابو امیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ اوردانا بزرگ تھا، جب
جھگڑا بڑھتے دیکھا تو یہ تجویز پیش کی کہ کل صبح مسجد الحرام کے باب صفا سے جو آدمی پہلے داخل ہو،
اسے ثالث اور حاکم مان لیا جائے اور وہ جو فیصلہ کرے، سب کے لئے قابل قبول ہونا چاہیے۔ خدا
کی شان کے دوسرے روز رسول پاک ؐ باب صفا سے حرم میں داخل ہوئے۔ سب لوگ پکار اٹھے:
ھذا الامین رضینا (الامین آ گئے) ہمیں ان ؐ کا فیصلہ منظور ہے۔ آنحضرت ؐ نے جھگڑے کی
کیفیت سنی تو ایک چادر زمین پر بچھادی اور اس پر حجراسود کو اٹھا کر رکھ دیا اور ہر قبیلے کے سردار سے
کہا کہ چادر کو پکڑ کر اٹھائیں۔ چنانچہ سب قریش اس پتھر کو وہاں تک لائے جہاں اسے نصب کرنا
تھا۔ آنحضرت ؐ نے پھر اسے اٹھا کر خانہ کعبہ کی دیوار میں نصب کر دیا۔ اس طرح آپ کی معاملہ فہمی
اور زیرکی نے حرم پاک کو خونریزی سے بچالیا۔ ''ورنہ اس وقت کے اہل عرب میں ریوڑ کے پانی
پلانے، گھوڑوں کے دوڑانے، اشعار میں ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے کو اچھا بتانے جیسی ذرا ذرا
سی باتوں پر ایسی جنگ ہوتی تھی کہ بیسیوں برس تک ختم ہونے میں نہ آتی تھی''۔

عہد رسالت

''اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر، کہ ان میں انہی میں کا ایک رسول بھیجا جو کہ ان کو خدا تعالیٰ کی آتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو (کفر و شرک کی گندگی سے) پاک کرتا اور کتاب الٰہی اور دانائی کی باتوں کی ان کو تعلیم دیتا ہے، ورنہ پہلے تو یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے''۔ (آل عمران ۴۔۱۶۴)

آنحضرت ﷺ کا سینہ مبارک توحید کا نشیمن تھا۔ آپؐ کی زندگی ابتداء ہی سے اہل عرب کی مشرکانہ رسوم اور بیہودہ مشاغل سے پاک تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نیک سرشت اور فطرت سلیم ودیعت فرمائی تھی۔

بعثت سے سات برس قبل آپ کو ایک روشنی اور چمک سی نظر آنے لگی تھی۔ آنحضور ﷺ اس روشنی کو پاکر خوش ہوا کرتے تھے۔ اس چمک میں کوئی آواز یا صورت نہ ہوتی تھی۔ جوں جوں بعثت کا زمانہ قریب تر ہوتا گیا، آنحضور ﷺ کے مزاج میں ذکر و فکر اور خلوت گزینی (مراقبہ) کی عادت بڑھتی گئی۔ آپؐ اکثر پانی اور ستو لے کر شہر مکہ سے تین میل دور کوہ حراء کے ایک غار میں جس کا طول چار گز اور عرض پونے دو گز تھا، جا بیٹھتے اور دنیا سے الگ تھلگ ہو کر ذکر و عبادت میں لگے رہتے تھے۔ جب تک پانی اور ستو ختم نہ ہو جاتے، شہر میں نہ آتے۔ آپؐ ہر سال رمضان المبارک کا مہینہ اسی غار میں بسر فرماتے تھے۔ اس دوران صرف خوراک اور پانی لینے کے لئے گھر تشریف لاتے۔ یہاں غار حراء میں خلوت کے پرسکون لمحات میں آپؐ عبادت اور سوچ بچار میں مشغول رہتے تھے۔ اس زمانے میں آنحضور ﷺ کو خواب نظر آنے لگے۔ یہ خواب ایسے سچے ہوا کرتے تھے کہ جو کچھ خواب میں دیکھ لیا کرتے، دن میں ویسا ہی ظہور میں آجاتا تھا۔ یہ زمانہ

رسالت کا آغاز تھا۔ یعنی قدرت آپؐ کے قلب مبارک کو وحی کے لئے تیار کر رہی تھی۔

بعثت:۔

جب آنحضرتؐ کی عمر چالیس سال قمری پر ایک دن اوپر ہوئی تو ۹ ربیع الاول مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء کو بروز دوشنبہ (پیر) آپؐ غار حراء میں یاد الٰہی میں مصروف تھے کہ اچانک فرشتہ غیب (روح الامین) حضرت جبریل علیہ السلام ظاہر ہوئے اور کہا: بشارت ہو، آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔ ازاں بعد حضرت جبریلؑ نے آپ سے کہا: اقراء (پڑھیئے) آپؐ نے جواب دیا: ما انا بقاری (میں پڑھنا نہیں جانتا) اس پر حضرت جبریلؑ نے آپ کو سینے سے لگا کر بھینچا اور کہا: پڑھیئے۔ آپؐ نے پھر وہی جواب دیا۔ حضرت جبریلؑ نے آپ کو دوبارہ اپنے سینے سے لگا کر بھینچا اور اسی طرح تیسری مرتبہ بھی۔ آخر جبریلؑ نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا:

''پڑھیئے اللہ تعالیٰ کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھیئے اور آپ کا رب سب سے بزرگ ہے جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو سکھا دیا وہ، جو وہ جانتا تھا''۔ (سورۃ العلق تیسواں پارہ)

وحی سے سرفراز ہونا ایک گرانبار ذمہ داری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کو قول ثقیل کہا ہے۔ اگرچہ نزول وحی کی چار قسمیں ہیں۔ لیکن نزول وحی کی وہ صورت سب سے گراں تھی جس میں گھنٹیوں کے بجنے کی آواز آتی۔ کیونکہ اس صورت میں شدید جاڑے میں بھی جبین مبارک سے پسینہ جاری ہوجاتا تھا۔ آپؐ اونٹنی پر سوار ہوتے اور وحی آجاتی تو اونٹنی بھی بوجھ سے بیتاب ہوجاتی تھی۔ آخر دم تک اس طریقے کے نزول وحی کا یہی عالم رہا۔ لہٰذا پہلی وحی پر غیر معمولی اضطراب رونما ہونا کوئی عجوبہ نہیں۔

فرشتہ تو خدا کا یہ پیغام دے کر غائب ہوگیا، لیکن اس غیر معمولی واقعہ نے آپؐ کی حیرت میں اضافہ کردیا۔ آپؐ حیران تھے کہ یہ سب کچھ حقیقت ہے یا خواب۔ آخر اس پریشانی، اضطراب اور گھبراہٹ کے عالم میں لرز میں اندام گھر تشریف لائے اور گھر میں داخل ہوتے ہی بستر پر لیٹ گئے اور فرمایا: زملونی زملونی (مجھے کمبل اوڑھاؤ، مجھے کمبل اوڑھاؤ) آپ کو کمبل اوڑھا دیا گیا۔ جب طبیعت میں ذرا سکون ہوا تو آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان فرمایا اور کہا: میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہوگیا ہے۔ اس پر حضرت خدیجہؓ نے کہا:

"آپ کو ڈر کس کا ہے، اللہ تعالیٰ ہر حالت میں آپ کا نگہبان ہوگا۔ خدا تعالیٰ آپ کو کبھی غمگین نہ ہونے دے گا۔ کیونکہ آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، راست گو اور امانت گزار ہیں۔ لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ ناداروں کے دستگیر ہیں، مہمانوں کی خاطر دا[ری] کرتے ہیں اور راہِ حق میں ممد و معاون بنتے ہیں"۔

جناب خدیجۃ الکبریٰ آنحضرت ﷺ کو اپنے ایک چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پا[س] لے گئیں جو بہت عمر رسیدہ اور نابینا تھا۔ اور توریت و انجیل کا بہت بڑا عالم تھا، اور جو شروع [ہی] سے اہلِ عرب کے مذہب بت پرستی سے سخت متنفر تھا۔ اس نے دینِ حق کی تلاش میں متع[دد] مقامات کے سفر کئے تھے اور بالآخر عیسائی ہو گیا تھا۔ ورقہ بن نوفل نے آنحضور ﷺ سے سا[را] واقعہ سن کر کہا: یہ تو وہی ناموس اکبر (جبریلؑ) ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا۔ آپ گھبرائیے نہیں۔ آپ اس امت کے نبی ہیں۔ لیکن آپؐ پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ قوم آپ کو شہر سے نکال دے گی۔ اے کاش! میں اس وقت تک زندہ و تندرست رہ سکتا تو ضرور آپ کی مدد کرتا۔ آپؐ نے حیر[ت] سے پوچھا: کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ بولا: ہاں، اس دنیا میں آج تک ہر نبی جس نے آپ ایسی تعلیم پیش کی، اس سے عداوت ہی کی جاتی رہی۔ کاش، میں ہجرت تک زندہ رہتا اور حضور کی نمایاں خدمت سرانجام دوں۔ اس سے آنحضورؐ کو ایک اطمینان سا ہو گیا۔ لیکن ورقہ اس واقعہ سے چند دن بعد ہی مر گیا۔ کیونکہ وہ نہایت ضعیف اور فاقد البصر ہو گیا تھا۔

اس واقعہ کے بعد تقریباً چھ ماہ تک وحی کا نزول نہ ہوا۔ اس مدت کو فترۃ الوحی (یعنی و[حی] کا رک جانا) کہتے ہیں۔ ازاں بعد ایک روز آنحضورؐ کو راہ چلتے فضا سے ایک ندا آئی۔ آنحضو[رؐ] نے نظر اوپر اٹھائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام ایک کرسی میں بیٹھے ہیں۔ آپ [پر] اضطراب طاری ہو گیا۔ گھر تشریف لائے اور فرمایا: دَثِّرُوْنِیْ دَثِّرُوْنِیْ (مجھے چادر اوڑھاؤ، مجھے چادر اوڑھاؤ) گھر والوں نے چادر اوڑھا دی اور یہ آیت نازل ہوئی:

"اے چادر اوڑھنے والے! اٹھو! اور لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ اور اپنے پروردگار کی بزرگی بیان کرو اور پاکیزہ کپڑے پہنئے اور ناپاکی سے دور رہو"۔

(المدثر ۷۴۔۹)

اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ پہلے پیغام میں آنحضرت ﷺ کو بعثت [کی] آگاہ کیا گیا تھا۔ دوسرے میں تبلیغ کا حکم تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو وضو اور نماز [کا] طریقہ سکھایا۔

فترۃ الوحی کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنا فرض انجام دینا شروع کر دیا۔ ابتداء میں آپؐ نے اسلام کی دعوت کو خفیہ رکھا اور سب سے پہلے افرادِ خانہ اور قابلِ اعتماد دوستوں کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کی۔ چنانچہ عورتوں میں سب سے اول آپؐ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہؓ، مردوں میں آپ کے قدیم رفیق و محرمِ راز حضرت ابوبکر صدیقؓ، غلاموں میں آپ کے محبوب غلام زید بن حارثہؓ اور نو عمروں میں آپ کے چچیرے بھائی حضرت علیؓ بلاتامل دعوتِ حق پر ایمان لائے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپؐ تین سال تک خاموشی کے ساتھ اس فرض کو انجام دیتے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ معززینِ مکہ میں بڑے بااثر تھے۔ ان کی کوشش و مدد سے حضرت عثمانؓ بن عفان، زبیرؓ بن عوام، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص اور طلحہؓ بن عبیداللہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ آہستہ آہستہ اس خاموش خفیہ تبلیغ کا سلسلہ وسیع ہونے لگا۔ چنانچہ قریش کے چند اور نیک فطرت نوجوان دائرہ اسلام میں شامل ہو گئے، جن میں حضرت خبابؓ بن ارث، ارقمؓ مخزومی، عبداللہؓ بن مسعود، عثمانؓ بن مظعون، سعیدؓ بن زید (معہ اپنی بیوی فاطمہ بنت خطاب) اور ابوعبیدہ بن الجراح قابلِ ذکر ہیں۔ غریب طبقہ سے صہیبؓ رومی، بلال حبشیؓ، یاسرؓ ان کے لڑکے عمارؓ اور ان کی زوجہ سمیہؓ وغیرہ نے اسلام قبول کیا۔ علاوہ ازیں ابوذر غفاریؓ اور عمرو بن عنبسہ طویل مسافت طے کر کے آئے اور دولتِ اسلام سے مالا مال ہوئے۔

خانہ کعبہ کے متصل ایک گلی میں واقع حضرت ارقمؓ مخزومی کے مکان کو اسلام کا اولین دارالتبلیغ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آنحضرت ﷺ یہاں اکثر تشریف لاتے اور یہیں مسلمان آپؐ سے ملتے اور آپ کے ارشاداتِ عالیہ سے مستفید ہوتے۔ مسلمان یہیں چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے یا پہاڑوں کی گھاٹیوں میں نکل جاتے اور وہاں چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتے۔

آنحضرت ﷺ کا فرض خفیہ تبلیغ سے چند آدمیوں کو دعوتِ حق دینا نہ تھا بلکہ سارے عالم کو۔ حکم ہوا کہ اپنی نبوت کا کھلم کھلا اعلان کریں اور لوگوں کو دینِ اسلام کی طرف بلائیں اور مشرکین کی کچھ پرواہ نہ کریں۔

اس پر آنحضرت ﷺ نے اعلانیہ توحید کا وعظ شروع کیا۔ چنانچہ ایک روز آپؐ نے کوہ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو پکارنا شروع کیا۔ جب قریش انؐ کے پاس جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا: مجھے بتلاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا جانتے ہو۔ سب نے بیک آواز کہا: ہم نے آج تک کوئی غلط یا بیہودہ بات آپؐ کے منہ سے نہیں سنی۔ ہم آپ کو صادق اور امین جانتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا: دیکھو، میں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوں اور تم اس کے نیچے ہو۔ میں پہاڑ کے ادھر بھی دیکھ رہا

ہوں اور ادھر بھی۔ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک مسلح لشکر آ رہا ہے جو مکہ پر حملہ آور ہوگا تو تم اس کا یقین کر لو گے؟ سب نے بیک زبان ہو کر کہا: بے شک، کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا:

لوگو سنو! کہ اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی پرستش کے لائق ہے اور بت پرستی شرک ہے۔ بت پرستی اور بداخلاقی کی باتوں سے اجتناب کرو۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ اگر تم لوگ ایمان نہ لائے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا۔

ان الفاظ کو سننا تھا کہ قریش مکہ بگڑ گئے اور ناراض ہو کر واپس گھروں کو چل دیئے۔ خود آنحضرتؐ کے حقیقی چچا ابولہب نے بگڑ کر کہا: تو (نعوذ باللہ) ہلاک ہو۔ کیا ہمیں اسی لیے بلایا تھا۔ اگرچہ لوگ منتشر ہو کر چلے گئے مگر رسول خداؐ نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور اپنا کام جاری رکھا۔ خدا کی یکتائی اور بتوں کی برائی کھلم کھلا بیان کرتے رہے۔ کئی لوگ مسلمان ہوتے گئے اور کئی پیغمبر اسلامؐ اور اسلام کے کٹر مخالف بنتے گئے۔ کچھ دنوں بعد آپؐ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ

(اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے)

آپؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ خاندان والوں کو دعوت پر مدعو کرو۔ دعوت ہوئی تمام خاندان عبدالمطلب شریک دعوت تھا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد آپؐ نے فرمایا:

اے بنو عبدالمطلب! میں تم سب کے لئے آخرت کی بہبودی لے کر آیا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ عرب بھر میں کوئی شخص بھی اپنی قوم کے لئے اس سے بہتر اور افضل کوئی شے لایا ہو۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ لوگوں کو اس کی دعوت دوں بتلاؤ، تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا؟

یہ سن کر سب کے سب چپ ہوگئے۔ لیکن حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا کہ یا رسول اللہ گو مجھ کو آشوب چشم ہے، گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نوعمر ہوں تاہم میں آپؐ کا ساتھ دوں گا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: اس کی بات مانا کرو اور جو یہ کہا کرے، سنا کرو۔ یہ سن کر مجمع خوب کھلکھلا کر ہنسا اور ابوطالب سے تمسخر کرنے لگا: دیکھو، محمدؐ نے تمہیں کہہ دیا ہے کہ آج سے تم اپنے فرزند کا حکم مانا کرو۔

مولانا شبلی نعمانی رقمطراز ہیں:

"قریش کے لئے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (جن میں ایک سترہ سالہ

نوجوان ہے) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آ گئی لیکن آگے چل کر زمانے نے بتا دیا کہ یہ سراپا سچ تھا"۔

اسلام کے نام لیواؤں کی تعداد بتدریج بڑھنے لگی۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں ان کی تعداد چالیس ۴۰ تک پہنچ گئی۔ دریں اثنا ایک روز رسول پاک نے خانہ کعبہ میں جا کر برملا خدا کے ایک ہونے کا اعلان کیا۔ قریش یہ دیکھ کر اتنے بگڑے کہ ہر طرف سے آپؐ پر ٹوٹ پڑے۔ آپؐ کے رشتہ داروں میں سے حارث بن ابی ہالہ کو یہ خبر ملی تو دوڑے ہوئے آئے۔ دیکھا تو تلواریں چل رہی تھیں۔ حارث آپ کو بچانے کی کوشش میں خود شہید ہوگئے۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون شہادت تھا جس سے زمین مکہ رنگین ہوئی۔ اب آنحضورؐ نے بھی اعلانیہ تبلیغ شروع کر دی۔ آپ ہر مجلس میں، ہر ایک میلہ میں، ہر ایک گلی کوچے میں جا جا کر لوگوں کو توحید کی خوبی بتلاتے۔ بتوں، پتھروں اور درختوں کو پوجا سے روکتے۔ بیٹیوں کو مار ڈالنے سے منع کرتے۔ زنا، قمار بازی اور شراب نوشی سے لوگوں کو روکتے۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"اے لوگو! اپنے جسم کو نجاست سے، کپڑوں کو میل کچیل سے، زبان کو گندی باتوں سے، دل کو جھوٹے اعتقادوں سے پاک وصاف رکھو۔ وعدہ اور اقرار کی سخت پابندی کرو، لین دین میں کسی سے دغا نہ کرو۔ خدا کی ذات کو نقص عیب اور آلودگی سے پاک سمجھو۔ اس بات کا پختہ اعتقاد رکھو کہ زمین، آسمان، چاند، سورج سب خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ سب اسی کے محتاج ہیں، دعا کو قبول کرنا، بیمار کو صحت وتندرستی دینا، مرادیں پوری کرنا اللہ ہی کے قبضہ واختیار میں ہے۔ اللہ کی مرضی اور حکم کے بغیر کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ حتی کہ فرشتے اور نبی بھی اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا"۔

عرب میں عکاظ، مجنہ اور ذی المجاز کے میلے بہت مشہور تھے۔ جہاں دور دراز کے لوگ آیا کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ ان مقامات پر جاتے اور میلوں میں آئے ہوئے لوگوں کو اسلام اور توحید کی دعوت فرمایا کرتے تھے۔

قریش مکہ کو جو عرب میں اپنے آپ کو سب سے افضل وارفع سمجھتے تھے، اپنے بتوں کی مخالفت اور اپنی بری عادات کی مذمت سخت ناگوار گزری۔ اس لیے انہوں نے آنحضرتؐ کی مخالفت پر کمر باندھی اور اسلام کا نام ونشان مٹا دینے کا عزم صمیم کرلیا۔ چنانچہ قریش نے آپ کو طرح طرح سے ستانا شروع کر دیا۔ بسا اوقات آپ کے راستے میں کانٹے بچھا دیتے تاکہ رات

کے اندھیرے میں آپ کے پاؤں زخمی ہوں۔ گھر کے دروازے پر گندگی پھینک جاتے تاکہ نبی اکرمؐ کو تکلیف ہو۔ آپؐ کعبہ کی طرف جاتے تو قریش آپؐ پر طرح طرح کی آواز کستے اور آپؐ پر کنکریاں پھینکتے۔ آپؐ کو مجنوں، جادوگر اور شاعر وغیرہ پکارتے۔ مکہ میں جو نیا آدمی آتا، اسے پہلے ہی جاکر کہہ آتے کہ ہمارے یہاں ایک شخص پاگل اور بے دین (نعوذ باللہ) ہوگیا ہے، اس کی باتوں پر کان نہ دھرنا۔ ورنہ وہ اپنے جادو سے تمہیں آباؤاجداد کے دین سے برگشتہ کردے گا۔ آپؐ نماز پڑھتے تو روسائے قریش آپؐ کا تمسخر اڑاتے اور طرح طرح کی شرارتیں کرکے آپؐ کی عبادت میں مخل ہوتے۔

آپؐ کی مخالفت میں ابوجہل جو روسائے مکہ میں سے تھا اور ابولہب آپؐ کے حقیقی چچا پیش پیش تھے۔ قریش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی سخت اقدام کرنے سے بھی گھبراتے تھے کیونکہ وہ بنو ہاشم سے خوفزدہ تھے انہیں معلوم تھا کہ اگر معاذ اللہ رسول پاکؐ کو کوئی صدمہ پہنچا تو بنو ہاشم بدلہ لئے بغیر نہ رہیں گے۔ اس لئے قریش مکہ نے ابتداء میں صلح وصفائی کی بات چیت کرکے آپؐ کو تبلیغ سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن جب ناکام ہوئے تو ابوجہل، ابوسفیان عتبہ، شیبہ اور ولید جیسے روسائے مکہ پر مشتمل ایک وفد آپؐ کے چچا ابوطالب کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے دیوتاؤں کی تضحیک ومذمت کرتا ہے۔ یہ چیز ہمارے لئے ناقبل برداشت ہے۔ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں یا خود درمیان سے ہٹ جائیں۔ پھر ہم خود اس سے نمٹ لیں گے۔ اس پر ابوطالب گھبرا گئے اور نبی اکرمؐ سے کہنے لگے: پیارے بھتیجے! اپنے اوپر اور میرے اوپر رحم کر۔ مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈال کہ اٹھا نہ سکوں۔ آنحضرتؐ نے جب یہ دیکھا کہ ان کے واحد سہارے کے قدم بھی ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں۔ تو آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا: چچا جان! قریش اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں اور کہیں کہ میں دین حق کی تبلیغ چھوڑ دوں تو خدا کی قسم! میں اپنے فرض سے باز نہیں رہوں گا۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اس کام کو پورا کردے یا میری میری جان اس راہ میں قربان ہو جائے۔ ابوطالب نے یہ عزم دیکھا تو کہا، جاؤ، شوق سے اپنا کام جاری رکھو، میرے ہوتے ہوئے کوئی شخص تمہارا بال بیکا نہیں کرسکتا۔

جب قریش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنی ریشہ دوانویں میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے باہمی مشاورت سے یہ طے کیا کہ آنحضرتؐ کو دنیاوی چیزوں کا لالچ دیا جائے تاکہ وہؐ دین حق کی تبلیغ سے باز رہ سکیں۔ چنانچہ ایک مقتدر سردار عتبہ کو آپؐ کے پاس بھیجا۔ اس نے کہا: اے محمدؐ! کیا چاہتے ہو؟ مکہ کی ریاست، عرب کی کوئی خوبصورت عورت، یا بہت بڑی دولت۔ ہم ان تمام

چیزوں کا بندوبست کرسکتے ہیں لیکن جو کچھ کہتے ہو، وہ نہ کہو۔ آپؐ نے جواب میں قرآن حکیم کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ جنہیں عتبہ سن کر دم بخود رہ گیا اور اس قدر متاثر ہوا کہ واپس جاکر قریش کو مشورہ دیا کہ آپ کو اپنی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ محمدؐ جو کچھ سناتے ہیں وہ شاعری نہیں، کوئی اور چیز ہے۔ اگر وہ سب پر غالب آ جائیں گے تو یہ قریش کی عزت ہوگی ورنہ عرب خود ان کو فنا کردیں گے۔

جب قریش مکہ کی دھمکیوں اور ہر قسم کی تحریص وترغیب کارگر نہ ہوسکی اور اسلام روز بروز ترقی کرتا رہا تو قریش سخت پریشان ہوئے۔ چنانچہ ان کی مخالفت اور ایذارسانی نے شدت اختیار کرلی۔ اب انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اسلام لانے والوں پر بھی طرح طرح کے مظالم ڈھانے شروع کردئے اور انہیں پریشان کرنے اور دین اسلام سے برگشتہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ قریش نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت طلحہؓ جیسے صاحب اثر افراد کو بھی اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا لیکن انہوں نے جو دل دوز ایذائیں غریب اور بیکس مسلمانوں کو دیں ان کے ذکر سے قلم لرزتا ہے۔

حضرت جنابؓ بن الارث عراق کے باشندے تھے۔ مکہ میں لوہار کا کام کرتے تھے۔ اسلام لائے تو قریش نے ان کو عین دوپہر کے وقت دہکتے کوئلوں پر ننگے بدن چت لٹا دیا اور ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہوگیا تاکہ ہلنے نہ پائیں۔ پیٹھ کی کھال ادھڑ گئی لیکن حضرت خبابؓ نے یہ مصیبت صبر سے برداشت کرلی۔ ایک قریشی رئیس عاص بن وائل کے ذمے ان کی اجرت تھی۔ انہوں نے مانگی تو عاص نے کہا: جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ کرو گے، تمہیں نہ ملے گی۔ وہ بولے: تم مر کر جی اٹھو، جب بھی ایسا نہ ہوگا۔ عاص نے کہا: بہتر، مجھے مر کر دوبارہ جی لینے دو، پھر میرے پاس رقم ہوگی تو دے دوں گا۔

حضرت بلالؓ بن رباح حبشی تھے اور قریش کے ایک سردار امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ دوپہر ہوتی تو امیہ بلالؓ کو جلتی ریت پر لٹاتا اور بھاری پتھر سینے پر رکھ دیتا اور کہتا، جب تک مر نہ جاؤ گے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر لات وعزیٰ پر ایمان نہ لاؤ گے، عذاب دئے جاؤں گا۔ بلالؓ فقط اَحَدَ، اَحَدَ (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے) کی صدا لگاتے جاتے۔ ایک بار امیہ نے بلالؓ کے گلے میں رسی باندھ کر لڑکوں کے حوالے کر دیا کہ انہیں جہاں چاہیں گھسیٹتے پھریں۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کیا۔

حضرت عمارؓ ان کے والد یاسرؓ اور والدہ سمیہؓ تینوں مسلمان ہو گئے تھے۔ قریش انہیں اتنا مارتے کہ ان کے ہوش اڑ جاتے۔ انہیں تپتے میدان میں لٹائے رکھتے۔ اور طرح طرح کے

عذاب دیتے تھے۔ رسول پاک ان مصیبت زدوں کو دیکھتے تو فرماتے: اور طرح طرح کے عذاب دیتے تھے۔ رسول پاک ان مصیبت زدوں کو دیکھتے تو فرماتے: یاسرؓ کے گھرانے والو! صبر کرو اور اپنے لیے جنت میں گھر بناؤ۔ یہاں تک کہ حضرت یاسرؓ تکلیفیں اٹھا اٹھا کر انتقال کر گئے۔ عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ اپنے خاوند کے انتقال کے بعد اس مصیبت میں بیٹے کی شریک رہیں یہاں تک کہ ابوجہل نے حضرت سمیہؓ کو برچھی مار کر شہید کر دیا۔

حضرت صہیبؓ بن سنان رومی، اصلا عراقی تھے۔ ان کے والد حکومت ایران کے ایک گورنر تھے۔ رومیوں نے صہیبؓ کو گرفتار کرلیا۔ وہیں پلے بڑھے اور رومی کہلائے۔ مسلمان ہوئے تو کفار انہیں اتنی اذیتیں دیتے کہ ان کے ہوش وحواس بجانہ رہتے۔ بعض دفعہ کفار کو صہیبؓ کو لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں لٹا دیتے تھے۔ ہجرت کے وقت صہیبؓ مدینے جانے کے لئے نکلے تو قریش نے ان کا سارا مال روک لیا۔ خدا تعالیٰ اور رسول پاکؐ کے اس سچے فدا کار نے مال کو ٹھکرا دیا اور خالی ہاتھ مدینے چلا گیا۔

حضرت ابوفکیہہؓ، ان کا اصلی نام افلح تھا۔ صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ وہ انہیں اس طرح سزا دیتا جیسے اس کا باپ حضرت بلالؓ کو اذیت دیا کرتا تھا۔ ان کو گلیوں میں کھچوائے پھرتا۔

حضرت زبیرہؓ، ابوجہل کی کنیز تھیں ایک بار ظالم ابوجہل نے انہیں اتنا مارا کہ ان کی بصارت جاتی رہی۔ ابوجہل نے کہا: لات وعزیٰ نے تمہاری بینائی لے لی ہے۔ زنیرہؓ بولیں: لات وعزیٰ بھلا کیا ہیں، میرا رب میری بینائی لوٹانے پر قادر ہے۔ اگلی صبح آنکھیں روشن ہو گئیں۔ کفار نے کہا: یہ محمد ﷺ کا جادو ہے۔

حضرت عثمانؓ بن عفان، جب مسلمان ہوئے تو ان کے چچا نے پکڑ کر ایک اندھیری کوٹھڑی میں بند کر دیا اور پھر رسی سے باندھ کر مارا۔ آخر خود ہار مان کر چپ ہو گیا۔

حضرت زبیرؓ کو ان کے چچا نے چٹائی میں لپیٹا اور ناک میں دھواں دیا مگر کوئی تکلیف شمع رسالتؐ کے پروانے زبیرؓ کو راہ حق سے نہ ہٹا سکی۔

قریش مکہ حضور ﷺ پر بھی دست ستم دراز کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔ آپؐ کا خاندان آپؐ کی حمائت پر کمربستہ تھا لیکن آپؐ کا حقیقی چچا ابولہب سایہ کی طرح آپؐ کے ساتھ ساتھ ہوتا۔ آپؐ پر مٹی پھینکتا اور لوگوں سے کہتا کہ دیکھو، اس کے ہاتھوں اپنے باپ دادا کے دین سے گمراہ نہ ہو جانا۔ بعض دفعہ آپ پر پتھر پھینکتا۔ جن سے آپ کے پائے مبارک لہولہان ہو جاتے۔

کفار مکہ مسلمان پر ظلم وستم ڈھانے میں ہر اوچھے ہتھیار سے کام لیتے۔ مسلمانوں پر

آوزے کستے، بدزبانی اور دشنام طرازی کرتے، دلخراش طعنے دیتے اور تمسخر کرتے تھے۔ غریبوں اور بیکسوں کو بیدردی سے اذیت ناک تکلیفیں دیتے تھے۔ صاحب اثر افراد پر بس نہ چلتا تو ان کا کاروبار بگاڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس بیکسی کے عالم میں مسلمانوں کا واحد سہارا رسول پاکؐ کی ذات اقدس تھی۔ آپؐ ان کی دلجوئی کرتے، تسلی دیتے اور رحمت خداوندی کو نوید سناتے۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ: آپؐ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں۔ آپؐ نے فرمایا: تم سے پہلے لوگوں پر یہاں تک گذری کہ انہیں گڑھا کھود کر اس میں گاڑ دیا گیا اور آرے سے ان کے دوٹکڑے کر دئے گئے لیکن یہ بات انہیں توحید پرستی سے نہ روک سکی۔ آہنی کنگھیوں سے ان کے گوشت اور پٹھے اکھیڑ دئے گئے لیکن وہ دین پر قائم رہے۔ اس دین کو یہاں تک قبول حاصل ہوگا کہ صنعا سے حضرموت تک لوگوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا خوف نہ ہوگا لیکن تم کو جلدی پڑی ہے۔

اسلام کی پاک تحریک ان رسموں، روائتوں اور عقیدوں کے بالکل خلاف تھی جن میں قریش مکہ پشتہا پشت سے ڈوبے ہوئے تھے۔ اسلام نے جب دین حق کی دعوت دی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کی ترجمانی کی تو روسائے مکہ سے بجا طور پر یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ اسلام کی پاک تحریک کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے اور محسن انسانیت رسول اکرم کی صدائے حق کو قبول کر لیتے۔ مگر انہوں نے اس کی شدید مخالفت کی اور ظلم وستم وایذارسانی کے جملہ ممکنہ طریقے اپنائے۔ کیونکہ ان کے سامنے اصل مسئلہ اپنے مفاد اور اپنے اقتدار کا تھا۔ یوں تو دعوت عام کی ابتدا کے ساتھ ہی تشدد کا آغاز ہو گیا تھا لیکن آہستہ آہستہ نظام جاہلی کا پارہ چڑھتا گیا اور ظلم کے دریا کی موجیں بپھرتی چلی گئیں۔ قریش مکہ اپنے عمل وعقیدۂ کے خلاف کوئی نئی بات سننے کو تیار نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے امن ورحمت کے علمبرداروں کے لئے مخالفت کی ایک ایسی بھٹی گرم کی جو حضرت خدیجہؓ اور جناب ابوطالب کی وفات کے بعد اپنی آنچ کے لحاظ سے پورے جوبن پر آ گئی۔ کوئی نہ تھا جو اس بھٹی میں نہ تپایا گیا ہو۔ مگر خوب اچھی طرح جل جل کر اور تپ تپ کر اور پگھل پگھل کر اسلامی جماعت کے افراد کھرا سونا ثابت ہوئے۔ اس بھٹی کی آنچ کا سب سے بڑا حصہ تو تحریک کے لیڈر حضرت محمد ﷺ کے حصے میں آیا۔ لیکن آپؐ کے رفقاء پر بھی جو کچھ بیتی ہے اس کے صحیح احساس وادراک کے لئے ضروری ہے کہ قریش کی مخالفت کے اسباب کا جائزہ لیا جائے: ان اسباب کا اجمالی تذکرہ حسب ذیل ہے۔

(۱) قریش سالہا سال سے شرک اور بت پرستی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بت پرستی ان کے آباواجداد کا مذہب تھا اس لئے وہ اس کے خلاف ایک لفظ سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ مسلمانوں کو وہ بدعقیدہ سمجھتے تھے اور انہیں واپس شرک کی گود میں لانے کو مذہبی فریضہ تصور کرتے تھے۔ اسلام نہ صرف ایک عظیم سماجی انقلاب تھا۔ بلکہ یہ عرب کی قدیم رسوم وعقائد کے خلاف ایک زبردست تحریک تھی۔ چنانچہ اسلام نے جب توحید حق کا ڈنکہ بجایا تو قریش اپنے آباؤ اجداد کے عقائد اور مذہب کی مدافعت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

(۲) انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ آبائی مذہب کو چھوڑنا تو درکنار، اپنے قدیم خیالات سے دست کش ہونا بھی پسند نہیں کرتی۔ قدیم رسم ورواج اور عقائد کو خیر باد کہہ کر نئے آئین کو اختیار کرنے سے گھبراتی ہے۔ اہل مکہ صدیوں سے بت پرستی میں غرق تھے۔ بتوں کو وہ اپنے دیوتاؤں، نبیوں اور قائدین کا مظہر سمجھتے تھے۔ وہ ان سے مرادیں مانگتے اور ان کو خوش کرنے کے لئے انسانی خون کی قربانی دیتے اور انہی کی پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ وہ بت پرستی سے برتر کسی مذہب کو نہ سمجھتے تھے۔ وہ زنا، جوا، متعدد عورتوں کو گھر میں ڈالنا، راہزنی، قتل، عہدشکنی، مے نوشی، سودخوری، آوارگی، قانون وقاعدہ کی بندش وقیود سے آزادی کے عادی تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اسلام کی جو تعلیم پیش کی وہ ان کے رسم ورواج اور عقائد کے سراسر خلاف تھی۔ نیز اگر وہ اپنے عقائد پر تنقید گوارا کر لیتے تو ان کی اور ان کے آباء کی پشتینی جہالت کا آشکارا ہوتی تھی۔ بدیں وجہ وہ بھڑک اٹھے۔ ابوجہل نے بارہا کہا: اگر محمدؐ کی تعلیم سچی بھی ہو تو میں آباؤ اجداد کے طریق کو کیسے چھوڑ دوں۔

(۳) قریش مکہ کعبہ کے متولی تھے۔ انہیں مشرکین عرب کی روحانی اور مذہبی پیشوائی حاصل تھی اور سارے ملک میں ان کا احترام کیا جاتا تھا۔ ہر سال ہزاروں عرب دور و دراز سے حج بیت اللہ کے لئے آتے اور ان کی جیبوں کو سیم وزر سے بھر دیتے۔ کعبہ پر جو

نذرانے چڑھائے جاتے، وہ بھی انہی کے ہاتھ آتے تھے: اسلام کی ترقی سے انہیں اپنی مذہبی سیادت ختم ہوتی نظر آئی۔ چنانچہ اپنے دنیاوی جاہ وجلال کو خطرے میں دیکھ کر انہیں سخت فکر دامن گیر ہوئی۔ اس لئے بھی قریش آنحضورؐ کے سخت خلاف ہو گئے۔

(۴) قریش مکہ تولیت کعبہ، امارت اور سرداری حجاز کے باعث اپنے کو دوسرے لوگوں سے افضل واعلیٰ سمجھتے تھے، جیسے سمندر میں ویل مچھلی۔ نسبی وجاہت اور خاندانی پندار کو بھی وہ بہت اہمیت دیتے تھے۔ ان کی خدمت کے لئے بیشمار لونڈیاں اور غلام تھے جنہیں وہ مویشیوں کی طرح سمجھتے تھے اور خود پرستی کے طلسم میں مبتلا تھے۔ لیکن پیغمبر اسلام کے اخوت ومساوات کے درس نے انہیں سخت پریشان کر دیا۔ کیونکہ اسلام نے آقا وغلام، قریش وغیر قریش، امیر وغریب سب کو مساوی درجہ دیا اور نسل ورنگ قومیت اور امارت کی تمیز کو ختم کر دیا تھا۔ نیز ملک کے اقتصادی وسائل پر تمام لوگوں کو یکساں حقوق دئے تھے۔ قریش مکہ انسانی مساوات پر مبنی اسلامی تعلیمات کو اپنے نسلی غرور اور مذہبی اجارہ داری کے لئے خطرہ تصور کرتے تھے۔ علاوہ ازیں انہیں اسلامی مساوات اور اسلامی اخوت کا قبول کرنا ایک قسم کی حقارت اور ذلت محسوس ہوتی تھی۔ اس لئے وہ اسلام کی پاک تحریک کے دشمن بن گئے۔

(۵) قریش میں کئی خانوادے تھے۔ بنو ہاشم بنو امیہ اور بنو مخزوم ان میں ممتاز ترین تھے۔ حضور ﷺ بنو ہاشم سے تعلق رکھتے تھے۔ بنو ہاشم سے بنو امیہ اور بنی مخزوم کو دیرینہ عداوت تھی۔ ان کو اسلام کی کامیابی میں بنو ہاشم کی برتری اور اپنے خاندان کی ہیٹی نظر آتی تھی۔ اس لئے بھی وہ اسلام کے خلاف ڈٹ کر صف آرا ہو گئے علاوہ ازیں وہ اپنی شان وشوکت، امارت اور عظمت وحشمت کے سامنے حضورؐ کو ایک یتیم ہونے کی وجہ سے ایک معمولی آدمی خیال کرتے تھے۔ دشمن قبیلے کے ایک شخص کی تعلیم پر چلنا ان کے لئے عار تو تھا ہی، دولت کا غرور اور سرداری کا زعم بھی انہیں نبی اکرم ﷺ کی سیادت کو قبول کرنے سے روکتا تھا۔ نسلی پندار کے باعث وہ یہ سمجھتے تھے۔ کہ اگر خدا

کوئی رسول بھیجتا تو وہ ضرور مکہ کے کسی متمول، بااثر اور ذی حشمت سردار کو منتخب کرتا، جس کی دنیاوی حشمت منصب نبوت کے شایان شان ہوتی۔

(۶) قریش نے اس لئے بھی آنحضرتؐ کی مخالفت پر کمر باندھی اور اسلام کا نام ونشان مٹا دینے کا فیصلہ کیا کہ اسلام دیگر مذاہب بالخصوص یہودیت اور عیسائیت کے احترام کا درس دیتا تھا۔ جبکہ قریش کو عیسائیت سے سخت عداوت تھی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ یمن کے عیسائی حکمران ابرہہ نے کعبہ کو گرانے اور اس کے تقدس کو ختم کرنے کے لئے مکہ پر فوج کشی کی تھی۔

(۷) کعبہ کے مجاور اور کلید بردار ہونے کی بدولت قریش کو عرب معاشرے میں ممتاز حیثیت حاصل تھی۔ جس کی وجہ سے قریش کو تجارتی میدان میں بھی بے حد عزت واحترام اور تحفظ حاصل تھا۔ ان کے تجارتی قافلوں کی طرف کوئی راہزن آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا کیونکہ معاشرے میں انہیں جیران اللہ یعنی (اللہ کے پڑوسی) بلکہ اہل اللہ یعنی اللہ کا خاندان کہا جاتا تھا۔ اب قریش کو ڈر ہوا کہ اگر اسلام نے مقبولیت حاصل کر لی تو قبائل عرب ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی تجارت ختم ہو کر رہ جائے گی نیز وہ قلاش ہو جائیں گے۔

شعب بنو ہاشم

جب قریش نے دیکھا کہ دین اسلام کی شدید مخالفت اور مسلمانوں کو ہر طرح کی اذیتیں پہنچانے کے باوجود اسلام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اور امیر حمزہؓ اور حضرت عمرؓ جیسے مقتدر اور شجاع لوگ ایمان لا چکے اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے بھی عیسائی ہونے کے باوجود مکہ کے مسلمان مہاجرین کو ہر قسم کا تحفظ دیا ہے اور قریش مکہ کے سفیر نجاشی کے دربار سے بے نیل مرام واپس آئے تو راہ محرم ۷ نبویؐ میں انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کے پورے خاندان بنو ہاشم پر عرصہ حیات تنگ کرنے کی ٹھان لی۔ تا کہ وہ عاجز آ کر حضورؐ سے دست کش ہو جائیں۔ چنانچہ قریش نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ:۔

"کوئی شخص نہ خاندان بنی ہاشم سے قرابت کرے گا۔ نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا۔ نہ ان سے ملے گا۔ نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا۔ جب تک وہ پیغمبر اسلام ﷺ کو قتل کے لئے حوالے نہ کر دیں"۔

یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور بیت اللہ کے اندر لٹکا دیا گیا۔ اہل مکہ نے اس معاہدہ کی سختی سے پابندی کی۔ بنو ہاشم سے نہ صرف لین دین بلکہ بول چال کا بھی سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس پر بنو ہاشم اور آل عبدالمطلب کے تمام افراد نے جن میں کئی مشرک بھی تھے، حضورؐ کا ساتھ دینے کا عزم کیا۔ اور مجبور ہو کر اور آنحضرتؐ کی جان کو خطرے میں پا کر وہ شہر سے نکل کر شعب بنو ہاشم میں پناہ گزین ہو گئے۔ شعب عربی زبان میں گھاٹی کہتے ہیں۔ یہ پہاڑ کے دامن میں ایک گھاٹی تھی جو بنو ہاشم کی ملکیت تھی۔ ابولہب نے مشرکین سے اتحاد کیا اور خاندان والوں کا ساتھ نہ دیا۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں زندگی بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ کیکر کے پتے کھا کھا کر گزر کیا۔ کیونکہ کفار گھاٹی کے باہر پہرے پر رہتے تھے۔ کہ کوئی شخص کھانے پینے کی کوئی شے اندر نہ پہنچائے۔ اگر بنو ہاشم اشیائے صرف کے حصول کے لئے دور دور تک جاتے تو

دشمن ان کے پیچھے جا کر قبائل کو ان کے ہاتھ چیزیں بیچنے سے منع کر دیتے۔ چنانچہ اس زمانے میں بنو ہاشم کو انتہائی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ جھاڑیوں اور درختوں کے پتے تک انہوں نے کھائے۔ بہت سے لوگ فاقہ کشی کے سبب موت کا شکار ہو گئے۔ ایک بار سعد بن وقاص کو سوکھا چمڑہ زمین پر پڑا مل گیا۔ اسے دھو کر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا۔ بچوں کی حالت بڑی دلگداز تھی۔ بھوک پیاس سے تڑپتے، بلکتے اور چلاتے تھے۔ کفار مکہ پہاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھ کر ان کی چیخ و پکار سنتے اور خوش ہوتے کہ بنو ہاشم اب گھٹنے ٹیک دیں گے۔ لیکن ان کی امید بر نہ آئی۔

اس حالت میں تین برس گزر گئے لیکن نبی ﷺ نے اس سختی کو نہایت صبر و استقلال سے برداشت کیا۔ قریش کے چند رحمدل آدمی اس مقاطعہ کے خلاف تھے۔ وہ انہیں کبھی کبھار خفیہ طور سے غلہ بھیجنے کی کوشش کرتے۔ قریش مزاحم ہوتے۔ ابو جہل ایک دفعہ ایسی ہی حرکت میں پٹ گیا۔

"ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا تھا، تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہ کے پاس بھیجے۔ راہ میں ابو جہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا۔ اتفاق سے ابو البختری کہیں سے آ گیا وہ اگرچہ کافر تھا مگر مزاحم ہوتے ہوئے اس نے کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپھی کو کھانے کے لئے کچھ بھیجتا ہے، تو کیوں مزاحم ہوتا ہے۔ ابو جہل نے ضد کی اور بات ہاتھ پائی تک پہنچی۔ البختری نے اونٹ کے جبڑے کی ایک ہڈی ابو جہل کے سر پر دے ماری اور لاتوں سے بھی مرمت کی"۔

قریش کے چند رحمدل آدمی اس معاہدے کے خلاف تھے۔ بنو ہاشم کے مصائب پر کڑھتے تھے لیکن بے بس تھے۔ انجام کار ہشام بن عمرو جو اپنے قبیلے میں ممتاز اور خاندان بنو ہاشم کا قریبی رشتہ دار تھا، نے معاہدہ توڑنے کی پوشیدہ تحریک چلائی۔ زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، ابو البختری اور زمعہ بن اسود کو اپنا ہم خیال بنایا۔ ایک رات مکہ سے باہر ایک پہاڑی پر جمع ہو کر فیصلہ کیا کہ کل معاہدے کے ورق کو چاک کر دیا جائے۔ شان کبریائی دیکھیں کہ اسی روز حضور ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کو بتایا کہ دیمک معاہدہ کی تحریر کو چاٹ گئی ہے۔ صرف وہی جگہیں باقی ہیں جہاں اللہ کا نام ہے اس پر ابو طالب دوسرے دن حرم میں پہنچے اور آنحضورؐ کی پیشن گوئی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ سچ ہے تو ہم (بنو ہاشم) تا قیامت محمدؐ کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔ ورنہ تمہارے ساتھ مل جائیں گے۔ کفار نے دیکھا تو بات درست تھی۔ اس پر ہشام اور ان کے رفقاء نے کہا: اب اس کاغذ کو بھی چاک کر دو، یہ ظلم اور سنگدلی کا ایک نشان ہے۔ ابو جہل نے مخالفت کی مگر ناکام رہا اور بچے کھچے کاغذ کے پرزے اڑا دیے گئے۔ اس طرح بنو ہاشم کا مقاطعہ ٹوٹ گیا اور وہ شہر میں واپس آ گئے۔

سفر طائف وقبائل عرب میں تبلیغ

طائف کا شہر مکہ سے تقریباً ساٹھ میل دور ہے۔ اس زمانے میں بھی زرخیز، شاداب اور پر رونق تھا۔ یہاں بنو ثقیف آباد تھے۔ یہ قریش سے رقیبانہ عداوت رکھتے تھے۔ تین بھائی مسعود، حبیب اور عبد اللہ یا لیل طائف کے سردار تھے۔

اہل مکہ کی مخالفت اور دشمنی کے باوجود ابو طالب اور خدیجہ کبریٰ کی وفات کے بعد نبی کریمؐ نے تبلیغ حق کے کام کو زیادہ جوش سے شروع کر دیا۔ مگر اہل مکہ کو بے حد مخالف اور سنگدل پا کر آپؐ نے طائف والوں کو پیغام حق سنانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ نبوت کے دسویں (۱۰) سال شوال کے مہینے میں آپؐ اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے ہمراہ مکہ سے نکلے اور مکہ و طائف کے درمیان کے تمام قبیلوں کو وعظ فرماتے، توحید منادی کرتے ہوئے پیادہ پا طائف شریف لے گئے محسن انسانیت ﷺ طائف پہنچے تو آپؐ طائف کے سرداروں کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ لیکن تینوں نے اپنی بد نصیبی سے خدا کے پیغام کو ٹھکرا دیا اور بڑے گستاخانہ جواب دئے۔ ایک بولا: اگر واقعی خدا نے تم ہی کو بھیجا ہے تو بس پھر وہ کعبہ کا غلاف نچوانا چاہتا ہے۔ دوسرا بولا: کیا خدا کو تیرےؐ سوا رسالت کے لئے کوئی اور مناسب آدمی نہ مل سکا؟ اگر اسے رسول بنانا تھا تو کسی حاکم یا سردار کو بنایا ہوتا۔ تیسرا بولا: خدا کی قسم! میں تجھ سے بات بھی نہیں کروں گا کیونکہ اگر آپ واقعی رسول اللہؐ ہیں تو پھر آپ ایسے آدمی کو جواب دینا سخت خلاف ادب ہے اور اگر آپؐ (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں تو اس قابل نہیں کہ آپؐ سے بات کی جائے۔

رسول پاکؐ نے بڑی بردباری سے یہ جوابات سنے۔ پھر فرمایا: اگر تمہارے یہی خیالات ہیں تو میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ انہیں اپنے پاس ہی رکھیں اور دوسروں کی گمراہی کا سبب نہ بنیں۔ نبی اکرم ﷺ نے وعظ کہنا شروع کیا تو ان تینوں رئیسوں نے اپنے غلاموں، نوکروں اور شہر

کے اوباش لڑکوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا کہ وہ آپ کو بستی سے نکال باہر کریں۔ چنانچہ ایک غول کا غول آپؐ کے پیچھے ہولیا۔ جب آپؐ وعظ کرتے تو وہ لوگ گالیاں دیتے، شور مچاتے اور پتھر مارتے۔ پتھر تاک کر ٹخنوں کی ہڈیوں پر مارتے تاکہ زیادہ اذیت پہنچے۔ حضورؐ جب نڈھال ہو جاتے تو بیٹھ جاتے۔ لیکن طائف کے غنڈے آپ کو بازو سے پکڑ کر اٹھا دیتے اور پھر ٹخنوں پر پتھر مارتے اور تالیں بجا بجا کر ہنستے۔ خون بے تحاشا بہہ رہا تھا اور جوتیاں اندر اور باہر سے لتھڑ گئیں۔ آخر آپؐ نے ایک باغ کے احاطہ میں پناہ لی۔ یہ باغ دو قریشی سرداروں عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ انہوں نے آپ کو دیکھا تو ترس کھا کر اپنے غلام عداس کے ہاتھ ایک پلیٹ میں انگور بھجوائے۔ نبیؐ نے انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہی بسم اللہ کہا اور پھر انگور کھانے شروع کئے۔ عداس کہنے لگا: خدا کی قسم! اس طرح کی بات اس شہر کے لوگ تو کبھی نہیں کہتے۔ آپؐ نے پوچھا: کہاں کے رہنے والے ہو؟ اور تمہارا مذہب کیا ہے؟ وہ بولا: عیسائی ہوں اور نینوا کا باشندہ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: تم مرد صالح یونسؑ بن متی کے شہر کے ہو۔ وہ میرا بھائی ہے میں بھی نبی ہوں۔ غلام نے یہ سنا تو آپؐ کے سر، ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا۔ قریش سرداروں عتبہ اور شیبہ نے یہ ماجرا دیکھا تو انہوں نے عداس کے واپس جانے پر ملامت کی کہ یہ کیا حرکت تم کر رہے تھے۔ تم نے اپنے مذہب خراب کر لیا ہے۔ عداس نے گہرے تاثر کے ساتھ جواب دیا: حضور عالی! اس سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی چیز بھلی نہیں۔ اس شخص نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جو صرف نبی ہی بتلا سکتا ہے۔

اس سفر میں اتنی تکلیفوں اور ایذاؤں کے بعد اور ایک شخص تک کے مسلمان ہونے کے رنج اور صدمہ کے باوجود نبی ﷺ کا دل خدا کی عظمت اور محبت سے بھرپور تھا۔ اس موقع پر حضرت زید بن حارثہ نے بڑے دکھ بھرے دل کے ساتھ آپؐ سے کہا: یا رسول اللہ! آپ ان لوگوں کے لئے خدا سے بددعا کیوں نہیں کرتے کہ خدا ان کو اس زمین سے نیست و نابود کر دے۔ ایک روایت ہے کہ اس موقع پر جبرائیل علیہ السلام آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ پہاڑوں کا انچارج فرشتہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اگر آپ اشارہ کریں تو وہ ان پہاڑوں کو آپ میں ملا دے جن کے درمیان مکہ اور طائف واقع ہیں اور دونوں شہروں کو پیس کر رکھ دے"۔

اس پر محسن انسانیتؐ نے جو کچھ فرمایا وہ دنیا کی تاریخ میں اپنی مثال آپ اور آپؐ کے خلق عظیم کا شاہد ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

مجھے انسانوں کے خلاف بددعا یا لعنت کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ اگر یہ لوگ نہیں سمجھتے تو ممکن ہے ان کی آئندہ نسلوں کی ہدایت کی سعادت نصیب ہو جائے۔ سفر طائف کا یہ واقعہ نہایت دردانگیز اور رقت انگیز داستان ہے اور آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر جس صبر و استقامت کا ثبوت دیا وہ بلاشبہ آپؐ کی پیغمبرانہ عظمت کی دلیل ہے۔ طائف میں آنحضورؐ پر جو کچھ گزری اس کا اندازہ اس روائت سے ہو سکتا ہے کہ:

"ایک بار حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ! کیا آپؐ پر احد کے دن سے بھی سخت دن کوئی گزرا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تیری قوم کی طرف سے اور تو جو تکلیفیں پہنچیں سو پہنچیں مگر سب سے بڑھ کر سخت دن وہ تھا جب میں نے طائف میں عبد یا لیل کے بیٹے کے سامنے دعوت رکھی اور اس نے اسے رد کر دیا۔ اور اس درجہ صدمہ ہوا کہ قرآن الثعلب کے مقام تک جا کر بمشکل طبیعت سنبھلی"۔

طائف سے حضور ﷺ واپس عازم مکہ ہوئے۔ راستے میں آپؐ نے نخلہ کے مقام پر قیام کیا پھر مکہ میں داخل ہونے سے قبل غار حرام میں قیام فرمایا اور مطعم بن عدی کی حفاظت و امارت میں مکہ میں داخل ہوئے۔ خانہ کعبہ کا طوائف کیا۔ نماز پڑھی اور اپنے گھر تشریف لے گئے۔

ہجرت

"اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی۔ تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے۔ جس وقت اس کو نکالا تھا کافروں نے، کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا جب وہ دونوں تھے غار میں جب وہ کہہ رہا تھا اپنے رفیق سے تم غم نہ کھا۔ بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔

(۱۰۔ التوبہ ۹)

مدینہ منورہ کا اصل اور قدیم نام یثرب تھا۔ یہ شہر مکہ سے تین سو میل شمال میں آتش فشاں مادہ سے بنی ہوئی ناہموار پتھریلی سطح پر واقع ہے۔ مدینہ تقریباً دس (۱۰) میل کے طول اور لگ بھگ اتنے ہی عرض پر پھیلا ہوا ہے آج کل اس کی آبادی گنجان ہے۔ ظہور قدسی کے وقت یہ شہر نو (۹۰) محلوں یا بستیوں کا ایک مجموعہ تھا۔ محلے قبیلہ دار تھے۔ قدیم ترین اور مرکزی بستی کا نام یثرب تھا۔ اس کے نام سے ہی سارا شہر یثرب کہلاتا تھا۔ محسن انسانیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب یہاں تشریف لائے اور سکونت پذیر ہوئے تو اس کا نام مدینہ النبیؐ یعنی نبیؐ کا شہر پڑ گیا جو کثرت استعمال سے بالآخر صرف مدینہ رہ گیا۔ آنحضورؐ نے اسے طیبہ بھی کہا ہے۔ مدینہ کا شمار عرب کے قدیم شہروں میں ہوتا تھا۔ اس کی آبادی دو گروہوں پر مشتمل تھی۔ یعنی یہود اور انصار (قبیلہ اوس اور خزرج)

مدینے میں اسلام:

ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ حج کے ایام میں زائرین کے خیموں اور ڈیروں پر تشریف لے جاتے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے۔ نبوت کے گیارہویں سال حج کے موقع پر ایک شب آپؐ توحید کا پیغام سنانے نکلے اور مکہ اور منا کے درمیان عقبہ کے مقام پر رات کا

میں آپؐ کی ملاقات مدینہ کے قبیلے خزرج کے چھ آدمیوں ابوالہیثم بن تیہان، ابوامامہ اسد بن زرارہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر اور جابر بن عبداللہ سے ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔

یہ لوگ اگرچہ بت پرست تھے لیکن انہوں نے اپنے شہر کے یہودیوں کو بارہا یہ ذکر کرتے سنا تھا کہ ایک نبی عنقریب ظاہر ہونے والا ہے۔ انہوں نے رسول پاکؐ کی زبان سے دعوت حق سنی تو آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے: بخدا، یہ تو وہی نبیؐ ہے جس کا تذکرہ یہود کیا کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہود اس پر ایمان لانے میں ہم پر سبقت لے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا پھر انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"ہماری قوم نفاق کی شکار ہے۔ ہمارے قبیلے میں بہت سی جنگیں ہو چکی ہیں۔ ہم واپس وطن جائیں گے اور اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلائیں گے۔ شاید کہ آپؐ کی برکت سے ان میں اتفاق واتحاد پیدا ہو جائے۔ اس صورت میں آپؐ سے زیادہ عزیز شخص کوئی نہیں ہوگا۔"

پھر وہ مدینے (یثرب) واپس چلے گئے۔ اس طرح مدینے کے افق پر اسلام کا آفتاب عالم تاب طلوع ہوا۔

بیعت عقبہ اولیٰ

۱۲ نبویؐ

ان نیک بخت چھ صحابہ کے اسلام قبول کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ (یثرب) کے گھر گھر رسول پاکؐ کا ذکر ہونے لگا اور اگلے سال (نبوت کے بارہویں سال) حج کے موقعہ پر مدینہ کے بارہ (۱۲) باشندے مکہ میں آئے اور عقبہ ہی کے مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان اور دولت ایمان سے مالا مال ہوئے۔ ان بارہ خوش نصیبوں میں جابر بن عبداللہ کے سوا پانچ وہ نیک بخت صحابہ بھی تھے جنہوں نے گذشتہ سال اسلام قبول کیا تھا، باقی سات میں معاذ بن حارث، ذکوان بن عبدالقیس، عبادہ بن صامت، یزید بن ثعلبہ، عباس بن عبادہ قبیلہ خزرج سے اور مالک بن تیہان اور عویم بن ساعدہ قبیلہ اوس سے تھے۔ ان بارہ خوش نصیب آدمیوں نے پہلی بار رسول خداؐ سے باضابطہ بیعت کی جو بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی شرائط یہ تھیں:

1۔ ہم صرف خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔

2۔ ہم چوری اور زناکاری کے کبھی مرتکب نہ ہوں گے۔

3۔ ہم اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔

4۔ ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے اور نہ کسی کی غیبت کریں گے۔

5۔ ہم حضور ﷺ کا ہر حکم مانیں گے۔

ان صحابہ نے حضورؐ سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ کسی معلم کو بھیجا جائے۔ آپؐ نے حضرت مصعب بن عمیر کو روانہ فرمایا تاکہ وہ مدینے کے لوگوں میں تبلیغ حق کریں اور جو لوگ مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں، ان کو قرآن اور احکام اسلام سکھائیں۔ حضرت مصعب مدینہ میں سعد بن زرارہ کے مکان پر قیام پذیر ہوئے جو مدینہ کے ایک نہایت معزز رئیس تھے۔

مدینہ منورہ میں حضرت مصعبؓ بن عمیر کی سعی پیہم سے، مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا اور قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان دو لیڈروں کے ذریعے جب تحریک حق کی طاقت میں اضافہ ہوا تو دعوت حق کی مہم میں بھی شدت پیدا ہوگئی۔ اور یثرب کے ایک ایک گھر میں صبح اسلام کی تجلیاں بکھر گئیں۔ چنانچہ اگلے برس (نبوت کے تیرھویں سال) مدینہ کے پچھتر (۷۵) افراد جن میں دو عورتیں بھی شامل تھیں، مکہ میں حج کے موقع پر ایام تشریق میں عقبہ کے مقام پر رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر کے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ یہ بیعت جو ایک تہائی رات گزرنے کے بعد پوشیدگی میں ہوئی، بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے۔

اس موقع پر حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ جو ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے، بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ جب انصار مدینہ نے آنحضورؐ کو مدینہ منورہ آنے کی دعوت دی تو انہوں نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اے گروہ خزرج! محمد ﷺ اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں دشمنوں کے مقابلے میں ہم ہمیشہ انؐ کے لئے سینہ سپر رہے۔ اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں۔ اگر مرتے دم تک انؐ کا ساتھ دے سکو تو بہتر، ورنہ ابھی سے جواب دے دو"۔

ان راستبازوں نے حضرت عباسؓ کو کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ حضورؐ کچھ ارشاد فرمائیں اور اللہ تعالیٰ اور اپنی ذات مبارک کے بارے میں جو عہد ہم سے لینا ہو، لے لیجئے۔ آپؐ نے قرآن حکیم کی تلاوت فرمائی۔ جس کے سننے سے ان کے دل ایمان و ایقان کے نور سے معمور ہوگئے۔ ازاں بعد نبیؐ نے فرمایا:

"اس بات کا عہد کرو کہ تم دین حق کی اشاعت میں میری پوری پوری مدد کرو گے اور جب میں تمہارے شہر میں چل بسوں تو تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل وعیال کی مانند کرو گے۔ ایمان والوں نے پوچھا: ایسا کرنے کا ہم کو معاوضہ کیا ملے گا۔ نبیؐ نے فرمایا: بہشت، جو نجات اور خدا کی خوشنودی کا محل ہے۔ ایک انصاری حضرت براء نے بیعت کے لئے آپ کا ہاتھ تھام کر کہا: ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں۔ اللہ کی قسم، ہم جس طرح اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہیں، اسی طرح آپ کے لئے سینہ سپر ہوں گے۔ ایک اور انصاری ابوالہیثم نے بات کاٹ کر کہا: یا رسول اللہ! ہمارے یہود کے ساتھ تعلقات ہیں جو اس بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ جب آپ کو قوت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو آپؐ ہم کو چھوڑ کر اپنے وطن چلے جائیں۔ سرور عالم ﷺ نے مسکرا کر جواب دیا: نہیں، تمہارا خون میرا خون ہے، تم میرے اور میں تمہارا ہوں۔ تم نے جس سے صلح کی، اس سے صلح کروں گا، اور جس سے جنگ کی، اس سے جنگ کروں گا"۔

بیعت کے دوران سعد بن زرارہ نے انصار کو مخاطب ہو کر کہا: جانتے ہو، کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ احمر واسود (عرب وعجم اور جن وانس) سے جنگ کرنے کی بیعت ہے۔ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا: ہاں، ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔ ہمیں سرمائے کا نقصان اور اشراف کی موت بھی قبول ہے۔

براء بن معرور وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس شب سب سے پہلے بیعت کی، اس بیعت کو بیعت الحرب یعنی جنگ کی بیعت بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں جنگ کا عہد بھی اٹھایا گیا تھا۔ بہ الفاظ دیگر اب محمد ﷺ کا ساتھ دینے کے معنی قریش اور سارے عرب کے ساتھ برسر پیکار ہونے کے تھے۔ گویا یہ بیعت اسلامی قصر ریاست کی خشت اول تھی۔

بیعت کے بعد ہادی برحق ﷺ نے ان میں سے بارہ اشخاص کا انتخاب کیا اور ان کا نام

نقیب رکھا اور انہیں یہ فرمایا: تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اپنی قوم کے سربراہ
ہوگے۔ جیسے میں سب ملت کا سربراہ ہوں۔ تمہیں اس لئے منتخب کرتا ہوں تاکہ تم اہل یثرب میں
جاکر دین کی اشاعت کرو۔ مکہ میں یہ کام میں خود کروں گا۔ ان بارہ نقیبوں کے نام خود انصار نے
پیش کئے تھے۔ ان میں نو (۹) خزرج کے اور تین (۳) قبیلہ اوس کے تھے۔ ان کے نام حسب
ذیل ہیں:۔

سعد بن زرارہ۔ رافع بن مالک۔ عبادہ بن صامت۔ سعد بن ربیع۔ عبداللہ بن رواحہ۔
براء بن معرور۔ عبداللہ بن عمرو۔ سعد بن عبادہ۔ منذر بن عمرو۔ اسید بن حفیر۔ سعد بن خثیمہ۔
ابوالہیثم بن تیہان۔

قریش کو دوسرے دن اس بیعت کی خبر ہوئی تو وہ اہل یثرب کی تلاش میں نکلے۔ لیکن
ان کا قافلہ صبح ہی روانہ ہو چکا تھا۔ قریش نے ان کا تعاقب کیا۔ سعد بن عبادہ ان کے ہاتھ
آ گئے۔ ان کے ہاتھ باندھے اور مکہ لے آئے انہیں مارا پیٹا اور بعد ازاں چھوڑ دیا۔

بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مشرکین کے ظلم وستم اور ایذا رسانی میں شدت آجانے پر
نبی ﷺ نے مسلمانوں کو ترک وطن (ہجرت) کی باقاعدہ اجازت دے دی۔ چنانچہ مسلمانوں نے
ایک ایک دو دو کرکے آہستہ آہستہ خفیہ طور پر مدینہ کی طرف ہجرت کرنا شروع کردیا۔ ان ایمان
والوں کو گھر بار، خویش واقارب، باپ بھائی، زن وفرزند کے چھوڑنے کا ذرا غم نہ تھا بلکہ خوشی یہ تھی
کہ یثرب جاکر خدائے واحدہٗ لاشریک کی عبادت پوری آزادی سے کرسکیں گے۔ نیز کھلم کھلا تبلیغ
کرکے دوسرے لوگوں کو دین حق کے احکامات بتلا سکیں گے۔ اہل مکہ کو مسلمانوں کے گھر چھوڑ کر
چلے جانے کا علم ہوا تو انہوں نے سخت مزاحمت شروع کردی اور عازمین ہجرت پر جی کھول کر ستم
ڈھانے لگے۔

حضرت صہیبؓ جب ہجرت کرکے جانے لگے تو کفار مکہ نے انہیں گھیر لیا اور اس شرط پر
اجازت دی کہ اپنا سارا مال ومتاع مکہ میں چھوڑ جائیں۔ چنانچہ حضرت صہیبؓ اپنا سارا اندوختہ مکہ
میں چھوڑ مدینہ کو روانہ ہوگئے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ قصہ سن کر فرمایا: کہ اس سودے میں صہیب
نے نفع کمایا۔

حضرت ابوسلمہؓ نے بیعت عقبہ ثانی سے ایک برس قبل ہجرت کی تھی۔ قریش نے ان کی
بیوی اور بچے کو روک لیا۔ حضرت ام سلمہ کو میکے والے لے گئے اور بچہ ابوسلمہؓ کے خاندان والوں
نے چھین لیا۔ ام سلمہؓ سال بھر اسی جگہ جہاں بچہ اور شوہر سے الگ کی گئی تھیں، آتی رہیں وہ گھنٹوں

وہاں بیٹھ کر روتی رہیں۔ آخر ایک سال بعد ان کے ایک چچیرے بھائی کو رحم آیا اور ہر دو قبائل سے
کہہ سن کر اجازت دلا دی کہ وہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائیں۔ بچہ بھی ان کو واپس دلا دیا۔
چنانچہ ام سلمہؓ ایک اونٹ پر سوار ہوکر تن تنہا مدینے روانہ ہوگئیں۔

حضرت عمر فاروقؓ بہت دلاور اور شہ زور تھے۔ جب ہجرت کرنے لگے۔ بیس (۲۰)
آدمیوں کو ساتھ لے کر حرم گئے۔ نماز پڑھی اور اعلان کیا کہ ہم ہجرت کرنے لگے ہیں۔ کوئی روکنا چاہے
تو مکہ سے نکل کر وادی میں اپنی طاقت آزما دیکھے کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ الغرض کفار کی پیش بندیوں اور
مزاحمت کے باوجود صحابہ کرامؓ کی غالب اکثریت مدینے کو منتقل ہوگئی۔ صرف حضور ﷺ حضرت علیؓ،
حضرت ابوبکرؓ اور چند صحابہ جن کو قید میں ڈال دیا گیا تھا۔ یا جو بے بس تھے، مکہ میں رہ گئے۔

واقعہ ہجرت کا تحریک دین حق میں ایک تاریخ ساز انقلاب کا نقطہ آغاز سمجھا جاتا ہے۔
جب مکہ میں گنتی کے مسلمان رہ گئے اور مشہور صحابہ میں صرف ابوبکرؓ وعلیؓ ہی باقی رہ گئے۔ تو قریش
مکہ نے حضور ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ لیکن ساتھ ہی خدائے بزرگ و برتر نے آنحضور کو
ہجرت کا اذن دے دیا۔ ہجرت مدینہ کی حسب ذیل وجوہات تھیں:۔

قریش مکہ روز اول سے آنحضرت ﷺ کے شدید مخالف تھے۔ وہ اسلام کے عروج کو
اپنی مذہبی اور سیاسی برتری کے لئے بہت خطرہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ قریش مکہ کعبہ کے متولی تھے۔
انہیں مشرکین عرب کی روحانی اور مذہبی پیشوائی حاصل تھی۔ اور ہر سال حج بیت اللہ کے موقع پر ان
کی جیبیں چڑھاووں اور نذرانوں کے سیم وزر سے بھر جاتی تھیں۔ پیغمبر اسلامؐ کے اخوت
ومساوات کے درس سے ان کی مذہبی سیادت کے ساتھ ساتھ مالی مفادات کو بھی شدید زد پہنچنے کا
امکان تھا۔ اسلام چونکہ آقا وغلام، قریش وغیر قریش، امیر وغریب نسب کو مساوی درجہ دیتا تھا اور
رنگ ونسل اور قومیت وامارت کی تمیز کا حامی نہ تھا۔ نیز اسلام ملک کے اقتصادی وسائل پر تمام
لوگوں کو یکساں حقوق دینے کا داعی تھا اس لئے قریش مکہ اسلام کی پیش کردہ اس مساوات انسانی کو
اپنے زوال کا پیش خیمہ سمجھتے تھے۔ بنا بریں وہ رسول اللہؐ کے شدید مخالف تھے اور ہر حال میں
اسلام کی دعوت حق کو کچلنے اور آنحضور کو قتل کرنے کے درپے ہوگئے تھے۔

شروع شروع میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی
جو معاشرتی لحاظ سے تو پسماندہ تھے لیکن اخلاقی اور عقل وبصیرت کے لحاظ سے انتہائی اونچا مقام
رکھتے تھے۔ قریش کے مظالم اور ان کی شدید مخالفت کے باعث تبلیغ حق کی رفتار خاطر خواہ نہ تھی۔
علاوہ ازیں ابوجہل (عمرو بن ہشام) اور ابولہب جیسے دشمنان اسلام اپنے پورے اثر ونفوذ اور ظلم

واستبدار کے ساتھ لوگوں کو دین حق قبول کرنے سے روکتے اور انہیں رسول اکرم ﷺ کے خلاف ابھارتے تھے۔ اس سے تبلیغ اسلام کے لئے مکہ کی فضا یاس انگیز ہوتی جارہی تھی۔ اور اس امر کے آثار بالکل مفقود ہورہے تھے۔ کہ تحریک اسلامی کا شجر طیبہ اس سنگلاخ زمین میں برگ وبار لاسکے۔

یوں تو دعوت اسلام کی ابتداء کے ساتھ ہی مسلمانوں پر تشدد کا آغاز ہوگیا تھا لیکن آہستہ آہستہ نظام جاہلی کا پارہ چڑھتا گیا۔ اور قریش کے ظلم وستم اور ایذارسانی کے دریا کی موجیں بپھرتی چلی گئیں۔ اب قریش کی بیبا کی وسفا کی کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ نبی اکرمؐ قرآن پڑھتے تو یہ لوگ گالیاں دیتے، بحالت نماز آپؐ پر گندگی پھینکتے اور مختلف طریقوں سے انہیں بے انتہا ایذائیں پہنچانے کی کوشش کرتے۔ علاوہ ازیں قریش غریب اور بے کس مسلمانوں کو بھی اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنانے اور دوسرے مسلمانوں کو پریشان کرنے اور دین اسلام سے برگشتہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ جہاں حضرت بلالؓ، حضرت خبابؓ، حضرت عمارؓ، حضرت صہیب رومیؓ، اور حضرت زینیزہؓ جیسے فدائیان اسلام قریش کے بے پناہ مظالم کا شکار ہوئے، وہاں حضرت ابوبکرؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت مصعبؓ بن عمیر جیسے صاحب اثر افراد بھی ان کے ظلم وستم کا نشانہ بنے۔ قریش کے ان روز افزوں مظالم کے پیش نظر مسلمانوں نے ایسی پرامن فضا کی ضرورت محسوس کی جہاں وہ ان مخالفین کے دجل سے بچ کر خدا کا پیغام خلق خدا تک پہنچا سکیں اور آزادی سے اپنے مذہبی فرائض ادا کرسکیں۔

مسلمانوں کے سامنے ہجرت حبشہ کی مثال تھی کہ جن مسلمانوں نے آنحضورؐ کی اجازت سے حبشہ کو ہجرت کی تھی وہ وہاں نہایت امن وسکون اور چین کی زندگی بسر کررہے تھے۔ اس تجربہ کے پیش نظر مسلمان ہجرت کو مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے نجات کا ذریعہ تصور کرنے لگے تھے۔ مگر حبشہ میں عیسائی علماء کا متعصّبانہ کردار اور ان کے چھائے ہوئے اثر کے تحت وہاں دین حق کے پنپنے کے امکانات بہت محدود تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو ایسے گوشے کی تلاش تھی جو کہ عرب میں ہی واقع ہو۔ مدینے جب کھلے دل سے دعوت حق کو لبیک کہی تو سرور عالم کو امید کی نئی جھلک نظر آئی۔

یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ جتنے پیغمبر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں معبوث ہوئے ان کی اپنے ملک میں قدر ومنزلت نہ ہوئی۔ اور انہیں ہجرت کرنی پڑی۔ پیغمبر اسلام کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اہل مکہ جو بعثت سے قبل آپ کو سب سے زیادہ قابل اعتماد، سچا اور دیانتدار سمجھتے ہوئے آپ کو الامین کہتے تھے۔ اور آپؐ پر جان چھڑکتے تھے، آپؐ کے دشمن بن گئے۔

مکہ قدرتی طور پر ایک خشک اور پہاڑی علاقہ ہے جس نے اپنے باشندوں پر کافی گہرے اثرات چھوڑے اس لئے یہ ایک قدرتی امر تھا کہ کسی اہم مسئلے یا واقعہ پر غور وخوض کرنا یا سنجیدگی سے سوچنا اہل مکہ کے بس کی بات نہ تھی۔ کیونکہ وہ اپنے علاقائی آب وہوا کے زیر اثر زیادہ تر گرم مزاج اور تند خو واقع ہوئے تھے۔ اس کے برعکس مدینہ ایک سرسبز وشاداب اور زرخیز علاقہ تھا۔ یہاں کی آب وہوا بھی زیادہ گرم نہ تھی۔ اسی مناسبت سے وہاں کے لوگ نرم دل سنجیدہ اور غور وفکر کے عادی تھے۔ اس لئے اسلام کی اشاعت کے لئے ابتدائی زمانے میں مدینہ، مکہ سے زیادہ موزوں جگہ تھی اور وہاں اسلام کے پنپنے کے زیادہ امکانات تھے۔

دعوت حق کا پودا مکہ کی سرزمین سے اگا لیکن اس کے پھلوں سے دامن بھرنا اہل مکہ کے نصیب میں نہ تھا۔ یہ پھل مدینے والوں کے حصے میں آئے۔ بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد مصعب بن عمیرؓ کو مدینہ منورہ میں حوصلہ افزا کامیابی ہوئی اور انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج نے جوق در جوق اسلام قبول کرلیا۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر اہل مدینہ نے رسول اکرم ﷺ کو مدینے آنے کی دعوت دی اور ہر حالت میں آپؐ کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ ہجرت کے لئے مدینے کا انتخاب اہل مدینہ کی اسلام سے غیر معمولی رغبت، خلوص ومحبت اور وفاداری کے جذبے کا نتیجہ تھا۔ علاوہ ازیں ایسے مخلصین کی حمائت اور تعاون میں تبلیغ حق کے امکانات روشن تھے اور وہاں آزادی کے ساتھ مذہبی فرائض کی ادائیگی بھی کی جاسکتی تھی۔

گو قبیلہ دوس کے رئیس طفیل بن عمرو نے آپ کو اپنے قلعہ میں ہجرت کرآنے کی دعوت دی لیکن آپؐ نے انکار فرمایا۔ اسی طرح بنی ہمدان کے ایک شخص نے بھی یہی خواہش کی تھی کہ لیکن کارساز قضا وقدر نے یہ شرف صرف انصار کے لئے مخصوص کیا تھا چنانچہ ہجرت سے پہلے آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ دارالہجرت ایک پر باغ وبہار مقام ہے۔ خیال تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا لیکن وہ شہر مدینہ نکلا۔

مسلمانوں کو مدینے کی طرف ہجرت کا حکم دیا جاچکا تھا اور اکثر صحابہؓ وہاں پہنچ چکے تھے مگر آنحضورؐ جن کی ذات اقدس قریش کی مخالفت کا حقیقی مرکز اور ہدف تھی، ابھی تک مکہ میں موجود تھے کیونکہ آپؐ نے اپنے رفقاء کو مدینے بھیجنے کے باوجود ابھی اپنے مقام دعوت کا نہیں چھوڑا تھا۔ آپؐ اذن خداوندی کے منتظر تھے۔ البتہ رفقاء خاص میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ آپ کی رفاقت میں مکہ ہی میں موجود تھے۔

ایک دن:

''حضورؐ دوپہر کو اپنے محبوب ترین رفیق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ جا کر راز دارنہ طریق سے اطلاع دی کہ ہجرت کی اجازت آ گئی ہے۔ جناب صدیقؓ نے معیت کی درخواست کی جو پہلے سے قبول تھی۔ اس سعادت کے حصول پر فرطِ مسرت سے حضرت ابوبکرؓ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں''۔

جب ایسے مسلمان جنہیں قریش نے روک یا ابتلاء میں ڈال رکھا تھا کے سوا آہستہ آہستہ سارے مسلمان مکہ سے نکل گئے اور آنحضورؐ کے علاوہ بڑے بڑے صحابہ میں سے صرف حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے تو قریش مکہ نے سوچا کہ اب محمدؐ کے قتل کر دینے کا اچھا موقع ہے ورنہ قریب ہے کہ محمد ﷺ بھی ہاتھ سے نکل جائیں اور پھر ہمارے دائرہ اثر سے باہر رہ کر قوت پکڑیں اور سارا پچھلا حساب چک جائے۔ چنانچہ روسائے مکہ دارالندوہ میں جمع ہوئے جن میں ''بنوعبدشمس میں سے شیبہ وعتبہ بن ربیعہ اور ابوسفیان بن حرب، بنونوفل میں سے طعیمہ بن عدی، جبیر بن معطم، حارث بن عامر، بنوعبدالدار میں سے نضر بن حارث بن کلاہ، بنواسد بن عبدالعزیٰ میں سے ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام، بنومخزوم میں سے ابوجہل بن ہشام، بنوسہم میں سے بنیہ ومنبہ بن حجاج اور بنوجمع میں سے امیہ بن خلف خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اور طویل سوچ بچار کے بعد انہوں نے طے کیا کہ حضورؐ کی شمع حیات گل کر دی جائے۔ یہ مہم اکیلے آدمی کے بس کی نہ تھی۔ بنو ہاشم انتقام کو اٹھتے اور قریش خانہ جنگی کی آگ میں گھر جاتے۔ بالآخر ابوجہل کی تجویز پر فیصلہ ہوا کہ قریش کے ہر خاندان سے ایک عالی نسب نوجوان منتخب ہو اور یہ سب مل کر حضور ﷺ پر یکبارگی حملہ آور ہو کر (نعوذ باللہ) حضورؐ کا خاتمہ کر دیں۔ اس طرح قتل کی ذمہ داری سارے قبائل پر ہو گی اور بنو ہاشم اکیلے سارے قبائل سے انتقام نہیں لے سکیں گے اور خون بہا پر راضی ہو جائیں گے۔'' حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو اس بھیانک سازش سے مطلع فرما دیا''۔

بروز پنجشنبہ ۲۷ صفر ۱۳ نبوت بمطابق ۱۲ ستمبر ۶۲۲ء کو ایک سو رئیس زادوں کا لشکر ابوجہل کے زیر کمان عشاء کے وقت حضور ﷺ کے دروازے پر پہنچا۔ انہوں نے اندر گھس کر آپؐ پر حملہ کرنا چاہا لیکن خواتین کے احترام کے باعث باہر ہی کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگے۔ حضور ﷺ نے انہیں دیکھ کر اپنے پیارے چچازاد بھائی حضرت علیؓ سے فرمایا: کہ تم میری یہ سبز چادر اوڑھ کر

میرے بستر پر اطمینان سے سو رہو۔ کوئی شخص تمہارا بال بیکا نہ کر سکے گا۔ اور میرے پاس لوگوں کی جو امانتیں ہیں وہ ہر ایک کو لوٹا کر مدینے آ جانا۔ حضرت علیؓ شیر خدا تو ان تلواروں کے سائے میں نہایت بےفکری سے مزے کی نیند سو رہے ہے اور خدا کا رسولؐ خدا کی حفاظت میں باہر نکلا۔ مشرکین کے سر پر خاک پھینکی اور سورۂ یٰسین پڑھتے ہوئے روانہ ہو گئے۔

آنحضور ﷺ اپنے پیارے دوست حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچے انہیں ساتھ لے کر جبل ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔ شہر سے رخصت ہوتے وقت حضورؐ نے آخری نگاہ ڈالتے ہوئے مکہ سے یہ خطاب فرمایا:

''خدا کی قسم، تو اللہ کی سب سے بہتر زمین ہے اور اللہ کی نگاہ میں سب سے بڑھ کر عزیز ہے۔ اگر یہاں سے مجھے نکالا نہ جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا''۔

جبل ثور مکہ سے تقریباً پانچ میل دور جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس ویران پہاڑی میں ایک تنگ غار ہے۔ جو غار ثور کے نام سے مشہور ہے۔ یہ غار آج بھی موجود ہے۔ اور بوسہ گاہ خلائق ہے۔ اس کی چڑھائی نہایت دشوار ہے۔ راستہ سنگلاخ تھا۔ نوکیلے پتھر نبیؐ کے پائے مبارک کو زخمی کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے نبیؐ کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا۔ آخر غار تک پہنچے۔ حضرت ابوبکرؓ نے نبیؐ کو باہر ٹھہرایا۔ خود اندر جا کر غار کو صاف کیا۔ تن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے روزن بند کئے اور پھر حضورؐ سے اندر تشریف لانے کی درخواست کی۔

صبح ہوئی۔ حضرت علیؓ حسب معمول خواب سے بیدار ہوئے۔ قریش مکہ نے حضرت علیؓ کو حضورؐ کی سبز چادر اتار کر اٹھتے دیکھا تو انہوں نے حضرت علیؓ سے حضورؐ کا پوچھا۔ علیؓ نے جواب دیا: مجھے کیا خبر، کیا میرا پہرہ تھا۔ تم لوگوں نے انہیں نکل جانے دیا اور وہ نکل گئے۔ قریش غصہ وندامت سے علیؓ پر پل پڑے۔ ان کو مارا اور خانہ کعبہ تک پکڑ لائے اور تھوڑی دیر تک حبس بیجا میں رکھا۔ آخر چھوڑ دیا۔

اب قریش نے حضورؐ کی جستجو شروع کی۔ حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئے۔ اسماء بنت ابوبکرؓ باہر نکلی۔ ابوجہل نے پوچھا: لڑکی: تیرا باپ کدھر ہے؟ وہ بولی: بخدا مجھے معلوم نہیں۔ بدزبان اور بددماغ ابوجہل نے ایک طمانچہ اس زور سے اسماءؓ بنت ابوبکرؓ کے کھینچ مارا کہ اسماء کے کان کی ایک بالی ٹوٹ کر نیچے گر گئی۔ قریش نے اعلان کیا کہ جو شخص نبی اکرمؐ یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے یا قتل کر دے اسے سو (۱۰۰) اونٹ بطور انعام دئے جائیں گے۔ ڈھونڈنے والوں کا ایک گروہ غار کے دہانے تک پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ متفکر ہوئے۔ لیکن حضور ﷺ نے کامل اعتماد سے

فرمایا: **لا تحزن ، ان الله معنا** ۔ (رنجیدہ نہ ہو، اللہ ہمارے ساتھ ہے) مشرکین تک نہ گزرا کہ اندر کوئی انسان ہے۔

حضورﷺ تین روز تک غار میں اپنے یار غار ابوبکرؓ کی معیت میں رہے۔ اس دوران حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ کھانا پہنچا جاتیں۔ عبداللہ بن ابوبکرؓ قریش کی دن بھر کی خبریں اکٹھی کرکے رات کو آکر بتاتے اور صبح ہوتے ہی واپس چلے جاتے۔ حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ بکریاں چراتے ہوئے انہیں وہاں لے آتے۔ آنحضورؐ دودھ بقدر ضرورت لے لیتے اور پھر وہ ریوڑ سے آنے والے نقش پا کو تمام راستے سے ہٹا دیتے۔

چوتھی شب کو ابوبکرؓ کے گھر سے دو اونٹنیاں آگئیں جو سفر ہجرت کے لئے تیار کر رکھی تھیں۔ ایک پر حضورﷺ اور ابوبکر، دوسرے پر عامر بن فہیرہ اور رہبر عبداللہ بن اریقط (جسے راستہ بتانے پر نوکر رکھ لیا تھا) سوار ہوئے اور آپؐ یکم ربیع الاول بروز دوشنبہ (۱۶ ستمبر ۶۲۲ء) کو ساحلی راستے سے مدینے کی جانب روانہ ہوئے۔

مکہ کے بہت سے لوگ انعام کی طمع میں برابر تلاش میں تھے۔ سراقہ بن جعشم کو خبر لگ گئی وہ بھی انعام کے لالچ میں تعاقب میں نکلا اور نیزہ لہرائے اور گھوڑا اڑاتے قریب پہنچا۔ لیکن اس کے گھوڑے نے پیہم ٹھوکریں کھائیں۔ حملہ کرنے کو تھا کہ گھوڑے کے اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اس لئے سراقہ دو تین بار کی ناکام کوشش کے بعد اپنا ارادہ ترک کر کے معافی کا طالب ہوا اور درخواست کی کہ اسے امان ذمہ لکھ دیا جائے۔ آپؐ نے عامر بن فہیرہ کو امان نامہ لکھنے کے لئے کہا اور انہیں نے چمڑے کے ایک پرزے پر امان لکھ دی جو فتح مکہ کے دن کام آئی۔ سراقہ نے عہد کیا کہ میں بھید نہیں کھولوں گا۔ اسی موقع پر حضورؐ نے سراقہ کو ایک بشارت بھی دی کہ اے سراقہ! اس وقت تیری کیا شان ہوگی جب تو کسریٰ کے کنگن پہنے گا۔ سراقہ امان نامہ لے کر واپس چلا گیا۔ اور واپسی پر اسے جو تلاش کرنے والے لوگ ملے، اس نے انہیں راستے سے پھیر دیا۔

دوران سفر اس مبارک قافلے کا گزر خیمہ ام معبد پر ہوا۔ یہ عورت قوم خزاعہ سے تھی۔ مسافروں کی خبر گیری اور ان کی تواضع کے لئے مشہور تھی۔ آپؐ نے اس بڑھیا سے پوچھا کہ اس کے پاس خورد و نوش کی کوئی چیز ہے۔ وہ بولی: نہیں۔ آنحضرتؐ نے خیمہ میں ایک بکری دیکھی اور اس کے متعلق پوچھا۔ ام معبد نے کہا: کمزور ہے، ریوڑ کے ساتھ چل نہیں سکتی۔ نبیﷺ نے فرمایا: اجازت ہو تو ہم اسے دوہ لیں۔ اس پر بوڑھیا نے کہا: اگر حضورؐ کو دودھ معلوم ہوتا ہے۔ تو دوہ لیجئے۔ یہ سن کر آنحضورؐ نے بسم اللہ کہہ کر بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا اور ام معبد سے برتن مانگا۔

ایسا بھر گیا کہ دودھ اچھل کر زمین پر بھی گر گیا۔ یہ دودھ آنحضرتؐ نے اور ہمراہیوں نے پیا۔ دوسری دفعہ پھر بکری کو دوہا گیا۔ یہ دودھ بھی ہمراہیوں نے پیا۔ تیسری دفعہ پھر برتن بھرا گیا اور وہ ام معبد کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ اور آنحضور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ آگے روانہ ہوگئے۔ کچھ دیر کے بعد ام معبد کا شوہر آیا وہ خیمہ میں دودھ سے بھرا برتن دیکھ کر حیران ہوا اور پوچھا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا۔ بوڑھیا نے جواب دیا کہ: ایک متبرک شخص تشریف لایا تھا۔ یہ دودھ اسؐ کے طفیل حاصل ہوا ہے۔ اس کا شوہر بولا: یہ تو ضرور وہی صاحب قریش معلوم ہوتا ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔ میں ضرور اسے جا کر ملوں گا۔

رسول اللہؐ کا قبا میں پہنچنا:

حضرت عمرؓ نے مدینے پہنچ کر بتا دیا تھا کہ حضورﷺ عنقریب مدینے میں پہنچنے والے ہیں۔ اس لئے تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا۔ معصوم بچے فخر اور جوش میں کہتے پھرتے تھے کہ پیغمبر ﷺ آرہے ہیں۔ لوگ ہر روز صبح سویرے شہر کے باہر جمع ہوتے اور دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ واپس لوٹ جاتے۔

ایک دن لوگ اسی انتظار کر کے واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے اپنی گڑھی سے ایک سفید پوش قافلہ دیکھا اور قرآئن سے پہچان کر پکارا کہ اے اہل عرب! لو، تم جس کا انتظار کرتے تھے، وہ آگیا۔ تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا۔ انصار ہتھیار سج کر بیتابانہ گھروں سے نکل آئے۔ چنانچہ ۸ ربیع الاول ۱۳ نبوت (۱ ہجری) بروز دوشنبہ ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء کو حضورؐ قبا میں پہنچے اور یہاں کے ایک رئیس کلثوم بن الہدام کے ہاں اقامت فرما ہوئے۔ بعض مہاجرین مکہ بھی یہیں تھے۔ تین روز بعد حضرت علیؓ بھی پاپیادہ یہاں پہنچ گئے۔ ان کے پاؤں ورم کر آئے تھے۔ حضورؐ نے انہیں سینے سے لگایا اور رقت سے گریاں ہوگئے۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کے پاؤں پر لعاب مبارک لگایا۔ پاؤں ایسے ٹھیک ہوئے کہ زندگی بھر دوبارہ شکایت نہ ہوئی۔

قبا میں حضورﷺ نے چودہ (۱۴) روز قیام فرمایا۔ یہاں آپؐ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی جسے مسجد قبا یا مسجد تقویٰ کہا جاتا ہے۔

جمعہ کے روز محسن انسانیتﷺ نے مدینے کی مرکزی آبادی یثرب کی طرف کوچ کیا۔ راستے میں بنو سالم کے گھروں تک پہنچے تھے کہ نماز جمعہ کا وقت ہوگیا۔ یہاں سو آدمیوں کے ساتھ جمعہ پڑھا اور نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ یہ اسلام میں پہلی باجماعت نماز جمعہ تھی اور اولین خطبہ نماز تھا۔

یثرب میں رسول اللہ ﷺ کا خیر مقدم

نماز جمعہ سے فارغ ہو کر نبی ﷺ یثرب کے جنوبی جانب سے شہر میں داخل ہوئے۔ داخلہ عجب شاندار تھا۔ گلی کوچے تمہید وتقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے۔ مرد، عورت، بچے اور بوڑھے نور خدا کا جلوہ دیکھنے کے لئے سراپا چشم بنے کھڑے تھے۔ ہر شخص آپ کو اپنے ہاں ٹھہرانے کا مشتاق تھا۔ اور جان ومال کی پیش کش کر رہا تھا۔ یثرب کی خواتین مکانوں پر زمزمہ مسرت وتوصیف گا رہی تھیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا
مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا
مَادَعٰی اللّٰہ دَاعِی
اَیُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا
جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

”ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا ثنیات الوداع سے ہم پر شکر واجب ہے جب تک اللہ کا نام لیا جائے اے ہم میں رسول ہو کر آنے والے آپ اطاعت یافتہ امر کے ساتھ آئے“۔

معصوم بچیوں کی زبان پر یہ گیت تھا:

نَحْنُ جِوَارٌ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ
یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ

(ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں۔ محمد ﷺ کیا ہی اچھے ہمسایہ ہیں)

مدینہ کا ہر شخص رسول اللہ ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل کرنے کا متمنی تھا لیکن آپ کسی کی دل آزاری نہیں چاہتے تھے۔ بدیں وجہ آپ نے اپنی اونٹنی کی مہار چھوڑ دی اور فرمایا کہ جہاں یہ اللہ کے حکم سے ٹھہرے گی، ہم وہیں قیام کریں گے۔ بالآخر یہ شرف بنو نجار کے ایک رئیس ابو ایوب خالد بن زید انصاری کے حصے میں آیا۔ آپ ان کے ہاں تقریباً نو ماہ رہے۔ بعد میں جب مسجد النبی تعمیر ہوئی اور اس کے متصل آپ کا مکان تیار ہوا تو آپ اس میں منتقل ہو گئے۔ دریں اثناء آپ نے حضرت سودہؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کو بھی بلوا لیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے

اہل وعیال بھی آ گئے۔ جن میں ان کی زوجہ ام رومانؓ اور صاحبزادیاں حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ بھی تھیں۔

ہجرت کے نتائج:

ہجرت کو ابن عباسؓ نے اسلام کی فتح عظیم قرار دیا ہے۔ ہجرت کا مقصد ایک نئے اور محفوظ مرکز کی تلاش تھی جہاں قریش دین حق کی راہ میں کسی قسم کی مداخلت اور رکاوٹ کا باعث نہ بن سکیں، نخل اسلام آزادی سے پھل پھول سکے اور مسلمان آزادی سے مذہبی فرائض کی ادائیگی اور دین حق کی اشاعت کے فرائض سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ ہجرت کا مقصد اعلیٰ مدینہ میں ایک دفاعی، تعمیر اور تبلیغی مرکز قائم کرنا تھا اور اس کے لئے ضروری تھا کہ ہر مسلمان وہاں پہنچ کر اس کی قوت کا سبب بنے۔ اسی لئے ہجرت سے جو نتائج اور اثرات برآمد ہوئے ان میں سے ہر نتیجہ بجائے خود ایک فتح عظیم تھا۔ ان نتائج کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) ہجرت مدینہ دور رس نتائج کی حامل تھی۔ اس سے ملت اسلامیہ کی انفرادی حیثیت کا قیام معرض وجود میں آیا۔ مسلمان شروع میں مشرکین کی آبادیوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ اغیار کی نگاہ میں ان کا کوئی ملی وجود نہ تھا۔ ہجرت کے بعد وہ ایک انفرادی قوم کی حیثیت سے ابھرے۔ بالفاظ دیگر ہجرت سے حق وباطل الگ الگ ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ہجرت کو اسلامی سن کا سرآغاز بنانے کا ایک سبب یہ بھی بتایا تھا کہ ہجرت نے حق وباطل کی تفریق کر دی تھی۔

(۲) ہجرت سے قبل مسلمان اغیار کے نرغے میں چاروں طرف سے گھرے ہوئے تھے۔ اور انہیں طرح طرح کی تکالیف اور ایذاؤں کا ہدف بنایا جاتا تھا۔ ہجرت نے انہیں آزادی اور خود مختاری کے ماحول میں پناہ دی۔ جہاں اغیار کی خشمگین نگاہوں کی بجائے ان کے چاروں طرف الفت بھری نگاہیں تھیں۔ جہاں انہیں نہ جان ومال کا خطرہ تھا اور نہ تبلیغ حق کے راستے میں کوئی حائل تھا۔ اب وہ پر امن ماحول میں زندگی گزار سکتے تھے۔ اور اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہو سکتے تھے۔ اگرچہ اسلام مکہ میں اٹھا لیکن یہ شہر اس کے لئے پردیس تھا۔ مدینے میں مسلمانوں کو امن

وسکون کی زندگی کا ٹھکانہ نہ ملا۔ بالفاظ دیگر مدینے نے دارالاسلام بن کر مسلمانوں کے لئے امن وآشتی کا دامن پھیلا دیا۔ مکہ میں قریش کی مخالفت کی وجہ سے سب نمازیں ۲ رکعت کی تھیں جیسے مسافرت میں ہوتی ہیں۔ مدینہ میں مسلمان پہنچے تو گویا اپنے وطن میں تھے۔ یہاں حضر (وطن) کی پوری چار چار رکعتیں پڑھی جانے لگیں۔ عبادت کی آزادی میسر آئی۔ مسجدیں تعمیر ہوئیں اور فضائیں اذان کی صداؤں سے گونجنے لگیں۔ علاوہ ازیں اب ہر قسم کی مشکلات میں انصار کا دست تعاون مسلمانوں کے شامل حال تھا۔ چنانچہ وہ معاشرتی اعتبار سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے اور انہیں مدینے کی اسلامی ریاست میں آزاد اور ذمہ دار شہریوں کا درجہ حاصل ہوگیا۔

(۳) ہجرت مدینہ مسلمانوں کا ایک منظم معاشرہ وجود میں آیا۔ اور اس کے انضباط کے لئے قرآنی آیات نازل ہونے لگیں۔ چنانچہ مدینہ میں نبی اکرم ﷺ کو مسلمانوں کی اجتماعی تنظیم کرکے قرآنی اصولوں کے مطابق اسلامی معاشرہ کو قائم کرنے کا موقع ملا۔ مکہ کے ماحول میں یہ امر ناممکن تھا۔ نماز باجماعت، اذان، مساجد کی تعمیر، امتناع شراب وقمار بازی اور وہ تمام تمدنی مسائل جن کا تعلق مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے ہے، ہجرت کے بعد رائج کئے گئے اور مسلمان چند مظلوم اور منتشر فدائیان دین حق کی بجائے ایک منظم سوسائیٹی بن گئے۔ جن کا منفرد حیثیت کا حامل اپنا معاشرتی نظام تھا۔ اب ان پر ظالموں کے مقابل میدان جنگ میں اترنے کی آیات نازل ہوئیں۔ چنانچہ مکہ میں اسلام کی جو شمشیر نیام میں پڑی سوتی تھی، مدینے میں تڑپ کر باہر آ گئی اب ہادی برحقؐ نے انہیں ظلم وستم اور جارحانہ رویئے کے سامنے کمزور اور نرم پالیسی اپنانے کی بجائے بے باک اور جارح پالیسی اپنانے کا حکم دیا۔

(۴) اسلام چند عقائد اور مذہبی فرائض تک محدود محض ایک مذہب ہی نہیں تھا بلکہ قرآن حکیم کے مطابق ایک دین تھا۔ یعنی ایک مکمل ضابطہ حیات۔ جس کا تعلق ایک فرد کی انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی زندگیوں سے تھا۔ جو قانون خداوندی کی روشنی میں زندگی کے ہر

موڑ میں انسان کی راہنمائی کرتا تھا۔ لیکن مکہ میں اسلام اپنے یہ فرائض کما حقہ، ادا نہ کر سکا کیونکہ وہاں مسلمان ایک ستم رسیدہ قوم تھے۔ جہاں ان کے راستے میں گوناگوں مشکلات حائل تھیں۔ اس لئے مکہ میں دین کا اجتماعی پہلو نامکمل تھا۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں کو ایک محفوظ مقام میسر آیا جہاں رسول اکرم کو سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کو منظم کرکے ایک اسلامی ریاست کے قیام کا موقع ملا اور انہوں نے مدینے میں ایک آزاد اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ جہاں پہلی دفعہ اسلامی آئین، دستور اور قانون کا نفاذ ہوا۔

(۵) قریش مکہ اسلام کی ترقی کی راہ میں آہنی دیوار بنے ہوئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مکہ میں تیرہ (۱۳) سال کی انتھک کوششوں کے باوجود صرف معدودے چند خوش نصیب، حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے لیکن ہجرت مدینہ نے اشاعت اسلام کی نئی راہیں کھول دیں۔ اب اسلام کے فروغ اور اہل عرب کو توحید حق کا سبق پڑھانے میں کوئی رکاوٹ حائل نہ تھی۔ صحابہؓ بالخصوص اصحاب صفہ نے اشاعت اسلام میں بڑھ چڑھ ک حصہ لیا۔ چنانچہ لوگ جوق درجوق ہادی برحقؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دولت اسلام سے مالا مال ہونے لگے۔ مدینے میں اسلام اس سرعت سے پھیلا کہ دس (۱۰) سال کے اندر سارا عرب آفتاب رسالت کی ضیا پاشیوں سے بقعہ نور بن گیا۔ یعنی حلقہ بگوش اسلام میں ہوگیا۔

(۶) مکہ میں اہل اسلام کی معیشت پر قریش کا دباؤ تھا۔ اور مسلمان بدحالی اور مظلومیت کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ اب مدینہ میں انہیں معاشی سرگرمی اور تجارت کا میدان ہاتھ میں آیا اور انہوں نے اپنے سابقہ تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تجارتی میدان میں اپنی پوزیشن کو مستحکم کرلیا۔ اور ان کے ساتھ انصار مدینہ کو بھی تجارت میں خاصا فائدہ حاصل ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمان غنیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ ایسے جلیل القدر صحابہ جو ہجرت کے وقت اپنا تمام مال ومتاع کھو بیٹھے تھے جلد ہی اپنے سابقہ تجارتی تجربہ کی بنا پر از سرنو تجارت شروع کرکے معاشی طور پر خوشحال ہوگئے۔

مسجد نبوی کی تعمیر:

مدینے میں پہنچنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد (خانہ خدا) کی تعمیر کا فیصلہ کیا۔ اب تک مدینے میں کوئی مسجد نہ تھی اور مسلمان مویشی خانے میں نماز پڑھتے تھے۔ اس کے لئے حضرت ابوایوبؓ کے مکان سے ملحق واقع، ایک قطعہ زمین منتخب کیا گیا۔ اس قطعہ زمین کے مالک قبیلہ بنو نجار کے دو یتیم بچے سہل اور سہیل تھے۔ انہوں نے خود یہ زمین آپؐ کی خدمت میں بلا قیمت بطور نذرانہ پیش کرنی چاہی، لیکن آپؐ نے یہ پسند نہ فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس کی قیمت دلوادی۔

مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوا تو آنحضورؐ خود بھی اس میں مزدوروں کی طرح کام کرتے رہے۔ مسجد کی پیمائش ۶۰×۷۰ ہاتھ رکھی گئی۔ یعنی جنوب سے شمال تک ۲۵ میٹر اور مشرق سے مغرب تک ۳۰ میٹر۔ بنیادیں تین ہاتھ گہری کھودی گئیں اور انہیں فرش سے ساڑھے چار فٹ تک پتھروں سے اٹھایا گیا۔ دیواریں اینٹوں سے تعمیر کی گئیں چھت کھجور کے تنوں اور شاخوں سے ڈالی گئی۔ چھت کی حالت ایسی تھی کہ اگر بارش ہو جاتی، پانی ٹپکتا، مٹی گرتی اور فرش پر کیچڑ ہو جاتا تھا۔ مومنین اسی پر سجدہ کرتے۔ بعد ازاں اس صورت حال کے پیش نظر آنحضورؐ نے سنگریزوں کا فرش بنوادیا۔

ابتداء میں مسجد کا قبلہ جانب شمال بیت المقدس کی طرف رکھا گیا۔ لیکن جب مسجد نبوی کی تعمیر کے سولہ ماہ بعد ۶۲۴ء میں یہ آیت نازل ہوئی:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ. (بقرہ:۱۸)

"تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر دو، اور جہاں کہیں رہو، اسی طرف منہ پھیرو"۔

تو قبلہ کا رخ بدل کر کعبہ (مکہ معظمہ) کی جانب بطرف جنوب کر دیا گیا اور شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کر دیا گیا یہ مسلمانوں کی پہلی مذہبی عمارت تھی جو انہوں نے باہم نماز ادا کرنے اور ملی مسائل پر باہمی صلاح و مشورہ کرنے اور آنحضورؐ کے ارشادت مقدس سننے کے لئے تعمیر کی تھی۔ یہ مسجد جو مسجد نبویؐ کے نام سے موسوم ہوئی، ہر قسم کے تکلفات سے مبرا اور اسلام کی سادگی کی مظہر تھی۔ یہیں سے اسلامی فن تعمیر کا آغاز ہوتا ہے۔

"تعمیر مسجد سے پہلے نماز باجماعت کا اہتمام نہ تھا۔ تعمیر کے بعد نماز باجماعت قائم ہوئی اور اعلان کے لئے حضرت عمرؓ کی رائے سے اذان کا طریقہ جاری ہوا"۔

مسجد کے ایک حصے میں ایک مسقف چبوترہ بنایا گیا جو صفہ کہلایا۔ یہ ان مسلمانوں کے لئے وقف تھا جو اپنا گھر بار نہیں رکھتے تھے۔ اس میں بودوباش رکھنے والے اہل صفہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ اہل صفہ کے سردار تھے۔

اذان کی ابتداء

شروع میں اذان کا رواج نہ تھا۔ مسلمان وقت کا اندازہ کر کے خود بخود نماز کے لئے جمع ہو جاتے تھے۔ لیکن جلد ہی یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ اہل اسلام کو وقت نماز سے آگاہ کرنے کا انتظام کرنا چاہیے تاکہ سب مسلمان مل کر ایک وقت پر نماز ادا کر سکیں۔ آنحضورﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا مختلف تجویزیں پیش ہوئیں۔ کسی نے تجویز پیش کی کہ بلند مقام پر آگ روشن کر دی جایا کرے (جیسا مجوس میں دستور ہے) کسی نے رائے دی کہ سنکھ (بگل) بجایا جایا کرے (جیسا کہ یہود کا معمول ہے) کسی نے مشورہ دیا کہ ناقوس (گھنٹے) بجائے جایا کریں (جیسا کہ انصاری کا طریقہ ہے) لیکن آنحضرتﷺ نے کسی مشورہ کو پسند نہ فرمایا۔ دوسرے دن عبداللہ بن زید انصاری اور حضرت عمر فاروقؓ نے یکے بعد دیگرے نبیؐ سے آ کر عرض کی کہ انہوں نے خواب میں ان الفاظ کو سنا ہے۔ یہ وہی الفاظ تھے جو آج کل اذان میں کہے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اذان کی تجویز پیش کی جسے آنحضرتؐ نے قبول فرمایا اور حضرت بلال کو موذن مامور فرمایا۔

کاشانہ نبوت:

مسجد نبوی سے متصل آنحضورﷺ کی سکونت کے لئے ایک اقامت گاہ تعمیر کی گئی جو فقط دو چھوٹے کمروں (حجروں) پر مشتمل تھی۔ ایک حضرت سودہؓ کے لئے اور دوسرا حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لئے۔ یہ بھی مسجد نبوی کی طرح کچے تھے اور سادگی کے مظہر تھے۔ جب اور ازواج مطہرہ آتی گئیں مزید کمرے بنتے گئے۔ یہ کمرے بھی کچی اینٹوں سے تعمیر کئے گئے تھے۔ یہ کمرے مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپ مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھیں۔ یہ سب کمرے چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس (۱۰) ہاتھ لمبے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو

چھولیتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا اور راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔

مواخات:

مواخات کے لغوی معنی بھائی چارہ کے ہیں۔ مکہ کے غریب الوطن جنہیں اسلا
اصطلاح میں مہاجرین کہا جاتا ہے۔ بالکل بے سروسامان مدینے پہنچے تھے۔ اگرچہ ان م
بہتیرے صاحب حیثیت بھی تھے لیکن ایسی حالت میں وطن چھوڑا تھا کہ کوئی شے مکہ سے ساتھ ن
لاسکے تھے۔ اس لئے آنحضرتﷺ نے ان کا سہارا قائم کرنے اور ان کی اجنبیت کے دو
کرنے کے لئے ان میں اور انصار میں رشتہ اخوت قائم کردیا یعنی ایک ایک مہاجر کو ایک ایک
انصاری کا بھائی بنادیا۔

یہ اخوت (بھائی چارہ) حقیقی اخوت سے بڑھ گئی۔ اس موقع پر انصار مدینہ نے ج
فیاضی، ایثار اور میزبانی کا ثبوت دیا، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ انہوں نے
اپنے مہاجر بھائیوں کی حیثیت محض مہمان کی نہ رہنے دی بلکہ ان کو اپنی تمام منقولہ وغیرہ منقو
جائیداد میں برابر کا شریک اور حصہ دار بنالیا۔ کہتے ہیں جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو ان کے
انصاری بھائی سعد بن ربیع نے اپنی ہر ایک چیز کا نصف حصہ دینا چاہا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا
خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے۔ مجھ کو صرف بازار کا راستہ بتادیجئے۔ انہوں نے قینقاع کے
مشہور بازار کا راستہ بتادیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کچھ گھی و پنیر خریدا اور شام تک خرید وفروخت کی۔
چند روز میں اتنا سرمایا ہوگیا کہ شادی کرلیا اور تھوڑے ہی عرصے میں مال دار بن گئے۔

شروع شروع میں انصار بھائی کی وفات پر اس کے مہاجر بھائی کو حقیقی وارثوں کی طر
جائیداد سے حصہ ملتا رہا لیکن تھوڑی مدت بعد جب مہاجرین اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے۔ او
انہیں اعانت کی ضرورت نہ رہی تو وراثت کا یہ قاعدہ منسوخ ہوگیا۔

مہاجرین بھی محض طفیلی بننے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر ہجرت سے پہلے
تجارت پیشہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہاں بھی تجارت شروع کردی اور تھوڑے ہی دنوں میں فار
البال ہوگئے۔ حضرت ابوبکرؓ کا کارخانہ مقام سخ میں تھا جہاں وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔
حضرت عثمانؓ قینقاع کے بازار میں کھجور کی خرید وفروخت کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی تجارت م
مشغول ہوگئے تھے۔ اور ان کی اس تجارت کی وسعت ایران تک پہنچ گئی تھی۔ دیگر صحابہؓ نے بھی
اسی قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کردی تھی۔

مواخات کے رشتے سے جو لوگ آپس میں بھائی بھائی بنے، ان میں سے بعض
حضرات کے نام یہ ہیں۔

آنحضرتﷺ	حضرت علی بن ابی طالبؓ
حضرت ابوبکر صدیقؓ	حضرت خوارجہ بن زید انصاریؓ
حضرت عمر فاروقؓ	حضرت عثمان بن مالکؓ
حضرت عثمان ذوالنورینؓ	حضرت اوس بن ثابتؓ
حضرت جعفر بن ابی طالبؓ	معاذ بن جبلؓ
ابوعبیدہ بن جراحؓ	سعد بن معاذؓ
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	سعد بن ربیعؓ
حضرت زبیر بن العوامؓ	سلمہ بن سلامہؓ
حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ	کعب بن مالکؓ
حضرت ابوسعید بن زیدؓ	ابی بن کعبؓ
مصعب بن عمیرؓ	ابوایوبؓ
حضرت ابوحذیفہ بن عتبہؓ	عباد بن بشرؓ
حضرت عمار بن یاسرؓ	حذیفہ بن الیمانؓ
حضرت ابوذر غفاریؓ	حضرت منذر بن عمروؓ
حضرت سلمان فارسیؓ	حضرت ابودردہؓ
حضرت بلالؓ	حضرت ابورویحہؓ

غزوات

غزوات اسلامی تاریخ کی اصطلاح میں اس جنگ کو کہتے ہیں جو حمایت حق میں لڑی گئی ہو اور جس میں رسول اللہ ﷺ نے شرکت فرمائی ہو۔ ایسی جنگ کو جس میں آپؐ موجود نہ ہوں سریہ کہا جاتا ہے۔

مسلمانوں کے ہجرت کر کے مدینہ میں آ جانے کے بعد جہاں مسلمانوں پر ایذا رسانی اور مظالم کا دور ختم ہو گیا، وہاں اسلام دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرنے لگا۔ یہ امر قریش مکہ کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ ان کو ایمان والوں اور آنحضور ﷺ کے ساتھ دشمنی تو تھی ہی، اب ان کے دل میں وسوسہ پیدا ہو گیا کہ اگر مسلمانوں نے مدینے میں قدم جما لیے اور آس پاس کے قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا تو شام کی تجارتی شاہراہ جو مدینے کے قریب سے گزرتی تھی، قریش کے تجارتی قافلوں کے لئے بند ہو جائے گی، یا کم از کم ان کی تجارت مسلمانوں کے رحم و کرم پر رہ جائے گی۔ چنانچہ قریش مکہ نے تمام قبائل حجاز میں مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا۔ انہیں مسلمانوں کی اعانت وحمائت سے باز رکھنے کے لئے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی دھمکیاں بھی دینی شروع کیں۔

غزوۂ بدر

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔

(آل عمران ۳ پ۴ ع ۱۲۳)

"اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم کمزور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے تا کہ تم احسان مانو"۔

باطل کے خلاف مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کا حکم ہو چکا تھا۔ اسلام کی وہ

تلوار جو مکہ میں پڑی ہوئی تھی، اب مدینہ میں اسلام کے تحفظ اور دفاع کے لئے تڑپ کر باہر آ گئی اور مسلمانوں نے قریش مکہ کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا ترکی بہ ترکی جواب دینا شروع کر دیا۔ جس کے نتیجے میں غزوہ بدر حق و باطل کے درمیان ایک شدید آویزش جنگ شروع ہوئی۔ جس کی حسب ذیل وجوہات تھیں:۔

(۱) قریش مکہ کو مسلمانوں اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایسی دشمنی تھی کہ ان کے وطن چھوڑ کر تین سو میل پرے مدینے میں جانے کے بعد بھی ان کو چین نہ آیا۔ قبل ازیں جب مسلمانوں نے حبش میں ہجرت کی تھی، اس وقت بھی قریش نے حبش پہنچ کر ان کو گرفتار کرانے کی کوشش کی تھی مگر وہ ملک ایک بادشاہ کے ماتحت تھا اور درمیان میں سمندر حائل تھا۔ اس لئے وہاں وہ مسلمانوں کے خلاف کوئی کاروائی نہ کر سکے تھے۔ اب جو مسلمانوں نے مدینہ میں ہجرت کی اور امن وسکون کا سانس لیا، نیز اسلام نے دن دگنی رات چوگنی ترقی کرنی شروع کی اور مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی تو قریش نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر لیا۔

(۲) قریش مکہ انتقام کی آگ میں جل رہے تھے ان کے لئے یہ امر ناقابل برداشت تھا کہ مسلمان مدینہ میں آرام وسکون کی زندگی بسر کریں اور اسلام سرعت سے پھیلتا جائے چنانچہ انہوں نے مدینہ میں منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقاء کو جو اوس وخزرج میں سے ہنوز بت پرست تھے کہلا بھیجا کہ:۔

"تم نے ہمارے شخص کو اپنے ہاں ٹھہرالیا ہے اب لازم ہے کہ تم اس سے لڑو یا وہاں سے نکال دو۔ ورنہ ہم نے قسم کھالی ہے کہ ہم سب مل کر تمہارے اوپر حملہ کر دیں گے تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں پر قبضہ کر لیں گے"۔

آنحضرت ﷺ کو اس کا علم ہوا تو خود عبداللہ بن ابی کے پاس گئے اور فرمایا کہ "قریش نے تم سے ایسی چال چلی ہے کہ اگر تم ان کی سازش ودھمکی میں آ گئے تو تمہارا نقصان بہت زیادہ ہو گا کیونکہ اگر تم مسلمان سے لڑو گے تو اپنے ہاتھوں سے اپنے بھائیوں اور فرزندوں کو (جو مسلمان ہو چکے ہیں) قتل کرو گے۔ لیکن قریش سے لڑنا غیروں کا مقابلہ ہے"۔ اس بنا پر عبداللہ بن ابی

قریش کی خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکا اور قریش کی یہ سازش ناکام ہوگئی۔ اس کے بعد قریش نے مدینہ کے یہودیوں سے سازباز کر کے خفیہ طور پر انہیں حمایت پر آمادہ کرلیا اور مسلمانوں کو بھیجا: ''تم مغرور نہ ہو جانا کہ مکہ سے صاف بچ کر نکل آئے ہو ہم یثرب میں پہنچ کر تمہارا استیصال کر دیتے ہیں''۔

(۳) قریش مکہ کی خوشحالی کا انحصار شام کی تجارت پر تھا اور شام کی شاہراہ مدینہ کے قریب سے گزرتی تھی۔ مگر مدینہ میں مسلمانوں کی روز افزوں بڑھتی ہوئی طاقت کی وجہ سے شاہراہ خطرہ میں پڑ گئی تھی۔ اس سے قریش مکہ بے حد پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی طاقت کو کچل کر شام کی تجارتی شاہراہ کو محفوظ کرلیا جائے اور اہل مدینہ اور گردونواح کے قبائل پر اپنے اقتدار کا سکہ بٹھا دیا جائے تاکہ وہ آئندہ قریش مکہ کے خلاف کسی تحریک میں حصہ نہ لے سکیں۔ لیکن مسلمانوں نے جب آنحضرتؐ کے حکم پر ان کے تجارتی قافلوں کی روک ٹوک شروع کی تو قریش مکہ کی عداوت شدید تر ہوگئی۔

(۴) مکہ اور مدینہ کے مابین اعصابی جنگ سے آہستہ آہستہ مسلح تصادم کی راہ ہموار ہو رہی تھی۔ ربیع الاول ۲ھ میں ایک قریش سردار کرز بن جابر الفہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آنحضرتؐ کے مویشی جو میدان میں چر رہے تھے ہانک کر لے گیا۔ یہ ڈاکہ گویا مدینہ والوں کے لئے کھلا چیلنج تھا کہ ہم تین سو میل کا دھاوا کر کے تمہارے گھروں سے مویشی لے جاسکتے ہیں۔ مسلمانوں کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے تعاقب کر کے مویشی چھین لئے مگر وہ بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہوگیا۔

(۵) اسی اثنا میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے قریش کو سیخ پا کر دیا۔ ۲ھ میں آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن جحش کو بارہ مہاجرین کے ہمراہ نخلہ کی طرف ایک خفیہ مہم پر بھیجا اور عبداللہ بن جحش کو ایک سربند ہدایت نامہ دیا اور فرمایا کہ دو روز بعد اسے کھولنا اور اس کی تعمیل کرنا۔ لیکن کسی ساتھی کو مجبور نہ کرنا۔ جب لفافہ کھولا گیا تو اس میں ہدایت تھی کہ

مکہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ میں جاؤ اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ۔ یہ جان جوکھوں کا کام تھا۔ لیکن جب عبداللہؓ کے ساتھی آگے بڑھے تو اتفاق سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ ادھر سے گزر رہا تھا۔ انہوں نے موقع پا کر قافلہ پر حملہ کر دیا۔ ایک شخص عمرو بن الحضری قریش کا ایک مقتدر حلیف تھا، مارا گیا اور دو آدمیوں کو سامان سمیت گرفتار کرلیا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے اس فعل پر ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا: میں نے تم کو جنگ کی اجازت نہیں دی تھی۔ یہ واقعہ یکم ماہ رجب ۲ھ کو پیش آیا تھا۔ جس میں خونریزی منع تھی۔ اس لئے قریش سخت مشتعل ہوئے یہ واقع غزوہ بدر کا بنیادی سبب بن گیا۔

(۶) قریش جو پہلے میں مدینہ کو فتح کرنے کے عزائم باندھ رہے تھے اور اسلام کو کچلنے کے خواب دیکھ رہے تھے حضرمی کے قتل کے بعد آتش انتقام سے بیتاب ہوگئے۔ اور مسلمانوں سے دو دو ہاتھ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔ دو ماہ قبل مکہ کا رئیس ابوسفیان ایک تجارتی قافلہ لے کر شام گیا تھا۔ اس کے واپسی سفر پر افواہ اڑ گئی کہ مسلمان اس قافلے کو لوٹیں گے۔ یہ چرچا ابوسفیان تک بھی پہنچا۔ اس نے مدد کے لئے ایک آدمی مکہ دوڑایا۔ اس قریش نے بڑے زور شور کے ساتھ تیاری کی اور آنا فانا ایک ہزار کا لشکر تیار کیا۔ اور مکہ سے مدینے کی طرف عتبہ بن ربیعہ کی زیر کمان چل چلے۔

چند اہم واقعات

۱۲ رمضان المبارک ۲ھ (۹ مارچ ۶۲۴ء) کو آنحضرت ﷺ تین سو تیرہ مسلمانوں کو لے کر جن میں ساٹھ مہاجرین اور باقی انصار تھے، مدینہ سے روانہ ہوئے۔ مدینہ شریف میں نماز کی امامت کے لئے آپؐ نے عمرو بن ام مکتوم کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ راستہ میں روحاء کے مقام سے ابولبابہ کو مدینہ کا عامل مقرر کر کے واپس بھیج دیا۔ فوج کا ایک جھنڈا مصعب بن عمیر اور دوسرا حضرت علیؓ کے سپرد کیا۔ دنیا کو کیا معلوم تھا کہ فدائیان اسلام کا یہ مختصر سا قافلہ انتہائی بے سروسامانی کے باوجود اپنے خون سے تاریخ عالم کا ایک زرین باب لکھنے نکلا ہے۔ جس کی مثال رہتی دنیا تک نہ مل سکے گی۔

اس لشکر کے ساز وسامان کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ تمام لشکر میں صرف ۲ گھوڑے اور ستر (۷۰) اونٹ تھے۔ سامان حرب قلت کا بھی یہی حال تھا۔ مجاہدین کے پاس کل سات زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ باقی ادنی ہتھیار تھے۔

مشرکین مکہ ایک ہزار نوجوانوں پر مشتمل جو ہتھیار بند زرہ بکتر، تیر وکمان، نیزہ، تلوار، غرض جملہ سامان جنگ اور آلات جنگ سے آراستہ تھا، کے ساتھ سات سو (۷۰۰) اونٹوں اور سو (۱۰۰) گھوڑوں میں بڑے فخر ونمود اور طمطراق کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے۔ گانے بجانے والی عورتیں ساتھ تھیں۔ جو دف بجاتی تھیں اور مسلمانوں کی ہجو گاتی تھیں۔ قریشی لشکر ابھی بدر سے کافی دور تھا کہ مکہ سے ابوسفیان کا پیغام پہنچا کہ میں خطرے سے نکل آیا ہوں۔ اس نے عام راستے کو چھوڑ دیا تھا اور ساحلی رستے سے گھر جا پہنچا تھا۔ ابوسفیان کے پیغام کے پیش نظر بعض سرداروں نے تجویز کی کہ اب آگے جانا فضول ہے اور عمرو بن الحضرمی کا خون بہا لے کر گھروں کو لوٹ چلیں۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو اہل اسلام کو عزت بخشنا اور کافروں کو ذلیل وخوار کرنا تھا اور ان

کے لئے مقام بدر مقرر ہو چکا تھا اس لئے ابوجہل نے نہ مانا بلکہ مصر ہوا کہ ہمیں پیش قدمی جاری رکھنی چاہیے اور آگے بڑھ کر مسلمانوں کو ملیا میٹ کر دینا چاہیے۔ اور بدر میں چند روز قیام کر کے عیش ونشاط کی محفلیں منعقد کر کے قبائل پر اپنی حشمت کا سکہ بٹھانا چاہیے۔ قریش کی ایک شاخ بنوزہرہ نے ابوجہل کی تجویز سے اتفاق نہ کیا اور وہ اپنے پچاس آدمیوں کے ساتھ لوٹ گئے۔ نوسو پچاس افراد باقی رہے۔

دونوں فوجیں وادی زفران میں بدر کے میدان میں اتریں۔ یہ مقام مدینے سے تقریبا تیس میل کی مسافت پر واقع تھا اور یہاں نخلستان تھا۔ یہ بیضوی میدان تقریبا ساڑھے پانچ میل لمبا اور چار میل چوڑا تھا۔ فدائیان اسلام کا لشکر اس کے شمالی کنارے جسے "عدوۃ الدنیا" (نزدیک تر کنارہ) کہا جاتا ہے۔ میں اترا۔ اسلامی لشکر کی سمت میں نرم ریت کی سطح تھی۔ بارش ہوئی تو زمین دب گئی اور نقل وحرکت آسان ہوگئی۔

۱۷ رمضان المبارک بروز جمعہ صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے صف بندی کی اور فوج کی ضروری ہدایات صادر فرمائیں اور لشکر کے عقب میں ایک بلند چٹان پر عریش یعنی چھپر تیار کیا گیا تا کہ آنحضرت ﷺ جنگ کا منظر ملاحظہ فرما کر مناسب ہدایات جاری کر سکیں۔ آج کل یہاں ایک مسجد کھڑی ہے جسے مسجد عریش کہتے ہیں۔ ازاں بعد آنحضرتؐ نے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی: خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے، اسے پورا کر۔ اگر آج تیرے یہ چند بندے مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا۔ مسلمانوں نے بھی دعائیں کیں۔

جنگ کے آغاز سے قبل قریش نے ایک شاہ سوار عمیر بن وہب کو لشکر اسلام کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا۔ عمیر نے گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے اسلامی لشکر کا چکر کاٹا اور سرداران مکہ کو جا بتایا کہ اہل اسلام کی تعداد کم وبیش تین سو (۳۰۰) ہے۔ ان کے پاس کوئی خاص ہتھیار نہیں ہیں۔ لیکن ان کے چہروں پر عزم واستقلال کی جو تصویریں دیکھ کر آیا ہوں وہ بتا رہی ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی مرے گا تو کم از کم ایک کو مار کر اور اگر ایسا ہوا تو زندگی کا مزا نہیں۔ اس لئے سوچ لو۔

دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو مسلمانوں کے لئے یہ بڑے امتحان وآزمائش کا موقع تھا کہ ان کے مدمقابل ان کے بزرگ، عزیز واقارب اور قلب وجگر کے ٹکڑے نظر آ رہے تھے۔ مگر اسلام کی محبت نے تمام رشتوں کو بھلا دیا۔ شروع میں عرب کے دستور کے مطابق مبارز طلبی ہوئی۔ اہل قریش میں سے عتبہ، شیبہ اور ولید آئے۔ ان کے مقابلے پر تین انصاری نوجوان

آئے۔ عتبہ نے پوچھا: تم کون ہو؟ جواب دیا: انصاری ہیں اس پر عتبہ نے کہا: تم معزز حریف ہو، ہمیں تمہاری حاجت نہیں۔ ہمارے سامنے ہماری قوم کے آدمی آئیں۔ ایک نے آواز دی: یا محمدؐ ہمارے مقابل ہمارے قومی مثل بھیجئے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ، اپنے چچیرے بھائی حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ کو بھیجا۔ حضرت حمزہؓ نے عتبہ مار گرایا۔ حضرت علیؓ نے ولید کو ڈھیر کر دیا۔ لیکن حضرت عبیدہ شیبہ کے مقابلے میں زخمی ہو گئے۔ اس پر حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر تلوار کی ضرب سے شیبہ کے دو ٹکڑے کر دئے۔

اس کے بعد لشکر قریب تر ہوئے۔ ایک طرف ہتھیاروں میں ڈوبا ہوا شیطانی ہجوم تھا اور دوسری طرف توحید کے مٹھی بھر پروانے۔ آخر حق و باطل کے درمیان زور کا رن پڑا۔ ابو جہل کو دو انصاری نوجوان معوذ اور معاذ بن عضا نے جھپٹ کر ڈھیر کر دیا۔ بالآخر نصرت الٰہی سے مکہ والوں کو شکست ہوئی۔ ان کے ستر (۷۰) مشہور سردار گرفتار ہوئے اور ستر (۷۰) بہادر مارے گئے۔ ان میں ابو جہل کے علاوہ چودہ میں سے گیارہ سردار بھی تھے جو دار الندوہ میں آنحضرتؐ کے قتل کرنے کے مشورے میں شریک ہوئے تھے۔ ان میں امیہ بن خلف بھی تھا جو حضرت بلالؓ پر ستم کیا کرتا تھا۔ مسلمان شہداء کی تعداد چودہ (۱۴) تھی۔ جن میں آٹھ انصار تھے اور چھ مہاجرین فتح کی خوشخبری دو قاصدوں کے ذریعے مدینے کو روانہ کی گئی۔ لوگوں کو یہ مژدہ سن کر حیرت ہوئی۔ جب قیدی پہنچے تو پورا یقین آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز بدر کے میدان میں قیام فرمایا۔ ازاں بعد عازم مدینہ ہوئے۔

غزوہ بدر میں قریش مکہ سے ستر آدمی گرفتار ہوئے۔ ان میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے داماد حضرت زینب کے خاوند ابو العاص، آپؐ کے چچا عباسؓ اور حضرت علیؓ کے بھائی عقیل بن ابو طالب، نوفل بن حارث، عمرو بن ابی سفیان، خالد بن ہشام اور سہیل بن عمرو جیسے مقتدر اور نامور اشخاص بھی شامل تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کو عبداللہ بن کعبؓ کے سپرد کیا اور مدینہ کی طرف کوچ کیا۔ وادی، صفراء پہنچ کر آپؐ نے مال غنیمت کو تقسیم فرمایا اور نضر بن حارث بن کلاہ نامی اسیر کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ یہ رسول خداؐ کے ساتھ بدسلوکی کرنے اور ایذا رسانی میں بڑا بیباک تھا۔ نیز جب آپؐ وعظ و تذکیر کرتے تو یہ بدبخت ان کے مقابلے میں رستم و اسفندیار کے افسانے سنایا کرتا تھا۔ ازاں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرق انطبیہ کے مقام پر قیام پذیر ہوئے تو آپ نے عقبہ بن معیط کو ہلاک کرنے کا حکم دیا۔ یہ آنحضرتؐ کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا۔ اس کمبخت نے ایک مرتبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا تھا۔

۲۲ رمضان المبارک کو مدینے میں داخل ہوئے۔ جناب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران جنگ کو اصحابہ میں تقسیم کر دیا اور فرمایا کہ ان سے بہتر سلوک روا رکھا جائے۔ آپؐ کے ارشاد کا اتنا اثر ہوا کہ صحابہ اسیران جنگ کو کھانا کھلاتے اور خود کھجور کھا کر گزر بسر کرتے۔ ان قیدیوں میں، حضرت مصعب بن عمیر کے بھائی ابو عزیز بھی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جن انصاریوں کے ہاں انہیں قید رکھا تھا۔ وہ جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے۔ مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا مگر وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے۔ یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی تھی۔

بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران جنگ کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی سب اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں فدیہ لے کر رہا کر دینا چاہیے۔ بعض صحابہ نے قتل کے حق میں تھے۔ حضرت عمرؓ نے تو یہاں تک کہا کہ ہر مسلمان اپنے قرابت دار کی گردن خود مارے۔ اس زمانے کا قانون جنگ، مظلوم مسلمانوں کا جوش انتقام، اور دیگر قبائل پر جنگی رعب قائم کرنے کی ضرورت اس امر کی مقتضی تھی کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا۔ مگر خدائے رحیم کے رحمدل نبیؐ نے حضرت ابو بکرؓ کی فدیہ والی رائے کو قبول فرمایا۔ اور ہر اسیر کا فدیہ چار ہزار درہم مقرر ہوا۔ چنانچہ اہل مکہ نے اپنے اپنے عزیزوں کا زر فدیہ ادا کر کے انہیں رہا کر لیا۔ لیکن جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے وہ چھوڑ دئے گئے۔ ان میں سے جو لکھنا جانتے تھے۔ ان کو حکم ہو کہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بھی گرفتار ہوئے تھے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا کہ آپ اپنا، اپنے بھتیجوں عقیل بن ابو طالب اور نوفل بن حارث اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ بھی دیں کیوں کہ آپ مال دار ہیں۔ حضرت عباس نے کہا: میں مسلمان ہوں، مجبوراً آیا تھا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: نیتوں کا بھید اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ حضرت عباس بولے: میں نے آپ کو بیس (۲۰) اوقیہ سونا دیا تھا، اسے زر فدیہ میں شمار کریں۔

آپؐ نے فرمایا: وہ تو آپ کا عطیہ تھا۔ مکہ سے روانہ ہونے سے قبل جو مال آپ نے اپنی بیوی ام فضل کے پاس رکھا تھا کہ اگر میں اس مہم میں کام آ جاؤں تو اسے بیٹوں میں تقسیم کر دینا، وہ کیا ہوا؟ یہ سن کر حضرت عباس بولے: واللہ! اس کی خبر کسی کو نہ تھی۔ آپؐ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت عباس نے مطلوبہ فدیہ کی رقم ادا کر دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب کے شوہر حضرت ابو العاص بھی اسیران

جنگ میں تھے وہ بہت مالدار تھے۔ حضرت زینب نے ان کے چھڑانے کے لئے مکہ سے
بجائے جو زیورات بھیجے ان میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہؓ نے انہیں جہیز میں دیا تھا۔
نگاہیں اس ہار پر پڑیں تو ان پر رقت کا عالم طاری ہوگیا۔ چنانچہ صحابہؓ کی رضا سے آپؐ نے
واپس کر دیا۔ اور حضرت ابوالعاص کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ حضرت زینبؓ کو مدینے بھیج
حضرت زینب آغاز اسلام ہی میں ایمان لائی تھیں اور ابھی تک ابوالعاص کے پاس مکہ میں
تھیں۔ حسب شرط حضرت ابوالعاص نے گھر پہنچ کر انہیں مدینے روانہ کر دیا۔

ابوالعاص مکہ کے بہت بڑے تاجر تھے۔ ہجرت کے چھٹے سال وہ تجارت کا مال
شام سے لوٹ رہے تھے کہ رستے میں مدینہ کے مسلمانوں نے بمعہ جملہ مال و اسباب گرفتار
ابوالعاص بھاگ کر مدینے میں آئے اور حضرت زینبؓ کے پاس پناہ گیر ہوئے۔ آنحضرتؐ
نے لوگوں سے فرمایا: اگر مناسب سمجھو تو ابوالعاص کا اسباب واپس کر دو۔ پھر تسلیم کی گردنیں
گئیں اور سپاہیوں نے ایک ایک دھاگہ تک لا لا کر واپس کر دیا۔ ابوالعاص مکہ آئے اور تمام
تجارت کو حساب سمجھا کر اعلانیہ دولت اسلام سے فائز ہوئے اور کہہ دیا کہ میں اس لئے یہاں
حساب سمجھا کر جاتا ہوں تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ابوالعاص تقاضے کے ڈر سے مسلمان ہوگیا۔

جذبہ ایثار:

مسلمان جنگ بدر میں جذبہ ایثار سے سرشار تھے۔ وہ موت کے خوف سے بے
کر راہ خدا میں اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر لڑے۔ انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور
تعالیٰ کی امداد غیبی پر کامل یقین تھا۔ وہ اسلام کے اس قدر شیدائی تھے کہ جو انہیں ہر چیز سے
عزیز تھا۔ جنگ بدر میں اکثر مسلمانوں کو اپنے قریبی عزیزوں سے نبرد آزما ہونا پڑا لیکن اسلام
لئے ان کا جذبہ ایثار اس قدر کامل اور پختہ تھا کہ اعزہ کی محبت ان کے سامنے ہیچ تھی۔
حضرت عمرؓ کی تلوار اپنے مشرک ماموں کے خون سے رنگین ہوئی۔ حذیفہؓ کو اپنے باپ عتبہ
مقابلہ کرنا پڑا اور حضرت ابوبکرؓ کی تلوار اپنے فرزند عبدالرحمٰن کے خلاف نیام سے نکلی۔ لیکن
کی محبت میں انہیں اپنے خونی رشتہ داروں سے کوئی انس نہ تھا۔

ذوق شہادت:

مسلمان ذوق شہادت کے تحت بے جگری سے لڑے۔ کیونکہ ان کے نزدیک
میں نثار کر دینا موت نہیں بلکہ ابدی زندگی تھی۔ موت جس سے ہر انسان خوفزدہ ہوتا ہے،

خود اس کی تلاش میں تھے۔

حضرت فاطمہؓ کا نکاح:

غزوہ بدر کے بعد حضرت فاطمہؓ کا حضرت علیؓ سے نکاح ہوا۔ شادی کے متعدد پیغام آ چکے تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے اور پھر حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا جو خدا کا حکم ہوگا ہو جائے گا۔ بہر حال حضرت علی مرتضیٰ کی درخواست منظور ہوئی۔ رسول پاکؐ نے شیر خدا سے پوچھا: مہر کے لئے کوئی چیز ہے حضرت علیؓ نے عرض کیا صرف ایک زرہ ہے۔ یہ چار سو اسی درم میں فروخت ہوئی۔ اس زرہ کے علاوہ حضرت علیؓ کے پاس بھیڑ کی کھال اور ایک پرانی یمنی چادر تھی حضرت علیؓ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہرا کی نذر کر دیا۔ رسول پاکؐ نے اپنی چہیتی بیٹی کو جو جہیز دیا وہ بان کی چارپائی، چمڑے کا ایک گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑوں پر مشتمل تھا۔

اس نکاح کی رسم جس سادگی سے ادا ہوئی وہ امت کے لئے ایک نہایت عمدہ نمونہ بنی رہے گی۔ شادی کے بعد الگ گھر کی ضرورت ہوئی۔ کیونکہ قبل ازیں حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت حارث بن نعمان انصاری نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ اس میں آ گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حضرت فاطمہؓ کے ہاں تشریف لے گئے دروازہ پر کھڑے ہو کر اذن مانگا پھر اندر آئے پھر برتن میں پانی منگوایا دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علی کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا پھر حضرت فاطمہؓ کو بلایا۔ وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل ترشخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔

جنگ احد

۷ شوال ۳ ہجری۔ ۲۳ مارچ ۶۲۵ء

بدر کے معرکہ میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے۔ جن میں سے اکثر چوٹی کے رئیس اور قریش کے افسر تھے۔ اس بنا پر قریش مکہ جوش انتقام میں بھنے جا رہے تھے۔ اس صدمہ کا سہنا ان کے لئے آسان نہ تھا۔ شکست خوردہ لشکر قریش مکہ پہنچا تو مکہ کے در و دیوار تھرا اٹھے۔ روسائے شہر نے نالہ وشیون پر پابندی لگا دی کہ مسلمان سن کر خوش نہ ہوں۔ قریش کو پہلے صرف حضرمی کا رونا تھا اب بدر کے بعد ہر گھر ماتم کدہ تھا۔ چنانچہ مقتولین بدر کے انتقام کے لئے قریش مکہ کا بچہ بچہ بے تاب تھا۔

غزوہ سویق ذوالحجہ ۲ھ

بدر میں بہت سے روسائے قریش مارے گئے تھے ان کے بعد ابوسفیان بن حرب اموی قریش کی مسند امارت پر فائز ہوا۔ عرب کی روایات کے مطابق اس منصب کا سب سے مقدم فرض مقتولین بدر کا انتقام لینا تھا۔ چنانچہ ابوسفیان نے عہد کیا کہ جب تک وہ مقتولین کا انتقام نہ لے گا اس وقت تک نہ نہائے دھوئے گا اور نہ سر میں تیل ڈالے گا۔

چنانچہ وہ دو سو سواروں کا دستہ لے کر خفیہ طور پر مدینہ پہنچا۔ سواروں کو باہر چھوڑ، شب کی تاریکی میں مدینہ میں داخل ہوا۔ اور بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم یہودی سے ملا جس نے اسے بادہ خواری کی ایک پر تکلف دوت دی اور مدینہ کے مخفی رازوں سے آگاہ کیا۔ نیز مشورہ دیا کہ یہ مقابلہ کا وقت نہیں اس لئے ابوسفیان رات کے آخری حصہ میں نکلا اور مدینہ کے تین میل پر واقع ایک گاؤں عریض پر حملہ آور ہوا اور مسلمانوں کے چند مکانات، گھاس ... ایک انصاری مسلمان جس کا نام سعد بن عمر

کو شہید کر کے اپنے خیال کے مطابق اپنی قسم کو پورا کر کے مکہ واپس لوٹ گیا۔

آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے قرقرۃ الکدر تک اس کا تعاقب کیا لیکن ابو سفیان بچ کر نکل گیا۔ اس لئے اسے غزوہ قرقرۃ الکدر کہا جاتا ہے۔ ابوسفیان کے بھاگنے میں گھبراہٹ اور پریشانی کا یہ عالم تھا کہ وہ سارا سامان راستے میں پھینکتا گیا یہ ستو تھے۔ عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں اس لئے یہ واقعہ غزوہ سویق بھی کہلاتا ہے۔

قریش کی نبیؐ کے قتل کی سازش:

قریش مکہ نے، جو بدر کا بدلہ لینے کے لئے سخت بات تھے آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش کی۔ جنگ بدر سے چند روز بعد مکہ کے ایک رئیس صفوان بن امیہ (جس کا باپ بدر میں قتل ہوا تھا) نے ایک شخص عمیر بن وہب (جس کا بیٹا ابھی تک مسلمانوں کے ہاں مدینہ میں اسیر تھا) کو پوشیدہ طور پر مدینہ جا کر آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے پر آمادہ کیا اور عوضاً وعدہ کیا کہ وہ اس کا تمام قرض اتار دے گا اور اس کے اہل وعیال کا خرچ برداشت کرے گا۔ اس منصوبہ میں دونوں نے بہت رازداری سے کام لیا۔

چنانچہ عمیر بن وہب نے تلوار زہر میں بجھائی اور اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ پہنچا۔ مسجد النبیؐ کے دروازے پر اونٹ سے اتر رہا تھا کہ حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ لیا اور پکڑ کر آنحضرتؐ کے حضور پیش کیا اور عرض کی کہ عمیر کی نیت نیک معلوم نہیں ہوتی۔ آپؐ نے عمیر سے مدینہ آنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا کہ بیٹے کو آزاد کرانے آیا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر یہ تلوار کیسی ہے؟ عمیر بولا بدر میں تلوار نے پہلے ہمارا کون سا کام کیا ہے جواب کرے گی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کیا صفوان نے تیرے قرض اور تیرے اہل وعیال کے خرچ کا ذمہ اٹھا کر تجھے میرے قتل کے لئے نہیں بھیجا۔ یہ سن کر عمیر سناٹے میں آ گیا اور بولا۔ اب میرا دل مان گیا کہ آپؐ ضرور اللہ کے نبی ورسول ہیں۔ بخدا میرے اور صفوان کے سوا اس معاملہ کی کسی کو خبر نہ تھی۔ خدا کا شکر ہے جس نے میرے قبول اسلام کا یہ بہانا بنایا۔ قریش جو آنحضرت ﷺ کے قتل کی خبر سننے کے منتظر تھے انہوں نے عمیر کے مسلمان ہونے کی خبر سنی۔ صفوان جسے عمیر کی کامیابی کا پورا یقین تھا اور جو قریش سے کہا کرتا تھا کہ عنقریب تم کوئی ایسی خبر سنو گے کہ بدر کا غم بھول جاؤ گے عمیر کے مسلمان ہو کر مکہ لوٹنے اور اس کے علی الاعلان اسلام کی تبلیغ کرنے سے سخت مایوس ہوا۔ اس سے قریش کی آتش انتقام اور تیز ہو گئی۔

جنگ احد

۷ شوال ۳ ہجری۔ ۲۳ مارچ ۶۲۵ء

بدر کے معرکہ میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے۔ جن میں سے اکثر چوٹی کے رئیس اور قریش کے افسر تھے۔ اس بنا پر قریش مکہ جوش انتقام میں بھنے جا رہے تھے۔ اس صدمہ کا سہنا ان کے لئے آسان نہ تھا۔ شکست خوردہ لشکر قریش مکہ پہنچا تو مکہ کے در و دیوار تھرا اٹھے۔ روسائے شہر نے نالہ وشیون پر پابندی لگا دی کہ مسلمان سن کر خوش نہ ہوں۔ قریش کو پہلے صرف حضرمی کا رونا تھا اب بدر کے بعد ہر گھر ماتم کدہ تھا۔ چنانچہ مقتولین بدر کے انتقام کے لئے قریش مکہ کا بچہ بچہ بے تاب تھا۔

غزوہ سویق ذوالحجہ ۲ھ

بدر میں بہت سے روسائے قریش مارے گئے تھے ان کے بعد ابوسفیان بن حرب اموی قریش کی مسند امارت پر فائز ہوا۔ عرب کی روایات کے مطابق اس منصب کا سب سے مقدم فرض مقتولین بدر کا انتقام لینا تھا۔ چنانچہ ابوسفیان نے عہد کیا کہ جب تک وہ مقتولین کا انتقام نہ لے گا اس وقت تک نہ نہائے دھوئے گا اور نہ سر میں تیل ڈالے گا۔

چنانچہ وہ دو سو سواروں کا دستہ لے کر خفیہ طور پر مدینہ پہنچا۔ سواروں کو باہر چھوڑ کر شب کی تاریکی میں مدینہ میں داخل ہوا۔ اور بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم یہودی سے ملا جس نے اسے بادہ خواری کی ایک پرتکلف دعوت دی اور مدینہ کے مخفی رازوں سے آگاہ کیا۔ نیز مشورہ دیا کہ یہ مقابلہ کا وقت نہیں اس لئے ابوسفیان رات کے آخری حصہ میں نکلا اور مدینہ تین میل پر واقع ایک گاؤں عریض پر حملہ آور ہوا اور مسلمانوں کے چند مکانات، گھاس کے اور پھلدار کھجوروں کے درختوں کو آگ لگا کر ایک انصاری مسلمان جس کا نام سعد بن عمرو

کو شہید کر کے اپنے خیال کے مطابق اپنی قسم کو پورا کر کے مکہ واپس لوٹ گیا۔

آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے قرقرۃ الکدر تک اس کا تعاقب کیا لیکن ابو سفیان بچ کر نکل گیا۔ اس لئے اسے غزوہ قرقرۃ الکدر کہا جاتا ہے۔ ابوسفیان کے بھاگنے میں گھبراہٹ اور پریشانی کا یہ عالم تھا کہ وہ سارا سامان راستے میں پھینکتا گیا یہ ستو تھے۔ عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں اس لئے یہ واقعہ غزوہ سویق بھی کہلاتا ہے۔

قریش کی نبیؐ کے قتل کی سازش:

قریش مکہ نے، جو بدر کا بدلہ لینے کے لئے سخت بات تھے آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش کی۔ جنگ بدر سے چند روز بعد مکہ کے ایک رئیس صفوان بن امیہ (جس کا باپ بدر میں قتل ہوا تھا) نے ایک شخص عمیر بن وہب (جس کا بیٹا ابھی تک مسلمانوں کے ہاں مدینہ میں اسیر تھا) کو پوشیدہ طور پر مدینہ جا کر آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے پر آمادہ کیا اور عوضاً وعدہ کیا کہ وہ اس کا تمام قرض اتار دے گا اور اس کے اہل و عیال کا خرچ برداشت کرے گا۔ اس منصوبہ میں دونوں نے بہت راز داری سے کام لیا۔

چنانچہ عمیر بن وہب نے تلوار زہر میں بجھائی اور اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ پہنچا۔ مسجد النبیؐ کے دروازے پر اونٹ سے اتر رہا تھا کہ حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ لیا اور پکڑ کر آنحضرتؐ کے حضور پیش کیا اور عرض کی کہ عمیر کی نیت نیک معلوم نہیں ہوتی۔ آپؐ نے عمیر سے مدینہ آنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا کہ بیٹے کو آزاد کرانے آیا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر یہ تلوار کیسی ہے؟ عمیر بولا بدر میں تلوار نے پہلے ہمارا کون سا کام کیا ہے جو اب کرے گی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کیا صفوان نے تیرے قرض اور تیرے اہل و عیال کے خرچ کا ذمہ اٹھا کر تجھے میرے قتل کے لئے نہیں بھیجا۔ یہ سن کر عمیر سناٹے میں آ گیا اور بولا۔ اب میرا دل مان گیا کہ آپؐ ضرور اللہ کے نبی و رسول ہیں۔ بخدا میرے اور صفوان کے سوا اس معاملہ کی کسی کو خبر نہ تھی۔ خدا کا شکر ہے جس نے میرے قبول اسلام کا یہ بہانا بنایا۔ قریش جو آنحضرت ﷺ کے قتل کی خبر سننے کے منتظر تھے انہوں نے عمیر کے مسلمان ہونے کی خبر سنی۔ صفوان جسے عمیر کی کامیابی کا پورا یقین تھا اور جو قریش سے کہا کرتا تھا کہ عنقریب تم کوئی ایسی خبر سنو گے کہ بدر کا غم بھول جاؤ گے عمیر کے مسلمان ہو کر مکہ لوٹنے اور اس کے علی الاعلان اسلام کی تبلیغ کرنے سے سخت مایوس ہوا۔ اس سے قریش کی آتش انتقام اور تیز ہو گئی۔

جنگ بدر سے قبل قریش کا تجارتی قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام سے آیا تھا۔ اس سے پچاس ہزار دینار نفع ہوا تھا۔ ابھی تک یہ منافع حصہ داروں میں تقسیم نہ ہوا تھا۔ اب روساء نے بالخصوص عکرمہ بن ابوجہل اور کچھ دیگر سردار جن کے عزیز بدر میں مارے گئے تھے، نے مقتولین بدر کا انتقام لینے کے لئے یہ فیصلہ کیا یہ سارا نفع جنگی تیاریوں پر صرف کیا جائے چنانچہ قریش نے مسلمانوں سے باردیگر نبردآزما ہونے کے لئے ابوسفیان کی زیر قیادت وسیع پیمانے پر جنگی تیاریاں شروع کر دیں قریشی سپاہ کے علاوہ قرب وجوار سے اجرت یافتہ سپاہی بھی بھرتی کئے۔ پورے ایک سال میں تین ہزار کی جمعیت تیار ہوگئی جن میں سات سو زرہ پوش سپاہی اور دو سو گھوڑے بھی تھے۔

علاوہ ازیں عمرو بن العاص، مسافع بن عبد مناف اور ہبیرہ بن ابی وہب پر مشتمل ایک وفد قبائل عرب کے پاس بھیجا تاکہ انہیں مسلمانوں کے خلاف ابھارا جائے اور مدینہ پر حملے کے لئے مدعو کیا جائے۔

چند اہم واقعات

شوال ۳ ہجری مطابق مارچ ۶۲۵ء میں قریش مکہ پورے ایک سال کی تیاری کے بعد بڑے ساز وسامان سے تین ہزار کے عظیم لشکر کی جمعیت کے ساتھ ابوسفیان کی قیادت میں مکہ سے نکلے۔ ان میں دو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور سات سو زرہ پوش شامل تھے۔ اس فوج میں پندرہ ہودج سوار معزز گھرانوں کی عورتوں کا ایک دستہ بھی تھا کہ میدان جنگ میں رجز پڑھ پڑھ کر مردوں کی غیرت بھڑکا کر ان کو قدم جمائے رکھنے پر مجبور کریں ان عورتوں میں ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان، ام حکیم زوجہ عکرمہ بن ابوجہل، فاطمہ بنت ولید (خالد بن ولید کی بہن)، برزہ دختر مسعود ثقفی رئیس طائف، ریطہ زوجہ عمرو بن العاص اور خناس والدہ حضرت مصعبؓ بن عمیر ایسی معزز گھرانوں کی خواتین شامل تھیں ہند زوجہ ابوسفیان جس کا باپ عتبہ جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا تھا، اس جماعت کی سردار تھی، اس نے جبر بن مطعم جس کا چچا بھی حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے ہلاک ہوا تھا کے حبشی نژاد غلام وحشی کو جنگ میں حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کر رکھا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ اس کارگزاری کے صلہ میں اسے آزاد کر دیا جائے گا یہ غلام نیزہ (بھالا) پھینکنے میں مہارت کاملہ رکھتا تھا۔

حضرت عباسؓ رسول ﷺ کے چچا گو اسلام لا چکے تھے مگر مکہ معظمہ میں ہی مقیم تھے انہوں نے ایک قاصد بھیج کر آنحضرت کو قریش کے عزائم کی اطلاع دی۔ چنانچہ آپؐ نے ۵ شوال ۳ ہجری کو انس اور مونس دو خبر رسانوں کو تحقیقات حال کے لئے بھیجا۔ انہوں نے آ کر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب عریض کے مقام تک پہنچ چکا ہے۔

دوسرے دن صبح کو آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ اکثر مہاجرین اور تجربہ کار اصحاب نے رائے دی کہ عورتوں کو شہر کے باہر قلعوں میں بھیج دیا جائے اور شہر کے اندر محصور ہو کر مقابلہ کیا

جائے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے بھی یہی رائے دی لیکن ان نوخیز صحابہ نے
جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، اس بات پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر دشمن کا مقابلہ
جائے۔ آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے۔ اب لوگوں
ندامت ہوئی کہ ہم نے آنحضرت کو خلاف مرضی نکلنے پر مجبور کیا۔ سب نے عرض کی کہ اگر آپ
چاہیں تو شہر کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن آپ ؐ نے فرمایا کہ پیغمبر کو زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن
کر بغیر قتال کے اتارے۔

قریش بدھ کے روز مدینے کے قریب پہنچے اور کوہ احد کے دامن میں خیمہ زن ہوئے۔
آنحضرت ؐ ۶ شوال ۳ ہجری بروز جمعہ بعد از نماز عصر ایک ہزار صحابہ کے جلو میں مدینے سے نکلے۔
عبداللہ بن ابی منافق بھی تین سو سواروں کے ساتھ آنحضرت ؐ کے ہمرکاب ہوا۔ مگر مقام شیخین
سے یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ میری رائے پر عمل نہیں کیا گیا۔ اب اسلامی لشکر کی تعداد صرف سات
سو رہ گئی۔ حضور ﷺ کو جب اطلاع ہوئی کہ منافقین واپس چل دیے ہیں تو آپ ؐ نے مجاہدین
فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کو تم سے دور کر دیا ہے وہ تمہیں ان سے بے نیاز رکھے گا۔

مقام شیخین پر پڑاؤ کے دوران آنحضرت ؐ نے فوج کا تنقیدی نظر سے معائنہ فرمایا۔
حضرت زید بن ثابت ؓ، حضرت براء بن عازب ؓ، حضرت ابو سعید خدری ؓ، حضرت عبداللہ ؓ بن عمر
الخطاب اور حضرت عرابہ اوسی ؓ ایسے کمسن بچوں کو واپس کر دیا لیکن جاں نثاری کے ذوق کا یہ عالم
کہ حضرت رافع بن خدیج جو ابھی بچے تھے۔ رسول اکرم ؐ کے جائزہ لینے کے دوران ایڑیاں اٹھا
کھڑے ہو گئے کہ قد اونچا نظر آئے اور جوانوں میں شمار ہوں۔ آنحضرت ؐ ان کے شوق جہاد
مسکرائے اور انہیں فوج کے ہمراہ جانے کی اجازت دے دی لیکن سمرہ بن جندب خزاری ؓ مچل
کہ میں رافع کو پچھاڑ سکتا ہوں۔ لہٰذا مجھے بھی اذن جہاد ملنا چاہیے چنانچہ دونوں کا مقابلہ
گیا اور سمرہ نے رافع کو زمین پر دے مارا۔ اس پر ان کو بھی اجازت مل گئی۔

دوسرے دن منہ اندھیرے اسلامی لشکر کوہ احد کے دامن میں پہنچا۔ احد کا لہو فام
مدینے کے شمال میں شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔ اس کا طول چھ سات میل ہے۔ وسط میں اس کی
نیم دائرہ کی ہے۔ اس قوس میں گھری ہوئی ایک گھاٹی ہے۔ اسلامی لشکر نے اس گھاٹی میں
ڈالا۔

آنحضرت ؐ نے اسلامی لشکر کی اس انداز میں صف بندی کی کہ کوہ احد مسلمانوں کی
پر تھا۔ احد کے جنوب میں وادی قنات کے جنوبی کنارے پر جبل عینین (جبل رماۃ) کے

پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ عبداللہ بن جبیر کی کمان میں متعین کیا اور ہدایت فرمائی کہ ہر حالت
میں درہ کی حفاظت کریں اور فتح وشکست کسی حالت میں بھی اپنی جگہ کو نہ چھوڑیں۔

آنحضرت ﷺ نے مصعب بن عمیر کو فوج کا علم عنایت کیا۔ حضرت زبیر ؓ بن عوام کو
رسالہ کا افسر مقرر کیا۔ حضرت حمزہ ؓ کو اس حصہ فوج کی کمان سپرد کی جو زرہ پوش نہ تھی۔ صف بندی
کے وقت خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ”اگر تم نے صبر و استقامت کا ثبوت دیا تو فتح تمہاری ہی ہے“۔

قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے لشکر کی نہایت ترتیب سے صف
آرائی کی۔ میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا گیا۔ میسرہ پر عکرمہ بن ابو جہل کو متعین کیا گیا۔ اور
سواروں کا دستہ صفوان بن امیہ کی کمان میں دیا گیا۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ کو تیر اندازوں پر افسر مقرر
کیا گیا۔ مقدمہ میں ابو عامر عبد عمرو بن صیفی کو رکھا گیا جو قبیلہ اوس کا ایک سردار تھا اور ایام جاہلیت
میں راہب بن گیا تھا۔ جب اسلام نے ظہور کیا تو اس پر بدبختی غالب آئی اور وہ اوس کے چند
آدمیوں کے ساتھ مکہ کی طرف بھاگ گیا۔ طلحہ کو علمبردار بنایا گیا۔

ان صف آرائیوں کے بعد جنگ کا آغاز ہوا۔ خواتین مکہ ہند زوجہ ابوسفیان کی سرکردگی
میں دف بجا بجا کر رزمیہ گیت گانے لگیں۔

لڑائی کا آغاز اس طرح ہوا کہ ابو عامر ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ میدان میں آیا اور
پکارا: اہل مدینہ! مجھے پہچانتے ہو، میں کون ہوں۔ انصار نے جواب دیا: ہاں او بدکار! ہم تجھے
خوب جانتے ہیں۔ خدا تیری آرزو بر نہ لائے۔

پھر قریش کا علمبردار طلحہ بڑھا اور طنزیہ پکارا: کون ہے جو مجھے جہنم بھیج دے یا میں اسے
جنت میں پہنچا دوں۔ اس کے جواب میں حضرت علی ؓ شیر خدا نے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا کام
تمام کر دیا۔ اس کے بعد طلحہ کا بھائی عثمان رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا۔ حضرت حمزہ ؓ نے آگے بڑھ کر
اس کے شانے پر ایسی تلوار ماری کہ کمر تک اتر گئی۔ ساتھ ہی پکار کر کہا: میں ساقی حجاج
(عبدالمطلب) کا بیٹا ہوں۔ اب عام جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت علی ؓ، حضرت حمزہ ؓ اور حضرت
ابو دجانہ ؓ نے بہادری کے ایسے یادگار زمانہ جوہر دکھائے کہ لشکر کفار کی صفیں صاف کر دیں۔
اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے دست مبارک میں ایک تلوار لے کر فرمایا: مسلمانو! تم میں سے کون
اس تلوار کا حق ادا کرتا ہے۔ کئی اصحاب لپک کر آئے لیکن یہ فخر حضرت ابو دجانہ ؓ کے نصیب میں
تھا۔ اس غیر متوقع عزت نے ان کو بادہ شجاعت سے مست کر دیا۔ سر پر سرخ رومال باندھا جو
جنگ کے وقت ان کی علامت ہوا کرتا تھا۔ اور اکڑتے تنتے ہوئے دشمن فوج پر حملہ آور ہوئے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس چال سے ناراض ہوتا ہے لیکن اس موقع پر
ابودجانہؓ نے اس تلوار سے کئی کافر قتل کئے۔ ابوسفیان کی بیوی ہند بھی سامنے آ گئی، جو شہدا
اعضا قطع کر رہی تھی، ابودجانہؓ نے اس کے سر پر تلوار تولی، پھر روک لی۔ انہیں پسند نہ آ
جناب رحمتہ للعالمین ﷺ کی تلوار ایک عورت کے خون سے آلودہ ہو۔

حضرت حمزہؓ اپنے پر ہیبت عسکری جلال کے سائے میں مصروف پیکار تھے اور بپھ
ہوئے شیر کی مانند اپنی دودستی تلوار سے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ کہ اسی اثنا
حبشی نژاد وحشی نے جوان کی تاک میں تھا، تاک کر نیزہ پھینکا جوان کی ناف میں لگا اور پار ہو
امیر حمزہؓ لڑکھڑا کر گرے اور شہید ہو گئے۔

قریش مکہ بڑی شجاعت سے لڑ رہے تھے۔ یکے بعد دیگرے ان کے علمبردار قتل
رہے تھے لیکن ان کی استقامت میں ذرہ بھر فرق نہیں آیا تھا بالآخر حضرت علیؓ اور حضرت ابودجا
کے پیہم حملوں نے قریش کے پاؤں اکھاڑ دئے اور وہ بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہو
اس بھگدڑ میں انہیں اپنی ان رجز خواں ماہ پارہ نازنینوں کا خیال بھی نہ آیا جو مکہ سے ان کے سا
اپنے لشکر کو معرکہ کارزار میں اپنے حسن و جمال کی گرمی سے مشتعل کرنے آئی تھیں اور جنہیں ا
مسلمانوں نے اپنے نرغے میں لے لیا تھا۔

قریش کی پسپائی سے مسلم سپاہ نے محسوس کیا کہ بس اب بازی تمام ہوئی اور وہ ما
غنیمت کی جانب متوجہ ہو گئے۔ جبل عینین کے درے پر متعین دستہ کے سپاہیوں نے بھی ا
سردار عبداللہ بن جبیر کے روکنے کے باوجود دشمن کے ناگہانی حملہ سے بےفکر ہو کر اور دنیا
لالچ میں مبتلا ہو کر اپنی جگہ چھوڑ دی اور مال غنیمت کی لوٹ میں شامل ہو گئے۔ اس عجلت او
عدولی کا بڑا خوفناک خمیازہ مسلمانوں کو بھگتنا پڑا کہ ان کے قدموں کو چومتی ہوئی فتح و کامرانی روٹھ
پیچھے ہٹ گئی۔ قریشی فوج میں خالد بن ولید جیسا بہادر جرنیل موجود تھا اس نے اپنی عقابی نگاہ
سے مسلمانوں کی اہم ناکہ سے غفلت کی عسکری کمزوری کو فوراً بھانپ لیا اور ایک سو سواروں
معیت میں کوہ احد کے اوپر سے ہو کر پشت سے اچانک مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ عبداللہؓ بن ج
نے چند جانبازوں کے ساتھ مزاحمت کی مگر شہید ہو گئے۔

اس اثنا میں ایک مشرک ابن قمیہ نے لشکر اسلام کے علمبردار حضرت مصعبؓ بن عمی
شہید کر دیا۔ حضرت مصعبؓ بہت حد تک آنحضورؐ کے ہم صورت تھے۔ مشرکوں نے غل مچا د
محمد ﷺ وفات پا گئے۔ اس خبر نے مسلمانوں کے رہے سہے اوسان خطا کر دئے اور بڑے بڑ

اولوالعزم صحابہ بھی حوصلہ ہار بیٹھے لیکن حضرت علی شیر خداؓ کی شمشیر اس وقت بھی برق اجل بن کر مشرکین مکہ پر گر رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے شکست دل ہو کر تلوار پھینک دی کہ اب لڑنے سے کیا حاصل، حضرت انس بن نضر انصاریؓ نے کہا اب زندہ رہ کر کیا کریں گے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ کے گرد صرف بارہؓ جان نثار باقی رہ گئے جن میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، سعد بن ابی وقاص، زبیرؓ اور طلحہ بن عبیداللہ کے نام مہاجرین میں سے اور ابودجانہ کا نام انصار میں سے قابل ذکر ہیں۔ اچانک کعب بن مالکؓ نے آنحضرت ﷺ کو ڈھونڈھ لیا اور پکارے کہ مسلمانو! رسول اللہ ﷺ یہ ہیں چنانچہ صحابہ نے اس طرف سمٹنا شروع کر دیا۔ تیس (۳۰) جانباز جمع ہو گئے۔ دشمن نے سنا تو اس نے بھی اپنا سارا زور اسی طرف لگا دیا نہایت اضطراب اور ابتلاء کا وقت تھا۔ مشرکین کا ریلا قریب دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے پکار کر کہا کون مجھ پر جان قربان کرتا ہے۔ اس آواز پر زیادؓ بن سکن انصاری چھ دیگر انصار کو لے کر فداکاری کے لئے آگے بڑھے اور ایک ایک کر کے نثار ہو گئے۔ عبداللہ بن قمیہ جو قریش کا مشہور بہادر تھا صفوں کو چیرتا ہوا آنحضور تک پہنچ گیا، اور چہرہ انور پر تلوار ماری جس سے مغفر (خود) کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں۔ عتبہ بن ابی وقاص نے ایک پتھر پھینکا، جس سے آپ کا ہونٹ زخمی ہوا اور ایک دانت کچھ ٹوٹ گیا۔

یہ دیکھ کر جاں نثاروں نے ہر طرف سے آپ کو حصار میں لے لیا۔ حضرت ابودجانہؓ آپؐ کے سامنے جھک کر سینہ سپر ہو گئے۔ جو تیر آتا تھا اسے پیٹھ پر روکتے تھے۔ حضرت طلحہؓ تلوار کے وار ہاتھ پر روکتے تھے۔ جس کی وجہ سے ایک ہاتھ کٹ کر الگ ہو گیا۔ ابوطلحہؓ نے اس قدر تیر برسائے کہ تین کمانیں ٹوٹ گئیں اور پھر سپر سے آنحضرت ﷺ کے چہرے مبارک کو ڈھانپ لیا کہ آپؐ پر کوئی وار نہ آنے پائے۔ حضرت ام عمارہ ایک صحابیہ پانی پلانے آئی تھیں انہوں نے آنحضورؐ کے بچاؤ کے لئے جان سپر کر دی اور زخمی ہو گئیں آنحضرت ﷺ پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن رحمت عالم محسن انسانیت کی زبان مبارک پر اس وقت بھی یہ الفاظ تھے جو آپ کی پیغمبرانہ عظمت اور رحمت اللعالمینی پر دلالت کرتے ہیں۔

"خدایا! میری قوم کو بخش دے وہ جانتے نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں"۔

ایک مشرک ابی بن خلف گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ یہ شخص مکہ میں آنحضرت ﷺ سے قسم کھا کر کہا کرتا تھا کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے جسے ہر روز جوار کھلاتا ہوں۔ اس پر سوار ہو کر آپ کو

قتل کروں گا۔ آپؐ جواب میں فرماتے: انشاء اللہ میں تمہیں ہلاک کروں گا۔ اب ابی کو قسم پوری کرنے کا موقع نظر آیا اور وہ آپؐ کی طرف بڑھا۔ آپؐ کے جاں نثاروں نے اسے روکنا چاہا۔ آپؐ نے فرمایا نہیں، اسے آنے دو۔ آپؐ نے ایک صحابی حارث بن صمہ انصاری سے برچھا لیا اور تاک کر اس کی ہنسلی پر پھینکا۔ ابی کو ہلکا سا زخم آیا لیکن خون نہ بہا۔ تاہم وہ گھوڑے سے نیچے آ رہا اور بیل کی طرح ڈکرانے لگا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے غیرت دلاتے ہوئے کہا: بیکار دھاڑتے ہو، حالانکہ تمہیں محض خراش آئی ہے۔ ابی نے جواب دیا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ محمد ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں تمہیں ہلاک کروں گا۔ اللہ کی قسم! آپؐ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں مر جاتا۔ میری جگہ اگر مضر و ربیعہ بھی ہوتے تو آپؐ ان سب کو ہلاک کر دیتے۔ ابی بن خلف واپسی کے سفر میں سرف کے مقام پر پہنچ کر اسی زخم سے مر گیا۔

مشرکین کا ریلا تھم گیا تو آنحضرت ﷺ چند جان نثاروں کے ساتھ پہاڑی کے اوپر چڑھ گئے۔ ابوسفیان نے تعاقب کیا لیکن حضرت عمرؓ اور چند دیگر صحابہؓ نے پتھر برسا کر اسے واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد لڑائی تھم گئی۔ آنحضورؐ کے شہید ہونے کی افواہ مدینہ تک پھیل گئی۔ یہ سن کر خاتون جنت حضرت فاطمہؓ میدان جنگ میں پہنچ گئیں۔ ابھی تک آپؐ کے چہرہ مبارک سے خون جاری تھا۔ حضرت علیؓ سپر میں پانی لائے اور جناب سیدہ زہرہ نے زخموں کو دھویا لیکن خون نہیں تھمتا تھا۔ بالآخر آپؓ نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر زخموں پر رکھا اور پٹی باندھ دی جس سے خون بہنا بند ہو گیا۔

مشرکین کی فوج میں بھی آنحضرتؐ کی شہادت کی خبر پھیل گئی تھی۔ ابوسفیان نے اس کی تصدیق کے لئے سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر با آواز بلند پکارا، کیا محمدؐ یہاں ہیں؟ رسول اللہ نے مسلمانوں کو جواب دینے سے روک دیا۔ ابوسفیان نے جواب نہ پا کر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کو آواز دی اس پر بھی جب جواب نہ ملا تو اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر مسرت میں نعرہ لگایا کہ ''سب مارے گئے'' حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا اور تڑپ کر بول اٹھے، او خدا کے دشمن! تیرے پہلو کے خار ابھی سالم ہیں (یعنی ہم سب زندہ و سلامت ہیں) ابوسفیان بولا آج ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا۔ لڑائی تو ڈول کے مانند ہے۔ تم اپنے شہیدوں کے اعضاء کٹے ہوئے پاؤ گے۔ میں نے اس کا حکم تو نہیں دیا تھا لیکن اب برا بھی نہیں مانتا۔

مسلمانوں کے سنبھلنے کے بعد قریش مکہ کی ہمت پست ہو گئی اور وہ ساز و سامان باندھ فوراً واپس مکہ روانہ ہو گئے۔ ابوسفیان نے جاتے ہوئے پکار کر کہا۔ آئندہ اسل پھر بدر میں جنگ

ہوگی۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ نے کہلوایا کہ ہاں، یہ تمہارے اور ہمارے مابین انشاء اللہ پختہ عہد ہے۔

اس معرکہ میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔ جن میں سے چار مہاجر اور باقی انصار تھے۔ اور چالیس مسلمان زخمی ہوئے۔ دوسری طرف قریش مکہ کے صرف تیس (۳۰) آدمی ہلاک ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ، آپؐ کے پھوپھیرے بھائی عبداللہ بن جحشؓ ذی مرتبت صحابیوں میں سے مصعب بن عمیر، حظلہ بن ابی عامرؓ، رافع بن مالکؓ، عبداللہ بن عمرو خزرجی، عمرو بن جموع اور متعدد بدری صحابی شہید ہوئے۔

قریش کی خواتین نے مسلم شہداء کی لاشوں کو خراب کر کے اور ان کے ناک کان کاٹ کر اپنے جوش انتقام کو ٹھنڈا کیا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے ان پھولوں (مسلم شہداء کے اعضاء) کا ہار بنا کر پہنا اور حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبایا لیکن گلے سے اتر نہ سکا۔ اس لئے اگل دینا پڑا۔ تاریخوں میں ہندہ کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا ہے، اسی بنا پر لکھا جاتا ہے۔

مسلم خواتین کا کردار:

اس غزوہ میں مسلمان عورتوں نے بھی بڑی بہادری اور جان فروشی دکھائی۔ حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ مشک میں پانی بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں۔

عین اس وقت جب مشرکین نے عام حملہ کیا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف چند جاں نثار باقی رہ گئے تھے، آپؐ کی حفاظت کے لئے حضرت ام عمارہ مشکیزہ پھینک اور تلوار سونت آپؐ کے پاس پہنچ گئیں اور سینہ سپر ہو گئیں۔ ابن قمیہ جب آپؐ پر حملہ آور ہوا تو ام عمارہ نے بڑھ کر اسے روکا۔ اس روکنے میں ان کا شانہ زخمی ہوا۔ ام عمارہ نے بھی تلوار چلائی لیکن ابن قمیہ دوہری زرہ پہنے ہوا تھا اس لئے وار کارگر نہ ہوا۔

حضرت حمزہؓ کی بہن اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ مسلمانوں کی شکست کی خبر سن کر مدینے سے نکلیں۔ مشرکین مکہ نے حضرت حمزہؓ کی لاش کو بگاڑ دیا تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہؓ کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ بن عوام کو بلا کر حکم دیا کہ صفیہؓ، حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ انہوں نے ماں سے آنحضرتؐ کا پیغام کہا۔ وہ بولیں، کہ میں بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن راہ خدا میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں ہے۔ اور آنحضرتؐ کی اجازت لے کر لاش پر گئیں۔ عزیز بھائی کے بدن کے ٹکڑے دیکھ کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا الیہ راجعون پڑھ کر چپ ہو رہیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔

ان سب کے علاوہ ایک انصاری خاتون کا کردار بھی قابل ذکر ہے، جن کے باپ، بھائی اور شوہر سب جنگ میں مارے گئے تھے۔ ان کو یکے بعد دیگر تینوں حادثوں کی خبر ملی لیکن یہ ہر مرتبہ یہی پوچھتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ کیسے ہیں۔ لوگوں نے کہا: بخیریت ہیں۔ اس نے پاس جا کر چہرہ مبارک دیکھا اور پکار اٹھیں: کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ (تیرے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں)

جنگ احد اپنے نتائج کے اعتبار سے امت مسلمہ کے لئے عبرت وہدایت کی آئینہ دار تھی۔ مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم کی طرف سے غفلت کی اور اپنا مقام چھوڑ کر وہ نہ صرف نظم اور ڈسپلن کو توڑنے کے مرتکب ہوئے بلکہ ہاتھ میں آئی ہوئی فتح وکامرانی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ علاوہ ازیں وہ اطاعت امیر سے انحراف کا ارتکاب کر کے بیش بہا زندگیوں کے نقصان کا بھی سبب بنے۔ آئندہ کے لئے انہیں ایک سبق مل گیا کہ اگر انہوں نے اطاعت رسول کو پیش نظر رکھا تو نصرت وکامرانی ان کے قدم چومے گی۔ اور اس کے برعکس اگر انہوں نے حکم امیر (ارشاد رسول اللہ) کو فراموش کیا تو وہ کفر وباطل کی ضرب کاری سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

جنگ احد میں منافقین کا بھرم کھل گیا۔ جنگ سے قبل گو وہ نو مسلم سمجھے جاتے تھے۔ مگر ان کے خطرناک عزائم کا تا حال اندازہ نہ ہوا تھا۔ لیکن جنگ احد میں انہوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہ دے کر اپنے آپ کو بے نقاب کر لیا۔ وہ علی الاعلان رسوا ہوئے۔ مسلمان ان کی طرف سے چوکنے ہو گئے۔

جنگ احد میں مسلمان اگر فاتح نہیں تھے تو بالشک وہ شکست خوردہ بھی نہیں تھے۔ لیکن پھر بھی غزوہ احد سے مسلمانوں کے دبدبہ کو اتنا ضعف ضرور پہنچا کہ عرب قبائل جو فتح بدر کے بعد مرعوب ہو کر خاموش ہو گئے تھے، اب پھر سر اٹھانے لگے اور نہ صرف مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے درپے ہوئے بلکہ آئندہ جنگ میں مسلمانوں کے خلاف قریش مکہ کے مددگار بنے۔

جنگ احد میں اگرچہ کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کا جانی نقصان بہت زیادہ ہوا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جنگ بغیر فتح وشکست کے ختم ہوئی۔ یورپ کے بعض مشرکین نے مسلمانوں کے جانی نقصان کو مسلمانوں کی شکست قرار دیا ہے لیکن درحقیقت جنگ احد کی شکست، شکست نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے ایمان کی آزمائش کرنی چاہی اور اس میں رسول اللہ ﷺ پورے اترے۔ خطرات اور مصائب کے باوجود آپؐ دین پر مستحکم رہے۔ یہ آپؐ کے پیروؤں کے لیے ایک سبق بھی تھا جنہوں نے آپؐ کے ارشاد پر توجہ نہ دی لیکن آئندہ جنگوں میں ان لوگوں نے دوبارہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کیا۔

آج تک یہ بتانا مشکل ہے کہ مشرکین مسلمانوں کو اس قدر جانی نقصان پہنچا کر بھی کیوں اتنی عجلت سے میدان چھوڑ گئے۔ انہیں مدینہ پر حملہ کرنے کا حوصلہ کیوں نہ ہوا۔ حد یہ کہ جاتے ہوئے اپنے دو قیدی بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں چھوڑ گئے۔ مشرکین کے فوراً رخصت ہونے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ انہوں نے اسی کو غنیمت جانا کہ بدر کا سا حشر نہیں ہوا اور فی الحال جانوں کے ساتھ عزت بھی بچ گئی۔ قریش مکہ فتح کے ارمان لے کر آئے تھے لیکن ان کے یہ ارمان تشنہ ہی رہ گئے۔ ابھی دو ٹوک فیصلہ باقی تھا۔ اسی لئے ابوسفیان اگلے برس کے لئے پھر جنگ کا اعلان کر گیا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے انتظار کے باوجود وہ اپنے وعدے کے مطابق نہ آیا۔ اسی طرح ابوسفیان کا روحا کے مقام پر پہنچ کر یہ احساس کرنا کہ ان کا کام ادھورا رہ گیا ہے اور وہ مدینہ کی قوت کو چکنا چور کرنے کے کام کو ادھورا چھوڑ آیا ہے اسے پلٹ کر مسلمانوں کا قصہ تمام کرنا چاہیے اور لشکر لے کر مدینہ پر پلٹنے کا ارادہ کر کے آنحضرت ﷺ کی آمد کی خبر سن کر فوراً مکہ کو کوچ کر جانا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ قریش مکہ فتح سے ہمکنار نہ ہوئے تھے۔ دوسری طرف آنحضرت ﷺ کا ستر مسلمانوں پر مشتمل ایک دستہ قریش کے تعاقب میں بھیجنا اور پھر بعد میں آپ کا خود بھی مدینہ سے آٹھ میل دور حمراء الاسد کے مقام تک جانا صاف ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کے حوصلے ابھی بہت بلند تھے۔ مزید برآں اصول جنگ کی رو سے بھی دیکھا جائے تو مسلمان اس جنگ میں فاتح قرار دیئے جائیں گے کیونکہ سب سے پہلے قریش مکہ نے میدان جنگ کو چھوڑا جبکہ مسلمان کافی دیر تک میدان جنگ میں موجود رہے۔

مسلمان ابھی زیر تربیت تھے اور ابھی تک ان کا تجربہ وسیع نہیں ہوا تھا کیونکہ احد سے پہلے ایک ہی معرکہ پیش آیا تھا اس لئے مسلمانوں سے لغزش ہوگئی، اور وہ جبل عنین کے درے کا اہم ناکہ چھوڑ بیٹھے۔ جس سے خالد بن ولید جیسے چالاک اور زیرک جرنیل نے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کی فتح کو وقتی شکست میں بدل دیا۔ لیکن اس ذرا سی لغزش پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسا واقعاتی سبق دیا جو محض وعظ ونصیحت سے کبھی دلوں میں اتر نہ سکتا۔ اس سبق نے یہ نکتہ بھی کھول کر سمجھا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین نہایت بے لاگ طریقے سے عمل کرتے ہیں اور اگر ان کو توڑا جائے تو صالح انسان بھی مواخذہ وسزا سے بچ نہیں سکتے۔ مسلمانوں کی اس حالت کا جو نظم اور ڈسپلن کے توڑنے کی وجہ سے پیش آئی۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں عبرت انگیز نقشہ کھینچا ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے تائید ونصرت کا جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اس نے پورا کر دیا۔

ابتداء میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کر رہے تھے مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا تو جونہی وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مال غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ اس لئے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔ تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا تاکہ تمہاری آزمائش کریں اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھر بھی تمہیں معاف ہی کر دیا کیونکہ مومنوں پر اللہ تعالیٰ بڑی نظر عنایت رکھتا ہے۔"

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے اپنی لغزش کے سبب نقصان اٹھایا لیکن نہ شکست خوردہ تھے اور نہ ان کی قوت نے کوئی خم کھایا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ جنگ احد فیصلہ کن نہ تھی۔ لیکن سبق آموز ضرور تھی۔ اس ضمن میں قرآن نے مسلمانوں کو ان کی کمزوریوں سے آگاہ کرنے اور ان کی اصلاح پر توجہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے سپاہیانہ شعور کی آبیاری بھی کی۔ ان کو ذہن نشین کرایا کہ معرکہ کارزار میں فیصلہ کن طاقت اخلاقی طاقت ہوتی ہے اور اس اخلاقی طاقت کا اہم ترین شعبہ صبر ہے۔ اس سبق سے مسلمانوں کو یہ تاکید بھی کی گئی کہ ایک چوٹ کھا کر دل شکستہ اور اندوہگیں نہ ہونا چاہیے آج اگر یہ چوٹ آئی ہے تو کل دشمن کو تمہارے ہاتھوں کاری زخم لگ چکے ہیں۔ کسی بھی کشمکش اور تصادم کے دوران اتار چڑھاؤ کے دور تو آتے ہی رہتے ہیں۔ فتح وشکست کا فیصلہ بہر حال اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی تائید ونصرت کسی قوت کا غالب کرتی ہے۔ لہٰذا اسی کے قوانین اور اسی کی خوشنودی کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کو صاف صاف آگاہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی جنت کوئی سستا مال نہیں ہے۔ اس سعادت کو وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو راہ خدا میں جانیں قربان کرنے والے اور صبر وثبات کا مظاہرہ کرنے والے ہیں۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو ایک دعائیہ پیرایہ میں یوں بیان کیا ہے:

"کہو: خدایا، ملک کے مالک! تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے، چھین لے جسے چاہے، عزت بخشے اور جس کو چاہے، ذلیل کرے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ بے شک، تو ہر چیز پر قادر ہے۔ رات کو دن میں پروتا ہو، لے آتا ہے اور دن کو رات میں۔ جاندار میں سے بیجان کو نکالتا ہے اور بے جان میں سے جاندار کو۔ اور جسے چاہے، بے حساب رزق دیتا ہے"۔

(آل عمران۔ ۲۶،۲۷)

دیگر غزوات:

(۴ سن ہجری تا ۵ سن ہجری)

جنگ بدر کے نتیجے میں سارے عرب میں قوت اسلامی کی دھاک بیٹھ گئی اور مختلف قبائل مدینہ کی دولت مشترکہ میں شامل ہو کر مسلمانوں کے حلیف بن گئے تھے۔ مگر جنگ احد میں مسلمانوں کے جانی نقصان سے، بدر کی فتح کا جو اثر اردگرد کے علاقوں پر پڑا تھا، اس میں کمی آ گئی اور قدامت پسند قبائل کی امیدیں ایک بار پھر قریش کی جاہلی قوت سے وابستہ ہونے لگیں۔ بعض جرائم پیشہ اور شرپسند عناصر میں بغاوت کا رجحان بھی ابھر آیا۔ چاروں طرف کے نیم متاثر قبائل بیباکی سے باغیانہ حرکات کرنے لگے۔ چنانچہ اس دور میں متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیاں پیش آئیں۔ لیکن مدینہ کی اسلامی ریاست نے فوری فوج کاروائی کر کے حالات کے دھارے کو صحیح نوح پر ڈال لیا اور لوگوں کو محسوس کرا دیا کہ اسلامی حکومت کمزور نہیں ہے اور امن وامان قائم رکھنے اور اپنے علاقے کا تحفظ کرنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ ان چھوٹ چھوٹے غزوات کا تذکرہ حسب ذیل ہے:

ا۔ سریہ ابوسلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی:

قبیلہ بنواسد کے سردار طلیحہ بن خویلد اور سلم بن خویلد نے اپنے قبیلے کو جو قطن میں آباد تھا، مدینہ پر حملے کرنے پر تیار کیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک جنگ احد کے بعد مسلمانوں کی قوت مدافعت کمزور پڑ چکی تھی اور مدینہ پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کے مویشیوں پر قبضہ کرنے کا یہ بہترین موقعہ تھا۔ یکم محرم ۴ھ کو آنحضرت ﷺ کو اس مسلح قزاقی کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ابوسلمہ مخزومیؓ کی سرکردگی میں ایک سو پچاس سواروں کا ایک دستہ جس میں ابوعبیدہ (الجراح) اور سعد بن ابی وقاص ایسے مقتدر صحابہ تھے، ان کی گوشمالی کے لئے بھیجا۔ ابوسلمہ مخزومیؓ نے دشمن پر اچانک حملہ کر کے اسے منتشر ہونے پر مجبور کر دیا اور اس کے مویشیوں پر قبضہ کر لیا۔ امیر دستہ نے رسول اللہؐ ومساکین اور مسافروں کا خمس علیحدہ کر کے باقی مال غنیمت غازیوں میں وہیں تقسیم کر دیا۔ اس فتح سے مسلمانوں کی ہمت بندھ گئی اور احد کی ہزیمت کے صدمے میں کچھ کمی ہوگئی۔

۲۔سریہ عبداللہ بن انیس:

۵محرم ۴ ہجری:

۵محرم ۴ ہجری کو خبر آئی کہ قبیلہ لحیان کا سردار خالد بن سفیان الہذلی مدینہ پر حملے کا عزم رکھتا ہے اور عرنہ میں جمعیت اکٹھی کر رہا ہے۔آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن انیس جہنی انصاری کو جاسوسی کے لئے بھیجا۔لیکن وہ اس فتنہ گر کا خاتمہ کر کے اس کا سر کاٹ لائے۔تن تنہا ایسا بہادرانہ کارنامہ انجام دینے پر حضور ﷺ نے ان کو اپنا عصا بطور انعام فرمایا۔

۳۔واقعہ رجیع

صفر ۴ ہجری

جنگ احد کے مشرکین نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے ، پامال کرنے اور جانکاہ صدمے پہنچانے کی مختلف تدابیر اختیار کیں۔ہجرت کے چوتھے سال ماہ صفر میں قریش نے قبیلہ عضل اور قارہ کے ساٹھ (٦٠) آدمیوں کو گانٹھ کر ایک وفد کی صورت میں آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا کہ ہمارے قبیلے مشرف بہ اسلام ہونے کو تیار ہیں۔آپ ہمارے ساتھ چند معلم بھیج دیجئے۔جو ہمیں قرآن اور فقہ کی تعلیم دیں۔آنحضرت ﷺ نے دس بزرگ صحابہ کو جن کے سردار حضرت عمر فاروقؓ کے نانا عاصمؓ بن ثابت تھے ، ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔جب یہ صحابہ عسفان اور مکہ کے وسط میں واقع رجیع نام کے ایک چشمے پر پہنچے تو قبیلہ ھذیل کے بدوؤں نے ان پر حملہ کر دیا۔صحابہ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔کفار نے انہیں امن کا وعدہ دے کر گرفتار کرنا چاہا۔تین صحابہ حضرت عبداللہ بن طارق ، حضرت خبیب بن عدیؓ اور حضرت زید بن دثنہ نے اعتبار کر لیا لیکن باقیوں نے لڑ کر جان دے دی۔کفار نے عبداللہ بن طارق کو شہید کر دیا ور باقی دو حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کو مکہ میں لے جا کر قریش کے ہاتھ فروخت کر دیا۔حضرت زیدؓ کو صفوان بن امیہ نے خریدا جس کا باپ امیہ بن خلف حضرت زیدؓ کے ہاتھوں جنگ بدر میں ہلاک ہوا تھا۔حضرت خبیبؓ نے جنگ احد میں حارث بن عاد کو قتل کیا تھا۔اس لئے ان کو حارث کے بیٹوں نے خریدا کہ باپ کے بدلے میں قتل کریں گے۔

قریش حضرت زیدؓ کو قتل کرنے کے لئے حدود حرم سے باہر کوہ تنعیم کے پاس لے گئے۔ابوسفیان نے زیدؓ سے پوچھا: زیدؓ تمہیں اللہ کی قسم ، سچ سچ بتاؤ ، کیا تم نہیں چاہتے کہ اس

وقت تمہاری جگہ محمد ﷺ ہوتے اور تم اپنے اہل وعیال میں بیٹھے ہوتے''۔زیدؓ نے جواب دیا: خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے پاؤں میں کانٹا چبھے اور میں آرام سے گھر میں بیٹھا ہوں۔ابوسفیان نے حیرت سے کہا کہ:

''میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کے دوست محمد ﷺ کے رفیقوں سے بڑھ کر اپنے دوست کے محبت ہوں''۔

اس کے بعد صفوان کے غلام نسطاس کی تلوار نے زیدؓ بن دثنہ کے خون سے مکہ کی گرم زمین کو سیراب کر دیا۔

اس قتل گاہ میں اسی روز حضرت خبیبؓ کو بھی لایا گیا۔قریش نے آپ سے کہا اگر اسلام چھوڑ دو تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے۔جواب میں حضرت خبیبؓ نے کہا کہ جب اسلام باقی نہ رہا تو جان کو رکھ کر کیا کروں گا۔اب قریش نے ان سے پوچھا کہ کوئی تمنا ہو تو بیان کرو۔خبیبؓ نے کہا: دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔نماز ادا کرنے کے بعد حضرت خبیبؓ نے کافروں سے کہا: بخدا، اگر تمہاری طرف سے اس بدگمانی کا شبہ نہ ہوتا کہ میں موت کے ڈر سے نماز کو طول دے رہا ہوں تو ابھی قیام وقعود میں اور اضافہ کرتا۔ازاں بعد مشرکین نے انہیں سولی پر لٹکا دیا۔اور نیزوں کی انی سے ان کے جسم کے ایک ایک حصے پر چرکے لگانے لگے۔انہوں نے اس نازک وقت میں جو فی البدیہہ شعر کہے ان کے آخری دو شعروں کا ترجمہ یہ ہے:

''جب مجھے اسلام کی خاطر قتل کیا جا رہا ہے تو بخدا مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ کس پہلو پر گرتا ہوں اور کیونکر جان دیتا ہوں۔خدا کی ذات چاہے تو مجھے امید ہے کہ گوشت کے ہر ایک ٹکڑے کو برکت عطا فرمائے''۔

سب سے آخر میں یہ دعا کی کہ اے خدا! کہ ہم نے تیرے رسولؐ کے احکام ان لوگوں کو پہنچا دئے۔اب تو اپنے رسول کو ہمارے حال کی اور ان کی کرتوتوں کی خبر فرما دے۔

سانحہ بئر معونہ

صفر ۴ ہجری

صفر ۴ ہجری میں ہی آنحضرت ﷺ کو ایک اور جانکاہ صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔بنی کلاب کا سردار ابو براعام بن مالک آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دوخواست کی کہ میری قوم میں تبلیغ اسلام کے لئے چند آدمی بھیج دیجئے۔آپؐ نے نجد کے بارے میں اندیشے کا

اظہار فرمایا۔ ابو برا نے یقین دلایا کہ وہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہے۔ اس پر آپؐ نے ۷۰ صحاب جن میں سے اکثر اصحابہ صفہ تھے، منذر بن عمرو ساعدی انصاریؓ کی سرکردگی میں ابو برا کے ساتھ کر دئے۔

جب یہ تبلیغی وفد بئر معونہ پہنچا جو بنی عامر کا علاقہ تھا تو حرام بن ملحان کو آنحضرت ﷺ کا خط دے کر قبیلہ کے رئیس عامر بن طفیل کے پاس بھیجا گیا جس نے سفیر کو تو قتل کرا دیا اور خود عفیہ، رعل، ذکوان اور بنی لحیان کے قبائل کو ساتھ لے کر مسلمانوں کی طرف حملہ کی نیت سے بڑھا مسلمان حرام بن ملحان کی واپسی کا انتظار کر کے ان کی تلاش میں نکلے تو ان کا سامنا عامر سے ہوا۔ جس نے سب مسلمانوں کو گھیر کر قتل کر دیا۔ صرف عمرو بن امیہؓ کو عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی، لہٰذا میں تجھ کو آزاد کرتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپؐ کو سخت صدمہ ہوا۔ حضرت عمرو بن امیہؓ نے واپسی میں سفر کے دوران بنی عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا جن کو آنحضرت ﷺ امان دے چکے تھے مگر حضرت عمرو بن امیہ کو اس کا علم نہ تھا۔ وہ یہ سمجھے کہ انہوں نے بنی عامر سے ان کی بے وفائی کا بدلہ لے لیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے ناراضگی ظاہر فرمائی اور دونوں کے خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرمایا۔

غزوہ بدر ثانی

رجب ۴ھ

جنگ احد کے موقعہ پر ابوسفیان نے بآواز بلند کہا تھا: ”بدر کا انتقام تو لے لیا گیا، آئندہ سال پھر ایک میدان ہوگا“۔ یہ الفاظ دیگر احد سے لوٹتے ہوئے وہ دوبارہ مقابلے کا اعلان کر گیا تھا۔ جنگ احد کو ایک سال ہونے کو تھا کہ مکہ سے نعیم نامی ایک شخص مدینہ پہنچا۔ اور اس نے گھر گھر جا کر کہنا شروع کر دیا کہ۔ ”اس مرتبہ قریش نے جو لشکر جمع کیا ہے، عرب کی کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ابوسفیان نے ارادہ کر لیا ہے کہ مسلمانوں پر احد سے بھی زیادہ سختی برتی جائے“۔ نعیم درحقیت ابوسفیان کا بھجوایا ہوا تھا۔

اس خبر پر مسلمان متعجب اور متفکر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ لیکن جب رجب ۴ھ مطابق اکتوبر ۶۲۵ء میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ لیکن مشہور مورخ محمد حسین، ہیکل مصری کے مطابق حضرت عبداللہ بن ابی بن سلول کو مدینے میں اپنا نائب مقرر کر کے پندرہ سو

(۱۵۰۰) پیادوں اور دس (۱۰) سواروں کے ساتھ بدر کی طرف کوچ فرمایا۔ جہاں قریش مکہ ساتھ جنگ کے لئے جھنڈے گاڑ کر ان کا انتظار کیا جانے لگا۔ کہنے کو تو ابوسفیان قریش کے دو ہزار سے زائد بہادروں کا لشکر لے کر مکہ سے نکل پڑا لیکن اس کے استقلال و جوانمردی کا یہ حال تھا کہ دو روز کی مسافت طے کرنے کے بعد جب ظہران یا عسفان کے مقام پر پہنچا تو وہ مسلمانوں کی طاقت اور میدان بدر میں ان کے خیمہ زن ہونے کی اطلاع پا کر اس قدر خوفزدہ ہوا کہ حوصلہ ہار کر قحط سالی کا بہانہ کر کے وہیں سے واپس لوٹ گیا۔ لیکن رسول ﷺ آٹھ روز تک اپنے لشکر سمیت بدر میں تشریف فرما رہے اور آخر کار مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ اس واقعہ سے قریش مکہ کو بڑی ندامت اٹھانی پڑی۔ اس کے برعکس قریش مکہ کے لوٹ جانے سے مسلمانوں کے لئے احد کی تلافی کا ایک گونہ ذریعہ پیدا ہو گیا۔

غزوہ ذات الرقاع

محرم ۵ھ

رسول خداؐ بدر ثانیہ سے واپسی کے بعد گو دل میں قریش پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جانے سے بہت خوش تھے۔ تاہم آپؐ دشمنوں کی جانب سے غافل نہ تھے۔ آپؐ نے ان کی ریشہ دوانیوں سے باخبر رہنے کے لئے ہر طرف اپنے جاسوس لگا رکھے تھے۔ اسی اثنا میں آپؐ کو اطلاع ملی کہ بنو غطفان مدینے پر حملہ کرنے کے لئے نجد میں جمع ہو رہے ہیں۔ اس پر آپؐ محرم ۵ھ میں چار سو (۴۰۰) سواروں کا ایک دستہ لے کر ان کے مقابلہ کے لئے اچانک ذات الرقاع کے مقام پر جا پہنچے۔ بنو غطفان کے بعض قبائل (بنو محارب اور بنو ثعلبہ) ایسے گھبرائے کہ اپنے گھروں اور اہل و عیال کو چھوڑ کر پہاڑوں میں جا چھپے۔ آنحضرتؐ نے ان کا تعاقب نہ کیا اور ان کے اہل و عیال سے تعرض کئے بغیر واپس لوٹ آئے۔

غزوہ دومتہ الجندل

ربیع الاول ۵ھ

ربیع الاول ۵ھ میں آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ دومتہ الجندل میں کفار کی ایک عظیم الشان فوج جمع ہو رہی ہے۔ آنحضرتؐ ایک ہزار (۱۰۰۰) مسلمانوں کے ساتھ دشمنوں کے سر پر اچانک جا پہنچے۔ دشمن نے راہ فرار اختیار کی اور جاتے ہوئے اپنا بے حساب مال و اسباب بھی چھوڑ

گئے جو بطور مال غنیمت مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔

غزوہ مریسیع یا غزوہ بنو مصطلق

شعبان ۵ھ

بنوخزاعہ قریش مکہ حلیف تھے۔ دونوں میں باہم قرابت داریاں بھی تھیں۔ اس قبی
ایک شاخ بنو مصطلق مدینہ منورہ سے نو منزل کی مسافت پر واقع مریسیع میں آباد تھی اس کے ر
حارث بن ابی ضرار نے قریش مکہ کے اشارے سے مدینے پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں شر
کیں۔ آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے مزید تحقیقات کے لئے حضرت زید بن
کو بھیجا۔ وہ مجاہدین اسلام کی معیت میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب آپ مریسیع میں آباد
نے صف آرائی کر کے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ مگر شکست سے دو چار ہوئے۔ اس غزوہ میں
(۱۰) اہل مریسیع ہلاک اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے۔ مال غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ
بکریاں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ گرفتار ہونے والے قیدیوں میں جویریہ بنت حارثؓ بن
ضرار بھی تھیں جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ صحابہؓ کو یہ معلوم ہوا تو انہوں
اس قبیلے کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اور مال غنیمت واپس کر دیا۔ حضرت جویریہؓ نے ۵۰ھ
وفات پائی۔

غزوہ مریسیع میں، مال غنیمت کے لالچ میں بہت سے منافقین بھی مسلمانوں
ساتھ ہو گئے تھے۔ یہ بد باطن ہر موقعہ پر فتنہ برپا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک دن چشمہ
پانی لینے پر ایک مہاجر اور انصاری میں جھگڑا ہو گیا۔ دونوں نے اپنی اپنی جماعت کو آواز
فریقین کی تلواریں نکل آئیں۔ قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے، لیکن چند آدمیوں نے بیچ
کرا دیا۔ اس واقعہ سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کو فتنہ برپا کرنے کا موقعہ ہاتھ
اس نے انصار سے کہا: تم نے یہ بلا خود مول لی ہے۔ مہاجرین کو تم لوگوں نے اتنا سر چڑھا لیا
کہ اب وہ تمہارے مقابلے میں بھی آنے سے تمہیں جھجھکتے۔ اگر اب بھی تم ان کی دستگیری چھوڑ
تو وہ یہاں سے چلے جائیں گے۔ اس واقعہ کی حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو وہ غصے سے بیتاب ہو گئے
آنحضرت ﷺ سے عرض کی: اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم
چرچا پسند کرتے ہو کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں؟

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے لڑکے جن کا نام بھی عبداللہؓ ہی تھا، مسلمان ہو چکے

تھے اور اسلام کے سچے جاں نثار اور شیدائی تھے۔ انہیں خبر ہوئی تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا:

"دنیا جانتی ہے کہ میں باپ کا کس قدر خدمت گزار ہوں لیکن اگر آپؐ کی یہ مرضی ہے تو مجھی کو حکم ہو میں ابھی جا کر ان کا سر کاٹ لاتا ہوں ایسا نہ ہو کہ آپ کسی دوسرے کو حکم دیں اور میں محبت اور غیرت کے جوش میں آ کر قاتل کو قتل کر دوں"۔

آپؐ نے اطمینان دلایا کہ قتل کی بجائے میں اس پر مہربانی کروں گا۔

یہ ارشاد اس طرح پورا ہوا کہ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی مرا تو کفن کے لئے رحمت للعالمین ﷺ نے خود اپنا پیرہن مبارک عنایت فرمایا اور جنازہ کی نماز پڑھائی۔ حضرت عمرؓ نے دامن تھام لیا کہ منافقین کے جنازے کی نماز پڑھتے ہیں لیکن دریائے رحمت و کرم کا بہاؤ کون روک سکتا تھا۔

واقعہ افک

افک یعنی ام المومنین حضرت عائشہؓ پر تہمت رکھنے کا واقعہ جو غزوہ مریسیع سے واپسی پر رونما ہوا، جو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے برپا کیا تھا۔ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کی نسبت قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝

(النور ۲۴ پ ۱۸۔ ۱۹)

"اور کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا۔ سبحان اللہ، یہ تو ایک بہتان عظیم ہے"۔

آنحضرت ﷺ جب بھی کسی غزوہ پر جاتے تو قرعہ اندازی سے کسی ایک بی بی کو اپنے ہمراہ لے جاتے۔ غزوہ مریسیع یا مرغزوہ بنو مصطلق میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو یہ فخر نصیب ہوا۔ غزوہ مریسیع سے واپسی کے سفر میں جب آنحضرت ﷺ نے ایک پڑاؤ قیام کیا اور ابھی رات کا کچھ حصہ باقی تھا کہ آنحضرتؐ نے روانگی کا اعلان فرما دیا۔ کوچ کے موقع پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ رفع حاجت کے لئے لشکر گاہ سے دور تشریف لے گئی ہوئی تھیں۔

واپسی پر قیامگاہ کے قریب پہنچ کر آپؓ کو محسوس ہوا کہ گلے کا ہار جو آپؓ اپنی بہن اسماء سے مستعار لائی تھیں، گم ہوگیا ہے۔ اس لئے الٹے قدم تلاش کرتی ہوئیں واپس لوٹیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ روانگی پر ساربانوں نے یہ سمجھا کہ ام المومنین اپنے محمل میں موجود ہیں جسے انہوں نے معمول کے مطابق اٹھا کر اونٹ پر رکھ لیا اور بالتامل روانہ ہو گئے۔ چونکہ حضرت عائشہ کمسن، دبلی اور ہلکے بدن کی تھیں، اس لئے ساربان یہ محسوس تک نہ کر سکے کہ آپ محمل میں موجود نہیں۔ ادھر ام المومنین سخت پریشان تھیں، لیکن اس تسکین کے ساتھ کہ جونہی ساربانوں کو میری عدم موجودگی کا احساس ہوگا، فوراً ڈھونڈنے واپس آئیں گے۔ چنانچہ آپؓ اپنی چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ گئیں اور اسی حالت میں نیند آ گئی۔

صبح کے وقت صفوان بن معطل سلمیؓ جو ساکت العسکر کے فریضہ پر مامور تھے، کا ادھر سے گزر ہوا۔

صفوان بن معطلؓ نے پردہ کے احکام نازل ہونے سے قبل ام المومنینؓ کو دیکھا تھا۔ آپؓ کو اس حال میں پایا تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا: انا للہ وانا الیہ راجعون رسول اللہ ﷺ کی بیوی یہیں رہ گئیں"۔ اس آواز سے حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے اٹھ کر فوراً اپنے منہ پر چادر ڈال لی۔ صفوانؓ نے کوئی بات کئے بغیر، اپنا اونٹ لا کر ان کے پاس بٹھا دیا اور خود الگ ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ ام المومنینؓ اونٹ پر سوار ہو گئیں تو وہ نکیل پکڑ کر بڑی تیزی کے ساتھ روانہ ہو گئے اور دوپہر کے قریب وہ لشکر میں پہنچ گئے۔ جب لشکر ابھی ایک جگہ جا کر ٹھہرا ہی تھا اور لشکر والوں کو ابھی یہ پتہ نہ چلا تھا کہ حضرت عائشہؓ کو اس طرح اونٹ پر سوار اور صفوانؓ کو نکیل پکڑے ہوئے آتے دیکھا تو فوراً اس کی ابلیسی رگ پھڑکی اور شیطان نے اس کے کان میں بڑے زور سے پھونکا کہ حضرت عائشہؓ کی عصمت کو بٹہ لگائے۔ محمد ﷺ کی عزت مٹانے اور حضرت ابوبکرؓ کی بزرگی کو تہہ و بالا کرنے کا یہ نادر موقع ہے۔ پس اس نے فوراً سارے لشکر میں اپنا ناپاک خیال پھیلا دیا۔ اس نے گھر گھر اور کوچہ و بازار میں تذکرے کئے۔ اسی کی سنی سنائی مسلمان مردوں میں حضرت حسان بن ثابتؓ اور مسطحؓ بن اثاثہ اور عورتوں میں حمنہ بنت جحش بھی چرچا کرنے لگیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے سنا تو غمگین ہو کر حضرت عائشہ سے کشیدگی فرمائی اور ان کے ساتھ وہ مہر و التفات کی نظر نہ رہی جس پر دوسری ازواج مطہرات کو بھی رشک ہوا کرتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے:

"مدینے پہنچ کر میں بیمار ہوگئی اور ایک مہینے کے قریب پلنگ پر پڑی رہی۔ شہر میں اس

بہتان کی خبریں اڑ رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے کانوں تک بھی بات پہنچ چکی تھی، مگر مجھے کچھ پتہ نہ تھا۔ البتہ جو چیز مجھے کھٹکتی تھی، وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی وہ توجہ میری طرف نہ تھی جو بیماری کے زمانے میں ہوا کرتی تھی۔ آپ گھر میں آتے تو بس گھر والوں سے پوچھ کر رہ جاتے: کیف تیکم (کیسی ہیں یہ؟) خود مجھ سے کوئی کلام نہ کرتے۔ اس سے مجھے شبہ ہوتا کہ کوئی بات ہے ضرور۔ آخر آپؐ سے اجازت لے کر میں اپنی ماں کے گھر چلی گئی تا کہ وہ میری تیمارداری اچھی طرح کر سکیں۔

ایک روز رات کے وقت حاجت کے لئے میں مدینے کے باہر گئی اس وقت تک ہمارے گھروں میں یہ بیت الخلا نہ تھے اور ہم لوگ جنگل ہی جایا کرتے تھے۔ میرے ساتھ مسطح بن اثاثہؓ کی ماں تھیں جو میرے والد کی خالہ زاد بہن تھیں۔ راستے میں ان کو ٹھوکر لگی اور بیساختہ ان کی زبان سے نکلا: غارت ہو مسطح۔ میں نے کہا: اچھی ماں ہو جو بیٹے کو کوستی ہو اور بیٹا بھی وہ جس نے جنگ بدر میں حصہ لیا ہے۔ انہوں نے کہا: بیٹا! کیا تجھے اس کی باتوں کی کچھ خبر نہیں؟ پھر انہوں نے سارا قصہ سنایا کہ افترا پرداز لوگ میرے متعلق کیا باتیں اڑا رہے ہیں۔ یہ داستان سن کر میرا خون خشک ہوگیا۔ وہ حاجت بھی بھول گئی جس کے لئے آئی تھی۔ سیدھی گھر گئی اور رات بھر رو کر کاٹی'

آنحضرت ﷺ نے خوب اچھی طرح اور نہایت سختی کے ساتھ اس معاملے کی تحقیقات کی اور پھر حضرت علیؓ اور اسامہ بن زیدؓ کو بلایا اور ان سے مشورہ فرمایا۔ اسامہؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حق میں کلمہ خیر کہتے ہوئے عرض کیا: یارسول اللہ بھلائی کے سوا آپ کی بیوی میں کوئی چیز ہم نے نہیں پائی۔ یہ سب کچھ کذب اور باطل ہے جو اڑایا جا رہا ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا: یا رسول اللہ! عورتوں کی کمی نہیں ہے۔ آپ اس کی جگہ دوسری بیوی کر سکتے ہیں اور تحقیق کرنا چاہیں تو خدمت گار لونڈی کو بلا کر حالات دریافت فرمائیں۔ چنانچہ خدمت گار لونڈی بریرہ کو بلایا گیا اور حضرت عائشہ کے متعلق پوچھا گیا۔ اس نے کہا: "اس خدا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں نے ان میں کوئی برائی نہیں دیکھی جس پر حرف رکھا جا سکے۔ بس اتنا عیب ہے کہ میں آٹا گوندھ کر کسی کام کو جاتی ہوں اور کہہ جاتی ہوں کہ بی بی ذرا آٹے کا خیال رکھنا مگر وہ سو جاتی ہیں اور بکری آ کر آٹا کھا جاتی ہے"۔ ازاں بعد آنحضرت ﷺ نے اتمام حجت کے طور پر ام المومنین حضرت زینبؓ سے اس معاملے میں استفسار کیا۔ حضرت زینبؓ سے پوچھنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کی بہن حمنہ بنت جحش بہتان لگانے والوں میں شامل تھی اور برابر اس بات کو شہرت دے رہی تھی۔ حضرت زینبؓ نے جواباً فرمایا: "یارسول اللہ! میں نے عائشہؓ میں ہمیشہ سوائے

بھلائی کے اور کچھ نہیں دیکھا اور کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا کہ وہ اس بہتان سے بالکل بری اور مجرد خوبی ہیں۔ میں انہیں ایک نیک اور متقی عورت سمجھتی ہوں"۔ یہ اس سوکن کی شہادت تھی جس کے متعلق حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ رسول اللہؐ کی تمام بیویوں میں زینبؓ ہی وہ بیوی تھیں جو میرا مقابلہ کرتیں اور مجھ سے رقابت کے ساتھ پیش آتی تھیں۔

ان گواہیوں اور شہادتوں کے بعد اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ کی پاکبازی اور بے گناہی کا پورا یقین ہوگیا تھا اور مزید تحقیقات کی ضرورت نہ تھی تاہم آپؐ خود ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کرنے کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت عائشہؓ کے والدین کے علاوہ ایک انصاری خاتون بھی موجود تھیں۔ آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا: اللہ سے ڈرتی رہو۔ اگر لوگوں کا خیال صحیح ہے تو اس کے حضور توبہ کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے کہا: "مجھے معلوم ہے کہ اس قصے کا آپ کو یقین آ گیا ہے۔ اس لئے اگر کہوں بھی کہ میں بے قصور ہوں تو آپ کو یقین نہ آئے گا اور اگر اقرار کروں تو جھوٹا اقرار کس طرح کروں!" خدا ہی خوب جانتا ہے کہ میں بیخطا ہوں۔ اس لئے میں کچھ نہیں کہتی اور اپنی صفائی میں وہی کہوں گی جو ابو یوسفؑ (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے کہا تھا۔

فَصَبْرٌ جَمِيْل وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَان عَلٰى مَاتَصِفُوْنَ

(سورۃ ۱۲ یوسف ۱۸)

"اب صبر ہی بہتر ہے اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بات پر جو تم ظاہر کرتے ہو"۔

اس گفتگو کے بعد سب پر سکوت کا عالم طاری ہوگیا کہ اتنے ہی میں ختم الرسل رحمۃ اللعالمینؐ کے چہرہ مبارک پر نزول وحی کے آثار ظاہر ہوئے۔ چنانچہ چہرہ مبارک پر کپڑا ڈال دیا گیا اور سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ رکھ دیا گیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ:

"اس وقت نہ تو مجھے اپنی بیگناہی کی وجہ سے نزول وحی پر کوئی دغدغہ تھا نہ ذات باری کے منصف ہونے میں شبہ۔ لیکن میری ماں اور باپ ایسے ضغطے میں تھے جیسے روح مائل پرواز ہو۔ انہیں خطرہ تھا کہیں وحی سے الزام کی تصدیق نہ ہوجائے"۔ انؓ کی یہ حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراغ وحی کے بعد ہوئی"۔

فراغ وحی کے بعد آنحضرتؐ کا چہرہ مبارک سردی کے باوجود پسینے سے شرابور تھا۔

آپؐ نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا: "اے عائشہؓ! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری بریت میں قرآن نازل فرما دیا:" اس پر ام المومنین حضرت عائشہؓ صرف الحمد اللہ کہا اور خاموش رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت مسجد میں تشریف لے گئے اور مسلمانوں کو واقعہ افک کے ضمن میں نازل شدہ آئیتیں سنائیں۔

ترجمہ: "مسلمانو! جو لوگ یہ بہتان (حضرت عائشہؓ کی نسبت) گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہیں۔ اس واقعہ کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو۔ بلکہ یہ بھی تمہارے لئے خیر ہی ہے۔ جس شخص نے اس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا۔ اس کے لئے تو عذاب عظیم ہے۔ جس وقت تم لوگوں نے یہ سنا تھا، اسی وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان ہے وہ لوگ (اپنے الزام کے ثبوت میں) چار گواہ کیوں نہ لائے۔ اب کہ وہ گواہ نہیں لائے ہیں، اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ اگر تم لوگوں پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور رحم و کرم نہ ہوتا تو جن باتوں میں تم پڑے گئے تھے ان کی پاداش میں بڑا عذاب تمہیں آلیتا (ذرا غور تو کرو، اس وقت کیسی سخت غلطی کر رہے تھے) جبکہ تمہاری ایک زبان سے دوسری زبان اس جھوٹ کو لیتی چلی جارہی تھی اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جارہے تھے، جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ تھا۔ تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بڑی بات تھی"۔

کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ "ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا۔ سبحان اللہ، یہ تو ایک بہتان عظیم ہے۔ اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔ اگر تم مومن ہو۔ اللہ تمہیں صاف صاف ہدایات دیتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔

اس واقعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ محض جھوٹ اور بیہودہ خبر کس سرعت سے پھیلتی ہے۔ یہ خبر اصل میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے مشہور کی تھی لیکن بعض مسلمان بالخصوص مسطح بن اثاثہؓ، حسان بن ثابتؓ اور خمنہ بنت جحش بھی منافقین کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر ملوث ہوگئے۔ چنانچہ ہر سہ کو احکام خداوندی کے مطابق تہمت لگانے کی پاداش میں اسی (۸۰) اسی دروں کی سزا دی گئی۔

نزول قرآن کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کو پہلے کی طرح رسول خداؐ کی نظر میں وقار حاصل ہوگیا اور اپنے باپؓ کے گھر سے آپ حرم سرائے نبوت میں تشریف لے آئیں۔

غزوہ خندق یا جنگ احزاب

ذیعقد ۵ ھ مطابق مارچ۔اپریل ۶۲۷ء

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ، قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝

(الاحزاب ۳۳: ۲۲)

"اور جب مسلمانوں نے (دشمنوں کے) گروہوں کو دیکھا تو بول اٹھے یہ تو وہی (موقع) ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں پہلے بتا رکھا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا۔ اور اس بات نے ان کے یقین اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا"۔

لفظ احزاب حزب کی جمع ہے جس کے معنی ہیں فوج یا گروہ۔ چونکہ جنگ خندق میں عرب کے مختلف قبائل کی متحدہ افواج نے اسلام کو نیست و نابود کرنے کی غرض سے حصہ لیا، اس لئے اس جنگ کو جنگ احزاب بھی کہا جاتا ہے اور اس کو غزوہ خندق اس لئے کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے سرزمین عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مدینہ کے دفاع کے لئے خندق کھودی تھی۔

قریش مکہ کی اسلام دشمنی میں غزوہ بدر اور غزوہ احد کے بعد شدت پیدا ہوگئی تھی۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو شدید جانی نقصان پہنچا کر بھی قریش کا جوش انتقام ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔ وہ اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کا مذہبی اور سیاسی اقتدار خطرے میں تھا۔ مگر انہیں اپنے عزائم کی تکمیل میں بار بار مایوسی اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑ گیا تھا وہ بدر کی شکست کا داغ ابھی میدان میں بھی دھونے سے قاصر رہے تھے۔ قریش کو یہ احساس تھا کہ احد کی لڑائی نہ تو فیصلہ

کن تھی اور نہ ہی تسخیر مدینہ اور مسلمانوں کو نابود کرنے کے مقصد میں کامیاب ہو سکے تھے۔ انہیں یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا تھا کہ اسلام مدینہ میں روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔

ابوسفیان نے جنگ احد کے اختتام پر آنحضرت ﷺ سے پکار کر کہا تھا کہ اگلے برس بدر کے میدان میں بھی طاقت آزمائی ہوگی۔ رسول اللہؐ نے اس اعلان کو قبول فرمایا اور آپؐ اگلے برس مقررہ میعاد پر میدان بدر میں پہنچے۔ مگر ابوسفیان مسلمانوں کو مقابلے پر تیار پا کر دل چھوڑ بیٹھا اور قحط سالی کا بہانہ بنا کر راستہ ہی سے لوٹ گیا۔ تاہم وہ حسد اور بغض کے مارے انگاروں پر لوٹتا رہا اور مدینہ پر یلغار کرنے کے منصوبے باندھتا رہا اور جنگی تیاریوں میں مصروف رہا جو بالآخر غزوہ خندق پر منتج ہوئیں۔

قریش مکہ کے لئے سب سے زیادہ تشویش ناک امر ان کی اقتصادی ناکہ بندی تھی۔ کیونکہ مسلمانوں نے شام و عراق کو جانے والی تجارتی شاہ راہوں پر پہرہ بٹھا دیا تھا۔ جس سے قریش کی تجارت معطل ہو کر رہ گئی تھی۔ جنگ بدر کے بعد قریش مکہ کے لئے صرف ملک شام کا راستہ بند ہوا تھا۔ مگر احد کی لڑائی کے بعد مسلمانوں نے بہت جلد نہ صرف اپنا کھویا ہوا وقار اور دبدبہ بحال کر لیا بلکہ انکا اثر و نفوذ مشرق میں نجد تک اور شمال میں دومتہ الجندل تک پھیل گیا جو کئی تجارتی شاہراہوں کا مقام اتصال تھا۔ اس سے قریش کے تجارتی قافلوں کا نہ صرف شام و مصر بلکہ عراق جانے کا راستہ بھی بند ہو گیا۔ یہ اقتصادی ناکہ بندی قریش کی شہ رگ پر چھری کے مترادف تھی اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے اب ان کے لئے صرف دو حل تھے کہ وہ اسلام دشمنی کو ترک کر کے اسلام کی بالادستی کو قبول کریں یا بصورت دیگر مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ لڑیں۔

آخر اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے مشرکین مکہ کے ساتھ یہود بھی شامل ہو گئے اور ان کی کوشش وسعی سے بنو غطفان، بنو اسد، بنو سعد اور بنو سلیم ایسے قبائل بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ مخالفین (مشرکین مکہ، یہود اور دیگر قبائل عرب) نے باہمی گٹھ جوڑ سے سردار قریش ابوسفیان کی سرکردگی میں دس ہزار کا ایک ٹڈی دل لشکر تیار کر لیا اور مدینہ کی اسلامی حکومت کو اپنی متحدہ قوت کے بل بوتے پر ختم کرنے کی ٹھان لی۔ ان اتحادیوں کو قرآن حکیم نے احزاب کا نام دیا ہے۔ ان اتحادیوں (احزاب) کو مدینہ میں یہود کے قبیلہ بنو قریظہ اور گروہ منافقین کے تعاون اور مدد کا بھی یقین تھا۔

آنحضرت ﷺ کو دشمنان اسلام کی تیاری کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ اس نئے خطرے کا مقابلہ کیونکر کیا جائے۔ آخر غنیم کے کثیر التعداد ہونے کی وجہ سے باہمی مشورہ سے یہ قرار پایا کہ شہر بند ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ اس مجلس مشاورت میں حضرت سلمان

فارسیؓ بھی شامل تھے۔ انہوں نے شہر کی حفاظت کے لئے ایران کے طریقہ پر خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر خود خندق کا نقشہ متعین کرنے نکلے۔ شہر کے تین اطراف دشوار گزار پہاڑ، مکانات اور کھجور کے گھنے باغات تھے جو شہر پناہ کا کام دیتے تھے صرف شمالی سمت یعنی شامی سمت کھلی تھی اس لئے آنحضرتؐ نے شیخین سے جبل سلع مغربی گوشہ تک یعنی مدینہ کے شمال مشرق سے مغرب تک نیم دائرہ کی صورت میں خندق کے لئے حاشیہ کھینچا اور دس دس صحابہ کے گروہ کو دس دس گز زمین کی کھدائی کا کام سونپا۔ تین ہزار فدا کاران اسلام نے بیس دن میں خندق مکمل کرلی۔ یہ پندرہ فٹ گہری اور پندرہ فٹ چوڑی تھی اور مجموعی طور پر ساڑھے تین میل لمبی تھی۔ بعدازاں مختلف قبائل نے بطور خود اپنے محلوں کی حفاظت کے لئے اسے اور آگے بڑھایا اور جنوب میں عید گاہ (مسجد غمامہ) کے مغرب سے گزارتے ہوئے قبا کے رخ کافی دور تک بڑھا لے گئے۔ درمیان میں کئی ایک پہاڑیاں بھی تھیں ان پر حفاظتی چوکیاں متعین کردی گئیں۔

سنگلاخ زمین، جاڑے کی شدت اور فاقہ کشی کی صعوبت سے بے نیاز صحابہؓ نے بشب و روز کی کاوش سے خندق کو مکمل کیا۔ اس دوران آنحضرت ﷺ ایک عام مزدور کی حیثیت سے صحابہ کرام کے ہمراہ خندق کی کھدائی میں شریک رہے۔ پتھر کھودتے کھودتے اتفاقاً ایک سخت چٹان آگئی کسی کی ضرب کام نہیں دیتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تین دن کا فاقہ تھا اور پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا آپؐ نے دست مبارک سے پھاوڑا مارا تو چٹان ایک تودہ خاک تھی اور ساتھ ہی ہادی برحق ﷺ نے مسلمانوں کو یمن، ایران اور رومی علاقوں کی فتح کی نوید سنائی۔ منافقین نے سنا تو طنز کی کہ یہ وعدہ (نعوذ باللہ) محض فریب ہے۔

اسی اثنا میں ان مکانوں کی مرمت بھی کرالی گئی جو دشمن کی زد میں آسکتے تھے۔ عورتوں اور بچوں کو محفوظ حویلیوں میں یکجا کر دیا گیا اور ان کی پاسبانی کے لئے ان کی غیرت اور حمیت کا پہرا کافی سمجھا گیا صرف ایک مرد حضرت حسان بن ثابت جنہیں جنگ سے معاف رکھا گیا تھا، کو ان کی نگہداشت پر متعین کیا گیا۔ خندق کے اندرونی کنارے پر پتھر کے ایسے چھوٹے بڑے ٹکڑے جمع کردئے گئے جو وقت پڑنے پر دشمن پر برسائے جاسکیں۔ خندق کی تیاری کے بعد سلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر مجاہدین اسلام جن کی تعداد تین ہزار سے زائد نہ تھی، کی صف آرائی کی گئی آنحضرت ﷺ نے مجاہدین اسلام کو کئی دستوں میں تقسیم فرمایا اور انہیں خندق کے ساتھ ساتھ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر پھیلا دیا۔ خود آنحضرتؐ کے لئے سرخ رنگ کا خیمہ نصب کیا گیا۔ گو قبیلہ یہود بنو

قریظہ میثاق مدینہ کے تحت مسلمانوں کے حلیف تھے لیکن وہ اپنے قلعوں میں دروازے بند کرکے بیٹھ رہے۔ اس لئے ان کی نیش زن فطرت سے خدشہ لاحق تھا لہٰذا انہیں مرعوب کرنے کے لئے ہر رات اسلامی دستے شہر میں گشت لگاتے اور تکبیر کے نعرے بلند کرتے رہتے۔

مدینہ منورہ کا محاصرہ:

شوال ۵ ھ میں خندق کی تکمیل کے بعد جلد ہی ابوسفیان کی سرکردگی میں شہروں، صحراؤں اور جنگلوں کے وحشی اور درندہ صفت قبائل، قریش، یہود اور بت پرستوں پر مشتمل دس (۱۰) ہزار کا ٹڈی دل لشکر میدان احد میں پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ وہاں مسلمانوں کو نہ پاکر وہ ایک بپھرے ہوئے سیلاب کی شکل میں مدینہ کی طرف بڑھے۔ لیکن غیر متوقع خندق دیکھ کر وہ دل مسوس کر رہ گئے اور شش و پنج میں پڑ گئے۔ شہر میں داخلہ کی کوئی سبیل نہ تھی۔ خیمہ گاڑ کر بیٹھ گئے۔ قریش نے مجمع السیال کے پاس پڑاؤ کیا اور بنو غطفان احد کی طرف پھیل گئے۔ جب بھی خندق عبور کرنے کی کوشش کرتے، مجاہدین اسلام کے تیر ان کا استقبال کرتے۔ ابوسفیان نے دو ہفتے اسی ادھیڑ بن اور پیچ و تاب میں گزار دئے لیکن اس کا لاؤ لشکر اسلامی ذہانت اور حکمت کے سامنے بے بس اور ناچار تھا۔

ادھر مسلمان پوری طرح چوکنے تھے اور ان کے دستے باری باری خندق کی نگرانی کرتے اور دن رات وہاں پہرہ دیتے۔ دست بدست جنگ کا سوال ہی نہ تھا۔ کبھی کبھار طرفین سے تیراندازی یا سنگ باری ہو جاتی۔ بعض اوقات دشمن کے بعض نڈر سوار گھوڑے دوڑا کر خندق پر کرنے کی کوشش کرتے جو یا تو خندق میں گر کر ہلاک ہو جاتے یا پار آکر اسلامی سپاہیوں کی تلوار کا شکار جاتے۔ کفار نے شروع میں یہ ترکیب اختیار کی کہ عرب کے مشہور جرنیلوں کا ایک ایک دن معین کردیا۔ چنانچہ ہر جرنیل اپنی باری کے روز پوری فوج کو لڑاتا مگر خندق عبور کرنا ممکن نہ ہوا۔ آخر ایک روز عام حملہ کیا گیا اور ساری فوج حرکت میں آگئی۔ اتفاق سے ایک جگہ سے خندق کچھ کم چوڑی تھی وہاں سے عرب کا نامی پہلوان عمرو بن عبدود ضرار جبیدہ اور نوفل چند دیگر جوانوں کے ساتھ خندق عبور کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ عمرو بن عبدود نے مسلمانوں کو مقابلے کے لئے للکارا۔ حضرت علیؓ شیر خدا نے آگے بڑھ کر تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دئے اور تکبیر کا نعرہ بلند کیا عمرو کے باقی ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گر پڑا اور ہلاک ہوگیا۔ اس روز تمام دن معرکہ کارزار گرم رہا۔ یہی وہ دن ہے جب آنحضرت ﷺ کی چار

نمازیں قضا ہوئیں۔

مسلمانوں نے سیاسی حکمت عملی اور تدبیر سے کام لیتے ہوئے دشمنان اسلام کو بددل اور ہراساں کرنے کیلئے ان میں پھوٹ ڈال دی۔ وہ اس طرح کہ بنوغطفان کے ایک رئیس نعیم بن مسعود اشجعی اسلام لا چکے تھے۔ مگر ان کی قوم کو ابھی اس کا علم نہ تھا وہ آنحضور کی اجازت سے بنوقریظہ کے پاس پہنچے اور انہیں کہا کہ قریش اور بنوغطفان واپسی کی سوچ رہے ہیں۔ اگر وہ محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے تو مسلمانوں کا نشانہ آپ لوگ بن جائیں گے اور وہ آپ سے بدلہ لیے بغیر نہ رہیں گے۔ بہتر ہے کہ جب تک وہ کچھ آدمی بطور یرغمال آپ کے پاس نہ چھوڑیں، لڑائی میں ان کا ساتھ نہ دینا۔ بعدازاں نعیم مسعود قریش اور اپنی قوم بنوغطفان کے ہاں پہنچے اور کہا کہ بنوقریظہ کو تم پر اعتماد نہیں۔ انہوں نے سوچ کہ اگر ان کے ہاتھ قریش کے کچھ آدمی آ جائیں تو وہ انہیں مسلمانوں کو پیش کر کے ان کا اعتماد پھر سے حاصل کر لیں۔ پس اگر یہ خبر صحیح ہے تو بہت جلد وہ تم سے بطور یرغمال چند آدمیوں کا مطالبہ کریں گے۔ نعیم کی تقریر سن کر قریش کے دلوں میں قریظہ کی طرف سے بدگمانی پیدا ہوگئی اور انہوں نے اسی دن قبل از وقت یہودیوں کو آزمانے کے لئے پیام بھیجا کہ اے بنوقریظہ اپنا وعدہ پورا کرو اور صبح کو آمادہ جنگ ہو کر ہمارا ساتھ دو کہ تم اندر سے اور ہم باہر سے مسلمانوں پر یکدم یورش کریں۔ اور ان کو کچل کر رکھ دیں۔ قریظہ نے جواب کہلا بھیجا کہ کل ہفتہ ہے قابل عظمت دن ہمارے مذہب میں عبادت کا دن ہے جنگ کا نہیں تاہم اپنے اطمینان کی غرض سے ہم چاہتے ہیں کہ تم اپنے چند سردار یا ان کی اولاد بطور یرغمال ہمارے حوالے کرو تا کہ مسلمانوں کے حملہ کے وقت ان کی وجہ سے تمہاری امداد کا ہمیں وثوق رہے۔ اس پیام سے قریش اور غطفان کی بدگمانی پختہ ہوگئی کہ نعیم کا خیال بالکل صحیح ہے اور صاف انکار کہلا بھیجا کہ ہم اپنا کوئی سردار تمہارے حوالے کرنے کو تیار نہیں۔ بنوقریظہ نے جواب سنا تو انہیں بھی یقین ہو گیا کہ نعیم نے واقعی سچ کہا تھا غرض اس طرح قریش اور یہود میں پھوٹ پڑ گئی اور ان کا باہمی اتحاد ٹوٹ گیا۔

دشمنان اسلام کے دل اکھڑ چکے تھے۔ محاصرے کو مزید طول دینا ان کے لئے ناممکن تھا۔ ان کا سرمایہ اور رسد ختم ہو رہا تھا۔ ادھر ذوالحجہ کا مہینہ سر پر تھا جس میں قریش کو حج کے لئے انتظامات کرنے تھے۔ انہیں واپسی کی فکر دامنگیر تھی اور وہ بہانے سوچنے لگے تھے۔ قدرت نے بہانے تلاش کرنے میں ان کی پوری مدد کی۔ موسم کی مخالفت، جاڑے کی شدت، ہواؤں کی بے مہری، رسد اور چارہ کی قلت، سپاہیوں کا آئے دن بیمار پڑ اور ہلاک ہونا بیسیوں بہانے ان کے

ہاتھ آ گئے۔ طرہ یہ کہ عرب کے گونا گوں قبائل جو اپنی روایتی فطرت کے تحت یک دل اور یکجا ہو کر نہیں بیٹھ سکتے تھے، باہمی مخاصمت اور نااتفاقی کا شکار ہو گئے۔ ادھر بنوقریظہ کی علیحدگی اختیار کرنے سے قریش عجب ذہنی کشمکش کے عالم میں مبتلا ہو گئے۔

اور پھر ایک رات اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس زور کی آندھی چلی کہ کفار کے قدم اکھڑ گئے۔ یخ بستہ اور تیز ہوا سے ان کے خیمے اکھڑ گئے۔ دیگیں الٹ گئیں، رسد اور برتن مٹی سے بھر گئے، بادل کی کڑک اور طوفان انگیز بارش نے کفار کی مایوس فوج پر خوف وہراس طاری کر دیا۔ ابوسفیان نے جلسہ کیا اور کہا: کہ ادھر قریظہ نے غداری کی اور ادھر ہوا دشمن ہو رہی ہے، میں تو گھر کو جا رہا ہوں تم بھی سفر کرو۔ ابوسفیان سیدھا اپنے اونٹ کے پاس آیا۔ اونٹ کے گھٹنے بندھے ہوئے تھے۔ ابوسفیان نے بدحواسی میں اسے مارنا شروع کیا لیکن بے سود، ایک اور آدمی نے اس کی رسی کھولی تو وہ اٹھنے کے قابل ہوا۔ اس طرح قریش محاصرہ اٹھا کر ناکام ونامراد واپس لوٹ گئے۔ قریش کے بعد بنوغطفان نے میدان چھوڑ دیا۔ اس طرح آنحضرت ﷺ کی زندگی میں مدینہ پر دشمنان اسلام کا آخری حملہ ختم ہو گیا۔

چنانچہ جب رات کا پردہ اٹھا اور صبح ہوئی تو خندق پار کی سطح دشمن کے وجود سے صاف تھی۔ مسلمانوں نے شہر میں لوٹ کر خدا کے حضور ہدیہ تشکر پیش کیا کہ انہیں مصیبت سے نجات ملی اس غیبی امداد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یوں فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ (الاحزاب ۳۳-۹)

"اے ایمان والو اپنے حق میں اللہ کی اس نعمت کا تصور کرو جبکہ تمہارے خلاف لشکر جمع ہوئے اور ہم نے ان کے خلاف آندھی کی مصیبت بھیجی اور وہ غیبی لشکر بھیجے کہ جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ دیکھنے والا ہے"۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اب قریش کی لڑائیں ختم ہو گئیں۔ اب آئندہ ہم ان پر چڑھائی کریں گے"۔ یعنی اپنی قوت کو تو وہ بدر واحد میں آزما چکے تھے اور اب کی بار انہوں نے عرب بھر سے مخالفین اسلام کو مشکلوں سے سمیٹ کر دھاوا بولا تھا۔ سو وہ بھی ناکام گیا۔ اب جبکہ اتنی قوت کو دوبارہ مجمع کرنا ممکن

نہیں تو قریش کس طرح آئندہ کوئی معرکہ لڑ سکتے ہیں جبکہ بعد کا معرکہ اس سے زیادہ قوت طلب کرے گا۔

اس معرکہ میں فریقین کا جانی نقصان برائے نام ہوا۔ اور اسلامی فوج کا تو اور بھی کم، کل چھ آدمی شہید ہوئے۔ جن میں سعد بن معاذؓ جیسی عظیم شخصیت بھی شامل تھی۔ ان کو تیر کا زخم آیا جس کے باعث چند روز بعد (غزوہ بنوقریظہ کے بعد) انتقال کر گئے۔

غزوہ خندق اہمیت اور نتائج کے لحاظ سے بالکل فیصلہ کن تھا۔ دشمنان اسلام نے اسلام کے خلاف جارحانہ یلغاروں کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، یہ جنگ اس کی آخری کڑی تھی۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے جنگ کے اختتام پر فرمایا کہ:

''اب قریش کی چڑھائیاں ختم ہو گئیں، آئندہ ہم ان پر چڑھائی کریں گے''۔

آئندہ واقعات نے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان حرف بہ حرف صحیح ثابت کر دیا کہ قریش اس جنگ کے بعد اسلام کو مٹانے کے تمام حوصلے ہار بیٹھے ان کی جارحانہ قوت ختم ہو کر رہ گئی اس جنگ میں انہوں نے اپنی تمام عسکری وقبائلی قوت صف آرا کر دی تھی۔ اس سے زیادہ زور باندھنا اور اس کے بعد اسلام دشمن قوتوں کو یک دل اور یکجا کرنا ان کے بس میں نہ تھا ان کا جوش فرو ہو گیا اس کے برعکس مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ نیز آندھی اور طوفان کی صورت میں تائید غیبی نے اہل اسلام کی قوت ایمانی کو ہزار چند کر دیا تھا۔

جنگ احزاب میں مسلمانوں کی فتح جو اسلامی نقطہ نگاہ سے ایک عظیم فتح تھی، نے عرب قبائل پر یہ بات واضح کر دی کہ مسلمانوں کی فوج قوت بہت زیادہ ہے اس لئے عرب کے کونہ کونہ میں اسلامی دبدبہ کی دھاک بیٹھ گئی۔ دشمنان اسلام کے دل مرعوب ہو گئے۔ ان میں اہل اسلام سے برسرپیکار ہونے کی ہمت نہ رہی۔ اس جنگ کے بعد ہجرت کے چھٹے سال مسلمانوں کے بعض قبائل کے ساتھ نہایت کامیاب غزوات ہوئے۔ ان کامیابیوں سے شام، ساحل سمندر اور یمامہ تک کا علاقہ اہل اسلام کے زیر تسلط آ گیا اور قبائل نہ صرف مطیع ومنقاد ہو کر قریش مکہ کی بجائے تاجدار مدینہ کو عرب کی اہم ترین وسیاسی قوت شمار کرنے لگے بلکہ آہستہ آہستہ حلقہ بگوش اسلام بھی ہونے لگے۔

اس جنگ نے قریش کی سیادت کا خاتمہ کر دیا۔ قریش کا عرب میں بڑا بھرم تھا جو کھل گیا۔ میدان جنگ سے سب سے پہلے ابوسفیان نے کوچ کیا تھا اس لئے اس نے ایک لیڈر کی حیثیت سے غیر مستقل مزاجی کا ثبوت دے کر اپنا اعتماد کھو دیا۔ اس سے عرب قبائل قریش مکہ سے

بدظن ہو گئے اور انہوں نے قریش کی سیاسی سیادت سے منہ موڑ لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کی روحانی پیشوائی کا آبگینہ بھی پاش پاش ہو گیا۔

مدینہ سے یہود کا اخراج:

جنگ احزاب نتائج کے لحاظ سے اس لئے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ قدرت نے مدینہ کے آخری ناسور بنوقریظہ کو کاٹ پھینکنے کا موقع مہیا کر دیا۔ قبل ازیں یہود کے دو اہم قبیلے بنوقینقاع اور بنونضیر مسلمانوں کے خلاف اپنی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مدینہ چھوڑنے پر مجبور ہو چکے تھے اب جنگ احزاب کے دوران مدینہ سے تیسرے یہودی قبیلہ بنوقریظہ کی غداری اور عہد شکنی کا راز افشا ہو گیا۔ چنانچہ جنگ کے اختتام کے فوراً بعد آنحضرت ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا اور انہیں مدینہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ اس سے نہ صرف مدینہ یہود کی شرانگیزیوں اور ریشہ دوانیوں سے ہمیشہ کے لئے پاک ہو گیا بلکہ یہ شہر مسلمانوں کا مرکز ہو گیا۔ چنانچہ یہ امر مرکز اسلام کی مضبوطی کا باعث ہوا۔

صلح حدیبیہ

(ذیعقد ٦ ھ) مارچ ۶۲۸ء

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ٥ لِّیَغْفِرَلَکَ اللّٰہُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ٥ وَّیَنْصُرَکَ اللّٰہُ نَصْرًا عَزِیْزًا ٥ . (سورہ الفتح ۴۸ پ۲۶ آیت ۱-۳)

"(اے محمدؐ) ہم نے تم کو فتح دی۔ فتح بھی صریح اور صاف۔ تاکہ خدا تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کردے اور تمہیں سیدھے راستے پر چلائے اور خدا تمہاری زبردست مدد کرے"۔

مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کئے چھ برس گزر چکے تھے اور صرف ایمان لانے کے جرم میں جلاوطن ہوئے تھے ان کے دل اپنے وطن کی گلیوں اور کوچوں کو دیکھنے کو ترس گئے تھے۔ وطن کی محبت جس میں وہ پیدا ہوئے پھلے پھولے تھے کبھی کبھی ان کو بے چین بنا دیتی۔ ادھر طواف اور زیارت بیت اللہ کا شوق انہیں الگ گدگدا رہا تھا کہ ایک صبح رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک خواب سنایا کہ "میں نے دیکھا گویا میں اور مسلمان مکہ پہنچ گئے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں، نیز عمرہ ادا کرنے کے بعد کسی نے بال منڈوائے کسی نے کتروائے گویا شرعی رسم حلق یا قصر کی ادا کی۔ اس خواب کے سننے سے غریب الوطن مسلمانوں کو اس شوق نے جو بیت اللہ کے طواف کا ان کے دل میں تھا سخت بے چین کردیا اور انہوں نے اسی سال آنحضور ﷺ کو سفر مکہ کے لئے آمادہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی خود بھی بڑی خواہش تھی کہ کعبہ کی زیارت کریں کیونکہ کعبہ تمام عرب کا معبد تھا۔ قریش اس کے صرف محافظ تھے ان کو اختیار نہ تھا کہ اپنے دشمنوں کو بھی کعبہ کے طواف سے روکیں مگر قریش کی مذہبی عداوت کچھ اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ وہ کسی مسلمان کو حج یا عمرہ کرنے

کے لئے مکہ میں آنے دینا گوارہ نہیں کرتے تھے۔

ماہ ذیعقد ٦ ھ میں رسول اللہ ﷺ نے تمیلہ بن عبداللہ لیثیؓ کو مدینہ کا عامل مقرر کیا اور چودہ سو صحابہ کے ساتھ زیارت کعبہ کے لئے مکہ روانہ ہوئے۔ اس خیال سے کہ اہل مکہ جنگ کا گمان نہ کریں قربانی کے ستر (۷۰) اونٹ، جن میں ابوجہل کی سواری کا وہ اونٹ بھی تھا جو غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا۔ ساتھ لے لیے اور اسلحہ میں تلوار کے سوا جسے عرب کسی حالت میں اپنے تن سے جدا نہ کرتے تھے مزید کوئی چیز اپنے ساتھ نہ لی۔

ذوالحلیفہ پہنچ کر آنحضور ﷺ نے عمرہ کی ابتدائی رسمیں ادا کیں یعنی احرام باندھ لیا اور قربانی کے ستر (۷۰) اونٹوں کو نذر اللہ ہونے کی علامت یعنی قلادہ اور اشعار سے سجا لیا گویا آپ نے بصورت حال اطلاع دے دی کہ ہمارا قصد جنگ کا نہیں بلکہ زیارت بیت اللہ ہے۔ یہیں آپ کو خبر ملی کہ اہل مکہ جنگ پر آمادہ ہیں۔ لہٰذا آپؐ نے مدینہ سے اسلحہ منگوالیا اور قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص بشر بن سفیان کعبی کو قریش مکہ کی جاسوسی کے لئے آگے بھیجا۔

قریش مکہ کو مسلمانوں کے عزائم کی خبر ملی تو انہوں نے راہ روکنے کا تہیہ کرلیا اور پیغام بھیج کر تمام حلیف قبائل کو جنگ کے لئے جمع کرلیا۔ آنحضور ﷺ ذوالحلیفہ سے بڑھ کر عسفان کے قریب غدیر اشطاط کے مقام پر پہنچے تو جاسوس بشر بن سفیان کعبی نے آکر اطلاع دی کہ قریش اپنے حلیف قبائل کو ساتھ لے کر بلدح کے مقام پر خیمہ زن ہیں اور خالد بن ولید کی سرکردگی میں ان کا ہراول دستہ کراع الغمیم کے مقام پر مقیم ہے کہ آپ کو آگے بڑھنے سے روکا جائے۔ چنانچہ آپؐ نے صحابہ کرام سے مشورہ کے بعد وہ راستہ چھوڑ دیا اور پہاڑی کے راستہ سے تنگ و دشوار گھاٹیوں کو قطع کرتے ہوئے حدیبیہ میں پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں حدیبیہ نام کا ایک کنواں تھا جس سے یہ میدان موسوم تھا۔ یہ میدان مکہ کے علاقہ میں شامل تھا۔ قرآن حکیم نے اسے بطن مکہ یعنی وادی مکہ کہا ہے۔ آج کل اس جگہ کو شمیسی کہتے ہیں یہ مکہ سے بارہ تیرہ میل دور جدہ اور مکہ کی راہ پر واقع ہے

گفت وشنید:

قریش مکہ کو جب آنحضور ﷺ کے حدیبیہ میں پڑاؤ کرنے کا علم ہوا تو مقابلہ کے لیے تیار ہوگئے اور تہیہ کرلیا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ قبیلہ خزاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا اس کا رئیس بدیل بن ورقا خزاعی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو قریش کے عزائم سے مطلع کیا۔ آپ نے فرمایا:

"قریش سے جا کر کہہ دو کہ ہم صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں ہمیں جنگ مطلوب نہیں۔ جنگوں نے قریش کا کچومر نکال دیا ہے ان کے لیے یہ بہتر ہے کہ ایک معینہ مدت کے لیے صلح کر لیں اور مجھ کو عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ اگر اس پر بھی وہ راضی نہیں تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کر دے۔"

گویا آپؐ نے مصالحت کی راہ کی طرف اشارہ بھی کر دیا۔ الٹی میٹم بھی دے دیا اور قریش کی پتلی حالت پر توجہ بھی دلا دی۔ جب بدیل نے یہ پیغام قریش کو پہنچایا تو ایک معمر اور تجربہ کار شخص عروہ بن مسعود نے کہا محمدؐ نے بڑی معقول شرطیں پیش کی ہیں مجھ کو اجازت دو کہ میں خود جا کر معاملہ طے کر آؤں۔ چنانچہ قریش نے عروہ بن مسعود کو سفیر بنا کر بھیجا۔ اس نے رسول اللہؐ سے جا کر کہا:

"اے محمدؐ قریش تمہارا کنبہ اور برادری ہے۔ اگر تم ان سے لڑے اور فرض کرو کہ غالب آئے تو کیا تمؐ سے پہلے کوئی گذرا ہے جس نے اپنی قوم کو یوں برباد کیا ہو اور اگر معاملہ الٹا ہوا کہ وہ تمؐ پر حاوی ہو گئے تو خوب یاد رکھو یہ مختصر جماعت جو تمہارےؐ ساتھ ہو گئی ہے اور اپنی مدد کے بھروسے پر تمؐ کو ابھارے پھرتی ہے کام نہ آئے گی۔ تمؐ کو اکیلا چھوڑ کر سب بھاگ کھڑے ہوں گے۔ وقت پڑنے پر ان میں سے کوئی بھی تمہاراؐ ساتھ نہ دے گا۔"

اس پر ابوبکرؓ غصے سے بیتاب ہو گئے اور ایسا سخت جواب دیا کہ عروہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ البتہ اتنا کہہ کر چپ رہا کہ "میں ابوبکرؓ کی سخت کلامی کا جواب دیتا مگر مجھ پر ان ؓ کا پہلے زمانے کا ایک ایسا احسان ہے جسے میں اب تک اتار نہیں سکا"۔ عروہ اپنی ملکی رسم کے موافق رسول مقبول ﷺ سے باتیں کرنے میں اپنا ہاتھ بار بار ریش مبارک کی طرف بڑھاتا تھا جس کا مطلب صرف یہ تھا کہ توجہ کے ساتھ بات سنئے۔ لیکن آپؐ کے جاں نثار صحابہ کو یہ حرکت کس طرح پسند آ سکتی تھی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جو خود پہنے اور تلوار ہاتھ میں لیے آنحضرتؐ کے پاس کھڑے تھے، ضبط نہ کر سکے اور اور عروہ کے ہاتھ بڑھاتے ہی تلوار کا قبضہ اس کے ہاتھ پر مار کر فرمایا کہ: ہاتھ دور رکھ۔ اور پرے ہٹ کر ادب سے بات کر ورنہ یہ (ہاتھ) واپس نہیں جائے گا۔ آنحضرت ﷺ نے عروہ بن مسعود کو جواب دیا کہ میری نیت لڑنے کی نہیں البتہ اگر قریش لڑیں گے تو میں مدافعت

ضرور کروں گا۔ ہم صرف عمرہ کرنے کی نیت سے آئے ہیں۔

اگرچہ عروہ بن مسعود ثقفی کی سفارت نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی لیکن دربار نبوتؐ کے تاثرات اس کے دل پر ایسے نقش ہوئے کہ اس نے واپس آ کر قریش کو کہا واللہ! میں نے نجاشی حبش، قیصر روم اور کسریٰ ایران کے دربار دیکھے ہیں لیکن جتنی تعظیم محمد ﷺ کے ساتھی آپؐ کی کرتے ہیں، وہ نجاشی، قیصر و کسریٰ کو اپنے درباروں میں نصیب نہیں۔ محمدؐ کے وضو کا پانی گرتا ہے تو زمین پر گرنے سے قبل تبرک سمجھ کر صحابہ ہاتھوں پر لیتے اور منہ و آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ جب وہ کلام کرتا ہے تو سب کے سب چپ ہو جاتے ہیں۔ ان کے دل میں محمدؐ کا اتنا ادب ہے کہ اس کے سامنے نگاہ تک نہیں اٹھاتے اور ایک ایک اشارے پر کٹ مرنے کو ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ میری رائے ہے کہ انؐ سے صلح کر لو۔

اب قریش نے قبیلہ احابش کے سردار حلیس بن علقمہ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ وہ قربانی کے جانور دیکھ کر ہی واپس آیا اور قریش سے دوٹوک کہا: محمد ﷺ سے جنگ نہ کرو ورنہ میں اپنے قبیلوں کو لے کر چلا جاؤں گا۔

اس پر بھی مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی اجازت نہ ملی تو گفت و شنید کے سلسلے کو آگے بڑھانے کے لئے آنحضرتؐ نے قریش مکہ کے پاس اپنے ایک صحابی خراش بن امیہؓ بھیجا۔ مگر قریش نے گفت و شنید کی بجائے اور بین القبائلی قانون کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان کی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا اور وہ بڑی مشکل سے جان بچا کر واپس آئے۔ دوسرے روز فجر کی نماز کے وقت قریش کے اسی (۸۰) آدمیوں کے ایک دستے نے اچانک پہاڑی سے نکل کر مسلمانوں کے کیمپ پر حملہ کیا مگر صحابہؓ نے سب کو گرفتار کر لیا۔ لیکن رحمۃ اللعالمین نے درگزر سے کام لیتے ہوئے انہیں آزاد کر دیا۔

بیعت رضوان:

اب آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو قریش کے پاس مصالحت کے لئے بھیجنا چاہا لیکن انہوں نے معذرت کرتے ہوئے عرض کیا: یا رسول اللہؐ قریش مجھ پر جس قدر برہم ہیں، آپؐ سے پوشیدہ نہیں اور میں بھی ان کے حق میں بہتر نہیں ہوں۔ نیز مکہ میں میرے خاندان بنی عدی کا ایک شخص بھی نہیں کہ مجھ کو پناہ دے سکے۔ اگر آپؐ عثمان بن عفانؓ کو بھیج دیں تو مناسب ہوگا۔ اہل مکہ ان کی بے حد تعظیم کرتے ہیں۔

اس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو مکہ روانہ کیا اور ہدایت فرمائی کہ مکہ کے بے
و بے کس مسلمانوں کو فتح قریب اور ظفر مندی کی بشارت دیں۔ وہؓ اپنے ایک عزیز ابان بن سعی
پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے اور آنحضرت ﷺ کا پیغام ابوسفیان و دیگر روسائے مکہ کو پہنچایا۔
افسوس قریش مکہ اپنی ضد سے باز نہ آئے۔ اور حضرت عثمانؓ کو جواب دیا کہ ''اے عثمانؓ! محمد کو
تو جیتے جی مکہ میں داخل ہونے نہ دیں گے۔ البتہ تم اگر چاہو تو اپنا عمرہ پورا کرلو۔ مگر حضرت عثمانؓ
نے قریش کو جواب دیا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں بیت اللہ کا طواف کروں اور میرے آقا جناب
رسول اللہؐ رکے ہوئے حدیبیہ میں پڑے ہوں۔ اس کے بعد چونکہ بات چیت میں کچھ وقفہ
آیا جس سے حضرت عثمانؓ کا قیام طول پکڑ گیا۔ ادھر مسلمانوں میں اس تاخیر سے اور قریش کے
سابق سلوک کے باعث یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کو اس خبر سے سخت صدمہ ہوا اور آپؐ نے جوش کے عالم میں حدیبیہ
کے میدان میں ببول کے ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر مسلمانوں سے اس امر پر بیعت لی کہ
اگر قصاص عثمان کے لئے قریش سے لڑنا بھی پڑا تو وہ آخری دم تک ثابت قدم رہیں گے۔ چنانچہ
مسلمانوں نے اتباع رسولؐ کے سلسلے میں اپنے جذبہ اطاعت کا ایسا والہانہ مظاہرہ کیا کہ آنحضرت
نے فرمایا کہ ''آج کے دن تم لوگ زمین والوں سے افضل ہو گئے''۔

بیعت کرنے والوں کی تعداد (بجز ایک منافق جد بن قیس کے) چودہ سو تھی اس بیعت
کی تاریخ اسلام میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

''(اے پیغمبرؐ) اللہ تعالیٰ ان مومنین سے راضی ہوا جب وہ تیرے ہاتھ پر
درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے''۔ (سورہ الفتح ۴۸ پ ۲۶ آیت ۱۸)

قرآن حکیم کے اس ارشاد کی نسبت سے اس بیعت کا نام بیعت رضوان پڑا۔ بیعت
رضوان میں حصہ لینے والوں کو اصحاب الشجرہ بھی کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے شجرہ یعنی درخت کے نیچے
بیعت کی تھی۔ بدیں وجہ اس بیعت کو بیعت الشجرہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس بیعت میں آنحضرت ﷺ
نے اپنے بائیں ہاتھ کو عثمانؓ کا داہنا ہاتھ قرار دیا اور ان کی جانب سے اپنے داہنے ہاتھ پر بیعت کی۔
بعد میں یہ ہوا کہ یہ افواہ بے بنیاد تھی اور حضرت عثمانؓ بخیریت صحیح و سلامت واپس پہنچ گئے۔

صلح حدیبیہ:

بیعت رضوان کا حال سن کر قریش مکہ ڈر گئے۔ قبل ازیں ان کے جتنے سفیر آئے تھے ان
کا مقصد دھونس جمانا تھا لیکن اب قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور مصالحت پر آمادہ ہو گئے۔
چنانچہ انہوں نے اپنے ایک فصیح و بلیغ خطیب سہیل بن عمرو کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں صلح کی
گفتگو کے لئے بھیجا۔ رسول اکرمؐ نے اسے دیکھتے ہی کہہ دیا کہ قریش نے اس آدمی کو بھیجا ہے۔ تو
پھر وہ صلح پر تیار ہو گئے ہیں۔ بالآخر طویل بحث و مذاکرہ کے بعد مندرجہ ذیل صلح نامہ پر اتفاق ہوا:

یہ صلحنامہ (معاہدہ) محمد بن عبداللہ (ﷺ) اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پایا ہے
انہوں نے یہ سمجھوتہ کیا ہے کہ:

۱۔ فریقین دس برس کے لئے جنگ بندی اور صلح رکھیں گے اور سب امن و امان سے رہیں گے کوئی کسی پر دست درازی نہیں کرے گا۔

۲۔ قبائل عرب کو مکمل اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ معاہدہ کر سکتے ہیں۔

۳۔ قریش میں سے اگر کوئی شخص بگوش اسلام ہو کر مدینہ چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا اور اگر محمد ﷺ کے اصحاب میں سے کوئی شخص اسلام چھوڑ کر قریش کے پاس آ جائے گا تو اسے واپس نہ کیا جائے گا۔

۴۔ محمد ﷺ اس سال بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں۔ اگلے سال حج کے لئے آئیں اور صرف تین روز حرم میں قیام کریں۔ اس دوران قریش تین روز کے لئے مکہ سے نکل جائیں گے۔

۵۔ اگلے سال مسلمان آئیں تو ان کے پاس تلوار کے سوا اور کوئی ہتھیار نہ ہو اور وہ بھی نیام میں ہو۔

۶۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں مسلمان ان کو جاتی دفعہ اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے۔

۷۔ قریش کے تجارتی قافلے حدود مدینہ سے گزریں تو ان کو امان حاصل ہوگی۔

صلح نامہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے تحریر کیا۔ معاہدہ ایسے نازک ماحول میں لکھا جا رہا تھا کہ

بات بات پر کھچاؤ پیدا ہونے لگتا۔ جب آنحضورﷺ کے حکم پر علی مرتضیٰؓ نے ابتدائیہ طور پر "بسم
الله الرحمٰن الرحیم" لکھا تو قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا کہ "میں نہیں جانتا
رحمٰن کون ہے" وہی باسمک اللھم لکھوائیں جو ہم ہمیشہ سے لکھتے آئے ہیں۔ چونکہ اس کلمہ میں شرک
کی کوئی بات نہ تھی اس لئے آپؐ نے وہی لکھ دینے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے اثنائے
تحریر میں محمد رسول اللہ لکھا تو سہیل پھر معترض ہوا۔ کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول سمجھتے تو آپ سے
جنگ نہ کرتے لہٰذا اپنا نام محمد بن عبداللہ لکھوایئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور
عبداللہ کا بیٹا بھی ہوں میرے لئے دونوں خطاب صحیح ہیں اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ کی
جگہ ابن عبداللہ لکھ دو حضرت علیؓ کو اپنے ہاتھ سے رسول اللہ کے الفاظ کاٹنے گوارا نہ تھے اس لئے
آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ان الفاظ پر قلم پھیر دی۔

معاہدہ ابھی زیر تحریر تھا کہ قریشی سفیر سہیل بن عمرو کے فرزند ابوجندلؓ جو مسلمان ہو چکے
تھے اور اس جرم میں طرح طرح کے مصائب جھیل رہے تھے کسی طرح موقعہ پا کر زنجیروں سمیت مکہ
سے بھاگ کر مسلمانوں کی فرودگاہ میں پہنچ گئے۔ سہیل نے ابوجندلؓ کو دیکھ کر نامکمل دستاویز ہاتھ سے
ڈال دی اور کہا اے محمدﷺ مجوزہ شرط کے مطابق یہی پہلا شخص ہے جسے آپ کو واپس کرنا ہوگا۔ حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا دستاویز ابھی نامکمل ہے اور شرائط کی پابندی اس کی تحریر کے ختم ہونے پر
لازم ہوگی مگر سہیل نہ مانا۔ آخر کار رسول اللہﷺ کے حکم سے ستم رسیدہ نو مسلم کا ہاتھ پھر کافروں کے
ظالم پنجوں میں دے دینا پڑا۔ ابوجندلؓ نے جسم کے نیل دکھا کر جو مشرکین کے ظلم سے پڑ گئے تھے
مسلمانوں سے فریاد کی کہ کیا پھر اسی عذاب کے لئے کفار کے حوالہ کرتے ہو! مسلمان ان کی دردانگیز
فریاد سن کر تڑپ اٹھے لیکن آنحضورﷺ نے اپنا فیصلہ قائم رکھا اور فرمایا ابوجندل خدا تیری کشائش کے
لئے کوئی سبیل نکال دے گا۔ حضرت عمرؓ نے بھی انہیں حوصلہ دلایا۔

بالآخر صلح طے پا گئی اور صلح کی شرائط پر فریقین میں سے حضرت ابوبکر عمر بن خطاب
بن ابی طالب وعبدالرحمٰن بن عوف وعبداللہ بن سہیل وسعد بن ابی وقاص ومحمود بن مسلمہ رضی اللہ
عنہم اور مکرز بن حفص کے جو کہ اس وقت مشرک تھے، دستخط ہو کر صلحنامہ کی تکمیل ہوگئی۔ آنحضور
اس صلح کے مطابق اس سال عمرہ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دینا پڑا۔ چنانچہ صلح نامہ کی تکمیل کے بعد
آپؐ نے قربانی دی اور خراش بن امیہ خزاعی سے حلق راس کروایا یعنی سر منڈوایا اور احرام کھول دیا۔
جب مسلمانوں نے دیکھا کہ رسول اللہؐ احرام کھول چکے ہیں تو وہ بھی لپکے اور کسی نے سر منڈوایا اور
کسی نے بال کتروانے پر اکتفا کیا غرض سب نے احرام کھول دئے۔

احرام کھولنے کے بعد بھی آنحضورﷺ حدیبیہ میں بیس (۲۰) دن تک ٹھہرے رہے
اس اثنا میں بعض مسلمان ایک دوسرے سے معاہدہ کی حکمت پر بحث و تمحیص کرتے رہے بعض اس
پر مطمئن تھے اور بعض ناخوش فکر ہر کس بقدر ہمت اوست حتیٰ کہ حضورؐ نے مدینہ کو واپسی کے لئے
کوچ فرمایا۔ مدینہ جاتے ہوئے راستہ میں سورۃ الفتح ۴۸ نازل ہوئی۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا

"ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی"۔

آنحضورﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کو یہ آیت سنائی اور فرمایا کہ یہ مجھے تمام دنیا سے
عزیز ہے۔ حضرت عمرؓ نے حیرت سے پوچھا کہ واقعی یہ فتح مبین ہے؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں یہ فتح
مبین ہے۔ چنانچہ اس سے صلح نامہ کی شرائط کے کے بارے میں حضرت عمرؓ کے جذبات میں
اضطراب کی جو کیفیت تھی وہ یقین واطمینان میں بدل گئی اور انہوں نے معاہدہ کے موقع پر حمیت
حق کے مخلصانہ جذبے میں جو جذباتی مظاہرہ کیا تھا اس کی تلافی کے لئے وہ مدتوں نفل عبادات
انجام دے دے کر خدا سے عفوطلبی کرتے رہے۔

گو صلح حدیبیہ بظاہر مغلوبانہ صلح تھی اور اس سے صحابہؓ بالعموم شکستہ دل ہو گئے تھے لیکن
درحقیقت یہ تاریخ اسلام کا ایک اہم واقعہ تھا۔ جو اہل اسلام کی مستقبل کی فتوحات اور کامرانیوں کا
پیش خیمہ بنا۔ مورخین صلح حدیبیہ کو آنحضرتﷺ کی دور بینی، معاملہ فہمی اور سیاسی تدبر کا شاہ کار
قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اسے دور رس مادی اور روحانی نتائج و اہمیت کا
حامل قرار دیا ہے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

حدیبیہ سے واپسی پر، راستے میں سورہ الفتح کی آیات نازل ہوئیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ
نے صلح حدیبیہ کو "فتح مبین" قرار دیا اور مسلمانوں کو بشارتیں دیں کہ تم عنقریب ایک ایسے معرکہ
(خیبر) میں فتح حاصل کرو گے جس میں تم کو بہت سا مال غنیمت ملے گا۔ جو اس وقت تمہاری
طاقت سے باہر ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی گرفت میں لے کر محفوظ کر رکھا ہے۔ پھر بتایا
کہ اگرچہ مشرکین مکہ کو تم آج بھی شکست دے سکتے تھے لیکن ان کے درمیان ایسے مرد و زن
گھرے ہوئے ہیں جو مخفی طور پر دین حق کو مان چکے ہیں۔ اگر جنگ ہو جاتی تو وہ مجبوراً تمہارے
مقابلے پر آتے اور تم انہیں نہ جاننے کی وجہ سے نشانہ بناتے۔ پس اللہ تعالیٰ کی یہ خاص مہربانی
ہوئی کہ اس نے دونوں گروہوں کو ٹکراؤ سے روکا ورنہ اگر تصادم ہو جاتا تو وہ سارے فوائد نتائج ختم
ہو جاتے جو نہایت آسانی سے حاصل ہو رہے تھے۔

قریش صلح حدیبیہ سے قبل مسلمانوں کا ایک الگ اور مستقل وجود تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ وہ مسلمانوں کے انسانی حقوق اور جان ومال کی آزادی کو بھی نہیں مانتے تھے۔ بلکہ انہیں حرف غلط سمجھ کر مٹانے کے درپے تھے۔ لیکن صلح حدیبیہ نے فریقین کو عرب معاشرہ میں مساوی مقام دیا اور قریش نے ملت اسلامیہ کو ایک ذی اقتدار فریق کی حیثیت سے تسلیم کرلیا۔ اس سے جہاں عرب معاشرے میں قریش کی مذہبی وسیاسی فوقیت اور برتری متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی وہاں یہ اہل اسلام کی بہت بڑی فتح بھی ثابت ہوئی کہ انہیں جنگ وتصادم کے بغیر مکہ معظّمہ میں دوبارہ قدم رکھنے کا حق مل گیا، جہاں کے پر غرور لوگ انہیں زندہ دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے اور جنہوں نے ان کے خلاف بڑی بڑی جنگیں برپا کی تھیں۔

یہ معاہدہ مسلمانوں کی امن پسندی اور صلح جوئی کا ایک بین ثبوت تھا۔ چنانچہ ہمسایہ قبائل پر اس کا بہت اچھا اثر ہوا۔ ہجرت مدینہ سے لے کر صلح حدیبیہ تک مسلسل مسلمان اور قریش برسر پیکار رہے تھے۔ بعض جنگوں میں اکثر عرب قبائل بھی ان کے حلیف تھے۔ ان حالات میں قبائل کو بدامنی اور بدنظمی کی فضا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے اور نزدیک سے آپؐ کی شخصیت کا مطالعہ کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ لہٰذا تبلیغ کا کام جو امن کی فضا ہی میں انجام پا سکتا تھا، کما حقہ، نہ ہوسکا۔
صلح حدیبیہ نے نہ صرف قریش کی یلغار کے خطرے کو ختم کر دیا بلکہ فریقین کو عرب معاشرے میں مساوی مقام دے دیا۔ نیز قریش نے اسلام کو ملک کے مروجہ مذاہب میں ایک مستقل دین بھی تسلیم کرلیا۔ چنانچہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدو قبائل کو اسلام کی دعوت دی تو وہ برضا ورغبت حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ کیونکہ اب انہیں قریش کا خوف وڈر نہیں تھا۔ علاوہ ازیں صلح حدیبیہ کی رو سے بھی انہیں آزادی تھی کہ وہ جس فریق سے چاہیں، حلیفانہ تعلقات قائم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ متعدد قبائل نے سطوت اسلام کو قبول کر کے مدینہ کی دولت مشترکہ میں شمولیت اختیار کرلی۔
قبیلہ بنو خزاعہ نے حدیبیہ ہی میں مسلمانوں سے دوستی کا اعلان کر دیا تھا جبکہ ان کے حریف اور اسلام کے قدیم دشمن قبیلہ بنو بکر نے قریش سے معاہدہ کیا۔ بعد میں انہی دو قبیلوں کی باہمی مخاصمت اور دشمنی بالآخر فتح کا باعث بنی۔
صلح نامہ حدیبیہ کے نتیجہ کے طور پر اسلام کی تبلیغ واشاعت میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔ صلح سے قبل مسلمان کافروں سے الگ تھلگ رہے تھے۔ اس کے بعد دونوں میں میل ملاپ اور آمد ورفت شروع ہوئی۔ مسلمان اب عرب میں بے خوف وخطر نقل وحرکت کرنے لگے۔ انہیں دلائل اسلام پیش کرنے کی آزادی ملی۔ نیز ناواقفوں میں جو غلط فہمیاں اور بدگمانیاں تھیں، وہ

باہمی روابط اور میل جول سے دور ہوگئیں۔ چونکہ ہر مسلمان اسلام کی سچی تصویر تھا۔ اس تصویر کو دیکھ کر اور تبادلہ خیالات سے کفار کے دل خود بخود اسلام کی طرف کھینچنے لگے اور اسلام نہایت سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک دو برس کے عرصہ میں اسلام کی اس قدر اشاعت ہوئی کہ گذشتہ انیس (۱۹) برس میں نہ ہوئی تھی۔
صلح حدیبیہ کے موقع پر تقریباً ڈیڑھ ہزار اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ لیکن جب دو برس بعد آپؐ مکہ کی طرف بڑھے تو دس (۱۰) ہزار سپاہ آپؐ کی ہمرکاب تھی۔ امام ابوشہاب زہری رقمطراز ہیں کہ:
"قبل ازیں جنگ وجدل کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل نہیں سکتے تھے مگر جب حدیبیہ کی صلح ہوئی اور لڑائی بند ہوگئی اور ہر طرف امن قائم ہوگیا تو لوگ ایک دوسرے سے ملنے لگے اور انہیں باہم گفتگو کا موقع ملنے لگا۔ اس طرح ان کو اسلام کی حقانیت اور حقیقت معلوم کرنے کے موقعے ملے۔ چنانچہ جس شخص کی زبان پر اسلام کا تذکرہ آتا، وہ بالآخر اسلام کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ اس وجہ سے بھی دو سال کے عرصے میں اس کثرت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے کہ پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے"۔
صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لانے والوں میں خالد بن ولید اور عمرو بن العاص جیسی مقتدر اور معروف شخصیت بھی شامل تھیں۔ ان اصحاب کے اسلام لانے کا قصہ یوں ہے کہ حضرت عمرو بن عاص جنگ خندق کے بعد مایوس ہو کر چند آدمیوں کے ہمراہ حبشہ ہجرت کر گئے۔ لیکن وہاں شاہ حبش نجاشی کے ہاتھ پر ایمان لائے اور وطن کو پلٹے۔ ساحل سے مدینے کا رخ کیا۔ راستہ میں خالد بن ولید سے ملاقات ہوئی جو عثمان بن طلحہ کے ہمراہ قبول اسلام کے لئے مدینے جا رہے تھے۔ چنانچہ یہ تینوں ساتھی دربار رسالت میں پہنچے اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ حضرت خالد کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات مدت سے جاگزیں تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غالب آئیں گے۔ لیکن جب حدیبیہ کو جاتے ہوئے رسالت مآبؐ نے میرے رسالے کے سامنے نماز ادا فرمائی تو میرے دل پر گہرا اثر پڑا۔ صلح حدیبیہ کے بعد میری ہمت ٹوٹ گئی اور میں سوچنے لگا کہ کدھر کو ہجرت کروں حتیٰ کہ مدینے سے میرے بھائی کا خط آیا جس میں اسلام کی دعوت تھی۔ میں چل پڑا اور رستے میں عمرو بن العاصؓ بھی مل گئے۔ جب یہ تینوں نامی سردار جن کی شرافت اور حسب ونسب سارے عرب میں مسلمہ تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ جا پہنچے تو حضورؐ نے فرمایا: آج مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے ہمیں دے ڈالے ہیں۔

مسلمان جس شرط کو تسلیم کر کے اپنا پلڑا جھکتا محسوس کرتے تھے اور جو ان کے دل میں خار مغیلاں کی طرح کھٹکتی تھی وہ یہ تھی کہ قریش کا کوئی آدمی اگر مسلمان ہو کر مدینے چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے اور اگر کوئی مسلمان اسلام سے پھر کر مکہ میں آ جائے تو اسے واپس نہ کیا جائے گا۔ مگر معاہدہ کی یہی شرط قریش کے لئے وبال جان بن گئی۔ معاہدہ کی رو سے ابوجندل واپس کیا گیا تھا انہوں نے قید خانہ مکہ میں پہنچ کر دین حق کی تبلیغ شروع کر دی جو کوئی ان کی نگرانی پر مامور ہوتا، وہ اسے توحید کی خوبیاں سناتے، اللہ کی عظمت وجلال بیان کر کے ایمان کی دعوت دیا کرتا۔ خدا کی قدرت کہ ابوجندلؓ اپنے عزم میں کامیاب ہو جاتے اور وہ شخص مسلمان ہو جاتا۔ قریش اس دوسرے ایمان لانے والے کو بھی قید کر دیتے۔ اب یہ دونوں مل کر تبلیغ کا کام اس قید خانے میں کرتے۔ الغرض ابوجندلؓ کے قید ہو کر مکہ پہنچ جانے کے نتیجے میں ایک سال کے اندر تقریباً تین سو اشخاص ایمان لے آئے اب قریش پچھتائے کہ ہم نے کیوں عہد نامہ میں ان اہل مدینہ والوں کو واپس لینے کی شرط درج کرائی۔ صلح حدیبیہ کی رو سے مکہ کے ستم رسیدہ مسلمانوں کی خلاصی کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی کشائش کے لئے ایک راستہ کھول دیا کہ ان میں سے ایک تختہ مشق ستم مظلوم مسلمان! ابو بصیر مکہ سے بھاگ کر مدینے پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ قریش نے ان کی واپسی کے لئے دو آدمی بھیجے۔ آنحضرت ﷺ نے معاہدہ کے مطابق ابو بصیرؓ کو واپس کر دیا۔ ابو بصیرؓ نے راستے میں ذوالحلیفہ کے مقام پر اپنے محافظوں میں سے ایک کو قتل کر دیا اور مدینہ واپس آ کر آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ آپؐ نے مجھے واپس کر کے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب آپؐ کی ذمہ داری ختم ہو گئی۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''عجب لڑائی بھڑکانے والا شخص ہے اگر کچھ لوگ ساتھی ہوتے'' ابو بصیر سمجھ گئے کہ آپؐ کو میرا مدینہ میں رہنا پسند نہیں، مناسب ہے کہ باہر رہوں چنانچہ وہ مدینہ چھوڑ کر ساحلی علاقے کی طرف نکل گئے اور ساحل شام پر عیص کے مقام پر آباد ہو گئے۔ اس سے مکہ کے دوسرے ستم رسیدہ مسلمانوں کے لئے راستہ کھل گیا۔ چنانچہ وہ بھاگ بھاگ کر ان کے پاس پہنچ گئے۔ ان میں ابوجندل بھی تھے یہاں تک کہ ان کی تعداد ستر (۷۰) تک پہنچ گئی اور انہوں نے قریش کے تجارتی قافلوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ اس لئے قریش نے مجبور ہو کر مکہ کے چند منتخب شخصوں کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ ہم عہد نامہ کی شرط سے دستبردار ہوتے ہیں۔ ان نو مسلموں کو اپنے پاس بلا لیجئے۔ اس شرط کی تنسیخ کے بعد آپؐ نے آوارہ وطن مسلمانوں کو مدینے سے واپس بلا لیا۔

گو صلح حدیبیہ سے قریش کو فوری طور پر متعدد اقتصادی فوائد حاصل ہوئے۔ انہیں

اور عراق سے تجارت کرنے کی آزادی حاصل ہو گئی۔ مگر جب بنو حنیفہ کا سردار ثمامہ بن اثال اسلام لے آیا تو اس نے قریش پر غلہ بند کر دیا۔ قریش پہلے ہی ایک عرصہ سے قحط سالی میں مبتلا تھے اب ثمامہ بن اثال کے غلہ بند کرنے سے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ مردار جانوروں کی گلی سڑی لاشیں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ جب صورت حال ہی ناگفتہ بہ ہو گئی تو ابوسفیان مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی کہ آپؐ کی قوم قحط سالی سے ہلاک ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ قحط سالی دور ہو۔ آپؐ نے نہ صرف دعا فرمائی بلکہ غربائے قریش کے لئے پانچ سو دینار نقد دیئے اور ابوسفیان کو کھجوروں کا تحفہ دیا۔ آپؐ نے ثمامہ بن اثال کو ایک فرمان کے ذریعے ہدایت کی کہ وہ قریش کا غلہ نہ روکے۔ ابوسفیان نے آپؐ کے خدمت میں چمڑے کی ایک مقدار پیش کی۔ قریش کی طرف سے یہ پہلا اور برملا اعتراف شکست تھا۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ کو جنگ وجدال سے کسی قدر اطمینان حاصل ہوا اور ملت اسلامیہ کی ذہنی واخلاقی اصلاح اور اسلامی ریاست کے نظم ونسق کی تعمیر کا کام انجام دینے کے لئے یکسوئی حاصل ہو گئی۔ تو آپؐ نے پڑوسی ممالک کے سربراہوں کو قبول اسلام کے دعوت نامے بھیجے نتیجتاً کئی سردار اور ملوک حلقہ بہ گوش اسلام ہو گئے اور اسلام بہت جلد بین الاقوامی حیثیت اختیار کر گیا۔

اس صلح کے بعد مسلمانوں کو عام غزوات کے سلسلہ میں قدم قدم پر کامرانیاں حاصل ہوئیں اور اسلام کی ہیبت ہر دل میں بیٹھ گئی۔ درحقیقت یہ معاہدہ فتح مکہ کا دیباچہ ثابت ہوا کیونکہ قریش نے تنگ آ کر خود ہی معاہدہ توڑنے کا اعلان کر دیا اور اس طرح مسلمانوں کو مکہ پر حملہ کرنے کا عذر ہاتھ آ گیا۔

صلح حدیبیہ آنحضرت ﷺ کی دور بینی، معاملہ فہمی اور سیاسی بصیرت کا ایک مثالی شاہکار ہے۔ اگرچہ یہ صلح اکثر مسلمانوں کو شاق گزری تھی کیونکہ وہ بظاہر ایک مغلوبانہ صلح تھی مگر تاریخ شاہد ہے کہ ہادی برحق ﷺ نے اس صلح کے ذریعے عظمیٰ مقاصد حاصل فرمائے۔ اس صلح نامہ سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں نمایاں ترقی ہوئی۔ اس دوران جس قدر لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے اتنے اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ اس کے نتیجہ میں مسلم جماعت اور مشرکین مکہ اور عرب کے درمیان ہر طرح کے میل جول کے راستے کھل گئے۔ برسوں کے بچھڑے ہوئے عزیز و اقارب اکٹھے ہو کر بیٹھے۔ مکہ میں حضورؐ اور مسلم جماعت کے بارے میں جو غلط فہمیاں تھیں وہ مشرکین کی طرف سے سامنے آنے لگیں اور مسلمان جامع اور حقیقت پر مبنی دلائل سے ان غلط فہمیوں کو دور

کرتے اور انہیں اپنی روحانی، ذہنی، علمی، اخلاقی اور مادی ترقیوں کا حال بتاتے۔ نتیجتاً دعوت
اور نظریہ اسلامی گھر گھر زیرِ بحث آنے لگا۔ ابن ہشام، امام زہری کے حوالے سے رقمطراز
کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپؐ کے ہمراہ صرف چودہ سو جان نثار تھے مگر فتح مکہ کے وقت دس ہ
کا جم غفیر آپؐ کے جلو میں تھا۔ ایمان لانے والوں میں خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ جیسی
مقتدر شخصیتیں بھی شامل تھیں۔

دوسرا بڑا مقصود یہ حاصل ہوا کہ جنگ وجدل سے نجات پاکر جماعت کی ذہنی داخل
اصلاح اور اسلامی ریاست کے نظم ونسق کی تعمیر کا کام انجام دینے کے لئے یکسوئی میسر آ گئی۔ علاوہ
ازیں غیر ملکی حکومتوں کو دعوت حق دینے کا موقع نکل آیا۔ اس سے قبل سارے ملک میں قریش کو
فوقیت حاصل تھی اور ان کا رعب ودبدبہ مسلط تھا۔ مگر صلح نامہ نے فریقین کو عرب معاشرہ میں
مساوی مقام دے دیا۔ اب آنحضرت ﷺ نے بدو قبائل کو اسلام کی دعوت دی تو وہ برضا ورغبت
صف اسلام میں شامل ہو گئے کیونکہ اب ان کے دلوں میں قریش کا خوف نہ تھا اور صلح نامہ کی رو
سے قبائل کو آزادی تھی کہ وہ جس فریق سے چاہیں معاہدہ کرلیں۔ چنانچہ بہت سے قبائل مدینہ کی
دولت مشترکہ میں شامل ہو گئے جس سے اسلام کی قوت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

پس یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ معاہدہ حدیبیہ نہ صرف مسلمانوں کی آئندہ کامرانیوں کا
پیش خیمہ بنا بلکہ اس سے اشاعت اسلام کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ اس معاہدہ کے بعد اللہ
تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اسلام کے عروج واستحکام کے ایسے اسباب پیدا کر دئے کہ جن سے
مسلمانوں کے ایمان اور یقین میں بے انتہا استقامت پیدا ہوگئی۔ مگر اس کے برعکس کفار مکہ اپنے
پھیلائے ہوئے جال میں خود پھنس کر نہایت مجبور اور لاچار ہو گئے اور بالآخر ان کو نہایت ذلت اور
خواری کے ساتھ اپنی غیر منصفانہ اور ظالمانہ شرائط کو خود بڑی منت اور زاری سے واپس لینا پڑا۔ غرض
حالات نے ثابت کردیا کہ صلح حدیبیہ محسن انسانیت ﷺ کی سیاسی بصیرت، معاملہ فہمی اور دوراندیشی
کا آئینہ تھی اور ہجرت کے بعد تاریخ اسلام کا دوسرا انقلابی واقعہ تھا۔

تمام عرب کا قبول اسلام

جب جنگوں کی طرف سے قدرے اطمینان ہو گیا اور پیغام حق کے داعی عرب کے میں
قبیلوں کا نظام رائج تھا، آہستہ آہستہ قبیلوں مسلمان ہوتے گئے اور لوگ خود اپنے نمائندے آنحضور
ﷺ کی خدمت میں بھیجتے جو حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔ پھر اپنے اپنے قبیلوں کو دین حق کے
دائرے میں لے آتے۔

ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا، اور قریش کی مخالفت ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ اس
سے قبل بھی بعض قبیلوں کے وفد بارگاہ رسالتؐ میں مدینہ پہنچتے تھے۔ لیکن فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری
میں تو وفدوں کا تانتا بندھ گیا۔ اسی لیے ۹ ہجری کے سال کو عام الوفود یعنی وفدوں کا سال کہا جاتا
ہے۔ اس سال متعدد عرب قبائل نے اپنے وفود بھیج کر اسلام قبول کیا۔ سب سے پہلے بنو ثقیف
حاضر ہوئے پھر ایک بند تھا کہ ٹوٹ گیا اور وفدوں کے وفد آنے شروع ہو گئے۔ ان کی صحیح تعداد
بتانا مشکل ہے۔ بعض اصحاب کا بیان ہے کہ کل ایک سو چار وفد آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی
تعداد زیادہ سے زیادہ ستر تھی۔ سیرت کی مفصل کتابوں میں چونتیس وفود کے حالات بیان کیے گئے
ہیں جو زیادہ تر تو ہجرت کے آٹھویں، نوویں اور دسویں سال آئے۔ ان میں مشرکین اور اہل
کتاب دونوں قسم کے لوگ شامل تھے جو مشرف بہ اسلام ہوکر مذہبی تعلیم وتربیت حاصل کرتے۔
فیضان نبوتؐ سے مستفید ہوتے اور رخصت ہوکر اپنی قوم میں احکام شرعیہ کو رواج دیتے۔ رسول
اللہ ﷺ ان کی زیادہ سے زیادہ تکریم فرماتے اور انھیں مسجد نبوی میں نصب خیموں میں مہمان بنا کر

ٹھہراتے دینی تعلیم وتربیت سے مالا مال فرماتے اور صلوٰۃ وخلعت سے نواز کر رخصت فرماتے۔
ذیل میں بعض اہم وفود کا مختصر حال بیان کیا جاتا ہے۔

بنوثقیف:

جنگ حنین کے بعد آنحضورﷺ نے طائف کا محاصرہ کرلیا تھا، جو قبیلہ بنوثقیف کا مسکن تھا۔ جب آپؐ نے دیکھا کہ ان لوگوں کا زور ٹوٹ چکا ہے تو آپؐ نے محاصرہ اٹھانے کا حکم دے دیا اور جاتے ہوئے دعا فرمائی کہ ''خدایا! بنوثقیف کو ہدایت دے اور میرے پاس بھیج۔''

آنحضورﷺ تبوک سے واپس لوٹے تو بنوثقیف کے ایک سردار عروہ بن مسعود نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور واپس جا کر اپنی قوم کو دین حق کی دعوت دی لیکن قبیلے والوں نے چاروں طرف سے بے دریغ تیر برسا کر عروہ کو شہید کر دیا، بعد ازاں عروہ بن مسعود کے صاحبزادے ابوملیح اور بھتیجے قارب ابن سود نے بارگاہ رسالتؐ میں پہنچ کر اسلام قبول کیا

عروہؓ کا خون شہادت رائیگاں نہ گیا۔ طائف کے آس پاس کے قبائل حلقہ بگوش اسلام ہو جانے اور اسلام کی روز افزوں ترقی سے جلد ہی بنوثقیف نے محسوس کیا کہ ان میں اسلام کے مقابلہ کی تاب نہیں، لہٰذا اسلام کا اطاعت گزار ہو جانا ہی بہتر ہے۔ اس پر ایک چھ رکنی وفد طائف کے سردار عبدیالیل کی قیادت میں مدینہ پہنچا اور مشرف بہ اسلام ہو کر واپس لوٹا۔ مسلمان ہونے کے بعد انھوں نے درخواست کی کہ ان کے بتوں کو توڑا نہ جائے۔ لیکن یہ درخواست رد کر دی گئی۔ پھر انھوں نے کہا کہ ہم اپنے ہاتھ سے بتوں کو نہیں توڑ سکتے۔ اس پر آپؐ نے حضرت ابوسفیان بن حربؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ کو ان کے بت کدے کو مسمار کرنے کے لیے بھیجا جنھوں نے طائف پہنچ کر لات کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ دو برس میں ثقیف کا پورہ قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

بنوتمیم:

قبیلہ بنوتمیم بحرین (الاحسا یا الحسا) میں رہتا تھا۔ ۹ ہجری میں ان کا ایک وفد عطارد بن حاجب اور نعیم بن سعد کی سرکردگی میں اسلام قبول کرنے کی غرض سے مدینہ پہنچا۔ مدینہ پہنچتے ہیں انھوں نے اپنی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے۔ یہ بڑے ہی زبان آور تھے۔ انھوں نے آنحضرتﷺ سے کہا کہ ہم آپؐ سے مناظرہ کرنے آئے ہیں چاہتے ہیں کہ نثر و نظم دونوں کے اندر ہمارے اور آپؐ کے خطیب اور شاعر مقابلہ کر کے ہار جیت دکھلائیں۔ چنانچہ مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی جس میں بنوتمیم نے نثر و نظم میں اپنی فصاحت کا مظاہرہ کیا۔ آنحضرتﷺ کے

حکم سے اسلامی شاعر حسان بن ثابتؓ اور خطیب ثابت بن قیسؓ نے ان کا جواب دیا۔ آخر اعتراف شکست کے بعد بنوتمیم نے ہاتھ بڑھا کر درخواست کی کہ ہم کو بیعت کر لیجیے، آنحضرتﷺ نے ان کو توبہ کرائی۔ اقرار توحید و رسالتؐ نیا مسلمان بننے کے بعد ان کے سارے قیدیوں کی رہائی کا حکم دے کر خلعت سے نوازا تا کہ معزز و محترم دیندار بن کر اپنے وطن کو جائیں اور باقی قوم کو دین حق کی تبلیغ کریں۔

بنواسد

ان کا وفد نہایت فاخرانہ انداز سے آنحضرتﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور احسان جتلانے کے انداز میں کہنے لگا۔ اگرچہ آپؐ نے ہماری طرف کسی کو نہیں بھیجا، لیکن ہم خود ہی اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہو گئے ہیں۔ اس پر قرآن حکیم کی آیت نازل ہوئی کہ:

''یہ لوگ اسلام لانے کو اس طرح پیش کرتے ہیں گویا آپؐ پر احسان کیا۔
آپ کہیں! مجھ پر کیوں احسان جتاتے ہو، بلکہ خدا کا احسان ہے کہ اس نے تم کو سیدھا راستہ دیکھایا''۔

اس وفد میں طلحہ بن خویلد بھی تھا جس نے بعد میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

بنوطے

یہ قبیلہ بنوطے عیسائیت کا پیروکار تھا۔ حاتم طائی جس کی سخاوت ضرب المثل ہے، اسی قبیلہ سے تھا۔ قبیلہ کا سردار حاتم طائی کا بیٹا عدی تھا اور رسولؐ خدا سے بے حد متنفر تھا۔ آنحضرتﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ کو پچاس (۵۰) سواروں کے ایک دستہ کی معیت میں یمن قبیلہ بنوطے کے صنم (ثابت) کو توڑنے کے لیے بھیجا۔ عدی بن حاتم طائی بھاگ کر شام چلا گیا، اس کی بہن گرفتار ہو کر آئی تو رسول پاکؐ نے اسے بڑی عزت سے ٹھہرایا اور عزت سے رخصت فرمایا۔ وہ آپؐ کی نوازشوں اور مہربانیوں کی شکر گزار بن کر گئی اور جاتے ہی اپنے بھائی کو آپؐ کے اخلاق کی تعریف کر کے مدینہ بھیجا۔ چنانچہ عدی از خود مدینہ میں بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

بنوطے کا دوسرا سردار زید الخیل تھا جو اپنی شہسواری میں بڑا مشہور تھا۔ زید الخیل نے از خود آنحضرتﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اس کے بارے میں رسول پاکؐ نے فرمایا: عرب کے جس شخص کی بھی تعریف میرے سامنے ہوئی وہ ملاقات کے وقت اس سے کم

ہی نکلا، لیکن صرف زید الخیل کی خوبیاں اس کی شہرت کے مقابلہ میں زیادہ دیکھنے میں آئیں۔ آپؐ نے اس کا لقب زید الخیل کی بجائے زید الخیر رکھا اور دو قطعہ زمین عطا فرمائی۔

بنو حنیفہ

بنو حنیفہ یمامہ میں رہتے تھے۔ ۱۰ھ میں اس قبیلہ کے سولہ آدمیوں کا ایک وفد سلمان بن حنظلہ کی سرکردگی میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں مسلیمہ بن حبیب کذاب بھی تھا جو وطن پہنچ کر مرتد ہو گیا اور جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت وحشیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

بنو عبدالقیس:

قبیلہ بنو عبدالقیس بحرین میں آباد تھا، ہجرت کے دسویں برس اس قبیلہ کا وفد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ جارود بن عمروان کا سردار تھا، یہ لوگ نصرانی تھے اور حلقہ بگوش اسلام ہو کر واپس ہوئے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی رحلت کے بعد قبیلہ عبدالقیس مرتد ہو گیا اور انھوں نے منذر بن نعمان کو اپنا بادشاہ بنایا جو "الغرور" کے لقب سے مشہور تھا، بہر حال جارود بن عمرو اسلام پر ثابت قدم رہے۔

بنو سلامان:

شوال ۱۰ھ میں سات افراد پر مشتمل بنو سلامان کا وفد بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوا ان میں حبیب بن عمر بھی تھا۔ انھوں نے مشرف بہ اسلام ہو کر قحط سالی کی شکایت کی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے بارش کی دعا فرمائی۔ تین دن مہمان ٹھہرا کر رخصت فرمایا۔

بنو کندہ:

جب اسی (۸۰) افراد پر مشتمل بنو کندہ کا وفد اشعث بن قیس کی سرکردگی میں حاضر ہوا تو اس موقع پر آنحضرت ﷺ مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے، ارباب وفد بڑے طمطراق کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوئے۔ کندھوں پر لٹیں بکھری ہوئیں، آنکھوں میں سرمے کی تحریر، گلوں میں ریشمی استر سے منڈھے ہوئے یمنی جفر کے پٹکے حمائل تھے۔ جنھیں دیکھتے ہی آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ مسلمان نہیں؟ رئیس وفد اشعث کندی نے عرض کیا! یا رسول اللہ کیوں نہیں ہم مسلمان ہیں۔ پھر جب آنحضرت نے فرمایا: مسلمان ہونے کے باوجود ریشمی استر کے پٹکے گلے میں حمائل کرنے کے کیا معنی ہیں تو ارباب وفد نے فوراً پٹکے چاک کر کے پھینک دیے۔

بنو اشعریہ و اہل یمن:

قبیلہ اشعریہ یمن میں آباد تھا۔ اشعریہ کے وفد میں حضرت ابوموسیٰ اشعری بھی شامل تھے۔ وہ لوگ بڑے شوق سے آئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کے متعلق آنحضرت ﷺ نے پیشنگوئی فرمائی کہ اے اہل مدینہ تم سے زیادہ نرم دل لوگ آیا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اشعریہ یہ رجز پڑھتے ہوئے آئے کہ ہم اپنے دوستوں یعنی محمدؐ اور ان کی جماعت کو ملنے جا رہے ہیں۔ انھیں کے ساتھ اہل یمن بھی آئے، آپؐ نے فرمایا: ایمان بھی یمانی اور رحمت بھی یمانیہ۔

بنو ازد:

قبیلہ بنو ازد نے سات آدمی بھیجے جن میں صرو بن عبداللہ بھی تھے جن کو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اپنی قوم کے سپہ سالار بن کر آس پاس کے مشرکوں سے جہاد کریں۔

بنو دوس:

حضرت طفیل ابن عمر دوسی جو اپنی قوم میں شریف اور مشہور شاعر تھے مکہ میں آئے اور اس وقت اسلام قبول کر لیا جب قریش رسول پاکؐ کے سخت دشمن بنے ہوئے تھے۔ گھر پہنچ کر حضرت طفیل نے اپنے باپ اور بیوی کو دین حق اختیار کرنے کی اطلاع دی۔ چنانچہ وہ بھی مسلمان ہو گئے لیکن قبیلہ کے لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ پھر طفیل نے بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہو کر قبیلہ دوس پر بددعا کرنے کی درخواست کی مگر آنحضرت نے فرمایا: یا اللہ! بنو دوس کو ہدایت دے اور طفیل سے کہا کہ جاؤ نرمی کے ساتھ کام کیے جاؤ حق تعالیٰ انجام بخیر فرمائے گا۔ چنانچہ سارے قبیلہ میں اسلام پھیل گیا۔

وفد ذی مرہ

قبیلہ ذی مرہ کا تیرہ افراد پر مشتمل ایک وفد حارث بن عوف کی سرکردگی میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے ان کے ملک کی حالت پوچھی تو انھوں نے قحط سالی اور بارش کے نہ ہونے سے بدحالی ظاہر کی۔ تب آنحضرتؐ نے دعا فرمائی اور چند روز ٹھہرا کر سب کو دس دس اوقیہ چاندی اور سردار حارث کو بارہ اوقیہ چاندی انعام دے کر رخصت کیا۔

اہلِ نجران:

نجران مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں ہے یہاں کے لوگ عیسائی تھے۔ رسول پاکؐ کی طرف سے اسلام کی دعوت پہنچی تو پادریوں کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا، انھوں نے آنحضرت ﷺ سے مباحثہ اور مباہلہ کرنا چاہا، لیکن پھر ہمت ہار گئے۔ اور جزیہ پر صلح نامہ طے کر کے واپس ہوئے بعدازاں بڑے پادری کی سرکردگی میں ساٹھ افراد پر مشتمل دوسرا وفد آیا اور امان سے کر واپس ہوا انھوں نے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ ایک والی بھیج دیا جائے جو ان کے ہاں حاکم کے فرائض ادا کرے۔ چنانچہ رسوال پاکؐ نے ابوعبیدہ بن الجراح کو ان کے ہمراہ روانہ فرمایا۔

بنو سعد:

بنو سعد کی طرف سے ایک نمائندہ ضمام بن ثعلبہؓ جناب رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مسجد نبوی میں پہنچ کر اس نے عربوں کے بے تکلف انداز میں پوچھا ''محمدؐ'' کہاں ہیں، لوگوں نے آپؐ کی طرف اشارہ کیا۔ انھوں نے کہا ابو مطلب کے بیٹے میں کچھ باتیں سختی سے پوچھوں گا، ناراض نہ ہونا۔ آپؐ نے فرمایا: ''پوچھو'' اس نے کہا خدا کی قسم کھا کر کہو کہ واقعی خدا نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ''ہاں'' اسی طرح نماز، زکواۃ، روزے اور حج کے بارے میں پوچھا۔ آپؐ نے ہر سوال کے جواب میں ''ہاں'' فرماتے رہے۔ پھر ضمام نے واپس جا کر اپنی قوم سے کہا ''بت کچھ چیز نہیں ہیں وہ نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، میں تو خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آیا''۔ چنانچہ شام سے پہلے پہلے پوری قوم مسلمان ہوگئی۔

بنو عامر:

قبیلہ عامر کا وفد دس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس میں بنو عامر کا سنگدل رئیس عامر بن طفیل بھی تھا۔ یہ شخص بئر معونہ کے حادثہ کا ذمہ دار تھا، آنحضرت ﷺ نے اس سے درگذر فرمایا، لیکن وہ بدبخت غداری سے باز نہ آیا۔ اس نے آپ کو دھوکہ سے شہید کرنا چاہا، لیکن ناکام رہا۔ آخر یہ دھمکی دے کر روانہ ہوا کہ میں سوار و پیادہ لشکر کے ساتھ حملہ کروں گا ابھی راستہ میں ہی تھا کہ طاعون کا شکار ہوگیا تاہم اس کی قوم اسلام سے مشرف ہوئی۔

بنو ہمدان:

قبیلہ بنو ہمدان یمن میں آباد تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ان میں

تبلیغ کی غرض سے بھیجا۔ لیکن بنو ہمدان کے لوگ اسلام کی طرف راغب نہ ہوئے، پھر حضرت علیؓ کو بھیجا گیا۔ ان کی تبلیغ کے فیضان سے سارا قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہوگیا۔ ان لوگوں کا بھی ایک وفد رسول پاکؐ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ آیا۔

بنو تجیب:

قبیلہ بنو تجیب کے تیراہ افراد بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے یہ لوگ اسلام لا چکے تھے، ان کے خلوص کا یہ عالم تھا کہ اپنے مال مویشی کی زاکوۃ لے کر آئے۔ آپؐ نے فرمایا یہ چیزیں واپس لے جاؤ اور اپنے قبیلے کے غریب افراد میں بانٹ دو۔ انھوں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! ہم نے سب سے پہلے اپنے غریبوں کو مال دیا، جو بچ رہا اسے لے کر آپؐ کی خدمت میں پہنچے ہیں حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، اس سے بہتر وفد کوئی نہیں آیا۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: ہدایت خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جس کی بھلائی چاہتا ہے اس کا سینہ ایمان کے لیے کھول دیتا ہے، انھوں نے اسلام کی تعلیم حاصل کی۔ آنحضرت ﷺ نے رخصت کے وقت انہیں عطیے دیئے۔

ان کے علاوہ متعدد قبائل کے وفد حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جنوبی عرب کے علاقوں میں کئی ملوک اور سلاطین تھے۔ ان کے قاصد حاضر ہوئے اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ کئی شہزادے خود بارگاہ نبوت کی حاضری سے سعادت اندوز ہوئے۔ یمن کے علاقہ میں حضرت خالدؓ اور حضرت علیؓ کی کوششیں بار آور ہوئیں اور لوگ رشتہ اسلام سے منسلک ہوگئے۔

بعض قبائل میں آنحضرت ﷺ نے معلم روانہ فرمائے جو لوگوں کو دین حق کی تعلیم سے آگاہ کرتے تھے ان علاقوں میں آپؐ نے اسلامی عمال بھی مقرر فرمائے جنہوں نے وہاں نظم ونسق سنبھالا اور امن وامان بحال کیا۔ اس طرح اسلام عرب کے گوشے گوشے میں پھیل گیا اور خدائے پاک کا وہ وعدہ عملی شکل میں دنیا کے سامنے آ گیا کہ لوگ گروہ در گروہ، اور فوج در فوج خدا کے دین میں داخل ہوگئے۔

مدینہ طیبہ کی عام حالت

اصحاب صفہ

صفہ سائبان (چھپر) کو کہتے ہیں۔ یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبویؐ سے متصل ایک چبوترے پر ڈالا گیا تھا۔ وہ صحابہ جن کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا اور جنہوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت ﷺ کی تربیت پذیری پر وقف کر دی تھی اس چبوترے پر قیام رکھتے تھے، اصحاب صفہ کہلاتے تھے۔ یہ لوگ نہ تجارت کرتے تھے اور نہ کسی صنعت میں ماہر تھے۔ یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کو اسی چبوترہ پر پڑ رہتے۔ یہ لوگ راتوں کو عموماً عبادت کرتے اور قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی انہی لوگوں میں سے تھے۔ یوں تو اس وقت اکثر صحابہ کرام کی معاشی حالت خراب تھی مگر اصحاب صفہ خاص طور پر فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ عموماً رسول خداؐ ان کی ضروریات کے کفیل تھے۔ بسا اوقات ان میں سے ایک ایک دو دو کو متمول صحابہ کے سپرد کر دیا جاتا تھا جو انہیں صبح و شام کھانا مہیا کرتے تھے۔ بعض اوقات ان میں سے کچھ لوگ جنگل میں نکل جاتے۔ لکڑیاں چنتے اور بازار میں انہیں فروخت کر کے اپنے اور اپنے بھائیوں کے لیے کچھ کھانا مہیا کرتے۔ ان کے لباس بوسیدہ اور پیوند لگے ہوتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کو جب کبھی کسی قبیلے میں کسی ماہر مبلغ کو بھیجنا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے تھے۔ غزوہ معونہ میں انہی میں سے ستر (۷۰) آدمی اسلام سکھانے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ ان کی تعداد گھٹتی اور بڑھتی رہتی تھی۔ کل مجموعی تعداد چار سو تک پہنچ چکی تھی۔

آنحضرت ﷺ مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو مدینہ کی آبادی مختلف جماعتوں میں منقسم تھی جن کا تذکرہ حسب ذیل ہے:

(۱) وہ مسلمان جو مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے مہاجرین کہلائے۔ یہ لوگ بالکل بے سروسامان مدینے آئے تھے۔ اگرچہ ان میں ا

صاحب اثر اور رؤسائے مکہ میں سے تھے مگر انہوں نے بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ایسی حالت میں وطن چھوڑا تھا کہ کوئی شے مکہ سے ساتھ نہ لا سکے تھے۔ اس لیے مہاجرین کی اقتصادی حالت بہت کمزور بلکہ ناگفتہ بہ تھی۔ مگر وہ صدق و وفا کے مجسمے اور عزم و استقلال نیز صبر و استقامت کے پیکر تھے۔

(۲) یہ جماعت مدینہ منورہ کے قحطانی قبائل اوس اور خزرج پر مشتمل تھی۔ وہ مسلمان ہو چکے تھے اور انہوں نے اپنی منقولہ اور غیر منقولہ تمام جائیدادیں اپنے مہاجر بھائیوں کی امداد و اعانت اور دین حق کی اشاعت کے لیے وقف کر دی تھیں۔ ان کے قبول اسلام کے بعد، ان کی دعوت پر ہی آنحضرت ﷺ مدینے تشریف لے گئے تھے۔ انصار کا پیشہ زراعت تھا۔ اس لیے ان کی اقتصادی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ مگر انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کی امداد و محافظت میں جس فیاضی، ایثار، مہربانی اور کشادہ دستی کا ثبوت دیا، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کی حیثیت محض مہمان کی نہ رہنے دی بلکہ ان کو مال و دولت، زمین و جائیداد، کھیتی باڑی حتیٰ کہ اپنی ساری کائنات میں برابر کا شریک بنا لیا۔ آنحضرت ﷺ کا قائم کردہ رشتہ اخوت انصار کے نزدیک اتنا اہم بن گیا کہ اگر کوئی انصار میں سے کوئی فوت ہو جاتا تو اس کی جائیداد میں سے مہاجر بھائی کو ترکہ ملتا۔ اسی طرح انہوں نے اپنی جان و مال سے نخل اسلام کی بھی آبیاری کی۔ قبول اسلام سے قبل انصار کے دونوں قبائل اوس و خزرج ایک دوسرے کے رقیب تھے اور ان کے درمیان انتقامی جنگوں کا سلسلہ جاری تھا مگر اسلام نے ان میں اخوت اسلامی روشناس کیا اور وہ قدیم رنجشوں اور عداوتوں کو بھول کر بھائی بھائی بن گئے۔

(۳) مدینے میں منافقین کی بھی ایک جماعت عالم وجود میں آ چکی تھی۔ یہ لوگ بظاہر مسلمان تھے۔ مسلمانوں سے میل جول اور یگانگت رکھتے تھے۔ نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے تھے۔ ان کا قائد عبداللہ بن ابی تھا۔ یہ یہودیوں کے سوا مدینہ کا ممتاز اور ذی اثر

شخص تھا۔ اوس اور خزرج کے قبیلوں پر اس کا پورا رعب تھا اور قریب تھا کہ اہل مدینہ
اسے رئیس اعظم تسلیم کر لیتے، اور اس سلسلے میں اس کی تاجپوشی کا اہتمام بھی ہو چکا تھا
مگر اسلام نے اس کا یہ خواب اقتدار منتشر کر کے رکھ دیا۔ جب اس نے دیکھا کہ اوس
اور خزرج مسلمان ہو رہے ہیں تو وہ بھی بظاہر مسلمانوں سے مل گیا۔ لیکن جب دیکھا
کہ یہودی نبیؐ کے خلاف ہو گئے ہیں تو اس نے چاہا کہ یہودیوں پر بھی اس کا پہلا اثر
قائم رہے اور مسلمان ہو جانے والے قبائل بھی بدستور اس کے زیر اثر رہیں۔ اس لیے
اس نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا وہ مسلمانوں میں بیٹھ کر ہمیشہ ان سے اپنی
قربت کا اقرار کرتا اور دیگر اقوام کے سامنے ان کے ساتھ اپنے اتحاد و صداقت کا دعویٰ
کرتا۔ چونکہ وہ فی الحقیقت اسلام کو اپنی آرزوؤں کا پامال کنندہ سمجھتا تھا اس لیے جب
موقع ملتا تو مسلمانوں کی ضرر رسانی میں کبھی دریغ نہیں کرتا۔

آنحضرت ﷺ منافقوں کا پردہ چاک کرنے، ان کو سزا دینے یا ان کی مخالفت کرنے
کی بجائے ہمیشہ ان سے حسن سلوک سے پیش آتے اور ان کی تقصیروں سے چشم پوشی کرتے تاکہ
مسلمانوں کے شریفانہ اور با اخلاق برتاؤ سے متاثر ہو کر وہ صدق دل سے مسلمان ہو جائیں۔

(۴) مدینہ میں عیسائیت کے پیروکار بھی تھے۔ وہ اقلیت میں تھے اور یہودیوں کے زیر بار
تھے۔ شروع شروع میں وہ آنحضرت ﷺ کے مخالف نہ تھے۔ چونکہ وہ انجیل کے
مطابق ایک نبی کے انتظار میں تھے جو یہود سے ان کے ظلموں کا بدلہ لینے والا،
عیسائیوں کو جلال بخشنے والا اور مسیحؑ کی صداقت ظاہر کرنے والا۔ لیکن جب انہوں نے
دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے عیسائیوں کے خود ساختہ مسائل ابنیت، تثلیث، کفارہ،
رہبانیت اور پوپ کے الوہی اقتدارات کا رد کیا ہے تو وہ بھی آنحضورؐ کے دشمن ہو گئے۔

(۵) مدینے کی بیشتر آبادی یہود پر مشتمل تھی۔ یہ عہد قدیم سے مدینے میں آباد تھے اور تین
قبائل میں منقسم تھے۔ بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو قریظہ۔ ان کا ذریعہ معاش تجارت اور
سود خوری تھا۔ یہ لوگ اقتصادی لحاظ سے بڑے مالدار تھے اور مضبوط برج اور قلعے بن

کر بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے تھے۔ جب سے خدا کے برگزیدہ نبی حضرت موسیٰ علیہ
السلام نے اپنے وعظ میں یہود کو یہ بشارت سنائی تھی کہ خدا موسیٰؑ کے بھائیوں میں سے
موسیٰؑ جیسا نبیؐ پیدا کرے گا جو یہود کے اخلاقی انحطاط کو دور کرنے والا ہوگا، ان کی
گذشتہ شان و شوکت، حکومت و سلطنت کو دوبارہ زندہ کرنے والا ہوگا، اس وقت سے
نبیؐ مولود کے ظہور پر ان کی آنکھیں لگی ہوئی تھی۔ اب آنحضرت ﷺ کا مدینے میں
تشریف لانا سن کر بہت خوش ہوئے اور ساتھ ہی جب اسلام نے ان کو اہل کتاب کہا
اور حضرت موسیٰؑ کی نبوت کو تسلیم کیا تو وہ اور پھولے نہ سمائے۔ لیکن جب انہوں نے
دیکھا کہ آنحضور ﷺ مسیحؑ کو راست باز، ان کی تعلیم کو سچا بتلاتے ہیں، مسیحؑ پر
ایمان لانے کو اسلام کا جزو لاینفک قرار دیتے ہیں اور یہودیوں کو انصاف کی رو سے
ملزم ٹھہراتے ہیں تو سب یہودی آنحضورؐ اور اسلام کے دشمن ہو گئے۔

میثاق مدینہ

مدینے میں مختلف نسلوں کے لوگ آباد تھے۔ ان کے مذاہب بھی الگ الگ تھے۔
یہودیوں کے مختلف قبائل بہت طاقتور تھے اور اپنی دولت و ثروت کی وجہ سے مدینہ میں بڑے
صاحب اقتدار تھے، اور مدتوں سے انصار کو دباتے چلے آ رہے تھے۔ گو اب ان کا پہلا سا اقتدار
باقی نہ رہا تھا تاہم انصار کے مقابلے میں وہ اب بھی بااثر تھے۔ اس لیے ان کی جانب سے
آنحضرت ﷺ کو خطرات لاحق ہو سکتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مدینے پہنچ کر ہجرت کے
پہلے سال ہی یہ مناسب خیال فرمایا کہ مدینے کی جملہ اقوام کو نظم و ضبط میں منسلک کر کے ایک شہری
مملکت کی بنیاد رکھی جائے تاکہ شہر کا سیاسی، مجلسی اور معاشی نظام بہتر ہو سکے۔ خلق خدا کی تکالیف کا
ازالہ ہو اور لوگ امن و آسائش اور خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں۔ نیز مسلمانوں اور مدینے
کی اکثریت جماعت یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں۔

آنحضرت ﷺ نے سیاسی بصیرت اور حکمت و تدبر سے کام لیتے ہوئے مدینہ کی
اکثریتی جماعت یہودیوں سے ایک تحریری معاہدہ بین الاقوامی اصول پر طے کیا تاکہ نسل و مذہب
کا اختلاف ختم ہو اور قومی وحدت تشکیل پا سکے اور سب تہذیب و تمدن میں ایک دوسرے کا تعاون

حاصل ہو۔ یہ صحیفہ مدینہ یا میثاق مدینہ سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ کے دو حصے تھے۔ پہلے حصے کا تعلق مہاجرین، انصار اور دیگر حامی قبائل سے تھا۔ دوسرا حصہ یہود مدینہ سے متعلق تھا۔ اس کی اہم شرائط حسب ذیل ہیں:

۱ یہ عہد نامہ مدینہ کے اہل اسلام اور ان دیگر گروہوں کے مابین ہے جو نظم ونسق کے سلسلے میں جدوجہد میں شریک ہوں گے۔

۲ خون بہا اور فدیہ کا قدیم طریقہ قائم رہے گا۔

۳ یہود کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔

۴ معاہدہ میں شریک تمام فریقین ایک جماعت ہوں گے۔

۵ مسلمانوں کے قلبی رفیق صرف مسلمان ہوگے۔

۶ مسلمانوں کے دوست و دشمن مشترکہ ہوگے۔ کوئی مسلمان دشمن اسلام سے تنہا مصالحت نہیں کرے گا۔

۷ فریقین معاہدہ ایک دوسرے سے نیک نیتی، خیر خواہی اور بھلائی سے پیش آئیں گے۔ ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائیں گے اور نہ ایک دوسرے پر زیادتی کریں گے۔

۸ اہل ایمان قرض تلے دبے ہوئے مسلمان بھائیوں کی مدد کریں گے۔

۹ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص ظلم، سرکشی یا بغاوت کا مرتکب ہوگا تو سب اہل ایمان اس کے خلاف ایک ہوکر اٹھیں گے۔ چاہے وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۰ کوئی مومن کسی ظالم کو پناہ نہیں دے گا اگر وہ ایسا کرے گا تو قیامت کے دن اس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہوگا۔

۱۱ یہودیوں کے دوست قبائل کے حقوق بھی یہودیوں کے برابر ہوں گے۔

۱۲ ہر گروہ اپنے محلے میں قیام امن کا ذمہ دار ہوگا۔

۱۳ فریقین میں سے جب کوئی تیسرے فریق سے جنگ درپیش ہوتو وہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوں گے۔

۱۴ کوئی فریق قریش مکہ کی نہ حمایت کرے گا اور نہ ان کو امان دے گا۔

۱۵ اگر مدینے پر کوئی بیرونی طاقت حملہ آور ہوگی تو دونوں مل کر مدافعت کریں گے، نیز فریقین میں سے جب کوئی تیسری طاقت سے صلح کرے گا تو دوسرے فریق کو بھی صلح کرنے ہوگی۔ البتہ مذہبی لڑائیاں اس سے مستثنیٰ رہیں گی۔

۱۶ مشترکہ جنگوں میں یہود اور مسلمانوں کے مصارف مشترک ہوں گے۔

۱۷ ہر مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہوگا۔ اس کا حلیف اس ذمہ داری میں اس کا شریک نہیں سمجھا جائے گا اور نہ ہی کوئی مجرم یا ظالم اس کے عہد نامہ کی آڑ لے گا۔

۱۸ فریقین معاہدہ میں کوئی اختلاف ہوگا یا نزاع پیدا ہوگا تو اس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے ہوگا۔

۱۹ فریقین مدینے کو حرم مانیں گے اور اس کے اندر کشت وخون یا فساد نہیں کرینگے۔

میثاق مدینہ تاریخ اسلام کا ایک ترین واقعہ ہے کیونکہ اس سے تاریخ عرب میں پہلی بار اجتماعی زندگی کا آغاز ہوا اور حق وانصاف کے لیے آئے دن کی قبائلی خانہ جنگیوں کی بجائے ایک امیر کی طرف رجوع کرنے کا شعور پیدا ہوا۔ جرمن مورخ ولہا وزن (wslhausin) میثاق مدینہ کو شہری مملکت مدینہ کا دستور (constitution) قرار دیتا ہے ڈاکٹر محمد حمید اللہ رقمطراز ہے: "یہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور مملکت ہے اور اس کا ایک ایک لفظ اوراق تاریخ میں محفوظ ہے۔" میثاق مدینہ پر یہود کی تائید وحمائیت حاصل کرنا آنحضرت ﷺ کی ایک بہت بڑی سیاسی کامیابی تھی۔ اس سے آپؐ مدینے کے منظم ہونے والے معاشرے میں خدا کی حاکمیت اور اس کے قانون کو فوقیت دلانے میں کامیاب ہوگئے۔ نیز سیاسی قانونی اور عدالتی لحاظ سے آخری اختیار آنحضرت ﷺ کے ہاتھ آ گیا۔ دفاعی لحاظ سے مدینہ اور اس کے نواح کی پوری آبادی ایک متحدہ طاقت بن گئی اور یہود و دیگر قبائل پر قریش کی حمایت کے دروازے بند ہوگئے۔ اس دستوری معاہدہ سے باضابطہ طور پر اسلامی ریاست اور اسلامی نظام حیات کی بنیاد پڑی۔

میثاق مدینہ میں مدینہ کو حرم قرار دے کر حضور ﷺ نے نہ صرف مدینہ کی حدود مقرر کردیں بلکہ فتنہ وفساد کا مکمل طور پر قلع قمع کردیا۔ اس سے جہاں باہمی لڑائیاں، جانوروں کا شکار، کوئی ناشائستہ بات کا کرنا ممنوع قرار پایا وہاں حرم مدینہ کا تقدس بھی قائم کردیا۔

میثاق مدینہ پر مدینے کی تمام آباد اقوام کے دستخط ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ مدینے کے گرد و نواح کے قبیلوں کو بھی اس معاہدہ میں شامل کر لیا جائے تا کہ:

(ا) جو خانہ جنگی قبائل کے درمیان ہمیشہ جاری رہتی ہے اور خلق خدا کے خون سے خدا کی زمین رنگین رہتی ہے اس کا انسداد ہو جائے۔

(ب) قریش مکہ ان قبائل کو جن سے معاہدہ ہو جائے گا، مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ نہ کر سکیں گے۔

اس مبارک اور صلح جو ارادے کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے پہلے سال ہی ودان تک (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے) سفر فرمایا۔ اور قبیلہ بنوضمرہ بن بکر بن عبد مناف کو اس معاہدہ میں شریک کر لیا۔ اس عہد نامے پر عمرو بن مخشی الضمری نے دستخط کئے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ ذی العشیرہ تشریف لے گئے اور بنو مدلج سے معاہدہ کر کے مدینے تشریف لائے۔ آپؐ نے اس دوران ہر قبیلے کو یقین دلایا کہ ان پر اگر کوئی حملہ کرے گا تو مسلمان مدد دیں گے اور مسلمانوں کو مدد کی ضرورت پڑے گی تو وہ بھی تیار ہوں گے۔ اس کا ایک یہ بھی فائدہ ہوا کہ معاہدے میں شریک قبیلوں کے لیے اب کھلم کھلا قریش مکہ سے اتحاد کرنا مشکل ہو گیا۔ نیز مدینہ کے قرب و نواح میں قریش کا اثر و رسوخ کمزور پڑ گیا اور اس سے مملکت مدینہ کو دفاعی لحاظ سے بالواسطہ طور پر بہت تقویت حاصل ہوئی۔

انصار مدینہ (اوس اور خزرج) قبول اسلام سے قبل بت پرستی کے قائل تھے۔ اور اقتصادی لحاظ سے بہت کمزور تھے۔ مدینہ میں عرصہ قدیم سے اہل یہود کو مذہب اور دولت و ثروت کی بنا پر انصار پر تفوق حاصل تھا۔ انصار کے مشرف بہ اسلام ہونے سے اہل یہود کی مذہبی برتری کو نقصان پہنچا۔ بدیں وجہ وہ دل سے اسلام کے خلاف تھے۔ لیکن میثاق مدینہ کی وجہ سے ابتدا میں ان کی مخالفت نہ کرتے تھے کہ مسلمان بیت المقدس (جو اہل یہود کا قبلہ تھا) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ چنانچہ جب تک بیت المقدس اسلام کا قبلہ رہا، اس وقت تک یہود مسلمانوں کے بھیس میں نماز میں بھی منافقانہ شریک ہو جاتے۔ چونکہ وہ بیت المقدس کو کسی حالت میں نہیں چھوڑ سکتے تھے اس لیے جب مکہ مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا تو ان کا مذہبی امتیاز بھی جاتا رہا چنانچہ اب ان کی مخالفت ڈھکی چھپی نہ رہ سکی اور وہ اعلانیہ مسلمانوں کے خلاف ہو گئے۔

حجۃ الوداع

۱۰ ہجری مطابق ۶۳۲

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (پ۶ المائدۃ ۵:۳)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام بطور دین پسند کیا۔"

جب سارے عرب میں اسلام پھیل چکا اور یکے بعد دیگرے سبھی عرب قبائل حلقہ بگوش اسلام ہو چکے یعنی بھٹکی ہوئی مخلوق کفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر دین حق سے روشناس ہو چکی۔ اسلام کے عقائد، اعمال اور شریعت کے اصول و فروغ کی تکمیل ہو چکی، حکومت الٰہیہ قیام پذیر ہو چکی اور سارے عالم کی راہنمائی کے لیے ایک جماعت تیار ہو چکی تو وحی نازل ہوئی:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (النصر۔۱۱)

"جب اللہ کی مدد اور فیصلہ پہنچ چکے اور تو دیکھے لوگوں کو دین میں داخل ہوتے دین میں غول کے غول، تو اللہ کی حمد کی تسبیح پڑھ اور گناہ بخشوا اس سے، بیشک وہ معاف کرنے والا ہے۔"

اس وحی کے لطیف اشاروں سے آنحضرت ﷺ نے یہ حقیقت جان لی کہ اب آپؐ کی زندگی کے مشن یعنی مقصد رسالتؐ اور دین حق کی تکمیل پورے ہو چکے ہیں اور دنیا میں آپ کے رہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ بالالفاظ دیگر آپؐ کے وصال کا زمانہ قریب آ چکا ہے۔ اس لیے آپ نے ارادہ فرمایا کہ جزیرۃ العرب کے مسلمانوں کے سامنے خصوصاً اور ساری دنیا کے لیے

عموماً اسلام، اس کی شریعت اور اخلاق کے تمام بنیادی اصولوں کا اعلان کیا جائے۔ اس غرض کے لیے حج سے بہتر موقع کوئی نہیں ہوسکتا تھا، جب سارے عرب کے علاوہ اطراف عالم کے لوگ بھی مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے تھے۔ اب تک آنحضرت ﷺ نے حج اصغر یعنی عمرہ تو دو مرتبہ ادا فرمالیا تھا لیکن حج اکبر ادا کرنے کا ابھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ چنانچہ ذی قعدہ ۱۰ ہجری میں آپؐ نے حج کا تہیہ کیا اور تمام قبائل کو اس کی اطلاع دے دی۔

یہ خبر جہاں جہاں پہنچی لوگ بیتاب ہو کر شرف ہم رکابی کے لیے انبوہ در انبوہ مدینہ امڈ آئے، اور مدینے سے باہر خیموں کا ایک عظیم شہر آباد ہو گیا۔ اس حج کو حجتہ الوداع بھی کہتے ہیں کیونکہ رسول اکرمؐ اس حج کے بعد امت مسلمہ سے رخصت ہوئے۔ اسے حج اکبر بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ حج کے تمام ارکان خود رسالت ماٰب آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں حتمی طور پر قائم ہوئے۔ اس حج کو حجتہ البلاغ، حجتہ الاسلام، حجتہ الکمال اور حجتہ التمام بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس حج میں اسلام کے بنیادی اور کامل اصول بیان ہوئے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین حق کے کامل ہو جانے کا اعلان ہو گیا اور اس کے بعد احکام اسلام کے بارے میں قرآن حکیم کی مزید کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔

مدینہ سے روانگی:

حضرت ابو دجانہ ساعدیؓ کو مدینہ پر عامل بنا کر ۲۶ ذوالقعدہ ۱۰ھ (۲۳ فروری ۶۳۲ء) بروز شنبہ آنحضرت ﷺ ایک لاکھ سے زائد صحابہؓ کے جلو میں اور قربانی کے ایک سو اونٹ بطور ہدیہ ساتھ لے کر مع ازواج مطہرات اور خاندان کے با آواز بلند تکبیر پڑھتے ہوئے مدینے سے مکہ روانہ ہوئے اور چھ میل پر ذوالحلیفہ کے مقام پر قیام فرمایا۔ اس مقام کو آج کل آبار علی کہتے ہیں۔ دوسرے روز نبوت ماٰب ﷺ اور تمام مسلمانوں نے احرام حج باندھا۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے اپنی ساونڈنی قصواء پر سوار ہو کر بلند آواز سے تکبیرات حج ادا فرمائیں۔ تمام مسلمان بھی آپ کے ہم آواز ہوئے:

لَبَّیکَ لَبَّیکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیکَ لَاشَرِیکَ لَکَ لَبَّیک اِنَّ الحَمدَ وَالنِّعمَۃَ لَکَ وَالمُلکَ لَاشَرِیکَ لَکَ لَبَّیک

"خداوند! ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں، اے خدا تیرے سامنے حاضر ہیں۔ ہر تعریف اور ہر نعمت تیری ہی ہے۔ سلطنت بھی صرف تیری ہے۔ تیرا کوئی

شریک نہیں ہم حاضر ہیں۔"

اس وقت انسانوں کے ہجوم کا یہ حال تھا کہ جہاں تک نظر کی جاتی تھی، آگے پیچھے، دائیں بائیں انسانوں کا دریا متلاطم نظر آتا تھا۔ آنحضرت ﷺ لبیک فرماتے تو تمام مسلمان بھی ہم آہنگی سے لبیک لبیک کی صدائیں بلند کرتے جس سے دشت وجبل گونج اٹھتے کی صدائیں بلند کرتے جس سے دشت وجبل گونج اٹھتے تھے۔ اس مقدس کاروان کے ساتھ راستے میں جوق در جوق لوگ شامل ہوتے جاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کا راستے میں جب کسی ٹیلے سے گزر ہوتا تو آپؐ تین تین بار تکبیر با آواز بلند فرماتے۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ:

۳ ذوالحج (یکم مارچ ۶۳۲ء) کو آپؐ سرف پہنچے جو مکہ مکرمہ سے چھ سات میل پر ہے دوسرے دن ۴ ذوالحج کو اتوار کے دن غسل کر کے مکہ میں داخل ہوئے۔ کعبہ پر نظر پڑی تو فرمایا: "اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ شرف وعزت دے۔" زائرین حج آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ نے زیارت کعبہ کے بعد حجر اسود کو مس فرمانے کے بعد بوسہ دیا۔ پھر کعبہ کا سات بار طواف کیا۔ پہلے چار مرتبہ تیز قدمی سے اور باقی مرتبہ معمولی رفتار سے۔ طواف سے فراغت کے بعد مقام ابراہیمؑ میں دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر کوہ صفا پر تشریف لے گئے، وہاں سے کعبہ کو دیکھا تو فرمایا:

"خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ ملک اور حمد اسی کے لیے ہے۔ وہ جلاتا ہے، وہ ہی مارتا ہے اور تمام چیزوں پر قادر ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر خدائے واحد۔ خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی۔"

حضرت علی کرم نے جو اس وقت ملک یمن میں تھے۔ آنحضرت ﷺ کے حج کی اطلاع پائی تو اسلامی لشکر پر ایک سپاہی کو اپنا قائم مقام بنا کر فریضہ حج کے لیے وہاں سے چل پڑے راستہ میں احرام باندھ کر کہا: یا اللہ! میں بھی اسی قسم کا احرام باندھتا ہوں جیسا تیرے رسول (ﷺ) تیرے بندے اور تیرے نبی محمد (ﷺ) نے باندھا ہے اور آنحضرت ﷺ سے مکہ میں آملے۔

منیٰ اور عرفہ:

کوہ صفا سے آنحضرت ﷺ مروہ تشریف لے گئے اور طواف وسعی سے فارغ ہونے

کے بعد آپؐ نے حکم دیا کہ جن لوگوں کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں وہ عمرہ تمام کر کے احرام کھول دیں۔ چونکہ آپؐ کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لیے آپؐ نے احرام نہیں اتارا۔ اور پھر احرام میں ذوالحجہ کو منیٰ تشریف لے گئے۔

9 ذوالحجہ بروز جمعہ کو نماز فجر کے بعد آپؐ سارے مسلمانوں کی معیت میں منیٰ سے عرفات تشریف لے گئے۔ اس دوران آنحضرت ﷺ ہر موقع پر مسائل حج کے متعلق مسلمانوں کو وضاحت کے ساتھ بتاتے رہے۔ اور بار بار یہ الفاظ دہراتے رہے:

"مسلمانو! حج کے مسائل سیکھ لو۔ کیونکہ میں نہیں جانتا کہ آیا میں اس سال کے بعد اس مقام پر تم سے آئندہ مل سکوں گا۔"

میدان عرفات میں نمرہ کے مقام پر جہاں پر اب مسجد نمرہ ہے، آپؐ نے کمبل کے خیمے میں قیام فرمایا دوپہر ڈھل گئی تو قصوہ پر سوار ہو کر میدان میں تشریف لائے اور اپنی زندگی کا آخری اور یادگار خطبہ ارشاد فرمایا جو تاریخ اسلام میں خطبہ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ اور عطر ہے۔ یہ وہ مبارک دن تھا جب اسلام اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا اور دور جاہلیت کی تمام بے ہودہ رسوم کو یکسر مٹا دیا گیا۔ خطبہ میں آپؐ ہر جملے کے بعد توقف فرماتے۔ اسی لمحے میں حضرت ربیعہ بن امیہؓ انہی الفاظ کا اعادہ با آواز بلند فرماتے۔

خطبہ حجتہ الوداع:

حمد و ثنائے باری تعالیٰ کے بعد محسن انسانیت رسالت مآب آنحضور ﷺ نے فرمایا:

"اے لوگو! میں جو کچھ کہوں اسے غور سے سنو۔ شاید آئندہ سال اور اس کے بعد پھر کبھی یہاں تم سے ملاقات نہ ہو سکے۔"

"لوگو! جاہلیت کے تمام دستور و مراسم آج میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں۔

لوگو! بیشک تمہارا رب ایک ہے اور جد اعلیٰ ایک ہے، سب انسان آدمؑ کی اولاد ہیں، آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں صرف وہ ہی معزز ترین ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ برتری صرف تقویٰ کے سبب سے ہے۔ اسلام کے رشتے نے مختلف رنگ و نسل کے انسانوں کو باہم بھائی بنا دیا۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ سب اہل اسلام ایک برادری ہے۔ کسی

شخص پر اس کے بھائی کا مال حلال نہیں جب تک وہ خود اپنی خوشی سے نہ دے۔ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

"اے لوگو! جس طرح تم اس دن، اس مہینے اور اس مقام کی عزت کرتے ہو۔ اسی طرح ایک مسلمان کا خون، مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ دیکھو تم جلد اپنے رب کے سامنے حاضر ہو گے تم سے تمہارے اعمال کی بابت پوچھ جائے گا۔ خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ جان لو کہ ہر گنہگار اپنے گناہ کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ باپ کے جرم کا ذمہ بیٹے پر یا بیٹے کے جرم کا ذمہ باپ پر عاید نہیں ہوتا۔ جس کسی کے پاس دوسرے کی امانت ہو وہ اسے اس کے مالک کے حوالے کر دے۔

آج سے جاہلیت کا سود ختم کیا جاتا ہے۔ البتہ تمھیں اصل رقم ملے گی۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو ممنوع فرما دیا ہے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا تمام سود جو میرے چچا عباس بن المطلبؓ کو ادا ہونا تھا منسوخ کرتا ہوں۔

دور جاہلیت میں جو خون ہوئے وہ سب معاف ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے مقتول عامر بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون جسے ہذیل نے قتل کر دیا تھا معاف کرتا ہوں۔

اے لوگو! غور سے سنو! شیطان (نظام حق کے چھا جانے کے بعد) اس بات سے ناامید ہو گیا ہے کہ اب عرب میں اس کی عبادت کی جائے گی لیکن وہ اس پر بھی خوش ہو گا کہ اس کے علاوہ ان دوسرے گناہوں میں اس کی اطاعت کی جائے۔ جن کو تم ہلکا سمجھتے ہو۔

اے لوگو! محترم مہینوں کا بدل دینا کفر کے دور کی زیادتی ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں مہینوں کی تعداد قطعی طور پر بارہ ہے اور جب سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے یہ تعداد اس کی کتاب (نوشتہ تقدیر) میں اسی طرح ثبت ہے۔ ان میں چار مہینے حرمت والے ہیں تین متواتر یعنی ذوالقعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور ایک اکیلا الگ یعنی رجب۔ جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔

اپنی ماں کا حق ادا کرو، باپ کا حق ادا کرو، بھائی کا حق ادا کرو، اس کے بعد درجہ

بہ درجہ رشتہ داروں کا حق ادا کرو۔

آپؐ نے بار بار فرمایا کہ میں تمہیں پڑوسی سے حسن سلوک کی تاکید کرتا ہوں،

اے لوگو! اپنی بیویوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا ہے تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے، کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے کا قدم نہ پڑنے دیں جو تم کو ناگوار ہو اور ان پر یہ بھی لازم ہے کہ کسی کھلی بے حیائی کی مرتکب نہ ہوں، لیکن اگر وہ ایسا کریں تو ان سے خوابگاہوں میں علیحدگی اختیار کرلو اور ایسی مار مارو جو شدید نہ ہو، عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ اور اچھی طرح پہناؤ اور ان کے معاملہ میں حسن سلوک سے ہاتھ نہ کھینچو۔ وہ تمہارے نکاح میں آجانے سے تمہاری پابند ہو جاتی ہیں اور اپنے نفس کی مالک نہیں رہتیں۔ اپنے غلاموں کے ساتھ برابری کا سلوک کرو، جو خود کھاوہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو، وہی ان کو پہناؤ۔ اگر غلام کوئی ایسا جرم کر بیٹھیں جسے تم معاف نہ کرنا چاہو تو اللہ کے ان بندوں کو بیچ ڈالو اور دکھ نہ دو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ وارث کے حق میں وصیت (جائز) نہیں۔

اولاد ماں کی ہوگی اور زانی کے لیے پتھر۔ ان کا حساب اللہ کے پاس ہوگا، جس نے اپنے باپ کے سوا کسی دیگر شخص کا بیٹا ہونے کا دعوے کیا یا (آزاد کردہ) غلام نے اپنی موالی کے سوا کسی اور سے نسبت جتائی تو اس پر قیامت تک اللہ کی، فرشتوں کی اور لوگوں کی لعنت ہوگی، اللہ تعالیٰ اس جرم کے عوض اس کی کوئی نیکی قبول نہ کرے گا۔

عاریت لوٹائی جائے، تحفہ پھیرا جائے، قرضہ چکایا جائے، تاوان کا بوجھ ضامن پر ہوگا۔

لوگو! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ جس جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اس کو ناحق نہ مارو، زنا نہ کرو، چوری مت کرو۔

اگر تم پر سیاہ فام نکٹا غلام بھی مقرر کیا جائے اور کتاب اللہ کے مطابق حکم چلائے تو اس کی اطاعت کرو۔

اللہ تعالیٰ نے سوائے بڑھاپے کے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے۔ میرے لیے اور

میرے اہل بیت کے لیے صدقہ حلال نہیں چاہے بال برابر ہی کیوں نہ ہو۔

خبردار غلو سے بچ کر رہنا تم سے سابق اقوام اس بات سے ہلاک ہوئیں انھوں نے دین میں غلو کیا۔

میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ جب تک اس پر کاربند رہوگے کبھی گمراہ نہ ہوگے وہ ہے اللہ کی کتاب اور سنت رسول اللہؐ۔

لوگو! مجھ سے حج کی رسمیں سیکھ لو شاید میں اس حج کے بعد حج نہ کرسکوں، اخیر میں نبی کریم ﷺ نے مجمع سے پوچھا۔ جب تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم بتاؤ کیا کہو گے۔ لوگوں نے پکار کر کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچادیا۔ حقیقت سے سارے پردے اٹھا دیے اور امانت الٰہی کو ہم تک کما حقہ پہنچا دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے آسمان کی طرف تین بار انگلی اٹھا کر کہا خدایا گواہ رہیو! خدایا گواہ رہیو! خدایا گواہ رہیو!

پھر آپؐ نے امت کو الوداع کہنے سے پہلے فرمایا۔ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں غیر حاضر لوگوں تک پہنچا دیں۔ ممکن ہے کہ بعض سامعین کے مقابلے میں بعض غیر حاضر لوگ ان باتوں کو زیادہ اچھی طرح یاد رکھیں اور ان کی حفاظت کریں۔

خطبہ کے اختتام کے فوراً بعد میدان عرفات میں ہی یہ آیت تکمیل دین نازل ہوئی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاط

"آج تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام بطور دین پسند کیا۔"

اس آیت کے بعد وحی الٰہی کے نزول کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ چونکہ یہ واضح ہوگیا تھا کہ آپ کا فریضہ نبوت اب پورا ہو چکا ہے۔ آپؐ نے صاف صاف لوگوں سے فرمادیا کہ شاید میں آئندہ سال تم سے نہ مل سکوں۔ خطبہ سے فارغ ہوکر آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا اور ظہر وعصر کی نمازیں اکٹھی ادا کی گیں۔ ازاں بعد آپؐ عرفات سے مراجعت فرما کر مکہ روانہ ہوئے، سرراہ مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی نماز ادا فرمائی۔ رات بھر وہی آرام فرمایا۔ یہی ایک رات ہے جس میں آپ تہجد کے لیے نہ اٹھے۔ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے قبل منیٰ کی طرف کوچ کیا۔

منیٰ میں صرف جمرۃ العقبہ کی رمی فرما کر قربان گاہ کی طرف روانہ ہوئے وہاں
مدینہ سے قربانی کے لیے ہمراہ لائے ہوئے ایک سو اونٹوں میں سے تریسٹھ اونٹ اپنے
مبارک سے ذبح کیے۔ اس وقت آپؐ کی عمر بھی تریسٹھ برس تھی شاید اسی لیے اپنی عمر کے
اونٹ ذبح کیے باقی سینتیس اونٹ حضرت علیؓ کے سپرد فرمائے کہ وہ ذبح کریں۔ پھر منا
آخری فرض سر منڈوانا ادا کیا۔ اس سے فارغ ہو کر احرام کھول دیا۔ اسی دن دس (۱۰) ذی ا
عیدالاضحیٰ کہلاتا ہے۔ منیٰ سے روانہ ہو کر مکہ میں طواف زیارت کیا اور حضرت عباسؓ کے
قبلہ رخ ہو کر آپ زم زم سیر ہو کر پیا۔ اور پھر منیٰ لوٹ آئے منیٰ میں آپؐ نے تین دن گزار
یعنی گیارہ، بارہ اور تیرا ذی الحجہ جو ایام صدیق کہلاتے ہیں۔ تینوں ایام میں آپؐ نے جمرا
سات سات کنکریوں سے رمی فرمائیے اور بعد ظہر وہاں سے روانہ ہو کر براہ باب العلیا کہ
داخل وئے اور پھر طواف الوداع ادا کر کے مدینہ منورہ مراجعت فرمائی۔

قیام منیٰ میں ایام تشریق کے دوران آنحضورﷺ نے دو مرتبہ خطبے دیے ان میں
باتیں نئی تھیں اور بعض وہی تھی جو نویں تاریخ کو عرفات کے خطبے میں ارشاد فرما چکے تھے۔ اہم
لحاظ فرماتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

زمانہ پھر پھرا کر اسی نقطے پر آ گیا جس پر آسمان اور زمین کی پیدائش کے وقت تھا۔

"لوگو! کچھ معلوم ہے آج کون سا دن ہے؟ انھوں نے عرض کیا۔ خدا اور اس کا رسولؐ جانتے ہیں' آپؐ نے سکوت کے بعد فرمایا کیا آج قربانی کا دن نہیں؟ لوگوں نے پھر جواب دیا: کہ خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: کیا یہ حج کا مہینہ نہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: بے شک، پھر فرمایا یہ کون سا شہر ہے، لوگوں نے جواب دیا کہ خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ حرمت والا شہر (مکہ) ہے نہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: بے شک اس طرح دن مہینے اور شہر کی حرمت لوگوں کے ذہن میں بٹھا کر فرمایا:

تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں قیامت تک کے لیے اسی طرح حرمت کی مستحق ہیں جس طرح آج کا دن، یہ مہینہ اور یہ شہر حرمت والے ہیں۔

دیکھو! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگ جاؤ تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس

کرے گا۔"

"لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی نبی آئے گا نہ امت پیدا ہوگی، خوب سن لو اپنے پروردگار کی عبادت کرو، پانچوں وقت نماز پڑھو، رمضان کے روزے رکھو، مالوں کی زکوٰۃ خوشی خوشی دو، خانہ کعبہ کا حج کرو، اپنے حاکموں کے فرمانبردار رہو، اس کی جزا یہ ہے کہ تم اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

یہ فرما کر پھر عرفات والے خطبہ کی طرح لوگوں سے پوچھا، قیامت کے دن میرے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ لوگوں نے پکار کر کہا: ہم کہیں گے کہ آپؐ نے پیغام حق پہنچا دیا، امت کو نصیحت کرنے کا حق ادا کر دیا، حقیقت سے سارے پردے اٹھا دیے اور امانت الٰہی کو ہم تک کما حقہ پہنچا دیا۔ اس پر آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا: خدایا گواہ رہیو۔ نیز کہا جو لوگ موجود ہیں وہ ساری باتیں ان کو پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت:

خطبہ حجۃ الوداع ایک بین الاقوامی منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں رسالت مابؐ آنحضورﷺ نے جو کچھ پیش فرما دیا ہے انسانی کاوشیں آج تک اس سے آگے کچھ سوچ نہیں سکیں بلکہ کوئی دوسرا نظام تمدن وہ معیار انسانیت عملاً پیدا نہیں کر سکا جو اس منشور اعظم میں دیا گیا ہے۔ اس خطبہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسلامی حکومت کن اصولوں کی بنیاد پر تشکیل پائے گی اور اس کا نظام تمدن کیا ہوگا اس میں خدا کی توحید کے انقلابی عقیدے کا نہ صرف اعلان کیا گیا ہے بلکہ اس کی عبودیت کو نظام حیات کی روح کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

اس کی اہمیت اس امر سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اس میں مسلمانوں کے لیے ایک دوسرے کے جان و مال محترم ٹھہرائے گئے ہیں اور قتل کا قصاص لینا لازم کر دیا گیا ہے اس میں تاریخ میں پہلی دفعہ بے راہر و عربوں کو نظم و ضبط کا پابند شہری بنایا گیا۔ انتقامی جنگوں اور لوٹ مار کے چکر کو توڑ دیا گیا اور معاشرہ کو سودی کاروبار کی لعنت سے نجات دی گئی۔ دور جاہلیت کے اعزازات اور مناصب کو ختم کر دیا گیا۔ اسلام کے بنیادی احکامات اور کتاب اللہ کی پیروی پر زور دینے کے ساتھ ساتھ اطاعت امیر کا جذبہ پیدا کر کے ملت اسلامیہ میں نظم و ضبط کی وہ انقلابی روح پیدا کر دی گئی کہ جس کے سامنے شان عجم اور شکوہ روم کی وقعت ختم ہو کر رہ گئی۔

اس میں اسلامی معاشرہ کو اجاگر کرنے کی غرض سے تمام نسلی تفاخر کا قلع قمع کر کے

غلاموں کو معاشرے میں معزز مقام دیا گیا، عورتوں کے حقوق متعین کیے گئے۔ خواتین کو اللہ کی امانت قرار دے کر ان سے حسن سلوک کی تاکید کر دی گئی۔ اس میں دین حق کے علمبرداروں کے درمیان اخوت کا رشتہ لازمی قرار دیا اور کتاب الٰہی کو نظام اسلامی کا ضابطہ، اساسی قرار دیا گیا ہے۔ سے بڑھ کر یہ کہ وطنی اور نسلی تفریقوں کو بے معنی بنا دیا گیا ہے۔ اس میں عزت عظمت کا معیار خدا پرستانہ اور متقیانہ کردار کو معین کیا گیا ہے۔ یہ خطبہ اس لیے بھی خاص اہمیت کا حامل ہے کہ اس کے بعد " اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُمْ دِینَکُمْ کی آیت نازل ہوئی جس نے واضح کر دیا کہ دین اسلام کامل کر دیا گیا ہے۔

الغرض خطبہ الوداع ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر ہم مسلمان اپنی ہر قیادت کے کارنامے کو پرکھ سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں نہ صرف ہمیں اپنے چہرے دکھائی دے سکتے ہیں بلکہ جس میں ہم غیر اسلامی تمدنوں کی حقیقت کا عکس بھی دیکھ سکتے ہیں۔ یہ خطبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک آخری پیغام کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں ملت اسلامیہ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس کی نوعیت پیغمبر پاک صلعم کی وصیت کی سی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت اور وصال

(۲شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری مطابق ۶۳۲ھ)

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُولٌ قَدْخلتْ مِنْ قَبْلِهِ الرَّسُلُ اَفائِنْ مَاتَ اوْقُتِلَ انقَلَبْ تُمْ عَلٰی اعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَّنْقَلبْ عَلٰی عَقِبَیْدِ فَلَنْ یَّضُر اللّٰه شَیْاً وسَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰکِرِیْنَ. (پ۴ آل عمران ۳:۱۴۴)

"اور محمدؐ تو ایک رسولؐ ہے ان سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے (ہاں) جو کوئی ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ تعالیٰ تو شکر گذاروں کو اچھ بدلہ دینے والا ہے۔"

جزیرۃ العرب سے کفر و شرک کے استیصال، اسلام کی اشاعت، شریعت و مکارم اخلاق کی تعلیم، حجتہ الوداع میں تکمیل دین کے آخری فرائض سے سکبدوشی اور الیوم اکملت لکم دینکم کی تصدیق کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد پورا ہو چکا تھا، اس کے بعد روح قدسی کو عالم جسمانی میں رہنے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا کار عظیم پورا ہو چکا تھا۔ اب اس دنیا سے رحلت کا وقت قریب آ گیا جس کا پہلی بار اس کا لطیف سورۂ نصر کے ذریعہ سے ہوا جس میں دین کے غلبے اور کامیابی کی بشارت کے ساتھ ساتھ فرمایا گیا تھا کہ "فسج بحمد ربک استغفرہ (اللہ کی حمد کی تسبیح پڑھ اور استغفار کر) خطبہ حجتہ الوداع میں بھی کئی اشارے ایسے تھے جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ آپؐ کے وصال کا زمانہ قریب آ چکا ہے۔ اسی لیے حجتہ الوداع ہی میں آپؐ نے مسلمانوں کو الوداع کہا اور مدینہ واپس تشریف لا کر عالم آب و گل چھوڑنے اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے زیادہ وقت ہدایت و ارشاد خلق اور عبادت خالق میں گزارنے لگے، حتیٰ کہ آپؐ پر اس آیت کا نزول ہوا:

وَالاٰخِرَۃُ خَیرٌ لَّکَ مِنَ الاُولیٰ

"درحقیقت اب آخرت تمہارے لیے بہتر ہے۔"

گویا تمام دنیا کو اطلاع دے دی گئی کہ آنحضرتؐ کی رحلت کا وقت آ پہنچا ہے۔ چنانچہ صفر ۱۱ ہجری (اپریل ومئی ۶۳۲ء) میں آپؐ احد تشریف لے گئے اور احد کے گنج شہیداں پر نماز پڑھی اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ وہاں سے واپس ہو کر ایک مختصر خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"لوگو! میں تم سے آگے جانے والا ہوں اور تمھاری شہادت دینے والا ہوں، واللہ، میں حوض کوثر کو یہاں سے دیکھ رہا ہوں، مجھے سلطنتوں کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں (یعنی مختلف ممالک دعوت حق کے نتیجے میں فتح ہونے والے ہیں) مجھے یہ ڈر نہیں رہا کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے۔ البتہ اس کا اندیشہ ہے کہ دنیاوی مفاد کی کشمکش میں نہ پڑ جاؤ جس طرح تم سے پہلے کی قومیں ہلاک ہوئیں"

جنت البقیع میں دعا:

صفر ہی کے مہینے میں ایک روز آدھی رات کو آپؐ نے اپنے خادم و آزاد کردہ غلام ابو مویہبہ کو جگا کر فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے لیے وہاں جا کر دعائے مغفرت کروں۔ پس اٹھو اور میرے ساتھ جنت البقیع میں چلو۔ چنانچہ آپ جنت البقیع تشریف لے گئے اور آسودگان کے لیے آپؐ نے دعا فرمائی جنت البقیع سے آپؐ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لائے جہاں پہنچتے ہی سر میں درد شروع ہو گیا۔ اور اس مرض کی ابتدا ہوئی جس میں آپ نے وصال فرمایا

آغاز مرض:

جنت البقیع سے واپسی پر ہلکا ہلکا دردسر شروع ہوا تھا، پھر ۲۹ صفر بروز دوشنبہ کو ایک جنازے سے واپس آ رہے تھے کہ راستے ہی میں دردسر شروع ہو گیا۔ پھر سخت بخار لاحق ہوا، اور اس میں اتنی شدت پیدا ہوئی کہ بدن مبارکؐ پر ہاتھ رکھنا مشکل تھا۔ اس حالت میں بھی آپ باری باری ازواج مطہرات میں تشریف لے جاتے رہے، مگر جب مرض بہت بڑھ گیا تو ازواج نے خوشی سے خود بخود اجازت دے دی کہ آپؐ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں رہیں۔ مرضی مبارک بھی یہی تھی۔

جب تک چلنے پھرنے کی سکت رہی، نماز مسجد میں ادا فرماتے رہے۔ آخری نماز مغرب کی پڑھائی۔ عشاء کی نماز کے لیے کئی مرتبہ مسجد کا قصد کیا مگر مرض کی نقاہت سے ہر مرتبہ غش آ گیا اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کے بعد کئی دن تک حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھاتے رہے۔

وصال:

آخری دن (دوشنبہ) نماز صبح کے وقت آنحضرت ﷺ نے وہ پردہ اٹھایا جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے اور مسجد نبویؐ کے درمیان پڑا ہوا تھا اس وقت نماز ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک آپؐ اس پاک نظارے کو ملاحظہ فرماتے رہے، اس نظارے سے رخ انور پر بشاشت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ آپؐ کے خادم حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آپ کا چہرۂ اقدس قرآن کا ورق معلوم ہوتا تھا۔

صحابہؓ کا شوق اور اضطراب سے یہ حال ہو گیا تھا کہ ان کی آنکھیں رخ پرنور کی طرف ہی متوجہ رہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سمجھے کہ نبی اکرم کا ارادہ نماز میں آنے کا ہے، وہ پیچھے ہٹنے لگے، تو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ نماز پڑھاتے رہو۔ یہی اشارہ سب کی تسکین کا موجب ہوا۔ پھر حضورؐ نے پردہ چھوڑ دیا۔ یہ نماز حضرت ابوبکرؓ صدیق ہی نے مکمل کرائی۔

دن چڑھا تو پیاری بیٹی فاطمہ الزہراؓ کو بلایا۔ کان میں کچھ بات کہی۔ وہ رو پڑیں پھر کچھ اور بات کہی تو وہ ہنس پڑیں۔ بتول پاکؓ سے روایت ہے کہ پہلی بات حضورؐ نے یہ فرمائی تھی کہ میں دنیا کو چھوڑ رہا ہوں اور دوسری بات یہ فرمائی کہ اہل بیت سے سب سے پہلے تم ہی میرے پاس پہنچو گی (یعنی انتقال ہوگا۔ اسی روز آنحضرت ﷺ فاطمہ الزہراؓ کو سیدۂ نساء العالمین ہونے کی بشارت دی۔ سیدہ النساء نے حضورؐ کی حالت کو دیکھ کر کہا: آہ میرے باپ کی بے چینی۔ آپؐ نے سنا تو فرمایا کہ تیرے باپ کو علاج کے بعد کوئی بے چینی نہ ہوگی۔ پھر حسنؓ و حسینؓ کو بلایا۔ دونوں کو چوما اور ان کے احترام میں وصیت فرمائی۔

پھر ازواج مطہرات کو بلوایا اور ان کو نصیحتیں فرمائی۔ حالت نزع طاری تھی۔ اس وقت سرور کائنات کو عائشہؓ صدیقہ سہارا دیے ہوئے پس پشت بیٹھی ہوئی تھیں۔ پانی کا پیالہ حضورؐ کے سرہانے رکھا ہوا تھا۔ آپؐ پیالے میں ہاتھ ڈالتے اور چہرے پر پھیر لیتے۔ چہرہ مبارک کبھی سرخ ہوتا تھا۔ کبھی زرد پڑ جاتا تھا۔ زبان مبارک سے فرماتے تھے:

لاَ اِلٰهَ الا اللّٰه اِنَّ لِلْمُوْتِ سَکَرَاتٌ

اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر صدیقؓ آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی۔ آپؐ نے مسواک کو رغبت سے دیکھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نرم کر کے پیش کی۔ آپؐ نے تندرستوں کی طرح مسواک کی۔ لیکن مزاج مبارک برابر بگڑتا گیا۔ سہ پہر کے وقت سینہ مبارک میں سانس کی کھڑ کھڑاہٹ محسوس ہوتی تھی۔ لب مبارک ہلے تو یہ فرمایا: ''نماز اور لونڈیاں، غلام'' پاس پانی رکھا تھا، اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرہ مبارک پر مل لیتے۔ یکا یک ہاتھ اٹھا کر اور انگلی کے اشارے سے تین مرتبہ فرمایا:

اَللّٰهُمَّ الرَّفِیْقُ الاَعلیٰ

(اب صرف اللہ درکار ہے جو سب سے بڑا رفیق ہے)

اس وقت ہاتھ لٹک گیا۔ پتلی اوپر کو اٹھ گئی۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری یوم دوشنبہ وقت چاشت تھا کہ جسم اطہر سے روح پرواز کر گئی۔ اس وقت عمر مبارک ۶۳ سال اور چار دن تھی۔

اس سانحہ عظیم کی خبر ہوا کی طرح مدینے کی گلی کوچوں میں پھیل گئی۔ صحابہؓ کے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کو شدت الم اور فرط محبت و عقیدت سے آپؐ کی وفات کا یقین نہ آتا اور وارفتگی میں برہنہ تلوار لے کر مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے جو شخص کہے گا کہ رسول ﷺ کا وصال ہو گیا ہے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ اسی دوران حضرت ابوبکرؓ کو خبر ہوئی تو گھبرائے ہوئے سیدھے بی بی عائشہؓ کے حجرے میں داخل ہوئے اور رخ انور سے نقاب اٹھا کر پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور بصد حزن و غم میں روتے رہے کہا۔

''یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ خدا کی قسم آپؐ پر دو موتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ وہ موت جو آپؐ کے لیے مقدر تھی۔ اس کے بعد دوسری موت نہ آئے گی''

حجرے سے نکل کر دیکھا تو حضرت عمرؓ قسم کھا کھا کر وفات نبویؐ کا انکار کر رہے تھے۔ یہ بڑا نازک وقت تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دینی بصیرت اس وقت دستگیری نہ کرتی تو نہ معلوم کیا نتائج برآمد ہوتے۔ آپؐ نے کہا: درحقیقت آقائے نامدار آخرت کو سدھارے شاہ دین و دنیا نے دنیا سے منہ موڑا۔ جان سے زیادہ پیارا محبوب رخصت ہوا۔ ہم سب کو لکھا پڑھا کر، بتا اور سکھا کر اور اللہ والا بنا کر ہمارے پیغمبر نے لقائے رب کو اختیار فرمایا۔ اس کے بعد آپ منبر پر چڑھ

گئے اور وفات پر آیات کے اعلان کا خطبہ پڑھا' حمد و صلوٰۃ کے بعد کہا:

''واضح ہو کہ جو کوئی شخص تم میں سے محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا تو بے شک وہ مر گئے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک زندہ ہے۔ اسے موت نہیں۔ اللہ نے خود فرمایا ہے۔ محمدؐ تو ایک رسول ہے، ان سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں۔ کیا اگر وہ مر گیا یا شہید ہوا تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ ہاں، جو کوئی ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ تعالیٰ تو شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دینے والا ہے۔''

تجہیز و تکفین:

وفات کے دن شام ہو چکی تھی۔ تجہیز و تکفین اور قبر کنی کے مراحل رات سے پہلے انجام نہیں پا سکتے تھے علاوہ ازیں وفات کے بعد سوال اٹھا، کہ آپ کو کس جگہ دفن کیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: مجھے آنحضرت ﷺ کا یہ قول بخوبی یاد ہے کہ نبی کی روح اسی جگہ قبض ہوتی ہے جہاں وہ دفن ہونا پسند کرتا ہے۔ فیصلہ ہوا کہ حضرت عائشہؓ کے کمرے میں ہی جہاں آپؐ نے وفات پائی قبر مبارک کھودی جائے۔ ابوطلحہؓ انصاری نے مدینہ کے رواج کے مطابق بغلی لحد کی قبر کھودی۔ زمین میں نمی کے باعث آپ کا بستر لحد میں بچھا دیا گیا۔

حضرت علی کرمؓ، حضرت اسامہؓ، حضرت صالحؓ، حضرت عباسؓ اور ان کے دو بیٹے فضلؓ اور قثمؓ اور ایک انصاری حضرت اوسؓ بن خولی نے آپؐ کو غسل دیا۔ کفن کے لیے تین سفید سوتی کپڑے استعمال کیے گئے۔ کفن اور قبر سے فراغت کے بعد نماز جنازہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ حجرے میں جگہ کی تنگی کے باعث باری باری تھوڑے تھوڑے لوگ اندر آتے جاتے اور بلا امام نماز ادا کرتے کرتے۔ پہلے مردوں نے نماز پڑھی، پھر عورتوں نے۔ بعد بچوں نے۔ یہ سلسلہ پیر کے دن شروع ہوا اور منگل کی رات تک رہا اور اسی رات شنبہ ۱۳ ربیع الاول ۱۱ ہجری مطابق ۶۳۲ء کو حضور ﷺ کے جسد مقدس کو لحد میں اتارا گیا۔ یہ شرف حضرت علی کرمؓ، حضرت فضلؓ بن عباسؓ، حضرت اسامہؓ بن زید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو حاصل ہوا۔ اس طرح وہ پیکر نور تریسٹھ برس اور پانچ دن اس دنیا میں گزار کر پردۂ خاک میں نہاں ہوا' جس کی کرنیں قیامت تک اس کائنات کو منور رکھیں گی۔

ازواج مطہرات واولاد

۱۔ حضرت خدیجہؓ

حضرت خدیجہؓ کو تاریخ اسلام میں بڑی عظمت اور وقعت حاصل ہے۔ آپؓ آنحضرتﷺ کی سب سے پہلی بیوی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرتﷺ کو منصب نبو پر سرفراز فرمایا تو دنیا میں سب سے پہلے جس محترم ہستی نے آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی حضرت خدیجہؓ ہی تھیں۔ آنحضرتﷺ نے دوسری شادی نہیں کی۔

حضرت خدیجہؓ خاندان قریش کی ایک چالیس (۴۰) سالہ اور پاکیزہ اخلاق خاتو تھیں طاہرہ ان کا لقب تھا۔ آپؓ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ اور والد کا نام خویلد تھا۔ ایک معزز قریشی تھے اور اسد بن عبدالعزی بن قصی کے بیٹے تھے۔ آنحضرتﷺ سے نکاح وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔ جب کہ آنحضورﷺ کی عمر پچیس برس تھی۔ ایک کے سوا آنحضرتﷺ کی کل اولادیں ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ حضرت خدیجہؓ عرب کی ایک بہت مالدار خاتون تھیں۔ آنحضرتﷺ اگر چاہتے تو کثیر دولت سے عیش وعشرت کی شا زندگی گذارتے۔ آپ نے اس تمام دولت میں سے ایک درہم بھی اپنے عیش وآرام پر صرف کیا اور تمام کی تمام دولت غریبوں کی اعانت، مسکین کی امداد، یتیموں کی خبر گیری، قرض داروں ادائیگی اور مسافروں کی مہمان نوازی میں صرف کردی ان کی زندگی میں آنحضرت نے دوسرا نہ کیا۔ ہجرت مدینہ سے قبل دس سن نبوی مطابق ۶۲۰ء میں پچیس برس تک محبت وعشق خدمت اطاعت، فیاضی وسیر چشمی، صبر وشکر اور ایثار وخلوص کا ارفع واعلیٰ نمونہ دکھانے کے بعد حضرت خدیجہؓ طاہرہ نے بعمر ۶۵ مکہ میں وفات پائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپؓ مکہ ہی مدفون ہوئیں۔ حضرت خدیجہؓ کے انتقال سے آنحضرتﷺ ایک محبت کرنے والی بیوی

جدا نہیں ہوئے بلکہ اسلام کے ایک بہت بڑے معاون ومددگار اور پشت پناہ سے بھی محروم ہوگئے۔

۲۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ:

حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد آنحضرتﷺ بہت پریشان اور غمگین رہا کرتے تھے۔ اس افسردگی کو دور کرنے کے لیے آنحضورﷺ نے سودہؓ بنت زمعہ سے نکاح فرمایا۔ یہ بھی بیوہ تھیں۔ ان کے پہلے شوہر کا نام سکرانؓ بن عمرو تھا۔ آغاز اسلام میں دونوں میاں بیوی مسلمان ہوئے اور حبشہ ہجرت کر گئے۔ حبشہ سے واپس کے کچھ دنوں بعد سکرانؓ کا انتقال ہوگیا چنانچہ ان کے انتقال کے بعد آنحضورﷺ نے نبوت کے دسویں برس حضرت سودہؓ سے نکاح فرمایا۔ بڑی سخی اور فیاض تھیں ۱۹ ہجری بعد عہد فاروقی مدینہ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئیں۔

۳۔ حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ:

حضرت عائشہؓ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھی۔ نبوت کے دسویں برس آنحضرت نے ان سے مکہ میں نکاح کیا۔ رخصتی تین برس بعد مدینہ میں ہوئی۔ آنحضرتﷺ کی بیبیوں میں سے صرف آپؓ کنواری تھیں۔ آپؓ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ بڑی ذہین، زیرک اور فہیم تھیں غیر معمولی حافظہ کی مالک تھیں۔ آنحضرتﷺ نے عورتوں کے نسوانی احکام ومسائل کی تعلیم کے لیے انہیں خاص طور سے تعلیم دی۔ حضرت عائشہؓ نہ صرف امہات المومنین بلکہ بہت سے صاحب علم صحابہؓ میں بھی ممتاز مقام کی حامل تھیں۔ بڑے بڑے جید صحابہؓ مہمات مسائل ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ دو ہزار دو سو حدیثیں آپؓ سے روایت ہوئی ہیں۔ شرعی احکام کا ایک چوتھائی حصہ صرف آپؓ کے ذریعہ امت کو پہنچا۔ آپؓ نے صرف نو سال آنحضرتﷺ کی رفاقت میں گذارے۔ رسول اللہﷺ کے وصال کے بعد پینتالیس سال تک زندہ رہیں اور ۱۸ رمضان ۵۷ھ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

۴۔ حضرت حفصہ بنت عمرؓ:

یہ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں، یہ بیوہ تھیں۔ ان کی پہلی شادی خنیس بن حذافہ سے ہوئی تھی جو جنگ بدر میں زخمی ہوئے اور انہی زخموں کی وجہ سے مدینہ میں وفات پاگئے۔ ان کے انتقال کے بعد شعبان ۳ ہجری میں آنحضرتﷺ نے حفصہؓ سے نکاح کر لیا۔ حضرت حفصہؓ کے

مزاج میں کسی قدر تیزی تھی۔ جمادی الاول ۱۴ہجری میں آپؓ نے مدینہ میں ۵۹ سال کی عمر میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

۵۔ام المساکین حضرت زینبؓ بنت خذیمہ

پہلے عبداللہ جحشؓ کے نکاح میں تھیں جو جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ دل داری کے خیال سے آنحضرت ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کرلیا۔ نکاح کے وقت حضرت زینب کی عمر ۲۲ سال تھی جب کہ آنحضرت ﷺ ۵۵ سال حضرت زینب غریبوں اور مسکینوں کو فیاضی سے کھانا کھلایا کرتی تھیں اس لیے ام المساکین کہلائیں۔ حضرت زینب نکاح کے دو تین ماہ بعد ۳ہجری ہی میں فوت ہو گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے خود جنازے کی نماز پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا۔ حضرت خدیجہ کے بعد یہی بی بی تھیں جن کا انتقال آنحضرتؐ کی زندگی میں ہوا۔

۶۔حضرت ام سلمہؓ ہند بنت ابو امیہ مخزومیہ:

یہ بیوہ تھیں۔ ان کی پہلی شادی آنحضرت ﷺ کے دودھ کے بھائی عبداللہ بن الاسدؓ سے ہوئی تھی۔ جن کی کینت ابوسلمہ تھی۔ حضرت ام سلمہؓ کا اصلی نام ہندؓ تھا اور ام سلمہؓ کنیت تھی۔ آغاز اسلام میں اپنے خاوند عبداللہ بن عبدالاسدؓ کے ساتھ اسلام لائیں اور ہجرت حبشہ کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ عبداللہ بن عبدالاسد غزوہ احد میں زخمی ہوئے اور جانبر نہ ہو سکے۔ عبداللہ کے انتقال کے بعد ام سلمہ ۴ ہجری میں حرم نبویؐ میں داخل ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عرصہ تک زندہ رہیں۔ سانحہ کربلا کے بعد ۶۳ہجری میں ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں انہی کا انتقال ہوا۔ علمی ذہانت کے اعتبار سے حضرت عائشہؓ کے بعد انہیں کا درجہ تھا۔

۸۔حضرت زینب بن جحش:

یہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی امیمہ کی صاحبزادی تھیں۔ پہلے ان کی شادی خود آنحضرت ﷺ نے اپنے متبنّی حضرت زید بن حارثہؓ سے کر دی تھی تاکہ اسلامی مساوات قائم ہو جائے اور اونچ نیچ کا کوئی خیال نہ رہے لیکن میاں بیوی میں نبھ نہ سکی اور طلاق ہو گئی۔ زیدؓ کے طلاق دینے سے بعد ۵ میں آنحضرت ﷺ نے خود حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا۔ حضرت زینب بہت فیاض، عابدہ زاہدہ اور حسین وجمیل تھیں۔ انہی اوصاف کی بناء پر آنحضرت ﷺ انہیں بہت

محبوب رکھتے تھے۔ امہات المومنین میں یہی حضرت عائشہؓ کی ہمسری کرتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے انہی کا ۲۰ ہجری میں انتقال ہوا۔ حضرت زینب نے ترپن سال کی عمر میں مدینہ میں وفات پائی۔

۸۔حضرت جویریہؓ بنت حارث بن ضرار:

یہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں۔ غزوہ بنی مصطلق میں گرفتار ہوئیں۔ یہ ثابت بن قیس انصاریؓ کے حصہ میں پڑیں۔ لیکن ذی وجاہت خاندان ہونے کے سبب ان کی غیرت نے غلامی کو گوارا نہ کیا۔ نو اوقیہ سونے پر ثابت سے رہائی کی شرط قرار پائی۔ لیکن پاس کچھ نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی گزشتہ عظمت اور موجودہ نکبت بیان کر کے مدد کی طالب ہوئیں۔ آپؐ نے ان کی رضا سے ثابت کی رقم ادا کر کے شعبان ۵ ہجری میں ان سے شادی کر لی۔ اس پر تمام صحابہؓ نے بنی مطلق کے تمام لونڈی و غلام آزاد کر دیے۔ حضرت جویرہؓ نے ربیع الاول ۵۰ میں اکہتر سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

۹۔حضرت ام حبیبہ رملہؓ بنت ابوسفیان:

ان کا اصلی نام رملہ تھا۔ اپنی بیٹی حبیبہ کی وجہ سے ام حبیبہ مشہور ہوئیں۔ مکہ کے رئیس ابوسفیان کی بیٹی اور امیر معاویہؓ کی بہن تھیں۔ اپنے پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ساتھ آغاز اسلام میں مسلمان ہوئیں اور دوسری ہجری میں ہجرت حبشہ سے مشرف ہوئیں۔ حبشہ میں ان کے شوہر نے عیسائی مذہب اپنا لیا۔ لیکن یہ خود اسلام پر قائم رہیں اور شوہر سے علیحدہ ہو گئیں آنحضرت ﷺ نے خود نجاشی شاہ حبش کی وساطت سے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا جو انھوں نے قبول کیا۔ حضرت ام حبیبہؓ کی جانب سے خالد بن سعید اموی اور آنحضرت ﷺ کی جانب سے نجاشی کی وکالت میں چار سو دینار حق مہر پر عقد ہوا۔ نجاشی شاہ حبش نے آنحضرت ﷺ کی اجازت سے مہر کی رقم ادا کی اور ولیمہ کیا۔ ازاں بعد حضرت ام حبیبہؓ کو شرجیل بن حسنہ کے ساتھ آنحضرت کی خدمت میں مدینہ بھیج دیا۔ ام حبیبہؓ کی عمر اس وقت چھتیس (۳۶) سال تھی انھوں نے ۴۴ ہجری میں ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔

۱۰۔حضرت صفیہ بنت حیی:

ان کا اصلی نام زینبؑ تھا۔ یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب کی

صاحبزادی تھی۔ پہلے خاوند کا نام کنانہ تھا جو جنگ خیبر میں مارا گیا۔ صفیہؓ کے باپ اور بھائی
اس جنگ میں کام آئے اور وہ خود گرفتار ہوئیں۔ چونکہ غزوہ خیبر میں مال غنیمت میں یہ امام
کے پانچویں حصے خمس میں پڑی تھی جسے صفا کہتے ہیں اس لیے صفیہ کہلائیں۔ یہ حضرت دحیہ
کلبی کے حصے میں آئیں۔ لیکن جب بعض صحابہؓ نے وحید کلبیؓ کو بنونضیر اور بنو قریظہ کی رئیسہ
دیے جانے پر اعتراض کیا تو آنحضرتﷺ نے ایک رئیسہ کی عزت و شان قائم رکھنے کے
حضرت وحیہ کو دوسری لونڈی دے کر جمادی الثانی ۷ ہجری میں اپنے عقد میں لے لیا۔ جب ک
کی عمر ۱۷ سال تھی اور ہمیشہ ان سے دلجوئی، توقیر اور محبت کا سلوک کیا۔ ایک دفعہ جب حضرت
عائشہؓ اور حضرت زینبؓ جنہیں ازواج مطہرات میں خصوصیت حاصل تھی، نے حضرت صفیہؓ
نسلی یہودیت پر طنز و طعن کی تو انہوں نے آنحضرتﷺ سے شکایت کی۔ اس پر آپؐ نے فر
تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ایک نبی (ہارونؑ) میرے باپ، ایک نبی (حضرت موسیٰؑ) میرے
اور ایک نبی (محمدﷺ) میرے شوہر ہیں۔ مجھ سے افضل کون ہو سکتا ہے۔

حضرت صفیہؓ نے رمضان ۵۰ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں
مدفون ہوئیں۔

۱۱۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث:

یہ قبیلہ بنو عامر سے تھیں۔ قبل ازیں دو بار بیوہ ہو چکی تھیں۔ آنحضرتﷺ نے ان
سے ذلقعدہ ۷ ہجری میں ۳۶ سال کی عمر میں عمرۃ القضاء کے موقع پر نکاح کیا اور انہوں نے
ہجری میں ۸۰ سال کی عمر میں مکہ کے قریب مقام سرف میں انتقال کیا۔

۱۲۔ حضرت ماریہ قبطیہ:

حضرت ماریہ قبطیہ کو مصر کے حاکم مقوقس نے اپنے ملک کے رواج کے مطابق بطور
آنحضرتﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ آنحضرتﷺ نے بادشاہانہ دستور و ضوابط کو ملحوظ رکھتے
ہوئے حضرت ماریہ کو کسی دوسرے صحابی کے حوالے نہیں کیا بلکہ انہیں اپنے حرم پاک میں داخل
کر لیا۔ آنحضرتﷺ کے صاحبزادے ابراہیم انہی کے بطن سے تھے۔

اولاد اطہار:

آنحضرتﷺ کی اولاد کی تعداد میں اختلاف ہے بعض روایات کی رو سے ان کی

تعداد بارہ تک پہنچ جاتی ہیں ہے تاہم متفق علیہ روایت یہ ہے کہ چھ اولادیں تھیں، دو صاحبزادے
حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم۔ چار صاحبزادیاں حضرت زینبؓ رقیہؓ ام کلثومؓ اور فاطمۃ الزہرہ۔

صاحبزادے

حضرت قاسم:

حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئے اور قبل نبوت وفات پا گئے۔ آنحضرتﷺ کی
کنیت ابو قاسم انہی کے نام پر تھی۔

حضرت ابراہیم:

۸ ہجری میں حضرت ماریہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے تقریباً سترہ یا اٹھارہ مہینے زندہ رہے
ان کی موت کے دن اتفاق سے سورج گرہن تھا۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ ابراہیم کی موت اس کا
سبب ہے لیکن آنحضرتﷺ نے تردید فرماتے ہوئے کہا کہ چاند اور سورج خدا کی نشانیاں ہیں۔
کسی کی موت سے ان میں گہن نہیں لگتا۔

صاحبزادیاں

۱۔ حضرت زینبؓ:

حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں۔ ان کی شادی اپنی خالہ کے بیٹے ابوالعاص سے ہوئی
تھی۔ ۸ ہجری میں رحلت کی۔

۲۔ حضرت رقیہؓ:

ان کی شادی پہلے ابولہب کے بیٹے سے ہوئی تھی۔ لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ
اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا۔ ابولہب اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اس نے اپنے بیٹے سے کہہ کر
طلاق دلا دی۔ آنحضرتﷺ نے حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ ہجرت حبشہ
میں وہ اپنے خاوند کے ساتھ تھیں۔ حضرت رقیہؓ ۲ ہجری میں جنگ بدر کے موقع پر وفات پا گئیں۔

۳۔ حضرت ام کلثوم:

حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ سے نکاح ہوا ان کی بھی شادی پہلے ابو لہب کے ایک بیٹے سے ہوئی تھی۔ لیکن ابولہب نے اسلام دشمنی کی بناء پر اپنے بیٹے سے طلاق دلادی تھی۔ ام کلثومؓ نے ۹ھ میں وفات پائی۔

۴۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ:

آنحضرت ﷺ کی سب سے چھوٹی اور چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ تھیں۔ چال ڈھال اور عادات میں آنحضرت ﷺ سے بہت ملتی جلتی تھیں۔ جنگ بدر کے بعد ان کا حضرت علی کرم سے نکاح ہوا۔ پانچ اولادیں ہوئیں حسنؓ، حسینؓ، ام کلثومؓ، زینبؓ اور محسنؓ۔ ان میں سے محسن اوائل عمر میں ہی انتقال کیا۔ حضرت فاطمہؓ نے رسول پاکؐ سے صرف چند ماہ بعد انتیس برس کی عمر میں ۱۱ ہجری میں وفات پائی۔

محسن انسانیت ﷺ غیر مسلموں کی نظروں میں

نپولین بونا پارٹ محسن انسانیت آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

"محمد کی ذات ایک مرکز ثقل تھی جس کی طرف لوگ کھنچے چلے آتے تھے۔ انؐ کی تعلیمات نے لوگوں کو اپنا مطیع و گرویدہ بنالیا اور ایک گروہ پیدا ہو گیا جس نے چند ہی سال میں اسلام کا غلغلہ نصف دنیا میں بلند کر دیا۔ اسلام کے ان پیروؤں نے دنیا کو جھوٹے خداؤں سے چھڑالیا۔ انھوں نے بت سرنگوں کر دیے۔ موسیٰ کے پیروؤں نے پندرہ سو سال میں کفر کی نشانیاں اتنی منہدم نہ کی تھیں جتنی ان متبعین اسلام نے صرف پندرہ سال میں کر دیں۔ حقیقت یہ ہے محمدؐ کی ہستی بہت ہی بڑی تھی۔"

ڈاکٹر مسز اینی بیسنٹ نے ۱۹۱۲ء میں ایک تصوف کانفرنس میں حضور مقبول ﷺ کی حیات کی طیبہ پر اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا:

"جہاں تک اسلام کے بانی کا تعلق ہے، آپؐ کی زندگی کی تاریخ میں علم الاصنام کا وہ عنصر نہیں پایا جاتا جس نے دوسرے بڑے مذہبی پیشواؤں کی زندگیوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ آپؐ کی زندگی ایک ایسے زمانے میں بسر ہوئی تھی، جسے تاریخی زمانہ کہا جاتا ہے آپؐ کی زندگی اپنے خدو خال کے اعتبار سے کس قدر سادہ، کس قدر بہادرانہ تھی تاریخ آدمیوں کی عظیم الشان زندگیوں میں سے ایک۔ آپؐ تاریخ کے ایک کٹھن دور میں پیدا ہوئے تھے جو سخت اور مشکل حالات سے گھرا ہوا تھا۔ آپؐ ایک ایسی قوم میں پیدا ہوئے تھے جو سرتا

پا اوہوام پرستی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

ہمیں آپؐ کی زندگی اس شرفانہ اور اس قدر سچی نظر آتی ہے ہم فوراً معلوم کر لیتے ہیں کہ کیوں آپؐ اپنے گردو پیش کے لوگوں تک اپنے خدا کا پیغام پہنچانے کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ مکہ کے تمام مرد، عورتیں اور بچے آپ کو اَلامِین کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ یعنی صادق، دیانیت دار۔ مجھے اس سے زیادہ پائے کا اور زیادہ شریفانہ اور کوئی لقب نہیں ملتا جس سے وہ اس شخص کو پکارا کرتے تھے۔

پنڈت گوپال کرشن ایڈیٹر بھارت سماچار بمبئی ''مہاپرش'' کے عنوان سے آنخضرت ﷺ کی سیرت طیبہ یوں بیان کرتے ہیں:

''رشی محمدؐ صاحب کی زندگی پر جب ہم وچار کرتے ہیں تو یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ ایشور نے ان کو سنسار سدھارنے کے لیے بھیجا تھا۔ انؐ کے اندر وہ شکتی موجود تھی جو ایک گریٹ ریفارمر (مصلح اعظم) اور ایک مہاپرش (ہستی اعظم) میں ہونی چاہیے۔

وہ عرب کے فاتح اعظم تھے مگر مفتوح اقوام کے لیے پیغام رحم وکرم تھے، آپؐ کی تعلیم میں ایک چمکتا ہوا ستارہ یہ بھی ہے کہ وہؐ امیر غریب کو ایک ہی سطح پر زندگی بسر کرنے کا ڈھب سکھلاتے تھے۔ آپؐ کا قول تھا کہ غریب کے پہلو میں بھی دل ہے جو اچھے سلوک سے خوش اور برے سلوک سے ناخوش ہوتا ہے۔

مشہور یورپین محقق لین پول رقمطراز ہے کہ: ''محمد (ﷺ) نہایت بااخلاق اور رحمدل بزرگ تھے۔ انؐ کی بے ریا خدا پرستی، عظیم فیاضی مستحق تعریف ہے۔ آپؐ اس قدر انکسار پسند تھے کہ بیماروں کی عیادت کو جایا کرتے تھے، غلاموں کی دعوت قبول کر لیتے، غریبوں سے زیادہ محبت کرتے اور اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے، بے شک آپؐ مقدس پیغمبر تھے''

انگلستان کا مشہو اہل قلم مسٹر ٹامس کارلائل لکھتا ہے کہ: ''حضرت محمد (ﷺ) کا لقب نہایت صاف وشفا اور ان کے خیالات ہوا دین سے بے لوث تھے۔ وہؐ نہایت سرگرم ریفارمر اور باخدا بزرگ تھے۔ آج بھی محمد (ﷺ) کی صداقت کامیاب نظر آتی ہے۔''

مسٹر گبن لکھتے ہیں: ''ہر انصاف پسند شخص یہ یقین کرنے پر مجبور ہے کہ محمد (ﷺ) کی تبلیغ و ہدایت خالص سچائی اور خیر خواہی پر مبنی تھی۔''

مشہور روسی محقق کاؤنٹ ٹالسائی رقمطراز ہے: ''حضرت محمد (ﷺ) دنیا میں مصلح عظیم بن کر آئے تھے اور آپؐ میں ایسی برگزیدہ قوت پائی جاتی تھی جو کہ قوت بشری سے بہت زیادہ ارفع و اعلیٰ تھی۔''

جارج برنارڈ شا لکھتا ہے: ''ازمنہ وسطیٰ میں عیسائی راہبوں نے اپنی جہالت اور تعصب کی وجہ سے مذہب اسلام کی بڑی بھیانک تصویر پیش کی ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ انہوں نے حضرت محمد (ﷺ) اور آپؐ کے مذہب کے خلاف باضابطہ تحریک چلائی میں نے ان باتوں کا بغور مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ محمد (ﷺ) ہستی عظیم تھے اور صحیح معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ۔''

حضرت آدم صفی علیہ السلام

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے تمہارے اصل آدم کو مٹی سے پیدا کیا''

مزید ارشاد فرمایا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَۃِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ھو آدم

(سورۃ ص، جلالین)

''یاد کرو اس وقت کو جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا بیشک میں ایک بشر کیچڑ سے بنانے والا ہوں اس سے مراد آدم علیہ السلام ہیں''

اس مقام پر بشر سے مراد ایسا انسان جو ظاہر چمڑے والا ہوگا، اس پر بھیڑوں کی طرح اون نہیں ہوگی بکریوں کی طرح بال نہیں ہوں گے، اونٹوں کی ملسی (اون) کی طرح بھی اون نہیں ہوگی پرندوں کے پروں کی طرح پر نہیں ہوں گے اور پھلوں کی طرح اس پر کوئی چھلکا نہیں ہوگا۔

اِنَّا خَلَقْنَا ھُمْ مِنْ طِیْنٍ لَّا زِبٌ (سورہ صافات ۱۱)

''بیشک ہم نے انسانوں کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا''

انا خلقنا ھم ای اصلیھم آدم (جلالین)

''یہاں بھی مراد انسانوں سے ان کے اصل آدم علیہ السلام ہی ہیں''

ولقد خلقنا الانسان آدم من صلصال طین یابس تسمع له صلصلة

ای صوت اذا نقر من حما طین اسود مسنون متغیر

''بیشک ہم نے انسان یعنی آدم کو سیاہ خشک متغیر کیچڑ سے پیدا کیا صلصال اس کیچڑ کو کہتے ہیں جو خشک ہو جائے کھٹکانے پر اس سے آواز آئے، سیاہ کیچڑ کو ''حما'' کہتے ہیں۔ جس کی بو میں تغیر آ جائے اس کو ''مسنون'' کہتے ہیں''

خلق الانسان آدم من صلصال طین یابس یسمع له صلصلة ای

صوت اذانقر کالفخار وھو ماطبخ من الطین (پ ۲۸، ۱۱ جلالین)

''انسان یعنی آدم کو خشک بجنے والی ٹھیکری کی طرح کے کیچڑ سے پیدا کیا''

ان آیات سے آدم علیہ السلام کی پیدائش کے مختلف مراحل کا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کے جسم اطہر کے لئے پہلے خشک مٹی کو لایا گیا پھر اسے گوندھ کر کیچڑ بنایا گیا پھر چپکنے والی مٹی بنایا گیا پھر اسے اسی طرح رہنے دیا گیا یہاں تک کہ وہ خشک ہوگئی اور بجنے لگی اور اس کی بو میں بھی تغیر آ گیا پھر اور زیادہ رکھنے پر ٹھیکری کی طرح ہوگئی۔

آدم علیہ السلام کے جسم اطہر کی تخلیق کے لئے مٹی لانے کے لئے حضرت جبرائیل کو زمین پر بھیجا گیا آپ جب تشریف لائے تو زمین سے مٹی لینے کا ارادہ کیا تو زمین نے بڑی عاجزی وانکساری اور گریہ وزاری سے عرض کیا کہ میری مٹی سے بننے والے شخصوں نے اگر خون ریزیاں کیں یا وہ جرائم کی وجہ سے جہنم میں گئے تو مجھے تکلیف ہوگی۔

حضرت جبرائیل زمین کی عاجزی کو دیکھ کر واپس چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور تمام ماجرا بیان کر دیا اسی طرح اسرافیل بھی آ کر واپس چلے گئے اور میکائیل بھی آ کر واپس چلے گئے۔ ان تمام کے بعد عزرائیل آئے ان کی خدمت میں بھی زمین نے وہی عاجزانہ گفتگو کی لیکن آپ نے کہا کہ میں تیری بات تسلیم کروں یا اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کروں؟ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس لئے میں نے تو مٹی ضرور ہی لے کر جانا ہے، آپ نے زمین کی انکساری کی طرف کوئی توجہ نہیں دی بلکہ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق زمین سے مٹی لے کر رب تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے روح قبض کرنا بھی ان کے سپرد کیا کہ ایسا نہ ہو کہ جبرائیل، میکائیل، اسرافیل میں سے کسی کے ذمہ لگایا تو روح قبض کرنے کے لئے جائیں تو اس کے اقربا کو روتے ہوئے پا کر اسی طرح چھوڑ کر نہ آ جائیں۔ (از تفسیر عزیزی)

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مرفوع حدیث مروی ہے:

ان الله خلق آدم من قبضة قبضها من جميع الارض فجاء بنو آدم علی قدر الارض منهم الا حمر والابیض والاسود وبین ذالک واسھل والحزن والخبیث والطیب. (حاشیہ جلالین ۸)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تمام زمین سے ایک مٹھی بھر مٹی لے آؤ اس مٹی میں ہر قسم کے ذرات شامل کئے گئے سرخ رنگ، سفید رنگ، سیاہ رنگ اور

ان کے درمیان رنگ والی مٹی لی گئی۔ اسی طرح کچھ مٹی نرم زمین سے لی گئی اور کچھ سخت سے ایسے ہی طیب وخبیث مٹی کو شامل کیا گیا۔ جتنے قسم کے رنگوں والی مٹی آپ کے جسم میں لگائی گئی آپ کی اولاد میں اتنے ہی رنگ پائے جاتے ہیں اسی طرح کوئی نرم دل اور کوئی سخت دل کوئی نیک اور کوئی برے"

بعض حضرات نے بیان کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی میں ساٹھ قسم کے رنگ شامل تھے وہ تمام آپ کی اولاد میں پائے جاتے ہیں۔ (تفسیر صاوی علی الجلالین)

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو زمین کو بتایا میں تجھ سے اپنی ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں جو میرے مطیع ہوں گے ان کو میں جنت میں داخل کروں گا اور جو میرے نافرمان ہوں گے ان کو میں جہنم کی آگ میں ڈال دوں گا، یہ سن کر زمین نے پھر پوچھا اے اللہ مجھ سے پیدا ہونے والی مخلوق جہنم کی آگ میں جائے گی؟ رب تعالیٰ نے فرمایا ہاں تو زمین اتنا روئی کہ اس کے رونے سے چشمے جاری ہو گئے جو قیامت تک جاری رہیں گے۔

(صاوی علی الجلالین ص…)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے فرشتوں سے مشورہ کیا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً. (البقرہ ۳۰)

"اور یاد کیجئے! جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا بیشک میں بنانے والا ہوں زمین میں (اپنا) نائب"

اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے فرمانا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں معاذ اللہ ان سے اجازت طلب کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ صرف مشورہ طلب کرنا تھا اور وہ بھی احتیاجی یا لاعلمی کی وجہ سے نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی امر میں کسی کا محتاج نہیں، بلکہ مشورہ طلب کرنے میں حکمت یہ تھی کہ اس میں فرشتوں اور خلیفہ کا اکرام پایا جائے، کیونکہ رب تعالیٰ کا فرشتوں سے مشورہ طلب کرنے میں فرشتوں کی عظمت شان واضح ہوتی ہے اور خلیفہ کے متعلق مشورہ کرنے میں خلیفہ کی عظمت شان واضح ہوتی ہے کہ اس کی تخلیق سے پہلے ہی اس کا نورانی مخلوق میں ذکر ہو رہا ہے۔

ان ربی تبارک وتعالی استشارنی فی امتی (مسند احمد ج ۵ ص)

"بیشک میرے رب نے میری امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ طلب فرمایا"

یہ مشورہ طلب کرنا بھی اسی حکمت کے پیش نظر تھا کہ اس میں حضور ﷺ اور آپ کی

امت کی عزت افزائی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی لاعلمی یا احتیاجی کے طور پر معاذ اللہ نبی کریم ﷺ سے مشورہ نہیں کیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا:

وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ (النساء ۱۵۹)

"آپ ان سے امور میں مشورہ کریں"

یہاں صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ آپ صحابہ کرام کے مشورہ کے محتاج تھے بلکہ صحابہ کرام کی عزت افزائی کے لئے مشورہ کا حکم دیا گیا۔ (از تبیان)

اور اس وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مشورہ کیا اور نبی کریم ﷺ کو صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا کہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں اور اپنے معاملات میں ایک دوسرے سے مشورہ کرلیا کریں۔

خلیفہ کا مطلب ہے پیچھے آنے والا اور نائب یا خلیفہ کی ضرورت اس وقت در پیش آتی ہے جب اصل خود اپنے کام کرنے سے عاجز ہو، اصل کا عاجز ہونا یا اس کی موت کی وجہ سے ہوتا ہے، یا اس کے غائب یا غیر موجود ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، یا مرض، تھکان وغیرہ کی وجہ سے۔ ان تمام معانی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بنانا درست نہیں۔ وہ حی لا یموت ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اس پر موت کے وقوع کا تصور کرنا بھی محال ہے، وہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے وہ کہیں دور چلا جائے، غائب ہو جائے، یہ ہونا بھی ممکن نہیں کہ وہ مریض ہو جائے، تھک جائے، عاجز ہو جائے، یہ بھی ناممکن ہے، تو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بنانے کا کیا مطلب ہے؟

یہاں خلیفہ کا معنی پیچھے آنے والا نہیں بلکہ نائب ہے، یعنی اللہ کا نائب ہو کر زمین و آسمان کی اشیاء میں تصرف کرنے والا ہو۔ نائب بنانے کی ضرورت بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں تھی، وہ محتاج نہیں بلکہ جن کی طرف خلیفہ بنانا تھا انہیں احتیاجی تھی، اس لئے کہ انسان بہت زیادہ کدورتیں اور ظلمات جسمانیہ رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت مقدس ہے، فیض لینے والے اور فیض دینے والے میں کوئی مناسبت ہونی چاہیے جب مخلوق میں اور اللہ تعالیٰ میں کوئی مناسبت نہیں، مخلوق کو وجود میں لانا بھی رب تعالیٰ کی مشیت تھی، تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا فرمانے سے پہلے ہی ان کے فیض لینے کا یہ اہتمام کیا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو واسطہ بنایا جو اپنی نورانیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے فیض لے کر اپنی بشریت کے وصف کی وجہ سے انسانوں تک وہ فیض پہنچا دیں۔

جس طرح انسانوں اور حیوانوں کے جسموں میں ہڈیاں اور گوشت ہے ہڈیاں سخت ہیں گوشت نرم ہے ہڈی اپنی سختی کی وجہ سے گوشت سے غذا حاصل نہیں کر سکتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی

حکمت کاملہ سے ہڈیوں اور گوشت کے درمیان پٹھے بطور واسطہ رکھے پٹھے اپنے نرم حصہ سے گوشت سے غذا حاصل کرتے ہیں اور اپنے سخت حصہ سے ہڈی کو غذا پہنچاتے ہیں۔ (بیضاوی وشیخ زادہ)

خلیفہ بنانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام مخلوق تک پہنچائے اور رب تعالیٰ کے اوامر ونواہی کا نظام جاری کرے، مسلمانوں کی اکثریت جب اس نظام کو چاہنے والی ہو امت مسلمہ کو کفار پر غلبہ رہتا ہے لیکن یہ اسی وقت ہوتا ہے جب مسلمان اپنے ایمان میں کامل ہوں، کامل ایمان کا معیار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہو اور ان کی راہ میں موت کی تمنا کامل اور غالب ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے خلیفہ بنانے کا مشورہ طلب کیا تو فرشتوں نے تعجب کرتے ہوئے رب تعالیٰ سے سوال کیا:

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ (البقرہ ۳۰)

''کیا ایسے کو (نائب) کرے گا جو اس میں فساد پھیلانے اور خون ریزیاں کرے؟ اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں''

فرشتوں نے رب تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی کوئی مخالفت کی بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی یہ علم دے رکھا تھا کہ جو خلیفہ میں بنانے والا ہوں اس میں اور اس کی اولاد میں عناصر اربعہ کی آمیزش ہوگی جو ایک دوسرے کے مخالف ہوں گے، یعنی آگ، مٹی پانی، ہوا کا مجموعہ ہوگا۔ یہ فرشتوں کو رب تعالیٰ کے بتانے سے حاصل ہوا تھا یا ان پر لوح محفوظ کو منکشف کرنے سے حاصل ہوا تھا۔ انہوں نے سمجھا کہ مخالف اور ضد کی چیزیں ملنے سے تو فساد ہی ہوگا، خلیفہ تو اس لئے بنایا جاتا ہے کہ زمین میں بھلائی قائم ہو اور لوگوں کو بھلائی کی راہ پر قائم کیا جائے اور ان کے نفسوں کی تکمیل کی جائے اور ان میں اللہ تعالیٰ کے احکام جاری کئے جائیں تو جس کی بناء ہی فساد پر ہوگی اس سے یہ کام کیسے ہوسکیں گے؟

استکشاف عن الحکمة الخفیة او تعجب من ان یستخلف لعمارة الارض واصلاحها من یفسد فیها . (روح المعانی ج۱ص۲۲۱)

''یہ سوال ان کا مخفی حکمت کے پتہ چلانے کے لئے تھا یا اس سوال پر تعجب کرتے ہوئے تھا کہ جو فساد پھیلانے والے ہوں گے ان سے زمین کو آباد کرنا اور ان

میں صلاحیت پیدا کرنا کیونکر ممکن ہوگا؟''

خیال رہے کہ یہ فرشتوں کی اجتہادی خطاء تھی کہ انہوں نے سمجھا شاید تمام انسان ایسے ہوں گے حالانکہ انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہونے کی وجہ سے اور نیک و پارسا، صالح و متقی لوگ اللہ کی حفاظت میں ہونے کی وجہ سے فساد برپا کرنے سے پاک ہیں۔

فرشتوں کے خیال کے مطابق ان کی تسبیح و تقدیس اور عصمت کے پیش نظر وہ خلافت الہیہ کے زیادہ مستحق تھے، ان کے اس قسم کے تصور علم کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنِّی اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ

یعنی اے میرے فرشتو! میں وہ سب کچھ جانتا ہو جو تم نہیں جانتے۔ محض تسبیح و تقدیس معیار خلافت نہیں اور نہ ہی مختلف اور ایک دوسرے کی ضد عناصر سے مرکب ہونا منصب خلافت کے منافی ہے۔ بلکہ خلافت کا معیار یہ ہے کہ اللہ کا خلیفہ جن چیزوں کا غیروں کو حکم دے ان پر خود بھی عمل کرے، اس لئے سارے انسان فساد اور ناحق خون ریزی کرنے کے گناہوں میں مبتلا نہیں ہوں گے، ان میں معصوم بھی ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بننے کے حقدار ہوں گے۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام جب مٹی کو لائے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اسے صفا و مروہ پہاڑیوں کے پاس رکھ دو، یعنی وہاں رکھ دو جہاں آج کل کعبہ شریف ہے۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے مختلف پانیوں سے گارا بنائیں پھر اس پر چالیس روز بارش ہوئی، انتالیس دن تو غم و رنج کا پانی برسا اور ایک دن خوشی کا اس لئے انسان کو رنج و غم زیادہ رہتے ہیں اور خوشی کم۔ پھر اسے مختلف ہواؤں سے خشک کر کے کھٹکنے والی مٹی بنا کر اللہ تعالیٰ نے خود اپنی قدرت کاملہ سے آپ کے قالب کو تیار کیا۔ (از تفسیر عزیزی)

فرشتوں نے کبھی ایسی صورت نہیں دیکھی تھی وہ حیران ہو کر اس کے ارد گرد پھرتے تھے اور اس کی خوبصورتی پر تعجب کرتے تھے، ابلیس کو بھی اس کی خبر ہو چکی تھی، ابھی تک وہ مردود نہیں ہوا تھا، وہ بھی اس قالب کو دیکھنے آیا اور اس کے گرد پھر کر بولا، تم اس پر تعجب کرتے ہو یہ تو اندر سے ایک خالی جسم ہے جس میں جگہ جگہ سوراخ ہیں اور اس کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر بھوکا ہو تو گر پڑے اور اگر خوب سیر ہو جائے تو چل نہ سکے، اس خالی قالب سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ پھر کہنے لگا: ہاں اس کے سینے کی بائیں طرف ایک بند کوٹھڑی ہے، یہ خبر نہیں کہ اس میں کیا ہے؟ شائد یہی لطیفہ ربانی کی جگہ ہو جس کی وجہ سے یہ خلافت کا حق دار ہوا ہو۔ (تفسیر نعیمی ج۱ص۲۵۰)

اللہ تعالیٰ نے روح کو حکم دیا کہ اس قالب میں داخل ہو جا اور تمام حصوں میں پھیل جا

جب روح قالب کے پاس پہنچی تو جسم کو تنگ و تاریک پایا اندر جانے سے رک گئی۔ بعض
میں آتا ہے کہ تب نور مصطفیٰ ﷺ سے وہ قالب جگمگا دیا گیا، یعنی وہ نور آدم علیہ السلام کی
میں امانت رکھا گیا۔ اب روح آہستہ آہستہ داخل ہونے لگی ابھی سر میں تھی کہ آپ کو چھینک
اور زبان میں پہنچی تو آپ نے الحمد للہ پڑھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یرحمک
اللہ کہا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابو محمد! (یہ اور ابو البشر آپ علیہ السلام کی کنیت ہے)
نے تمہیں اپنی حمد کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ جب روح کمر تک پہنچی تو آپ نے اٹھنا چاہا لیکن
گر پڑے کیونکہ روح ابھی نیچے والے حصہ میں نہیں پہنچی تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

خلق الانسان من عجل (الانبیاء ۳۷)

''انسان جلد باز پیدا کیا گیا''

پھر روح تمام جسم میں پھیل گئی تو آپ کو حکم ہوا کہ فرشتوں کو سلام کرو! آپ نے
السلام علیکم فرشتوں نے جواب دیا وعلیکم السلام، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ہی آپ کے لئے اور آپ
اولاد کے لئے سلام کا طریقہ ہوگا۔ آپ نے عرض کیا، میری اولاد کون سی ہوگی؟ تو آپ کی
اولاد کو آپ کے سامنے کر دیا گیا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کی پیٹھ پر اپنا دست
قدرت پھیرا اور آپ کی اولاد کو نکال ظاہر کیا پھر فرمایا میں نے ان کو جنت کے
لئے پیدا کیا اور یہ جنت والوں کا عمل کریں گے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دست
قدرت آپ کی پیٹھ پر پھیرا اور آپ کی باقی اولاد کو ظاہر فرمایا اور رب نے کہا کہ
ان لوگوں کو میں نے جہنم کے لئے پیدا کیا ہے یہ جہنمیوں والے عمل کریں گے''

(خازن ج ا، ص ۴۶، نعیمی ج ا ص ۲۵۰، ترمذی ابو داؤد، مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر)

آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دے رکھا تھا کہ
میرے خلیفہ کے سامنے سجدہ کرنا ہے۔ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد فرشتوں پر تمام چیزوں
پیش کر کے ان کے نام پوچھے، جب فرشتوں نے اپنی عاجزی کا اظہار کر دیا تو پھر آدم علیہ السلام
سے پوچھا آپ نے تمام چیزوں کے نام بتا دیئے تو پھر حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ. (البقرہ ۳۴)

''اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو کہا آدم کو سجدہ کرو سب نے سجدہ کیا سوائے
شیطان کے اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں سے ہوگیا''

فرشتوں کو سجدہ تعظیمی کا حکم دیا گیا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے آپ کے
بھائیوں نے تعظیماً سجدہ کیا ہمارے نبی کریم ﷺ کی شریعت میں سجدہ تعظیمی حرام قرار دیا گیا
عبادت کی غرض سے سجدہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی شریعت میں جائز نہیں رہا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ
علیہ فرماتے ہیں۔

الفاء لا فادة مسارعتهم فى الا متثال وعدم تشبطهم فيه

(روح المعانی ا ص ۲۲۹)

''فسجدوا میں لفظ فاء سے یہ ثابت ہوا کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم
ماننے میں جلدی کی کسی قسم کی تاخیر نہیں کی''

تاہم پھر بھی سب سے پہلے سجدہ حضرت جبرائیل نے کیا پھر میکائیل، پھر اسرافیل، پھر
عزرائیل علیہم السلام نے پھر تمام فرشتوں نے اس لئے حضرت جبرائیل کو سب سے بڑا درجہ عطا کیا
گیا یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کی خدمت، ان کے پاس وحی لانے کا عظمیٰ کام ان کے سپرد ہوا۔

(روح البیان)

تفسیر عزیزی میں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے کہ جب
حضرت آدم علیہ السلام کے تمام بدن میں روح پھیل گئی تو حکم ہوا کہ فرشتوں کے پاس جا اور ان کو
السلام علیک کہہ پھر دیکھ کہ کیا جواب دیتے ہیں پھر آدم علیہ السلام فرشتوں کی طرف گزرے اور کہا
السلام علیکم تو فرشتوں نے کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حکم ہوا کہ یہی کلمات تحیۃ تیرے اور تیری
اولاد کے لئے ہم نے مقرر کئے پھر آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ خداوندا میری ذریت کیا ہے
فرمایا: کہ ذریت تیری میرے دونوں ہاتھوں میں ہے ان دونوں ہاتھوں میں سے جس کو تو چاہے
اسی میں سے پہلے تجھ کو دکھلاؤں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں پہلے دایاں ہاتھ اختیار کرتا ہوں پھر
پروردگار عالم جل جلالہٗ نے اپنا قدرتی دایاں ہاتھ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت پر پھیرا تو ان کی
پشت سے جس قدر نیک بخت لوگ قیامت تک پیدا ہوں گے ان کی صورتیں حضرت آدم علیہ

السلام کو دکھائیں پھر دوسرا ہاتھ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت پر پھیرا تو بد بختوں کو نکالا اور
آدم علیہ السلام کو دکھلائے آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی صورتیں دیکھیں ان میں بڑا فرق
خوبصورت اور بدصورت تونگر اور مفلس لمبے قد چھوٹے قد اندھے لولے وغیرہ وغیرہ۔ پھر
تعالیٰ نے ان سے عہد لیا۔ (تفسیر عزیزی) لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو بروایت قوی
احمد ونسائی اور حاکم نے نقل کیا ہے کہ یہ عہد و اقرار جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے ز
پراتارا گیا تھا اس وقت لیا گیا اور مقام اقرار وادیٔ نعمان ہے جو میدان عرفات کے نام سے م
ہے۔ (تفسیر مظہری وتفسیر معارف القرآن) واللہ اعلم بالصواب

اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے سب نیک اور بد کی روحوں کو آدم علیہ السلام کی پشت سے نکا
کر وادیٔ نعمان میں عہد و پیمان لیا۔ ارشد فرمایا کہ بتاؤ کیا میں تمہارا رب نہیں سب روحیں کہنے لگیں
کیوں نہیں ضرور ہمارا رب ہے جیسا کہ پروردگار عالم جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ

''اور جب آپ کے رب نے آدمؑ کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ہم سب گواہ ہیں تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے''

پروردگار عالم جل جلالہٗ نے آدم علیہ السلام کی ذریت کو ان کی پشت سے روز ازل م
باہر نکالا اور انہوں نے اپنے نفوس پر گواہی دے دی کہ اللہ ہمارا رب ہے حضرت ضحاکؓ نے فر
کہ روز ازل میں جب اللہ نے صلب آدم علیہ السلام کو چھوا تو اس سے وہ روحیں نکل پڑیں
قیامت تک نسل آدمؑ سے ہونے والی ہیں پھر ان سے وعدہ لیا گیا کہ عبادت صرف اللہ کی کری
گے اور کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔ جب تک یہ اہل میثاق پیدا ہوتے جائیں گے قیامت نہ آ
گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب پروردگار عالم جل جلالہٗ نے آدم علیہ السلام سے ذریات نکا
اس طرح نکلی جیسے کنگھی کرنے سے بال کنگھی کے اندر ہو جاتے ہیں اس میثاق میں فرشتے
بھی گواہ تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے ان کی پیٹھ پر جب ہاتھ پھیرا تو ذریات نکلنا شروع ہوگئیں تو فرمایا کہ فلاں فلاں تو جنتی ہیں کیونکہ اہل جنت ہی کا سا عمل کریں گے۔ اور یہ دوزخی ہیں کیونکہ اہل نار کا سا عمل کریں گے۔ کسی نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ جب وہاں طے ہو چکا ہے تو پھر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے، فرمایا: اللہ کا وہی بندہ جنت کے لئے پیدا کیا گیا جس کے عمل جنتیوں کے ہوں گے، اور دوزخی وہی ہے جو دوزخیوں کے کام کرے اور اسی عمل پر قبل از توبہ دم توڑے۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب روحیں صلب آدمؑ سے ظاہر ہوئیں تو ہر انسان کے ماتھے پر ایک روشنی چمک رہی تھی۔

تمام نسل کو آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔ آدم علیہ السلام نے دریافت کیا کہ اے رب یہ کون ہیں فرمایا یہ تمہاری نسل سے ایک شخص کے چہرے پر بہت زیادہ روشنی تھی آدمؑ نے دریافت کیا یا رب یہ کون ہے فرمایا یہ داؤد علیہ السلام ہیں۔ آدمؑ نے دریافت کیا ان کی عمر کیا ہے فرمایا: ساٹھ سال ہے آدم علیہ السلام نے کہا اے رب میں نے اپنی عمر سے چالیس سال اس کو دے دیئے۔ لیکن جب آدم علیہ السلام کی عمر ختم ہوئی ملک الموت فرشتہ آیا تو آدمؑ نے کہا ابھی تو میری عمر سے چالیس سال باقی ہیں جواب دیا یہ چالیس سال تو نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دیئے تھے تو آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ یہی انکار کی خوان کی نسل میں پڑ گئی کیوں کہ آدمؑ بھول گئے تھے یہ بھول چوک اب نسل میں بھی ہے۔ آدمؑ نے اپنی ذریت دیکھی اس میں بیمار جزامی برص والے اندھے وغیرہ سب تھے۔ انبیاء علیہم السلام سراپا نور تھے۔ میثاق کے عہد پر آسمان اور زمین بھی گواہ ہوئے تاکہ قیامت کے دن کچھ عذر نہ ہو، آدم علیہ السلام نے اپنی ذریت میں غنی خوبصورت بدصورت سب دیکھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ. (البقرة ۳۱)

''اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ''

حضرت ابن عباس، عکرمہ، قتادہ، مجاہد اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے:

علمه اسماء جميع الاشياء حتى القصعة والقصيعة

(تفسیر ابی السعود ج ۱ ص ۸۳)

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کے ناموں کا علم عطا کیا یہاں تک کہ بڑے اور چھوٹے پیالے کے نام بھی بتائے''

وقیل المراد بها اسماء ماکان وما یکون الی یوم القیامة وعزی الی ابن عباس رضی الله عنهما. (روح المعانی ج ۱ ص ۲۲۷)

''بعض حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف قول منسوب کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ''**ما کان وما یکون**'' (جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونا ہے) کا علم عطا فرمایا''

پہلے معنی اور اس معنی کے لحاظ سے مقصد ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں اور ان کے ناموں کا علم عطا کر دیا خواہ وہ پہلے پائی جا چکی ہیں یا بعد میں پایا جانا ہے۔

وقال الامام المراد بالاسماء صفات الاشیاء ونعوتها وخواصها

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۲۳)

''امام رازی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آپ کو تمام چیزوں کی صفات اور نعتیں اور خواص تک کا علم عطا فرما دیا گیا تھا''

وعلمه احوالها وما یتعلق بها من المنافع الدینیة والدنیویة

(البحر المحیط ج ۱ ص ۱۴۵)

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کے احوال اور ان سے دینی یا دینوی منافع جو متعلق ہیں ان تمام کا علم عطا فرما دیا تھا''

ایک قول کے مطابق آپ علیہ السلام کو تمام زبانیں سکھا دی گئیں، اور ایک قول کے مطابق آپ کو تمام ملائکہ کے ناموں سے آگاہ کر دیا گیا، اور ایک قول کے مطابق آپ کو تمام ستاروں کے ناموں پر مطلع فرما دیا گیا تھا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد حکیم ترمذی کا قول نقل کیا:

''اسماءہ تعالیٰ'' کہ اس آیت کریمہ میں اسماء سے مراد اسماء الہیہ ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: میرے نزدیک حق یہ ہے اور تمام اللہ والے بھی اسے ہی حق مانتے ہیں کہ منصب خلافت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ کی تمام اشیاء کے اسماء کا علم عطا کیا گیا ہے۔

وهو انها اسماء الاشياء علوية اوسفلية جوهرية او عرضية ويقال لها اسماء الله تعالىٰ عند هم با عتبار دلالتها عليه وظهور فيها غير متقيد بها. (روح المعانی ج ۱ ص ۲۲۴)

''وہ اشیاء خواہ علوی ہوں یا سفلی جوہری ہوں یا عرضی، ان تمام کے اسماء کو اللہ تعالیٰ کے اسماء ہی کہا جاتا ہے: کیونکہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے ذات پر دلالت کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے جولے تمام اشیاء سے ظاہر ہوتے ہیں، اگرچہ اللہ تعالیٰ ان میں مقید نہیں ہوتا''

''آدم علیہ السلام کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ کو تمام چیزوں کے نام ہر زبان میں بتا دیئے گئے تھے اور وہی زبانیں آپ کی اولاد میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں یعنی ایک چیز کا نام آپ نے ہر ہر زبان میں بتایا جو زبانیں بھی ایجاد ہونی تھیں آپ کو ان کا علم پہلے ہی عطا کر دیا گیا''

جب آدم علیہ السلام کو ''**ماکان وما یکون**'' کا علم دیا گیا، ہر چیز کے نام ہر ہر زبان میں سکھائے گئے تو سید الانبیاء ﷺ کے علم کا مقام کیا ہوگا؟ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ...... ''**الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ**'' کا ترجمہ ان الفاظ میں تحریر فرمایا:

''رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ''ما کان وما یکون'' کا بیان انہیں سکھایا'' (کنز الایمان)

اعلیٰ حضرت نے نبی کریم ﷺ کو انسانیت کی جان کہا: حضرت علامہ آلوسی نے ......
''**وما ارسلنک الا رحمة للعالمین**'' کی تفسیر میں تحریر فرمایا......''

العالم جسد و روحه النبوة ولا قيام للجسد بدون روحه

(روح المعانی)

''تمام جہان ایک جسم ہے اور نبی کریم ﷺ اس کی روح ہیں، جسم کا قیام بغیر روح کے ممکن نہیں، اس سے پتہ چلا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کائنات کی جان ہیں''

اور اعلیٰ حضرت کے ترجمہ سے یہ واضح ہوا کہ ...... **علم البیان** ...... کا مطلب یہ ہے کہ حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء کو ''**ماکان وما یکون**'' کا علم عطا کیا گیا، اس پر علامہ قرطبی کی

الجامع لاحکام البیان کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

علمه البيان وعن ابن عباس وايضا عن ابن كيسان الانسان ههنا يراد به محمد ﷺ

''یعنی علمہ البیان میں ضمیر منصوب کا مرجع الانسان ہے اور اس سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں''

والبيان بيان الحلال والحرام والهدى من الضلال وقيل ما كان وما يكون لانه بين عن الاولين والاخرين ويوم الدين . (تفسیر قرطبی)

''اور علمہ البیان میں بیان سے مراد یا تو حلال وحرام کا علم اور گمراہی سے ہدایت دینا اور یا جس طرح بیان کیا گیا ہے کہ بین سے مراد ما کان وما یکون کا علم ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اولین وآخرین اور قیامت کا ذکر فرما دیا ہے یعنی جب آپ نے جمیع گزرے ہوئے اور آنے والے اور وقاعات قیامت سے مطلع فرما دیا تو آپ کو ما کان وما یکون کا علم حاصل ہے''

تفسیر عزیزی میں ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ:

علمه كل شى حتى القصعة والقصيعه

''یعنی سکھلائے ان کو ہر چیز کے نام، یہاں تک کہ پیالہ اور پیالی کا نام بھی بتایا''

اور سعید بن جبیر نے فرمایا ہے کہ:۔

حتى البعير والبقره والشاة

''کہ یہاں تک اونٹ اور بیل اور بکری کے نام بھی آپ کو سکھائے''

اسی طرح بیان کیا ہے:۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

''اور اللہ نے چیزوں کے نام آدم کو سکھا دیئے، پھر وہ چیزیں فرشتوں کے رو برو کر دیں پھر ان سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ'' (سورہ البقرہ)

اللہ نے اس کے بعد وہ چیزیں فرشتوں کو دکھلا کر ان کے نام ان سے دریافت کئے انہوں نے اپنے عجز کا اعتراف کیا کیونکہ نہ وہ اس خدمت کے اہل تھے اور نہ وہ بشری ضروریات

سے واقف تھے اور نہ ان کو اس قسم کی چیزیں بتائی گئی تھیں۔ اس لئے ان کو سوائے لَا عِلْمَ لَنَا کہنے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

(البقرہ)

''فرشتوں نے کہا کہ آپ کی ذات پاک ہے ہمیں معلوم نہیں مگر اس قدر جتنا آپ نے ہمیں سکھایا ہے۔ بلاشبہ آپ بڑے علم والے اور حکمت والے ہیں''

پھر اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہا کہ تم ان کے نام بتاؤ، چنانچہ انہوں نے تمام چیزوں کے نام وخواص بتانا شروع کر دیئے۔ اس سے محض حضرت آدم علیہ السلام کی تعلیمی قابلیت کا اظہار تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ فرشتوں میں سب باتوں کے سمجھنے کی قابلیت ہی کہاں تھی۔ جن میں استعداد خیر وشر نہ ہو اور جو انسانی طبیعت کے خوگر نہ ہوں۔ خواہ وہ جنات ہوں یا فرشتے۔ نہ وہ نیابت وخلافت کے اہل ہو سکتے ہیں۔ فرشتوں میں تو شر کی صلاحیت ہی نہیں البتہ جنات میں خیر کی صلاحیت تو ہے۔ مگر ان میں شر کا اس قدر غلبہ ہے کہ ان میں خیر کی صلاحیت بہت کمزور اور ضعیف ہے۔ لہٰذا انسان ہی اس کا اہل تھا اور اسی کو ہر چیز کا علم دیا گیا۔ نیز اس واقعہ سے عالم کی عابد پر فضیلت بھی ظاہر ہو گئی جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:۔

فضل العالم على العابد كفضلى على ادناكم

''ایک عالم کو عابد پر ایسی فضیلت اور بزرگی حاصل ہے جیسے میری بزرگی ایک معمولی درجہ کے مسلمان پر'' (کشف الرحمٰن)

بہر حال جب حضرت آدم علیہ السلام نے تمام نام بتا دیئے تو اللہ تعالیٰ نے حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (البقرہ)

''تم کو نہیں کہا تھا کہ بلاشبہ میں آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہوں، اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ رکھتے ہو سب مجھے معلوم ہے''

حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق قرآنی آیات

اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ شریف میں ارشاد فرمایا کہ:

''ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ایک بہترین قصہ اس قرآن کے ذریعے جو ہم نے
آپ کی طرف وحی کیا ہے۔اگرچہ لوگ اس سے پہلے غافلوں میں سے تھے''

(سورہ یوسف:۳)

''(اے حبیب!) ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی خبر ٹھیک ٹھیک''

(الکھف:۱۳)

''آپ سنائیں (انہیں) یہ قصہ شاید وہ غور وفکر کرنے لگیں''

(الاعراف:۱۷۶)

''اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے دی تھی ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلے میں۔ہم بلند
کرتے ہیں درجے جس کے چاہتے ہیں۔بیشک آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے۔اور
ہم نے عطا فرمائے انہیں اسحاق اور یعقوب۔ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی۔اور نوح کو ہدایت دی
تھی ان سے پہلے اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور
ہارون کو (راہ راست دکھائی) اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو اور (ہم نے ہدایت
دی) زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو (یہ) سب صالحین میں سے تھے۔اور (ہدایت دی)
اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو۔اور ان سب کو ہم نے فضیلت دی سارے جہان والوں پر۔

(الانعام:۸۳-۸۶)

''اور یہ سب جو ہم بیان کرتے ہیں آپ سے پیغمبروں کی سرگزشتیں یہ اس لئے ہیں کہ
پختہ کردیں اس سے آپ کے قلب (مبارک) کو۔اور آیا ہے آپ کے پاس اس سورۃ میں حق اور
یہ نصیحت اور یاددہانی ہے اہل ایمان کے لئے''۔ (ھود:۱۲۰)

''یہ سب رسول ہیں ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو بعض پر ان میں
سے کسی سے کلام فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور بلند کیے ان میں سے بعض کے درجے اور دیں ہم نے عیسیٰ
فرزند مریم کو کھلی نشانیاں اور مدد فرمائی ہم نے ان کی روح القدس سے اور اگر چاہتا اللہ تو نہ لڑتے
(جھگڑتے) وہ لوگ جو ان (رسولوں) کے پیچھے آئے بعد اس کے کہ آگئیں ان کے پاس کھلی
نشانیاں۔لیکن انہوں نے اختلاف کیا۔ان میں سے کوئی ایمان پر (ثابت) رہا اور ان میں سے
کوئی کافر ہوگیا۔اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے (جھگڑتے) لیکن اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے

(البقرۃ:۲۵۳)

''اور ہم نے بھیجے تھے پیغمبر آپ سے پہلے بھی ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ

سے کردیا اور ان میں سے بعض کا ذکر (قرآن کریم میں) آپ سے نہیں کیا'' (غافر:۷۸)

''بلاشبہ پہلی قوموں (کے عروج وزوال) کی داستانوں میں (درس) عبرت ہے سمجھ
داروں کے لئے۔نہیں ہے یہ قرآن ایسی بات جو (یونہی) گھڑ لی گئی ہو بلکہ یہ تصدیق کرتی ہے ان
کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور یہ (قرآن) ہر چیز کی تفصیل ہے اور سراپا ہدایت و
رحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایمان لاتی ہے'' (یوسف:۱۱۱)

آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق آیات قرآنیہ

''اور یاد کرو جب فرمایا تمہارے رب نے فرشتوں سے کہ میں مقرر کرنے والا ہوں
زمین میں ایک نائب۔کہنے لگے کیا تو مقرر کرتا ہے زمین میں جو فساد برپا کرے گا اس میں اور
خون ریزیاں کرے گا حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور پاکی بیان کرتے ہیں
تیرے لئے۔فرمایا بیشک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور اللہ نے سکھا دیئے آدم کو تمام اشیاء
کے نام۔پھر پیش کیا انہیں فرشتوں کے سامنے اور فرمایا بتاؤ تو مجھے نام ان چیزوں کے۔اگر تم (
اپنے اس خیال میں) سچے ہو۔

عرض کرنے لگے ہر عیب سے پاک تو ہی ہے کچھ علم نہیں ہمیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھا
دیا۔بیشک تو ہی علم وحکمت والا ہے۔فرمایا: اے آدم! بتا دو انہیں ان چیزوں کے نام۔پھر جب
آدم نے بتا دیئے فرشتوں کو ان کے نام تو اللہ نے فرمایا کیا نہیں کہا تھا میں نے تم سے کہ میں خوب
جانتا ہوں سب چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی۔اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو
اور جو کچھ تم چھپاتے تھے۔

اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس
کے۔اس نے انکار کیا اور تکبر کیا۔اور (داخل) ہوگیا وہ کفار (کے ٹولہ) میں۔اور ہم نے فرمایا اے
آدم رہو تم اور تمہاری بیوی اس جنت میں اور دونوں کھاؤ اس سے جتنا چاہو جہاں سے چاہو اور
مت نزدیک جانا اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے اپنا حق تلف کرنے والوں سے۔پھر پھسلا دیا
انہیں شیطان نے اس درخت کے باعث اور نکلوا دیا ان دونوں کو وہاں سے جہاں وہ تھے۔اور ہم
نے فرمایا: اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اور (اب) تمہارا زمین میں ٹھکانا ہے اور
فائدہ اٹھانا ہے وقت مقرر تک۔

پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے چند کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی بیشک وہ ہی
ہے بہت توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا۔ہم نے حکم دیا اتر جاؤ اس جنت سے سب

کے سب پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے (پیغام) ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی انہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو (تو) وہ دوزخی ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔(البقرہ: ۳۰۔۳۹)

"بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا"۔(آل عمران: ۵۹)

"اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا۔اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں) اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے۔وہ اللہ مانگتے ہو تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) جس کے واسطے سے اور ڈرو رحموں (کے قطع کرنے سے) بیشک اللہ تعالیٰ تم پر ہر وقت نگران ہے"(النساء:۱)

"اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے بے شک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے"(الحجرات:۱۳)

"وہ (خدا ہے) جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک نفس سے اور بنایا اس سے اس کا جوڑا تاکہ اطمینان حاصل کرے اس (جوڑے) سے"۔(الاعراف: ۱۸۹)

"اور بیشک ہم نے پیدا کیا تمہیں پھر (خاص) شکل وصورت بنائی تمہاری پھر حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو۔تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے نہ تھا وہ سجدہ کرنے والوں میں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کس چیز نے روکا تجھے اس سے کہ تو سجدہ کرے۔جب میں نے حکم دیا تجھے۔ابلیس نے کہا (کیونکہ) میں بہتر ہوں اس سے تو نے پیدا کیا مجھے آگ سے اور تو نے پیدا کیا اسے کیچڑ سے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اتر جا یہاں سے مناسب نہیں ہے تیرے لئے کہ تو غرور کرے یہاں رہتے ہوئے۔بس نکل جا بیشک تو ذلیلوں میں سے ہے۔بولا: مہلت دے مجھے اس دن تک جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔اللہ نے فرمایا کہ بیشک تو مہلت دیئے ہوؤں میں سے ہے۔
کہنے لگا: اس وجہ سے کہ تو نے مجھے (اپنی رحمت سے) مایوس کر دیا میں ضرور تاک میں بیٹھوں گا ان (کو گمراہ کرنے) کے لئے تیرے سیدھے راستے پر۔پھر میں ضرور آؤں گا ان کے پاس (بہکانے کے لئے) ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے۔اور تو نہ پائے گا ان میں سے اکثر کو شکر گزار۔فرمایا نکل جا یہاں سے اور ذلیل (اور) راندا ہوا۔جس کسی نے پیروی کی تیری ان سے تو یقیناً میں بھر دوں گا جہنم کو تم سب سے۔اور اے آدم رہو

تم اور تمہاری بیوی جنت میں اور کھاؤ جہاں سے چاہو اور مت نزدیک جانا اس (خاص) درخت کے ورنہ تم دونوں ہو جاؤ گے اپنا نقصان کرنے والوں سے۔پھر وسوسہ ڈالا ان کے (دلوں میں) شیطان نے تاکہ بے پردہ کر دے ان کے لئے جو ڈھانپا گیا تھا ان کی شرم گاہوں سے۔اور (انہیں) کہا کہ نہیں منع کیا تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے مگر اس لئے کہ کہیں نہ بن جاؤ تم دونوں فرشتے یا کہیں نہ ہو جاؤ ہمیشہ زندہ رہنے والوں سے اور قسم اٹھائی ان کے سامنے کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں پس شیطان نے نیچے گرا دیا ان کو دھوکہ سے پھر جب دونوں نے چکھ لیا درخت سے تو ظاہر ہو گئیں ان پر ان کی شرم گاہیں۔
اور چپٹانے لگ گئے اپنے (بدن) پر جنت کے پتے اور ندا دی انہیں ان کے رب نے کیا نہیں منع کیا تھا میں نے تمہیں اس درخت سے اور کیا نہ فرمایا تھا تمہیں کہ بلا شبہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔دونوں نے عرض کی اے ہمارے پروردگار ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور اگر نہ بخشش فرمائے تو ہمارے لئے اور نہ رحم فرمائے ہم پر تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا نیچے اتر جاؤ۔تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے۔اور نفع اٹھانا ہے اور مقررہ وقت تک۔(نیز) فرمایا اسی زمین میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم اٹھائے جاؤ گے"۔(الاعراف:۱۱۔۲۵)

"اسی زمین میں سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اس میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور (روز حشر) اسی سے ہم تمہیں نکالیں گے ایک بار پھر"۔(طٰہٰ:۵۵)

"اور بلاشبہ ہم نے پیدا کیا انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔اور جان کو ہم نے پیدا فرمایا اس سے پہلے ایسی آگ سے جس میں دھواں نہیں۔اور (اے محبوب) یاد فرماؤ جب آپ کے رب نے کہا تھا فرشتوں کو میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو کھنکھناتی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار کیچڑ تھی۔تو جب میں اسے درست فرما دوں اور پھونک دوں اس میں خاص روح اپنی طرف سے تو گر جانا اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے۔پس سر بسجود ہو گئے فرشتے سارے کے سارے۔سوائے ابلیس کے۔اس نے انکار کر دیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس کیا وجہ ہے کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا۔وہ (گستاخ) کہنے لگا: کہ میں گوارا نہیں کرتا کہ سجدہ کروں اس بشر کو جسے تو نے پیدا کیا ہے۔بجنے والی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار تھی۔اللہ تعالیٰ نے حکم دیا (اے بے ادب) نکل جا یہاں سے تو مردود ہے۔اور بلا شبہ تجھ پر لعنت ہے روز جزاء تک۔کہنے لگا اے میرے رب! پھر

مہلت دے مجھے اس دن تک جب مردے (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک تو مہلت دیئے ہوئے گروہ میں سے ہے۔(جنہیں) وقت مقرر کے دن تک مہلت دی گئی ہے بولا اے رب اس وجہ سے کہ تو نے مجھے بھٹکا دیا۔میں (برے کاموں کو) ضرور خوش نما بنا دوں گا ان کے لئے زمین میں اور میں ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے چن لیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سیدھا راستہ ہے جو میری طرف آتا ہے۔بیشک میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلتا۔مگر وہ جو تیری پیروی کرتے ہیں گمراہوں میں سے اور بیشک جہنم وعدہ کی جگہ ہے ان سب کے لئے۔اس کے سات دروازے ہیں۔ہر دروازے کے لئے ان میں سے ایک حصہ مخصوص ہے"۔(الحجر ۲۶۔۴۴)

"اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔اس نے کہا کیا میں سجدہ کروں اس (آدم) کو جس کو تو نے کیچڑ سے پیدا کیا۔اس نے کہا مجھے مہلت دے روز قیامت تک تو جڑ سے اکھیڑ پھینکوں گا اس کی اولاد کو سوائے چند افراد کے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا چلا جا۔(جو مرضی ہو کر) سو جو تیری پیروی کرے گا ان سے تو بیشک جہنم ہی تو سب کی پوری پوری سزا ہے۔اور گمراہ کرنے کی کوشش کر جن کو تو گمراہ کر سکتا ہے ان میں سے اپنی آواز (کی ملمع کاری) سے اور دھاوا بول دے ان پر اپنے گھڑ سواروں اور پیادہ دستوں کے ساتھ اور شریک ہو جا ان کے مالوں میں اور اولاد میں اور ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا رہ اور وعدہ نہیں کرتا ان سے شیطان مگر مکر و فریب کا۔جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا اور (اے محبوب) کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی کارسازی کے لئے"۔(بنی اسرائیل:۶۱۔۶۵)

"اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پس سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے وہ قوم جن سے تھا سو اس نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی۔(اے اولاد آدم!) کیا تم بناتے ہو اسے اور اس کی ذریت کو اپنا دوست۔مجھے چھوڑ کر حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ظالموں کے لئے بہت برا بدلہ ہے"۔(الکہف:۵۰)

"اور ہم نے حکم دیا تھا آدم کو اس سے پہلے (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائے) سو وہ بھول گیا اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اس کا کوئی قصد اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا (سوائے ابلیس کے) اس نے (حکم لانے سے) انکار کر دیا اور ہم نے فرمایا اے آدم بیشک یہ تیرا بھی دشمن ہے۔اور تیری زوجہ کا بھی۔سو (ایسا نہ ہو) کہ وہ نکال دے تمہیں جنت سے۔اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔بیشک تمہارے لئے یہ ہے کہ تمہیں

نہ بھوک لگے گی یہاں اور نہ تم ننگے ہو گے اور تمہیں نہ پیاس لگے گی یہاں اور نہ دھوپ ستائے گی۔پس شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اس نے کہا اے آدم! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ہمیشگی کے درخت پر اور اپنی بادشاہی پر جو کبھی زائل نہ ہو سو (اس کے پھسلانے سے) دونوں نے کھا لیا اس درخت سے تو (فوراً) برہنہ ہو گئیں ان پر ان کی شرم گاہیں۔

اور وہ چپکانے لگ گئے اپنے (جسم) پر جنت (کے درختوں) کے پتے۔اور حکم عدولی ہو گئی آدم سے اپنے رب کی۔سو وہ بامراد نہ ہوا۔پھر اپنے قرب کے لئے چن لیا انہیں اپنے رب نے اور (عفو و رحمت سے) توجہ فرمائی ان پر اور ہدایت بخشی۔حکم ملا دونوں اتر جاؤ یہاں سے تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔پس اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو نہ وہ بھٹکے گا اور نہ بدنصیب ہو گا۔اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کے لئے زندگی (کا جامہ) تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اسے اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا کر کے۔وہ کہے گا اے میرے رب! کیوں اٹھایا ہے تو نے مجھے نابینا کر کے میں تو (پہلے بالکل) بینا تھا۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اسی طرح آئی تھیں تیرے پاس ہماری آیتیں سو تو نے انہیں بھلا دیا۔اسی طرح آج تجھے فراموش کر دیا جائے گا"۔(طٰہٰ:۱۱۵۔۱۲۶)

"فرمائیے یہ بڑی اہم اور عظیم خبر ہے تم اس سے منہ موڑے ہوئے ہو۔مجھے کوئی علم نہ تھا عالم بالا کے بارے میں۔جب وہ جھگڑ رہے تھے نہیں وحی کی جاتی میری طرف مگر یہ کہ میں فقط کھلا ڈرانے والا ہوں (اے حبیب!) یاد فرمائیے جب کہا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو کیچڑ سے۔بس جب میں اس کو سنوار دوں اور پھونک دوں اس میں اپنی (طرف سے خاص) روح تو تم گر پڑنا اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے۔پھر سجدہ کیا سب کے سب فرشتوں نے سوائے ابلیس کے اس نے گھمنڈ کیا اور ہو گیا کافروں میں سے۔

ارشاد ہوا اے ابلیس! کس چیز نے باز رکھا تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے پیدا کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے کیا تو نے تکبر کیا یا تو اپنے آپ کو اس سے عالی مرتبہ خیال کرتا ہے۔وہ (گستاخ) بولا میں بہتر ہوں اس سے تو نے پیدا کیا ہے مجھے آگ سے اور پیدا کیا ہے اسے کیچڑ سے حکم ملا (اے بے حیاء) نکل جا جنت سے بیشک تو پھٹکارا گیا اور بیشک تجھ پر میری لعنت برسے گی قیامت تک۔ابلیس بولا (اگر یہی اٹل فیصلہ ہے) تو میرے رب مجھے مہلت دیجئے روز حشر تک جواب ملا بے شک تو مہلت دیئے جانے والوں میں سے ہے۔

(یہ مہلت) مقررہ وقت کے دن تک ہے۔کہنے لگا تیری عزت کی قسم! میں ضرور گمراہ

کردوں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا ہے۔فرمایا: یہ میں حق ہوا اور میں سچ ہی کہتا ہوں۔میں ضرور بھردوں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے سب فرمانبرداروں سے۔آپ فرمائیے میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی اجر اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔نہیں ہے یہ (قرآن) مگر نصیحت سب جہانوں کے لئے اور (اے کفار!) تم ضرور جان لو گے اس کی خبر کچھ عرصہ بعد۔" (ص:۶۷:۸۸)

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مخاطب کیا اور فرمایا: (اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً) (بقرہ:۳۰) اس آیت کریمہ میں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ آدم اور ان کی اولاد کی تخلیق کے بارے انہیں آگاہ کریں جو یکے بعد دیگرے زمین میں اس کے خلیفہ اور نائب ہوں گے۔سورۃ انعام آیت ۱۶۵ میں ہے (وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ) اسی طرح سورۃ نمل:۶۲ میں ارشاد الٰہی ہے (ویجعلکم خلفاء الارض) فرشتوں کو اللہ کریم کا آدم اور ان کی اولاد کی تخلیق سے باخبر کرنا از راہ تعظیم و تکریم تھا جس طرح کہ کسی امر عظیم کی اس کے ہونے سے پہلے خبر دے دی جائے۔اور فرشتوں کا استفسار بھی کسی اعتراض کی بناء پر نہیں تھا بلکہ وہ چاہتے تھے کہ آدم خاکی کی تخلیق کی وجہ اور حکمت سے آگاہی حاصل کریں۔

انہیں نہ تو آدم سے حسد تھا اور نہ وہ ان کی شان کے منکر تھے وہ صرف یہ جاننا چاہتے تھے کہ اس کی تخلیق میں کون سا راز پنہاں ہے۔لیکن بعض مفسرین کو یہ وہم لاحق ہوا ہے کہ شاید ان کا اعتراض تنقیص شان یا حسد کی بناء پر تھا فرشتوں نے عرض کی (اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ) (بقرہ:۳۰) کہا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے قبل جن بھوت کی تخلیق ہو چکی تھی اور وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے اور زمین میں فساد انگیزی کرتے رہتے تھے۔یہ قول حضرت قتادہ کا ہے۔

عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں: جن آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے تخلیق ہو چکے تھے اور وہ آپس میں جنگ و قتال کا بازار گرم رکھتے تھے۔اللہ کریم نے ملائکہ کی ایک جماعت کو خون ریزی کے انسداد کے لئے بھیجا فرشتوں کی اس جماعت نے انہیں سمندروں اور جزیروں کی طرف بھگا دیا۔حضرت عبداللہ بن عباس کی بھی یہی رائے ہے لیکن حضرت حسن فرماتے ہیں کہ فرشتوں کو الہام ہوا تھا آدم علیہ السلام کی اولاد زمین پر خون ریزی کرے گی اس لئے انہوں نے استفسار کیا کہ ایسی مخلوق کو پیدا کرنے میں کون سی حکمت پوشیدہ ہے ایک رائے یہ بھی ہے کہ خون ریزی کے متعلق ان کی معلومات لوح محفوظ سے اخذ شدہ تھیں یہ معلومات انہیں

ہاروت و ماروت فرشتوں نے دی تھیں اور ہاروت و ماروت فرشتوں سے یہ معلومات ایک اور فرشتے سے لی تھیں جس کا نام سجل تھا اور ان سے اگلی منزل پر قیام رکھتا تھا۔

یہ رائے حضرت ابن ابی حاتم کی ہے۔وہ یہ روایت ابو جعفر باقر سے لیتے ہیں۔ایک نظریہ یہ ہے کہ فرشتے جانتے تھے کہ مٹی کے خمیر سے جو فرد بھی تخلیق ہوگا وہ خون ریزی کرے گا کیونکہ مٹی کی خصوصیت ہی یہی ہے۔(وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ)

یعنی ہم ہر لحظہ تیری حمد و ستائش میں لگے رہتے ہیں۔کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ ہم تیری عبادت سے غفلت برتیں۔اگر آدم اور اولاد آدم کی تخلیق عبادت کی غرض سے ہے تو ہم ایک لمحے کے لئے بھی عبادت سے کوتاہی نہیں کرتے۔دن رات تیری تسبیح و تہلیل اور عبادت کا فریضہ سرانجام دیئے رہتے ہیں۔

قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

یعنی میں تخلیق آدم کے راز سے خوب واقف ہوں لیکن تم اس حقیقت سے ابھی تک لا علم ہو۔عنقریب تم دیکھو گے کہ اس کی اولاد سے نہایت ہی جلیل القدر نبی اور رسول پیدا ہوں گے اور اس کی نسل سے صدیق، شہداء اور صالحین قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔

پھر رب قدوس نے آدم علیہ السلام کے شرف علم و معرفت کو ان کے سامنے بیان فرمایا اور کہا:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (بقرہ:۳۱)

حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں: یہ وہ نام تھے جن سے انسان آج واقف ہے مثلاً انسان، حیوان، زمین، صحراء، سمندر، پہاڑ، اونٹ گدھے اور دنیا کی دوسری تمام اشیاء۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ کریم نے آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھا دیئے تھے۔حتیٰ کہ کھانے پینے کے برتن، ہنڈیا، کھمبی اور دوسری تمام چھوٹی چھوٹی چیزوں کے نام بھی اور دنیا میں کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جس کا نام نہ سکھایا گیا ہو۔

حضرت مجاہد کا ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ اللہ کریم نے آدم علیہ السلام کو ہر چوپائے کا، ہر پرندے کا اور ہر چیز کا نام سکھا دیا تھا۔

حضرت سعید بن جبیر اور قتادہ اور دوسرے مفسرین کی بھی یہی رائے ہے۔ربیع فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو صرف فرشتوں کے نام تعلیم فرمائے تھے۔

عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے کہ اللہ نے آپ کی اپنی تمام اولاد کے نام سکھائے تھے۔

صحیح یہ ہے: کہ اللہ کریم نے آدم علیہ السلام کو تمام ذوات اور ان کے افعال سکھا دیئے تھے اور چھوٹی بڑی کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس سے آپ بے خبر رہے ہوں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ علیہما نے اس آیت کے ضمن میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے۔ اس حدیث کو حضرت سعید اور ہشام نے قتادہ سے روایت کی ہے اور حضرت قتادہ نے انس بن مالک سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے روز اہل ایمان جمع ہوں گے اور کہیں گے کہ کیوں نہ حضور باری تعالیٰ میں کسی کو اپنا شفیع بنائیں۔ وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے۔ آپ ابوالبشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور فرشتوں کو آپ کے حضور سجدہ کرنے کا حکم دیا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے......''

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کریم نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے کہا: ہمارا رب کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کرے گا جو علم میں ہم سے فائق ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے امتحان لیا اور انہیں جتلا دیا کہ آدم علم میں ان سے بہت آگے ہیں۔

''اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ'' کے الفاظ بھی اس رائے کی تائید کرتے ہیں۔

اس ضمن میں اور بھی بہت سارے اقوال ہیں جنہیں ہم نے اپنی تفسیر میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

فرشتوں نے عرض کی:

''اے ہمارے رب تو اس بات سے پاک ہے کہ تیرے سکھائے بغیر کوئی شخص تیرے بے کراں علم میں کسی چیز کا احاطہ کرے۔ (بقرہ:۳۲)

جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے''

''یعنی میں پوشیدہ چیزوں کو بھی اس طرح جانتا ہوں جس طرح ظاہری چیزوں سے آگاہی رکھتا ہے۔ (یعنی مجھ سے کوئی چیز مخفی نہیں)''

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''اعلم ماتبدون'' سے مراد فرشتوں کا یہ کہنا ہے ''اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا'' اور ''وَمَا کُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ'' سے مراد ابلیس ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا اور اپنے دل ہی دل میں کبر و نخوت کو چھپاتا رہا۔ یہ قول سعید بن جبیر، سدی، ضحاک، ثوری کا ہے اور اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔

ابوالعالیہ، ربیع، حسن اور قتادہ کہتے ہیں کہ (وَمَا کُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ) سے مراد یہ ہے کہ فرشتے سمجھتے تھے ہمارا رب ہرگز کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں فرمائے گا جو علم میں ہم سے بڑھ کر ہو اور جو اس کی بارگاہ میں ہم سے زیادہ عزت و توقیر کی حامل ہو۔

ارشاد ربانی ہے:

''جب رب قدوس نے حضرت آدم کو اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا اور اس میں اپنی روح پھونکی تو فرشتوں کو آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم آدم علیہ السلام کی بہت بڑی عزت افزائی تھی''۔ (بقرہ:۳۴)

یہاں چار فضیلتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ پہلی فضیلت یہ ہے کہ انہیں اپنے دست اقدس سے تخلیق فرمایا۔ دوسری یہ کہ ان میں اپنی روح پھونکی تیسری یہ کہ فرشتوں کو ان کے حضور سجدے کرنے کا حکم دیا اور چوتھی فضیلت یہ ہے کہ انہیں دنیا کی تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے۔

اسی لئے تو موسیٰ کلیم اللہ سے جب ملا اعلیٰ میں حضرت آدم کی ملاقات ہوئی اور دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا ''آدم نسل انسانی کے باپ ہیں۔ اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ آپ کے جسم میں اپنی روح پھونکی، فرشتوں کو آپ کے سامنے سجدے کا حکم دیا اور آپ کی تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے اسی طرح قیامت کے روز بھی اہل محشر آپ سے عرض کریں گے جیسا کہ حدیث پاک میں پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

پھر آدم علیہ السلام کو رب قدوس نے یہ شرف بھی بخشا تھا کہ ان کی تخلیق اپنے دست قدرت سے کی تھی اور ان میں اپنی روح پھونکی تھی اور انہی اوصاف حمیدہ کی وجہ سے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کے سامنے سجدہ کریں۔

جیسا کہ ارشاد فرمایا:۔

''ابلیس بارگاہ الٰہی سے اسی سلوک کے لائق تھا کیونکہ وہ آدم علیہ السلام کی تنقیص شان پر ڈٹ گیا تھا۔ اور اس کا آدم علیہ السلام کو حقیر خیال کرنا اور اپنے آپ کو ان سے ارفع و اعلیٰ کہنا امر الٰہی کی مخالفت تھی کیونکہ علی التحقیق آدم علیہ السلام کو نص میں اس سے اعلیٰ و ارفع قرار دے دیا گیا تھا جس کی وہ مخالفت کر رہا تھا۔

ابلیس نے معذرت بھی کی لیکن معذرت میں ایک ایسا طریقہ اختیار کیا جس نے اسے کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ اس کی معذرت خواہی اس کے گناہ سے کہیں زیادہ گستاخی قرار پائی۔ جیسا کہ سورۃ الاسراء میں ارشاد خداوندی ہے''۔ (الحجر ۲۸۔۳۵)

یعنی شیطان نے عناد کی وجہ سے جان بوجھ کر اطاعت الٰہی سے منہ موڑا اور تکبر
میں آ کر حکم ربانی سے سرتابی کی۔اور اس سرکشی کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس کی طبیعت میں خیانت
اور اس کا خبیث مادہ اسی نافرمانی کی احتیاج رکھتا تھا شیطان کی تخلیق میں ناری مادہ استعمال ہوا
جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔اور جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ کے حوالے سے
حدیث پاک میں روایت کیا گیا ہے۔رسول خدا ﷺ کا فرمان مبارک ہے۔

"فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا۔اور جنوں کو آگ کے شعلے سے جب کہ آدم علیہ
السلام کو اس مادہ سے پیدا کیا گیا جو تمہیں بتا دیا گیا ہے۔(یعنی مٹی سے)" (الکہف:۵۰)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: ابلیس کبھی بھی فرشتوں میں سے نہ تھا۔

شہر بن حوشب کہتے ہیں: ابلیس جنوں میں سے تھا۔پس جب جنوں نے زمین پر
فساد برپا کیا تو اللہ کریم نے ان کی سرکوبی کے لئے فرشتوں کا ایک لشکر بھیجا جنہوں نے ان کو مار
اور سمندری جزیروں کی طرف مار بھگایا۔ابلیس فرشتوں کے ہاتھوں قید ہو گیا تھا اور وہ اسے اپنے
ساتھ آسمان پر لے گئے تھے تو وہ ادھر ہی رہا پس جب فرشتوں کو اللہ کریم نے سجدہ کا حکم دیا تو
ابلیس نے انکار کر دیا۔

حضرت ابن مسعود ابن عباس اور صحابہ کی ایک جماعت اور سعید ابن المسیب اور
دوسرے کئی مفسرین فرماتے ہیں کہ ابلیس آسمانی دنیا پر فرشتوں کا رئیس تھا۔

ابن عباس فرماتے ہیں: اس کا اصل نام عزازیل ہے۔اور انہی سے دوسری روایت ہے
کہ اس کا نام حارث ہے۔

نقاش کا قول ہے کہ ابلیس کی کنیت ابو کردوس ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں: اس کا تعلق فرشتوں کے ایک قبیلے سے ہے جس کا نام الجن
ہے۔فرشتوں کا یہ قبیلہ جنتی نعمتوں کے خزانچی ہیں۔اور دوسرے فرشتوں سے علم اور عبادت کے
میدان میں آگے ہیں اور سب فرشتوں سے افضل ہیں ابلیس بھی بہت اشرف و برگزیدہ فرشتہ تھا
اور اس کے چار نورانی پر تھے لیکن اللہ کریم نے اسے راندہ درگاہ یعنی شیطان بنا دیا۔

سورہ ص میں ارشاد ربانی ہے۔

یعنی تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے اس لئے میں ان کی تاک میں ہر سیدھے راستے پر گھات
لگا کر بیٹھوں گا۔اور میں ہر جہت سے ان پر حملہ کروں گا۔پس وہ شخص سعادت مند ہو گا جو اس لعین
کی مخالفت پر کمربستہ ہو گا اور جو اس کے کہنے میں آ گیا وہ شقی اور بد بخت بن جائے گا۔

حضرت امام احمد نے فرمایا: ہم سے ھاشم بن القاسم نے بیان کیا۔اور ان سے ابو عقیل
نے بیان کیا۔ابو عقیل سے مراد عبداللہ بن عقیل ثقفی ہے۔ان سے موسیٰ بن مسیّب نے ان سے
سالم بن ابی الجعد نے اور ان سے سبدہ بن ابی فاکہ نے بیان کیا: وہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا
ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ الشَّیْطَانَ قَعَدَ لِابْنِ آدَمَ بِاَطْرُقِهٖ

"بیشک شیطان ابن آدم کی گھات میں اس کے تمام راستوں پر بیٹھا ہوا ہے"

علمائے مفسرین نے سجدے پر مامور ملائکہ کے بارے میں مختلف اقوال بیان کیے ہیں۔

(۱) کیا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا؟ جیسا آیت کے عموم سے واضح ہے۔یہ قول جمہور کا ہے۔

(۲) یا اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو زمین پر مامور ہیں۔جیسا کہ ابن جریر نے ضحاک کے
واسطے سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے۔

اگرچہ بعض علمائے متاخرین نے اس قول کو ترجیح دی ہے لیکن اس کی سند منقطع ہے اور
اس کے سیاق کلام میں بھی کمزوری ہے۔

اگر آیات کریمہ کے سیاق کو دیکھا جائے تو پہلا قول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے اور حدیث
پاک بھی اسی کی تائید کرتی ہے کیونکہ " وَاَسْجَدَ لَمْ الْمَلَائِكَةُ " کے الفاظ میں بھی عموم
ہے۔اللہ بہتر جانتا ہے۔

اللہ کریم کا ابلیس کو فرمانا " اهبط منها " (الاعراف:۱۳) اور " اخرج منها " (الا
عراف:۱۸) سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابلیس آسمان پر تھا تو اللہ نے اسے اتر جانے کا حکم دیا اور اس گھر
سے اور اس بلند و بالا عزت والے مقام سے نکل جانے کو کہا جو اس نے عبادت خداوندی کے صلے
میں حاصل کر لیا تھا۔ابلیس اطاعت و عبادت میں ملائکہ کے مشابہ ہو گیا تھا لیکن جب اس نے عناد
و سرکشی کا راستہ اختیار کیا اور کبر و نخوت میں آ کر اپنے رب کی مخالفت پر اتر آیا تو اس سے یہ مقام
رفیع سلب کر لیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کی زوجۂ محترمہ کو حکم دیا کہ وہ جنت میں رہیں۔

اسحاق بن یسار نے بھی یہی تصریح کی ہے کہ حواء دخول جنت سے پہلے پیدا
ہوئیں۔اور ان آیات کریمہ کے ظاہری الفاظ بھی اسی نظریہ کی توثیق کرتے ہیں۔لیکن سید ابو صالح
سے اور وہ ابو مالک سے بیان کرتے ہیں اور وہ ابن عباس اور مرہ سے اور مرہ ابن مسعود اور

دوسرے کئی صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان صحابہ کا ارشاد ہے کہ۔

''اللہ کریم نے ابلیس کو جنت سے نکالا اور آدم علیہ السلام کو اس میں مقیم فرما دیا۔ جنت میں چلتے تو انہیں وحشت اور تنہائی سی محسوس ہوتی کیونکہ وہ اکیلے تھے اور ان کی بیوی ابھی پیدا نہیں ہوئی تھیں کہ ان سے تنہائی کا یہ احساس جاتا رہتا۔ ایک دن وہ سوئے اور جب اٹھے دیکھا ان کے سرہانے ایک خاتون تشریف فرما ہیں جو ان کی پسلی سے پیدا کی گئی تھیں۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا: تو کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا میں عورت ہوں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا تجھے کس لئے پیدا کیا گیا ہے؟ انہوں نے بتایا: تاکہ میری وجہ سے آپ کو راحت و آرام نصیب ہو۔ پھر ملائکہ نے آدم علیہ السلام کی وسعت علمی کا اندازہ لگانے کے لئے پوچھا: اے آدم! اس عورت کا نام کیا ہے تو آپ نے بتایا اس کا نام حواء ہے۔ فرشتوں نے پھر سوال کیا: اس کا نام حواء کیوں رکھا گیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اس لئے کہ اسے ایک زندہ جسم سے پیدا کیا گیا ہے''

محمد بن اسحاق، ابن عباس کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ حواء کی تخلیق پسلی سے ہوئی۔ جب آدم سوئے تھے تو ان کی بائیں پسلی نکال کر حواء کو تخلیق کیا گیا اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا گیا۔

صحیحین میں حضرت زائدہ کی بیان کردہ حدیث ہے جسے انہوں نے میسرۃ الاشجعی سے روایت کیا ہے اور انہوں نے اسے ابی حازم سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم عورتوں کے ساتھ نرمی کیا کرو۔ کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ اور اوپر والی پسلی زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اسے اپنے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ اس لئے عورتوں سے نرمی کا برتاؤ کیا کرو''

''وَلاَ تقربَا هَذِهِ الشجرةَ'' کی تفسیر میں علمائے مفسرین کا اختلاف ہے۔

(۱) ایک نظریہ تو یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو جس درخت کے قریب جانے سے روکا گیا تھا وہ انگور تھا۔

حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، شعبی اور جعدہ بن هبیرہ سے روایت ہے اور محمد بن قیس اور سدی ایک دوسری حدیث ابن عباس اور ابن مسعود اور دوسرے کئی صحابہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

(۲) یہود کا گمان ہے کہ یہ گندم کا پودا تھا۔ اور یہ اسرائیلی روایت عبداللہ بن عباس سے

بصری، وہب بن منبہ، عطیہ عوفی، ابو مالک، محارب بن دثار اور عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے لی گئی ہے۔

حضرت وہب فرماتے ہیں کہ وہ گندم کا پودا تھا لیکن اس کا دانا دنیا کی گندم کے دانے سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔

(۳) ثوری، ابو حصین سے اور وہ ابو مالک کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ آدم کو جس درخت کے قریب جانے سے روکا گیا تھا وہ کھجور کا درخت تھا۔

(۴) ابن جریج مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ شجر ممنوعہ زیتون تھا۔ اور اسی قول کو ابن جریج اور قتادہ نے نقل کیا ہے۔

(۵) ابو العالیہ کہتے ہیں کہ وہ ایسا درخت تھا جس کے کھانے سے بول و براز کی حاجت لاحق ہو جاتی تھی اور جنت اور جنت کی نفاستیں اس چیز کی متحمل نہیں ہو سکتی تھیں۔

یہ اختلاف قابل اعتناء نہیں۔ کیوں رب قدوس نے ایک درخت کی تعیین فرما دی تھی۔ جس سے آدم علیہ السلام خوب واقف تھے۔ چونکہ اس کے ذکر اور تعیین میں ہمارے لئے کوئی مصلحت نہیں تھی اس لئے اس سے چشم پوشی کی گئی۔ اور اس کا نام نہیں بتایا گیا۔

اصل اختلاف تو یہ ہے کہ جنت ہے کہاں جس میں آدم علیہ السلام کو ٹھہرنے کا حکم دیا گیا۔ کیا وہ آسمان پر ہے یا زمین پر۔ ضروری ہے کہ اس ضمن میں مختلف اقوال کی جانچ پڑتال کر کے اختلاف سے نکلنے کی کوشش کی جائے اور کوئی قابل اعتماد اور صحیح فیصلہ دیا جائے۔

(۱) جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ وہی جنت ہے جو آسمان پر واقع ہے اور جس کا ذکر اکثر قرآن کریم میں آیا ہے۔ جسے جنت الماویٰ کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ ان کے دلیل آیات واحادیث کے ظاہری الفاظ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

''اللہ کریم جب لوگوں کو جمع فرمائے گا تو اہل ایمان کو جب جنت کے قریب لایا جائے گا تو وہ کھڑے ہو جائیں گے اور پھر آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے: اے

ہمارے باپ......ہمارے لئے جنت کو کھولئے تو آپ فرمائیں گے کہ تم جنت سے صرف اپنے باپ کی لغزش کی وجہ سے نکلے ہو"

اس حدیث پاک سے کافی حد تک ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت آدم کو جس جنت میں ٹھہرایا گیا وہ جنت الماویٰ ہی ہے۔لیکن یہ حتمی نہیں کیونکہ اس حدیث پر تنقید ہو سکتی ہے۔

ایک نظریہ یہ ہے کہ جس جنت میں آدم علیہ السلام کو قیام پذیر کیا گیا وہ دائمی جنت نہیں کیونکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک خاص درخت کا پھل نہ کھائیں۔اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس جنت میں تو حضرت آدم علیہ السلام پر نیند بھی طاری ہوئی انہیں وہاں سے نکالا بھی گیا، اس میں ابلیس داخل ہوا۔یہ تمام چیزیں اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ وہ جنت الماویٰ میں قیام پذیر نہیں رہے۔

جس جنت میں حضرت آدم و حواء علیہا السلام کو ٹھہرایا گیا اس کے بارے میں علماء اختلاف ہے۔ایک قول تو یہ ہے کہ وہ جنت الخلد ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جنت الخلد نہیں بلکہ ایک ایسی جنت تھی جسے خاص انہیں کے لئے اللہ نے تیار کیا تھا اور اسے ان کے لئے امتحان گاہ بنایا تھا۔اور جنت الخلد دار ابتلاء نہیں بلکہ دار الجزاء ہے۔

پھر اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ کیا یہ زمین پر ہے یا آسمان پر۔

(۱) ایک قول یہ ہے کہ وہ جنت آسمان میں تھی کیونکہ اللہ نے آدم و حواء علیہا السلام کو اتر جانے کا حکم فرمایا تھا۔یہ قول حضرت حسن کا ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جنت زمین پر تھی۔کیونکہ اللہ کریم نے جب آدم و حواء کو اس جنت میں داخل فرمایا تو انہیں منع فرمایا کہ وہ اس خاص درخت کے قریب نہ جائیں اور یہ حکم ان دونوں کے لئے ایک امتحان تھا۔اور دار الخلد امتحان گاہ نہیں یہ قول ابن یحییٰ کا ہے۔اور دخول جنت اور امتحان اس وقت کے بعد واقع ہوا جب ابلیس کو سجدے کا حکم دیا گیا تھا۔واللہ اعلم بالصواب

آدم علیہ السلام اس ارضی جنت میں رہے یہاں تک کہ انہوں نے ممنوعہ پھل کھا لیا تو انہیں اتار دیا گیا ایک ایسی زمین کی طرف جہاں شقاوت و بدبختی خیمے گاڑھے ہوئے تھی۔جہاں تھکاوٹ اور درماندگی تھی۔جہاں سعی و کوشش اور ابتلاء و آزمائش تھی۔جہاں کا ہر لمحہ امتحان تھا۔جہاں

کے رہنے والے دین، اخلاق، اعمال، تمناؤں اور ارادوں اور اقوال و افعال میں ایک دوسرے سے مختلف تھے۔جیسا کہ رب قدوس کا فرمان ہے۔

لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس جنت سے آدم کو نکل جانے کا حکم ملا وہ آسمان پر واقع ہے کیونکہ اس طرح تو پھر ماننا پڑے گا کہ بنی اسرائیل بھی آسمان پر تھے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

"اور ہم نے حکم دیا فرعون کو غرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو کہ تم آباد ہو جاؤ اس سر زمین میں پس جب آئے گا آخرت کا وعدہ تو ہم لے آئیں گے تمہیں سمیٹ کر"

اس سے تو کسی کو اختلاف نہیں کہ بنی اسرائیل زمین پر تھے نہ کہ آسمان پر جو علماء جنت ارضی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے نظریے کے مطابق کسی صورت میں یہ بات ثابت نہیں کی جا سکتی کہ آج جنت اور دوزخ کا وجود ہی نہیں۔اور نہ انہیں لازم و ملزوم ٹھہرایا جا سکتا ہے۔علماء سلف اور اکثر علماء خلف میں سے جس کسی نے بھی یہ نظریہ اپنایا ہے اس نے جنت اور دوزخ کے وجود کا انکار نہیں کیا۔اور ان کے وجود پر تو قرآن کریم کی سینکڑوں آیات اور صحاح ستہ کی کئی احادیث شاہد عدل ہیں......**واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب**

"پھر پھسلا دیا انہیں شیطان نے اس درخت کے باعث" (البقرہ:۳۶)

"اور نکلوا دیا ان دونوں کو وہاں سے جہاں وہ تھے"

یعنی نعمتوں اور راحت و سرور سے تھکاوٹ، محنت و مشقت کی طرف۔اور یہ اس لئے ہوا کہ ابلیس نے انہیں بہکایا اور ان کے دلوں میں دنیا کی خواہش کو خوب مذین کر دیا۔جیسا کہ ارشاد گرامی ہے۔

"پھر وسوسہ ڈالا ان کے (دلوں میں) شیطان نے تا کہ بے پردہ کر دے ان کے لئے جو ڈھانپا گیا تھا ان کی شرم گاہوں سے۔اور (انہیں) کہا کہ نہیں منع کیا تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے مگر اس لئے کہ کہیں نہ بن جاؤ تم دونوں فرشتے یا کہیں نہ ہو جاؤ ہمیشہ زندہ رہنے والوں سے"

(الاعراف:۲۰)

شیطان کہنے لگا تمہیں اس درخت کا پھل کھانے سے محض اس لئے روکا گیا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تم ابدی زندگی حاصل کر لو اور زندہ جاوید نہ بن جاؤ۔یعنی اگر تم نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو تمہیں ابدی زندگی مل جائے گی اور ان نعمتوں پر تمہارا ہمیشہ کا استحقاق ثابت ہو جائے گا"وقاسمھما" یعنی آدم حواء کے سامنے قسم اٹھائی کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے بالکل صحیح

ہے۔اِنِّی لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیۡنَ (الاعراف:۲۱) میں تم دونوں کونصیحت کرنے والا ہوں جس طرح کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا۔

فوسوس الیہ الشیطان قال یا دم ھل اذلک علی شجرۃ الخلد و ملک لا یبلی (طٰہٰ:۱۲۰)

یعنی کیا میں تمہیں وہ درخت بتاؤں جس کا پھل کھا کرتم ان نعمتوں سے ہمیشہ لطف اندوز ہوتے رہواس ملک میں ہمیشہ کے لئے رہنے لگواور اس سے ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہ ہونا پڑے؟۔شیطان مردود نے محض دھوکے اور فریب سے کام لیا اور خلاف واقع باتیں بتا کر آدم اور حواء کو پھانسنے کی کوشش کی۔اس کا مقصد یہ باور کرانا تھا کہ شجرۃ الخلد جس کے پھل کھانے سے ہمیشہ کی زندگی مل جاتی ہے یہی ہے جس سے تمہیں منع کیا گیا ہے۔اور ہوسکتا ہے شجر ممنوعہ کوئی بڑا درخت ہو جیسا کہ امام احمد کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبدالرحمٰن بن مھدی نے ان سے شعبہ نے، ان سے ابی ضحاک نے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابوھریرہ کو یہ فرماتے سنا: کہ رسول خداﷺ نے فرمایا:

"بیشک جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ ایک سوار اگر اس کے سائے میں سو سال بھی چلتا رہے تو اس کا سایہ ختم نہ ہو اور اسی درخت کو ہیشگی کا درخت کہا گیا ہے"

حضرت امام احمد نے غندر اور حجاج سے اور انہوں نے شعبہ سے روایت کیا ہے اور ابو داؤد الطیالسی نے بھی اپنی مسند میں شعبی سے روایت کیا ہے کہ غندر کہتے ہیں میں نے شعبہ سے پوچھا: کیا اس سے مراد شجرۃ الخلد (ہیشگی کا درخت) ہے؟ تو انہوں نے فرمایا اس میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

اس روایت کو صرف حضرت امام احمد نے نقل کیا ہے۔

"پس شیطان نے نیچے گرادیا ان کو دھوکا سے پھر جب دونوں نے چکھ لیا درخت کے تو ظاہر ہوگئیں ان پر ان کی شرم گاہیں اور چپٹانے لگ گئے اپنے بدن پر جنت کے پتے"

(الاعراف:۲۲)

جس طرح کہ سورۃ طٰہٰ میں فرمایا:۔

"حضرت حواء نے یہ پھل آدم علیہ السلام سے پہلے کھایا اور انہوں نے ہی آدم کو اس کی ترغیب دی" (واللہ اعلم) (طٰہٰ:۱۲۱)

امام بخاری کی روایت کردہ حدیث بھی اسی مفہوم پر مجمول ہوگی۔

آپ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجھ سے بشر بن محمد نے بیان کی۔ان سے عبد اللہ نے انہیں معمر نے خبر دی۔ان سے ہمام بن منبہ نے بیان کی اور ان سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا۔حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول کریمﷺ نے فرمایا:

"اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت کبھی بھی نہ گلتا سڑتا اور اگر حوا نہ ہوتیں تو عورت کبھی بھی اپنے مرد سے خیانت نہ کرتی"

مذکورہ سند کے حوالے سے یہ حدیث مفرد ہے۔اور اسی حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں عبدالرزاق کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

عبدالرزاق معمر سے، اور وہ ہمام سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ نے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے۔اور اسی حدیث کو احمد اور مسلم نے ہارون بن معروف سے انہوں نے ابی وہب سے، انہوں نے عمرو بن الحارث سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی الفاظ روایت کیے ہیں۔

موجودہ تورات میں بھی یہ قصہ مذکورہ ہے۔تورات میں ہے کہ سانپ نے حضرت حوا کو پھل کھانے کی ترغیب دی۔اور وہ سانپ بہت خوبصورت اور جسیم تھا۔حوا نے اس کے کہنے سے شجر ممنوعہ کا پھل کھا لیا اور پھر یہی پھل آدم علیہ السلام کو بھی کھلا دیا۔اس میں ابلیس کا ذکر نہیں۔تورات بیان کرتی ہے کہ آدم وحوا نے جونہی پھل کھایا ان کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں معلوم ہوگیا کہ وہ ننگے ہیں۔تو یہ دیکھ کر وہ انجیر کے پتے اپنے جسموں پر لپیٹنے لگے اور اپنی شرم گاہوں کو چھپانے لگے وہ جنت میں ننگے رہتے تھے۔

حافظ ابن عساکر نے محمد بن اسحاق کے حوالے سے روایت کیا۔انہوں نے حسن بن ذکوان سے، انہوں نے حسن بصری سے اور انہوں نے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ رسول خداﷺ نے فرمایا:۔

"بیشک تمہارے باپ آدم علیہ السلام کھجور کے بلند و بالا درخت کی مانند طویل القامت تھے۔آپ کا قد مبارک ستر گز تھا۔بال بہت لمبے تھے اور آپ کی شرم گاہ مستور اور ڈھنپی ہوئی تھی۔جب جنت میں آپ سے لغزش ہوئی تو شرم گاہ ننگی ہوگئی۔آپ جنت سے نکل کر بھاگ کھڑے ہوئے۔لیکن ایک درخت میں آپ الجھ کر رہ گئے۔پیشانی کے بال اس بری طرح الجھے کہ آپ وہیں رک گئے۔اسی اثناء میں رب قدوس نے آدم علیہ السلام کو آواز دی۔آدم! کیا مجھ

سے بھاگے جا رہے ہو؟ عرض کی۔ مولا! اپنی لغزش پر نادم ہو کر بھاگ رہا ہوں۔ (تجھ سے بھاگ کر کہا جاؤں گا)

حافظ ابن عساکر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ "اللہ کریم نے دو فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم وحواء کو میرے پڑوس سے نکال دو۔ جبریل امین نے آدم علیہ السلام کے سر سے تاج اتارا اور میکائیل علیہ السلام نے ان کی جبین سے جواہر سے مرصع پٹکا کھولا آدم علیہ السلام جنتی درخت کی ایک ٹہنی میں الجھ گئے۔ سمجھے کہ شاید اسی وقت اس خطا کی سزا دی جا رہی ہے۔ سر جھکا لیا اور عفو و درگزر کی التجاء کی۔ رب قدوس نے فرمایا: کیا مجھ سے بھاگنا چاہتے ہو؟ عرض کی اے میرے مولا! اپنی خطا پر نادم و شرمندہ ہوں اس لئے بھاگ رہا ہوں۔ تجھ سے بھاگ کر کہاں جاؤں گا۔

"اوزاعی حسان سے جو ابن عطیہ کے نام سے مشہور ہیں روایت کرتے ہیں کہ "آدم علیہ السلام جنت میں سو سال مقیم رہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ جنت میں ساٹھ سال مقیم رہے۔ جنت کی جدائی پر ستر سال اور اپنی خطا پر بھی ستر سال روئے اور جب آپ کے فرزند (ہابیل) قتل ہوئے تو آپ نے چالیس سال ماتم کیا"

اسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ہم سے ابوزرعہ نے۔ ان سے عثمان بن ابی شیبہ نے ان سے جریر نے، ان سے سعید نے، اور ان سے عبداللہ بن عباس نے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: آدم علیہ السلام کو جب جنت سے نکالا گیا تو آپ زمین میں "وحنا" نامی مقام پر اترے جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے۔

اور حسن سے روایت ہے۔ بتاتے ہیں: کہ آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے اور حواء علیہا السلام جدہ میں۔ ابلیس "دستمسان" سے چند میلوں کے فاصلے پر اترا اور سانپ اصفہان میں۔

ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو انہیں تمام چیزوں کی کاریگری سکھا دی۔ اور جنت کے پھلوں کا توشہ بھی عطا کر دیا اور فرمایا تمہارے یہ دنیوی پھل ہیں تو جنت کے میوے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ (باسی اور خراب ہو جاتے ہیں) مگر جنتی پھلوں میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: آدم علیہ السلام بہت تھوڑا وقت جنت میں رہے تقریباً عصر اور غروب آفتاب کے درمیانی کے وقفہ کے برابر"

حاکم نے کہا ہے کہ اگرچہ اس روایت کو امام بخاری اور امام مسلم نے نقل نہیں کیا لیکن یہ

شیخین کی شرط پر پوری اترتی ہے۔

صحیح مسلم میں اعرج سے روایت کردہ امام زہری کی ایک حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہ ہیں۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے۔ (کیونکہ) اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی روز (سعید) کو جنت میں داخل کیے گئے اور اسی روز کو انہیں جنت سے نکالا گیا"

اور بخاری شریف میں "وَفِيْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ احمد کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن مصعب نے، ان سے اوزاعی، ان سے ابی عمار، ان سے عبداللہ بن فروخ، ان سے ابوہریرہ اور ان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ:۔

"بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے۔ جمعہ ہی کو آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا۔ اسی روز انہیں جنت سے نکالا گیا اور جمعہ کے روز ہی قیامت برپا ہوگی"

مسلم کی شرط پر یہ حدیث صحیح ہے۔

ارشاد خداوندی:

فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

(بقرہ:۳۷)

کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ دعا یہ تھی۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ

یہ روایت مجاہد، سعید بن جبیر، ابو العالیہ، ربیع انس، حسن، قتادہ، محمد بن کعب خالد بن معدان، عطاء خراسانی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے مروی ہے۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں۔ ہم سے علی بن حسن بن اسکاب، ان سے علی بن عاصم ان سے سعید بن ابی عروبہ، ان سے قتادہ، ان سے حس، ان سے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"آدم علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے میرے رب! اگر میں توبہ کروں اور اپنی خطاء سے منہ موڑ کر تیری طرف متوجہ رہوں تو کیا میں دوبارہ جنت میں لوٹا دیا جاؤں گا؟ اللہ

کریم نے فرمایا: ہاں"

"اے اللہ! تیرے سواء کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے اور میں تیری حمد و ثناء کرتا ہوں۔ میرے رب! میں نے آپ پر ظلم کیا ہے۔ مجھے بخش دے۔ بلاشبہ تو ہی سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ اے اللہ! تیرے سواء کوئی اللہ نہیں۔ تو ہر غیب سے پاک میں۔ میں تیری حمد و ستائش کرتا ہوں۔ میرے پروردگار! میں نے اپنے آپ سے زیادتی کی ہے۔ میری توبہ قبول فرمالے۔ بیشک تو ہی سب کی توبہ قبول کرنے والا اور سب پر رحم فرمانے والا ہے"

حاکم اپنی مستدرک میں سعید بن جبیر کے حوالے سے حضرت ابن عباس کا فرمان روایت کرتے ہیں کہ "فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ" اس پس منظر میں نازل ہوئی ہے کہ: آدم علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کی: اے میرے پروردگار ...... کیا تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا نہیں فرمایا؟ جواب دیا گیا کہ: کیوں نہیں۔

کیا تو نے میرے جسد میں اپنی روح نہیں پھونکی؟ جواب دیا گیا۔ کیوں نہیں۔

کیا جب مجھے چھینک آئی تو تو نے فرمایا تجھ پر اللہ رحمت کرے۔ تو تیری رحمت تیرے غضب پر غالب نہیں آ گئی اور میں نے اپنے اوپر یہ فرض کرلیا کہ میں ایسا ہی کروں گا؟ جواب دیا گیا: کیوں نہیں۔

آدم علیہ السلام نے عرض کی: الٰہی اب اگر میں اپنی خطاء سے توبہ کرلوں تو تو مجھے جنت میں لوٹا دے گا۔ فرمایا ہاں۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اگرچہ امام مسلم اور بخاری نے اسے روایت نہیں کیا۔

حاکم نے بھی ایک اور سند سے اور بیہقیابن عسا کرنے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے اپنے دادا سے انہوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:۔

"جب آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوگئی تو انہوں نے بارگاہ ایزدی میں عرض کی: پروردگار! محمد (ﷺ) کے حق کا واسطہ دیتا ہوں مجھے معاف فرمادے"

رب قدوس نے فرمایا: (آدم!) تو محمد ﷺ سے کیسے واقف ہے میں نے تو انہیں ابھی پیدا بھی نہیں فرمایا؟

"عرض کی: مولا! کیوں کہ جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور مجھ میں

اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا اور عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ میں سمجھ گیا کہ تو نے جس شخص کے نام کو اپنے نام سے جوڑ دیا ہے وہ خلق میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہوگا"

"رب قدوس نے فرمایا: اے آدم تو نے سچ کہا: بیشک وہ پوری مخلوق سے مجھے زیادہ محبوب ہیں۔ اب جب کہ تو نے ان کے وسیلے سے مجھ سے سوال کیا ہے تو لو میں نے تجھے بخش دیا۔ اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا"

بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اکیلے ہیں۔ اس لئے یہ حدیث ضعیف ہے۔ (واللہ اعلم)

مذکورہ آیت کریمہ اللہ کریم کے اس فرمان کی طرح ہی ہے۔

وَعَصٰی آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی . ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى

(طہٰ: ۱۲۱۔۱۲۲)

حافظ فرماتے ہیں کہ: ہم سے حارث بن مسکین مصری نے۔ ہم سے عبداللہ بن وہب نے بیان کیا۔ مجھ کو ہشام بن سعد نے خبر دی۔ انہوں نے زید بن اسلم سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے عمر ابن الخطاب سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

"موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کی مولائے کریم! ہمیں آدم علیہ السلام کی زیارت کرائیو جنہوں نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکالا۔ موسیٰ کو آدم علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ آپ نے پوچھا: آپ ہی آدم علیہ السلام ہیں؟ آدم علیہ السلام نے فرمایا: ہاں فرمایا: آپ وہی ہیں نا جس میں اللہ نے اپنی روح پھونکی اور آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ آدم علیہ السلام نے جواب دیا ہاں۔ فرمایا: پھر کس لئے آپ نے ہمیں بھی اور اپنے آپ کو جنت سے نکال دیا۔

آدم علیہ السلام نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے بتایا: میں موسیٰ علیہ السلام ہوں۔ آدمؑ نے فرمایا: آپ بنی اسرائیل کے نبی موسیٰ ہیں؟ آپ ہی وہ ہیں کہ جس سے اللہ نے در پردہ کلام کیا اور درمیان میں کسی مخلوق کو پیامبر نہیں بنایا؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا۔ ہاں آدم علیہ السلام نے فرمایا: پھر آپ مجھے ایک ایسے امر پر ملامت کر رہے ہیں جو پہلے سے اللہ جل شانہ، نے تقدیر میں لکھ چھوڑا تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدم علیہ السلام بحث و تکرار میں جیت گئے۔ آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

اس حدیث کو ابو داؤد نے بھی احمد بن صالح مصری اور انہوں نے ابن وہب سے روایت کیا ہے۔

ہابیل اور قابیل کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:۔

''اور آپ پڑھ سنایئے انہیں خبر دو فرزندان آدم کی ٹھیک ٹھیک۔ جب دونوں نے قربانی دی تو قبول کی گئی ایک سے اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے۔ (اس دوسرے نے) کہا قسم ہے میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا۔ (پہلے نے) کہا (تو بلا وجہ ناراض ہوتا ہے) قبول فرماتا ہے اللہ صرف پرہیزگاروں سے۔ تو اگر تو بڑھائے میری طرف اپنا ہاتھ تاکہ تو قتل کرے مجھے (جب بھی) میں نہیں بڑھانے والا اپنا ہاتھ تیری طرف تاکہ میں قتل کروں تجھے۔ میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو مالک ہے سارے جہانوں کا۔ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو اٹھالے میرا گناہ اور اپنا گناہ تاکہ تو ہو جائے دوزخیوں سے۔ اور یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی۔ پس آسان بنا دیا اس کے لئے اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل سو قتل کر دیا اسے اور ہو گیا سخت شرمندگی اٹھانے والوں سے۔ پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا۔ کھودتا تھا زمین کو تاکہ دکھائے اسے کہ کس طرح چھپائے لاش اپنے بھائی کی۔ کہنے لگا ہائے افسوس! کیا قاصر رہا میں کہ ہوتا اس کوے کی مانند تو چھپا دیتا لاش اپنے بھائی کی۔ غرض ہو گیا سخت پچھتانے والوں سے''

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس نے ایک بڑے پتھر سے اپنے بھائی کے سر کو کچل دیا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ وجہ یہ تھی کہ ہابیل سویا ہوا تھا۔ اور اس پر یہ حملہ اچانک کیا گیا۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ قابیل نے اپنے سوتے بھائی کا گلہ دبایا اور اسے درندوں کی طرح کاٹ کھایا جس سے اس کی موت واقع ہوگئے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جب قابیل نے اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی تھی تو اس نے جواب دیا تھا۔

لَئِنْ بَسَطتَّ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِی مَآاَنَا بِبَاسِطٍ یَدِیَ اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ اِنِّیٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (مائدہ:۲۸)

اس سے ہابیل کی بلندی کردار کا بھی اندازہ ہوتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف، خشیت اور تقویٰ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اسی لئے تو وہ طاقت کے باوجود اپنے بھائی کی برائی کا بدلہ برائی سے دینے کو تیار نہیں تھا۔

رسول خدا ﷺ کی ایک حدیث سے جسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے ثابت ہوتا ہے کہ قتل ایک جرم شنیع ہے اور اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے قتل کے درپے ہو تو بھی ایک شخص کو بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور پہل کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ حضور ﷺ فرماتے۔

جب دو مسلمان تلواریں سونت کر ایک دوسرے کے مقابلے میں آجاتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم کا ایندھن بنتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ! قاتل کا جہنم رسید ہونا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن مقتول کس لئے دوزخ میں جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیونکہ وہ اپنے بھائی کے قتل کی خواہش رکھتا تھا۔

امام احمد، ابو داؤد اور ترمذی رحم اللہ تعالیٰ نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اٹھنے والے فتنے کے دوران فرمایا تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا تھا'' عنقریب ایک فتنہ برپا ہوگا۔ اس میں بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا'' ایک شخص نے عرض کی: (یارسول اللہ) آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر ایک شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے اور میرے قتل کے واسطے میری طرف ہاتھ بڑھائے تو۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تجھے آدم کے بیٹے کی طرح ہو جانا چاہیے۔

ابن مردویہ نے حذیفہ بن الیمان سے اسے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضور نے فرمایا'' تو آدم کے نیک بیٹے کی طرح ہو جا''

حافظ ابن عساکر نے احمد بن کثیر کے احوال میں لکھا ہے کہ احمد رحمۃ اللہ علیہ صالحین کی جماعت کے سرخیل تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ، ابو بکر، عمر اور ہابیل کو (خواب میں) دیکھا تو انہوں نے ہابیل کو قسم دی کہ کیا یہی آپ کے قتل ہونے کی جگہ ہے تو انہوں نے قسم اٹھائی کہ ہاں یہی میرے قتل ہونے کی جگہ ہے اور ہابیل نے یہ بھی کہا کہ میں نے اللہ کریم سے التجاء کی کہ وہ اس جگہ کو دعا کی قبولیت کا مقام بنا دے تو اللہ نے میری اس دعا کو قبول فرما لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی تصدیق کی اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں خود، ابو بکر اور عمر ہر جمعرات کو اس کی زیارت کو آتے ہیں۔

اللہ کے ارشاد گرامی: کے متعلق بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب ہابیل قتل ہو گیا تو ایک سال تک قابیل اس کی لاش کو کندھوں پر اٹھائے پھرتا رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ سو سال تک لاش کو اٹھائے پھرا حتیٰ کہ اللہ نے دو کوے بھیجے۔ سدی کہتے ہیں کہ اس کی اسناد صحابہ تک پہنچتی ہے کہ وہ

دونوں کوے سگے بھائی تھے۔دونوں قابیل کے سامنے لڑے۔ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا۔جب ایک مرگیا تو دوسرے نے اپنی چونچ سے زمین میں گڑھا کھودا اور مردہ کوے کو اس گڑھے میں ڈال کر کے مٹی ڈال دی اور جگہ برابر کردی قابیل دیکھ کر کہنے لگا: ہائے افسوس میں تو کوے سے بھی عاجز نکلا کہ اس طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفن نہیں کر سکا۔فوراً ایک گڑھا کھودا اور اپنے بھائی کی لاش کو دفن کر دیا۔

توراۃ میں ہے کہ آدم علیہ السلام اپنی بیوی کے پاس گئے اور ان سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام اس نے ''شیث'' رکھا۔حوا نے یہ نام اس لئے تجویز کیا کیونکہ اس نے کہا یہ بچہ قابیل کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے اور شیث کے ہاں ''انوش'' پیدا ہوا۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ: جب آدم علیہ السلام کے ہاں شیث پیدا ہوا تو آپ کی عمر مبارک ایک سوتیس (۱۳۰) سال تھی۔اس کے بعد آپ آٹھ سو ستر سال زندہ رہے۔(۸۷۰) اور آپ کے ہاں بچے اور بچیاں پیدا ہوئیں۔

انوش سے قینان پیدا ہوا۔اس وقت انوش کی عمر ستر (۷۰) سال تھی۔اور اس کے بعد وہ آٹھ سو پندرہ سال (۸۱۵) زندہ رہا اور اس کے ہاں بچے اور بچیاں پیدا ہوئے۔جب قینان کی عمر ستر (۷۰) سال کی ہوئی تو اس کے ہاں بچے اور بچیاں پیدا ہوئیں۔جب حلاییل کی عمر پینسٹھ (۶۵) سال ہوئی تو اس کے ہاں ''ہرد'' پیدا ہوا۔اور اس کے بعد وہ آٹھ سو سال زندہ رہا اور اس کے ہاں بچے اور بچیاں پیدا ہوئیں۔

اور جب ''یرد'' ایک سو باسٹھ سال کا ہوا تو اس سے خنوخ پیدا ہوا اور اس کے بعد آٹھ سو سال زندہ رہا اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

جب خنوخ کی عمر پچھتر سال ہوئی تو اس سے متوشلخ پیدا ہوا اور اس کے بعد خنوخ آٹھ سو سال تک زندہ رہا اور اس سے بچے اور بچیاں پیدا ہوئیں۔جب متوشلخ کی عمر ایک سو سینتیس (۱۳۷) سال ہوئی تو اس سے لامک پیدا ہوا اور اس کے بعد وہ سات سو بیاسی (۷۸۲) سال زندہ رہا۔اور اس سے بچے اور بچیاں ہوئیں۔

پس جب لامک کی عمر ایک سو بیاسی (۱۸۲) سال ہوئی تو اس سے نوح پیدا ہوا۔اور اس کے بعد وہ پانچ سو پچانوے (۵۹۵) سال زندہ رہا۔اور اس سے بچے اور بچیاں پیدا ہوئیں۔اور جب نوح علیہ السلام کی عمر مبارک پانچ سو سال تھی تو ان سے بچے پیدا ہوئے ان کے نام سام، حام اور یافث ہیں۔

یہ سارا مضمون موجودہ تورات میں صراحتاً مذکور ہے۔

امام ابوجعفر بن جریر نے اپنی تاریخ میں بعض لوگوں سے یہ بات نقل کی ہے کہ آدم علیہ السلام کے بیس بیٹے ہوئے۔جو تمام کے تمام حضرت حوا کے بطن سے ہوئے اور تمام جڑواں تھے (آپ نے صرف ایک ہی شادی کی کیونکہ اولاد سے شادی شروع سے حرام رہی ہے) ابن اسحاق نے بھی یہی تعداد بیان کی ہے اور انہوں نے ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں۔(واللہ اعلم)

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ کے ایک سو بیس بطنوں سے (۲۴۰) جڑواں بچے پیدا ہوئے ہر بطن میں ایک بچہ تھا اور ایک بچی۔پہلے بطن سے قابیل اور اس کی بہن قلیما پیدا ہوئے اور آخری بطن سے عبدالمغیث اور اس کی بہن ام المغیث پیدا ہوئے۔

اس کے بعد انسان پھیلتے چلے گئے اور زمین پر پھیلتے پھولتے بہت زیادہ تعداد میں پھیل گئے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

''اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے۔اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں)''

اہل تاریخ کا بیان ہے کہ آدم علیہ السلام نے وصال سے پہلے اپنی اولاد سے اور ان کی اولاد پھر ان کی اولاد سے ایک لاکھ انسان اپنی آنکھوں سے دیکھے۔(واللہ اعلم)

ارشاد خداوندی ہے:۔

''وہ (خدا ہے) جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک نفس سے اور بنایا اس سے اس کا جوڑا تاکہ اطمینان حاصل کرے اس (جوڑے) سے۔پھر جب مرد ڈھانپ لیتا ہے عورت کو تو حاملہ ہو جاتی ہے ہلکے سے حمل سے۔پھر چلتی پھرتی رہتی ہے اس کے ساتھ پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو دعا مانگتے ہیں (میاں بیوی) اللہ سے جو ان کا رب ہے کہ اگر تو عنایت فرمائے ہمیں تندرست لڑکا تو ہم ضرور ہو جائیں گے (تیرے) شکر گزار بندوں سے۔پس جب اللہ عطا کرتا ہے تندرست لڑکا تو دونوں بناتے ہیں اللہ کے ساتھ شریک اس میں جو اس نے انہیں دیا۔تو بلند و برتر ہے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں''۔(الاعراف:۱۸۹۔۱۹۰)

''اور بیشک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے اور بنا دیا ہے انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ''۔(المؤمنون:۱۲۔۱۳)

اور یہ بات تو جانی پہچانی ہے کہ شیطان کو مار بھگانا ستاروں کے وجود سے نہیں بلکہ گفتگو

کو ان کی شخصیت سے جنس کی طرف پھیرا جا رہا ہے۔

ابن حبان نے حضرت ابو ذرؓ سے روایت کرتے ہوئے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا:

''یا رسول اللہ! انبیاء کتنے ہو گزرے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک لاکھ چوبیس ہزار''

میں نے عرض کی: حضور! رسول کتنے ہیں؟

حضور ﷺ نے فرمایا: کہ رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔

میں نے عرض کی: حضور! سب سے پہلا آنے والے رسول کون ہیں؟

حضور ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے رسول حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا آدم علیہ السلام بھی نبی مرسل تھے؟

حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دست قدرت سے تخلیق کیا۔ ان میں روح پھونکی۔ اور انہیں خوبصورت شکل عطا فرمائی''

طبرانی کہتے ہیں: ہم سے ابراہیم بن نائلہ اصفہانی نے بیان کیا ہم سے شیبان بن فروغ سے بیان کیا۔ ہم سے نافع بن ہرمز نے بیان کیا۔ انہوں نے عطاء بن رباح سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

''کیا میں تمہیں افضل فرشتے کی خبر دوں؟ فرشتوں میں سب سے افضل جبریل امین ہیں۔ نبیوں میں افضل ترین آدم ہیں۔ ایام میں سب سے زیادہ فضیلت جمعہ کو حاصل ہے اور مہینوں میں رمضان سب سے افضل مہینہ ہے۔ اور راتوں میں قدر کی رات کو فضیلت ہے۔ اور عورتوں میں مریم بنت عمران سب سے افضل ہیں''

اس حدیث کی یہ سند ضعیف ہے۔ اس میں نافع بن ہرمز کو ابن معین نے جھوٹا لکھا ہے۔ اور احمد، بوزرعہ، ابو حاتم، ابن حبان وغیرہ نے اس ضعیف قرار دیا ہے۔ (واللہ اعلم) حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ جنت میں صرف حضرت آدم علیہ السلام باریش ہوں گے اور کسی کی داڑھی نہیں ہوگی۔ آپ علیہ السلام کی داڑھی سیاہ اور ناف تک لمبی ہوگی۔ جنت میں کوئی شخص کنیت نہیں کرے گا لیکن آدم علیہ السلام کی وہاں بھی کنیت ہوگی دنیا میں آپ علیہ السلام کی کنیت ابو البشر ہے اور جنت میں ابو محمد ہوگی۔

شیث کا معنی عطائے ربانی ہے۔ ان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہابیل کے قتل کے بعد آدم و حواء علیہما السلام کو اس صالح بیٹے کی صورت میں نیک بدلہ عطا کیا۔ حضرت ابو ذرؓ کی ایک روایت کردہ حدیث میں ہے کہ رسول خدا ﷺ سے یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ: ''اللہ نے ایک سو چار صحیفے اتارے۔ ان میں سے بچاس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر نازل ہوئے''

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں: جب حضرت آدم علیہ السلام کی رحلت کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام سے ایک عہد لیا اور انہیں رات، دن کے اوقات (عبادت) کی تعلیم دی اور بتایا کہ فلاں وقت میں کون سی عبادت ہوگی اور انہیں یہ بھی بتایا کہ میرے جانے کے بعد ایک بہت بڑا طوفان آئے گا۔

محمد بن اسحاق کا کہنا ہے کہ تمام اولاد آدم کا سلسلہ نسب شیث علیہ السلام سے جا ملتا ہے کیونکہ آپ کی باقی تمام اولاد سے نسل نہیں چل سکی۔ سب کی نسل نیست و نابود ہو گئی ہے۔ ''واللہ اعلم''

آدم علیہ السلام کی وفات جمعہ کے روز ہوئی۔ ملائکہ خوشبو اور کفن جنت اور حریم قدس سے ساتھ لائے۔ حضرت شیث سے تعزیت کی اور انہیں وصیت فرمائی ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ جس دن حضرت کی رحلت ہوئی اس دن سے برابر سات دن رات تک چاند اور سورج کی روشنی ماندر ہی۔

ابن عساکر نے شیبان بن فروخ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے محمد بن زیاد سے، انہوں نے میمون بن مھران سے، انہوں نے ابن عباس سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ملائکہ نے آدم علیہ السلام پر چار تکبیریں پڑھیں۔ ابو بکرؓ نے فاطمہؓ پر چار تکبیریں پڑھیں۔ عمرؓ نے بھی ابو بکرؓ پر چار تکبیریں کہیں اور صہیب نے عمر رضی اللہ عنہ پر چار تکبیروں سے ہی نماز جنازہ ادا کی۔ آدم علیہ السلام کے مدفن کے بارے میں اختلاف ہے۔ مشہور یہی ہے کہ آپ کے جسد اطہر کو اسی پہاڑ کے نزدیک دفن کیا گیا جہاں پر ہند میں آپ کو اتارا گیا تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ مکہ کے نزدیک جبل ابی بیس کے نزدیک آپ کا مدفن ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے زمانہ طوفان میں نوح علیہ السلام نے ان کے جسم اطہر کو اور ان کی زوجہ محترمہ کے جسد اطہر کو نکال کر ایک تابوت میں رکھا اور انہیں بیت المقدس میں دفن کر دیا۔ یہ قول ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

ابن عساکر بعض علماء سے روایت کرتے ہیں: ''کہ آپ کا سر اقدس مسجد ابراہیم کے پاس جب کہ باقی جسم بیت المقدس کی چٹان پر مدفون ہے۔ حواء علیہا السلام کی وفات ایک سال

بعد ہوئی آدم علیہ السلام کی عمر کے بارے اختلاف ہے۔اس سے پہلے ابن عباس اور ابو ہریرہ
مرفوع حدیث میں گزر چکا ہے۔کہ ''آپ کی عمر لوح محفوظ میں ایک ہزار سال درج تھی'' موجودہ
تورات کا بیان کہ آپ کی عمر مبارک نو سوتیس سال تھی یہ بیان حدیث کے مقابلے میں قابل
التفات نہیں ہے۔کیونکہ تورات کا بیان مردود اور مطعون ہے۔وجہ یہ ہے وہ ایک ایسے قول کی
مخالفت کر رہا ہے جو محفوظ ہے اور اللہ کے معصوم نبی سے اخذ کیا گیا ہے۔

تورات اور حدیث میں مطابقت بھی ممکن ہے ۹۳۰ سال کو اگر دنیاوی زندگی یعنی ہبوط
کے بعد کی زندگی پر محمول کیا جائے تو کل عمر ہزار سال بن جاتی ہے۔تطبیق کی ایک صورت اور بھی
ہے کہ ۹۳۰ سال شمسی اعتبار سے ہے اور ہزار سال قمری اعتبار سے۔کیونکہ ۹۳۰ شمسی سال
۹۹۵ قمری سال کے برابر ہوئے اور پانچ سال ہبوط سے پہلے کے بھی اگر شامل کر لیں تو کل مدت
عمر ایک ہزار سال بن جائے گی اس طرح قمری اعتبار سے آپ کی عمر ہزار سال بن جائے گی اور
شمسی اعتبار سے بعد از ہبود ۹۳۰ سال بن جائے گی۔

عطا خراسانی فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کی وفات ہوئی تو تمام مخلوق نے
سات دن تک ماتم کیا۔اسے ابن عسا کرنے روایت کیا ہے۔آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد
امور دنیا کی باگ ڈور حضرت شیث علیہ السلام نے سنبھالی۔شیث علیہ السلام نبی تھے۔جیسا کہ
حدیث میں گزر چکا ہے۔اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابوذر سے روایت کیا ہے کہ ''آپ پر
پچاس صحیفے نازل ہوئے تھے''

جب شیث علیہ السلام کی رحلت ہوئی تو ان کی جگہ ان کے بیٹے انوش نے لی۔حضرت شیث
نے انہیں نیکی اور عدل و انصاف کے قیام کی وصیت بھی فرمائی تھی۔انوش کے بعد قینن پھر ان کے
بیٹے مہلا بیل۔مہلا بیل کے متعلق فارس کے عجمی لوگ کہتے ہیں کہ وہ سات اقالیم کے بادشاہ
تھے۔مہلا بیل ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے درخت کاٹے۔شہروں کی بنیادیں ڈالیں اور بلند قلعے
تعمیر کیے۔کہا جاتا ہے کہ بابل کا شہر انہیں کا بسایا ہوا ہے۔اس طرح سوس اقصیٰ کے شہر کی بنیاد بھی
انہوں نے ہی ڈالی تھی۔انہوں نے ہی ابلیس اور اس کے لشکر پر سختی فرمائی تھی اور انہیں زمین کے
اطراف اور پہاڑی دروں میں مار بھگایا تھا۔اور بہت سارے باغی اور کافر جن ان کے ہاتھوں
موت کی گھاٹ اترے تھے ان کے سر پر ایک تاج ہوتا تھا۔اور وہ لوگوں کو خطاب کرتے تھے۔ان
کی حکومت چالیس سال تک قائم رہی۔

مہلا بیل کے بعد ہفت اقالیم کی خلافت ان کے بیٹے ''یرد'' کے ہاتھ آئی۔جب ان کی

وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے ''خنوخ'' علیہ السلام کو وصیت فرمائی اور حکومت
ان کے سپرد کر دی۔حضرت خنوخ ادریس کے نام سے مشہور ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ تعالیٰ کا ان پر رجوع
برحمت ہوا بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے''

''تلقی'' کا معنی ہے آگے بڑھ کر ملاقات کرنا یعنی استقبال کرنا اب معنی یہ ہوگا کہ آدم
علیہ السلام نے آنے والے باوقار مہمانوں اور معظم احباب کی طرح محبت و اکرام کے ساتھ اللہ
تعالیٰ کے کلمات کا استقبال کیا۔وہ کلمات کیا تھے علامہ ابو حیان نے فرمایا:۔

ولم یخبرنا اللہ بہا اللہ مبھمۃ

یعنی اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر وہ کلمات نہیں بتائے بلکہ بتلقی آدم من ربہ کلمات فرما کر
ہمیں صرف کلمات مبہمہ کی خبر دی اس لئے ان کی تعیین میں اہل علم سے چند اقوال منقول ہیں۔

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر علماء نے کہا کہ وہ کلمات یہ ہیں:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ

(۲) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں۔

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰهَ غَیْرُکَ

(۳) وہب اور محمد بن کعب سے منقول ہے وہ یہ کلمات ہیں۔

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ عَمِلْتَ سُوْءً وَظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ
اِنَّکَ خَیْرُ الْغَافِرِیْنَ

یہ قول عبداللہ بن عباس کی طرف بھی منسوب ہے۔

(۴) ایک قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے ساق عرش پر محمد رسول اللہ (ﷺ) لکھا ہوا دیکھا
تو انہوں نے اسی اسم مبارک کو اپنی شفاعت کا ذریعہ بنایا یہ آخری قول حضرت شاہ
عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بروایت طبرانی بیہقی حاکم حضرت فاروق
اعظم رضی اللہ عنہ تفسیر عزیزی میں نقل کیا۔

یہاں تفسیر عزیزی میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

(اسئلک بحق محمد ﷺ) اے اللہ میں تجھے حضرت محمد ﷺ کا واسطہ دے کر
معافی چاہتا ہوں اسی تفسیر عزیزی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے بھی بروایت ابن المنذر
منقول ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَسْئَلُکَ بِجَاہِ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَکَرَامَتِہٖ عَلَیْکَ اَنْ تَغْفِرَلِی خَطِیْئَتِیْ

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی نے فرمایا:

یعنی ایک قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے ساق عرش پر ''محمد رسول اللہ'' لکھا دیکھا
حضور کو انہوں نے اپنی شفاعت کا ذریعہ بنایا یعنی وہ کلمات ''محمد رسول اللہ'' ہیں۔ علامہ آ…
فرماتے ہیں قرآن مجید میں عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے تو روح اعظم حبیب اکرم ﷺ …
کلمات اللہ'' کا بولا جانا تو ضرور ہی ثابت ہو جائے گا، نہ عیسیٰ ہیں نہ موسیٰ، بلکہ عالم امکان میں…
نہیں اور واقعی کوئی نہیں لیکن سب حضور ﷺ کے ظہور انوار کے جلوے اور آپ ہی کے گلزار…
کے مہکتے ہوئے پھول ہیں:

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

اگر آدم علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے اسم گرامی کو بطور وسیلہ نہ پیش کرتے اور اسی طرح
نوح علیہ السلام آپ کے اسم گرامی کا وسیلہ نہ لاتے تو نہ آدم کی توبہ قبول ہوتی اور نہ نوح علیہ السلام
غرق ہونے سے نجات حاصل کرتے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے جب ان کلمات کے ذریعے توبہ کی اللہ تعالیٰ نے اسی وقت
آپ کی طرف رحمت کی توجہ کرتے ہوئے توبہ کو قبول فرمالیا۔

بعض علماء کے نزدیک آدم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے کلمات لینا اور ان کے ذریعے توبہ
کرنا اور ان کا قبول ہونا جنت سے اترنے کے بعد ہوا اور توبہ بھی کئی سو سال بعد قبول ہوئی اور
بلکہ تین سو سال آہ و بکا گریہ زاری اور ندامت کے حال میں ان پر گزرے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ
نے تفسیر عزیزی ج اص ۱۸۴ میں یہی فرمایا ہے۔

لیکن حق یہ ہے کہ جنت سے باہر آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو
کلمات عطا فرما دیئے تھے اور اسی وقت انہوں نے توبہ کی جو قبول ہوگئی اور اسی وقت اللہ تعالیٰ…

ان کی خطا معاف فرما دی البتہ یہ ممکن ہے کہ معافی کے باوجود آدم علیہ السلام اپنی لغزش کو یاد کر کے
ندامت کے طور پر سالہا سال تک گریہ وزاری میں مشغول رہے ہوں جو خوف وخشیت الہیہ کا
تقاضا اور کمال عبدیت کی دلیل ہے۔ (از تبیان ج اص ۱۴۷ تا ۱۴۹)

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ جمعہ کو قبول ہوئی۔ آپ کی پیدائش اور جنت سے باہر
تشریف لانا بھی جمعہ کے دن ہی تھا، اور وہ عاشورہ یعنی دس محرم کا دن تھا۔

خیال رہے کہ عاشورہ جمعہ کو بڑے اہم واقعات ہوئے۔ آدم علیہ السلام کی توبہ، نوح
علیہ السلام کی کشتی کا زمین پر آنا۔ یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، ایوب علیہ السلام
کی شفاء، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا اور فرعون کا غرق ہونا، یعقوب علیہ السلام کا
یوسف علیہ السلام سے ملنا، حضرت امام حسین کا کربلا میں شہید ہونا، سب دسویں محرم کو واقع
ہوئے۔ ان بزرگوں نے گیارہویں شب راحت کی گزاری۔

اہل سنت گیارہویں رات کو حضرت غوث پاک کے ایصال ثواب کا اہتمام کرتے ہیں
وہ درحقیقت ان تمام بزرگوں کو حاصل ہونے والے انعامات پر اظہار خوشی بھی ہوتا ہے۔

(تفسیر نعیمی ج:۱، ص۲۹۰)

جب زمین پر تشریف لائے تو حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان کے علاقہ سراندیپ کے
پہاڑ پر اترے اور حضرت حوا جدہ میں توبہ قبول ہونے کے بعد دونوں کی ملاقات عرفان کے مقام پر
ہوئی دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا اسی لئے اس میدان کو عرفات کہتے ہیں یعنی پہچاننے کی جگہ۔

جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے آئے تھے تو ان سے عربی زبان بھی لے لی گئی
تھی یعنی بھلا دی گئی تھی اتنے روز تک سریانی زبان میں کلام فرمایا توبہ قبول ہونے کے بعد عربی
زبان پھر عطا ہوئی پھر حضرت جبرائیل نے تمام عالم کے جانوروں کو آواز دیکہ اے جانورو حق
تعالیٰ نے تم پر اپنا خلیفہ بھیجا ہے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو دریائی جانوروں نے سر اٹھا کر
اطاعت ظاہر کی اور خشکی کے جانور آپ کے آس پاس جمع ہو گئے آدم علیہ السلام ان پر ہاتھ
پھیرنے لگے جس پر آپ کا ہاتھ پہنچ گیا وہ اہل اور خانگی بن گئے جیسے گھوڑا، اونٹ، بکری، کتا، بلی
وغیرہ اور جس پر آپ کا ہاتھ نہ پہنچا وہ جنگلی وحشی رہا جیسے ہرن وغیرہ۔

اس واقعہ کے بعد آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولا میری اولاد بہت کمزور ہے اور
ابلیس کا فریب بہت سخت اگر تو ان کی امداد نہ کرے تو وہ ابلیس سے کیسے بچ سکیں گے حکم الٰہی آیا اے
آدم تمہارے اور احکام تھے آپ کی اولاد کے لئے اور احکام ہوں گے ہم ہر انسان کے ساتھ ایک
فرشتہ رکھیں گے تب آپ نے خوش ہو کر شکر کیا۔ (از عزیزی ونعیمی ج اص ۲۹۱)

آدم علیہ السلام کی اولاد

حضرت حوا بیس یا چالیس مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں ہر حمل میں
بچے پیدا ہوئے ایک مذکر اور ایک مؤنث ایک حمل کے بچوں کا دوسرے حمل کے بچوں کا ایسا حکم
جیسا کہ مختلف ماں باپ کے بچوں کا ہوتا ہے یعنی پہلے حمل کے بچے کا دوسرے حمل کی بچی سے نکا
ح ہوتا اسی طرح دوسرے حمل کے لڑکے کا پہلے حمل کی لڑکی سے نکاح ہوتا۔

(صاوی زیر آیت وبث منھما رجالا کثیرا ونساء پ ۴)

جب آدم علیہ السلام کا آخری وقت آیا تو آپ کو جنتی میوے کھانے کی خواہش ہوئی
اپنے فرزندوں سے کہا کہ کعبہ معظمہ جاؤ اور وہاں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میری یہ تمنا پوری کرے۔
علیہ السلام کے فرزند یہ حکم پا کر وہاں پہنچے انہیں حضرت جبرائیل اور دوسرے فرشتے ملے جن
انہوں نے آدم علیہ السلام کی فرمائش کا ذکر کیا، فرشتوں نے کہا ہمارے ساتھ آؤ ہم جنت کے
میوے اپنے ساتھ لائے ہیں۔

چنانچہ یہ سب آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے حضرت حوا ان فرشتوں کو دیکھ کر ڈرنے
لگیں اور چاہا کہ آدم علیہ السلام کے دامن میں چھپ جائیں انہوں نے فرمایا کہ حوا اب تم مجھ سے
الگ رہو میرے اور رب کے قاصدوں کے درمیان آڑ نہ بنو، اس طرح فرشتوں نے آدم علیہ
السلام کی روح قبض کر لی۔

فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے بیٹوں کو کہا جس طرح ہم تمہارے باپ کا کفن دفن
کریں گے اسی طرح تم فوت ہونے والے لوگوں کا کفن و دفن کرنا۔

جبرائیل علیہ السلام جنت کی مرکب خوشبو اور جنتی جوڑے کا کفن اور جنتی بیری کے
پتے اپنے ساتھ لائے تھے ان کو خود غسل دیا اور کفن پہنایا اور خوشبو ملی اور ملائکہ ان کا جسم مبارک
کعبہ میں لائے اور ان پر سارے فرشتوں نے نماز جنازہ ادا کی جس میں حضرت جبرائیل امام تھے
اور سارے فرشتے مقتدی، اس نماز میں چار تکبیریں کہیں جیسے کہ آج ہوتی ہیں، پھر مکہ معظمہ سے
تین میل کے فاصلے پر مقام منیٰ میں لے گئے جہاں کہ حاجی قربانی کرتے ہیں اور اسی جگہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل کی قربانی کی، وہاں مسجد خیف کے قریب بغلی قبر کھود کر ان
دفن کر کے ان کی قبر کو اونٹ کے کوہان کی ڈھلوان بنایا۔

حضرت حوا علیہا السلام کی قبر ''جدہ'' میں ہے، بعض روایات کے مطابق دونوں کی قبر

حرم میں طواف کی جگہ میں ہیں۔ (از تفسیر عزیزی، تفسیر نعیمی ج اول)

ابن سعد اور حاکم اور دوسرے محدثین نے ابی ابن کعبؓ سے اور انہوں نے آنحضرت
ﷺ سے روایت کی ہے کہ جس وقت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کو
بہشت کے میووں کی خواہش ہوئی اور خود بسبب ضعف کے حرکت نہ کر سکتے تھے آپؑ نے اپنے
بیٹوں سے فرمایا کہ تم خانہ کعبہ کو جاؤ وہاں میرے واسطے خداوند کریم سے جنت کے میوے مانگو کیونکہ اس
وقت جو کوئی حاجت مانگتا کعبہ مکرمہ میں جا کر دعا کرتا تو وہاں دعا منظور ہوتی تھی جب آدم علیہ
السلام کے بیٹے گھر سے روانہ ہوئے تو حضرت جبرائیل بمع اور فرشتوں کے نازل ہوئے تو حضرت
آدم علیہ السلام کے بیٹوں سے دریافت کیا تو انہوں نے آدمؑ کی خواہش کا اظہار کیا تو حضرت
جبرئیلؑ اور دیگر فرشتوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ واپس آ جاؤ ہم تمہارا مطلب لائے ہیں۔ جب
فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کے قریب پہنچے تو حضرت حواؑ نے موت کا فرشتہ دیکھا تو ڈر گئیں۔ اور
حضرت آدمؑ کے قریب ہونے لگیں تو آدمؑ نے ان کو روکا کہ میرے اور میرے رب کے درمیان
حائل نہ ہو۔ عزرائیل نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح مبارک قبض کی تو آدمؑ کے بیٹوں سے کہا
کہ تم دیکھو جو طریقہ ہم کرتے ہیں پھر اپنے مردوں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرو۔ پھر فرشتوں نے
حضرت آدم علیہ السلام کے غسل کے واسطے خوشبو مرکب کی خوشبوؤں میں سے جنت کی بیریوں
کے پتے لائے اور آدم علیہ السلام کو غسل دیا اور حنوط مل کر بہشت کا کفن پہنایا۔ چونکہ ان کی اترنے
کی جگہ ہندوستان میں تھی جس کو وحنا کہتے ہیں وہاں سے ان کی اولاد میں سے ڈیڑھ سو آدمی ۱۵۰
حضرت آدم علیہ السلام کو باری باری اٹھائے ہوئے فرشتوں کے ہمراہ گئے اور خانہ کعبہ میں پہنچایا۔

حضرت آدم علیہ السلام پر حضرت جبریلؑ نے امام ہو کر نماز جنازہ پڑھائی اور چار
تکبیریں پڑھیں منیٰ کی مسجد خیف میں دفن کیے اور آپ کی قبر مبارک بغلی بنائی تھی اور قبلہ کی طرف
سے آپ کی قبر میں اتارا تھا اور آپ کی قبر مبارک اوپر سے کوہان اونٹ کی شکل پر بنائی تھی۔

ابو الشیخؒ نے مجاہدؒ سے روایت کی ہے کہ آپ کی کنیت دنیا میں ابو البشر ہے اور قیامت
میں ابو محمدؐ ہوگی۔ قیامت میں کسی بہشتی کے منہ پر داڑھی اور مونچھیں نہ ہوں گی بغیر حضرت آدم علیہ
السلام کے ان کی داڑھی ناف تک لمبی ہوگی اور بیہقی نے دلائل النبوت میں حضرت امیر المومنین علی
المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کے واسطے کنیتیں نہ
ہوں گی مگر آدمؑ کے واسطے کنیت ابو محمد ہوگی تعظیم اور توقیر کی خاطر۔ اور حوا کی قبر مبارک جدہ میں اور
آدمؑ کی قبر منیٰ کی مسجد خیف میں ہے۔ (تفسیر فتح العزیز)

آپ کا ذکر قرآن پاک میں مندرجہ ذیل مقامات پر ہے۔

(۱) سورہ بقرہ پارہ اول رکوع ۴

(۲) سورہ مائدہ پارہ ۶، رکوع ۵

(۳) پارہ ۸، سورہ اعراف، رکوع ۲

(۴) پارہ ۹، سورہ اعراف رکوع ۲۴

(۵) پارہ ۱۴، سورہ بنی اسرائیل، رکوع ۷

(۷) پارہ ۱۵، سورہ کہف، رکوع ۷

(۸) پارہ ۱۶، سورہ طٰہٰ، رکوع ۷

(۹) پارہ ۲۱، سورہ سجدہ، رکوع ۱

(۱۰) پارہ ۲۳، سورہ ص، رکوع ۵

(۱۱) پارہ ۲۷، سورہ رحمٰن، رکوع ۱

حضرت شیث علیہ السلام

شیث کا معنی عطائے ربانی ہے۔ان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہابیل کے قتل کے بعد آدم وحوا علیہما السلام کو اس صالح بیٹے کی صورت میں نیک بدلہ عطا کیا۔حضرت ابو ذرؓ کی ایک روایت کردہ حدیث میں ہے کہ رسول خداﷺ سے یہ بیان کیا جاتا ہے۔کہ: ''اللہ نے ایک سو چار صحیفے اتارے۔ان میں سے پچاس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر نازل ہوئے''

امام احمد کے بیٹے عبداللہ فرماتے ہیں: ہم سے ہدبہ بن خالد نے بیان کیا۔ہم سے حماد بن سلمہ نے بیان کیا۔انہوں نے حمید سے، انہوں نے حسن سے، انہوں نے یحییٰ یعنی ابن ض، مرہ سعدی سے روایت کیا۔فرمایا: میں نے مدینہ طیبہ میں ایک بوڑھے شخص کو گفتگو کرتے ہوئے دیکھا میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔آپ فرمارہے تھے۔جب آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: اے میرے بیٹو! مجھے جنت کے پھلوں کی طلب ہورہی ہے۔

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں: جب حضرت آدم علیہ السلام کی رحلت کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام سے ایک عہد لیا اور انہیں رات، دن کے اوقات (عبادت) کی تعلیم دی اور بتایا کہ فلاں وقت میں کون سی عبادت ہوگی اور انہیں یہ بھی بتایا کہ میرے جانے کے بعد ایک بہت بڑا طوفان آئے گا۔

محمد بن اسحاق کا کہنا ہے کہ تمام اولاد آدم کا سلسلہ نسب شیث علیہ السلام سے جا ملتا ہے کیونکہ آپ کی باقی تمام اولاد سے نسل نہیں چل سکی۔سب کی نسل نیست و نابود ہوگئی ہے۔''واللہ اعلم''

آدم علیہ السلام کی وفات جمعہ کے روز ہوئی۔ملائکہ خوشبو اور کفن جنت اور حریم قدس سے ساتھ لائے۔حضرت شیث سے تعزیت کی اور انہیں وصیت فرمائی ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ

جس دن حضرت کی رحلت ہوئی اس دن سے برابر سات دن رات تک چاند اور سورج کی روشنی ماند رہی۔

ابن عساکر نے شیبان بن فروخ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے محمد بن زیاد سے، انہوں نے میمون بن مھران سے، انہوں نے ابن عباس سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ملائکہ نے آدم علیہ السلام پر چار تکبیریں پڑھیں۔ ابوبکرؓ نے فاطمہؓ پر چار تکبیریں پڑھیں۔ عمرؓ نے بھی ابوبکرؓ پر چار تکبیریں کہیں اور صہیب نے عمر رضی اللہ عنہ پر چار تکبیروں سے ہی نماز جنازہ ادا کی۔ آدم علیہ السلام کے مدفن کے بارے میں اختلاف ہے۔ مشہور یہی ہے کہ آپ کے جسد اطہر کو اسی پہاڑ کے نزدیک دفن کیا گیا جہاں پر ہند میں آپ کو اتارا گیا تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ مکہ کے نزدیک جبل ابی قبیس کے نزدیک آپ کا مدفن ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے زمانہ طوفان میں نوح علیہ السلام نے ان کے جسم اطہر کو اور ان کی زوجہ محترمہ کے جسد اطہر کو نکال کر ایک تابوت میں رکھا اور انہیں بیت المقدس میں دفن کر دیا۔ یہ قول ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

ابن عساکر بعض علماء سے روایت کرتے ہیں: ”کہ آپ کا سر اقدس مسجد ابراہیم کے پاس جب کہ باقی جسم بیت المقدس کی چٹان پر مدفون ہے۔ حواء علیہا السلام کی وفات ایک سال بعد ہوئی آدم علیہ السلام کی عمر کے بارے اختلاف ہے۔ اس سے پہلے ابن عباس اور ابو ہریرہ کی مرفوع حدیث میں گزر چکا ہے۔ کہ ”آپ کی عمر لوح محفوظ میں ایک ہزار سال درج تھی“ موجودہ تورات کا بیان کہ آپ کی عمر مبارک نو سو تیس سال تھی یہ بیان حدیث کے مقابلے میں قابل التفات نہیں ہے۔ کیونکہ تورات کا بیان مردود اور مطعون ہے۔ وجہ یہ ہے وہ ایک ایسے قول کی مخالفت کر رہا ہے جو محفوظ ہے اور اللہ کے معصوم نبی سے اخذ کیا گیا ہے۔

تورات اور حدیث میں مطابقت بھی ممکن ہے ۹۳۰ سال کو اگر دنیاوی زندگی یعنی ہبوط کے بعد کی زندگی پر محمول کیا جائے تو کل عمر ہزار سال بن جاتی ہے۔ تطبیق کی ایک صورت اور بھی ہے کہ ۹۳۰ سال شمسی اعتبار سے ہے اور ہزار سال قمری اعتبار سے۔ کیونکہ ۹۳۰ شمسی سال ۹۹۵ قمری سال کے برابر ہوئے اور پانچ سال ہبوط سے پہلے کے بھی اگر شامل کر لیں تو کل مدت عمر ایک ہزار سال بن جائے گی اس طرح قمری اعتبار سے آپ کی عمر ہزار سال بن جائے گی اور شمسی اعتبار سے بعد از ہبوط ۹۳۰ سال بن جائے گی۔

عطا خراسانی فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کی وفات ہوئی تو تمام مخلوق نے سات دن تک ماتم کیا۔ اسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد امور دنیا کی باگ ڈور حضرت شیث علیہ السلام نے سنبھالی۔ شیث علیہ السلام نبی تھے۔ جیسا کہ حدیث میں گزر چکا ہے۔ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابوذر سے روایت کیا ہے کہ ”آپ پر پچاس صحیفے نازل ہوئے تھے“

جب شیث علیہ السلام کی رحلت ہوئی تو ان کی جگہ ان کے بیٹے انوش نے لی۔ حضرت نے انہیں نیکی اور عدل وانصاف کے قیام کی وصیت بھی فرمائی تھی۔ انوش کے بعد قینن پھر ان کے بیٹے مھلابیل۔ مھلابیل کے متعلق فارس کے عجمی لوگ کہتے ہیں کہ وہ سات اقالیم کے بادشاہ تھے۔ مھلابیل ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے درخت کاٹے۔ شہروں کی بنیادیں ڈالیں۔

حضرت ہابیل کے شہید ہونے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام غمگین رہتے کیونکہ یہ ان کی نسل میں پہلا واقعہ تھا تو پروردگار عالم نے اپنے فضل وکرم سے حضرت شیث علیہ السلام بزرگوار فرزند عطا فرمایا کہ ان کی نسل سے سرور عالم ﷺ پیدا ہوں گے۔ اور حضرت شیث علیہ السلام پر کچھ صحیفے بھی اترے تھے۔ حضرت آدمؑ نے وصیت فرمائی تھی کہ حضرت نوحؑ کا زمانہ پاؤ تو میرے جسد کو کشتی نوحؑ میں رکھ لینا ورنہ اپنی اولاد کو نصیحت کر دینا۔

معارج النبوت میں ہے کہ حضرت شیث علیہ السلام حضرت آدمؑ کی تمام اولاد سے حسین اور ماہ جبین تھے اور تمام ظاہری و باطنی کمالات سے پر تھے اور آپ کی پیشانی میں نور محمدؐ آفتاب کی طرح درخشاں تھا۔ ان سے حضرت آدم علیہ السلام نے نور محمدی ﷺ کی حفاظت کے بارے میں ایک عہد نامہ تحریری کرایا تھا کہ نور محمدی ﷺ کو پاک رحموں اور پاک پشتوں میں پہنچایا جائے۔ یکے بعد دیگرے اسی عہد نامہ پر عمل کیا جائے اور اس عہد نامہ کو ایک دوسرے تک پہنچایا جائے۔ چنانچہ اسی طرح کیا گیا۔

ہابیل کی شہادت سے پانچ سال بعد حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور حسن و خوبی وصورت حضرت شیث علیہ السلام کی حضرت آدم علیہ السلام کے مشابہ تھی۔ آدمؑ نے قبل از وفات حضرت شیث علیہ السلام کو اپنا ولی عہد بنا دیا تھا اور حضرت شیثؑ حضرت آدمؑ سے جنت کی وصف ہمیشہ سنتے رہتے اور آسمانی صحیفے کے مضمون بھی دریافت کرتے رہتے اس لئے دنیاوی لذتیں اور لوگوں سے تنہائی اختیار کر دی اکثر اوقات ورد وظائف و اطاعات میں مشغول رہتے۔ نفس ریاضتیں اور تہذیب اخلاق ہمیشہ ان کو مدنظر رہتیں اور شیثؑ کے زمانے میں لوگ دو قسم

کے تھے ایک حضرت شیثؑ کی تابعداری میں تھے آپ کی نصیحت سے راہ راست پر تھے اور دوسرا گروہ قابیل کی اولاد کی تابعداری میں مشغول تھا۔حضرت شیثؑ کی مندرجہ ذیل نصیحتیں تھیں۔ مومن حقیقی وہ ہوتا ہے جس میں یہ خصلتیں پائی جائیں۔خدا کو پہچاننا۔نیک اور بد پہچاننا۔بادشاہ وقت کا حکم ماننا۔ماں باپ کا حق پہچاننا اور ان کی خدمت کرنا۔صلہ رحمی کرنا۔لوگوں سے نیکی اور محبت کرنا، غصے کو زیادہ نہ بڑھانا۔محتاجوں اور مسکینوں کو دینا۔ان پر رحم کرنا۔گناہوں سے پرہیز کرنا۔مصیبت پر صبر کرنا۔نعمت الٰہی پر شکر کرنا۔یہ تھیں آپ کی نصیحتیں۔جب وقت پورا ہوگیا تو دنیا سے گزر گئے۔تفسیر عزیزی میں ہے کہ ان پر پچاس صحیفے اترے تھے۔

حضرت ادریس علیہ السلام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا

(مریم:۵۶۔۵۷)

"اور ذکر فرمائیے کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا۔بیشک وہ بڑے راست باز تھے (اور) نبی تھے اور ہم نے بلند کیا تھا انہیں بڑے اونچے مقام تک"

اس آیت میں اللہ کریم نے ادریس علیہ السلام کی تعریف فرمائی ہے۔اور ان کی نبوت اور صدیقیت کو عیاں فرمایا ہے۔بائبل مقدس میں آپ کا اسم گرامی خنوخ ذکر کیا گیا ہے۔حضور ﷺ کا سلسلہ نسب حضرت ادریس علیہ السلام کی وساطت سے حضرت شیث سے جا ملتا ہے۔اس طرح آپ رسول کریم ﷺ کے سلسلہ نسب کی بنیاد قرار پاتے ہیں۔کئی علماء نسب نے اس بات کا ذکر فرمایا ہے۔

پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں آپ کے بعد شیث علیہ السلام تھے اور شیث علیہ السلام کے بعد نبوت کا نور ادریس علیہ السلام کی وساطت سے انسانیت کو نصیب ہوا۔

ارشاد الٰہی "وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا" سے مراد آپ کے مقام و مرتبہ کی بلندی ہے جیسا کہ صحیحین میں روایت شدہ حدیث اسراء سے ثابت ہے" آپ ﷺ کا گزر ادریس علیہ السلام سے ہوا۔آپ چوتھے آسمان پر تھے" ابن جریر نے یونس سے انہوں نے عبدالاعلیٰ سے، انہوں نے ابن وہب سے،انہوں نے جریری بن حازم سے،انہوں نے اعمش سے،انہوں نے شمر بن عطیہ سے، انہوں نے ہلال بن یساف سے روایت کیا کہ ابن عباس نے کعبؓ سے دریافت فرمایا۔میں بھی وہاں حاضر تھا۔انہوں نے پوچھا حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں ارشاد خداوندی

''وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا'' کا کیا مقصد ہے؟ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ میں ہر روز تمہیں تمام بنی آدم کے نیک کاموں کے مطابق بلند کروں گا۔ شاید اس سے مراد اس دور کے لوگ ہوں۔ تو آپ علیہ السلام نے یہ بات پسند کی کہ زیادہ سے زیادہ نیک عمل کریں۔ آپ علیہ السلام کے پاس ایک فرشتہ آیا جو آپ کا بہت گہرا دوست تھا آپ نے اس کو بتایا کہ اللہ کریم نے میری طرف اس طرح وحی کی ہے۔ لہٰذا آپ موت کے فرشتہ سے بات کریں (کہ وہ مجھے مہلت دے) تا کہ میں زیادہ سے زیادہ نیک عمل بجالا سکوں۔

تو اس فرشتے نے آپ کو دو پروں کے درمیان اٹھایا اور لے کر آسمان کی طرف چڑھ گیا۔ جب وہ چوتھے آسمان پر پہنچا تو اسے موت کا فرشتہ ملا جو نیچے اتر رہا تھا دوست فرشتے نے ملک الموت سے اس سلسلے میں بات کی جس کے متعلق ادریس علیہ السلام نے اس سے بات کی تھی۔ ملک الموت نے پوچھا ادریس علیہ السلام کہاں ہیں؟ فرشتے نے بتایا کہ وہ میری پیٹھ پر سوار ہیں۔ فرشتہ اجل نے کہا۔ تعجب ہے! مجھے بھیجا گیا اور کہا گیا کہ ادریس علیہ السلام کی روح قبض کر جب کہ وہ چوتھے آسمان پر ہوں۔ میں کہنے لگا: کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں ان کی چوتھے آسمان پر روح قبض کروں جب کہ وہ ہوں زمین پر؟ سو فرشتہ اجل نے ادریس علیہ السلام کی روح قبض کر لی جب کہ وہ چوتھے آسمان پر تھے۔ اللہ کریم کے اس قول ''وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا'' میں اسی بات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ابو حاتم لکھتے ہیں کہ جب ملک الموت سے اس فرشتے کی ملاقات ہوئی تو ادریس علیہ السلام نے اسے کہا کہ ذرا فرشتہ اجل سے پوچھو کہ میری کتنی عمر باقی ہے فرشتے نے ملک الموت سے پوچھا جب کہ ادریس علیہ السلام وہیں موجود تھے کہ ان کی بقیہ عمر کتنی ہے؟ فرشتہ اجل نے کہا کہ میں جب تک دیکھ نہیں لیتا کچھ نہیں جان سکتا۔ فرشتہ اجل نے آپ کو دیکھا اور کہا۔ آپ ایسے شخص کی عمر کے بارے میں مت پوچھیں جن کی عمر صرف پلک جھپکنے کی دیر باقی ہے۔ فرشتے نے اپنے پروں کے نیچے دیکھا تو ادریس علیہ السلام رحلت فرما چکے تھے اور ان کے دوست فرشتے کو معلوم بھی نہ ہوسکا تھا کہ وہ کب جہان فانی سے کوچ فرما گئے۔

یہ روایت اسرائیلیات سے ہے۔ اور اس کے بعض پہلو قابل قبول نہیں ہیں ابی نجیح مجاہد سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا'' میں اس بات کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ ادریس علیہ السلام فوت نہیں ہوئے بلکہ آپ کو بھی عیسیٰ علیہ السلام کی طرح زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے''۔ یہ کہنا کہ آپ ابھی زندہ ہیں اس میں غور و فکر کی ضرورت ہے اگر مقصود یہ ہے کہ آپ کو

زمین سے زندہ اٹھا لیا گیا اور آسمان پر ان کی روح قبض کی گئی تو اس میں اور پہلے قول جیسے کعب الاحبار نے بیان فرمایا ہے کوئی فرق نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

''وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا'' کے متعلق عوفی ابن عباس سے روایت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ادریس علیہ السلام کو ساتویں آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور آپ کی وفات آسمان پر ہی ہوئی۔ ضحاک نے بھی یہی کہا ہے۔ یہ حدیث کہ آپ چوتھے آسمان پر ہیں متفق علیہ ہے اور یہی صحیح ہے۔ یہ قول مجاہد اور دوسرے کئی مفسرین نے اختیار کیا ہے۔

اس آیت کریمہ کے بارے میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ادریس علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔ بعض لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو اپنے باپ ''یرد بن مھلا بیل'' کی زندگی میں اٹھا لیا گیا تھا۔ (واللہ اعلم) بعض لوگوں کا کہنا یہ بھی ہے کہ ادریس علیہ السلام نوح علیہ السلام سے پہلے نہیں ہوئے بلکہ ان کا زمانہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد کا ہے۔

امام بخاری ابن مسعود اور ابن عباس کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت الیاس کو ہی حضرت ادریس کہا گیا ہے۔ اس بات کی تائید میں حدیث اسراء پیش کی جاسکتی ہے جسے امام زہری نے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ کا گزر ہوا تو ادریس علیہ الاسلام نے خوش آمدید صالح بھائی اور صالح نبی کے الفاظ سے استقبال کیا اور آدم اور ابراہیم علیہ السلام کی طرح حضور ﷺ کو صالح نبی اور صالح بیٹے کے الفاظ سے مخاطب نہیں کیا۔ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ اگر ادریس علیہ السلام حضور ﷺ کے سلسلہ نسب کی بنیاد ہوتے تو انہیں بھائی نہیں بلکہ بیٹے کے الفاظ سے خوش آمدید کہتے۔

لیکن یہ ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ بعض اوقات راوی کو اچھی طرح حدیث یاد نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ادریس علیہ السلام نے جلیل القدر نبی کو عاجزی و انکساری کی بناء پر بھائی کہا ہو کیونکہ ابن میں عاجزی کا اظہار نہیں ہوسکتا۔ اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو جو ابوبیت حاصل ہے وہ ادریس علیہ السلام کو حاصل نہیں۔ کیونکہ آدم ابوالبشر ہیں۔ اور ابراہیم خلیل اللہ اور حضور ﷺ کے بعد سب سے جلیل القدر نبی ہیں۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ ادریس علیہ السلام ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے لکھنے کی طرح ڈالی۔ آپ علیہ السلام نے حضرت کا زمانہ پایا اور آپ کی پیدائش کے تین سو اسی سال بعد تک زندہ رہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ معاویہ بن حکم سلمی کی بیان کردہ حدیث پاک

میں حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف ہی اشارہ کیا گیا ہے'' جب حضور ﷺ سے علم رمل کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک نبی ریت پر خط کھینچا کرتے تھے بس جس شخص کا خط ان کے خط کے موافق پڑے اسے بعض چھپی چیزوں کا علم ہو جاتا ہے؟ علما کے تفسیر و احکام میں سے بہت سارے لوگوں کا یہ گمان ہے کہ سب سے پہلے علم رمل میں حضرت ادریس نے ہی گفتگو کی۔ اسی لئے آپ علیہ السلام کو اس علم کا سب سے بڑا ماہر کہا جاتا ہے۔ اہل نجوم آپ علیہ السلام کی طرف کئی چھوٹے قصے منسوب کرتے ہیں جس طرح کہ اکثر لوگ انبیاء، علماء، حکماء اور اولیاء کے بارے کرتے رہتے ہیں۔

ادریسؑ کو خنوح بھی کہتے ہیں۔ خنوح یا ادریسؑ بن یارو یا پیرو بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیثؑ بن آدمؑ آپ کا قصہ پارہ ۱۷ سورہ انبیاء اور پارہ ۱۶ سورہ مریم رکوع ۴ میں ہے ارشاد ہے۔

وَذْكُرْفِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صَدِيْقًا نَبِيًّا وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا

''اور یاد کر کتاب میں ادریسؑ کا ذکر بیشک وہ سچے نبی تھے اور ہم نے ان کو بلند رتبہ تک پہنچایا۔ یعنی کمالات ظاہری و باطنی سے سرفراز کیا''

جب حضرت ادریسؑ سن شعور کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے ان کو نبوت سے سرفرازا تب انہوں نے شریر اور مفسدوں کو راہ ہدایت کی تبلیغ شروع کی مگر مفسدوں نے ان کی کوئی بات نہ سنی اور حضرت آدم علیہ السلام اور شیثؑ کی شریعت کے مخالف رہے۔ مگر ایک چھوٹی سی جماعت مشرف با سلام ہوگئی پھر حضرت ادریس علیہ السلام نے وہاں سے ہجرت کا ارادہ کیا اور اپنے تابعداروں کو بھی ہجرت کی تلقین کی یہ بابل میں رہتے تھے۔ بابل دجلہ اور فرات کی نہروں سیرسبز اور شاداب تھا۔ بابل عراق کا مشہور شہر تھا جو فنا ہوگیا ہے۔ لوگوں کا جی نہ چاہتا تھا کہ اس بہترین علاقے کو چھوڑ کر جائیں لیکن حضرت ادریسؑ نے لوگوں کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی راہ میں تکلیف اٹھاؤ اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے اس کا نعم البدل ضرور عطا فرمائے گا۔ تم ہمت کرو خدا کے حکم کے سامنے سر جھکاؤ۔ جب مسلمان اس بات پر راضی ہو گئے تو حضرت ادریس علیہ السلام مع ان مسلمانوں کے مصر کی جانب روانہ ہو گئے۔ مسلمانوں نے رود نیل کی سرزمین کی شادابی دیکھی تو بہت خوش ہو گئے۔ پھر حضرت ادریسؑ نے فرمایا کہ بابلیو یہ تمہارے بابل کی طرح شاداب مقام ہے کوئی بہترین جگہ نیل کے کنارے منتخب کر کے ٹھہر جاؤ۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے مصر میں بھی خدا کے احکام جاری کرنے شروع کر دیئے اور حضرت ادریسؑ ہر قسم کی زبان بھی جانتے تھے

اور لوگ بھی مختلف زبانوں والے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے دین الٰہی کے علاوہ سیاست اور شہری زندگی کے طریقے تعلیم فرمائے اور ہر فرقہ سے طلباء جمع کئے اور ان کو سیاست اور اس کے قواعد و اصول بھی سکھائے۔ جب یہ طلباء کامل ماہر بن کر اپنے اپنے قبائل کی طرف لوٹے تو انہوں نے شہر اور بستیاں آباد کیں مدنی اصولوں پر بسایا۔ ان شہروں کی تعداد کمو بیش دوس و کے قریب تھی۔ اور ان طلباء کو دوسرے علوم کی بھی تعلیم دی تھی جس میں علم حکمت جیسے علوم بھی شامل ہیں اور مختلف گروہوں اور امتوں کے لئے ان کے مناسب حال قوانین و قواعد مقرر فرمائے۔ تمام ملک کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ میں ایک حاکم مقرر کیا جو اسی حصہ کی سیاست ملوکیت کا ذمہ دار قرار پایا۔ تمام قوانین سے مقدم شریعت کا وہ قانون رہے گا جس کی تعلیم وحی الٰہی کے ذریعے سے میں نے تم کو دی ہے۔

خدا کی ہستی اور اس کی توحید پر ایمان لانا۔ صرف خالق کائنات کی پرستش کرنا۔ آخرت کے عذاب سے خلاصی کے لئے اعمال صالحہ کو ڈھال بنانا۔ دنیا سے بے التفاتی اور تمام امور میں عدل و انصاف کو پیش نظر رکھنا۔ مقررہ طریقہ پر عبادت الٰہی کرنا۔ ایام بیض کے روزے رکھنا۔ دشمنان اسلام سے جہاد کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا طہارت سے رہنا۔ کتے اور سور سے اجتناب کرنا۔ ہر نشہ آور چیز سے پرہیز کرنا۔ حضرت ادریسؑ کی تعلیم کا یہ لب لباب تھا۔

حضرت ادریس علیہ السلام نے اپنی امت کو یہ بھی بتایا تھا کہ میری طرح اس عالم میں دینی و دنیاوی کی اصلاح کے لئے بہت سے انبیاء علیہم السلام تشریف لائیں گے وہ ہر ایک بری بات سے بری اور پاک ہوں گے۔ ستائش اور فضائل میں کامل ہوں گے۔ مستجاب الدعوات ہوں گے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا حلیہ یہ تھا۔ رنگ مبارک گندم گوں۔ قد و قامت پورا اور سر پر بال کم تھے۔ خوبصورت چوڑے مونڈھے اور مضبوط ہڈی۔ دبلے پتلے، سرگیں چمکدار آنکھیں گفتگو باوقار، خاموشی پسند، سنجیدہ نظر نیچی۔ انتہائی فکر و خوض کے عادی۔ غصہ کے وقت سخت غضب ناک باتیں کرتے وقت شہادت کی انگلی سے بار بار اشارہ کرنے کے عادی تھے۔

حضرت ادریسؑ کے بہت سے پند و نصائح اور ادب و اخلاق کے جملے مشہور ہیں جو مختلف زبانوں میں ضرب المثل ہیں اور رموز و اسرار بھی ہیں۔ اور فرمایا خدا کی یاد اور عمل صالح کے لئے خلوص نیت شرط ہے۔ اور نہ جھوٹی قسمیں کھاؤ اور نہ اللہ تعالیٰ کے نام کو قسموں کے لئے تختہ مشق بناؤ اور نہ جھوٹوں کو قسموں کے لئے امادہ کرو کیونکہ پھر تم بھی شریک گناہ ہو جاؤ گے۔ اور ذلیل پیشوں کو نہ اختیار کرو۔ شریعت کے پابند بادشاہوں کی اطاعت کرو۔ اور اپنے بڑوں کے سامنے پست رہو۔ اور ہر وقت

حمد الٰہی میں زبان کو تر رکھو۔ اور دوسروں کی عیش وخوشی پر حسد نہ کرو۔ اور حضرت ادریس علیہ السلام نے
بندگانِ خدا کو پہلے سے طوفانِ نوح کی اطلاع دے کر ڈرایا۔ اور فرمایا ایک آسمانی آفت آنے والی
جو زمین کو آگ اور پانی میں لپیٹ رہی ہے۔ یہ واقعات مختصر طریقے سے بیان کئے گئے ہیں۔ آپ کی
عمر مبارک بیالیس سال تھی۔ (قصص القرآن)

حضرت ادریس علیہ السلام نوحؑ کے پردادا تھے نوح بن لامک یا ملک بن متوشلخ
انوح نام ہے اور ادریس لقب ہے۔ بوجہ کثرت درس صحف آسمانی کے وہ صدیق نبی تھے بر
برگزیدہ۔ اس لئے اس کے بارے میں فرمایا: "وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا" اس کے معنی اکثر مفسر
کے نزدیک یہ ہیں کہ ان کو بلند مرتبہ پر فائز کیا۔ وہ رفعت منزلت مراد لیتے ہیں جیسا کہ حضور ﷺ
کی نسبت آیا ہے "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" اور ایک گروہ کہتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں
ان کو بلند مکان میں اٹھایا پروردگار عالم جل جلالہٗ نے۔ بعض کے نزدیک زندہ آسمان پر بلایا
جنت میں داخل کیا۔ اور بعض کے نزدیک صرف آسمان پر بلایا اور وہ زندہ آسمان پر ہیں۔ واللہ
عند اللہ حضرت ادریس علیہ السلام پر تیس صحیفے اترے تھے اور بہت علوم اور صنعتیں ان کے
ہاتھوں ایجاد ہوئیں۔ (تفسیر حقانی)

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوحؑ کے اجداد میں سے ہیں اور حضرت نوح علیہ
السلام سے ایک ہزار سال پہلے گزرے ہیں (روح المعانی بحوالہ مستدرک حاکم)

قلم سے لکھنا اور کپڑا سینا انہوں نے ایجاد کیا ان سے پہلے عموماً جانوروں کی کھال لباس
میں استعمال کرتے تھے۔ اور سب سے پہلے ناپ تول کے طریقے اور اسلحہ کی ایجاد بھی آپ نے
شروع کی تھی اور آپ نے اسلحہ تیار کر کے بنو قابیل سے جہاد کیا۔

(معارف القرآن بحوالہ بحر محیط وقرطبی وتفسیر مظہری وروح البیان)

حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا
فاصلہ ہے یہ حضرت نوح علیہ السلام کے باپ کے دادا ہیں۔

نسب حضرت ادریس علیہ السلام

اخنوخ بن یرد بن مهلاییل بن انوش بن قینان بن شیث بن آدمؑ

سب سے پہلے ستاروں میں نظر کرنا اور حساب کرنا آپ سے ہی ثابت ہے لیکن یہ
خیال رہے کہ آپ کا ستاروں میں نظر کرنا اللہ کی مرضی کے مطابق تھا آپ کے حساب میں

کوئی بات نہیں ہوتی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں جو القاء کرتا آپ وہی بیان کرتے یعنی
ستاروں کا حساب آپ کو بطور معجزہ عطا کیا گیا تھا اسلام میں ستاروں کا حساب اور آنے والے
واقعات کی خبر دینا حرام ہے ان پر یقینی اعتبار کرنا کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا

(مریم ۵۶-۵۷)

"اور کتاب میں ادریس کو یاد کرو وہ صدیق تھا غیب کی خبریں دیتا اور ہم نے
اسے بلند مقام کی طرف اٹھایا"

اس آیت کریمہ میں بلند مقام کی طرف اٹھانے کا ایک مطلب یہ ہے۔

هو شرف النبوة والزلفى عبدالله تعالىٰ. (روح المعانی ج۹ ص۱۰۵)

"آپ کو نبوت کے منصب سے مشرف فرما کر اور اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص قرب
عطا فرما کر آپ کو رفعت و بلندی عطا فرمائی"

ان المرادبه الرفعة فى المكان الى موضع عال وهذا اولى لان
الرفعة المقرونة بالمكان تكون رعفة فى المكان لافى الدرجة

(تفسیر کبیر ج۲۱ ص۲۳۳)

"یعنی دوسرا معنی بلندی کا یہ ہے کہ آپ کو بلند مکان کی طرف اٹھایا گیا یہ معنی لینا زیادہ
مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ورفعنٰه مکانا علیا ذکر فرمایا جہاں مکان کا ذکر ہو اس
سے مراد مکان کی بلندی ہی ہوتی ہے درجات کی بلندی مراد نہیں ہوتی"

بلندیٔ مکان کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کو آسمان پر اٹھالیا اور یہی صحیح تر ہے۔ بخاری ومسلم
کی حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے معراج کی رات حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان
چہارم پر دیکھا۔

حضرت کعب احبار وغیرہ سے مروی ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے ملک الموت یعنی
حضرت عزرائیل سے فرمایا کہ میں موت کا مزہ چکھنا چاہتا ہوں کیسا ہوتا ہے؟ تم میری روح قبض کر کے
دکھاؤ انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی، روح قبض کر کے پھر اسی وقت لوٹادی آپ زندہ ہوگئے۔
پھر آپ نے فرمایا اب مجھے جہنم دکھا دو تا کہ خوف الٰہی زیادہ ہو آپ کے ارشاد کی تعمیل

کرتے ہوئے آپ کو جہنم کے دروازے پر لے جایا گیا۔ آپ نے مالک نامی فرشتہ ...... جو جہنم کا داروغہ ہے ...... سے فرمایا کہ دروزہ کھولو میں اس سے گزرنا چاہتا ہوں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آپ اس پر سے گزرے۔ پھر آپ نے ملک الموت سے فرمایا کہ مجھے جنت دکھاؤ وہ آپ کے حکم کے مطابق آپ کو جنت کے پاس لے گئے آپ نے جنت کے دروازے کھولنے کا ارشاد فرمایا تو آپ کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے آپ جنت میں تشریف لے گئے۔

ملک الموت نے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد فرمایا کہ اب آپ چلیں زمین میں اپنے مقام پر تشریف لے چلیں آپ نے فرمایا کہ میں تو یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ"

ہر نفس نے موت کا مزا چکھنا ہے میں موت کا ذائقہ چکھ چکا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل ہونے کی یہ شرط لگائی ہے۔ "وَاِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا" کہ ہر شخص کو جہنم پر گزرنا ہے میں جہنم سے بھی گزر کر آ چکا ہوں۔ اب میں جنت میں داخل ہو چکا ہوں جو لوگ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں انہیں وہاں سے نکالا نہیں جا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد گرامی ہے: "وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ" جنت والوں کو جنت سے نہیں نکالا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اپنے ارشادات کے مطابق میں نے یہیں رہنا ہے یہاں سے مجھے نہیں نکالا جا سکتا۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے اس کلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو فرمایا: اے عزرائیل میرے بندے ادریس نے سب کام میری مرضی سے کئے انہیں یہاں ہی رہنے دو! آپ علیہ السلام ابھی تک آسمانوں میں زندہ ہیں۔ (از خزائن العرفان)

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام کا سلسلہ نسب یوں ہے۔ نوح بن لامک بن متوشلخ بن خنوخ بن یرد بن مهلاییل بن قنسین بن انوش بن شیث بن آدم ابوالبشر علیہ السلام۔ آپ کی ولادت با سعادت حضرت آدم کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد ہوئی۔ ابن جریر اور دوسرے علماء تفسیر کے بیان کی روشنی میں یہی ثابت ہوتا ہے۔

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: "آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان دس قرنوں کا فاصلہ ہے اور ان کے درمیان جتنے لوگ پیدا ہوئے ہیں تمام اسلام پر تھے۔

اگر قرن سے مراد صدی ہو جیسا کہ کئی لوگوں کا خیال ہے کہ تو اسی طرح لامحال آدم اور نوح علیہما السلام کی درمیانی مدت ہزار سال ماننا پڑے گی لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قید (اسلام) کا اعتبار کیا جائے تو اتنی مدت صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اتنی مدت گزرنے کے باوجود ان لوگوں کا اسلام پر قائم رہنا محال نظر آتا ہے۔ لیکن ابو امامہ کی حدیث دس قرنوں کے حصہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور ابن عباس کے یہ الفاظ زائد ہیں کہ۔ وہ تمام اسلام پر تھے۔

اگر ہم اس حدیث مبارکہ کو تسلیم کر لیں تو اہل کتاب اور اہل تاریخ کا یہ نظریہ رد ہو جاتا ہے کہ قابیل اور اس کے بیٹے آگ کے پجاری تھے۔ (واللہ اعلم)

قرن سے مراد انسانوں کا گروہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی آیات کریمہ سے ثابت ہے۔

"اور کتنی قومیں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا ہے نوح کے بعد" (الاسراء:۱۷)

"پھر ہم نے پیدا فرما دی ان (کے غرق ہونے کے) بعد ایک دوسری جماعت"

(مؤمنون:۳۱)

"اور ان کثیر التعداد قوموں کو جو ان کے درمیان گزریں" (فرقان: ۳۸)

"کتنی قومیں ان سے پہلے تھیں جن کو ہم نے برباد کردیا" (مریم: ۷۴-۹۸)

ان تمام آیات میں قرن سے مراد قوم، گروہ جماعت ہے۔ وقت نہیں ہے۔ اسی طرح حدیث مبارکہ میں بھی قرن سے مراد جماعت لیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بہترین جماعت میری جماعت (صحابہ) ہے"

نوح علیہ السلام سے پہلے تاریخ کا ایک لمبا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس بناء پر آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان ہزاروں سال ہوں گے۔ (واللہ اعلم)

حضرت نوح علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے انہیں بنوراسب کہا جاتا تھا جیسا کہ ابن جبیر وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

حضرت کی بعثت کس عمر میں ہوئی اس بارے اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کی عمر پچاس سال تھی۔ ایک قول تین سو پچاس کا ہے۔ ایک قول چار سو اسی کا ہے انہیں ابن جریر نے بیان کیا ہے اور تیسرے قول کو اس نے ابن عباس کی طرف منسوب کیا ہے۔

اللہ کریم نے حضرت نوح اور ان کی قوم، منکرین کے لئے طوفان کا عذاب، اہل ایمان کی نجات وغیرہ موضوعات کو قرآن کریم میں مختلف مقامات پر بیان کیا ہے۔

سورہ اعراف، یونس، ھود، انبیاء، مومنون، شعرا، عنکبوت، صافات، اقتربت میں آپ کے متعلق مختلف اسالیب سے گفتگو ہے۔ آپ علیہ السلام کے قصے میں اللہ کریم نے پوری ایک سورۃ بھی نازل فرمائی ہے۔

سورہ اعراف میں ہے:۔

"بیشک ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو انہوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اللہ کے سواء۔ بے شک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آجائے۔ ان کی قوم کے سرداروں نے کہا۔ اے نوح! ہم دیکھتے ہیں تمہیں کھلی گمراہی میں۔ آپ نے کہا اے میری قوم! نہیں ہے مجھ میں ذرا گمراہی بلکہ میں تو رسول ہوں سارے جہانوں کے پروردگار کی طرف سے۔ پہنچاتا ہوں تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور نصیحت کرتا ہوں تمہیں اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے۔ جو تم نہیں جانتے۔ کیا تم تعجب کرتے ہو اس پر کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعے جو تم میں سے ہے۔ تاکہ وہ ڈرائے تمہیں (غضب الٰہی سے) اور تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔ اور تاکہ تم پر رحم کیا

جائے۔ پھر بھی انہوں نے جھٹلایا۔ نوح کو تو ہم نے نجات دی ان کو اور جو آپ کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے غرق کردیا ان (بدبختوں) کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ بیشک وہ لوگ دل کے اندھے تھے"

سورہ یونس میں ارشاد ہے۔

"اور آپ پڑھ سنایئے انہیں نوح (علیہ السلام) کی خبر۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اگر گراں ہے تم پر میرا قیام اور میرا پند و نصیحت کرنا اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے پس (سن لو) میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرلیا۔ سو تم بھی کوئی متفقہ فیصلہ کرلو اپنے شریکوں سے مل کر۔ پھر نہ ہو تمہارا یہ فیصلہ تم پر مخفی پھر کر گزرو میرے ساتھ (جو جی میں آئے) اور مجھے مہلت نہ دو۔ بایں ہمہ اگر تم منہ موڑے رہو تو نہیں طلب کیا میں نے تم سے کوئی اجر۔ نہیں میرا اجر مگر اللہ کے ذمہ۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں مسلمانوں سے۔ تو آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا۔ پس ہم نے نجات دی انہیں اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے بنا دیا انہیں ان کا جانشین۔ اور ہم نے غرق کردیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ ذرا دیکھو کیسا انجام ہوا ان کا جنہیں ڈرایا گیا تھا"

رب قدوس نے سورۂ ہود میں ارشاد فرمایا:۔

"اور بیشک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف۔ انہوں نے کہا اے قوم میں تمہیں کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں۔ کہ تم نہ عبادت کرو کسی کی سوائے اللہ کے بیشک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا دردناک دن نہ آجائے۔ تو کہنے لگے ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا (اے نوح!) ہم نہیں دیکھتے تمہیں مگر انسان اپنے جیسا۔ اور ہم نہیں دیکھتے تمہیں کہ پیروی کرتے ہوں تمہاری بجز ان لوگوں کے جو ہم میں حقیر و ذلیل (اور) ظاہر بین ہیں۔ اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت ہے۔ بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے میری قوم! بھلا یہ بتاؤ اگر میرے پاس روشن دلیل ہو اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا فرمائی ہو مجھے خاص رحمت اپنی جناب سے۔ پھر پوشیدہ کردی گئی ہو تم پر (اس کی حقیقت) تو کیا ہم جبراً مسلط کریں تم پر یہ دعوت حالانکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو۔

اور اے میری قوم! میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی مال۔ نہیں میرا اجر مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ اور میں (تمہیں خوش کرنے کے لئے) ان کو نکالنے والا نہیں جو ایمان لے آئے ہیں۔ بیشک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ البتہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم ایسی قوم ہو جو (حقیقت سے) ناواقف ہے۔ اور اے میری قوم! کون مدد کرسکتا ہے میری اللہ کے مقابلے

میں۔اگر میں نکال دوں اہل ایمان کو۔کیا تم اتنا بھی نہیں سوچتے۔اور میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں خود بخود جان لیتا ہوں غیب کو۔اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔اور نہ ہی یہ کہتا ہوں کہ جن لوگوں کو تمہاری نگاہیں حقیر جانتی ہیں کہ ہرگز نہیں دے گا انہیں اللہ تعالیٰ کچھ بھلائی۔اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔(اگر میں ایسا کروں تو) میں بھی ہو جاؤں گا ظالموں سے۔

وہ (برافروختہ ہو کر) بولے۔اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور اس جھگڑے کو بہت طول دیا (اس مباحثہ کو رہنے دو) اور لے آؤ ہمارے پاس جس (عذاب) کی تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو اگر تم سچے ہو۔آپ نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ ہی لے آئے گا اسے تمہارے پاس اگر چاہے! اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے۔اور نہیں فائدہ پہنچائے گی تمہیں میری خیر خواہی۔اگرچہ میرا ارادہ ہو کہ میں تمہاری خیر خواہی کروں۔اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دے۔وہ پروردگار ہے تمہارا۔اور اس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود گھڑ لیا ہے اسے۔

آپ فرمایئے اگر میں نے خود گھڑا اسے تو مجھ پر ہو گا وبال میرے جرم کا۔اور میں بری الذمہ ہوں ان گناہوں سے جو تم کرتے ہو۔اور وحی کی گئی نوح (علیہ السلام) کی طرف کہ نہیں ایمان لائیں گے آپ کی قوم سے بجز ان کے جو ایمان لا چکے۔اس لئے آپ غمگین نہ ہوں۔اس سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔اور بنایئے ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے اور نہ بات کیجئے مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ظلم کیا۔وہ ضرور غرق کر دیئے جائیں گے۔اور نوح کشتی بنانے لگے اور جب بھی گزرتے ان کے پاس سے ان کی قوم کے سردار (تو) آپ کا مذاق اڑاتے۔آپ کہتے اگر تم مذاق اڑاتے ہو ہمارا تو (ایک دن) ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے جس طرح تم مذاق اڑاتے ہو۔سو تم جان لو گے کہ کس پر آتا ہے عذاب جو رسوا کر دے گا اسے۔اور (کون ہے) اترتا ہے جس پر عذاب ہمیشہ رہنے والا۔

یہاں تک کہ جب آ گیا ہمارا حکم اور ابل پڑا تنور تو ہم نے (نوح کو) فرمایا سوار کرلو کشتی میں ہر جنس سے نر و مادہ دو اور اپنے گھر والوں کو سوائے ان کے جن پر پہلے ہو چکا ہے حکم اور (سوار کرلو) جو ایمان لا چکے ہیں۔اور نہیں ایمان لائے تھے آپ کیساتھ مگر تھوڑے لوگ۔اور نوح نے کہا سوار ہو جاؤ اس (کشتی) میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہی اس کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا ہے۔بیشک میرا پروردگار غفور رحیم ہے۔اور وہ چلنے لگی انہیں لے کر ایسی موجوں میں جو پہاڑوں کی مانند ہیں۔اور پکارا نوح (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے کو اور وہ (ان سے) الگ تھا۔بیٹا سوار

ہو جاؤ ہمارے ساتھ اور نہ ملو کافروں کے ساتھ۔بیٹے نے کہا (مجھے کشتی کی ضرورت نہیں) میں پناہ لے لوں گا کسی پہاڑ کی۔وہ بچا لے گا مجھے پانی سے۔آپ نے کہا (بیٹا!) آج کوئی بچانے والا نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مگر جس پر وہ رحم کرے۔اور (اسی اثناء میں) حائل ہو گئی ان کے درمیان موج۔پس ہو گیا وہ ڈوبنے والوں سے۔اور حکم دیا گیا اے زمین! نگل لے اپنے پانی کو اور اے آسمان! تھم جا اور اتر گیا پانی اور حکم الٰہی نافذ ہو گیا اور ٹھہر گیا اور رک گئی کشتی جودی (پہاڑ) پر اور کہا گیا ہلاکت و بربادی ہو ظالم قوم کے لئے۔پکارا نوح نے اپنے رب کو اور عرض کی میرے پروردگار! میرا بیٹا بھی تو میری اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بہتر حکم کرنے والا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح! وہ تیرے گھر والوں سے نہیں (کیونکہ) اس کے عمل اچھے نہیں۔پس نہ سوال کرو مجھ سے جس کا تجھے علم نہ ہو۔میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ نہ ہو جانا نادانوں سے۔عرض کرنے لگے میرے پروردگار! میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے کہ میں سوال کروں تجھ سے ایسی چیز کا جس کا مجھے علم نہیں۔اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں ہو جاؤں گا زیاں کاروں سے۔ارشاد ہوا اے نوح! (کشتی سے) اتریئے امن و سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ جو آپ پر ہیں اور ان قوموں پر جو آپ کے ہمراہ ہیں۔اور (آئندہ) کچھ قومیں ہوں گی ہم لطف اندوز کریں گے انہیں پھر پہنچے گا انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب۔یہ قصہ غیب کی خبروں سے ہے جنہیں ہم وحی کر رہے ہیں آپ کی طرف۔نہ آپ جانتے تھے اسے اور نہ ہی آپ کی قوم اس سے پہلے۔پس آپ صبر کریں۔یقیناً نیک انجام پرہیز گاروں کے لئے ہے"۔(ہود:۲۵۔۴۹)

"اور یاد کرو نوح (علیہ السلام) کو جب انہوں نے (ہمیں) پکارا پیش ازیں تو ہم نے قبول فرمایا ان کی دعا کو اور بچایا انہیں اور ان کے گھر والوں کو سخت مصیبت سے اور ہم نے ان کی حمایت کی اس قوم کے مقابلے میں جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔بیشک وہ بڑے ناہنجار لوگ تھے۔پس ہم نے غرق کر دیا ان سب کو"۔(الانبیاء:۷۶۔۷۷)

سورہ المومنون میں ارشاد خداوندی ہے:۔

"اور ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر کیا تم (بت پرستی کے انجام سے) نہیں ڈرتے۔تو کہنے لگے وہ سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا ان کی قوم سے کہ نہیں ہے یہ مگر بشر تمہارے جیسا۔یہ چاہتا ہے کہ اپنی بزرگی جتلائے تم پر اور اگر اللہ تعالیٰ (رسول بھیجنا) چاہتا

تو وہ اتارتا فرشتوں کو ہم نے نہیں سنی یہ بات (جو نوح کہتا ہے) اپنے پہلے آباؤ اجداد میں نہیں ہے یہ مگر ایسا شخص جسے جنون کا مرض ہو گیا ہے۔ سو انتظار کرو اس کے انجام کا کچھ عرصہ۔

آپ نے عرض کی: اے رب! (اب) تو ہی میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ تو ہم نے وحی بھیجی ان کے طرف کہ بناؤ ایک کشتی ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق۔ پھر جب آ جائے ہمارا عذاب اور (پانی) ابل پڑے تنور سے تو داخل کر لو اس میں ہر جوڑے میں سے دو دو اور اپنے گھر والوں کو بجز ان کے جن کے بارے میں پہلے فیصلہ ہو چکا ہے ان میں سے اور گفتگو نہ کرنا میرے ساتھ ان کے متعلق جنہوں نے ظلم کیا۔ وہ تو ضرور غرق کیے جائیں گے۔ پھر جب اچھی طرح بیٹھ جائیں آپ اور آپ کے ساتھی کشتی کے عرشے پر تو کہو سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے ہمیں نجات دی ظالم قوم (کے جور و ستم) سے۔ اور یہ بھی عرض کرنا کہ اے میرے رب! اتار مجھے بابرکت منزل پر۔ اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔ بیشک اس قصے میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں۔ اور ہم ضرور (اپنے بندوں کو) آزمانے والے ہیں"

اور سورۂ شوریٰ میں ارشاد الٰہی ہے:

"جھٹلایا قوم نوح نے (اللہ کے) رسولوں کو۔ جب کہا انہیں ان کے بھائی نوح نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ بیشک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ پس تم ڈرو اللہ سے اور میری پیروی کرو۔ انہوں نے کہا کیا ہم (قوم کے رئیس) ایمان لائیں تجھ پر۔ حالانکہ تمہاری پیروی صرف گھٹیا لوگ کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے کیا خبر کہ وہ کس نیت سے ایمان لائے ہیں۔ ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے۔ اگر تمہیں (حقیقت کا) شعور ہے اور نہیں ہوں میں دور بھگانے والا (غریب و مسکین مؤمنوں کو۔ نہیں ہوں میں مگر (عذاب سے) صاف صاف ڈرانے والا۔ ان (مغروروں) نے کہا اے نوح! اگر تم باز نہ آئے (تو یاد رکھو) تمہیں ضرور سنگسار کر دیا جائے گا۔

آپ نے عرض کی: میرے مالک! میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا ہے بس تو فیصلہ فرما دے میرے اور ان کے درمیان جو قطعی ہو۔ اور (اپنے عذاب سے) نجات دے مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں اہل ایمان سے۔ پس ہم نے نجات دی انہیں اور جو آپ کے ہمراہ اس کشتی میں تھے۔ جو کچھا کچھ بھری ہوئی تھی۔ پھر ہم نے غرق کر دیا اس کے پیچھے رہ جانے والوں کو یقیناً اس واقعہ میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور

بیشک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

(مومنون: ۲۳۔۳۰)

"اور بیشک ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو وہ ٹھہرے رہے ان میں پچاس کم ہزار سال۔ آخر آ لیا انہیں طوفان نے۔ اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔ پس ہم نے نجات دے دی نوح کو اور کشتی والوں کو اور ہم نے بنا دیا اس کشتی کو ایک نشانی سارے جہان والوں کے لئے"۔ (عنکبوت: ۱۴۔۱۵)

سورۃ صافات میں ارشاد ہے:

"اور (فریاد کرتے ہوئے) پکارا ہمیں نوح نے۔ پس ہم بہترین فریاد رس ہیں۔ اور ہم نے نجات دے دی انہیں اور ان کے گھرانے کو ایسی مصیبت سے جو بڑی زبردست تھی۔ اور ہم نے بنا دیا فقط ان کی نسل کو باقی رہنے والا۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔ نوح پر سلام ہو تمام جہانوں میں۔ ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنین کو بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے لوگوں کو"۔ (صافات: ۷۴۔۸۲)

سورۃ قمر میں ارشاد الٰہی ہے:۔

جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح نے یعنی انہوں نے جھٹلایا ہمارے بندے کو اور کہا یہ دیوانہ ہے۔ اور اسے جھڑکا بھی گیا۔ آخر کار آپ نے دعا مانگی اپنے رب سے کہ میں عاجز آ گیا ہوں بس تو (ان سے) بدلہ لے۔ پھر ہم نے کھول دیئے آسمان کے دروازے موسلا دھار بارش کے ساتھ اور جاری کر دیا ہم نے زمین سے چشموں کو۔ پھر دونوں پانی مل گئے ایک مقصد کے لئے جو پہلے مقرر ہو چکا تھا۔ اور ہم نے سوار کر دیا نوح کو تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر وہ بہتی جا رہی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے (یہ طوفان) بدلہ تھا اس (نبی) کا جس کا انکار کیا گیا تھا اور ہم نے باقی رکھا اس (قصہ) کو بطور نشان۔ پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ سو کیسا (خوفناک) تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے۔ اور بیشک ہمنے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا"۔

(القمر: ۹۔۱۷)

سورہ نوح میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی طر (اور فرمایا اے نوح!) بروقت خبردار کر دو اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ نازل ہو جائے ان پر عذاب الیم۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم میں تمہیں

صریح طور پر ڈرانے والا ہوں۔ کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔ وہ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقررہ معیاد تک۔ بلا شبہ اللہ کا مقررہ وقت جب آجاتا ہے تو اسے مؤخر نہیں کیا جا سکتا کاش! تم (حقیقت کو) جان لیتے۔ نوح نے عرض کی اے میرے رب! میں نے دعوت دی اپنی قوم کو رات کے وقت اور دن کے وقت۔ لیکن میری دعوت کے باعث ان کے فرار (ونفرت) میں ہی اضافہ ہوا اور جب بھی میں نے انہیں بلایا تا کہ تو ان کو بخش دے تو (ہر بار) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر لپیٹ لیے اپنے کپڑے اور اڑ گئے (کفر پر) اور پرلے درجے کے متکبر بن گئے۔

پھر (بھی) میں نے ان کو بلند آواز سے دعوت دی پھر انہیں کھلے بندوں بھی سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں (تلقین) کی پس میں نے کہا (ابھی وقت ہے) معافی مانگ لو اپنے رب سے۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ برسائے گا آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش۔ اور وہ مدد فرمائے گا تمہاری اموال اور فرزندوں سے اور بنادے گا تمہارے لئے باغات اور بنادے گا تمہارے لئے نہریں۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم پرواہ نہیں کرتے اللہ کی عظمت وجلال کی۔ حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسے پیدا کیا ہے سات آسمانوں کو تہہ بہ تہہ۔ اور بنایا ہے چاند کو ان میں روشنی اور بنایا ہے سورج کو (درخشاں) چراغ۔ اور اللہ نے تم کو زمین سے عجب طرح اگایا ہے۔ پھر لوٹا دے گا تمہیں اس میں اور (اسی سے) تمہیں (دوبارہ) نکالے گا۔ اور اللہ نے ہی زمین کو تمہارے لئے فرش کی طرح بچھا دیا ہے تا کہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو۔ نوح نے عرض کی اے میرے پروردگار! انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کرتے رہے جس کو نہ بڑھایا اس کے مال اور اولاد نے بجز خسارہ کے۔ اور انہوں نے بڑے بڑے مکر وفریب کیے اور رئیسوں نے کہا (اے لوگو! نوح کے کہنے پر ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور (خاص طور پر) ود اور سواع کو مت چھوڑنا اور نہ یغوث یعقو اور نسر کو۔ اور انہوں نے گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو۔ (الٰہی) تو بھی ان کی گمراہی میں اضافہ کر دے۔ اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرق کر دیا گیا پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا۔ پھر انہوں نے نہ پایا اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔ اور نوح نے عرض کی اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔ اگر تو نے ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار سخت ناشکر گزار ہوگی۔ میرے رب بخش دے

مجھے اور میرے والدین کو اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا اور بخش دے سب مومن مردوں اور عورتوں کو۔ اور کفار کی کسی چیز میں اضافہ نہ کر بجز ہلاکت وبربادی کے" (سورۃ نوح

مذکورہ آیات کے علاوہ بھی بہت ساری آیات ایسی ہیں جن میں نوح علیہ السلام کی مدح وستائش اور آپ کے مخالفین کی مذمت کی گئی ہے۔

سورہ نساء میں ارشاد ہوتا ہے۔

"بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح کے بعد آئے۔ اور (جیسے) وحی بھیجی ہم نے ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ ایوب یونس ہارون اور سلیمان کی طرف اور ہم نے عطا فرمائی داؤد کو زبور اور (جیسے وحی بھیجی) دوسرے رسولوں پر جن کا حال بیان کر دیا ہے ہم نے آپ سے اس سے پہلے اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر ہم نے اب تک آپ سے نہیں کیا اور کلام فرمایا اللہ نے موسیٰ سے خاص کلام (بھیجے ہم نے یہ سارے) رسول خوش خبری دینے کے لئے اور ڈرانے کے لئے تا کہ نہ رہے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے (آنے کے بعد) اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے (کوئی تسلیم نہ کرے تو اس کی مرضی)"۔ (سورہ نساء ۱۶۳۔۱۶۵)

سورۂ اعراف میں حضرت نوح کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

سورۂ برأت میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"کیا نہ آئی ان کے پاس خبر ان لوگوں کی جو ان سے پہلے گزرے (یعنی) قوم نوح اور عاد ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور وہ بستیاں جنہیں الٹ دیا گیا تھا۔ آئے ان سب کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر اور نہ تھا اللہ (کا یہ دستور) ظلم کرتا ان پر بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے"۔ (آیت: ۷۰)

سورہ یونس اور ہود میں یہ قصہ تفصیل سے آیا ہے جس کا ذکر کیا جا چکا ہے سورۃ ابراہیم میں ارشاد ہے:۔

"کیا نہیں پہنچی تمہیں اطلاع ان (قوموں) کی جو پہلے گزر چکی ہیں یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود۔ اور جو لوگ ان کے بعد گزرے۔ نہیں جانتا انہیں مگر اللہ تعالیٰ لے آئے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں پس انہوں نے (ازراہ تمسخر) ڈال لیے اپنے ہاتھ اپنے موہنوں میں اور (بڑی بیباکی سے) کہا ہم نے انکار کیا اس دین کا جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس کی (صداقت کے بارے میں) ہم شک میں ہیں

جو تذبذب میں ڈالنے والا ہوں''۔ (ابراہیم:۹)

سورۂ اسراء (بنی اسرائیل) میں ارشاد ہوتا ہے۔

''اے ان لوگوں کی اولاد! جنہیں ہم نے (کشتی میں) سوار کرایا نوح کے ساتھ۔ بیشک نوح ایک شکر گزر بندہ تھا''۔ (الاسراء:۳)

اسی سورۃ میں ایک اور مقام پر ہے:۔

''اور کتنی قومیں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کردیا ہے نوح کے بعد اور آپ کا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے اچھی طرح باخبر ہے اور انہیں خوب دیکھنے والا ہے'' (الاسراء:۱۷)

سورۂ انبیاء، مؤمنون، شعراء اور عنکبوت کی متعلقہ آیات گزر چکی ہیں۔

سورۂ احزاب میں فرمان الٰہی ہے۔

''اور اے حبیب! یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی اور ہم نے ان سب سے پختہ عہد لیا تھا'' (الاحزاب:۷)

''جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح، عاد اور میخوں والے فرعون نے اور ثمود، قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے۔ یہی وہ گروہ ہیں (جن کا ذکر پہلے گزر چکا) ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو (ان پر) لازم ہوگیا میرا عذاب''

سورۂ مومن میں ارشاد ہے:۔

''جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح نے اور کئی دوسرے گروہوں نے ان کے بعد اور قصد کیا ہر امت نے اپنے رسول کے متعلق کہ اسے گرفتار کرلیں اور جھگڑتے رہے ان کے ساتھ ناحق تاکہ جھٹلا دیں اس کے ذریعے حق کو۔ پس میں نے پکڑ لیا انہیں کتنا شدید تھا میرا عذاب۔ اور اسی طرح واجب ہوگیا اللہ کا فیصلہ کفار پر کہ وہ دوزخی ہیں''۔ (مومن:۵۔۶)

سورۂ شوریٰ میں فرمایا:

''اس نے مقرر فرمایا ہے تمہارے لئے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے آپ کی طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم موسیٰ، اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کہ اسی دین کو قائم رکھنا۔ اور تفرقہ نہ ڈالنا اس میں بہت گراں گزری ہے مشرکین پر وہ بات جس کی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے''۔ (شوریٰ:۱۳)

''(حق) کو جھٹلایا تھا ان (اہل مکہ) سے پہلے قوم نوح، اہل رس اور ثمود نے اور (جھٹلایا

تھا) عاد، فرعون اور قوم لوط نے نیز ایکہ کے باشندوں اور تبع کی قوم نے۔ ان سب نے جھٹلایا تھا رسولوں کو۔ پس پورا ہوگیا (ہمارا) عذاب کا وعدہ''۔ (ق:۱۲۔۱۴)

سورۂ ذاریات میں ہے:۔

اور قوم نوح کا اس سے پہلے (یہی حشر ہوا) بیشک وہ لوگ بھی (پرلے درجے کے) نافرمان تھے''

سورۃ نجم میں ہے۔

''اور (ہلاک کیا) قوم نوح کو اس سے پہلے۔ وہ بڑے ظالم اور شریر تھے''

سورہ قمر کی متعلقہ آیات کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ (نجم:۴۲)

سورۂ حدید میں ہے:

''اور تم ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے رکھ دی ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب۔ پس ان میں سے چند تو ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں بہت سے نافرمان ہیں''۔ (الحدید:۲۶)

''بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال۔ وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں پھر ان دونوں نے ان دونوں سے خیانت کی۔ پس وہ دونوں (نبی ان کے شوہر) اللہ کے مقابلے میں انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ اور انہیں حکم ملا تم دونوں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ''

حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کا تذکرہ قرآن و سنت اور احادیث و آثار سے ماخوذ ہے۔ حضرت ابن عباس کے حوالے سے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ''آدم اور نوح علیہ السلام کے درمیان بیس قرن ہیں جو تمام کے تمام اسلام پر تھے'' اسے امام بخاری نے روایت فرمایا ہے۔ اور یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ آیت میں قرن سے مراد یا تو جماعت ہے یا گذشتہ مدت اور عرصہ۔

پھر ان قرون صالحہ کے بعد ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ اس دور کے لوگ بت پرستی کی لعنت میں مبتلا ہوگئے۔

بت پرستی کے رواج کا اصل سبب وہی ہے جسے امام بخاری نے ابن جریج کی حدیث کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ جسے انہوں نے عطا سے انہوں نے ابن عباس سے آیت

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ

وَنَسْرًا (نوح:۲۳)

کی تفسیر میں روایت کیا ہے۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ود، سواع، یغوث،
یعوق اور نسر نوح علی السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں۔جب یہ صالحین رحلت فرما گئے تو
شیطان نے ان لوگوں کے دل میں وسوسہ اندازی کی کہ وہ ان کی مجالس اور بیٹھکوں کی جگہ پر پتھر
کھڑے کردیں اور ان پتھروں کو ان صالحین کے نام سے موسوم کریں سو انہوں نے اول اول
ایسے ہی کیا لیکن جب وہ لوگ فوت ہوگئے اور ان پتھروں کے متعلق معلومات کم رہ گئیں تو عقیدہ
بدل گیا اور انہیں پتھروں کی عبادت شروع ہوگئی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔قوم نوح کے یہی بت بعد میں عرب لوگوں کے
معبود قرار پائے۔

عکرمہ، ضحاک، قتادہ، محمد بن اسحاق نے بھی یہی فرمایا ہے۔

ابن جریر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ہم سے ابن حمید نے بیان کیا۔ہم سے مہران نے
بیان کیا، ہم سے سفیان نے بیان کیا۔انہوں نے موسیٰ سے، انہوں نے محمد بن قیس سے روایت
کیا۔فرمایا: آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیانی صدیوں میں اللہ کے کچھ نیک بندے بہت شہرت
رکھتے تھے۔ان کے پیروکار ان سے بہت محبت اور عقیدت رکھتے۔جب وہ بندگان خدا رحلت فرما
گئے تو ان کے متبعین نے سوچا اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو جب ان تصویروں کو دیکھ کر اللہ کے
ان بندوں کو یاد کریں گے تو شوق عبادت فراواں ہوگا اور ہم عبادت خداوندی میں کوتاہی نہیں کریں
گے۔یہ سوچ کر انہوں نے تصویریں بنالیں۔جب یہ لوگ بھی وفات پاگئے تو ابلیس چپکے سے بعد
والوں کے پاس آیا اور انہیں بتایا کہ تمہارے اسلاف ان تصویروں کی عبادت کرتے تھے اور انہی
تصویروں کے وسیلے سے ان پر بارش ہوتی تھی یہ سن کر نئی نسل نے ان تصویروں کی عبادت کرنا
شروع کردی۔

ابن ابی حاتم عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

ود، یغوث، یعوق، سواع اور نسر آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ودان تمام سے عمر میں
بڑا تھا اور سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار تھا۔

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ: ہم سے احمد بن منصور نے بیان کیا۔ہم سے حسن بن موسیٰ
نے بیان کیا۔ہم سے یعقوب نے بیان کیا۔انہوں نے ابی المطہر سے روایت کیا۔فرمایا: حضرت
ابو جعفر یعنی باقر نماز پڑھ رہے تھے۔لوگوں نے وہیں یزید بن مہلب کا ذکر چھیڑ دیا۔راوی فرماتے

ہیں کہ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: تم لوگ یزید بن مہلب کے متعلق باتیں کر رہے
تھے۔یزید بن مہلب اس سرزمین میں قتل ہوا جس میں سب سے پہلے بت پرستی شروع ہوئی۔پھر
"ود" کا ذکر چھڑ گیا تو آپ نے فرمایا کہ ود ایک نیک آدمی کا نام ہے۔وہ اپنی قوم میں نہایت ہی
عقیدت ومحبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔جب ود نے رحلت فرمائی تو ان کے متبعین ان کی قبر کے
اردگرد طواف کرنے لگے اور رونے پیٹنے لگے۔ود کی قبر بابل میں تھی۔جب ابلیس لعین نے ان کی
آہ وزاری دیکھی تو انسانی صورت میں ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں اس شخص پر تمہاری آہ و بکا
دیکھ چکا ہوں۔کیا میں تمہارے لئے اس کی ایک شبیہ نہ بنادوں کہ تم بیٹھک میں رکھ لو اور اسے یاد
کیا کرو۔ود کے عقیدت مندوں نے کہا۔ہاں ہمارے لئے شبیہ بنادے۔شیطان نے ود کی شبیہ
تیار کی اور ان لوگوں نے یہ شبیہ اپنی بیٹھک میں رکھ لی اور اسے یاد کرنے لگے۔جب کچھ عرصہ گزر
گیا اور ود کا باقاعدگی سے ذکر شروع ہوگیا تو شیطان نے کہا۔اگر میں ہر گھر کے لئے ایک شبیہ تیار
کردوں تو کیا خیال ہے؟ تاکہ ہر شخص کے گھر میں ود کی شبیہ موجود ہو اور وہ ہر وقت اسے یاد کیا
کرے۔لوگوں نے اس تجویز کا اثبات میں جواب دیا۔ہر گھر میں تمثیل بن گئی اور بچوں نے اپنے
والدین اور بڑوں کو جب دیکھا تو خود بھی ان کی پیروی کرنے لگے اور سلسلہ چلتا رہا آخر یہ
عقیدت مندی اور ذکر کا سلسلہ بت پرستی پر منتج ہوا اور آنے والی نسلوں نے "ود" کو الہ مان کر
عبادت شروع کردی اور یوں سب سے پہلے جس بت کو خدائی کا درجہ ملا وہ ایک صالح شخص "ود"
کا بت تھا اس گفتگو کا مقتضاء یہ ہے کہ ان میں سے ہر بت کی لوگ عبادت کرتے تھے۔جیسا کہ
ذکر کیا جاچکا ہے امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ مورتیاں مجسم خداؤں کا روپ دھارتی گئیں اور
لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی بندگی کرنے لگے مشرکوں کے بت پرستی کے بارے مختلف مسلک تے
جنہیں ہم نے اپنی تفسیر میں تفصیل سے بین کردیا ہے۔" واللہ الحمد والمنہ

صحیحین میں حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہے کہ:-

جب ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ کی خدمت میں حبشہ کی سرزمین میں
"ماریہ" نامی کلیسا کا ذکر کیا اور اس کی خوبصورتی اور اس میں رکھی گئی تصویروں کے متعلق گفتگو کی تو
حضور ﷺ نے فرمایا "وہ لوگ جب کوئی نیک بندہ مر جاتا تھا تو اس کی قبر پر ایک عبادت گاہ تعمیر کر
دیتے تھے۔پھر اس عبادت گاہ میں اس کی تصویر بنادیتے تھے۔یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں اللہ کے
نزدیک سب سے برے ہیں"

جب زمین میں انتشار کی آگ پھیل گئی اور بت پرستی کی لعنت عام ہوگئی تو اللہ کریم نے

اپنے بندے اور رسول حضرت نو علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تا کہ وہ اللہ کے بندوں کو اس کی بندگی کی دعوت دیں اور انہیں بتائیں کہ اس کے سواء کوئی عبادت کے لائق نہیں۔اور انہیں غیر اللہ کی عبادت سے روک دیں۔

حضرت نوح علیہ السلام بنی نوح انسان کی طرف تشریف لانے والے اللہ تعالیٰ کے پہلے رسول ہیں جیسا کہ صحیحین کی ایک حدیث مبارکہ سے ثابت ہے جسے ابی حیان نے، ابی زرعہ بن عمرو بن جریر سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ابو ہریرہؓ رسول کریم ﷺ سے حدیث شفاعت میں روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:۔

”لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: اے آدم! آپ ابو البشر ہیں۔اللہ کریم نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا۔آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو آپ کے سامنے سجدے کا حکم دیا تو فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت میں ٹھہرایا۔کیا آپ حضور باری تعالیٰ میں ہماری شفاعت نہیں فرماتے؟ آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس قدر مشکل اور تنگی میں ہیں؟ جواب میں حضرت آدم فرمائیں گے۔آج میرا رب بہت غصے میں ہے۔اتنے غصے میں وہ پہلے کبھی نہیں ہوا۔اور نہ کبھی بعد میں اس طرح غصہ میں ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے مجھے درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا تھا مگر میں نافرمانی کر بیٹھا تھا۔اور نفسی نفسی فرمائیں گے اور کہیں گے کسی اور کے پاس جاؤ۔نوح (علیہ السلام) کے پاس جاؤ۔

لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے عرض کریں گے۔اے نوح! آپ اہل زمین کی طرف مبعوث ہونے والے سب سے پہلے رسول ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو شکر گزار بندہ کہا ہے۔کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس قدر تکلیف میں ہیں؟ ہم جس حالت کو پہنچ چکے ہیں آپ اسے ملاحظہ نہیں فرما رہے؟ کیا آپ ہماری بارگاہ خداوندی میں سفارش نہیں فرماتے؟ نوح علیہ السلام جواب دیں گے۔آج میرا پروردگار اتنے غصے میں ہے کہ نہ اس سے قبل کبھی ہوا ہے اور نہ بعد میں ہوگا۔

ان تمام آیات کریمہ میں نوح علیہ السلام کی دعوت کی بنیادی تعلیمات کو بیان کیا جا رہا ہے۔آپ علیہ السلام نے مشرکین کو اسلوب بدل بدل کر دعوت دی۔انہیں کبھی تو رات کی تاریکیوں کی طرف متوجہ کیا اور کبھی دن کی روشنی کی طرف توجہ دلائی۔تا کہ وہ اس نظام کو دیکھ کر اس اعلیٰ ہستی کا یقین کرلیں جس کا دست قدرت اس نظام کے پیچھے کارفرما ہے۔کبھی سری طریقہ اختیار کیا اور کبھی جھری طریقہ۔کبھی انہیں ترغیب دی اور کبھی ترہیب۔لیکن تبلیغ کا کوئی طریقہ کارگر ثابت

نہ ہوا لوگ ضلالت اور سرکشی پر ڈٹے رہے اور بتوں اور مورتیوں کی عبادت سے بالکل ہی اجتناب نہ کیا بلکہ آپ کی تبلیغ سے ان کی دشمنی کا شعلہ بھڑک اٹھا اور وہ ہر وقت ہر لمحہ آپ کے خلاف سوچنے لگے۔آپ کی تبلیغ کو وہ تمسخر میں اڑا دیتے اور آپ کی اور آپ کے متبعین کی تحقیر و تنقیص شان کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے۔جب تبلیغ کا سلسلہ دراز ہوا تو ان کی سرکشی میں اور اضافہ ہوا۔وہ نوح علیہ السلام کو دھمکیاں دینے لگے کہ اگر دعوت وارشاد کا یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا تو ہم تجھے پتھر مار کر ہلاک کر دیں گے اور تجھے اس شہر سے نکال باہر کریں گے۔ان کی دشمنی کی کوئی حد نہ رہی اور آئے دن ان کی سرکشی میں اضافہ ہوتا گیا۔

”قَالَ الْمَلَاءُ مِنْ قَوْمِهٖ“ یعنی نوح علیہ السلام کی قوم کے بڑے بڑے رئیس۔کہنے لگے۔اِنَّا لَنَرَاکَ فِیْ ضَلَالَةٍ وَلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔آپ نے فرمایا: کم عقلو! عقل کے ناخن لو۔میں گمراہ نہیں بلکہ تمہارے رب جہان کے پروردگار کا فرستادہ ہوں۔میں تمہیں اس خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں جو بے بس نہیں قادر مطلق ہے جب کسی چیز کو کہتا ہے ہو جا تو وہ ایک لمحے میں معرض وجود میں آ جاتی ہے۔تم مجھے بے راہ رو کہتے ہو۔اور میں اُبَلِّغُکُمْ رِسَالَاتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَکُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور تمہیں نصیحت کر رہا ہوں۔تم مجھے اس لئے گمراہ کہتے ہو کہ تم وہ نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔حضرت نوح علیہ السلام اللہ کریم کے پیامبر ہونے کے ناطے بہت فصیح و بلیغ اور مخلص نصیحت کرنے والے تھے اور جو کچھ وہ جانتے تھے دنیا کے تمام لوگ بھی جاننے سے قاصر تھے۔کیونکہ وہ تمیذ رحمٰن تھے اور لوگوں کو علام الغیوب کا تعارف کرانے آئے تھے۔لیکن قوم نے آپ کی مخلصانہ نصیحتوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور کہنے لگے۔

انہیں تعجب ہوا کہ ایک انسان اللہ کا رسول کیسے بن سکتا ہے۔وہ آپ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی تنقیص کرتے تھے اور انہیں ذلیل اور کمینہ گمان کرتے تھے کہا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا ان کا تعلق بہت غریب طبقے سے تھا اور وہ لوگ انہیں کمی اور ناچیز شمار کرتے تھے۔جیسا کہ ہرقل نے کہا” وَهُمْ اَتْبَاعُ الرُّسُلِ “ کہ وہ رسولوں کے متبع ہیں۔اور یہ صرف اس لئے ہوا کہ جب ان غریب لوگوں پر حق واضح ہو گیا تو پھر کوئی چیز انہیں نوح علیہ السلام کی اتباع سے باز نہ رکھ سکی۔اور کافروں کا آپ کے صحابیوں کے متعلق بادی الرای کہنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے آپ کی دعوت پر غور وخوض نہیں کیا بلکہ سنتے ہی اندھی تقلید کرتے ہوئے آپ کے پیچھے ہو لیے۔کفار جس چیز کو برائی خیال کر رہے تھے درحقیقت یہ ان کے لئے وجہ

عزت وشرف تھی۔اللہ کے ان پاکباز بندوں نے جونہی اللہ کے نبی کی اخلاص بھری باتوں کو (سنا)
وقت ضائع نہیں کیا اور اپنے ضمیر کی آواز کو دبانے کی کوشش نہیں کی۔کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ حق
فکر ونظر کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ اس کی اتباع اور پیروی واجب اور ضروری ہوتی ہے۔

اسی لئے تو رسول خدا حضرت محمد ﷺ نے صدیق اکبر کی مدح میں فرمایا تھا۔"میں نے
جس کسی کو بھی اسلام کی دعوت دی تو اس نے سوچ و بچار کی سوائے ابوبکر کے۔انہوں نے کوئی (پس)
و پیش نہیں کی" اسی لئے سقیفہ میں آپ کے ہاتھ پر بغیر کسی تردد کے صحابہ کرام نے فوراً بیعت کر (لی)
کیونکہ آپ کی افضلیت تمام صحابہ کرام پر ظاہر و باہر تھی۔اسی لئے رسول کریم ﷺ نے جب
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت کا پروانہ لکھنے کا ارادہ کیا اور پھر ترک کر دیا (تو)
فرمایا: **یابی اللہ والمومنون الا ابا بکر**" کہ اللہ اور اہل ایمان ابوبکر کے علاوہ ہر کسی کی خلافت
کا انکار کریں گے" یعنی ابوبکر کی موجودگی میں کسی اور کی بیعت نہیں کی جائے گی۔اس لئے تحریر کو
ضروری نہیں۔

نوح علیہ السلام کی قوم کے سرکشوں اور کافروں نے آپ علیہ السلام اور آپ کے
پیروں کے متعلق کہا۔**وما نری لکم علینا من فضل** (ہود:۲۷)

یعنی اسلام قبول کرنے کے بعد ہم تم میں کوئی ایسی خصوصیت تو نہیں دیکھ رہے جو تمہیں
دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتی ہو۔تم جیسے تھے اب بھی ویسے ہی تو ہو۔

یہ خطاب میں نرمی اور دعوت الی الحق میں رتلطف کا اظہار ہے۔

جیسا کہ ارشاد ربانی بھی ہے۔

"اور گفتگو کریں اس کے ساتھ نرم انداز سے شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا
(میرے غضب سے) ڈرنے لگے"

سورہ نحل میں ارشاد ہے:۔

"بلایئے (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور ان سے
بحث (ومناظرہ) اس انداز سے کیجئے جو بڑا پسندیدہ (اور شائستہ ہو)"

مذکورہ بالا آیت میں بھی نوح علیہ السلام حکمت و شائستگی سے دعوت حق دے رہے
ہیں۔پھر فرماتے ہیں۔

ارایتم ان کنت علی بینة من ربی وآتانی رحمة من عنده (ہود:۲۸)

یہاں بینة اور رحمت سے مراد نبوت و رسالت ہے۔

"فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ"

یعنی تم نہ سمجھ سکو اس حقیقت کو اور تمہاری رسائی اس تک نہ ہو تو "ان کرمکموھا" تو کیا
ہم اس دین کو تم پر مسلط کر دیں اور تم کو اس کی قبولیت پر مجبور کریں؟ "وانتم لھا کارھون" یعنی اس
صورت میں تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔**ویاقوم لا اسالکم علیه مالا ان اجری الا علی الله**"
یعنی اس پیغام کی تبلیغ پر میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا جو پیغام تمہاری دنیوی اور اخروی کامیابی
کا ضامن ہے۔میں دعوت وارشاد کے ثواب کی تمنا اور آرزو اپنے رب سے رکھتا ہوں جو میرے
لئے بہتر ہے اور تمہارے فانی مال و دولت کے مقابلے میں باقی رہنے والی ہے۔

اور اللہ کریم کا ارشاد گرامی ہے۔

وما انا بطارد الذین آمنوا انهم ملا قو ربهم ولکنی اراکم قوما تجهلون

شاید سرداران قوم کا یہ مطالبہ تھا کہ نوح اپنے غریب صحابیوں کو اپنے سے دور
کر دیں تب وہ اس کے پاس جمع ہوں گے اور اس کی بات مانیں گے لیکن نوح علیہ السلام
نے انکار کر دیا اور فرمایا: **انهم ملا قو ربهم** " وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں مجھے تو
خوف ہے کہ اگر میں نے ان مخلص بندگان خدا کو اپنے سے الگ کر دیا تو کل اپنے رب کو
کیا منہ دکھاؤں گا۔

اسی لئے جب قریش نے رسول خدا ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ ان غریبوں کو اپنی محفل
سے الگ کر دیں تو ہم آپ کے پاس آئیں گے اور آپ کی دعوت سنیں گے۔جیسا کہ عماد، صہیب
،بلال، خباب اور اس جیسے دوسرے غریب لوگ تھے۔تو اللہ کریم نے آپ کو منع فرما دیا جیسا کہ
سورہ انعام اور سورہ کہف کی آیات سے ظاہر ہے۔

نوح علیہ السلام کو جب پروردگار عالم جل جلالہٗ نے نبوت عطا فرمائی تو اس وقت کوئی
بھی کلمہ توحید پر نہ تھا سب بت پرست تھے ہر قسم کی پوجا پاٹ غیر اللہ کی پرستش کا اندھیرا تھا
پروردگار عالم جل جلالہٗ نے انسانوں پر رحم فرما کر حضرت نوح علیہ السلام کو اپنا فرمان دے کر ان کی
ہدایت کے واسطے بھیجا۔چنانچہ ارشاد ہے۔

"اور بلاشبہ ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا پس وہ ان میں
پچاس کم ایک ہزار سال ٹھہرے"۔(عنکبوت رکوع ۲)

دوسرے مقام میں ہے کہ:۔

''بے شک بھیجا ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف''

اور سورہ ہود میں ہے کہ:۔

''بے شک ہم نے نوحؑ کو بھیجا اس کی قوم کی طرف کہ بیشک میں تمہارے واسطے ڈرانے والا ظاہر ہوں''

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا اے میری قوم تم خدا کی بندگی کرو تمہارے مال میں کثرت ہوگی اور تمہاری اولاد بھی زیادہ ہوگی اور قحط سالی بھی ختم ہو جائے گی۔ ہمیشہ بارشیں برسیں گی تمہارے باغاتوں میں میوے بھی کثرت سے ہوں گے۔ تم خداوند کریم پر اعتقاد رکھو۔ خدا کا شکر کرو خداوند تعالیٰ نے تمہارے واسطے کیسے مضبوط آسمان بنائے اور سورج چاند ستارے سب تمہاری خاطر پروردگار عالم جل جلالہٗ نے بنائے۔

نوح علیہ السلام نے بڑی نرمی سے خدا کا پیغام لوگوں کو پہنچایا لیکن لوگوں نے ان کو جھٹلایا اور ان کی بات کو نہ مانا صدہا برس اس طریقے سے گزر گئے کتنی ہی پشتیں بدل گئیں جو ان بدبختوں کا موت کے قریب ہوتا تو وہ پچھلوں کو وصیت کرتا کہ خبردار نوحؑ کی بات نہ ماننا اور اپنے باپ دادوں کا طریقہ نہ چھوڑنا یہ بڈھا دیوانہ ہوگیا ہے ہماری عمریں گزر گئی ہیں یہ جھوٹے وعدوں سے ڈراتا ہے اس کا کوئی وعدہ سچا نہیں ہوا۔ کیونکہ دراز عمر ساڑھے نو سو سال حضرت نوح علیہ السلام تبلیغ کرتے رہے تھے۔ حضرت نوحؑ کی حقارت کے درپے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھیج دیتے تاکہ وہ ہنسی اور مذاق کرتے رہیں اور وہ بد بخت پتھروں سے اس قدر مارتے کہ آپ کے بدن مبارک سے اور چہرے سے خون بہتا لیکن حضرت نوحؑ کو پروردگار نے اس قدر صبر اور بردباری عطا فرمائی تھی کہ باوجود اتنے ظلم کے پھر بھی یہ دعا کرتے کہ یا رب میری قوم کو بخش دے یہ مجھے نبی جان کر بے ادبی نہیں کرتے بلکہ یہ جاہل اور نادان ہیں۔ پھر بھی قوم نے نہ مانا کہنے لگے کہ تیرے تابعداروں میں کوئی مالدار نظر نہیں آتا بلکہ جو ہم میں ذلیل اور حقیر ہیں وہ میں وہ تیرے تابعدار ہیں۔ اور ہم نہیں دیکھتے واسطے تمہارے اپنے پر کوئی بڑائی بلکہ ہم گمان کرتے ہیں تجھ کو جھوٹا۔

گذشتہ لوگوں کی عمروں میں اور طاقت وقد وقامت میں برکت تھی اب جتنا زمانہ گزرتا آتا ہے اتنی ہی عمریں کم ہیں طاقت اور قد وقامت بھی کم ہو جاتے ہیں۔ جب حضرت نوحؑ لوگوں کے اسلام لانے سے بالکل نا امید ہو گئے تو اب خدا سے فریاد کرنی شروع کر دی عرض کی اے میرے

رب میں اپنی قوم کو رات دن سمجھاتا رہا لیکن وہ میری نصیحت اور تبلیغ سے زیادہ بھاگنے لگے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے چالیس بچے تھے جوڑا جوڑا جن میں ہابیل، قابیل صالح، عبدالرحمٰن، اور شیث علیہ السلام جن کو ہبتہ اللہ بھی کہتے ہیں۔ تمام بھائیوں نے سرداری انہی کو دی تھی۔ ان اولاد میں چار بزرگ تھے۔ سواع، یغوث، یعوق، نسر، حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں (ود) آدمؑ کی اولاد میں سے بہت نیک سلوک تھا اور بڑا نیک بزرگ تھا۔ حضرت جعفرؒ کہتے ہیں یہ دیندار ولی اللہ تھے اور بہت لوگ ان کے معتقد تھے جب یہ فوت ہو گئے لوگ مجاور بن کر ان کی قبر پر بیٹھ گئے اور رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ ابلیس لعین ان کے پاس انسانی صورت میں آیا اور کہا کہ اس بزرگ کی یادگار قائم کرو جو ہر وقت تمہارے سامنے رہے سب لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا۔ ابلیس نے اس بزرگ کی تصویر بنا کر ان کے پاس کھڑی کر دی جس کو دیکھ دیکھ کر یہ لوگ یاد کرتے تھے اور سب لوگ وہاں آتے۔ پھر ابلیس نے ان لوگوں کو کہا کہ تم کو دور سے آنا پڑتا ہے اس لئے میں تم کو بہت سی تصویریں بنا دیتا ہوں ان کو تم بطور یادگار کے سمجھو اور گھروں میں رکھ لو۔ یہ بات لوگوں کو پسند آ گئی۔ مگر دوسری پشت کے لوگوں نے اپنے گھروں میں رکھی ہوئی ان تصیروں کی پوجا پاٹ شروع کر دی۔ اس بزرگ کا نام (ود) تھا۔ اسی طرح سواع اور یغوث یعوق اور نسر کی بھی پوجا پاٹ شروع ہوئی تھی۔

بخاری شریف میں ہے کہ قوم نوحؑ کے بتوں کو اہل عرب نے لے لیا دومۃ الجندل میں قبیلہ کلب (ود) کو پوجتے تھے اور ہذیل قبیلہ سواع کا پرستار تھا اور قبیلہ مراد اور قبیلہ بنو عطیف جو سرف کے رہنے والے تھے یہ یغوث کی پوجا کرتے تھے اور ہمدان قبیلہ یعوق کا پجاری تھا اور اہل ذی کلاع کا قبیلہ حمیر نسر بت کو ماننے والے تھے۔

یہ پانچوں بت حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان میں زمین کی تہہ میں دب گئے تھے۔ ابلیس مردود نے عرب والوں کو ان کا نشان بتایا پھر عرب کے نادانوں نے ان کو زمین سے نکالا پھر ان کی پوجا پاٹ شروع کی۔ اصل میں یہ سب بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد شیطان لعین نے اس زمانے کے لوگوں کے دلوں یں یہ بات ڈالی کہ ان بزرگوں کی عبادت گاہوں میں ان کی یادگار قائم کرنی چاہیے۔ چنانچہ ان لوگوں نے وہاں نشان بنا دیئے اور ہر بزرگ کے نام پر مشہور ہوگئی۔ جب تک یہ لوگ زندہ تھیان جگہوں پر پرستش نہ ہوئی تھی پھر ان لوگوں کے مرجانے اور علم کے اٹھ جانے پر پچھلے لوگوں نے ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی۔ (تفسیر ابن کثیر)

جن بتوں کا ذکر ہوا ہے ان کے علاوہ عرب کے اور بت بھی تھے بنی ثقیف کا لات تھا

اور بنی سلیم کا عزیٰ اور بنی غطفان و بنی نضیر اور بنی سعد اور بنی بکر کا بھی عزیٰ تھا اور اہل قدید اور مشلل کا منات تھا اور اہل مدینہ بھی ان بتوں کی زیارت کو جایا کرتے تھے۔ اور اساف نائلہ وغیرہ اہل مکہ کے بت تھے۔ اساف کو حجر اسود کے سامنے کوہ صفا پر کھڑا کیا تھا اور نائلہ کو رکن یمانی کے سامنے اور ہبل کو خاص کعبہ کے اندر لگای تھا یہ بڑا بت تھا آٹھ گز اونچا تھا جنگ کے وقت اسی کا نام لیا جاتا تھا۔ ابوسفیان نے احد کی جنگ میں پکارا تھا کہ اعل ہبل اس کے جواب میں حضرت عمر فاروقؓ نے کہا اللہ عزوجل حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر جب طوفان آیا اس کے بعد یہ پانچ بڑے بت شیطان کے دکھانے پر ریت سے لوگوں نے نکالے پھر ان کی پوجا پاٹ شروع کردی تھی وہ یہ ہیں ود، سواع، یغوث، یعوق، اور نسر (تفسیر حقانی)

جب حضرت نوح علیہ السلام لوگوں کی ہدایت سے ناامید ہوگئے اور پروردگار عالم نے بھی بتا دیا کہ اب ان میں ایمان لانے والے کوئی نہیں۔ پھر نوحؑ نے بھی بددعا کرنی شروع کردی جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا

(سورہ نوح)

''اور کہا نوحؑ نے اے میرے پروردگار اس زمین پر کسی کافر کے بسنے کی جگہ نہ چھوڑا''

انک ان تذر هم یضلوا عبادک ولا یلد والا فاجرا کفار

'' اگر تو ان کو زندہ چھوڑے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہی کرتے رہیں گے اور ان کی اولاد کا سلسلہ بھی گمراہی پر قائم رہے گا''

پھر حضرت نوح علیہ السلام نے دعا فرمائی:۔

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

(سورہ نوح)

''اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ کو بخش دے اور اس کو بھی جو مومن ہو کر میرے گھر میں داخل ہوا ہے اور مومن مرد اور مومن عورتوں کو بخش دے''

تفسیر ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک درخت بویا جو سو سال تک بڑھتا رہا پھر اس کو کاٹ کر تختے بنائے پھر کشتی بنانی شروع کی تو لوگ مذاق اڑانے کہ

اس خشکی میں کشتی کی کیا ضرورت ہے اور کیسے چلے گی۔ حضرت نوحؑ نے جواب دیا کہ عنقریب تم دیکھ لوگے۔ اور بعض سلف کہتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کو پروردگار عالم جل جلالہٗ کا حکم ہوا کہ لکڑیاں کاٹ کر تختے بناؤ پھر کشتی بناؤ اور سال میں کشتی تیار ہوئی پھر مکمل تیاری میں سو سال اور لگ گئے۔ کشتی کا طول اسی ہاتھ تھا اور عرض پچاس ہاتھ۔ پھر اندر باہر سے روغن کیا گیا۔ قتادہؒ کا قول ہے کہ کشتی کی لمبائی تین سو ہاتھ تھی اور ابن عباسؓ کا قول ہے کہ طول بارہ سو ہاتھ اور عرض چھ سو ہاتھ اور اندرونی اونچائی تیس ہاتھ تھی اور اس کے تین درجے تھے ہر درجہ دس ہاتھ اونچا تھا۔ سب سے نیچے کے درجے میں چوپائے اور جنگلی جانور سوار کئے اور درمیانی حصے میں انسان اور اوپر کے حصہ میں پرندے تھے۔ اور دروازہ چوڑائی میں لگا ہوا تھا اور اوپر سے بالکل بند تھی کشتی میں ہر چیز کا جوڑا جوڑا سوار کیا تھا۔

تنور تو آگ کی جگہ ہے لیکن پانی کی اسی میں کثرت تھی کہ تنور سے بھی پانی ابلنے لگا۔ حضرت مجاہدؒ اور شعبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تنور کوفے میں تھا بلکہ دنیا بھر کے چشمے ابلنے لگے کوئی جگہ بھی باقی نہ رہی تھی۔ نباتات وغیرہ کے بیج بھی کشتی میں رکھے تھے۔ کشتی میں سب سے پہلے پرندوں میں سے ذرہ سوار ہوا تھا اور سب سے آخر میں جب گدھا سوار ہونے لگا تو ابلیس لعین گدھے کی دم کے ساتھ لٹک گیا گدھے کے دو اگلے پاؤں کشتی میں پہنچ گئے اور پچھلا دھڑ ابلیس کے بوجھ سے بوجھل ہوگیا تھا اٹھا نہ سکا ادھر حضرت نوحؑ جلدی کر رہے تھے آخر نوحؑ نے فرمایا آجا اگرچہ تیرے ساتھ شیطان بھی ہو تب گدھا بھی چڑھ گیا۔

ابن ابی حاتم کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب تمام مویشی کشتی میں سوار کردیئے تو لوگوں نے کہا کہ شیر کی موجودگی میں مویشی آرام کیسے کریں گے تو پروردگار عالم نے شیر پر بخار ڈال دیا شیر بخار کی وجہ سے بے ہوش پڑا رہا مویشی اطمینان سے رہے اس سے پہلے زمین پر بخار کی بیماری نہ تھی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کشتی میں سوار ہونے والے مرد اور عورتوں کی تعداد اسی تھی (تفسیر ابن کثیر) لیکن تفسیر عزیزی میں ہے کہ حضرت نوحؑ اور ان کے تین بیٹے اور ان کی بیویاں لونڈیاں اور غلام تھے اور اسی آدمی ان کے علاوہ کشتی میں سوار تھے۔ (عزیزی) حضرت نوحؑ نے حکم دیا کہ سب کشتی میں بیٹھ جاؤ۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام نے وہاں سے کوے کو بھیجا کہ جا کر خشکی کی خبر لے آئے کوا مردار کھانے لگ گیا دیر ہوگئی نہ آیا تو حضرت نوحؑ نے کبوتر کو روانہ کیا تو وہ خشکی کی خبر لے آیا۔ حضرت نوحؑ نے جب خشکی کی خبر سنی تو جودی پہاڑ سے نیچے اترے اور وہاں ایک بستی بنائی

جس کا نام ثمانین رکھا پھر وہاں ایک دن جب صبح کے وقت لوگ اٹھے تو ہر ایک کی زبان بدلی ہوئی تھی۔ اسی زبانیں بولتے تھے جن میں سے اعلیٰ زبان عربی تھی۔ حضرت نوحؑ کو پروردگار عالم نے سب زبانیں سکھا دیں آپ ان سب کو اپنی اپنی زبان میں سمجھاتے تھے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کی کشتی میں مسلمان لوگ رجب کی دسویں تاریخ کو سوار ہوئے کشتی مشرق و مغرب میں پھرتی رہی چھ مہینے تک جودی پہاڑ پر ٹھہری رہی پھر محرم کے مہینہ میں عاشورہ کے دن لوگ اس سے اترے اس دن لوگوں نے روزہ رکھا۔

مسند احمد میں ہے کہ جناب سرور عالم ﷺ نے چند یہودیوں کو عاشورہ کے دن روزہ رکھے ہوئے دیکھا پھر دریافت فرمایا کہ اس دن تم روزہ کیوں رکھتے ہو انہوں نے کہا کہ اس دن پروردگار عالم جل جلالہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتارا اور فرعون کو مع اس کی قوم کے غرق کر دیا تھا اور اسی دن حضرت نوحؑ جودی پہاڑ پر لگے تھے پس ان پیغمبروں نے خدا کا شکر ادا کیا اور روزہ رکھا تھا تو آپؐ نے فرمایا پھر موسیٰؑ کے ہم زیادہ حقدار ہیں اور روزہ رکھنے کے بھی زیادہ مستحق ہیں پھر آپ ﷺ نے اور صحابہ کرام نے اس دن روزہ رکھا جودی پہاڑ سے اترتے وقت پروردگار عالم جل جلالہٗ نے فرمایا:۔

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَ عَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ

"فرمایا گیا اے نوح سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اتر جو ہماری جانب سے تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ والوں پر"

امام ابن اسحٰقؒ کا فرمان ہے کہ جب پروردگار عالم جل جلالہٗ نے طوفان بند کرنے کا ارادہ کیا تو زمین پر ایک ہوا چلائی جس نے پانی خشک کر دیا اور آسمان کا پانی بند ہو گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام چھ مہینے تک کشتی میں رہے تھے دسویں رجب کو کشتی میں سوار ہوئے اور دسویں محرم کو عاشورے کے دن اترے تھے۔ طوفان کا پانی چالیس دن زمین سے ابلتا رہا اور آسمان سے برستا رہا چالیس دن پانی طغیانی میں تھا پھر پانی آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا چھ مہینے کے بعد پھر زمین نمودار ہوئی۔ (تفسیر عزیزی)

ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے ذکر کیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ سے درخواست کی کہ آپ خدا سے دعا کریں کہ پروردگار عالم ایسا کوئی مردہ زندہ فرمائے کہ جس نے کشتی نوحؑ دیکھی ہو کہ ہم اس سے کشتی کے بارے میں معلومات کر لیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام

نے ایک ٹیلے سے مٹی اٹھائی پھر فرمایا جانتے ہو یہ کون ہے لوگوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول جانتا ہوگا پھر عیسیٰؑ نے فرمایا یہ پنڈلی ہے حام بن نوحؑ کی پھر آپؑ نے اپنی لکڑی اس ٹیلے پر مار کر کہا اللہ کے حکم سے اٹھ کھڑا ہو اسی وقت ایک بڈھا سا آدمی اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ آپؑ نے فرمایا کیا تو بوڑھاپے میں مرا تھا اس نے جواب دیا میں جوان مرا تھا لیکن اب دل میں یہ ڈر پیدا ہو گیا کہ قیامت قائم ہو گئی اس ڈر نے بوڑھا کر دیا آپ نے فرمایا تو نے کشتی نوحؑ دیکھی تھی اس نے کہا ہاں دیکھی تھی فرمایا اس کے بارے میں بیان کر اس نے کہا وہ بارہ سو ہاتھ لمبی اور چھ سو ہاتھ چوڑی تھی تین درجوں کی تھی ایک میں چوپائے تھے اور دوسرے درجے میں انسان اور تیسرے میں پرندے تھے اور جب جانوروں کا گوبر پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ نے نوحؑ کو فرمایا کہ ہاتھی کی دم کو ہلاؤ آپؑ کے ہلانے سے اس سے نر اور مادہ دو خنزیر نکل آئے کشتی کی میل کچیل کھانے لگے۔ بعض روایات میں ہے کہ خنزیر سے چوہے پیدا ہو گئے پھر جب چوہوں نے کشتی کو کاٹنا شروع کیا تو حکم ہوا کہ شیر کی پیشانی پر انگلی لگاؤ اس سے بلی کا جوڑا پیدا ہو گیا انہوں نے چوہوں کو بھگا دیا۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو شہروں کے غرق ہونے کا علم کیسے ہوا کہا نوح علیہ السلام نے کوے کو بھیجا شہروں کی خبر کے واسطے وہ لاش پر بیٹھ گیا۔ دیر تک نہ آیا اس لئے نوح علیہ السلام نے کوے کو ہمیشہ ڈرتے رہنے کی بد دعا فرمائی پھر نوح علیہ السلام نے کبوتر کو بھیجا وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتہ لایا اور اپنے پنجوں میں خشک مٹی لایا اور اس سے معلوم ہوا کہ شہر ڈوب چکے ہیں آپؑ نے کبوتر کی گردن میں حصرہ کا طوق ڈال دیا اس لئے وہ امن کے ساتھ ہے اور اس کے واسطے انس کی دعا کی اس لئے وہ گھروں میں رہتا ہے۔ پھر حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا اللہ کے حکم سے جیسا تھا ویسا ہی ہو جا اسی وقت وہ مردہ دوبارہ مٹی ہو گیا۔ (ابن کثیر)

آپ علیہ السلام کو چالیس سال کے بعد اعلان نبوت کا حکم دیا گیا اور ساڑھے نو سو (۹۵۰) سال آپ اپنی قوم میں ٹھہرے اور اپنی قوم کو تبلیغ فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا. (العنکبوت:۱۴)

"تو وہ ان میں پچاس سال کم ہزار برس رہے"

طوفان کے بعد آپ دو سو پچاس سال زندہ رہے آپ کی کل عمر ایک ہزار دو سو چالیس سال ہے اگرچہ اس میں اور قول بھی ہیں لیکن زیادہ طور پر اسی قول کو صحیح کہا گیا ہے۔

(صاوی پ ۸ زیر آیت ولقد ارسلنا نوحا، حاشیہ جلالین ص ۱۴۳)

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال اپنی قوم کو اللہ کی وحدانیت اختیار کرنے اور شرک سے باز رہنے کی تبلیغ فرمائی اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے رہے۔

قال یقوم انی لکم نذیر مبین ان اعبدوا اللہ واتقوہ واطیعون یغفر لکم من ذنوبکم ویوخرکم الی اجل مسمی ان اجل اللہ اذا جاء لا یوخر لو کنتم تعلمون

''آپ نے فرمایا: اے میری قوم! میں تمہارے لئے ظاہر طور پر ڈر سنانے والا ہوں کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میرا حکم مانو وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے گا اور ایک مقرر معیاد تک تمہیں مہلت دیگا، بے شک اللہ کا وعدہ جب آتا ہے ہٹایا نہیں جاتا، کاش تم جانتے!''

آپ نے اپنی قوم کو اور یہ فرمایا:

ان اخاف علیکم ان عبد تم غیرہ عذاب یوم عظیم وھو یوم القیمۃ

''اگر تم نے اللہ کے بغیر کسی اور کی عبادت کی تو میں قیامت کے دن کے بہت بڑے عذاب کا تمہیں خوف دلاتا ہوں''

آپ نے تبلیغ فرماتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا:

انی اخاف علیکم ان عبدتم غیرہ عذاب یوم الیم مولم فی الدنیا والاخرۃ. (جلالین پ ۱۶)

''اگر تم نے اللہ کے بغیر اور کسی کی عبادت کی تو میں تمہیں دنیا اور آخرت کے درد ناک عذاب سے ڈراتا ہوں''

اس آیۃ کریمہ میں اپنی قوم کو اخروی عذاب کے ساتھ ساتھ دنیا میں تباہی و بربادی سے بھی واضح طور پر ڈرایا گیا کہ شائد قوم پر کچھ اثر ہو جائے۔

اور آپ نے فرمایا:

وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(پ ۱۹ الشعراء ۱۰۹)

''اور میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے''

یعنی میں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور صرف اسی کی عبادت کرنے اور صرف اسی سے ڈرنے اور اس کے بغیر اور کسی کی عبادت کرنے پر دین و دنیا کی تباہی سے ڈرانے پر کوئی اجرت مال و دولت کا مطالبہ تو نہیں کر رہا اگر تم نے اس راہ کا تعین کرلیا جو میں بتا رہا ہوں تو تمہاری کامیابی ہے ورنہ تم ذلیل ہو جاؤ گے تباہ برباد ہو جاؤ گے دین و دنیا میں خسارے میں پڑ جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام تم تک پہنچانے میں مجھے تم سے کوئی غرض نہیں کسی منصب مال و دولت کے حصول کا کوئی لالچ نہیں صرف اللہ کے حکم سے اللہ کی رضا مندی کے لئے تمہیں تبلیغ کر رہا ہوں۔ میرے اللہ تعالیٰ نے ہی مجھے اجر و ثواب عطا کرنا ہے اس کی بے حساب رحمت کے ہوتے ہوئے مجھے تم سے کچھ غرض نہیں۔

آپ علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال دن رات تبلیغ کی لیکن قوم قریب آنے کے بجائے دور ہوتی چلی گئی آپ کی تقریر کو نہ سننے کی غرض سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونستے (معاذ اللہ) آپ سے نفرت کرتے ہوئے اپنے چہروں کو ڈھانپ لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَيْلاً وَّنَهَارًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِیْ اِلَّا فِرَارًا وَّاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْا اَصَابِعَهُمْ فِیْ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا. (پ ۲۹ سورۃ نوح ۵، ۷)

''عرض کی اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات دن بلایا تو میرے بلانے سے ان کا بھاگنا بڑھا ہی ہے اور میں نے جتنی بار انہیں بلایا کہ تو ان کو بخشے، انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے دیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور ہٹ دھرمی کی اور بڑا غرور کیا''

یعنی نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا: اے اللہ! میں نے تیرے احکام پہنچانے میں کوئی کوتاہی سستی نہیں کی، لیکن میری قوم ماننے اور قریب آنے کے بجائے دور ہوتی چلی گئی۔

جیسے جیسے آپ تبلیغ فرماتے رہے قوم کے دور ہونے میں کمی آنے کے بجائے زیادتی ہوتی رہی اللہ کے نبی کی قوم پر شفقت کا یہ عالم ہے کہ آپ ان کو اس راہ پر چلانا چاہتے جس پر چلنے سے ان کو نجات حاصل ہو اللہ ان کی مغفرت کرے اللہ ان سے راضی ہو جائے اور وہ اللہ کے قریب ہو جائیں۔ لیکن قوم کی بدبختی کا یہ عالم ہے کہ وہ آپ سے اتنی زیادہ نفرت کرتی ہے کہ آپ

کی بات سننے کے لئے تیار نہیں اور آپ کو دیکھنا انہیں گوارا نہیں، وہ کانوں میں اس لئے انگلیاں
ٹھونس رکھتے تا کہ آپ کا کلام اور آپ کے پیش کردہ دلائل کو نہ سن سکیں اپنے چہروں کو ڈھانپ
رکھتے کہ معاذ اللہ ہمیں نوح (علیہ السلام) کی شکل بھی نظر نہ آئے۔ اللہ کا جن پر فضل ہو
والوں کی باتیں سن کر ایمان لاتے ہیں گناہوں سے باز رہتے ہیں نیکی وتقویٰ اختیار کرتے
شیطان کی گرفت میں ہوتے ہیں وہ ہدایت دینے والوں کو ملائیت، فسطائیت، قدامت پسندی
نام دے کر دین کے باغی ہو جاتے ہیں۔ (از کبیر)

آپ علیہ السلام نے ہر وقت تبلیغ کی، یعنی دن رات تبلیغ کی پھر آپ نے ہر
آہستہ آہستہ نرم لہجہ میں سمجھایا کہ اللہ کی عبادت کرو، رب سے ڈرو لیکن قوم نے کانوں میں انگلیاں
ٹھونس کر سننے سے انکار کیا اپنے چہروں پر کپڑا ڈال کر آپ کو دیکھنے سے بیزاری ظاہر کی اپنے کفر
اعتقادات پر ہٹ دھرمی سے قائم رہے تکبر کی وجہ سے احکام باری تعالیٰ سے انکار کیا۔

پھر آپ نے ظاہراً عام مجالس میں ان کو خطابات کئے اور راہ حق کا سبق دیا لیکن ان
کچھ اثر نہ ہوا پھر آپ نے اعلانیہ طور پر اور آہستہ آہستہ دونوں طرح سے تبلیغ کی لیکن یہ طریقہ
قوم کو راہ راست پر نہ لا سکا۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے یوں پیش فرمایا:

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا

(پ ۲۹ سورت نوح)

''(نوح علیہ السلام نے کہا) پھر میں نے انہیں اعلانیہ بلایا پھر میں نے ان سے
باعلان بھی کہا اور آہستہ خفیہ بھی کہا''

اتنا عرصہ تبلیغ کرنے کے باوجود ایمان لانے والوں کا مختصر گروہ نظر آتا ہے تین آپ
کے بیٹے سام، حام، یافث اور تین ان کی بیویاں اور ایک نوح علیہ السلام کی زوجہ اور ستر
عورتیں۔ یہی ایماندار لوگ کشتی پر بھی سوار تھے یعنی بمع نوح علیہ السلام کے کل اٹھتر آدمی
میں سوار تھے، جن میں مرد اور عورتیں برابر برابر تعداد میں تھے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا

(پ ۱۲ سورت ہود)

''تو آپ کی قوم کے سردار جو کافر ہوئے تھے بولے ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا
آدمی دیکھتے ہیں''

یعنی ایک وجہ قوم کے ایمان نہ لانے کی یہ تھی کہ وہ نوح علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر سمجھنے
لگے کہ ہمارے ہی جیسا بشر کبھی نبی نہیں بن سکتا وہ اس سے بے خبر تھے کہ نبی کو دو حالتیں حاصل
ہوتی ہیں ایک بشری اور دوسری نورانی۔ وہ کہنے لگے نبی تو فرشتہ ہونا چاہیے!

**فقال الملاء الذین کفروا من قومه ماهذا الا بشر مثلکم یرید ان یتفضل
علیکم ولو شاء الله لا نزل ملئکة ما سمعنا بهذا فی آبائنا الا ولین**

(پ ۱۸ سورت مومنون ۲۴)

''تو آپ کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کیا بولے: یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی،
چاہتا ہے کہ تمہارا بڑا بنے اور اللہ چاہتا تو فرشتے اتارتا، ہم نے تو یہ اگلے باپ
داداؤں میں نہ سنا''

یعنی انہوں نے یہ کہا کہ ہم نوح (علیہ السلام) پر کیوں ایمان لائیں یہ تو ہمارے جیسا
بشر ہے یہ نبوت کا دعویٰ کر کے ہم سے بڑا بننا چاہتا ہے ہم نے تو اپنے کسی باپ دادا سے یہ نہیں سنا کہ
بشر بھی نبی ہوتا ہے اگر رب نے نبی بنانا ہی ہوتا تو کسی فرشتے کو نبی بنا کر بھیج دیتا۔

دوسری وجہ قوم کے ایمان نہ لانے کی یہ تھی کہ ہم اعلیٰ لوگ اور گھٹیا لوگ ایک ہی مذہب
پر نہیں ہو سکتے، قوم نے کہا:

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ

''اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کسی نے کی ہو مگر ہمارے کمینوں نے
سرسری نظر سے''

یعنی قوم کے وڈیرے سردار کہنے لگے کہ تم پر ایمان غریب، گھٹیا شان والے لائے ہیں
اور انہوں نے بھی بغیر سوچ و سمجھ کے سرسری نظر سے ایمان قبول کیا ہے وہ بھی سوچتے تو ایمان نہ
لاتے، یا یہ کہ ان میں سوچنے کی طاقت ہی نہیں تھی۔ ایسے گھٹیا لوگوں کے ساتھ ہم بھی ایمان لا کر
ان جیسے ہو جائیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ گویا تکبر کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لائے۔

قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ. (پ ۱۹ سورۃ شعراء ۱۱۱)

''بولے کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں اور تمہارے ساتھ (ایمان لانے والے)
کمینے لوگ ہیں؟''

تیسری وجہ ان کے ایمان نہ لانے کی یہ تھی کہ تم اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والے ہم

پر کوئی زیادہ فضیلت تو نہیں رکھتے، یعنی نبی کی شان کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ نبی کی عظمت و رتبہ نہ سمجھ سکے اور یہ بات انہیں نہ سمجھ آئی کہ رب تعالیٰ کے نزدیک کسی کے مال و دولت کی زیادتی افضلیت ہونے کا سبب نہیں، بلکہ ایمان اور تقویٰ افضلیت کا سبب ہے۔ یہی رب تعالیٰ کا قربت کا سبب ہے۔ ان کے ایمان نہ لانے کی اس وجہ کا رب تعالیٰ نے ذکر فرمایا:

وَمَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ

''اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں پاتے''

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَکُمْ ذِکْرٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْکُمْ لِیُنْذِرَکُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ. (پ ۸ سورت اعراف ۶۳)

''کیا تم تعجب کرتے ہو اس پر کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعے جو تم سے ہے تاکہ وہ ڈرائے تمہیں (غضب الٰہی سے) اور تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے''

یعنی آپ نے ان کے شبہ کا ازالہ فرمایا وہ یہ نہیں سمجھ سکے تھے کہ کوئی انسان بھی نبوت و رسالت کے مرتبہ پر فائز ہوسکتا ہے اور ذات ربانی سے براہ راست فیض حاصل کر کے لوگوں تک پہنچا سکتا ہے ان کا خیال تھا کہ یہ کام کوئی فرشتہ ہی کر سکتا ہے اسی لئے فرمایا کہ تمہاری حیرت و پریشانی بے محل ہے اللہ تعالیٰ اگر اپنے کسی کامل اور برگزیدہ بندے کو نعمت نبوت سے سرفراز کرنا چاہے تو اس میں کوئی استحالہ نہیں۔ (ضیاء القرآن ج ۲ ص ۴۴)

حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے ایمان سے انکار کی اس وجہ کا دو ٹوک الفاظ میں جواب دیا۔

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰکِنِّیْٓ اَرٰکُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ

(پ ۱۲ سورت ہود ۲۹)

اور میں ان کو نکالنے والا نہیں جو ایمان لے آئے ہیں بے شک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں البتہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم ایسی قوم ہو جو (حقیقت سے) ناواقف ہے۔

یعنی انہوں نے نوح علیہ السلام سے کہا ہوگا کہ ہر وقت آپ کے ارد گرد خستہ حال لوگ حلقہ باندھے بیٹھے ہوتے ہیں ہمارا تو جی نہیں چاہتا کہ ایسی جگہ جائیں جہاں اس قسم کے گندے غلیظ اور کمینے لوگوں کا جمگھٹا ہو آپ ان کو اپنے ہاں سے نکل جانے کا حکم دیں تب ہم آپ کے

پاس آئیں گے۔ اسی قسم کا مطالبہ آپ کو یاد ہوگا کفار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی کیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے صاف جواب دیا یہ ناممکن ہے کہ میں ان حق پرستوں کو تمہاری خاطر اپنے ہاں سے نکل جانے کا حکم دوں۔ تم اپنی جگہ بڑے لوگ ہو لیکن میری نظر میں جو قدر و منزلت شمع نور کے ان دل سوختہ پروانوں کی ہے وہ گدھوں کی نہیں ہوسکتی جو دنیا کی متعفن لاش پر ٹوٹ پڑتی ہے۔ یہاں قدر و منزلت کا معیار اخلاص و تقویٰ ہے دولت و ثروت نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں یہ بھی کہا کہ تمہیں تو اپنی عقل و دانش پر بڑا ناز ہوگا لیکن میرے نزدیک تو تم انجان اور ناواقف لوگ ہو جنہیں اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ شرف انسانیت کا راز کثرت مال میں مضمر نہیں بلکہ دل کی پاکی، کردار کی بلندی اور اخلاق کی پختگی میں ہے۔ (از ضیاء القرآن)

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بار بار تبلیغ کی لیکن قوم سے سوائے تکذیب کے کچھ حاصل نہ ہوا انہوں نے جب اللہ تعالیٰ کے احکام ماننے سے انکار کر دیا تو ابتدائی طور پر اللہ تعالیٰ نے انہیں جھنجھوڑا دینے کے لئے اس طرح گرفت میں لیا کہ ان پر بارشیں برسنی ختم ہوگئیں اور ان کی عورتیں بانجھ ہوگئیں ان کی اولاد پیدا ہونی ختم ہوگئی۔

قوم بار بار انکار کر رہی تھی لیکن نوح علیہ السلام صبر و تحمل سے انہیں جہنم کی آگ سے ٹالنے اور دنیاوی مشکلات سے نکالنے کی تدبیر فرماتے ہوئے انہیں وہ طریقے بتا رہے تھے جن سے وہ اپنے آپ کو مصائب و آلام سے نکال سکیں۔ نوح علیہ السلام نے قوم کو مشکلات سے نکلنے کا جو طریقہ بتایا اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے حضور کرتے ہیں:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّهٗ کَانَ غَفَّارًا یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا وَّیُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْهٰرًا مَا لَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا. (پ ۲۹ سورت نوح ۱۰، ۱۳)

''تو میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو وہ بڑا معاف فرمانے والا ہے تم پر (موسلا دھار) مینہ بھیجے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغ بنا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بنائے گا تمہیں کیا ہوا اللہ سے عزت حاصل کرنے کی امید نہیں کرتے؟''

یعنی آپ نے اپنی قوم کو بتایا کہ تمہاری مشکلات کا حل صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اس کی یاد کرنے اس سے ڈرنے اور اس سے معافی طلب کرنے میں ہے۔ لیکن قوم اپنی ہٹ

دھرمی پر اسی طرح قائم تھی تکبر اتنا حد سے بڑھ چکا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو یہی کہہ رہے تھے

وقالوا لا تذرن الهتكم ولا تذرن ودا ولا سواعا ولا يغوث ويعوق ونسرا وقد اضلوا كثيراً. (پ ۲۹ سورت نوح ۲۳)

"اور بولے ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور ہرگز نہ چھوڑنا ودا اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو (یہ سب ان کے بتوں کے نام ہیں) اور بے شک انہوں نے بہتوں کو بہکایا"

حضرت ربیع بن صبیح سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت حسنؓ کے پاس آئے انہوں نے قحط سالی کی شکایت کی، آپ نے فرمایا اللہ سے استغفار کرو۔ ایک اور شخص نے آپ سے غربت کا ذکر کیا آپ نے اسے بھی فرمایا کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو۔ ایک اور شخص نے کہا آپ اپنے رب سے میرے لئے دعا کرو کہ مجھے اللہ تعالیٰ بیٹا دے آپ نے اسے بھی کہا اپنے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو۔ ایک اور شخص نے باغات کے خشک ہونے، پھل کم دینے کی پیداوار کم ہونے کا ذکر کیا اور دعا کی درخواست کی آپ نے اسے بھی فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو۔

حاضرین نے عرض کیا کہ شکایات لوگوں کی مختلف تھیں لیکن آپ نے سب کو ایک ہی بتایا تو آپ نے جواب دیا کہ "حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سب مشکلات کے لئے استغفار کا ہی حکم دیا تھا" یعنی یہ عمل قرآن پاک سے ثابت ہے۔ (تفسیر کبیر)

نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وہ نبی جنہوں نے دن رات قوم کی دنیاوی اور اخروی عذاب سے بچانے کے لئے اور انہیں راہ راست پر لانے کے لئے ایک کر رکھے تھے لیکن قوم آپ کو گمراہ جھوٹا مجنون (دیوانہ) وغیرہ القاب دے رکھے تھے۔

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ. (پ ۸ سورہ الاعراف ۶۰)

سردار بولے کہ ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ

(پ ۸ سورۃ الاعراف

"اے میری قوم مجھ میں گمراہی کچھ نہیں میں تو رب تعالیٰ کا رسول ہوں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے"

بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ. (پ ۱۲ سورہ ھود ۲۷)

"بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں"

یعنی تم اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والے سب جھوٹے ہو کیونکہ تم سب ایک ہی دعویٰ رکھتے ہو یا یہ کہ تم اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹ ہو اور وہ تمہاری تصدیق کرنے میں جھوٹے ہیں۔ (تفسیر ابی السعود)

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ

(پ ۱۸ سورہ مومنون ۲۵)

"وہ تو نہیں مگر ایک دیوانہ مرد تو کچھ زمانہ تک اس کا انتظار کئے رہو"

یعنی انتظار کرو ہو سکتا ہے کہ اپنی دیوانگی سے کچھ افاقہ ہو جائے اور اپنا دعویٰ نبوت چھوڑ دے یا اس پر موت آ جائے تو ہماری جان ہی اس سے چھوٹ جائے۔ کچھ سنجیدہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ انتظار کرو اگر یہ سچا نبی ہے تو اللہ اس کی امداد کرے گا اور اگر جھوٹا ہے تو اللہ اسے رسوا کرے گا اور ہماری جان اس سے چھوٹ جائے گی۔ لیکن ایسا سوچنے والے بھی ایمان نہلا سکے جب اللہ تعالیٰ کی امداد نوح علیہ السلام کے لئے آ گئی تو یہ بھی غرق ہو گئے۔ (جلالین مع حاشیہ)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ

(پ ۲۷ سورہ قمر ۹)

"ان سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم نے جھٹلایا تو ہمارے بندے کو جھوٹا کہا اور بولے وہ مجنون ہے اور اسے جھڑکا گیا"

نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے کہا: کہ ان قریش سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی تکذیب کی آپ علیہ السلام کو جھوٹا کہا اور آپ کو مجنون کہا، اور دھمکیاں دیں کہ اگر تم اپنے دعویٰ نبوت سے باز نہیں آئے تو ہم تمہیں گالیاں دیں گے اور ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔

قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ

(پ ۱۹ سورہ شعراء ۱۱۶)

"بولے اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کئے جاؤ گے۔ تفسیر جلالین میں مرجومین کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ تمہیں گالیاں دی جائیں گی اور دوسرا یہ کہ تمہیں سنگسار کیا جائے گا"

ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ کو مار مار کر شدید زخمی کر دیا آپ کو اونی کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے گھر پھینک دیا اور یہ خیال کیا کہ آپ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں لیکن آپ اسی حالت میں نکل کر پھر انہیں دعوت حق دینے لگے۔

ایک دفعہ ایک بوڑھا شخص جو لاٹھی کے سہارے چل رہا تھا اس نے اپنے بچے کو اٹھایا ہوا تھا حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھ کر اپنے بیٹے کو کہنے لگا کہ اے میرے بیٹے دیکھنا اس بوڑھے شخص کے جال میں نہ پھنسنا یہ تمہیں کہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ باپ کی بات سن کر بیٹے نے کہا اے میرے ابا مجھے اتار دو اور اپنا ڈنڈا مجھے دے دو باپ نے بیٹے کو اتار کر ڈنڈا اس کے ہاتھ میں تھما دیا اس چھوٹے لڑکے نے نوح علیہ السلام کے قریب آ کر آپ کو ڈنڈا دے مارا جو آپ کے سر پر لگا آپ زخمی ہو گئے خون جاری ہو گیا۔

یہ ماجرا دیکھ کر نوح علیہ السلام نے رب کے حضور التجا کی: "اے اللہ تیرے بندے جو میرے ساتھ سلوک کر رہے ہیں اسے تو دیکھ رہا ہے، اے اللہ اگر تو اپنے بندوں کو زندہ رکھنا ہی چاہتا ہے تو انہیں ہدایت دے دے یا اپنا کوئی فیصلہ کرنے تک مجھے صبر دے تو بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

واوحی الی نوح انه لن یومن من قومک الا من قد امن فلا تبتئس بما کانوا یفعلون. (پ۱۲ سورہ ہود ۳۶)

"اور نوح کو وحی ہوئی کہ تمہاری قوم سے مسلمان نہ ہوں گے مگر جتنے ایمان لا چکے، تو غم نہ کھا اس پر جو وہ کرتے ہیں"

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا کَذَّبُوْنَ. (پ۱۸ سورہ مومنون ۲۶)

"نوح (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے رب میری امداد فرما! اس پر کہ انہوں نے میری تکذیب کی۔

اس دعا میں بھی اشارہ ملتا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو تباہ و برباد کرنے کی درخواست رب کے حضور پیش کر دی۔

وَقَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ کَذَّبُوْنِ ، فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ. (پ۱۹ سورہ شعراء ۱۱۷، ۱۱۸)

"عرض کی اے میرے رب میری قوم نے مجھے جھٹلایا تو مجھ میں اور ان میں پورا فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے ساتھ والے مسلمانوں کو نجات دے۔

فَدَعَا رَبَّهٗ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (پ۲۷ سورہ قمر ۱۰)

"تو آپ نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں مغلوب ہوں تو میرا بدلہ لے"

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا اِنَّکَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا

(پ۲۹ سورہ نوح ۲۶، ۲۷)

"اور نوح (علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ بے شک اگر تو انہیں رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی اولاد ہو گی تو وہ بھی نہ ہو گی مگر بدکار، بڑی ناشکر"

نوح علیہ السلام نے قوم کو برباد کرنے کے لئے دعا اس لئے نہیں کی کہ آپ کو گالیاں دینے کی دھمکی دی گئی تھی یا آپ کو سنگسار کرنے کے لئے انہوں نے کہا تھا بلکہ صرف وجہ یہ تھی کہ اے اللہ جیسے تو نے خود بتا دیا ہے کہ جو ایمان لا چکے ہیں ان کے بغیر اور کوئی ایمان لانے والے نہیں تو ان سے ایمان کی توقع جب نہیں اور ان کی اولاد سے بھی سوائے بدکاری اور ناشکری کی تو ان کو زندہ رکھنے کا کیا فائدہ ان کو تباہ و برباد کر دے۔

فانتصر لک ولدینک فانی غلبت وعجزت عن الانتصار لدینک

(تفسیر کبیر زیر آیت فدعا ربہ انی مغلوب)

"اے اللہ میں تو عاجز و مغلوب ہو چکا ہوں تو اپنے دین اور اپنے ایمان لانے والے بندوں کی خاطر میری امداد فرما"

نوح علیہ السلام کی دعا کے بعد رب تعالیٰ نے فرما دیا کہ تمہاری قوم کو غرق کر دیا جائے گا تم اپنے اور ایمان والے لوگوں کے بچاؤ کے لئے کشتی تیار کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بَاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ (پ۱۲ سورت ہود ۳۷)

''اور کشتی بناؤ ہمارے حکم سے اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات نہ کرنا وہ ضرور ڈبوئے جائیں گے۔

یعنی کافروں کے عذاب کی تاخیر کی کہیں دعا نہ کر دینا کیونکہ ان کے غرق ہونے کا یقینی فیصلہ ہو چکا ہے ان کے غرق ہونے کا وقت بھی معین ہو چکا ہے اس لئے جلدی کا مطالبہ بھی نہ کرنا، کیونکہ وقت مقرر سے پہلے ان پر عذاب نہیں آئے گا۔

آپ کی ایک بیوی اور ایک بیٹا بھی کافر ہیں وہ بھی غرق ہو جائیں گے ان کے بارے کی دعا بھی نہ کرنا کیونکہ تمام کافروں کے ڈبونے کے فیصلہ میں کوئی ترمیم نہیں ہوگی۔

(از تفسیر کبیر ج ۱۷ ص ۲۲۲)

روح المعانی ج ۷ ص ۴۹ پر درج ہے کہ ابن عسا کر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نوح علیہ السلام کو معلوم نہیں تھا کہ کیسے کشتی بنائیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ کشتی کا اگلا حصہ مرغ کے سر کی طرح بنانا اور اس کا درمیان کا حصہ پرندوں کے پوٹے کی طرح بنائیں اور پچھلا حصہ مرغ کی دم کی طرح بنائیں اور اس کے اطراف میں دروازے بنائیں میخوں سے مضبوط کریں اور سوائے نیچے والی طرف کے، ہر طرف میں تارکول کی لپائی کردو۔ کشتی بنانے میں جبرائیل اور کچھ دوسرے فرشتوں نے بھی معاونت کی۔

تفسیر کبیر ج ۱۷ ص ۲۲۳ پر رقم ہے کہ کشتی کی لمبائی تین سو ذراع (ساڑھے چار سو فٹ) چوڑائی پچاس ذراع (پچھتر فٹ) اور اونچائی تیس ذراع (پینتالیس فٹ) تھی۔ ساگوان کی لکڑی سے تیار کی گئی تھی جس کے تیار کرنے میں دو سال صرف ہوئے۔ کشتی تین منزلہ تھی، پہلی منزل میں وحشی جانور، درندے اور حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) تھے اور درمیانی حصہ میں پالتو جانور چوپائے وغیرہ تھے اور سب سے اوپر والی منزل میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے حضرات تھے اور اپنا زادِ راہ یعنی کھانے پینے کی اشیاء رکھی گئی تھیں۔

تفسیر روح المعانی میں درج ہے کہ کشتی میں وہی لوگ سوار تھے جو آپ کے ساتھ ایمان لائے تھے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا تھا، آپ کے تین بیٹے اور ہر ایک کی زوجہ اور نوح علیہ السلام خود اور آپ کی ایک زوجہ گھر کے یہ آٹھ افراد تھے اور ستر افراد اور تھے جنہوں نے ایمان قبول کیا

اس طرح کشتی میں سوار ہونے والوں کی کل تعداد اٹھہتر (۷۸) تھی۔ علامہ آلوسی نے آپ کے بغیر اناسی آدمی یعنی بہتر اور سات آپ کے قبیلے کے اور ایک آپ خود اس طرح کل اسی آدمی تھے، اس روایت کو زیادہ صحیح قرار دیا۔

خیال رہے کہ نوح علیہ السلام کی ایک زوجہ اور ایک بیٹا کنعان کافر تھے جو غرق ہو گئے تھے ان کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کشتی بنا رہے تھے تو قوم آپ سے پوچھتی تھی اسے کیا کرو گے تو آپ فرماتے یہ سیلاب میں کام آئے گی۔ یہ سن کر قوم مزاح اڑاتی کہ اس علاقے میں پانی کا کوئی دریا نہیں تو اتنی بڑی کشتی بنانا کہ یہ پانی میں کام آئے گی؟ (معاذ اللہ) یہ تو سراسر حماقت ہے۔

کبھی کہتے پہلے تو تم نبوت کا دعویٰ کر رہے تھے اب بڑھئی بن گئے ہو اس طرح وہ تمسخر اڑا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طریقے کو ذکر فرمایا:

وَيَصْنَعُ الْفُلْکَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ. (پ۱۲ سورت ہود ۳۸)

''اور نوح کشتی بناتے ہیں اور جب اس قوم کے سردار اس پر گزرتے ہیں اس پر ہنستے بولے اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ایک وقت ہم تم پر ہنسیں گے جیسا کہ تم ہنستے ہو''

یعنی آج اگر تم ہمارے کشتی بنانے پر اعتراض کرتے ہو مزاح کرتے ہو تو تم جب ہلاک ہو جاؤ گے تو ہم بھی اللہ کے دشمنوں کے ہلاک ہونے پر خوش ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بتا دیا تھا کہ جب تنور سے پانی نکلنا شروع ہو جائے تو سمجھو کہ اب طوفان آ رہا ہے اس وقت تم کشتی پر سوار ہو جانا تمام جانوروں کا ایک ایک جوڑا اور ایمان لانے والوں کو بھی ساتھ کشتی میں سوار کر لینا۔ یہ تنور کوفہ میں تھا صحیح یہی ہے کہ عام تنور تھا جس میں آپ کی زوجہ روٹیاں پکاتی تھی اسی سے طوفان کی ابتداء ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ

''اور یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آیا تو تنور نے جوش مارا''

یعنی جس طرح ہنڈیا ابلتی ہے اس طرح تنور ابلنا شروع ہوا تو آپ علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ اب طوفان آنے ہی والا ہے۔

کشتی پر سوار ہونے اور دعا پڑھنے کا حکم

جب تنور سے پانی نکلنا شروع ہوا تو حضرت نوع علیہ السلام نے تمام ایمان والوں کو
دیدیا کہ اب کشتی پر سوار ہو جاؤ اور سوار ہوتے وقت اللہ کے نام سے ابتدا کرو۔

وَقَالَ ارۡكَبُوۡا فِيۡهَا بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖهَا وَمُرۡسٰهَا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ

(پ۱۲ سورت ہود)

''اور آپ نے کہا اس میں سوار ہو اللہ کے نام پر اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا، بے
شک میرا رب ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کشتی پر سوار ہو کر اللہ کا نام لینے کا حکم دے کر
واضح کیا کہ کشتی حقیقت میں اتنے بڑے طوفان سے نجات کا ذریعہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل
ہی اسے چلنا ہے اور اسی کے فضل سے اس نے لنگر انداز ہونا ہے۔ آپ علیہ السلام کا مقصد
کہ کشتی پر اعتماد نہ کرو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرو، یہ کشتی تو صرف ایک سبب ہے۔

جب طوفان کی ابتداء تنور سے ہو چکی تو آسمانوں کو پانی برسانے اور زمین کو چشموں
پانی نکالنے کا حکم دے دیا گیا، آسمانوں اور زمین کے پانی نے مل کر ایک عظیم ہولناک منظر پیش
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَفَتَحۡنَاۤ اَبۡوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنۡهَمِرٍ ۖ وَّفَجَّرۡنَا الۡاَرۡضَ عُيُوۡنًا فَالۡتَقَى
الۡمَآءُ عَلٰٓى اَمۡرٍ قَدۡ قُدِرَ. (پ۲۷ سورت قمر ۱۱،۱۲)

''ہم نے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے زور کے بہتے پانی سے اور زمین
چشمے کر کے بہادی (یعنی زمین سے چشمے جاری کر کے زور سے پانی بہادیا) تو
دونوں پانی مل گئے اس مقدار پر جو مقدر تھی''

زمین و آسمان کے پانیوں نے مل کر اتنی شدید طغیانی برپا کردی کہ موجیں جب اٹھتیں
بہت بڑے بلند پہاڑوں کی طرح نظر آتیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَهِىَ تَجۡرِىۡ بِهِمۡ فِىۡ مَوۡجٍ كَالۡجِبَالِ. (پ۱۲ سورت ہود ۴۲)

''اور وہ (کشتی) انہیں لئے جا رہی تھی ایسی موجوں میں جیسے پہاڑ''

اس آیت کی تفسیر میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موجوں کی بلندی اس
وقت ہوتی ہے جب ہوا بھی تیز اور شدید ہو اس سے پتہ چلتا ہے کہ شدید بارشوں اور زمین

پانی چھوڑنے کے ساتھ شدید آندھیاں بھی چل رہی تھیں جن سے اٹھنے والی موجیں پہاڑوں کی
چوٹیوں سے باتیں کر رہی تھیں۔ (از کبیر ج ۱۷ ص ۲۳۰)

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی دس رجب کو چلی اور دس محرم کو جودی پہاڑ پر لنگر انداز
ہوگئی کشتی چھ ماہ مسلسل طوفان میں رہی دس محرم کو طوفان سے نجات ملنے پر حضرت نوح علیہ السلام
اور آپ کی قوم نے روزہ رکھا۔

فصام نوح عليه السلام وامر جميع من معه من الوحش والدواب فصاموا شكرا الله

''نوح علیہ السلام نے خود بھی روزہ رکھا اور اپنے ساتھ تمام لوگوں اور وحشی
جانوروں اور دوسرے جانوروں کو بھی حکم دیا سب نے اللہ کا شکریہ ادا کرتے
ہوئے روزہ رکھا''

سبحان اللہ! نبی کی عظمت کو جانور تو جانتے ہیں بے وقوف لوگ نہ جانیں تو اپنی بدبختی کا
ماتم کریں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن پاک میں مندرجہ ذیل مقامات پر ہے۔

(۱) پارہ ۳ سورہ ال عمران رکوع ۴
(۲) پارہ ۶ سورہ نساء رکوع ۲۳
(۳) پارہ ۷ سورہ انعام رکوع ۱۰
(۴) پارہ ۸ سورہ اعراف رکوع ۸
(۵) پارہ ۱۰ سورہ توبہ رکوع ۹
(۶) پارہ ۱۱ سورہ یونس رکوع ۸
(۷) پارہ ۱۲ سورہ ہود رکوع ۳
(۸) پارہ ۱۳ سورہ ابراہیم رکوع ۲
(۹) پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۲
(۱۰) پارہ ۱۶ سورہ مریم رکوع ۴

(۱۱) پارہ ۱۷ سورہ انبیاء رکوع ۶

(۱۲) پارہ ۱۷ سورہ الحج رکوع ۶

(۱۳) پارہ ۱۸ سورہ مومنون رکوع ۲

(۱۴) پارہ ۱۹ سورہ فرقان رکوع ۴

(۱۵) پارہ ۱۹ سورہ الشعراء رکوع ۶

(۱۶) پارہ ۲۰ سورہ عنکبوت رکوع ۲

(۱۷) پارہ ۲۱ سورہ احزاب رکوع ۱

(۱۸) پارہ ۲۳ سورہ الصفت رکوع ۳

(۱۹) پارہ ۲۳ صورہ ص رکوع ۱

(۲۰) پارہ ۲۴ سورہ المومن رکوع ۴

(۲۱) پارہ ۲۵ سورہ الشوریٰ رکوع ۲

(۲۲) پارہ ۲۶ سورہ ق رکوع ۱

(۲۳) پارہ ۲۷ سورہ الزاریات رکوع ۲

(۲۴) پارہ ۲۷ سورہ النجم رکوع ۳

(۲۵) پارہ ۲۷ سورہ القمر رکوع ۱

(۲۶) پارہ ۲۷ سورہ الحدید رکوع ۴

(۲۷) پارہ ۲۸ سورہ التحریم رکوع ۲

(۲۸) پارہ ۲۹ سورہ الحاقہ رکوع ۱

(۲۹) پارہ ۲۹ سورہ نوح رکوع ۱۔۲

حضرت ہود علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے آٹھ سو سال بعد تشریف لائے اور چار سو چونسٹھ (۴۶۴) سال اس دنیا میں ظاہری حیات میں رہے اور پھر اس دنیا فانی سے رحلت فرمائی اور حیات جاودانی حاصل کی۔

حضرت ہود علیہ السلام ''عاد'' قبیلہ سے ہیں۔اس قبیلہ کو''عاد اولیٰ'' کہا گیا ہے اور ''عاد ثانیہ'' حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کو کہا جاتا ہے جو'' قوم ثمود'' کے نام سے مشہور ہے۔حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک شخص کا نام''عاد'' تھا اس کی طرف منسوب ہونے والی قوم کو''عاد'' کہا گیا ہے۔

عاد کا نسب یہ ہے: عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔

حضرت ہود علیہ السلام کا نسب: ہود بن عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد ہے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا. (پ ۸ سورۃ اعراف ۶۵)

''ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے ہم قوم ہود کو بھیجا''

(صاوی علی الجلالین ص ۴، ۱۸، جمل حاشیہ جلالین ص ۱۳۵)

یہاں کئی مترجمین نے''اخاھم'' کا ترجمہ ''ان کا بھائی'' کیا ہے، جو سراسر غلط ہے۔پوری قوم کے افراد آپ کے حقیقی بھائی نہیں تھے اور اللہ تعالیٰ کا نبی کفار کا دینی بھائی بھی نہیں ہوسکتا۔آپ علیہ السلام صرف ان کی قوم کے ایک فرد تھے، اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی

رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ ''ہم قوم'' کیا ہے۔ اور یہی علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کو عاد کا ''ہم قوم'' اور صالح علیہ السلام کو ''ثمود'' کا ہم قوم
کفارِ مکہ کا رد کیا، جو یہ کہتے تھے کہ ''محمد'' ہماری ہی قوم سے ہو کر نبی کیسے بن گئے؟ رب تعالیٰ نے فرمایا: قوم عاد سے ہود علیہ السلام تھے لیکن ان کے نبی تھے، ثمود کی قوم سے صالح علیہ السلام تھے لیکن ان کے نبی تھے۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر)

قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ

(پ ۸ سورۃ اعراف ۶۵)

''کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تمہیں ڈر نہیں''

آپ علیہ السلام نے فرمایا: کیا تمہیں ڈر نہیں؟ یعنی آپ نے ان کے ڈرنے کو بعید سمجھا اور گویا یہ کہا کہ تم ڈرتے ہی نہیں ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو عذاب دیا جا چکا ہے، جس کا تمہیں علم ہے اگر تمہیں کچھ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ڈر اور خوف ہوتا تو ضرور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتے، بت پرستی کی حماقت نہ کرتے۔

قال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ ان انتم الا مفترون، یاقوم لا اسئلکم علیہ اجرا ان اجری الا علی الذی فطرنی افلا تعقلون ویا قوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یرسل السماء علیکم مدرارا ویزد کم قوۃ الی قوتکم ولا تتولوا مجرمین

(پ ۱۲ سورۃ ہود ۵۰-۵۲)

''کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں تم صرف افتراء باندھنے والے ہو اے قوم میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے تو کیا تمہیں عقل نہیں اور میری قوم اپنے رب سے معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع کرو تم پر زور کی بارش برسائے گا اس سے زیادہ دے گا اور جرم کرتے ہوئے روگردانی نہ کرو''

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی خصوصاً ان کے تین بڑے بت تھے جن کو وہ اپنے بڑے معبود سمجھتے تھی ان بتوں کے نام صداء صمود اور ہباء تھے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم

عمان اور ''حضرموت'' کے درمیان پھیلی ہوئی تھی یہ ایک ریگستانی وادی تھی جس کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ. (پ ۲۶ سورۃ احقاف ۲۱)

''اور یاد کرو عاد کے ہم قوم کو جب اس نے ان کو سرزمین احقاف میں ڈرایا''

ہود علیہ السلام نے جب ان کو شرک سے باز رہنے بت پرستی کو چھوڑنے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کی دعوت دی تو قوم نے آپ کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے تین سال تک بارش روک لی، قحط سالی پڑ گئی، ان کی عورتوں کو بھی تین سال تک بانجھ کر دیا ان کے بچوں کی پیدائش معطل ہو گئی۔

ہود علیہ السلام نے تین شخصوں کو اپنی قوم کے پاس بھیجا کہ تم انہیں سمجھاؤ وہ تین شخص یہ تھے قیل بن عشر، نعیم بن ہزال اور مرثد بن سعد، یہ درحقیقت آپ پر ایمان لائے ہوئے تھے لیکن اپنی قوم سے ایمان کو چھپایا ہوا تھا۔ ان تینوں کو بھیجنے کا مقصد یہی تھا کہ قوم انہیں اپنا سمجھ کر ان کی بات کو مانے گی اور سوچیں گے کہ یہ ہمارے اپنے ہی لوگ ہمیں نصیحت کر رہے ہیں تو یقیناً اس میں بھلائی ہو گی لیکن قوم سوچنے اور ماننے سے عاری ہی رہی۔

آپ نے قوم کو ان تینوں کے ذریعے کہلایا: کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ، رب تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف خشوع و خضوع سے رجوع کرو، تو اللہ تعالیٰ تمہیں زور کی بارش عطا کر دے گا اور تمہیں کثیر مال عطا کرے گا اور تمہیں بیٹے عطا کرے گا اور تمہارے لئے بارش سے نہریں اور باغات بنائے گا اور تمہیں پہلے سے زیادہ طاقتور بنائے گا۔

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دینی اور دنیاوی نعمتیں عطا فرماتا ہے، اگرچہ دنیاوی نعمتوں کی کوئی حیثیت نہیں لیکن انسانی فطرت ہے کہ وہ دنیا میں رہنے اور دنیاوی نعمتوں کو دیکھنے کی وجہ سے ان کی طرف زیادہ رغبت کرتا ہے اور چونکہ وہ لوگ کھیتی باڑی اور باغبانی کے کام کرتے تھے اس لئے ان کے لئے اسی قسم کی نعمتوں کا ذکر کرنا ہی مناسب تھا۔ ہود علیہ السلام نے قوم کو ان الفاظ سے راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔

فاتقوا اللہ واطیعون، وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین اتبنون بکل ریع آیۃ تعبثون وتتخذون مصانع لعلکم تخلدون واذا بطشتم جبارین فاتقوا اللہ واطیعون واتقوا الذی

امدکم بما تعلمون امد کم بانعام وبنین وجنات وعیون

(پ ۱۹ سورۃ شعراء ۱۳۲،۱۳۴)

"اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اوراس سے ڈرو جس نے تمہاری مدد کی ان چیزوں سے کہ تمہیں معلوم نہیں، تمہاری مدد کی چوپاؤں اور بیٹوں اور باغوں اورچشموں سے، میں تمہیں اللہ کے راستے کی دعوت دیتا ہوں اور یہ کہتا ہوں: بے ہودہ کاموں کو چھوڑ دو، دنیا سے دل نہ لگاؤ تم نے یہاں ہمیشہ زندہ نہیں رہنا، ایسے کام کرو جن سے تمہیں نفع ہو"

قوم عاد کو اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا وہ یہ کہتے تھے کہ ہم سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں ہوسکتا

فاما عاد فاستکبروا فی الارض بغیر الحق وقالوا من اشد منا قوۃ اولم یروا ان اللہ الذی خلقھم ھو اشد منھم قوۃ وکانوا بایتنا یجحدون

"وہ جو عاد تھے انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور بولے ہم سے زیادہ کس کا زور ہے اور کیا انہوں نے نہ جانا کہ اللہ جس نے انہیں بنایا ان سے زیادہ قوی ہے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے"

قوم عاد کے چھوٹے قد ساٹھ ذراع (نوے فٹ) اور بڑے قد ایک سو ذراع (ایک سو پچاس فٹ) تھے، اسی وجہ سے اپنے جسموں اور طاقت کے گھمنڈ میں یہ کہتے تھے کہ ہم سے کوئی طاقتور نہیں، ہم پہاڑ سے بڑے بڑے پتھر، چٹانیں اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں، اگر عذاب ہمارے سامنے آ گیا تو ہم اسے اپنے ہاتھوں سے روک لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنی طاقت پر ناز کرتے ہو کبھی میری طاقت کو بھی تصور میں لایا کرو، میری طاقت کے مقابل کسی کو کوئی مجال نہیں۔ (جلالین ص ۳۹۸، تفسیر صاوی علی الجلالین)

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ

"کیا ہر بلندی پر ایک نشان بناتے ہو راہ گیروں سے ہنسنے کو"

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں:

ایک یہ ہے کہ وہ بلندی پر بلند محل بناتے تاکہ گزرنے والے لوگ ان کی شان سے واقف ہوں، یہ کام چونکہ بے فائدہ تھا اس لئے تعبثون کہا گیا ہے اور ہماری شریعت میں بھی بغیر غرض شرعی کے بلند تعمیرات کی مذمت بیان کی گئی ہے اور حضور ﷺ نے ناپسند فرمایا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ بلند عمارتیں اس لئے تعمیر کرتے تھے تاکہ گزرنے والے ان سے راہنمائی حاصل کریں، حالانکہ ان کا یہ کام بھی بے مقصد اور بے فائدہ تھا، کیونکہ ستاروں سورج وغیرہ سے راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ بادل وغیرہ کا چھا جانا کبھی کبھی ہوتا ہے اور خصوصاً عرب کے شہروں میں تو بہت ہی کم واقع ہوتا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ وہ بلند برج بناتے تاکہ کبوتروں کے ساتھ کھیل میں مشغول ہوسکیں، یعنی وہ کبوتر بازی کے لئے عبث طور پر بلند برج تعمیر کرتے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ وہ ہر پہاڑ میں راستہ پر مکان تعمیر کرتے تھے تاکہ چونگی حاصل کرسکیں۔

پانچواں قول یہ ہے کہ وہ بلند مقامات پر بلند عمارتیں تعمیر کرتے تھے تاکہ وہ راستہ سے گزرنے والوں سے مزاح کرسکیں، ان کا تمسخر اڑا سکیں اور انہیں تنگ کرسکیں۔ اسی آخری قول کے مطابق اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان نے ترجمہ کیا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو سمجھایا کہ تمہارے طور طریقے ایسے ہیں کہ تم یہ سمجھتے ہو تم نے ہمیشہ دنیا میں رہنا ہے حالانکہ دنیا فانی ہے اس میں ہمیشہ کے لئے دل نہ لگاؤ۔

وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ

"اور مضبوط محل چنتے ہو اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے"

ایک معنی اس کا یہ بھی ہے اور تم زمین میں جمع کرنے کے لئے حوض بناتے ہو یہ سارے کام اسی خیال سے کرتے تھے کہ ہم نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ

"اور جب کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑی بے دردی سے گرفت کرتے ہو"

وہ جب کسی پر گرفت کرتے تو اسے کوڑے مارتے اور تلوار سے ضرب لگاتے یا ظالموں کو ان پر مسلط کرتے، جنہیں کچھ رحم نہ آتا اور ادب سکھانے کا ارادہ بھی نہیں ہوتا تھا اور اچھے انجام کی طرف بھی نظر نہیں ہوتی تھی۔ ان افعال قبیحہ پر حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کی مذمت کی۔

وان وجب ضرب ابن عشر بید لا بخشبۃ ای عصا اوسوط او غیرہ لحدیث مرو اولاد کم بالصلوۃ وھم ابناء سبع واضربوھم وھم ابناء عشر ولا یجاوز الثلاث وکذا المعلم لیس لہ ان یجاوزھا قال علیہ الصلوۃ والسلام لمرداس المعلم ایاک ان تضرب فوق

الثلاث فانک ان ضربت فوق الثلاث اقتص الله منک

(درمختار و شامی ج ۱ ص ۲۵۸)

بچے جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے کی صورت میں ان کو ہاتھ سے مارنا ضروری ہے لیکن ڈنڈے یا کوڑے سے مارنا ناجائز ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو انہیں مارو (یعنی اگر وہ نماز نہ پڑھیں)

حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ مارنا بھی ہاتھ سے مراد ہے اور وہ بھی دو تین تھپڑ سے زیادہ نہ ہوں استاد کے لئے بھی یہی حکم ہے نبی کریم ﷺ نے بچوں کو پڑھانے والے ایک استاد مرداس کو کہا کہ تم تین ضربوں (تھپڑ) سے زیادہ مارنے سے اپنے آپ کو دور رکھو اگر تم نے تین مرتبہ سے زیادہ مارا تو اللہ تعالیٰ تم سے بدلہ لے گا۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ

''ان کی قوم کے کافر سردار بولے بے شک ہم تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں اور بے شک ہم تمہیں جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں''

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ

(پ ۸ سورۃ اعراف ۶۰)

''اس کی قوم کے سردار بولے بے شک ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں''

نوح علیہ السلام کی قوم کے تمام سردار ہی کافر تھے، اس لئے یہاں لفظ ''کفروا'' استعمال نہیں ہوا لیکن ہود علیہ السلام کی قوم میں بعض سردار در پردہ ایمان بھی لائے ہوئے تھے، اس لئے ''کفروا'' استعمال ہوا ہے۔ یعنی آپ کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: اسی طرح نوح علیہ السلام کی قوم نے جب دیکھا کہ یہ کشتی بنا رہے ہیں تو قوم نے آپ کو ''ضلال مبین'' سے تعبیر کیا کہ کوئی پانی نہیں کوئی کیچڑ نہیں، یہاں کشتی بنانا کھلی گمراہی ہے۔ لیکن ہود علیہ السلام نے ان کی بت پرستی کو سفاہت و حماقت سے تعبیر کیا تھا تو قوم نے بھی کہا:

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ

''تو تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں''۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر و صاوی علی الجلالین)

ہود علیہ السلام نے قوم کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ

''اے میری قوم مجھے بے وقوفی سے کیا علاقہ میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں''

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ۔ (پ ۸ سورۃ اعراف ۶۸)

''میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہارا معتمد خیر خواہ ہوں''

انبیائے کرام کو ان کی قوموں نے (معاذ اللہ) گمراہ اور بے وقوف کہا لیکن انہوں نے ان کا جواب اس طرح نہیں دیا بلکہ تحمل مزاجی سے اور حسن اخلاق سے انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی کیونکہ انبیائے کرام کی شان کے لائق ہی یہ ہے کہ وہ بے ہودہ باتوں کا جواب اسی طرح دیں حالانکہ جتنی گالی کسی شخص کو دی جائے اتنا جواب دینا جائز ہوتا ہے، لیکن انبیاء کرام کی شان بہت بلند ہوتی ہے۔ ان کا ہر کلام ان کی شان کے لائق ہوتا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو سیدھی راہ پر لانے کی ہر طرح کوشش کی لیکن قوم نے ہمیشہ کج روی کی۔

قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّ مَا نَحْنُ بِتَارِكِیْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَ مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ

(پ ۱۲ سورۃ ہود ۵۳، ۵۴)

''قوم نے کہا اے ہود علیہ السلام تم کوئی دلیل لے کر ہمارے پاس نہ آئے اور ہم خالی تمہارے کہنے سے اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں نہ تمہاری بات پر یقین لانے والے ہیں ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی خدا کی تمہیں بری جھپٹ پہنچی ہے''

قوم نے کذب بیانی کرتے ہوئے کہا تم ہمارے پاس معجزات اور دلائل نہیں لائے ہو جن سے حق و باطل میں تمیز ہو سکے۔

ومن المعلوم انه علیه السلام کان قد اظهر المعجزات الا ان القوم بجهلهم انکروها

''یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ ہود علیہ السلام نے معجزات ظاہر فرمائے مگر قوم نے اپنی جہالت کے پیش نظر ان کا انکار کیا اور گمان کیا کہ آپ کوئی معجزات نہیں لائے''

قوم نے کہا کہ ہم تمہارے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں، یہاں ...
اس لئے باطل تھا کہ وہ اس کا اقرار بھی کرتے تھے کہ نفع ونقصان صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ...
قدرت میں ہے۔ یہ بت نفع ونقصان کے مالک نہیں، اس پر تو عقل کا تقاضا یہ تھا کہ وہ بت
کو چھوڑ دیتے، ان کا بت پرستی کو نہ چھوڑنا عقل کے خلاف تھا، جو خود ہی ان کی حماقت کو واضح کر
تھا، ان کا یہ کہنا کہ ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں، یہ صرف ضد اور حسد وعناد تھا۔ ورنہ بظاہر انکار
کی کوئی وجہ نہ تھی۔ قوم کا یہ کہنا کہ ہمارے معبودوں کی برائی تم بیان کرتے ہو، انہوں نے تمہیں
(معاذ اللہ) دیوانہ بنا دیا ہے، تمہاری عقل کو ضائع کر دیا ہے۔ یہ بھی ان کی حماقت کو واضح کر رہا
کہ ادھر یہ کہتے ہے کہ بت نفع ونقصان کے مالک نہیں اور ادھر کہتے ہمارے بتوں نے تمہیں مصیبت
پہنچادی ہے۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر)

قَالَ اِنِّیْ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ، مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنَ، اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

"آپ نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم سب گواہ ہو جاؤ کہ میں بیزار ہوں
ان سب سے جنہیں تم اللہ کے سوا شریک ٹھہراتے ہو تم سب مل کر میرا برا چاہو
پھر مجھے مہلت نہ دو میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا رب ہے اور تمہارا رب،
کوئی چلنے والا نہیں جس کی چوٹی اس کے قبضہ قدرت میں نہ ہو، بے شک میرا
رب سیدھے راستہ پر ملتا ہے"

حضرت ہود علیہ السلام کا یہ بہت بڑا معجزہ ہے کہ ایک شخص بہت بڑی قوم کا مقابلہ کر رہا
ہے، انہیں کہہ رہا ہے کہ تم تمام مل کر میری عداوت میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑو، مجھے نقصان پہنچانے
میں اپنی پوری کوشش کرلو، مجھے کوئی مہلت نہ دو، مجھے تمہارا کوئی خوف وخطرہ نہیں، مجھے تو اپنے رب
پر پورا بھروسہ ہے، وہی میرا محافظ ہے، وہی مجھے بچانے والا ہے۔ ساری مخلوق اسی کے قبضہ
قدرت میں ہے، کسی کو ذات باری سے مقابلہ کرنے کی کوئی طاقت نہیں۔

جب ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو سیدھی راہ پر لانے کی پوری کوشش صرف کر دی لیکن
قوم نے بت پرستی کو نہ چھوڑا تو آپ نے کہا اے میری قوم اب اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرو۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَیْكُمْ وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَ

كُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْئًا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ

"پھر اگر تم منہ پھیرو تو میں تمہیں پہنچا چکا جو تمہاری طرف دے کر بھیجا گیا اور میرا
رب تمہاری جگہ اوروں کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے، بیشک میرا
رب ہر شے پر نگہبان ہے"

آپ علیہ السلام نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات تم تک پہنچا دیئے ہیں تمہیں
کامیابی کا راستہ بتا دیا ہے لیکن تم نے اپنی ضد نہ چھوڑی بت پرستی پر قائم رہے اب رب کا عذاب
آنے والا ہے جو تمہیں تباہ و برباد کر دے گا اگر تم چاہو کہ اس کے عذاب کا مقابلہ کرو تو تم ایسا کبھی
نہیں کر سکو گے وہ تو تمہیں برباد کر دے گا لیکن تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے اور تمہیں برباد کرنے
سے اس کی بادشاہت میں کوئی فرق بھی نہیں آئے گا اس لئے کہ وہ قدرت کا مالک ہے تمہاری جگہ
وہ نئی مخلوق پیدا فرما دے گا جو اس کی اطاعت کریں گے اس کے حکم کی بجا آوری میں کوئی کمی نہیں
ہونے دیں گے۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر)

اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ۔ (پ ۸ سورۃ اعراف ۵۹)

"بیشک مجھے تم پر ڈر ہے ایک بڑے دن کا عذاب کا"

یعنی دنیا میں بھی تم پر شدید عذاب آئے گا اور آخرت میں بھی تم شدید عذاب میں
گرفتار ہو گے، اس لئے کہ جس طرح رب کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا نعمتوں کی زیادتی کا سبب بنتا
ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران شدید عذاب کا ذریعہ ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لئن شکر تم لا زید نکم ولئن کفر تم ان عذابی لشدید

(پ ۱۳ سورۃ ابراہیم ۷)

"اگر تم نے شکریہ ادا کیا تو میں تمہیں اور (نعمتیں) دوں گا اور اگر ناشکری کرو تو
میرا عذاب سخت ہے"۔ (ماخوذ از روح المعانی)

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ، اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ، وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ (پ ۱۹ سورۃ شعراء ۱۳۶۔۱۳۸)

"انہوں نے کہا ہمیں برابر ہے چاہے تم نصیحت کرو یا نصیحت کرنے والوں میں نہ ہو،
یہ تو نہیں مگر وہ اگلوں کی ریت (طور طریقہ) اور ہمیں عذاب ہونا ہی نہیں"

قوم نے کہا ہمیں تمہارے عذاب کے خوف دلانے کی کوئی فکر نہیں ہم تمہارے وعظ

سے نصیحت حاصل کرنے والے نہیں تم بھی پہلے نبیوں کی طرح ہی ہمیں عذاب سے ڈرا رہے ہو یہ تو سابقہ رسم آ رہی ہے، ہم بڑی طاقت کے مالک ہیں، ہمیں عذاب کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

فلما راؤه عارضا مستقبل اودیتهم قالوا هذا عارض ممطرنا بل هو ماستعجلتم به ریح فیها عذاب الیم تدمر کل شیء باذن ربها فاصبحوا لا یری الا مساکنهم کذالک نجزی القوم المجرمین

(پ ۲۶ سورۃ الاحقاف ۲۴،۲۵)

"پھر جب انہوں نے عذاب کو دیکھا بادل کی طرح آسمان کے کنارے پھیلا ہوا ان کی وادیوں کی طرف آتا بولے یہ بادل ہے کہ ہم پر برسے گا بلکہ یہ وہ ہے جس کی تم جلدی کرتے تھے ایک آندھی ہے جس میں درد ناک عذاب ہر چیز کو تباہ کر ڈالتی ہے اپنے رب کے حکم سے تو صبح رہ گئے کہ نظر نہ آتے تھے مگر ان کے سونے کے مکان ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں مجرموں کو"

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ قوم عاد پر ہود علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے تین سال تک بارش کو روک دیا گیا تھا اس لئے جب قوم پر عذاب آنے کا وقت آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے سیاہ بادلوں کو چلایا جو ان کی وادیوں سے ظاہر ہوئے عام طور پر ایسے بادلوں کو "مغیث" (بارش برسانے والے) کہا جاتا ہے۔ وہ لوگ وادیوں سے اٹھتے ہوئے بادلوں کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے کہ بارش برسانے والے بادل آ گئے ہیں، اب تین سالہ قحط کا دور ختم ہونے والا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں بتایا یہ تو وہی ہے جس کی تمہیں جلدی پڑی ہوئی تھی کیونکہ وہ قوم کہتی تھی بے شک عذاب لے آؤ، اس سے پہلی آیات مبارکہ میں اسی مضمون کا ذکر ہے۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ قَالُوْا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ

"اور یاد کرو عاد کے ہم قوم (ہود) کو جب اس نے ان کو سرزمین احقاف میں ڈرایا اور بے شک اس سے پہلے ڈر سنانے والے (انبیائے کرام اور بھی) گزر چکے تھے اور اس کے بعد آئے کہ اللہ کی سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بے شک مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ انہوں نے کہا: کیا تم اس لئے

آئے کہ ہمیں ہماری معبودوں سے پھیرو؟ تو ہم پر لاؤ جس کا ہمیں وعدہ دیتے ہو، اگر تم سچے ہو"

یعنی جب قوم نے مطالبہ کیا کہ تم جس عذاب کے متعلق ہمیں ڈراتے ہو وہ بے شک لے آؤ گر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ وہ تو کہتے تھے عذاب آئے گا ہی نہیں، اگر آ ہی گیا تو ہم اپنی طاقت سے روک لیں گے۔

وَفِیْ عَادٍ اذ ارسلنا علیهم الریح العقیم ، ماتذر من شیء اتت علیه الا جعلته کالرمیم (۲۷ سورۃ ذاریات ۴۱،۴۲)

"اور عاد میں جب ہم نے ان پر خشک آندھی بھیجی جس چیز پر گزرتی اسے گلی ہوئی چیز کی طرح کر چھوڑتی"

واما عاد فاهلکوا بریح صرصر عاتیة، سخرها علیهم سبع لیال وثمانیة ایام حسوما فتری القوم فیها صرعی کانهم اعجاز نخل خاویة فهل تری لهم من باقیة (پ ۲۹ سورۃ الحاقۃ ۶۔۸)

"لیکن عاد وہ ہلاک کئے گئے نہایت سخت گرجتی آندھی سے وہ ان پر قوت سے لگا دی سات راتیں اور آٹھ دن لگاتار، تو ان لوگوں کو ان میں گرے ہوئے دیکھو گویا وہ کھجور کے ڈھنڈ ہیں گرے ہوئے، تو تم ان میں کسی کو بچا ہوا دیکھتے ہو"

پروردگار عالم جل جلالہٗ نے فرمایا کہ ہم نے قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ

"اور اسی طرح ہ نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا اس نے کہا اے قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں کیا تم انکار اور بدعملی کے نتائج سے نہیں ڈرتے"

قوم کا جواب

جیسا کہ ارشاد ہے:

وقال الملامن قومه الذین کفرو و کذبوا بلقاء الاخرة واترفتهم فی الحیوة الدنیا ماهذا الا بشر مثلکم یا کل مما تاکلون منه ویشرب مما تشربون ولئن اطتنم بشرا مثلکم انکم اذا لخسرون

''اور اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی اور آخرت کے پیش آنے سے منکر تھے کہا کہ اس سے زیادہ کیا جانتے ہو کہ تمہارے جیسا ایک آدمی ہے جو تم کھاتے ہو وہ بھی کھاتا ہے جو تم پیتے ہو وہ بھی پیتا ہے اور اگر تم اس کی پیروی کرو گے تو بیشک تم اس وقت بڑے خسارے والوں سے ہو گے''

(سورہ مؤمنون)

اور دوسرے مقام میں ارشاد ہے:۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ (سورہ ہود)

''اور طرف عاد کے بھیجا ہم نے بھائی ان کا ہودؑ کہا ہودؑ نے اے میری قوم عبادت کرو اپنے پروردگار کی تمہارے واسطے کوئی معبود نہیں سوائے اس کے لیکن تم صرف جھوٹ باندھنے والی قوم ہو اے میری قوم میں نہیں مانگتا تم سے اس تبلیغ پر کوئی معاوضہ نہیں میرا مگر اوپر اس ذات کے کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے کیا تم نہیں سمجھتے''

اور پارہ انیس سورہ الشعراء رکوع ۷ کے شروع میں ارشاد ہے۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ

''جب کہا واسطے ان کے بھائی ہودؑ نے کیا تم نہیں ڈرتے بیشک میں تمہارے لئے رسول ہوں یا امانت پس ڈرو اللہ سے اور فرمانبرداری کرو میری'' (سورہ الشعراء)

اور فرمایا ہود علیہ السلام نے۔

وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا وَّیَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ۔ (سورہ ہود)

''اے میری قوم بخشش مانگو اپنے رب سے پھر توبہ کرو اسی کی طرف تاکہ حکم کرے آسمان کو تاکہ بارش برسائے تم پر لگاتار اور تمہاری طاقت پر اور طاقت بڑھا دے اور نہ ہو تم مجرموں سے''

پروردگار عالم نے حضرت ہود علیہ السلام کو قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا انہوں نے خدا کی توحید کی دعوت دی کہ اس کے سوا بتوں کی پوجا پاٹ نہ کرو اور میں تم سے اس نصیحت تبلیغ پر کوئی معاوضہ نہیں لیتا اس تبلیغ پر مجھے میرا رب ثواب دے گا اور گزشتہ خامیوں سے توبہ کرو تمہاری سرکشی اور خدا کی نافرمانی کی وجہ سے جو تم پر بارشیں بند ہوگئیں ہیں اب فرمانبرداری اور استغفار کی وجہ سے تم پر بارشیں برسنے لگیں گی اور تمہارے باغات اور کھیتیاں تروتازہ ہو جائیں گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی استغفار کو لازم پکڑے اللہ تعالیٰ اسے ہر مشکل سے نجات دیتا ہے ہر تنگی سے کشادگی عطا فرماتا ہے اور روزی ایسی جگہ سے پہنچاتا ہے جو خود اس کے خواب خیال میں بھی نہ ہو۔ قوم کو حضرت ہود علیہ السلام نے ہر طرح سمجھایا مگر انہوں نے کوئی بات بھی نہ مانی۔

قوم نے یوں جواب دیا جیسا کہ پروردگار عالم جل جلالہٗ کا ارشاد ہے۔

قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ (سورہ ہود)

''کہا لوگوں نے اسے ہود نہیں لایا تو ہمارے پاس کچھ دلیل ظاہر اور نہیں ہم چھوڑنے والے معبودوں اپنے کو تیرے کہنے سے اور نہیں ہم واسطے تیرے ایمان لانے والے اور نہیں کہتے ہم مگر یہ کہ آسیب پہنچایا ہے تجھے بعض معبودوں ہماروں نے ساتھ برائی کے ہودؑ نے کہا کہ میں گواہ کرتا ہوں اللہ کو اور تم بھی گواہ رہو بیشک میں بیزار ہوں اس چیز سے شریک لاتے ہو تم سوائے اللہ کے پس مکر کرو تم مجھ سے سب مکر پھر مجھ کو ڈھیل نہ دو بیشک میں نے توکل کیا اللہ تعالیٰ پر جو پروردگار ہے میرا اور تمہارا۔ نہیں کوئی چلنے پھرنے والی چیز مگر پکڑ رہا ہے پیشانی اس کی بیشک پروردگار میرا سیدھی راہ پر ہے۔

قوم ہودؑ نے جواب دیا کہ ہم تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے ہمارے معبودوں کی پوجا سے ہمیں روکتا ہے ہمارے خیال میں ہمارے کسی معبود کی تجھے مار پڑی ہے۔ یہ سن کر اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا سنو میں تم کو اور اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں کہ خدا کے سوا تم جس کی عبادت کر رہے ہو میں ان سب سے بیزار ہوں اب تم اپنے ساتھ اوروں کو بھی بلا لو اور اپنے ان جھوٹے معبودوں کو بھی ملا لو اور تم سے جو کچھ ہو سکے مجھے نقصان پہنچا دو اور مجھے کوئی مہلت بھی نہ لینے دو اور نہ مجھ پر کوئی ترس کھاؤ جس قسم کا نقصان تمہارے بس میں ہے مجھے پہنچا دو میرا توکل پروردگار عالم جل جلالہٗ پر ہے جو میرا اور تمہارا سب کا مالک ہے دنیا بھر کے جاندار اسی کے قبضہ میں ہیں کوئی نہیں جو اس کے قبضے سے باہر ہو سب بندوں کی چوٹیاں خدا کے ہاتھ میں ہیں اپنے نیک بندوں پر خدا اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جیسا کہ ماں باپ اپنی اولاد پر مہربان ہوتے ہیں۔ اگر تم میری دعوت کو نہیں مانتے تو نہ مانو میں نے تم کو خدا کا حکم پہنچا دیا ہے۔ تم کو ہلاک کر کے میرا رب تمہارے بجائے اور لوگوں کو قائم کر دے گا اور تم خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے بیشک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔

اے ہود تو ہمیں بیوقوف نظر آتا ہے اور ہمارا گمان ہے کہ تو جھوٹوں سے ہے جیسا فرمان باری ہے۔

قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِہٖۤ اِنَّا لَنَرٰکَ فِیۡ سَفَاہَۃٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّکَ مِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ

”کہا ان لوگوں نے جو کافروں کے سردار تھے کہ ہم تم کو حماقت میں دیکھتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹ بولنے والوں میں سے ہو“

حضرت ہود علیہ السلام نے جواب دیا۔

قال یقوم لیس بی سفاھة ولکنی رسول من رب العلمین ابلغکم رسلت ربی وانا لکم ناصح امین

”کہا ہودؑ نے اے میری قوم میں احمق نہیں ہوں لیکن میں رسول ہوں پروردگار عالم کی طرف سے پہنچاتا ہوں پیغام اپنے رب کا اور میں تمہارے واسطے نصیحت کرنے والا خدا کا امانت دار ہوں۔ (سورہ اعراف)

اور یہ بھی یاد کرو کہ تم کو پروردگار عالم جل جلالہٗ نے قوم نوحؑ کا جانشین بنایا ہے اور

تمہاری دولت اور تمہاری نفری میں پروردگار عالم جل جلالہٗ نے ترقی دی ہے اور خدا کے احسان اور نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

روضۃ الاصفیان میں درج ہے کہ جب ہر طرح کی نصیحت سے قوم باز نہ آئی ہمیشہ پیغمبر کی نافرمانی کرتے رہے خدا کی نافرمانی کی وجہ سے ان پر بارش بند ہوگئی فصل اور باغات جل گئے۔ پروردگار عالم جل جلالہٗ اتنا مہربان ہے کہ اس زمانے میں کفار بھی جب خانہ کعبہ میں جا کر التجا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ ان کی فریاد بھی سن لیتا تھا اب بھی قوم عاد کے بڑے بڑے رئیس ستر آدمی قربانیاں لے کر مکہ مکرمہ گئے بارش کے واسطے دعا کے لئے یہ لوگ منزلیں قطع کر کے مکہ مکرمہ پہنچے وہاں معاویہ بن بکر کے گھر اترے عرب کے لوگ مہمان نواز ہیں وہاں طعام و شراب کی ضیافتیں شروع ہوئیں مجلس عیش و عشرت اور گانے بجانے میں اپنی قوم کی تکلیف بھول گئے معاویہ بھی ہمیشہ کے مہمانوں سے تنگ آ گیا اور سوچنے لگا کہ اشاروں کنایوں سے سمجھاتا ہوں تو مجھے بخیل اور کنجوس سمجھیں گے آخر گانے والوں کو ایک ایسی غزل سکھائی کہ جس کا مطلب اور ترجمہ یہ ہے کہ اپنی قوم کی مصیبت سے غافل ہو رہے ہو اور برسات کی دعاء سے کاہل ہو گئے ہو۔

جب عادیوں نے یہ غزل سنی ان کو اپنی قوم کی مصیبت یاد آ گئی پھر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور اپنی غفلت پر نادم ہوئے پھر تو رات دن دعا میں مشغول ہو گئے اور قربانیوں کے ذبح کرنے کا کام شروع کیا مرثد بن سعد ان میں پوشیدہ مسلمان تھا اس کا حضرت ہودؑ پر کامل یقین تھا وہ بھی ان میں آیا ہوا تھا اس نے کہا کہ جب تک حضرت ہود علیہ السلام کے کہنے پر نہ جاؤ گے اور خدا پر ایمان نہ لاؤ گے تو اپنے مدعا کو نہ پاؤ گے ان لوگوں نے اس سے جدائی کی اور خدا کی جناب میں دعا شروع کی پروردگار عالم جل جلالہٗ نے تین ٹکڑے بادل کے ظاہر کئے سفید و سیاہ اور سرخ اور آواز آئی کہ ان میں سے ایک ٹکڑا اختیار کرو چونکہ سیاہ بادل میں عموماً بارش ہوتی ہے اس لئے انہوں نے سیاہ ٹکڑا اختیار کیا سرخ و سفید بادل غائب ہو گئے۔

ہاتفی آواز آئی کہ یہ سیاہ ناگ ہے باقی نہ چھوڑے گا قوم عاد کو پروردگار عالم نے اس سیاہ بادل کو ملک عاد کی طرف روانہ کیا جب عادیوں نے سیاہ بدلیوں کو دیکھا تو خوشی کی دھوم مچائی کہ اس باراں سے ہماری امید کا باغ پر آب ہوگا اور تمنا کا درخت شاداب ہوگا۔ جب بادل آیا تو کافر ہود علیہ السلام سے مسخرے کرنے لگے جب ہودؑ نے عذاب الٰہی دیکھا تو چار ہزار مسلمان جو آپ کے ہمراہ تھے ان کے لئے اپنی انگلی سے مدور دائرہ بنایا اور مسلمانوں کو اس دائرہ کے اندر بٹھایا اور فرمایا جو کوئی اس دائرے کے اندر رہے گا وہ قہر الٰہی سے بچ جائے گا قوم عاد اس ابر کو دیکھ کر جمع ہوئے

اپنے اہل وعیال کو لے کر بادل کے نیچے گئے پہلے تو اس بار صرصر نے ان کے مردوں اور عورتوں اور چوپائیوں کو زمین سے اڑا کر آوارہ کیا اور نہایت زور سے زمین پر پٹخ کر پارہ پارہ کر دیا۔ باقی ماندہ لوگ اس عذاب کو دیکھ کر اپنے اپنے گھروں میں پوشیدہ ہوئے بعض کو تو دیواروں کے گرنے سے ہلاک کر دیا اور بعض باہر بھاگ کر زانو پر گر کر فی النار ہوئے اور مسلمانوں پر وہ قہر الٰہی کی ہوا پُر معتدل بن گئی قوم عاد مکانوں اور باغوں سمیت نیست ونابود ہوئے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں یوں بیان کیا ہے کہ قوم کے ستر آدمی جب مکہ مکرمہ بارش مانگنے کے واسطے گئے تو قوم عمالقہ وہاں آباد تھی۔ اس وقت مرثد کی قوم غالب تھی جب یہ عادی وہاں پہنچے اور اپنا مطلب بیان کیا تو مرثد نے کہا کہ یہاں کی دعا کو فائدہ نہ دے گی تم اس پیغمبر یعنی ہودؑ کی بات مانو اور اس کی تابعداری کرو اور دین حق کو مانو تا کہ یہ بلا تم سے ہٹ جائے۔ عادیوں نے کہا ہم اگر بغیر اپنے مطلب واپس جائیں گے تو ہماری قوم ہم کو ذلیل اور خفیف کرے گی اب یہ کام جس طرح سے ہو یہاں سے ہو جائے۔ پھر مرثد سے تدبیر پوچھی کہ تم ہی کوئی ایسا طریقہ بتاؤ کہ ہمارا کام ہو جائے۔ مرثد نے کہا پھر تم ننگے سر اور ننگے پاؤں حاجیوں کی شکل بنا کر صفا پر دعا مانگو کہ ہودؑ کے خدا اگر ہودؑ اس بات میں سچے ہیں اور تیرے پیغمبر ہیں تو ہم کو پانی دے کہ ہم فقط پانی کے واسطے آئے ہیں۔

ان لوگوں نے اسی طرح دعا کی تو تین ٹکڑے ابر کے ظاہر ہوئے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور قحط کے ان پر پورے تین سال گزر چکے تھے جب انہوں نے سیاہ ابر کو اختیار کیا تو ابر کا وہ ٹکڑا اوپر اوپر سے ان کے ملک کی طرف جا رہا تھا اور اس کے نیچے نیچے یہ لوگ اپنے ملک کی طرف جا رہے تھے جب شہر کے قریب پہنچے تو کچھ آدمی انہوں نے آگے روانہ کئے کہ جلدی پہنچیں کہ لوگ اپنے اپنے تالاب اور حوضوں کو صاف کریں اور کھیتی کا سامان بیج وغیرہ درست کریں اور خوش رہیں یہ بدلی خواہشوں کے موافق برسے گی اور شہر کے لوگوں کی خوشخبری دے دو۔ حضرت ہود علیہ السلام نے لوگوں کو کہا کہ یہ بدلی نہیں یہ بلا ہے۔ ہودؑ نے کہا اب بھی وقت باقی ہے میرا کہا مانو اور خدا کی وحدانیت پر ایمان لاؤ اور بت پرستی کو چھوڑ دو۔ لوگوں نے کہا کہ ابر میں کبھی بلا ہے۔ ہودؑ نے کہا کہ اس میں آندھی اور طوفان ہے اس میں سے ہوا چلے گی جو تمہارے مکانوں کو اور تم کو نیست ونابود کر دے گی۔

لوگوں نے جواب دیا کہ تم ہمارے زور اور قوت کو جانتے ہو پھر ہم کو ہوا سے ڈراتے ہو اور اس کی شدت اور تندی سے ڈراتے ہو۔ اسی گفتگو میں تھے کہ وہ ایران کے شہروں کے کناروں پر آپہنچے

اور طوفانی ہوا چلنا شروع ہوئی۔ حق تعالیٰ نے اس باد عقیم کو چوتھے طبقے زمین سے ایک بیل کی ناک کے برابر چھوڑا تھا جو قوم عاد پر مسلط کر دی تھی وہ ان فرشتوں کے قابو سے نکل گئی تھی جو ہوا پر مسلط اور اس کے نگہبان تھے۔ ہوا پر فرشتوں کی نگہبانی اس لئے تھی کہ وہ کسی بے گناہ کو ہلاک نہ کر دے لیکن وہ فرشتوں کے قابو نہ آتی تھی۔ اس ہوا کی تندی اور شدت کو دیکھ کر عادی لوگ اپنے مضبوط محکم مکانوں میں گھس گئے اور مضبوط رسیوں سے آپس میں ایک دوسرے کو باندھ دیا اور اپنے جانوروں کو بھی مضبوط زنجیروں سے باندھا اور گھر والوں کو اونٹوں کے کجاووں میں بٹھا کر باندھا لیکن اس قہر کی ہوا نے ان اونٹوں کو کجاووں سمیت اٹھا کر زمین پر دے مارا اسی طرح وہ ہوا اٹھا اٹھا کر مارتی رہی اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ان لوگوں پر ایسا قہر نازل فرمایا جو ان کی پہلوانی کے مناسب تھا۔

چونکہ وہ لوگ پہلوان تھے خدا نے ان کو پہلوانی کا مظاہرہ دکھایا کہ ہمارے پہلوانوں سے کشتی کر کے تماشا دیکھ لو۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ دنیا میں ہوا کو اور پانی کو اندازے سے بھیجتا ہے۔ لیکن نوحؑ کے طوفان کا پانی اور عادیوں کے واسطے ہوا مؤکل فرشتوں کے اختیار سے باہر ہو گئی تھی۔ یہ ہوا شوال کی بائیس تاریخ بدھ کی صبح سے شروع ہوئی اور اپنی پوری شدت کے ساتھ انتیس تاریخ اسی شوال کے بدھ کے آخری دن تک یعنی آفتاب کے غروب تک اپنی شدت سے سات رات اور آٹھ دن یکساں عذاب عادیوں پر رہا۔

چنانچہ ابن جریری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مفسرین نے روایت کی ہے کہ وہ لوگ اتنے طاقت ور تھے کہ باوجود اتنی شدت کی ہوا کے بھی کہ اٹھا اٹھا کر مارتی رہی پھر بھی سات دن تک زندہ رہے آٹھویں دن آخری بدھ کو وہ سب بے جان ہو گئے پھر ہوا نے ان کی لاشوں کو اڑا کر کھاری دریا میں ڈال دیا۔ (تفسیر عزیزی)

حضرت ہود علیہ السلام نے لطف اور مہربانی کے ساتھ اپنی قوم کو خدا کی وحدانیت پر ایمان لانے کی ترغیب دی اور اس کی لازوال نعمتوں کو یاد دلایا اور آئندہ کے لئے بہتری کا وعدہ کیا خدا کے برگزیدہ بندے جب کسی کی نیک خواہی کرتے ہیں اور کج رؤں کو سیدھا کرنے کے لئے نصیحت فرماتے ہیں تو کور چشموں اور بد باطنوں کے مسخر اور تحقیر کی پرواہ نہیں کرتے دل گیر ہو کر رنجیدہ ہو کر امر حق سے منہ نہیں موڑتے ناراض ہو کر خیر خواہی اور نصیحت کو نہیں چھوڑتے اور بلند اخلاق نرمی اور مہربانی کے ساتھ روحانی مریضوں کے علاج میں مشغول رہتے ہیں اور اپنی نصیحت اور وعظ اور نیک خواہی کے لئے قوم سے کسی قسم کے نفع اور مزدوری کے خواہش مند نہیں ہوتے جیسا کہ حضرت ہودؑ نے فرمایا:

وما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علی الله

''یعنی میں نہیں مانگتا اس تبلیغ پر کوئی مزدوری میرا اجر صرف اللہ پر ہے''

عادیوں کو ہوا نے نہایت زور شور سے زمین پر پٹخ پٹخ کر پارہ پارہ کیا۔اپنے اپنے مکانوں کے اندر مارے گئے ان کے مکانوں کو زمین کے ساتھ منہدم کردیا۔اور دوسرے ایک مقام میں حضرت ہود علیہ السلام کے ہمراہی جو دائرہ کے اندر تھے ان پر وہ ہوا بادنسیم معتدل ہوجاتی اور دائرہ سے باہر کافروں کے لئے غضب اور قہر الٰہی تھی۔عادیوں کے باغات مکان تباہ اور برباد ہوگئے اور مسلمان حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ سلامتی سے باہر آئے اور اپنے رہنے کے واسطے مکانات بنائے۔

جب حضرت ہود علیہ السلام کی عمر مبارک چارسو چونسٹھ سال ہوگئی تو دار فانی سے رحلت پذیر ہوئے۔وادی برہوت کے قریب حضرموت کے مشرقی حصہ شہر تریم سے قریب آپ کا مزار ہے۔آپ کا قرآن پاک میں ذکر مندرجہ ذیل جگہوں پر آیا ہے۔

(۱) پارہ ۸ سورہ اعراف رکوع ۹
(۲) پارہ ۱۰ سورہ توبہ رکوع ۹
(۳) پارہ ۱۲ سورہ ہود رکوع ۵
(۴) پارہ ۱۳ سورہ ابراہیم رکوع ۲
(۵) پارہ ۱۷ سورہ الحج رکوع ۶
(۶) پارہ ۱۹ سورہ شعراء رکوع ۷
(۷) پارہ ۲۰ سورہ عنکبوت رکوع ۴
(۸) پارہ ۲۴ سورہ حم سجدہ رکوع ۲
(۹) پارہ ۲۴ سورہ المومن رکوع ۴
(۱۰) پارہ ۲۶ سورہ احقاف رکوع ۳
(۱۱) پارہ ۲۷ سورہ الزاریات رکوع ۲
(۱۲) پارہ ۲۷ سورہ القمر رکوع ۱ — (۱۳) پارہ ۲۷ سورہ القمر رکوع ۳
(۱۴) پارہ ۲۹ سورہ الحاقہ رکوع ۱ — (۱۵) پارہ ۳۰ سورہ الفجر رکوع ۱

حضرت صالح علیہ السلام

مشہور حافظ حدیث امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے۔صالح بن عبید بن آسف بن ماشح بن عبید بن صادر بن ثمود۔یہی نسب نامہ راجح اور قرین صواب ہے۔

تفسیر عزیزی میں رقم ہے کہ ثمود کی آبادیاں حجر میں تھیں۔حجاز اور شام کے درمیان وادی قریٰ تک جو میدان ہے وہ سب ان کا مقام سکونت تھا۔ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔بعض مصریوں نے پوری تحقیق کی ہے وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوئے جو شاہی حویلی تھی جس میں متعدد کمرے تھے اور اس حویلی کے ساتھ بڑا حوض تھا اور یہ پورا مکان پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا تھا۔(قصص القرآن)

نسب نامہ ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ثمود کی اولاد قوم عاد کے ہلاک ہونے کے بعد عرب میں پھیل گئی تھی اور ان کا ملک شام اور حجاز کے درمیان تھا جو شہر حجاز سے ملا ہوا تھا اس کا نام وادی القریٰ تھا اور جو شام کے قریب تھا اس کا نام حجر تھا ان دونوں کے درمیان ایک ہزار سات سو بستیاں چھوٹی اور بڑی تھیں۔ان بستیوں میں سنگین عمارتیں بنائی تھیں۔کھیتی کے کام کرتے کنویں اور تالاب کھودتے تھے۔ان زمینوں میں پتھر کے سبب سے پانی کم تھا پتھریلی زمینیں تھیں اس لئے کنویں تالاب وغیرہ دشواری سے کھودے جاتے تھے۔اکثر مال باغات لگانے اور مکانات تراشنے میں خرچ ہوتا تھا عمارتیں منقش تراشتے تھے۔آخر میں ہوتے ہوتے پتھروں کی عجیب وغریب صورتیں تراشنے لگے پھر ان کو پوجنا شروع کردیا یہاں تک کہ بت

پرستی ان میں پھیل گئی حق تعالیٰ سے بالکل غافل ہو گئے۔ پروردگار عالم جل جلالہٗ نے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

آپ کی شکل وصورت سب سے بہتر تھی اور نسب حسب میں بھی موجودہ لوگوں سے اعلیٰ تھے۔ لڑکپن ہی سے نیک بختی اور صلاحیت کی نشانیاں ان میں پائی جاتی تھیں۔ پھر رسالت کا مرتبہ عنایت فرما کر پروردگار عالم جل جلالہٗ نے وحی نازل فرمائی جیسا کہ پروردگار عالم کا ارشاد ہے۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صَالِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ

''اور قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو نبی بنا کر بھیجا کہا اس نے اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں'' (سورہ اعراف)

ایک مختصر اور کمزور سی جماعت نے آپ کی رسالت پر ایمان لایا اور مسلمان ہو گئے۔ لیکن قوم کے بڑے سرداروں اور سرمایہ دار اسی طرح باطل پرستی پر قائم رہے انہوں نے خدا کی دی ہوئی خوشی اور عیش کا شکر ادا نہ کیا اور کفران نعمت کو شعار بنایا۔ وہ حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اگر ہم باطل پرست ہوتے اور خدا کے صحیح دین کے منکر ہوتے اور اس کے پسندیدہ طریقہ پر قائم نہ ہوتے تو آج ہم کو یہ دھن دولت اور سرسبز وشاداب باغات کی فراوانی اور سیم وزر کی کثرت اور بلند و عالیشان محلات کی رہائش اور میوہ جات اور پھلوں کی کثرت اور شیریں نہریں اور عمدہ مرغزاروں کی افزائش حاصل نہ ہوتی۔ تو اپنے آپ کو اور اپنے تابعداروں کو دیکھ اور پھر ان کی تنگ حالی اور غربت پر نظر کر کے بتا کہ خدا کے مقبول کون ہیں۔

ءَاُنْزِلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا آپس میں کہتے کیا ہماری موجودگی میں اس پر خدا کی نصیحت اتری ہے اور کہتے تَعْلَمُوْنَ اَنَّ صَالِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّہٖ کیا تم کو یقین ہے کہ صالح پروردگار کا رسول ہے۔ لیکن ان کو مسلمان جواب دیتے کہ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِہٖ مُؤْمِنُوْنَ کہا مسلمانوں نے بیشک ہم تو اس کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر کافر غصہ میں آکر کہتے اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِہٖ کٰفِرُوْنَ۔ یعنی بے شک ہم تو جس پر تم ایمان لائے انکار کرتے ہیں۔ بہر حال ان مغروروں نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ دوسرے مقام میں پروردگار عالم جل جلالہٗ کا ارشاد ہے۔

والی ثمود اخاھم صالحا قال

''اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اس نے

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ھُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَکُمْ فِیْھَا۔ (سورہ ہود)

''کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا پھر اسی میں تم کو بسایا۔ پس اس سے بخشش مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو''

لوگوں نے کہا کہ ہم تو تجھ پر بڑی امید کرتے تھے جیسا کہ فرمان ہے۔

یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ ھٰذَآ

''یعنی اے صالح پہلے تو ہم کو بڑی امیدیں تجھ سے وابستہ تھیں پھر کیا تو ہم کو روکتا ہے ان معبودوں سے کہ پوجا کرتے تھے ہمارے باپ دادا ہمیں تو بڑا شک ہے جس طرف تو ہم کو بلاتا ہے''

اور تیسرے مقام پر پروردگار عالم جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا:۔

وَلَقَدْ کَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰتَیْنٰھُمْ اٰیٰتِنَا فَکَانُوْا عَنْھَا مُعْرِضِیْنَ وَکَانُوْا یَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا اٰمِنِیْنَ

'' البتہ تحقیق جھٹلایا حجر کے لوگوں نے بھی رسولوں کو۔ ہم نے اپنی نشانیاں ان کو دکھلائیں مگر وہ روگردانی کرتے رہے اور پہاڑ تراش کر گھر بناتے تھے کہ محفوظ رہیں'' مگر یہ حفاظتیں کام نہ آئیں۔ چوتھی جگہ پروردگار عالم جل جلالہٗ کا ارشاد ہے۔

کذبت ثمود المرسلین اذ قال لھم اخوھم صلح الا تتقون انی لکم رسول امین فتقوا اللہ واطیعون وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین

''جھٹلایا ثمود نے پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی صالح نے کیا تم ڈرتے نہیں کہ تمہارے پاس میں پیغام لایا ہوں ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور نہیں مانگتا میں تم سے اس تبلیغ کا بدلہ میرا بدلہ اس پر ہے جو اس جہاں کی پرورش کرتا ہے''

اور پانچویں مقام میں پروردگار عالم یوں ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا

''البتہ تحقیق بھیجا ہم نے طرف قوم ثمود کے بھائی ان کا صالح علیہ السلام''

اور چھٹے مقام میں ارشاد ہے۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى. (سورہ حم سجدہ)

''اور جو ثمود تھے ہم نے ان کو راہ دکھائی پھر پسند کیا انہوں نے اندھا رہنا ہدایت پر جانے سے''

اور ساتویں مقام میں ہے۔

وفی ثمود واذقیل لھم تمتعوا حتی حین فعتوا عن امر ربھم

''اور قوم ثمود میں کہا فائدہ اٹھاؤ ایک وقت تک یعنی خدا کے عذاب تک''

اور آٹھویں مقام میں فرمایا:

وثمود فما ابقی

''ثمود کو بھی ہلاک کیا کسی کو باقی نہیں چھوڑا''

اور نویں مقام پر فرمایا:۔

کذبت ثمود بالنذر

''جھٹلایا ثمود نے ڈرانے والوں کو''

اور دسویں مقام میں فرمایا:۔

کذبت ثمود وعاد بالقارعة فاما ثمود فاھلکو بالطاغیة

(سورہ الحاقہ)

''جھٹلایا ثمود نے اور عاد نے اس کھڑ کھڑانے والی بات کو ثمود غارت کئے گئے اچھال کر سخت بھونچال سے''

گیارہویں جگہ میں ہے۔

کذبت ثمود بطغوھا

''جھٹلایا ثمود نے اپنی شرارت سے''

شاہ عبدالعزیز محدیث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ سورۃ الشمس کی تفسیر میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ حضرت صالح نے بموجب حکم الٰہی کے تبلیغ دعوت اسلام اپنی قوم کو کرنی شروع کردی۔ ہر چند قوم کو نصیحت کرتے رہے لیکن قوم نے انکار پر اصرار کیا

اور حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا۔ آپ نے فرمایا اگر میں بموجب تمہاری خواہش کے تم کو معجزہ دکھاؤں تو پھر بھی تم نے اگر میرا کہنا نہ مانا اور ایمان نہ لائے تو پھر تم عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم فلاں تاریخ کو ہر سال شہر سے باہر جاتے ہیں اور بتوں کو بھی اچھی پوشاک اور زیور سے آراستہ کر کے لے جاتے ہیں پھر ان سے اپنی حاجتیں مانگتے ہیں۔ تو بھی ہمارے ساتھ چل اور اپنے خدا سے اپنا مطلب مانگ پھر دیکھیں کہ تیرا خدا کیا دیتا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اس بات کو قبول کرلیا۔ پھر اس دن باہر گئے جس دن کا وعدہ کیا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ جو تھوڑے سے مسلمان تھے وہ بھی گئے اور جب عید گاہ کو پہنچ گئے تو انہوں نے اپنے بتوں کو نہایت زیب و زینت سے آراستہ کر کے اپنے سامنے تختوں پر بٹھایا اور بڑے ادب سے اپنی اپنی حاجتیں مانگنے لگے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا ان بتوں سے کوئی انوکھی چیز مانگو تا کہ ہم بھی دیکھیں کہ تمہارے بت کیسی قدرت رکھتے ہیں۔ وہ لوگ بڑی عاجزی سے مانگتے رہے لیکن کچھ بھی نہ ہوا آخر وہ عاجز ہو کر بیٹھ گئے پھر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا اب تم جو کچھ کہو میں اپنے مالک الملک اور قادر علی الاطلاق کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مانگتا ہوں اس کی قدرت کو بھی دیکھو وہ اپنے خاص بندوں پر کتنا مہربان ہے۔ پھر جندع بن عمرو جو ان کا بڑا سردار تھا۔ سب نے اسی کو کہا کہ تم ہی جو چیز طلب کرنا چاہو طلب کرو جو یہ لا نہ سکے اور عاجز ہو جائے تب جندع نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ یہ پہاڑ جو عید گاہ کے سامنے ہے اس سے ایک اونٹنی ہمارے واسطے نکال اس کی پیشانی سیاہ ہو اور باقی سارا بدن سفید اور بال بڑے اور نرم ہوں اور دس ماہ کی حاملہ بھی پھر وہ ہمارے سامنے بچہ جنے اور وہ بچہ بھی اسی کی مانند ہو شکل اور رنگ میں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دوبارہ اسلام کے بارے میں ان سے وعدہ لیا سب نے اقرار کیا کہ ہم ضرور ایمان لائیں گے۔

حضرت صالح علیہ السلام مسلمانوں کو پتھر کے پاس لے گئے اور دو رکعت نماز ادا کی پھر خدا کی درگاہ میں دعا کرنی شروع کی اور مسلمانوں کو کہا تم میرے پیچھے کھڑے رہو اور میری دعا پر آمین کہو۔ قوم ثمود کے سردار اور تمام لوگ ارد گرد کھڑے ہو کر تماشا دیکھ رہے تھے کہ کیا ہوگا۔ خدا کی قدرت اچانک اس پہاڑ سے چلانے کی آواز آئی جس طرح بچہ جننے کے وقت جانور آواز نکالتے ہیں اور فریاد کرتے ہیں۔ قدرت خدا سے وہ پہاڑ پھٹا تو ویسے ہی اونٹنی نکل آئی جیسی وہ طلب کرتے تھے۔ جنگل میں چرنے لگی ایک ساعت بعد اس کو بھی دردزہ شروع ہوا۔ تو اس سے بچہ پیدا ہوا وہی قد و قامت اور وہی شکل صورت جیسی ... تے تھے جیسا کہ فرمان ربی ہے۔

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

"بیشک آ چکی تمہاری طرف یہ واضح دلیل تمہارے رب کی طرف سے یہ خدا کے نام پر چھوڑی ہوئی اونٹنی ہے تمہارے لئے ایک فیصلہ کن نشانی ہے پس اس کو کھلا چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں جہاں چاہے چرے چگے اس کی کسی قسم کا نقصان نہ پہنچاؤ ورنہ تم کو دردناک عذاب آ پکڑے گا"

اس ماجرے کو دیکھ کر سب لوگ ایک ہی آواز کر چکے کہ صالح علیہ السلام کا معبود بڑی قدرت رکھتا ہے اسی پر ایمان لانا چاہیے۔ جندع بن عمرو مع چھ ہزار آدمیوں کے مشرف بہ اسلام ہوا حضرت صالح علیہ السلام کے قدموں پر گرا اور گذشتہ تقصیروں سے نادم ہوا اور معافی چاہی لیکن دوسرے اپنے نفس اور کفر کی شامت سے انکار پر قائم رہے اور اپنے فرمان برداروں کو بھی سمجھانا شروع کیا وہ بد بخت حضرت صالح علیہ السلام کو جادوگر قرار دے کر پھر گئے۔ تب حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے خلاف عہد کیا اور مجھ پر ایمان نہیں لائے اب خدا کے عذاب سے تمہارے لئے بچاؤ اسی میں ہے کہ تم اس اونٹنی کو اور اس کے بچے کو نہایت تعظیم سے اپنے ملک میں رکھو ان کو کسی قسم کی تکلیف اور رنج نہ پہنچاؤ تمہارا بچاؤ اسی میں ہے جب تک یہ اونٹنی اور بچہ تم میں رہیں گے خدا کا عذاب تم پر نہ آئے گا اگر کسی قسم کی تکلیف ان کو پہنچائی تو پھر تم عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

وہ اونٹنی بڑے جسم والی تھی کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بڑے جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں ثمود کے شہروں میں شہر حجر میں گیا تو اس اونٹنی کی جگہ کی مشہوری سنی کہ لوگ اس کی زیارت کو جاتے تھے جب میں بھی گیا تو میں نے اس اونٹنی کے بیٹھنے کی جگہ اپنے ہاتھ سے ناپی تھی ساٹھ گز مدور تھی۔

بہرحال حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا یہ خدا کی طرف سے ایک معجزہ کی اونٹنی ہے اس کو خدا کی زمین پر چرنے دو ورنہ تم کو جلدی عذاب پکڑ لے گا: چنانچہ ارشاد ہے۔

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ

"یہ اللہ تعالیٰ کی نشانی کی اونٹنی ہے تمہارے لئے فیصلہ کن نشانی ہے پس اس کو

چھوڑ دو اللہ کی زمین میں چرتی رہے اس کو کسی قسم کی اذیت نہ پہنچانا ورنہ فوراً تم کو عذاب پکڑے لے گا"

اور دوسرے مقام میں ارشاد ہے کہ ہم ایک اونٹنی جوان کے واسطے آزمائش اور امتحان بھیج رہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ

"بیشک ہم بھیجنے والے ہیں ایک ناقہ کو ان کے واسطے جو آزمائش ہوگی"

(سورہ القمر)

وہ اونٹنی بڑے قد والی اور رعب دار تھی جس طرف وہ جاتی سب جانور اس کو دیکھ کر بھاگ جاتے اور پانی پر جب جاتی سب پانی پی جاتی جب لوگ تنگ آ گئے تو حضرت صالح علیہ السلام نے باری مقرر کر دی کہ ایک دن یہ اونٹنی پانی پیئے گی اور ایک دن تم اپنے جانوروں کو پلاؤ جیسا کہ فرمان ربی ہے۔

قال هذه ناقة لها شرب ولكم شرب يوم معلوم ولا تمسوها بسوء فيأخذكم عذاب يوم عظيم

"کہا یہ اونٹنی ہے اس کے لئے پانی پینے کی ایک باری ہے اور تمہارے لئے بھی ایک دن مقرر ہے اور نہ چھیڑو اس کو بری طرح پس پکڑے گی تم کو آفت ایک بڑے دن کی"

کیونکہ وہ اونٹنی ایسی حالت میں تھی کہ سب جانور اس سے ڈرتے کہ جس جنگل میں وہ پہنچتی تھی دوسرا جانور وہاں قدم نہیں رکھ سکتا تھا کہ جس تالاب یا کنوئیں اور ندی پر وہ جاتی سارا پانی پی جاتی تھی اور جس چراگاہ میں وہ چرتی وہاں گھاس کا نام ونشان نہ رہتا تھا اور شام کے وقت جب ...ہاں لوٹتی تھی تو شہر کے سب لوگ آ کر اپنے اپنے برتن دودھ سے بھر لیتے اور تمام شہر والوں کو ... کو دودھ کفایت کرتا تھا۔ جب کوئی مدت اسی طرح گزری تو جانوروں والے لوگ اس کے چرنے پھرنے سے تنگ آ گئے اس لئے حضرت صالح علیہ السلام نے اس کے چرنے اور پانی پینے کی باری مقرر کر دی۔

اس اقرار پر کوئی میعاد گزر گئی ایک دن اونٹنی پانی پیتی اور چرتی چگتی اور دوسرے دن ... کو صالح علیہ السلام باندھ دیتے لیکن شہر والے لوگ جو جانوروں کا شوق رکھتے تھے ان پر یہ

بات مشکل گزرتی دل میں یہ خیال تھا کہ کسی حیلہ سے یہ اونٹنی یہاں سے دور ہو جائے تاکہ ہمارے جانور فراغت سے چریں چگیں۔لیکن عہد کو توڑنے اور قول اقرار کے خلاف ہونے سے ڈرتے تھے۔ان کے درمیان ایک نوجوان اسی قوم سے قدار بن سالف ماں باپ کو ایذا دینے والا دراز ظاہر ہوا وہ ایک فاحشہ عورت پر عاشق ہوا جس کا عشیرہ نام تھا خوبصورتی اور خوش اسلوبی اور خوش گوئی اور نزاکت میں مشہور تھی اور اس عورت کے آٹھ آدمی اور بھی گھر میں شراب نوشی اور اپنی لونڈیوں سے بدکاری کرتے تھے اور یہ اس کا عاشق قدار بھی تھا ایک دن قدار نے اس عورت سے کہا کہ کب تک یہ آشنائی چوری چھپے رہے گی کھلا مجھ سے نکاح کرو کہ عمر بھر ہنسی خوشی سے گزارے اس بدکار عورت نے کہا کہ اگر تیرا اس بات کا خیال ہے تو ایک فرمائش میری ہے اس کو بجالائے تو میں اپنے مال و متاع اور لونڈیوں کے ساتھ تیری فرمانبردار ہو جاؤں گی اور فرمائش یہ ہے کہ اس اونٹنی کو جس نے مجھ کو اور تمام شہر والوں کو رنج اور بلا میں ڈالا ہے اور جانوروں کو بھوک پیاس کے عذاب میں گرفتار کر رکھا ہے کسی طرح ہو اس اونٹنی کو مار ڈال اور اس کی کونچیں کاٹ کر ہم سب اس بلا سے نجات پائیں۔اس عورت کے اور لوگوں سے زیادہ بلا تھے اس کی زیادہ کوشش تھی کہ یہ اونٹنی دور ہو جائے اور اسی طرح ایک دوسری مال دار عورت نے اپنی بیٹی کی لالچ دے کر ایک نوجوان مصطع کو اونٹنی کے قتل پر آمادہ کیا۔

غرض یہ ہے کہ اس قدار نابکار اور مصطع نے اس ادنیٰ اور خسیس کام کے واسطے بڑے گناہ کے کرنے کا اقرار کر لیا اور اس اونٹنی کے قتل کی تدبیر میں کوشاں ہوئے اپنے یاروں اور آشناؤں کو بھی اس کام میں اپنا رفیق بنایا۔پھر ایک دن ایک تنگ گلی میں جو اس اونٹنی کا آنے جانے کا راستہ تھا گھات میں بیٹھے اور اپنے یاروں کو بھی بٹھایا جس وقت وہ اونٹنی چراگاہ سے واپس لوٹی تو مصدع بن سالف جو اس عورت کا چچا زاد بھائی بھی تھا اور وہ بھی اس عورت سے بدکاری کرتا تھا اس نے سب سے پہلے اس اونٹنی کی پیشانی پر تیر مارا پھر دوسرے ساتوں آدمی تلواریں لے کر غل مچاتے ہوئے اونٹنی تک پہنچے لیکن وہ اونٹنی باوجود زخمی ہونے کے کسی کو اپنے پاس نہ آنے دیتی تھی جس طرف حملہ کرتی سب کو بھگا دیتی آخر قدار ملعون نے اس کے پیچھے سے پہنچ کر تلوار اس کی کونچوں میں ماری پھر وہ اونٹنی زمین پر گر پڑی زمین پر گرتے ہی اس کے یار پہنچ گئے تلواروں سے اس کو پرزے پرزے کر دیا جیسا کہ پروردگار عالم جل جلالہ کا ارشاد ہے۔

كذبت ثمود بطغوها اذ انبعث اشقها

’’جھٹلایا ثمود نے اپنی سرکشی سے جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں بدبخت یعنی قدار‘‘

اس سے پہلے حضرت صالح علیہ السلام نے کہہ دیا تھا کہ یہ معجزہ کی اونٹنی ہے اس کو عزت سے رکھو بڑے خیال سے نہ چھیڑو جیسا کہ فرمان ہے۔

فقال لهم رسول الله ناقة الله وسقيها فكذبوه فعقروها فدمدم عليهم ربهم بذنبهم نسواها ولا يخاف عقبها

’’پس کہہ دیا تھا ان کو اللہ کے رسول نے کہ یہ اللہ کی طرف سے معجزے کی اونٹنی ہے اور اس کو چھوڑ دو کہ وہ خدا کی زمین میں چرتی رہے پس جھٹلایا پیغمبر کو پس اونٹنی کی کھوچیں کاٹیں پس الٹ مارا ان پر زمانے کو ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کے سبب سے پس برابر کر دیا ان کو اور نہیں ڈرتا پروردگار ان کے انجام کار سے‘‘۔(سورہ الشمس)

اور سورہ قمر میں ارشاد ہے۔

فنادوا صاحبهم فتعاطى نعقر

’’پکارا انہوں نے اپنے ساتھیوں کو پس پاؤں کاٹ ڈالے اونٹنی کے‘‘

اس بات کو سن کر سب شہر والے خوش ہو گئے اور اس کا گوشت سب شہر والے تقسیم کر کے اپنے اپنے گھروں کو لے گئے۔پیچھے سے جب اس اونٹنی کا بچہ آیا تو وہ اپنی ماں کی حالت دیکھ کر بھاگا اور اسی پہاڑ پر جا چڑھا جہاں سے اونٹنی پیدا ہوئی تھی۔

یہ خبر حضرت صالح علیہ السلام کو پہنچی تو افسوس کرتے ہوئے باہر نکلے اور شہر والوں کو فرمایا کہ تم نے خدا کے عذاب کو اپنے واسطے منگوایا ہے اب بھی بچاؤ کی ایک صورت ہے کہ میرے ساتھ چلو اور اونٹنی کے بچے کو اپنے شہر میں واپس لاؤ اور اس کو خوش رکھو تاکہ تم کو پروردگار عالم عذاب سے بچائے۔قدار نابکار اور دوسرے کافروں نے اس بات کو نہ مانا اور اس کی حقیقت کو بھی نہ جانا۔پھر حضرت صالح علیہ السلام مع اور مسلمانوں کے اونٹنی کے بچے کو لانے کے لئے پہاڑ پر گئے جب اونٹنی کے بچے نے حضرت صالح کو دیکھا تو تین دفعہ آواز نکالی تو وہ پتھر پھٹ گیا جس سے اونٹنی نکلی تھی تو وہ بچہ اس پتھر کے اندر گھس گیا۔

پھر حضرت صالح علیہ السلام افسوس کرتے ہوئے واپس آئے لوگوں سے آ کر کہا کہ تم نے اپنے لئے خرابی اپنے ہاتھوں سے پیدا کی اس اونٹنی کے بچے کے تین آواز نکالنے کی یہ تعبیر ہے کہ تم کو تین دن کی مہلت ہے خدا کے عذاب سے پہلے دن تمہارے منہ زرد ہو جائیں گے اور

دوسرے دن سرخ ہو جائیں گے اور تیسرے دن سیاہ ہو جائیں گے بدھ کے دن اونٹنی ماری تھی
جمعرات کو صبح لوگ بیدار ہوئے تو سب کافروں کے منہ زرد تھے۔ پھر سب کو یقین ہوا کہ حضرت
صالح سچ کہتے تھے۔ اس شہر میں نو آدمی تھے جو بڑے فسادی تھے جن کے بارے میں پروردگار
جل جلالہ نے خبر دی ہے۔ ارشاد ہے۔

وکان فی المدینة تسعة رهط یفسدون فی الارض ولا یصلحون قالوا تقاسموا بالله لنبیتنه واهله ثم لنقولن لولیه ماشهدنا مهلک اهله وانا لصدقون

''اور اس شہر میں نو آدمی تھے جو خرابی کرتے ملک میں اور اصلاح نہ کرتے تھے وہ بولے کہ آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی البتہ رات کو جا پڑیں ہم اس پر یعنی صالح پر اور اس کے گھر پر پھر کہہ دیں گے اس کے دعویٰ کرنے والوں کو کہ ہم نے نہیں دیکھا کہ کس نے تباہ کیا اس کا گھر اور بیشک ہم سچ کہتے ہیں''

یہ نو آدمی ان کے روسا اور سردار تھے اور بڑے فسادی بھی تھے ان ہی کے مشورے سے اونٹنی کو مارا تھا ان بدبختوں کے نام یہ ہیں۔ رعی۔ رعم۔ ہرم۔ ہریم۔ داب۔ صواب۔ مصطع۔ قدار اور ایک کا نام معلوم نہیں پکے وعدے کر کے گئے کہ رات میں چپ چاپ حضرت صالح اور ان کے بال بچوں کو ہلاک کر دیں گے اور ان کے ورثاء اور قوم سے کہہ دیں گے کہ ہم کو کیا خبر ہے اگر صالح نبی ہے تو ہمارے ہاتھ نہ لگے گا ورنہ اس کو بھی اونٹنی کے ساتھ سلادیں گے اس ارادے سے گئے ابھی راستے ہی میں تھے کہ ایک فرشتے نے پتھر سے ان سب کے دماغ پاش پاش کر دیئے۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ کافی وقت گزر گیا وہ واپس نہ آئے وہ ان کی خبر لینے کو آئے دیکھا کہ سب کے سر پھٹے ہوئے اور بھیجے نکلے ہوئے پڑے ہیں۔ انہوں نے حضرت صالح پر مار ڈالنے کا الزام لگایا۔ لیکن حضرت صالح نے فرما دیا تھا کہ تین دن مزے اڑا لو پھر خدا کا سچا عذاب آ جائے گا۔ یہ سن کر کہتے کہ یہ اتنی مدت بتاتا ہے چلو ہم آج ہی اس سے فارغ ہو جائیں۔ جس پتھر سے اونٹنی نکلی تھی اسی پہاڑ پر حضرت صالح علیہ السلام کی مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھتے تھے انہوں نے مشورہ کیا کہ جب حضرت صالح نماز پڑھنے کو آئیں گے تو اسی وقت راستے میں اس کا کام پورا کرو۔

جب وہ پہاڑ پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی آ رہی ہے وہ اپنی جان بچانے کے واسطے ایک غار میں گھس گئے چٹان نے آ کر اس غار کا منہ بند کر دیا اور وہ اندر ہی

ہلاک ہوگئے۔ انہوں نے حضرت صالح کو خفیہ تدبیر سے قتل کرنا چاہا تو خدا نے ان کو پوشیدہ غار میں ہلاک کر دیا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

ومکرو مکرا ومکرنا مکرا وهم لا یشعرون فا نظر کیف کان عاقبة مکرهم انا دهرنا هم وقومهم اجمعین

''انہوں نے ایک خفیہ تدبیر بنائی صالح کے قتل کی اور ہم نے بھی ایک خفیہ تدبیر بنائی ان کے قتل کی اور وہ نہ سمجھے پھر دیکھو ہماری تدبیر کو کہ ہلاک کر ڈالا ہم نے سب کو'' (ابن کثیر)

قدار اور اس کے آٹھ یار سب سے پہلے **خیر الدنیا و الاخرة** دونوں جہان کے خسارے میں آ گئے۔ باقی لوگ دوسرے دن جب صبح کو اٹھے تو سب کے منہ سرخ تھے جب قدار وغیرہ کے وارثوں نے ان کی لاشیں دیکھیں تو سب شہر والے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر چڑھ آئے اور آپ کے گھر کو گھیر لیا اور کہنے لگے کہ تم نے اونٹنی کے عوض میں ہمارے نو آدمیوں کو مار ڈالا اب ہم ان کے بدلے تم کو اور سب گھر والوں کو مار ڈالیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم ان لوگوں کو مارنے نہیں گئے تھے بلکہ یہ خود ہمارے گھر پر چڑھ کر آئے تھے تو پروردگار عالم نے غیب سے ان کو سزا دی ہے یہ اسی گفتگو میں تھے کہ جندع بن عمرو جو مشرف با سلام ہوا تھا اپنی فوج لے کر حضرت صالح علیہ السلام کی مدد کو آئے اور کافروں سے مقابلہ کیا آخر چند آدمیوں نے درمیان میں آ کر یہ فیصلہ کیا کہ حضرت صالح شہر سے باہر چلے جائیں۔

حضرت صالح نے اس بات کو غنیمت جانا کیونکہ کافروں پر عذاب آنے والا تھا جندع بن عمرو اور دیگر مسلمانوں کو ساتھ لے کر شہر سے باہر چلے گئے۔ تیسرا دن جو ہفتے کا دن تھا صبح کو جب شہر کے لوگ نیند سے بیدار ہوئے تو سب کے منہ کالے تھے۔ اس دن سب نہایت غم میں مبتلا رہے کہ کیا ہوگا۔ آخر انہوں نے یہ بات سوچی کہ اپنے سنگین مکانات خالی کریں جب خدا کا عذاب آئے گا تو ان مکانوں میں پناہ لیں گے جو پہاڑ تراش کر بنائے گئے تھے۔ یعنی خدا کے عذاب سے ان مضبوط مکانوں میں چھپ جائیں گے ان میں کوئی دہشت وغیرہ نہ ہوگی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اسی دن کو صبح کو حضرت جبرائیل علیہ السلام بموجب حکم پروردگار عالم جل جلالہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک دہشت ناک صورت میں ظاہر ہوئے اور ایک ایسی سخت آواز کی کہ اس کے سبب پہاڑ جنبش میں آ گئے اور تند ہوا آندھی کے طور سے چلنا شروع ہو گئی سب شہر

والے دہشت کھا کر ان سنگین مکانوں میں گھس گئے۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک اور بھی سخت آواز کی اس کے سبب سے سب شہر والے اوندھے ہو کر اپنے اپنے زانوؤں پر گر پڑے۔ ان کے پتے پھٹ گئے وہ سب جہنم رسید ہو گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے جب یہ خبر سنی تو مسلمانوں سے فرمایا کہ یہ شہر غضب الٰہی کے نازل ہونے کی جگہ ہے یہاں رہنا مناسب نہیں ہے اب مکہ مکرمہ حرم شریف کا احرام باندھو اور وہاں چل کر رہیں گے چنانچہ سب نے حضرت صالح کے فرمان کے مطابق عمل کیا اور مکہ مکرمہ چلے گئے اور نجات دارین حاصل کی۔ (روضۃ الاصفیاء)

قوم ثمود کے ہر آدمی کو اسی حالت میں ہلاک کر دیا جس حالت میں وہ تھا۔ قرآن کریم نے اس ہلاکت کو کئی آوازوں میں بین فرمایا ہے کسی مقام پر صاعقہ کڑک دار بجلی اور کسی جگہ رجفہ زلزلہ ڈالنے والی شی اور کسی جگہ طاغیہ دہشت ناک اور کہیں صیحہ چیخ فرمایا۔ اس لئے یہ تمام تعبیرات ایک ہی حقیقت کے مختلف اوصاف کے اعتبار سے کی گئی ہیں۔

ثمودیوں کی ہلاکت تین طرح سے ہوئی ایک تو نو آدمی جو حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کے واسطے گئے تھے فرشتوں نے ان کے سر پتھروں سے پھوڑ دیئے اور وہ ہلاک ہو گئے۔ اور جو لوگ ان کی خبر گیری کے لئے گئے اور پھر انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام ک قتل کرنے کی کوشش کی تو غار میں دب کر ہلاک ہو گئے باقی لوگ فرشتے کی چیخ سے ہلاک ہو گئے۔

قصص القرآن میں درج ہے کہ جب قوم ثمود ہلاک ہو گئی تو بعض کے نزدیک فلسطین میں آ کر حضرت صالح علیہ السلام بمع مسلمانوں کے آباد ہوئے۔ اس لئے کہ حجر کے قریب سرسبز اور شاداب اور مویشیوں کے پانی اور چارہ کے واسطے یہی بہترین علاقہ تھا۔ کسی کے نزدیک فلسطین کے علاقہ رملہ میں آباد ہوئے تفسیر خازن نے اس کو اختیار کیا ہے اور بعض کے نزدیک حضرموت میں آباد ہوئے کیونکہ ان کا اصل وطن یہی تھا اور یہ احقاف ہی کا ایک حصہ ہے اور وہاں ایک قبر کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قبر ہے اور بعض کے نزدیک وہیں آباد ہوئے جہاں رہتے تھے اور بعض کے نزدیک قوم ثمود کی ہلاکت کے بعد مکہ مکرمہ چلے آئے اور وہیں مقیم ہوئے اور وہیں آپ کا انتقال ہوا اور آپ کی قبر مبارک کعبہ کی غربی جانب حرم شریف میں ہے۔

سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کو راجح سمجھتے ہیں اور انہوں نے اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ مسلمان نجات پانے والے ایک سو بیس تھے اور ہلاک ہونے والے کا فر ڈیڑھ ہزار تھے۔

حدیث شریف جو مسند امام احمدؒ وغیرہ معتبر کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے بارہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ کچھ تم کو معلوم ہے کہ سب سے زیادہ بد بخت پہلی امتوں کا اور اس امت کا کون ہے حضرت علیؓ نے عرض کیا مجھے معلوم نہیں پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگلی امتوں کا ایک سرخ رنگ ثمود کی قوم سے تھا یعنی قدار بن سالف کہ اس نے حق تعالیٰ کی اونٹنی کی کھونچیں کاٹیں اور اس امت کا بد بخت وہ آدمی ہے جو تیرے سر پر تلوار مارے گا اور تیری داڑھی اس خون سے رنگین ہو گی اور اسی تلوار سے تو شہید ہو گا۔ (تفسیر فتح العزیز)

سرور کائنات ﷺ کا فرمان ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جب آپ کا گزر حجر پر ہوا تو صحابہؓ نے ثمود کے کنویں سے پانی بھر لیا اور آٹا گوندھ کر روٹیاں تیار کرنے لگے جب آپ کو معلوم ہوا تو پانی گرا دینے اور ہانڈیاں الٹ کر دینے اور آٹا بیکار کر دینے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ وہ بستی ہے جس پر خدا کا عذاب نازل ہوا تھا۔ یہاں نہ قیام کرو اور نہ یہاں کی اشیاء سے فائدہ اٹھاؤ ایسا نہ ہو کہ تم بھی کسی بلا میں مبتلا ہو جاؤ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تم اس حجر کی بستیوں میں خدا سے ڈرتے ہوئے اور عجز و زاری کرتے اور روتے ہوئے داخل ہوا کرو ورنہ داخل ہی نہ ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی اپنی غفلت کی وجہ سے عذاب کی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ (قصص القرآن)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ثمود کا ایک آدمی بھی نہیں بچا مگر ایک آدمی جس کا ابو رغال نام تھا وہ کسی کام کے واسطے مکہ مکرمہ گیا ہوا تھا جب تک حرم شریف میں تھا اس وقت تک عذاب الٰہی سے محفوظ رہا جب مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا طائف کی طرف چلا تو اسی عذاب میں گرفتار ہوا جس میں پوری قوم گرفتار ہوئی تھی وہیں ہلاک ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ طائف کی مہم پر جاتے وقت جب اس کی قبر کے پاس پہنچے تو اس کی قبر کو لوگ سنگسار کرتے تھے جو کوئی اس راستے پر جاتا پتھر مارتا تھا۔ سرور کائنات ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا جانتے ہو یہ کس کی قبر ہے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ تب آپ ﷺ نے ثمود کا مفصل قصہ بیان فرمایا اور یہ بھی بیان فرمایا کہ میری سچائی کی نشانی یہ ہے کہ اس کے پاس ایک سونے کی چھڑی تھی وہ بھی اس کے ساتھ دفن ہے۔ جب صحابہ کرامؓ نے یہ بات سنی تو سب دوڑے اس کی قبر تلواروں سے کھودی اور وہ سونے کی چھڑی نکال لائے اور پھر اس کی قبر کو اسی طرح بند کر دیا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

آپ علیہ السلام قوم ثمود کی طرف تشریف لائے جو ایک مشہور قبیلہ ہے اور اپنے دادا ثمود کی وجہ سے "ثمود" کہلاتا ہے۔ ثمود کے بھائی کا نام جدلیس ہے۔ ثمود اور جدلیس، عاثر بن ارم

کے بیٹے ہیں جو سام بن نوح کا صاحبزادہ ہے قوم ثمود عرب عاربہ ہیں۔ یہ قبیلہ حجاز اور تبوک کے درمیان ''الحجر'' کے مقام پر سکونت پذیر رہا ہے۔ رسول خدا ﷺ جب مسلمان مجاہدین کی معیت میں تبوک جا رہے تھے تو اسی علاقہ سے گزرے تھے۔

قوم ثمود، قوم عاد کے بعد واقع ہوئی ہے یہ لوگ بھی قوم عاد کی طرح بت پرست تھے اللہ کریم نے ان کی رہنمائی کے لئے اپنا ایک بندہ خاص اور رسول بھیجا جن کا اسم گرامی صالح بن عبید بن ماسح بن عبید بن حادر بن ثمود بن عاثر بن ارم بن نوح تھا۔ صالح علیہ السلام نے انہیں خدائے وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی دعوت دی۔ انہیں بتایا کہ بتوں اور غیر خداؤں کی پرستش کا جوا اتار کر توحید کو گلے لگالیں اور بت پرستی کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کریں۔ کچھ لوگوں نے تو آپ کی بات مان لی اور مسلمان ہو گئے لیکن اکثر لوگ کفر کرتے رہے اور آپ سے بحث و مباحثہ قیل و قال میں مصروف رہے۔

جب آپ علیہ السلام کی تبلیغی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں تو کافروں نے آپ کو قتل کرنے کی سازشیں کیں۔ چند بدبختوں نے آپ کی اس اونٹنی کو بھی قتل کر دیا جسے اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت بنایا تھا۔ پس اس گناہ کی وجہ سے اللہ غالب و قادر مطلق ہستی نے انہیں خوب سزا دی۔

سورۂ حجر میں ارشاد فرمایا:۔

''اور بیشک جھٹلایا اہل حجر نے (اللہ تعالیٰ کے) رسولوں کو۔ اور ہم نے عطا کیں انہیں اپنی نشانیاں مگر وہ ان سے روگردانی ہی کرتے رہے۔ اور وہ کھود کر بنایا کرتے تھے پہاڑوں کو اپنے گھر (اور وہ بے خوف و خطر) رہا کرتے تھے۔ پس پکڑ لیا انہیں ایک خوفناک چنگھاڑ نے جب صبح اٹھ رہے تھے۔ پس نہ فائدہ پہنچایا انہیں اس (مال) نے جو وہ کمایا کرتے تھے''

(حجر: ۸۰۔۸۴)

سورۂ اسراء میں ارشاد فرمایا:

''ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا''

(سورہ اسراء: ۵۹)

اکثر مقامات پر قرآن کریم میں قوم عاد اور قوم ثمود کا تذکرہ اکٹھا ملتا ہے جیسا کہ سورۂ براءت، سورہ ابراہیم، سورہ فرقان، سورہ ، ، سورہ ق، سورہ نجم اور سورہ فجر میں ان دونوں قوموں کا ذکر اکٹھا آیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ان دونوں قوموں کا حال اہل کتاب کو معلوم نہیں ہوا۔ اور ان کی کتاب

''تورات'' میں بھی ان کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔ لیکن قرآن کریم کی ایک آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو عاد و ثمود کی داستان سے آگاہ فرمایا تھا۔ جیسا کہ سورۂ ابراہیم میں ارشاد ہے:۔

''فرمایا موسیٰ نے اگر تم ناشکری کرنے لگو (صرف تم ہی نہیں بلکہ) جو بھی سطح زمین پر ہے (ناشکری کرے) تو بیشک اللہ تعالیٰ غنی (اور) سب تعریفوں کا مستحق ہے۔ کیا نہیں پہنچی تمہیں اطلاع ان (قوموں) کی جو پہلے گزر چکی ہیں۔ یعنی قوم نوح، اور عاد اور ثمود اور جو لوگ ان کے بعد گزرے۔ نہیں جانتا انہیں مگر اللہ تعالیٰ، لے آئے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں۔

(ابراہیم: ۸۔۹)

ظاہر ہے یہ پوری آیت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو ہے جو انہوں نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمائی تھی۔ لیکن قوم عاد و قوم ثمود کا تعلق چونکہ خطۂ عرب سے تھا اس لئے یہ لوگ اسے اچھی طرح یاد نہ رکھ سکے۔ اور زیادہ دیر نہ گزری کہ وہ ان واقعات کو بھلا بیٹھے ہو سکتا ہے یہ واقعات عہد موسوی میں مشہور و معروف ہوں لیکن بعد والے لوگوں نے انہیں بھلا دیا ہو۔

اسی لئے رب قدوس ارشاد فرماتے ہیں۔

''اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا۔ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا۔ بے شک آ چکی ہے تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لئے نشانی ہے پس چھوڑ دو اس کو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے برائی سے ورنہ پکڑ لے گا تمہیں عذاب دردناک اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے بنایا تمہیں جانشین عاد کے بعد اور ٹھکانا دیا تمہیں زمین میں تم بناتے ہو اس کے میدانی علاقوں میں عالیشان محل اور تراشتے ہو پہاڑوں میں مکانات سو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے''

یعنی اللہ تعالیٰ نے ثمود کی قوم کو عاد کا خلیفہ اور نائب بنایا تاکہ وہ ان سے عبرت حاصل کریں اور اس راہ پر نہ چلیں جس راہ پر چل کر وہ عبرت کا نشان بنے ہیں بلکہ صراط مستقیم پر گامزن ہوں جو کامیابی و کامرانی کی راہ ہے۔ ان لوگوں کو عاد کی قوم کے اس وسیع و عریض خطے کا مالک بنایا گیا اس میں اپنے رہنے کے لئے محلات تعمیر کریں۔ (سورہ الاعراف: ۷۳۔۷۴)

حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں بار بار سمجھایا اور فرمایا:۔

''اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سواء اس

نے پیدا فرمایا تمہیں زمین سے اور بسا دیا تمہیں اس میں"

یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں مٹی سے وجود بخشا اور تمہیں زندگی سے متصف فرمایا پھر اپنے فضل و کرم سے تمہیں اس زمین میں آباد فرمایا یعنی تمہیں زمین کی تمام نعمتوں سے بہرہ مند ہونے کی توفیق دے دی۔ یہ کھیتیاں، پھل سب تمہاری خاطر پیدا فرمائے۔ وہی خالق و رازق ہے۔ اور صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ اس کو چھوڑ کر کسی اور کی بندگی کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ اس لئے (پس مغفرت طلب کرو اس سے پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی طرف)

مقصود یہ ہے کہ شرک و بت پرستی کی جس گمراہی میں مبتلا ہو اس کو ترک کر دو اور صرف ایک خدا کی عبادت کا راستہ اختیار کر لو جو واقعی عبادت کے لائق ہے۔ اگر تم نے اپنا رویہ بدل لیا تو وہ تمہاری اس تبدیلی کو قبول فرمالے گا اور تمہارے پچھلے قصوروں سے درگزر فرمادے گا۔

"بیشک میرا رب قریب ہے (اور) التجائیں قبول فرمانے والا ہے"

(ہود:۶۱)

اس خیراندیشی کے جواب میں حضرت صالح علیہ السلام کو بہت برا جواب ملا۔

"انہوں نے کہا: اے صالح تم ہی ہم میں (ایک شخص) تھے جس سے امیدیں وابستہ تھیں اس سے پہلے"

یعنی اس سے پہلے ہم امید رکھا کرتے تھے کہ تو ہم میں سے بہت عقل مند اور دور اندیش شخص ہے لیکن اس گفتگو کے بعد تو امید کا یہ چراغ بجھ گیا۔ تو ہمیں صرف ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ ہم اس کی خدائی میں شریک اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کی اطاعت و فرمانبرداری ترک کر کے تیرے پیچھے ہولیں۔

"کیا تم روکتے ہو ہمیں اس سے کہ ہم عبادت کریں ان (بتوں) کی جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا۔ اور بیشک ہم اس امر کے بارے میں جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے ایک بے چین کر دینے والے شک میں مبتلا ہو گئے ہیں"

حضرت صالح علیہ السلام نے بڑے پیار سے سمجھایا اور فرمایا:۔

"اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا کی ہو مجھے اپنی جناب سے خاص رحمت تو کون ہے جو بچائے مجھے اللہ (کے عذاب سے) اگر میں اس کی نافرمانی کروں۔ تم تو نہیں زیادہ کرنا چاہتے میرے لئے سوا نقصان کے"

یہ آیت حضرت صالح علیہ السلام کی طرف سے ان کے لئے نرم گفتگو اور نرم مزاجی کے

رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ اس سے اظہر من الشمس ہوتا ہے کہ اللہ کا نبی بھولے بھٹکے لوگوں کو کس خوبصورت اسلوب سے دعوت حق دے رہے ہیں۔ فرماتے ہیں مجھے یہ تو بتاؤ اگر میرا کلام اور میری دعوت حق پر مبنی ہو تو تمہارا کیا خیال ہے؟ ایسے میں اللہ کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ کل بارگاہ خداوندی میں مخالفت حق کا کیا عذر پیش کرو گے۔ تم کہتے ہو کہ میں تمہیں اللہ وحدہ کی عبادت کی دعوت نہ دوں۔ ذرا یہ تو بتاؤ اگر میں بھی اس فریضے میں کوتاہی برتوں تو پھر تمہیں عذاب خداوندی سے کون نجات دے گا۔ کون تمہاری ہدایت کی کوششیں کرے گا۔ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں دعوت و ارشاد کا فریضہ ترک کر دوں۔ یہ فریضہ مجھ پر اللہ کی طرف سے لازم ہے۔ اگر میں نبی اس کار خیر میں سستی کروں گا تو کیا تم میں سے کوئی ایس ہے جو مجھے قادر مطلق خدا کی پکڑ سے چھڑا لے گا۔ اور اس ذات کے خلاف میری مدد کر سکے گا۔ میں تو جب تک جسم میں جان ہے تمہیں حق کی دعوت دیتا رہوں گا جب تک کہ اللہ کوئی فیصلہ صادر نہیں فرما دیتا۔

بدبخت لوگ آپ کی باتوں کو نہ سمجھ سکے اور آپ پر الزام تراشی کرنے لگے۔

"(اے صالح) تم تو ان لوگوں میں ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہو"

(الشعراء:۱۵۳)

مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن ثمود کے لوگ ایک بیٹھک میں اکٹھے ہوئے۔ حضرت صالح علیہ السلام بھی ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں اللہ کریم کی طرف بلایا۔ انہیں نصیحت کی۔ آنے والے عذاب سے ڈرایا اور ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی۔ کافروں نے آپ سے معجزہ طلب کیا اور کہا کہ ہم ایمان لانے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ آپ سامنے کی اس چٹان سے اونٹنی پیدا کر دیں۔ اور اونٹنی ہو بھی فلاں رنگ کی۔ بھاری بھرکم انہوں نے اونٹنی کا حلیہ، اس کی قد و قامت، اور اس کے بہت سارے دوسرے اوصاف گنوائے۔ یعنی وہ حاملہ بھی ہو۔ اور اس میں فلاں فلاں خوبیاں ہوں۔ اللہ کے نبی صالح علیہ السلام نے فرمایا: اگر میں تمہارا مطالبہ پورا کر دوں اور اس چٹان سے ٹھیک اسی طرح کی اونٹنی نکال دوں تو تم میرا کہا مان لوگے اور میری رسالت اور پیغام کی تصدیق کر لوگے۔ سب نے کہا ہاں ہم اس کے بعد آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے اور ساری مخالفتیں ختم کر دیں گے۔ آپ نے ان سے پختہ عہد و میثاق لے لیا۔

اس کے بعد آپ مجلس سے اٹھے۔ عبادت گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ و عبادت بجالائے۔ پھر دعا کی کہ مولا کریم ان کے مطالبے کو پورا فرما دے۔ اللہ کریم

نے اس چٹان کو حکم دیا کہ ایک ایسی طویل حاملہ اونٹنی برآمد کرے جس قسم کی اونٹنی کا وہ مطالبہ کر رہے ہیں۔ جب ان لوگوں نے اس اونٹنی کو دیکھا تو اونٹنی کی صورت میں ایک عظیم امر حیران کن منظر، قدرت باہرہ، دلیل قاطعہ اور برہان طاعہ کو دیکھ کر ان میں سے کئی تو ایمان لے آئے مگر بہت سارے لوگ کفر وضلالت اور عناد و سرکشی پر ڈٹے رہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ انہوں نے اس پر زیادتی کی۔ اور معجزہ دیکھ لینے کے باوجود بھی حق کو قبول نہ کیا۔

اونٹنی قوم ثمود کے لئے ایک امتحان تھی "اِنَّا مُرۡسِلُوا النَّاقَةِ فِتۡنَةً لَّهُمۡ" یعنی یہ ایک امتحان اور آزمائش تھی۔ یہ دیکھنا مقصود تھا کہ کون اس معجزہ کی حقانیت پر ایمان لاتا ہے اور کون انکار کی روش اختیار کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ کریم تو آنے والے حالات سے بھی بخوبی واقف ہیں (لیکن کسی کو سزا و جزاء بلاوجہ نہیں ملتی) فرمایا فَارۡتَقِبۡهُمۡ (القمر: ۲۷) یعنی انتظار کیجئے کہ وہ کیا کرتے ہیں "وَاصۡطَبِرۡ" ان کی اذیتوں پر صبر کیجئے۔ عنقریب ایک بہت بڑا واقعہ رونما ہوگا۔

"اور انہیں آگاہ کر دیجئے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ان کے درمیان سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوں"

جب یہ سلسلہ ذرا دراز ہوا تو ان کے پروہت اکٹھے ہوئے اور یہ طے پایا کہ اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دی جائیں تاکہ وہ چین سے رہ سکیں اور ضرورت کا پانی انہیں میسر آسکے۔

شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ اندازی کی کہ بہت اچھے تم حق بجانب ہو۔ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اس فتنے سے بچاؤ کی یہی ایک صورت ہے۔

رب قدوس اس واقعہ کو بیان فرماتے ہیں:

"پس انہوں نے کونچیں کاٹ ڈالیں اس اونٹنی کی اور انہوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے اور کہا اے صالح! لے آؤ ہم پر اس (عذاب) کو جس کا تم نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اگر تم اللہ کے رسولوں سے ہو"

جس شخص نے اونٹنی کو قتل کرنے کی حامی بھری وہ ان کا ایک رئیس قدار بن سالف بن جندع تھا۔ اس کا رنگ گورا اور بال سرخ تھے۔ اور مشہور تھا کہ یہ حرام زادہ ہے چونکہ سالف کے بستر پر اس کا تولد ہوا ہے اسی لئے وہ سالف کا بیٹا شمار ہوتا ہے۔ دراصل اس کا باپ ایک اور شخص تھا جسے لوگ صبیان کہتے تھے۔ اونٹنی کا قتل تمام لوگوں کی متفقہ رائے سے ہوا۔ اسی لئے اسے تمام کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

ابن جریر اور دوسرے کئی مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ ثمود کے قبیلے کی دو عورتوں کا

بہت خصوصی کردار ہے۔ ان میں سے ایک کا نام "صدوق" بتایا جاتا ہے جو محیا بن زہیر بن مختار کی بیٹی تھی۔ یہ عورت حسب ونسب میں فائق اور نہایت شیریں مقال تھی۔ صدوق کی شادی ایک ایسے شخص سے ہوئی تھی جو بعد میں حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا اور اسی وجہ سے میاں بیوی میں علیحدگی ہوگئی تھی۔ صدوق نے اپنے چچا زاد کو جس کا نام "مصرع" بن مھرج بن محیا تھا بلایا اور اسے کہا کہ اگر تو اونٹنی کی کونچیں کاٹ دے تو میں اپنے آپ کو تیرے حوالے کر دوں گی۔ دوسری عورت کا نام "عنیزہ" تھا جو غنیم بن مجلز کی بیٹی تھی۔ اور "ام غنمہ" کی کنیت سے مشہور تھی۔ یہ عورت بوڑھی تھی اور بتوں کی پجارن تھی۔ اس کی چار بیٹیاں تھیں۔ جن کا باپ سردار قبیلہ ذؤاب بن عمرو تھا۔ اس بوڑھی عورت نے قدار بن سالف کو کہا کہ اگر تو یہ معرکہ سر کرے تو میری جس بیٹی پر ہاتھ رکھے گا وہ تیری ہوگی۔ دونوں جوانوں نے اونٹنی کو قتل کرنے کی حامی بھر لی اور اپنی قوم میں اس کام کے لئے تگ و دو کرنے لگے۔ اس کام میں انہوں نے سات اور جوانوں کو شریک کرلیا۔ اس طرح ان کی تعداد نو ہوگئی جیسا کہ کلام مجید میں مذکور ہے۔

"اور اس شہر میں نو شخص تھے جو فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے اس علاقے میں اور اصلاح کی کوئی کوشش نہ کرتے تھے"۔ (نمل: ۴۸)

یہ لوگ پورے قبیلے میں دوڑے پھرے اور انہیں اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے فوائد سے آگاہ کیا۔ قبیلہ کے دوسرے کافروں نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور ان کی داد و تحسین کی۔ بدمعاشوں کا یہ گروہ گھات لگا کر بیٹھ گیا کہ دیکھیں کب وہ آتی ہے کہ حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالیں۔ اونٹنی جب گھاٹ پر پہنچی اور پانی پینے لگی تو "مصرع" نے تیر مارا اور دوسرے ساتھیوں کو بھی حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ قدار بن سالف نے پہل کی اور تلوار لے کر اس پر پل پڑا اور اس کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ اونٹنی کا نوزائدہ بچہ بھاگا اور ایک بلند و بالا ناقابل عبور چوٹی پر چڑھ گیا اور تین مرتبہ بلبلایا۔

عبدالرزاق نے معمر سے انہوں نے اس شخص سے جس نے حسن سے سنا روایت کیا کہ اس نوزائیدہ بچے نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر انسانوں کی سی زبان میں پوچھا: اے میرے رب! میری ماں کہاں گئی؟ پھر اسی چٹان میں داخل ہوگیا اور نظر نہ آیا۔ کچھ لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ نہیں ان بدبختوں نے اس نوزائیدہ بچے کو بھی قتل کر دیا تھا۔

رب قدوس اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"پس ثمودیوں نے بلایا اپنے ایک ساتھی (قدار) کو پس اس نے وار کیا اور (اونٹنی کی)

کونچیں کاٹ دیں۔ پھر (معلوم ہے) کیسا تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے“

(القمر: ۲۹۔۳۰)

رب قدوس فرماتا ہے:

”جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں سے ایک بڑا بد بخت تو کہا اللہ کے رسول نے کہ (خبردار رہنا) اللہ کی اونٹنی اور اس کی پانی کی باری ہے“۔ (الشمس: ۱۲۔۱۳)

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم سے عبداللہ بن نمیر نے بیان کیا۔ ہم سے ہشام نے بیان کیا جو کہ ابوعروہ کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے عبداللہ بن زمع سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور اس شخص کا تذکرہ کیا جس نے اس کی کونچیں کاٹی تھیں اور فرمایا: ”اذا انبعث اشقاھا“ کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ایک بد بخت نے اس جرم کی حامی بھر لی جو بہت بدمزاج، غالب اور ابوزمعہ کی طرح اپنی قوم میں خودسر تصور ہوتا تھا۔

شیخین نے اس حدیث کو ہشام کے حوالے سے لیا ہے۔ عادم: کا معنی مطاع ہے عزیز کا معنی رئیس ہے اور منیع ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کی اپنی قوم میں بات مانی جاتی ہو۔

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں: مجھ سے یزید بن محمد بن خثیم نے بیان کیا۔ انہوں نے محمد بن کعب سے، انہوں نے محمد بن خثیم بن یزید سے۔ انہوں نے عمار بن یاسر سے روایت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے علی المرتضیٰ سے فرمایا ”کیا میں تجھے لوگوں میں سب سے زیادہ بد بختوں کے متعلق نہ بتاؤں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کیوں نہیں (یارسول اللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”دو آدمی (بد بخت ترین ہیں) ان میں سے ایک وہ چٹا گورا ثمودی جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی ٹانگیں کاٹی تھیں اور دوسرا وہ شخص جو تجھ پر وار کرے گا اے علی یعنی تیرے سر پر تلوار مارے گا حتی کہ تیری یہ یعنی داڑھی مبارک لہو سے تر ہو جائے گی۔

اسے ابن ابی حاتم نے روایت فرمایا ہے۔

رب قدوس بیان فرماتے ہیں۔

”پس انہوں نے کونچیں کاٹ ڈالیں اس اونٹنی کی اور انہوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے اور کہا اے صالح لے آؤ ہم پر اس (عذاب) کو جس کا تم نے ہم سے وعدہ کیا تھا اگر تم اللہ کے رسولوں سے ہو“

انہوں نے اپنی اس گفتگو میں کئی اعتبار سے کفر کیا ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نہی کی مخالفت کا ارتکاب کیا اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں جو اللہ کی طرف سے معجزہ تھی۔

(۲) دوسرے یہ کہ انہوں نے عذاب خداوندی میں جلدی کی اسی لئے وہ دو اعتبار سے اس عذاب کے مستحق ہوئے۔ ایک تو اس لئے کہ یہ عذاب دو چیزوں سے مشروط تھا جیسا کہ کلام مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

ولا تمسوھا بسوء فیا خذکم عذاب قریب . (ہود: ۶۴)

(۳) تیسرے یہ کہ انہوں نے اللہ کے اس رسول کی تکذیب کی جس نے اپنی صداقت پر ایک قطعی دلیل باہم پہنچادی تھی۔ وہ یقینی طور پر جانتے تھے کہ صالح علیہ السلام واقعی اللہ کریم کا فرستادہ ہے لیکن ان کے کفر وعناد اور ضلالت وسرکشی نے انہیں پیغمبر حق کی مخالفت پر ابھارا اور حق سے دور کرتے ہوئے انہیں عذاب خداوندی کا مستحق بنادیا۔ رب قدوس فرماتے ہیں۔ یعنی آج کے دن کے علاوہ تین دن تک عیش وطرب سے گزار لو اور اپنے گھروں میں رہ کر غفلت کی میٹھی نیند سوتے رہو پھر کفر وسرکشی سے باز نہ آنے کی صورت میں تم پر عذاب آئے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول کی نصیحت نے ان کو کچھ فائدہ نہ دیا بلکہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کر لیا اور کہنے لگے کہ دیر نہ کرو صالح کو بھی اونٹنی کے ساتھ خاک وخون میں ملا دو تا کہ سارے اندیشے جاتے رہیں۔

”انہوں نے کہا آؤ اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کر لیں کہ شب خون مار کر صالح اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دیں گے“

پوری قوم نے میٹنگ کی اور یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور ہوئی کہ ہم رات کے اندھیرے میں چپکے سے صالح اور اس کے گھر والوں پر حملہ کر کے انہیں موت کی گھاٹ اتار دیں گے اور سب مل کر اس کے خاندان کو اس کا خون بہا ادا کر دیں گے۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر آسمان سے پتھر برسائے جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کی سازش کی تھی اور انہیں نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ لیکن قوم کے باقی لوگ

محفوظ رہے۔ جب جمعرات کی صبح کو یہ لوگ بیدار ہوئے جو کہ مہلت کا پہلا دن تھا تو چہرے خوف کی وجہ سے پیلے پڑے ہوئے تھے کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں عذاب خداوندی سے ڈرایا تھا۔ جب یہ دن گزر گیا اور رات ہوئی تو ثمودی ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے کہ پہلا دن ختم ہوگیا۔ مہلت کا دوسرا دن طلوع ہوا۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ ان لوگوں کے چہرے سرخ ہوگئے۔ جب شام ہوئی تو یہ ایک دوسرے کو پھر آوازیں دینے لگے۔ لو دوسرا دن بھی اختتام پذیر ہوا۔ مہلت کا آخری یعنی ہفتہ کا دن طلوع ہوا۔ مارے خوف کے ان لوگوں کے چہروں پر سیاہی پھیل گئی۔ جب رات ہوگئی تو کہنے لگے تیسرا دن بھی گزر گیا۔ اتوار کو صبح سویرے انہوں نے خوشبوئیں لگائیں۔ تیاری کی اور عذاب کے انتظار میں بیٹھ گئے کہ دیکھیں کیا عذاب اور ہلاکت نزول ہوتا ہے۔ انہیں کچھ اندازہ نہیں تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اور نہ وہ یہ جانتے تھے کہ عذاب کس طرف سے آئے گا۔

جب سورج چمکنے لگا تو انہیں آسمان سے ایک چیخ نے آ لیا۔ زمین زلزلے کے جھٹکوں سے لرز اٹھی۔ جسموں سے روحیں پرواز کرنے لگیں اور زندگی موت کے گھاٹ اترنے لگی۔ چہل پہل ناپید ہوتی چلی گئی۔ ایک سناٹا چھا گیا اور غفلت کے پردے ہٹتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر میں سب کے سب کافر نیست و نابود گھٹنوں کے بل ہو کر رہ گئے۔ کل تک جو کفر و عناد سے اکڑ کر چلتے تھے آج مردہ جسم تھے جن میں نہ کوئی حرکت تھی نہ روح۔ لوگ کہتے ہیں کہ ثمودی قوم کا ایک فرد بھی باقی نہ بچ پایا۔ صرف ایک جوان دوشیزہ اس ہلاکت خیزی سے عبرت کے لئے بچی جو اپاہج تھی۔ اور سب لوگوں سے زیادہ صالح علیہ السلام کی دشمن اور کافرہ تھی۔ جب اس نے عذاب خداوندی دیکھا تو اس کی ٹانگیں ٹھیک ہوگئیں اور وہ بہت تیزی سے دوڑنے لگی۔ وہ عرب کے ایک قبیلہ کے پاس پہنچی اور انہیں عذاب خداوندی اور ثمودیوں کی ہلاکت کی خبر دی۔ شدت پیاس سے ان لوگوں سے پانی مانگا اور جب وہ پانی پی چکی تو فوراً موت کا لقمہ تر بن گئی۔

رب قدوس ارشاد فرماتے ہیں۔

"(انہیں یوں نابود کر دیا گیا) گویا وہ یہاں کبھی آباد ہی نہ ہوئے تھے"

"سنو! ثمود نے انکار کیا اپنے رب کا۔ سنو! بربادی ہو ثمود کے لئے"

ان پر یہ پھٹکار زبان قدرت سے تھی۔

امام احمد نے فرمایا: ہم سے عبدالرزاق نے بیان کیا، ہم سے معمر نے بیان کیا، ہم سے عبداللہ بن عثمان بن خثیم نے بیان کیا۔ انہوں نے ابی زبیر سے، انہوں نے حضرت جابر

تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب ایک پتھر کے قریب سے گزرے تو فرمایا معجزات کا مطالبہ نہ کرنا۔ ایک معجزے کا مطالبہ قوم صالح نے کیا تھا۔ وہ معجزہ نما اونٹنی ایک تنگ راستے سے داخل ہوتی تھی اور دوسرے سے نکل آتی تھی انہوں نے اللہ کے حکم سے سرتابی کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔

یہ اونٹنی کنوئیں سے رہنے والا ایک دن کا سارا پانی پی جاتی اور انہیں اس دن دودھ پینا پڑتا۔ تو انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اسی سبب سے انہیں ایک کڑک نے آ لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کڑک کے ذریعے ان کی قوم کے تمام افراد کو ہلاک کر دیا۔ سوائے ایک شخص کے جو حرم پاک میں موجود تھا۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا نام ابو رغال تھا۔ جب وہ حرم پاک سے نکلا تو وہ بھی اسی عذاب میں مبتلا ہوا جس میں اس کی پوری قوم مبتلا ہوئی تھی۔ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے لیکن اس قسم کی کوئی بات صحاح ستہ میں نہیں ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ معمر نے کہا: مجھے اسماعیل بن امیہ نے خبر دی ہے کہ نبی کریم ﷺ ابو رغال کی قبر سے گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ابو رغال کی قبر ہے۔ جو قوم ثمود سے تعلق رکھتا تھا۔ (عذاب کے وقت) وہ حرم پاک میں تھا اسی وجہ سے وہ محفوظ رہا۔ جب وہ حرم پاک سے نکلا تو اس کو بھی اسی عذاب نے آ لیا جو عذاب اسی کی قوم کو پہنچا تھا۔ اسے یہاں دفن کر دیا گیا اور اس کے ساتھ سونے کی لڑی بھی دفن کر دی گئی۔ آپ اسی جگہ اتر پڑے تو صحابہ کرام نے جلدی جلدی اپنی تلواروں سے اس جگہ کو کھودنا شروع کر دیا اور ہار کر تلاش میں لگ گئے۔ پس (تھوڑی ہی دیر میں) سونے کی وہ لڑی نکال لی۔

عبدالرزاق کا کہنا ہے کہ معمر نے فرمایا ہے کہ امام زہری کہا کرتے تھے کہ ابو رغال ثقیف کا باپ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام حرم پاک تشریف لے آئے اور پھر آخری لمحے تک یہیں قیام پذیر رہے۔ امام احمد فرماتے ہیں: ہم سے وکیع نے بیان کیا، ہم سے: معہ بن صالح نے بیان کیا۔ انہوں نے سلمہ بن وہرام سے، انہوں نے عکرمہ سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کا گزر [illegible] عسفان سے ہوا اس دوران آپ ﷺ نے فرمایا: "اے ابو بکر! یہ کونسی وادی

ہے'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یہ وادی عسفان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس وادی سے ہود اور صالح علیہما السلام جو ان اونٹوں پر سوار ہو کر گزر رہے ہیں۔ ان اونٹوں کی مہاریں کھجور کے بتوں سے بٹی ہوئی تھیں۔ ان دونوں نبیوں نے جبے پہنے ہوئے تھے اور دھاری دار چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ وہ تلبیہ کہتے جاتے تھے اور بیت اللہ شریف کے حک کی غرض سے تشریف لے جا رہے تھے۔

اس کی سند حسن ہے۔ اس کو ہم قصہ نوح علیہ السلام میں طبرانی کی روایت سے ذکر کر آئے ہیں۔ وہاں تین شخصیتوں نوح، ہود اور ابراہیم علیہم السلام کا ذکر ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں: ہم سے عبد الصمد نے بیان کیا۔ ہم سے سخر بن جویرد نے بیان کیا۔ انہوں نے ابن عمر سے روایت کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو تبوک میں اتارا تو انہیں مقام حجر پر اتارا جو ثمود کے گھروں کے بالکل قریب تھا۔ لوگوں نے انہیں کنوؤں سے پانی پیا جن سے ثمود پانی پیا کرتے تھے۔ انہوں نے اس پانی سے آٹا گوندھا، اور ہنڈیاں پکائیں۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صحابہ نے ہنڈیاں الٹ دیں اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیا۔ پھر آپ انہیں لے کر روانہ ہوئے حتیٰ کہ اس کنویں پر جا ٹھہرے جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی۔ تو آپ نے صحابہ کرام کو اس جگہ جانے سے منع کر دیا جہاں وہ قوم آباد رہ چکی تھی۔ جو عذاب خداوندی کا شکار ہوئی تھی۔ اور آپ نے فرمایا تھا ''میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تمہیں بھی اسی عذاب سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ جس سے ثمود ہلاک ہوئے تھے۔ اس لئے ان کے گھروں کے اندر مت جاؤ''

حضرت امام احمد یہ فرماتے ہیں۔ ہم سے عفان نے بیان کیا، ہم سے عبد العزیز بن مسلم نے بیان کیا۔ ہم سے عبد اللہبن دینار نے بیان کیا۔ انہوں نے عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مقام حجر میں فرمایا تھا ''عذاب سے دوچار ان لوگوں کے گھروں کو روتے ہوئے جاؤ۔ اگر رونا نہیں آتا تو پھر مت جاؤ کہ کہیں تمہیں بھی ان جیسا عذاب نہ آ لے'' بخاری اور مسلم رحمہ اللہ نے اسے قدرے مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے۔

بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں کہ آپ ﷺ جب ثمود کے گھروں سے گزرے تو سر مبارک جھکا ہوا تھا سواری کو تیز تیز چلا رہے تھے۔ اور لوگوں کو ان کے گھروں میں بن روئے جانے سے روک رہے تھے ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا اگر رونا نہ آئے تو رونے والی شکل بنا لو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم بھی انہیں کی طرح عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ (صلوات اللہ علیہ) امام احمد فرماتے ہیں۔ ہم سے یزید بن ہارون نے بیان کیا۔ ہم سے مسعودی نے بیان کیا۔ انہوں نے اسماعیل بن اوسط سے، انہوں نے محمد بن ابی کبشہ انباری سے۔ انہوں نے اپنے باپ عمرو بان سعدؓ سے جنہیں عامر بن سعد بھی کہا جاتا ہے روایت کرتے ہوئے فرمایا۔ غزوہ تبوک کے موقع پر لوگوں نے اہل حجر (ثمود) کے گھروں میں داخل ہونے کی جلدی کی۔ جب یہ بات حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ نے لوگوں میں منادی فرمائی: نماز کے لئے جمع ہو جاؤ۔

حضرت عمرو ابن سعد فرماتے ہیں میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ حضور اونٹ کی مہار پکڑے کھڑے تھے اور فرما رہے تھے۔ تم اس قوم کے گھروں میں کیوں داخل ہو رہے ہو جن پر خدا کا غضب ہوا ہے؟ ایک شخص نے بلند آواز سے عرض کی یا رسول اللہ! ہم ان پر حیران ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ حیران کن باتوں سے آگاہ نہ کروں۔ (آپ ﷺ نے فرمایا)

تم میں سے ایک شخص تمہیں بتائے گا کہ تم سے پہلے کیا ہو چکا ہے اور یہ بھی بتائے گا کہ تمہارے بعد کیا ہوگا۔ پس استقامت اختیار کرو اور رک جاؤ۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں کہ تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ عنقریب ایک ایسی قوم آئے گی جو اپنے سے کسی چیز کو دور نہیں کر سکے گی۔

اس کی سند حسن ہے لیکن اسے صحاح ستہ میں روایت نہیں کیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قوم صالح کی عمریں طویل تھیں۔ پہلے وہ لوگ مٹی سے گھر بناتے تھے جو ایک شخص کی زندگی ختم ہونے سے پہلے بوسیدہ ہو جاتے تھے اس لئے انہوں نے پہاڑوں کو تراش کر مکانات بنانے شروع کر دیے۔

لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزے کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبہ کو پورا کرتے ہوئے چٹان سے ایک اونٹنی نکالی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں حکم دیا تھا اور خبردار کیا تھا کہ کہیں اس اونٹنی اور اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اسے اذیت اور نقصان دینے کے درپے نہ ہو جانا۔ اگر تم نے ایسی کوئی حرکت کی تو تمہیں اللہ کا عذاب آ لے گا۔ حضرت نے انہیں یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ تھوڑی مدت بعد اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں گے اور یہی برائی ان کی ہلاکت کا سبب بنے گی۔ اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس جرم کا ارتکاب ایک گورا چٹا شخص کرے گا۔ اس لئے ثمود کی قوم نے اپنے علاقے میں دایہ بھیجیں جو اس قسم کا بچہ دیکھتیں اسے قتل کر دیتیں اسی طرح ایک طویل مدت تک سلسلہ چلتا رہا۔

ایک پشت گزر گئی۔ اور ان کی جگہ دوسری پشت نے لے لی۔ ایک رئیس نے اپنے بیٹے کا پیغام نکاح اپنے جیسے ایک رئیس کی بیٹی کے لئے بھیجا۔ شادی ہو گئی۔ انہیں سے وہ سفاک آدمی پیدا

ہوا جس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔اور اس کا نام قدار بن سالف تھا۔ پونکہ
اس کے آباؤ اجداد دونوں طرف سے رئیس تھے اس لئے دایہ اسے قتل نہ کر سکیں اور وہ بچہ نہایت تیزی
سے پروانہ چڑھنے لگا۔وہ بچہ ایک ہفتے میں اتنا بڑا ہوتا تھا جتنا کہ عام بچہ مہینہ میں بڑا ہوتا ہے۔یہاں تک
کہ وہ بڑا ہو کر اپنی قوم کا سردار اور قائد بن گیا۔پس اس کے نفس نے اسے اس برائی پر آمادہ کیا اور
اس کے ساتھ آٹھ اور رئیس زادے بھی شریک ہوگئے۔اس فعل شنیع کا ارتکاب کرنے والے کل
نو آدمی تھے اور انہوں نے ہی حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کا پروگرام بنایا تھا۔

جب اونٹنی کے قتل کا واقعہ پیش آیا اور یہ بات صالح علیہ السلام کو پہنچی تو آپ ان
روتے ہوئے ان کے پاس تشریف لے گئے۔وہ لوگ آپ کے حضور معذرتیں کرنے لگے اور کہنے
لگے کہ یہ گناہ ہماری جماعت سے سرزد نہیں ہوا بلکہ چند ناسمجھ لڑکوں سے یہ غلطی انجانے میں ہوگئی
ہے۔کہا جاتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اس اونٹنی کا نومولود بچہ تلاش کرو تاکہ
اس کے ذریعے اس جرم کی تلافی ہو جائے۔وہ اس بچے کی تلاش میں گئے۔بچہ انہیں دیکھتے ہی
نزدیک کی پہاڑی پر چڑھ گیا۔جب لوگ اس کے پیچھے پہاڑ پر چڑھنے لگے تو پہاڑ اتنا بلند ہو گیا کہ
چوٹی تک پرندہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔بچہ زار و قطار رویا حتی کہ اس کے آنسو بہنے لگے۔پھر وہ صالح
علیہ السلام کی طرف منہ کر کے تین مرتبہ بولا۔تب حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب
فرماتے ہوئے کہا۔تمتعوا فی دارکم ثلاثۃ ایام، ذالک وعد غیر مکذوب اور آپ علیہ
السلام نے انہیں مطلع فرمادیا کہ کل صبح ان کے چہروں پر پژمردگی چھا جائے گی۔دوسرے دن ان
کے چہروں پر سرخی چھا گئی۔اور تیسرے دن ان کے چہرے سخت سیاہ نظر آنے لگے۔جب چوتھا
دن آیا تو انہیں ایک سخت لرزہ خیز کڑک نے آلیا۔اور وہ منہ کے بل اوندھے گر کر تباہ ہوگئے۔

حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت ہود علیہ السلام کے درمیان ایک سو سال کا فاصلہ
ہے، یعنی صالح علیہ السلام حضرت ہود علیہ السلام کے ایک سو سال بعد تشریف لائے حضرت صالح
علیہ السلام کی عمر دو سو اسی (۲۸۰) سال تھی۔(حاشیہ جلالین ص ۳۱۴)

انبیائے کرام کی عادات شریفہ یہ تھیں کہ جب نبوت کا دعویٰ فرماتے تو سب سے پہلے
قوم کو بت پرستی کے چھوڑنے کے متعلق ارشاد فرماتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیتے کہ
اس کے بغیر کوئی معبود نہیں پھر اپنی رسالت کا دعویٰ کرتے تاکہ قوم ان سے معجزات کا مطالبہ کرے تو
ان کو معجزات دکھائے جائیں پھر ان کے انکار اور باز نہ آنے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان
کو ڈراتے، پھر بھی جب وہ اپنے کفر پر قائم رہتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عذاب آجاتا۔

اور آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تمہیں
حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اسی کی طرف رجوع کرو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت
تمہیں حاصل ہوگی اللہ تعالیٰ کی رحمت ایمان والوں کے قریب ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقَانِ
يَخْتَصِمُوْنَ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا
تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. (پ۱۹ سورۃ نمل ۴۴-۴۶)

"اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو بھیجا کہ اللہ کی
عبادت کرو تو جبھی وہ دو گروہ ہوگئے جھگڑا کرتے صالح علیہ السلام نے فرمایا
اے میری قوم کیوں برائی کی جلدی کرتے ہو بھلائی سے پہلے اللہ کی بخشش کیوں
نہیں مانگتے شائد تم پر رحم ہو......"

حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ پر کچھ لوگ ایمان لے آئے اور دوسرے لوگ اپنے کفر
پر قائم رہے اس طرح دو گروہ بن گئے آپس میں ایک دوسرے سے بحثوں میں الجھے رہتے
تھے، لیکن ایمان والوں کی طرف سے جھگڑا دین کے حق ہونے میں ہوتا، یہ جدال حق ہے۔صالح
علیہ السلام کی تبلیغ پر قوم کے انکار اور آپ کے عذاب سے ڈرانے پر قوم کا یہ کہنا:

قَالُوْا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

(پ ۸ سورۃ اعراف ۷۷)

"اور بولے اے صالح ہم پر لے آؤ جس کا تم وعدہ دے رہے ہو"

اس کے جواب میں صالح علیہ السلام نے کہا اے میری قوم تم اچھائی کے بدلے برائی
میں جلدی کیوں کرتے ہو یعنی یہ دنیاوی نعمتیں آرام تمہیں حاصل ہے لیکن اس کے بدلے تم
عذاب اور اپنی تباہی و بربادی طلب کر رہے ہو یہ کہاں کی عقل ہے تمہیں اللہ تعالیٰ سے اپنے
گناہوں کی معافی طلب کرنی چاہیے تاکہ وہ تم پر رحم کرے۔

قوم کہنے لگی ہم نے تو تمہیں بڑا عقل مند بہت بڑا سمجھ دار سمجھا ہوا تھا ہمیں تو تم پر بڑی
امیدیں تھیں کہ تم ہمارے دین کی امداد کرو گے۔ہمارے مذہب کی تقویت کا سبب بنو گے،
ہمارے طریقہ کی تائید کرو گے۔

یعنی کسی قوم میں جب بھی کوئی شخص علم و فضل میں اعلیٰ مقام حاصل کرتا ہے تو قوم اس

سے اپنے مقصد کے مطابق امیدیں وابستہ کرلیتی ہے۔ آپ کی قوم نے بھی یہی سمجھا تھا کہ ہمارے باطل دین کی امداد کریں گے۔

اسی طرح آپ غریبوں فقیروں پر بڑے مہربان تھے، ضعیف لوگوں کی امداد کرتے تھے، مریضوں کی عیادت کرتے تھے تو قوم نے کہا کہ ہم نے تو آپ کے ان اوصاف کو دیکھ کر یہ سمجھا تھا کہ آپ ہمارے احباب میں سے ہوگے، ہماری امداد کروگے، تم نے یہ عداوت اور بغض ہمارے ساتھ کیسے شروع کرلیا؟ ہمیں تو تم پر بڑا تعجب ہے، کہ تم ہمیں اپنے باپ دادا کے معبودوں کی پوجا سے روک رہے ہو، ہمیں تو اب تم پر شک ہونے لگا کہ تم ہمیں کسی بہت بڑے دھوکہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَاَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰىنِىْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِىْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ یریدوننی غیر تخسیر

(پ ۱۲ سورۃ ہود ۶۳)

"آپ نے کہا: اے میری قوم! بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بخشی تو مجھے اس سے کون بچائے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں؟ تو تم مجھے سوائے نقصان کے کچھ نہ بڑھاؤ گے"

آپ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے روشن دلائل عطا فرمائے ہیں اور اس نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا ہے اسی لئے میں بھی تم پر مہربانی کر رہا ہوں کہ تمہیں اس راہ کی ہدایت دے رہا ہوں جس میں تمہاری کامیابی ہے تم اپنی بے عقلی کی وجہ سے جس باطل راہ کی میری معاونت چاہتے ہو اس میں تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خسارہ ہے"

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: انہوں نے یہ سازش اونٹنی کی کوچیں کاٹنے کے بعد کی تھی جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں بتایا کہ تمہیں تین دن کی مہلت ہے اس کے بعد تم پر عذاب آئے گا جو تمہیں برباد کرکے رکھ دے گا۔ بجائے اس کے کہ وہ اس آخری سازش سے چوکنے ہوتے اور اپنے گناہوں پر نادم ہوکر گڑگڑا کر معافی مانگتے انہوں نے الٹا حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش شروع کردی، انہوں نے کہا ہم پر عذاب آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ اس کے آنے سے پہلے ہم صالح (علیہ السلام) اور اس پر ایمان لانے والوں کا خاتمہ تو کردیں۔

جس رات انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے مکان پر شبخون مارنے کا پروگرام بنایا تھا، اس رات اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنے رسول کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔ جب یہ اپنی بے نیام تلواریں لہراتے ہوئے آپ پر حملہ کرنے کے لئے لپکے تو فرشتوں نے ان پر پتھراؤ شروع کردیا، انہیں پتھر تو نظر آتے تھے لیکن مارنے والے دکھائی نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ ان سب کو اس طرح ہلاک کردیا گیا اور یہ مہلت کی آخری رات تھی، چنانچہ قوم کے باقی افراد بھی تباہ و برباد کردیئے گئے۔

رب تعالیٰ نے فرمایا: تسعۃ رھط" رھط کا معنی ہے تین سے لے کر دس تک یا سات سے لے کر دس تک کا گروہ۔ اس قبیلہ کے نو سردار تھے، ان کے لڑکے حضرت صالح علیہ السلام کی مخالفت میں ہمیشہ سرگرم رہا کرتے تھے، ہر رئیس زادہ کے ساتھ اس کے مددگاروں کی بھی ایک ٹولی ہوا کرتی تھی۔ اس لئے انہیں "تسعۃ رھط" سے تعبیر کیا گیا، یعنی نو قبیلے (اگرچہ نو شخص تھے)

جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ہماری ایذاء رسانیوں کے باوجود حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھی باز نہیں آئے تو انہوں نے ایک جگہ بیٹھ کر سازش کی کہ رات کو بے خبری میں صالح علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کرکے انہیں تہ تیغ کردو، اگر ان کے کسی وارث نے ہم سے دریافت کیا تو ہم انہیں یقین دلادیں گے کہ ہمارا ان کے قتل کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں، اور نہ ہی ہمیں اس کے قتل کا کوئی علم ہے۔ تو وہ خاموش ہوجائیں گے۔

ہوسکتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کے وارث کمزور اور غرباء لوگ ہوں تو انہوں نے یہ خیال کیا ہو کہ انہیں کیا مجال ہوگی کہ ہم سے وہ زیادہ تکرار کریں؟ اس طرح وہ خاموش ہوجائیں گے قتل کرنے کا منصوبہ بنانے والے خود تباہ برباد ہوگئے۔ سبحان اللہ مولائے کائنات تیری قدرت کے کارنامے عجیب ہیں۔ (ماخوذ از ضیاء القرآن)

حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر قرآن پاک میں مندرجہ ذیل سورتوں میں ہے۔

(۱) پارہ ۸ سورہ اعراف رکوع ۱۰

(۲) پارہ ۱۰ سورہ توبہ رکوع ۹

(۳) پارہ ۱۲ سورہ ہود رکوع ۶

(۴) پارہ ۱۳ سورہ ابراہیم رکوع ۲

(۵) پارہ ۱۷ سورہ الحج رکوع ۶

(۶) پارہ ۱۹ سورہ فرقان رکوع ۴

(۷) پارہ ۱۹ سورہ شعراء رکوع ۴

(۸) پارہ ۱۹ سورہ نمل رکوع ۴

(۹) سارہ ۲۰ سورہ قصص رکوع ۴

(۱۰) پارہ ۲۰ سورہ عنکبوت رکوع ۴

(۱۱) پارہ ۲۳ سورہ الصفت رکوع ۴

(۱۲) پارہ ۲۳ سورہ ص رکوع ۱

(۱۳) پارہ ۲۴ سورہ المومن رکوع ۴

(۱۴) پارہ ۲۴ سورہ حم سجدہ رکوع ۲

(۱۵) پارہ ۲۶ سورہ ق رکوع ۱

(۱۶) پارہ ۲۷ سورہ الزاریات رکوع ۲

(۱۷) پارہ ۲۷ سورہ النجم رکوع ۳

(۱۸) پارہ ۲۷ سورہ القمر رکوع ۲

(۱۹) پارہ ۲۹ سورہ الحاقہ رکوع ۱

(۲۰) پارہ ۳۰ سورہ الشمس رکوع

حضرت ابراہیم علیہ السلام

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ نمرود بن کنعان بادشاہ نے ایک خواب دیکھا کہ ایک ستارہ طلوع ہوا ہے کہ اس کی روشنی سے آفتاب اور مہتاب بے نور ہو گئے ہیں۔ نمرود نے خوف زدہ ہو کر کاہنوں سے دریافت کیا تو کاہنوں نے جواب میں کہا کہ ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے کہ جس کے ہاتھوں تیرا تخت تاراج ہوگا۔ نمرود نے پھر حکم دیا کہ اس سال میری مملکت میں جتنے لڑکے پیدا ہوں قتل کر دیئے جائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ نے جب یہ ماجرا سنا تو تولد کے وقت باہر ایک غار میں چلی گئیں وہاں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے۔ جس وقت حضرت ابراہیمؑ اپنی والدہ ماجدہ کے شکم اطہر میں تشریف لے گئے تو وہ خبر بھی کاہنوں نے نمرود کو بتا دی تھی۔ بہر حال آپ کی پیدائش کے بعد والدہ روزانہ دودھ پلانے کے لئے جاتیں۔ ایک دفعہ کیا دیکھتی ہے کہ آپ اپنی سرانگشت چوس رہے ہیں قدرت آپ کی پرورش کر رہی ہے۔ آپ ہفتہ میں اتنے بڑے ہوئے کہ ایک ماہ کے نظر آتے اور ماہ میں اتنے نظر آنے لگے جتنا سال کا بچہ ہوتا ہے۔

تفسیر حقانی میں اس طرح مذکور ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ بن تارخ جن کو آزر بھی کہتے ہیں بن ناخور جن کو سروج بھی کہتے ہیں بن رعو بن فلجم جن کو فاتع بھی کہتے ہیں بن عابر بن شالخ بن قینان بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام قصبہ ہواز میں پیدا ہوئے جو عراق میں ہے اور بعض کے نزدیک بابل میں پیدا ہوئے حضرت ابراہیمؑ شہر بابل یا اس کے اطراف میں رہتے تھے جس کے

کھنڈرات اب تک موجود ہیں جو بغداد سے چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں طوفان نوح سے پہلے غالباً بنی آدم کی آبادی سے ملک آرمینیا عراق اور ایران اور شام وغیرہ آباد تھے۔ یہیں سے پھر تمام ملکوں میں بنی آدم پھیلتے گئے۔ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ ہے آزر لقب ہے یا چچا کا نام ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بت پرستی کا از حد زور اور رواج تھا اسی لئے بابل اور نینویٰ کے بعض مقامات کو با اجازت سلطان روم خلد اللہ ملک کھدوایا تھا تو سنگ مرمر کے عجیب وغریب تراشے ہوئے بت مختلف صورتوں کے برآمد ہوئے جو بطور نمائش وہاں رکھے گئے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام ہمیشہ معصوم رہتے ہیں جب ہوشیار ہوگئے تو ایک دن اپنی والدہ سے دریافت کیا میرا رب کون ہے والدہ نے کہا میں ہوں کیونکہ رب پرورش کرنے والے کو کہتے ہیں۔ پھر دریافت کیا کہ تمہارا رب کون ہے والدہ نے جواب دیا کہ میرا رب تیرا باپ ہے فرمایا ان کا رب کون ہے والدہ نے کہا کہ نمرود بادشاہ ہے پھر حضرت ابراہیمؑ نے دریافت کیا کہ نمرود کا رب کون ہے والدہ نے کہا کہ خاموش ہو جاؤ۔ والدہ نے جا کر حضرت ابراہیمؑ کے والد کو کہا کہ جس لڑکے کی نسبت مشہور ہے کہ زمین والوں کا دین بدل دے گا وہ تمہارا فرزند نظر آتا ہے جو ایسی ایسی باتیں کرتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے شروع ہی سے توحید کی حمایت اور عقائد کفریہ کا ابطال شروع کیا۔ جب اس غار سے شب کے وقت نکلے تو ستارہ زہرا یا مشتری کو دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے اور چاند پرست اور سورج پرست سب پر حجت اس طرح قائم کی چنانچہ سورہ انعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”حضرت ابراہیم علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر ہیں اس لئے ان کی تبلیغ بھی ایسے امتیاز سے تھی کہ ربوبیت صرف اللہ کو زیبا ہے جو رب العلمین اور ارضی اور سماوی سفلی وعلوی کل کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ بہر حال ابراہیم علیہ السلام کا بت پرستی پر لعنت اور پوجنے والوں سے جھگڑا تکرار ان سب حالات سے نمرود با خبر ہوا تو ابراہیمؑ کو اپنی عدالت میں بلایا۔ حضرت ابراہیمؑ بے خوف ہو کر نمرود کے پاس گئے۔ لوگ جب نمرود کے پاس حاضر ہوئے تو اس کو سجدہ کرتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ سجدہ کیا نہ سر جھکایا تو نمرود نے نہایت غصے سے حضرت ابراہیمؑ کو کہا کہ تو نے مجھے سجدہ کیوں نہ کیا حضرت ابراہیم علیہ

السلام نے بے خوف ہو کر کہا کہ میں بغیر پروردگار عالم کے اور کسی کو سجدہ نہیں کرتا۔ نمرود نے کہا کہ تیرے پروردگار کی کیا تعریف ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جوابدیا کہ میرا پروردگار مارنے جلانے کا مختار ہے نمرود نے کہا کہ میں بھی مارتا جلاتا ہوں نمرود نے دو قیدیوں کو جو واجب القتل تھے قید خانہ سے بلایا ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا اور کہا دیکھ ایک کو میں نے مار ڈالا دوسرا بھی واجب القتل تھا اس کو میں نے زندہ چھوڑ دیا۔ جیسا کہ پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا“

”کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جس نے جھگڑا کیا ابراہیمؑ کے ساتھ اس کے رب کے بارے میں یہ کہ دی اس کو اللہ نے سلطنت۔ جب کہ ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب مارتا ہے اور جلاتا ہے کہا نمرود نے کہ میں بھی مارتا ہوں اور جلاتا ہوں“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب تو دراصل یہ نہ تھا لیکن وہ بے وقوف تھا۔ آپؑ نے سمجھایا یہ نالائق کند ذہن ہے پھر آپؑ نے اس کے سامنے ایسی دلیل پیش کر دی جس کا اس سے کوئی ٹوٹا پھوٹا جواب بھی نہ ہوسکا۔ ابراہیمؑ نے فرمایا میرا پروردگار روزانہ سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے اگر تیرا تصرف ہے تو تو مغرب سے سورج کو طلوع کر کے دکھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”کہا ابراہیمؑ نے پس اللہ تعالیٰ لاتا ہے سورج کو مشرق سے پس لے آ تو اس کو مغرب سے۔ پس حیران ہوگیا وہ آدمی جو کافر تھا“

اس سوال کا نمرود سے کسی قسم کا جواب نہ ہوسکا۔ اکثر لوگ اس معاملے کو دیکھ کر مسلمان ہوگئے۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مقابلہ ہوا تھا کہ میرا رب سورج کو روزانہ مشرق سے طلوع کرتا ہے اور تو مغرب سے طلوع کر کے دکھا اور میرا رب زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے تو نمرود نے کہا تھا کہ کیا تو نے کسی کو اپنی آنکھوں سے زندہ ہوتے دیکھا ہے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی جناب میں عرض کی کہ مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے جیسا کہ فرمان ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاھِیْمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَ لٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا وَاعْلَمْ

اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ

"اور جب کہا ابراہیم نے کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔فرمایا کیا تجھے یقین نہیں کہ میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔عرض کیا یقین تو ہے لیکن میرے دل کو تسکین ہو جائے۔فرمایا: پس پکڑ چار پرندے پس عادت ڈال اپنے ساتھ ان کی پھر اوپر ہر پہاڑ کے ان کے ٹکڑے رکھ پھر ان کو بلا آئیں گے تیری طرف دوڑے ہوئے اور جان کہ اللہ غالب حکمت والا ہے"

(پارہ ۳ سورہ بقرہ رکوع ۳۵)

اسی طرح پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حکم سے ان کو ذبح کیا اور سر اپنے پاس رکھے باقی ان کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔بعض کہتے ہیں کہ بالکل قیمہ کر دیا۔پھر ان کو چار یا سات پہاڑوں پر رکھ دیا جس پرندے کا سر پکڑ کر بلاتے فوراً سب پہاڑوں سے اس کے اجزا اڑ کر پرندہ بن جاتے اور اپنے سرے لگ کر پرندہ زندہ ہو جاتا۔اگر دوسرے پرندے کا سر اس پرندے کے سامنے کیا جاتا تو وہ پرندہ اس سر کے ساتھ نہ لگتا تھا۔

اس سوال میں ابراہیمؑ نے علم الیقین سے عین الیقین حاصل کیا۔پرندوں کے بارے میں بھی کئی اقوال ہیں کوئی کہتا ہے کہ کلنگ مور کبوتر اور مرغ تھے اور کسی نے کہا کہ کبوتر اور مور اور مرغ اور کوا تھے اور کسی نے مرغابی سے مرغ اور مور کا کہا ہے۔عادت ڈالنے سے مراد یہ تھی کہ جب کسی پرندے کو بلاؤ تو وہ فوراً آ جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اسی واسطے ریزہ ریزہ کرنے کے بعد بھی جس پرندے کا سر پکڑ کر اس کو بلایا تو اس کے اجزا بکھر کر اڑتے ہوئے اپنے سر کے ساتھ آ ملتے۔(ابن کثیر)

پھر ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا کہ اے باپ یہ کیا مورتیں ہیں کہ جن کی تم بندگی کرتے ہو اور رات دن ان کو سجدے کرتے رہتے ہو۔باپ نے کہا یہ ہمارے خدا ہیں۔ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ نہ ان کے کان ہیں نہ آنکھیں ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان باپ نے کہا تو ہمارے خداؤں سے بیزار ہے البتہ سنگسار کیا جائے گا تجھے جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں فرمان ربانی ہے۔

"اور بلا شک ہم نے ابراہیمؑ کو اول ہی سے رشد و ہدایت عطا کی تھی اور اس کے معاملے کے جاننے والے تھے جب اس نے اپنے باپ اور قوم سے کہا کہ یہ مجسمے کیا ہیں جن کو تم لئے بیٹھے ہو۔کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو انہیں کی پوجا کرتے پایا ہے"

ان کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:۔

"ابراہیمؑ نے کہا کہ بیشک تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں ہو"

کہنے لگے کہ تو سچی بات کرتا ہے یا مذاق کرنے والوں سے ہے۔ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بت تمہارے رب نہیں بلکہ تمہارا رب زمینوں اور آسمانوں کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور میں اسی بات کا قائل ہوں جیسا کہ فرمان ہے۔

"بلکہ تمہارا رب اللہ ہے آسمانوں اور زمینوں کو جس نے پیدا کیا ہے۔میں تو اس بات کا گواہ اور قائل ہوں"۔(سورہ الانبیاء پارہ ۱۷ رکوع ۵)

پھر تمہارے معبود کسی ادنیٰ چیز کے بھی خالق نہیں اور نہ یہ مالک ہیں پھر یہ معبود اور مسجود کیسے ہو سکتے ہیں خدا کی قسم میں ان سے برا سلوک کروں گا۔جیسا کہ ارشاد ہے۔

"قسم ہے اللہ کی البتہ میں برا سلوک کروں گا تمہارے بتوں سے پیچھے اس کے کہ پھر جاؤ تم پیٹھ پھیر کر"

اور ایک دفعہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا کہ تم بتوں کو سجدہ کرتے ہو میں تجھے اور تمہاری قوم کو گمراہی میں دیکھتا ہوں تم صریح گمراہی میں ہو۔جیسا کہ ارشاد ہے۔

"جب کہا ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کیا تو بناتا ہے بتوں کو خدا میں تجھ کو اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں"

اور ایسے واقعات اس لئے تھے کہ پروردگار عالم جل جلالہٗ نے آپ کو زمین و آسمان کی سلطنت کا مشاہدہ کرایا تھا جیسا کہ ارشاد ہے۔

"اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت کا مشاہدہ کرا دیا اور تا کہ وہ یقین کرنے والوں سے ہو جائے"

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابراہیمؑ کے باپ کا نام تارخ اور ماں کا نام شانی تھا آزر ایک بت کا نام تھا ابراہیمؑ کے باپ اس بت کے خادم اور پجاری تھے اس لئے یہی نام ان پر لقب آ گیا۔اور آزر ٹیڑھے کو بھی کہتے ہیں۔ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی توحید کے مقابلے میں اپنے باپ کو اس کلمہ سے پکارا ہو۔

ابن جریرؓ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ابراہیمؑ کی نگاہوں کے سامنے آسمان پھٹ گئے تھے اور ابراہیمؑ سب چیزوں کو دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ ان کی نظر عرش عظیم تک پہنچی اور ساتوں زمینیں ان کے واسطے کھل گئیں اور وہ زمین کی اندر کی چیزیں دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ انسانوں

کے گناہ بھی دیکھ کر بد دعا کرنے لگے تو پروردگار عالم نے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ میں تم سے زیادہ اپنے بندوں پر کریم ہوں شاید یہ توبہ کر کے ہماری طرف رجوع کریں۔

پھر ابراہیم علیہ السلام پر وہ مشاہدہ بند ہو گیا۔ (ابن کثیر)

پروردگار عالم نے ہر قسم کی دلیلیں ابراہیمؑ کو بتا دی تھیں تا کہ ابراہیمؑ کی شان اور بیان بلند رہے اور ہر مرحلے میں کامیاب ہو جائیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

''اور یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابلے میں عطا کی ہم جس کو چاہتے ہیں اس کا درجہ بلند کر دیا کرتے ہیں بیشک تیرا رب دانا ہے جاننے والا ہے''

ہر دفعہ ابراہیم علیہ السلام سے قوم کا جھگڑا ہی رہا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

''اور ابراہیمؑ کی قوم نے اس سے جھگڑنا شروع کیا۔ ابراہیمؑ نے کہا کیا جھگڑتے ہو تم میرے ساتھ اللہ کے بارے میں''

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی جیسا کہ سورہ مریم میں ارشاد ہے۔

''اور یاد کر کتاب میں ابراہیم کا ذکر بیشک وہ سچا نبی تھا۔ جب کہا اس نے اپنے باپ کو کہ اے ابا جان کیوں ایسی چیز کی پوجا کرتے ہو جو نہ سنتی ہے اور نہ دیکھتی ہے اور نہ آپ کے کسی کام آ سکتی ہے۔ اے میرے ابا جان یقیناً آیا ہے میرے پاس علم جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ میری تابعداری کرو میں سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔ اے میرے ابا جان شیطان کی فرمانبرداری نہ کریں بیشک شیطان خدا کا نافرمان ہے اے میرے ابا جان بیشک میں ڈرتا ہوں کہ پہنچے آپ کو خدا کی طرف سے عذاب پس ہو جائیں آپ شیطان کے دست''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایسی نرم وصیت کا بھی باپ پر کچھ اثر نہ ہوا اور جواب میں کہا کہ اے ابراہیم تو ہم کو ہمارے معبودوں کی عبادت سے منع کرتا ہے یاد رکھ اگر تو باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر دیا جائے گا جیسا کہ ارشاد ہے۔

''کہا باپ نے کیا تو میرے معبودوں سے پھیرتا ہے اگر تو باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر دیا جائے گا اور چھوڑ دے مجھ کو کچھ مدت تک''

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم اور والد کو ہر طرح سے سمجھایا۔

جب ان کے ایک بڑے میلے کا وقت آ گیا تو باپ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ کل ہماری عید ہے جنگل میں میلہ لگے گا ہم نفیس کھانے پکا کر بتوں کے پاس رکھیں گے اور میلہ سے واپسی پر آ کر تبرکاً کھائیں گے تم بھی ہمارے ساتھ چلو اور ہمارے میلے کی رونق دیکھو پھر واپس آ کر بتوں کی سجاوٹ دیکھنا۔ جب یہ سب کچھ تم دیکھ لو گے تو پھر ہم کو ان کی پرستش سے نہ روکو گے۔ حضرت ابراہیمؑ نے چونکہ ایک وقت یہ بات کہی تھی کہ میں تمہارے بتوں کے ساتھ سمجھوں گا پھر اس تاک میں تھے کہ کبھی بت خانہ میں موقع پا کر اپنی بات کو پوری کر کے ان پر پوری حجت قائم کروں یہ اصل موقع تھا جس کا ابراہیم علیہ السلام کو انتظار تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے میلہ میں جانے سے اس طرح اپنے آپ کو بچایا کہ جیسا کہ ستارہ شناس نجوم کے ماہر نجوم کے موقع کو دیکھا کرتے ہیں۔ ابراہیمؑ نے بھی ستاروں کی طرف دیکھا جیسا کہ فرمان ربی ہے۔

''پس ابراہیمؑ نے ایک نظر ستاروں کی طرف کی۔ پس فرمان میں بیمار ہوں''

اصل میں یہ جھوٹ بھی نہیں کیونکہ دل میں اس کفر کے مٹانے کا غم تھا لیکن قوم کے لوگ متعدی بیماری سے ڈرتے تھے انہوں نے سمجھا کہ ابراہیمؑ کسی متعدی بیماری سے ڈرتے تھے انہوں نے سمجھا کہ ابراہیمؑ کسی متعدی بیماری میں مبتلا ہونے والا ہے یعنی ایک دوسرے کو لگنے والی بیماری۔ پھر ان کو مجبور نہ کیا جیسا کہ فرمان ہے۔

ختنہ

اور جب ختنہ کا حکم آیا تھا تو اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر اسی برس تھی اور قصص القرآن میں ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ننانوے سال تھی۔ اسی روز اپنا اور تمام نوکروں اور غلاموں کا ختنہ کیا تھا۔ آپؑ نے خدا کے حکم کی تعمیل میں اس قدر جلدی کی کہ گھر میں ایک تیشہ تھا اسی کے ساتھ اپنا ختنہ کیا جب سخت تکلیف ہوئی تو جناب الٰہی میں دعا کی حکم ہوا کہ تم نے جلدی کی ابھی تک تم کو طریقہ نہ بتایا تھا خود بخود تم نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا۔ عرض کیا الٰہی میں نے تیرے حکم میں توقف کرنا جائز نہ سمجھا۔ اور بیہقی میں ہے کہ حضرت اسحٰقؑ کا ختنہ ساتویں روز کیا تھا اور حضرت اسمٰعیلؑ کا تیرہویں برس کیا تھا اور ہمارے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین کا ختنہ بھی ساتویں روز کیا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ختنہ کا طریقہ جاری کیا ہے۔ اس سے پہلے پیغمبر ختنہ شدہ پیدا ہوتے تھے۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔ اور سفید بالوں والے بھی

سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ سفید بال دیکھ کر حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا یا الٰہی بالوں کو یہ کیا ہوا خدا نے فرمایا یہ وقار ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے لبوں کے بال اور بغل کے بال اور زیر ناف بال کٹائے ناخن کترائے شلوار پہنی اور خضاب لگایا اور جو لگائی۔ اور خطبہ ممبر پر پڑھا۔ عصا ہاتھ میں لیا اور راہ خدا میں جہاد کیا۔

حضرت لوطؑ کو رومیوں نے قید کرلیا تھا ابراہیمؑ نے رومیوں سے جہاد کر کے لوطؑ کو چھڑا لیا۔ اور آپ بڑے مہمان نواز تھے اپنے مکان کے چار دروازے لگائے کہ چاروں طرف سے مہمان آئیں۔ جب مہمان نہ ملتے تو اپنے مکان کے چاروں طرف سے ایک ایک کوس تک مہمانوں کو تلاش کرتے۔ مسند امام احمد میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی کہ الٰہی سوائے میرے زمین پر کوئی نہیں کہ تیری عبادت کرے۔ حق تعالیٰ جل شانہ نے تین ہزار فرشتے بھیج دیئے کہ ابراہیمؑ کے ساتھ ہو کر عبادت کریں۔ ثرید سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے بنایا اور شیرمال بھی پکایا۔ مرد سے مرد معانقہ کرتے ہیں کہ یہ دوستی کی علامت ہے یہ بھی پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا:۔

آپ کا شجرۂ نسبت کچھ اس طرح ہے۔ ابراہیم بن (۲۵۰) تارخ بن ناحور (۱۴۸) بن ساروغ (۲۳۰) بن راغو (۲۳۹) بن فالغ (۴۳۹) بن عابر (۴۶۴) بن شالخ (۴۳۳) بن ارخشد (۴۳۸) بن سام بن نوح علیہ السلام (۶۰۰)

حافظ ابن عساکر اپنی تاریخ میں اسحاق بن بشر کاہلی صاحب "المبتر اء" کے حوالے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوانح حیات لکھتے ہوئے بتاتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا نام "امیلہ" تھا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے واقعہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ کلبی فرماتے ہیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی "بونا" بنت کربتا بن کرثی ہے جو ارفخشد بن سام بن نوح کی اولاد سے ہیں ابن عساکر عکرمہ سے ایک اور طریق سے روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام "ابوالضیفان" کنیت فرماتے تھے۔

اہل کتاب لکھتے ہیں کہ جب تارخ کی عمر پچھتر سال ہوئی تو ان سے ابراہیم، ناحور، ھاران پیدا ہوئے اور ہاران سے لوط علیہ السلام پیدا ہوئے۔ وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تارخ کے درمیانی بیٹے تھے۔ اور ہاران اپنے باپ کی حیات میں اسی جگہ فوت ہوگئے جہاں وہ پیدا ہوئے تھے ان کی جائے پیدائش کلدانیوں کا ملک بابل بتایا جاتا ہے۔ اور ابن عساکر نے اسے ہشام بن عمار کے طریق سے روایت کرنے کے بعد اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ہشام

بن عمار نے اسے ولید سے، انہوں نے سعید بن عبدالعزیز سے انہوں نے مکحول سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام بابل میں پیدا ہوئے ہیں۔ غوطۃ الدمشق کی بستی "برزہ" کی طرف منسوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام اس مقام پر قیام پذیر تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی مدد کے لئے یہاں تشریف لائے تھے اور آپ علیہ السلام نے اس مقام پر نماز ادا فرمائی تھی۔

علماء اہل کتاب فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت "سارہ" کے ساتھ شادی کی اور ان کے بھائی "ناحور" نے اپنی بھتیجی "ملکا" بنت ہاران سے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت "سارہ" بانجھ تھیں ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تارخ اپنے بیٹے ابراہیم اور ان کی بیوی سارہ اور ان کے بھتیجے لوط بن ہاران کے ساتھ روانہ ہوئے اور کلدانیوں کی زمین سے ہجرت کر کے ارض کنعان آ گئے۔ وہ ملک کنعان میں حران نامی جگہ پر اترے۔ یہیں تارخ مالک حقیقی سے جا ملے۔ اس وقت ان کی عمر اڑھائی سو سال تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم حران میں پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ آپ کلدانیوں کی زمین میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور کلدانیوں کی سرزمین بابل اور اس کے گردونواح کا علاقہ ہے۔ پھر آپ علیہ السلام ارض کنعان کی طرف عازم سفر ہوئے جسے بیت المقدس کہا جاتا ہے۔ اور حران میں قیام پذیر ہوئے جوان دنوں کلدانیوں کی سرزمین کہلاتی تھی۔ اسی طرح جزیرہ اور شام کے علاقے بھی انہیں کے قلمرو میں آتے تھے۔

کلدانی سات ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ ان دنوں دمشق کے تمام لوگوں کا دین بھی ستارہ پرستی تھا۔ وہ قطب شمالی کی طرف منہ کر کے قولاً اور فعلاً سات ستاروں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اسی لئے دمشق کی ہر ایک دروازے پر ان سات ستاروں کی عبادت کے لئے عرصے سے ہیکل بنے ہوئے تھے۔ اور دمشق کے سب باسی ان ستاروں کے لئے عیدیں اور میلے منعقد کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح اہل حران بھی کواکب اور مورتیوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان دنوں پوری دنیا میں تقریباً بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ صرف ابراہیم، ان کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام لعنت سے محفوظ تھے۔

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام ہی وہ واحد ہستی ہیں جن کے ذریعے اللہ کریم نے ان فتنوں کا ازالہ فرمایا اور اس گمراہی کا بطلان کیا۔ اللہ کریم نے بچپن سے ہی ابراہیم علیہ السلام کو دانائی عطا کر دی تھی۔ اور جب آپ علیہ السلام جوان ہو گئے تو انہیں رسالت کے منصب پر فائز کر کے اپنا

خلیل ہونے کا شرف عطا فرما دیا۔اس ضمن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

''اور یقیناً ہم نے مرحمت فرمائی تھی ابراہیم کو ان کی دانائی اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے''۔(الانبیاء:۵۱)

یعنی وہ اس مقام و مرتبہ کے لائق تھے۔

سورۃ عنکبوت میں ارشاد فرمایا:۔

''اور ابراہیم کو یاد کرو جب آپ نے فرمایا اپنی قوم کو عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرتے رہا کرو یہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔تم تو پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی اور تم گھڑا کرتے ہو نرا جھوٹ۔بیشک جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر، وہ مالک نہیں تمہارے رزق کے پس طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے رزق کو اور اس کی عبادت کیا کرو اور اس کا شکر ادا کیا کرو اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو (یہ کوئی نئی بات نہیں، جھٹلایا) اپنے نبیوں کو ان امتوں نے بھی جو تم سے پہلے تھیں اور رسول پر فرض نہیں بجز اس کے کہ (وہ اللہ کا حکم) صاف طور پر پہنچا دے۔

کیا انہوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کس طرح آغاز فرماتا ہے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کا پھر (کس طرح) اس کا اعادہ کرتا ہے۔بلاشبہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل آسان ہے۔فرمائیے سیر و سیاحت کرو زمین میں اور غور سے دیکھو کس طرح اس نے خلق کی ابتدا فرمائی پھر اللہ تعالیٰ (اسی طرح) پیدا فرمائے گا دوسری بار۔بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے رحم فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے۔اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے۔اور نہیں ہو تم بے بس کرنے والے (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں (بھاگ کر) اور نہ آسمان میں (پناہ لے کر) اور نہیں ہے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور کوئی مددگار۔

اور جن لوگوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا، وہ لوگ مایوس ہوگئے ہیں میری رحمت سے اور وہی لوگ ہیں جن کے لئے عذاب الیم ہے۔آپ کی قوم سے کوئی جواب نہ بن آیا بجز اس کے کہ انہوں نے کہا کہ اسے قتل کر ڈالو یا اسے جلا دو، سو بچا لیا اسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے۔بیشک اس واقعہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔اور ابراہیم نے کہا کہ تم نے بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (و پیار) کا ذریعہ اس دنیوی زندگی میں۔

پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور پھٹکار بھیجو گے ایک دوسرے پر

اور تمہارا ٹھکانا آتش (جہنم) ہوگا اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار۔تو ایمان لائے ان پر لوط اور ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف۔بے شک وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔اور ہم نے عطا فرمایا آپ کو اسحٰق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا پوتا) اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب اور ہم نے دیا ان کو ان (کی جان نثاری) کا اجر اس دنیا میں۔اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالحین (کے زمرہ) میں ہوں گے''۔(عنکبوت:۱۶۔۲۷)

سب سے پہلے آپ علیہ السلام نے اپنے باپ کو دعوت دی۔آپ کا باپ بھی بتوں کا پجاری تھا۔اس لئے سب سے زیادہ حق دار تو وہ تھا کہ اسے خلوص کے ساتھ نصیحت کی جائے۔جیسا کہ رب قدوس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔

''اور ذکر کیجئے آپ کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا۔وہ بڑا راست باز نبی تھا۔جب انہوں نے کہا اپنے باپ سے کہ اے میرے باپ تو کیوں عبادت کرتا ہے اس کو جو نہ کچھ سنتا ہے نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ تجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔اے میرے باپ!بیشک آیا ہے میرے پاس وہ علم جو تیرے پاس نہیں آیا۔اس لئے تو میری پیروی کر میں دکھاؤں گا تجھے سیدھا راستہ اے باپ! شیطان کی پوجا نہ کیا کر۔بے شک شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔اے باپ!میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تجھے پہنچے عذاب (خدائے) رحمٰن کی طرف سے تو تو بن جائے شیطان کا ساتھی۔باپ نے کہا کیا روگردانی کرنے والا ہے تو میرے خداؤں سے اے ابراہیم!اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا اور دور ہو جا میرے سامنے سے کچھ عرصہ۔ابراہیم نے (جواب میں) کہا سلام ہو تم پر۔میں مغفرت طلب کروں گا تیرے لئے اپنے رب سے۔بیشک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے۔اور میں الگ ہو جاؤں گا تم سے اور (ان سے بھی) جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کی برکت سے نامراد نہیں ہوں گا۔پس جب وہ جدا ہو گیا ان سے اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر۔تو عطا فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب۔اور سب کو ہم نے نبی بنایا''

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے ساتھ گفتگو اور مباحثہ اور مکالمہ کو بیان فرما رہا ہے۔آیات کریمہ سے ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ نے کتنے لطیف انداز میں خوبصورت اشاروں سے اپنے باپ کے ساتھ گفتگو کی آپ علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ مورتیوں کی عبادت عقل مندی نہیں جو نہ عبادت گزار کی دعا کو سنتی ہیں اور نہ اسے دیکھنے کی قدرت رکھتی ہیں۔ایسے بے جان پتھر بھلا اپنے پرستار کو کیا فائدہ دیں گے یا رزق اور مدد کے

معاملے میں اس کی کیا مدد کریں گے۔ پھر آپ نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے مجھے
نافع اور ہدایت کا نور دیا ہے اگر چہ میں صغر سن ہوں لیکن اس کی عطا سے میری جھولی بھری ہوئی ہے
"اے میرے باپ! بیشک آیا ہے میرے پاس وہ علم جو تیرے پاس نہیں آیا اس لئے
تو میری پیروی کر۔ میں دکھاؤں گا تجھے سیدھا راستہ"۔ (مریم:۴۳)

یہاں صراطاً سویا سے مراد وہ راستہ ہے جو سیدھا بھی ہو اور واضح بھی۔ آسان بھی ہو اور
فطرت کے مطابق بھی۔ جس پر چل کر انسان دنیا و آخرت میں سرخرو اور کامیاب ہو جائے۔

جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو یہ تلقین کی اور حق کی راہ پر گامزن ہونے کی
نصیحت کی تو وہ اکڑ گیا اور اس نے اس نصیحت کو قبول نہ کیا۔ بلکہ وہ آپ علیہ السلام پر برافروختہ ہو
کر دھمکیاں دینے لگا اور یہاں تک کہہ اٹھا کہ:۔

"کیا روگردانی کرنے والا ہے تو میرے خداؤں سے۔ اے ابراہیم! اگر تم باز نہ آئے تو
میں تمہیں سنگسار کر دوں گا"

کہا جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے آپ کی یہ دھمکی قولاً دی۔ اور بعض
یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ فعلاً یہ وعید اور تہدید عمل میں آئی۔ (واهجرنی ملیا) اور دور ہو جا میرے
سامنے سے کچھ عرصہ" (مریم: ۴۷) یعنی میں تجھے عاق کرتا ہوں اب تجھے اس شہر سے دربدر ہونا
پڑے گا۔

اس دھمکی کے جواب میں ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: سلام علیک (مریم: ۴۷) "سلامتی
ہو تم پر" یعنی میری طرف سے تمہیں کسی برے سلوک کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور نہ میرے ہاتھ
اور زبان سے تمہیں تکلیف پہنچے گی۔ بلکہ تم میری طرف سے مامون و مطمئن ہو۔ پھر کمال خیر خواہی
کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ سا ستغفر لک ربی انه کان بی حفیا "میں مغفرت طلب کروں
گا تیرے لئے اپنے رب سے بیشک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے" (مریم: ۴۷)

حضرت ابن عباس اور کئی دوسرے مفسرین رضی اللہ عنہم نے "حفیا" کا معنی "لطف
کرنے والا" کیا ہے۔ یعنی میرے رب کا مجھ پر بے حد لطف و کرم ہے کہ اس نے مجھے اپنی عبادت
کی ہدایت اور اخلاص وللّٰہیت کی دولت سے نوازا ہے۔

آپ نے فرمایا:۔

"اور میں الگ ہو جاؤں گا تم سے اور (ان سے بھی) جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ
تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ اور میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت

کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا"۔ (مریم:۴۸)

ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے لئے دعائے مغفرت کی کیونکہ آپ اس سے وعدہ کر چکے
تھے کہ میں اللہ تعالیٰ سے تیرے لئے عفو و درگزر کی درخواست کروں گا۔ لیکن جب انہیں یقین ہو گیا
کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ نے اس سے برأت کا اعلان کر دیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

"اور نہ تھی استغفار ابراہیم کی اپنے باپ کے لئے مگر ایک وعدہ (کو پورا کرنے) کی
وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا۔ اور جب ظاہر ہو گئی آپ پر یہ بات کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو
آپ بیزار ہو گئے اس سے۔ بیشک ابراہیم بڑے ہی نرم دل (اور) بردبار تھے"۔ (التوبہ:۱۱۴)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہم سے اسماعیل بن عبداللہ نے بیان کیا۔ مجھ
سے میرے بھائی عبدالحمید نے بیان کیا۔ انہوں نے ابن ابی ذئب سے انہوں نے سعید المقبری سے
انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے
فرمایا۔ قیامت کے روز ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر سے ملاقات کریں گے۔ جب کہ اس کا
چہرہ بری طرح غبار آلود ہو چکا ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام اس سے کہیں گے۔ میں تمہیں نہ کہتا تھا
میری نافرمانی نہ کر؟ آزر کہے گا۔ آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔

تب ابراہیم علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے۔ اے میرے رب؟ تو نے مجھ
سے وعدہ کیا تھا کہ تجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کروں گا۔ بھلا اس سے بڑی رسوائی اور کیا ہو گی
کہ میرا باپ مجھ سے اتنا دور ہے؟

رب قدوس فرمائیں گے۔ میں نے کافروں کے لئے جنت حرام کر دی ہے۔ پھر ابراہیم
علیہ السلام سے کہا جائے گا۔ اے ابراہیم! آپ کے پاؤں کے نیچے کیا ہے؟ آپ فوراً دیکھیں گے
تو (آزر) خون میں لت پت مرا پڑا ہوگا۔ پھر اس کے جوڑ جوڑ کو لے کر آگ میں ڈال دیا جائے
گا۔ اس حدیث کو فقط ابراہیم میں صرف انہوں نے ہی روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب التفسیر میں فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن طھمان نے ابن ابی
ذئب سے، انہوں نے سعید المقبری سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ
سے روایت کرتے ہوئے فرمایا۔

اسی طرح اس قصے کو امام نسائی نے احمد بن حفص بن عبداللہ سے، انہوں نے اپنے
باپ سے، انہوں نے ابراہیم بن طھمان سے انہیں انہی الفاظ میں روایت کیا ہے۔ اسے بزاز نے
حماد بن سلمہ کی حدیث سے، انہوں نے ایوب سے، انہوں نے محمد بن سیرین سے، انہوں نے

حضرت ابو ہریرہ سے، انہوں نے رسول کریم ﷺ سے اسی طرح روایت فرمایا ہے۔

اس حدیث کے سیاق میں غرابت پائی جاتی ہے۔ بزاز نے قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے حوالے سے، انہوں نے عقبہ بن عبدالغافر سے، انہوں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اسے روایت کیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:۔

''اور یاد کرو جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کیا تم بناتے ہو بتوں کو خدا۔ بے شک میں دیکھتا ہوں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں''۔ (الانعام:۷۴)

اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر تھا۔ جمہور علمائے نسب جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اسم گرامی بھی آتا ہے فرماتے ہیں کہ آپ کے باپ کا نام ''تارخ'' تھا۔ اہل کتاب بھی آپ کے باپ کا نام ''تارخ'' خائے معجمہ کے ساتھ بتاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آزر اس کا لقب ہے۔ کیونکہ یہ آزر نامی بت کی پوجا کرتا تھا اس لئے اسی نسبت سے اسے بھی آزر کہا جاتا تھا۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کا نام آزر تھا۔ اور ہوسکتا ہے اس کے دو نام ہوں جو بطور علم استعمال ہوتے ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے ایک لقب ہو اور دوسرا نام ہو۔

بہر حال یہ احتمال صحیح ہے اور اسے بالکل رد نہیں کیا جاسکتا۔ (واللہ اعلم)

پھر رب قدوس نے فرمایا:

''اور اسی طرح ہم نے دکھادی ابراہیم کو ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی تاکہ وہ ہو جائیں کامل یقین کرنے والوں میں پھر جب چھا گئی ان پر رات (تو) دیکھا انہوں نے ایک ستارا بولے (کیا) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا (تو) بولے میں نہیں پسند کرتا ڈوب جانے والوں کو پھر جب دیکھا چاند کو چمکتے ہوئے تو کہا (کیا) یہ میرا رب ہے (؟) پھر جب وہ (بھی) غروب ہوگیا تو آپ نے کہا اگر نہ ہدایت دیتا مجھے میرا رب تو ضرور ہوجاتا میں بھی اس گمراہ قوم سے پھر جب دیکھا سورج کو جگمگاتے ہوئے (تو) بولے (کیا) یہ میرا رب ہے (؟) یہ تو ان سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا (تو) آپ نے فرمایا: اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو بے شک میں نے پھیر لیا ہے اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو یکسو ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے۔

اور جھگڑنے لگی ان سے ان کی قوم آپ نے کہا کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے اللہ کے

بارے میں حالانکہ اس نے ہدایت دے دی ہے مجھے۔ اور نہیں ڈرتا میں ان سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو اس کا۔ مگر یہ کہ چاہے میرا ہی پروردگار کوئی تکلیف پہنچانا گھیرے ہوئے ہے میرا رب ہر چیز کو (اپنے) علم سے تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کروگے اور کیسے ڈروں میں (ان سے) جنہیں تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے حالانکہ تم نہیں ڈرتے (اس سے) کہ تم نے شریک بنایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسے کہ نہیں اتاری اللہ نے اس کے متعلق تم پر کوئی دلیل تو (تم ہی بتاؤ) دونوں فریقوں سے کون زیادہ حقدار ہے امن (وسلامتی) کا؟ اگر تم (کچھ) جانتے ہو وہ جو ایمان لائے اور نہ ملایا انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے انہیں کے لئے ہی امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے دی تھی ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں۔ ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے چاہتے ہیں بے شک آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے''

(الانعام:۷۵۔۸۳)

ان آیات میں ابراہیم علیہ السلام اور بت پرستوں کے مناظرے کو بیان کیا جا رہا ہے۔ آپ انہیں بتاتے ہیں کہ یہ روشن ستارے جو نظر آرہے ہیں الوہیت کے حقدار نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کمال تک پہنچایا ہے۔ اسی ذات نے انہیں وجود بخشا ہے۔ اب وہی ان کا مالک ہے۔ اور اسی کے دست قدرت میں ان کی باگ دوڑ ہے۔ کبھی یہ طلوع ہوتے ہیں اور کبھی غروب ہوجاتے ہیں۔ ادھر یہ مطلع فلک پر نظر آتے ہیں تو ادھر نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں پروردگار عالم کی نظر سے تو کچھ غائب نہیں رہ سکتا۔ اور کوئی خفیف ترین ذرہ بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔ بلکہ وہ ذات اقدس تو دائم، باقی اور لازوال ہے۔ اس کے سواء کوئی معبود نہیں اور اس کے علاوہ کوئی پروردگار نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے انہیں یہ بات سمجھائی کہ یہ ستارہ خدا نہیں بن سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ زہرہ کی عبادت کرتے تھے۔ پھر آپ چاند کی طرف متوجہ ہوئے جس کی روشنی اور چمک دمک زہرہ سے کہیں زیادہ ہے۔ پھر سورج کی طرف متوجہ ہوئے جو تمام اجرام فلکی سے روشنی، خوبصورتی اور حجم میں بڑا نظر آتا ہے۔ آپ نے انہیں متوجہ کرکے فرمایا کہ یہ سورج جس کی روشنی سے زمین کا ایک وسیع خط چمک اٹھتا ہے جس پر یہ گردش کناں ہے۔ یہ اسی کی صنعت کا کمال اور اس کی کمال قدرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ خدا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ جیسا کہ سورہ حم سجدہ میں فرمایا۔

''اور اس کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی۔ سورج بھی

ہے اور چاند بھی۔مت سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اللہ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے۔اگر تم واقعی اس کے پرستار ہو''

اسی لئے رب قدوس ارشاد فرماتے ہیں:

''پھر جب دیکھا سورج کو جگمگاتے ہوئے'' (انعام:۷۸)

بازغة کا معنی طالعۃ (طلوع ہوتے) بھی ہے۔

''تو بولے (کیا) یہ میرا رب ہے (؟) یہ تو ان سب سے بڑا ہے۔لیکن جب وہ ڈوب گیا (تو) آپ نے فرمایا۔اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔بیشک میں نے پھیر لیا ہے اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو۔یک سو ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے اور جھگڑنے لگی ان سے ان کی قوم۔آپ نے کہا کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ اس نے ہدایت دے دی ہے مجھے اور نہیں ڈرتا میں ان سے جنہیں تم شریک بناتے ہو اس کا۔مگر یہ کہ چاہے میرا پروردگار کوئی تکلیف پہنچانا''

یعنی اللہ کو چھوڑ کر تم جن خداؤں کی پرستش کرتے ہو مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں نہ تو کچھ فائدہ دے سکتے ہیں اور نہ سنتے ہیں۔ان میں سمجھنے کی صلاحیت ودیعت ہی نہیں کی گئی یہ تو دوسرے ستاروں اور جمادات کی طرح حکم خداوندی کے پابند اور محتاج ہیں۔یا وہ مورتیاں جنہیں تم خدا کہتے ہو تمہارے ہی ہاتھوں کی تراشیدہ اور مصنوعہ ہیں ان میں خدائی کے جلوے کیسے آ سکتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ آپ کی یہ نصیحت اہل حران کے لئے تھی جو ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔یہ آیت کریمہ ان لوگوں کا بھی رد کرتی ہے جن کا یہ گمان ہے آپ نے یہ گفتگو اس وقت فرمائی جب آپ بچے تھے اور تہ خانے سے نکلے تھے۔جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے۔دراصل تہہ خانے والا واقع اسرائیلی روایات سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا اور خصوصاً ایسی صورت میں تو وہ بالکل ہی قابل اعتماد نہیں رہتا جب حق کے مخالف ہو۔

بہر حال اہل بابل بتوں کی پرستش کرتے تھے۔آپ علیہ السلام نے بتوں کی پوجا پاٹ کے متعلق پوجاریوں سے مناظرہ کیا۔بت پرستی کی قباحتوں کو عیاں فرمایا اور ان کی خدائی کا کھنڈن اسلوب میں بطلان کیا۔جیسا کہ اس واقعہ کو رب قدوس بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''اور ابراہیم نے کہا کہ تم نے بنالیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (کا ذریعہ اس دنیوی زندگی میں۔پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا۔اور پھٹکار بھیجو گے ایک دوسرے پر اور تمہارا ٹھکانا آتش (جہنم) ہوگا اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار''

سورہ انبیاء میں ارشاد فرمایا:۔

''اور یقیناً ہم نے مرحمت فرمائی تھی ابراہیم کو ان کی دانائی اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔یاد کرو جب آپ نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پوجا پاٹ پر تم جمے بیٹھے ہو۔وہ بولے پایا ہے ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو کہ وہ ان کے پجاری تھے۔آپ نے فرمایا بلا شبہ مبتلا رہے ہو تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی ہوئی گمراہی میں۔انہوں نے پوچھا کیا تم ہمارے پاس کوئی سچی بات لے کر آئے ہو یا (صرف) دل لگی کر رہے ہو۔آپ نے فرمایا (دل لگی نہیں کر رہا) بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے۔اور میں اس (صداقت) پر گواہی دینے والوں سے ہوں۔اور بخدا! میں بندوبست کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم چلے جاؤ گے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔پس آپ نے انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالا مگر ان کے بڑے بت کو کچھ نہ کہا تاکہ وہ لوگ (اس افتاد کے بارے میں اس کی طرف رجوع کریں۔

وہ بولے کس نے یہ حال کیا ہے ہمارے بتوں کا بیشک وہ ظالموں میں سے ہے۔(چند آدمیوں نے) کہا ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے کہ وہ ان کا ذکر (برائی سے) کیا کرتا ہے اسے ابراہیم کہا جاتا ہے کہنے لگے تو پھر (پکڑ کر) لاؤ اسے سب لوگوں کے روبرو شاید وہ اس کے متعلق کوئی شہادت دیں (ابراہیم پکڑ کر لائے گئے تو) لوگوں نے پوچھا اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ فرمایا بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہوگی سو ان سے پوچھو اگر یہ گفتگو کی سکت رکھتے ہوں (لاجواب ہو کر) اپنے دلوں میں غور کرنے لگے پھر بولے بلاشبہ تم ہی زیاں کار ستمگار ہو۔پھر وہ اوندھے ہو کر (اپنی سابقہ گمراہی کی طرف) پلٹ گئے۔اور کہنے لگے تم خوب جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں۔

آپ نے فرمایا (نادانو!) کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان (بے بس بتوں) کی جو نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں تف ہے تم پر نیز ان بتوں پر جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟ (سب یک زبان ہو کر) بولے جلا ڈالو اس کو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو۔(جب آپ کو آتش کدہ میں پھینکا گیا تو) ہم نے حکم دیا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا ابراہیم کے لئے

انہوں نے تو ابراہیم کو گزند پہنچانے کا ارادہ کیا لیکن ہم نے ان کو ناکام بنادیا''

(الانبیاء: ۷۰)

قوم جب میلہ پر جانے لگی تو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی دعوت دی تو آپ نے فرمایا: (انی سقیم) میں بیمار ہوں حالانکہ آپ بیمار نہیں تھے۔ یہ تو (معاذ اللہ) جھوٹ ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بت توڑ دیئے۔ قوم نے پوچھا تو آپ نے فرمایا: (بل فعلہ کبیر ھم) یہ کام تو ان کے بڑے نے کیا ہے حالانکہ بڑے بت نے چھوٹے بتوں کو نہیں توڑا تھا تو آپ نے یہ کیسے کہہ دیا؟ یہ بھی معاذ اللہ جھوٹ نظر آتا ہے اور حدیث شریف میں بھی آپ کے تین جھوٹوں کا ذکر ملتا ہے ان تین میں سے دو یہی ہیں جن کا ذکر کیا گیا۔

جھوٹ بولنے والا نبی نہیں ہوسکتا جھوٹ گناہ کبیرہ ہے انبیائے کرام قبل از نبوت اور بعد از نبوت صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے پاک ہیں۔

وہ حدیث جس سے بعض غیر اسلامی لوگوں نے سمجھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معاذ اللہ تین جھوٹ بولے اس کی وضاحت کی جاتی ہے تاکہ یہ سمجھ آسکے کہ حدیث پاک کا اصل مطلب کیا ہے اگر حدیث پاک کا ترجمہ یہ صحیح کر دیا جائے تو سمجھ آسکتا ہے کہ مطلب کیا ہے؟ حدیث پاک یہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے آپ نے کہا نبی کریم ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوائے تین باتوں کے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کو لوگوں نے جھوٹ سمجھا ہو ان تین میں سے دو کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔

''ایک آپ کا قول (انی سقیم) میں بیمار ہونے والا ہوں۔

دوسرا آپ کا قول (بل فعلہ کبیرھم) ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا۔

اور ان میں سے تیسرا قول: (جب آپ فلسطین کی طرف ہجرت کر کے جا رہے تھے تو اس دوران) ایک دن آپ اور آپ کی زوجہ کا ایسی جگہ سے گزر ہوا جہاں ایک جابر ظالم شخص مسلط تھا اس کو لوگوں نے بتایا یہاں ایک شخص آیا ہوا ہے جس کے ساتھ ایک عورت ہے جو تمام لوگوں سے زیادہ حسین ہے۔ اس ظالم نے حضرت ابرہیم علیہ السلام کی طرف اپنا قاصد بھیجا کہ وہ ان سے پوچھے یہ تمہارے ساتھ عورت کون ہے؟ اس کے سوال پر آپ نے فرمایا: یہ میری بہن ہے۔ پھر آپ حضرت سارہ کے پاس آئے ان کو کہا اگر اس ظالم کو پتہ چل گیا

کہ تم میری زوجہ ہو تو وہ جبراً تمہیں مجھ سے چھین لے گا۔ اگر وہ تم سے سوال کرے تم اس کو خبر دینا کہ تم میری بہن ہو: اس لئے کہ اسلام میں تم میری بہن ہو کیونکہ روئے زمین پر میرے اور تمہارے بغیر کوئی مومن نہیں۔ اس ظالم نے حضرت سارہ کے پاس قاصد بھیج کر ان کو اپنے پاس بلا لیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنی شروع کر دی حضرت سارہ جب اس ظالم کے پاس پہنچیں اس نے آپ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھانا چاہا لیکن وہ اللہ کی گرفت میں آگیا۔ پاگلوں کی طرح ہوگیا اس کا گلا گھونٹ گیا، منہ سے جھاگ بہنے لگی، ایڑیاں رگڑنے لگا۔ اس نے حضرت سارہ کو کہا تم میرے لئے دعا کرو میں تمہیں تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہ ٹھیک ہوگیا اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی لیکن وہ پہلے کی طرح رب تعالیٰ کی گرفت میں آگیا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس نے پھر حضرت سارہ سے دعا کرنے کی درخواست کی، آپ نے پھر دعا کی جب وہ ٹھیک ہوگیا پھر اس نے اپنے دربان کو بلایا اور کہا: تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے بلکہ کسی جن کو لے آئے ہو، اس ظالم نے آپ کو حضرت ہاجرہ بطور خادمہ دے کر واپس لوٹا دیا''

حضرت سارہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس آئیں آپ نماز ادا فرما رہے تھے آپ نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کیسا حال ہے؟ آپ نے کہا اللہ تعالیٰ نے کافر کے مکر کو اسی کے سینہ پر لوٹا دیا یعنی وہ ذلیل ہوا اس نے مجھے ہاجرہ بطور خادمہ دی''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عرب یہ (ہاجرہ) تمہاری ماں ہے۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

اضافة الکذب الی رواته اولی من ان یضاف الی الانبیاء الکرام

اگر ایسی کوئی روایت ہو جس سے انبیائے کرام کا جھوٹا ہونا ثابت ہو رہا ہو اور اس روایت کی کوئی تاویل نہ ہو سکے جس سے انبیائے کرام کی صداقت ثابت ہو سکے تو اس صورت میں راویوں کو جھوٹا کہا جاسکتا ہے لیکن انبیائے کرام کو جھوٹا کہنا محال ہوگا۔ ایسی صورت میں روایت کو رد کردیا جائے گا لیکن انبیائے کرام کی شان میں کوئی فرق نہیں آنے دیا جائے گا۔ (از تفسیر کبیر)

حضرت سارہ کے متعلق آپ نے فرمایا: '' ھذہ اختی '' یہ میری بہن ہے۔ اس کی وجہ

حدیث پاک میں خود ہی واضح ہے کہ آپ نے یہ مراد نہیں لیا کہ یہ میری نسبی بہن ہے بلکہ آپ نے حضرت سارہ کو کہا انت اختی فی الاسلام تم اسلام میں میری بہن ہو اس لئے کہ اخوت اسلامی کے لحاظ پر باپ بیٹا بھی بھائی بھائی ہیں۔ ماں بیٹا بھی بھائی بہن ہیں۔ اسی طرح خاوند بیوی بھی ایک دوسرے کے بھائی بہن ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے جب کفار کے بناوٹی خداؤں کو تباہ کر دیا اور دلائل میں بھی ان پر غلبہ حاصل کر لیا تو انہوں نے آپ سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا اور سب سزاؤں سے سخت سزا تجویز کی یعنی یہ کہ آپ کو آگ میں جلا دیا جائے حالانکہ آگ کا عذاب صرف اللہ تعالیٰ دے سکتا ہے بندے کے لئے جائز نہیں کہ کسی کو آگ کا عذاب دے لیکن نمرود اور اس کی قوم نے آپ کو جلانے کی سزا دی اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا:

"وہ کہنے لگے اس کے لئے ایک عمارت بناؤ پھر اسے بھڑکتی آگ میں ڈال دو"
یعنی اردگرد بہت بڑی دیوار بنا کر اس کے درمیان آگ جلا کر ابراہیم کو اس میں ڈال دو"

بولے اس کو جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کرنا ہے۔

ذرا غور کریں کتنے بے وقوف لوگ تھے کہ یہ بھی نہیں سمجھ رہے تھے کہ جن بتوں کی امداد کر رہے ہیں اور وہ خود اپنی امداد کچھ نہ کر سکے وہ خدا بننے کے قابل کیسے؟

آپ علیہ السلام کو آگ میں جلانے کے لئے جو چار دیواری بنائی گئی اس کی مقدار حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمائی کہ اس کی بلندی تیس ذراع (پینتالیس فٹ) اور چوڑائی بیس ذراع (تیس فٹ) اور طول تیس ذراع (پینتالیس فٹ)

(تفسیر کبیر زیر آیت قالوا ابنوا بحوالہ بنیانا ج ۲۶ ص ۱۵۰)

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے مجاہد کیا تمہیں معلوم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کا سب سے پہلے مشورہ دینے والا کون تھا؟ میں نے کہا مجھے تو علم نہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وہ فارس کے دیہات میں رہنے والا شخص تھا جس کا نام "اکراد" تھا بعض جگہ اس کا نام اکراد بن عطیہ مکمل طور پر ذکر ہے نام کے متعلق دو قول اور بھی ہیں ایک قول کے مطابق نام ھیون ہے اور دوسرے کے مطابق ھدیر ہے۔ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا ہے اور قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔

آپ کو جلانے سے پہلے قید کر دیا گیا۔ انہوں نے پھر آگ جلانے کے لئے چار

دیواری باڑہ کی طرح بنانی شروع کر دی جب باڑہ تیار ہو گیا تو پھر لکڑیاں جمع کرنی شروع کر دیں ہر قسم کی لکڑیاں چالیس دن تک وہ سب لوگ جمع کرتے رہے یہاں تک کہ اگر کوئی بوڑھی عورت بیمار ہو جاتی تو وہ بھی کہتی اگر مجھے اس بیماری سے شفا حاصل ہو گئی تو میں بھی ابراہیم کو جلانے کے لئے لکڑیاں لاؤں گی۔

جب تمام لوگوں نے مل کر چالیس دن تک محنت کر کے کثیر مقدار میں لکڑیاں جمع کر لیں تو آگ جلا دی گئی آگ کے شعلے آسمانوں سے باتیں کرنے لگے اتنی عظیم اور شدید آگ تھی کہ اس کے اوپر سے فضا میں بھی کوئی پرندہ نہیں اڑ سکتا تھا۔

جب آگ بہت زیادہ شعلہ زن ہو گئی اس کی حرارت اتنے دور دور تک پھیل گئی کہ آگ کے قریب جانا کسی انسان کی طاقت میں نہ رہا تو وہ کفار حیران و پریشان ہو گئے کہ سب محنت ضائع جاتی ہے کیونکہ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کیسے ڈالا جائے تو شیطان نے آ کر ان کی راہنمائی کی کہ ایک منجنیق تیار کی جائے اور ابراہیم کو رسیوں سے جکڑ کر منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھینک دیا جائے خیال رہے سب سے پہلے دنیا میں یہی منجنیق تیار ہوئی بعد میں اس کو جنگوں میں استعمال کیا جاتا رہا اور منجنیق کے ذریعے پتھروں کو گولوں کی طرح پھینکا جاتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب رسیوں سے باندھ کر منجنیق میں رکھا گیا تو سوائے جنوں اور انسانوں کے اللہ تعالیٰ کی زمین و آسمان کی ساری مخلوق چلا اٹھی اور اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کرنے لگی اے مولائے کائنات زمین میں سوائے ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اور نہیں جو تیری عبادت کرے اے اللہ آج وہ تیرا نام لینے کی وجہ سے جلایا جا رہا ہے۔

زمین و آسمان کے فرشتے، جانور، وحوش و طیور سبھی یہ ماجرا دیکھ کر حیران و پریشان تھے۔ رب تعالیٰ کی حکمت سے بے خبر تھے، سوچ رہے تھے اب کیا ہوگا؟ اللہ کا نام لینے والا تو آج ختم ہو جائے گا اب زمین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا کون ہوگا؟

زمین و آسمان کے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی اے اللہ ہمیں اجازت فرما کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی امداد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت عطا فرما دی کہ اگر وہ تم سے امداد حاصل کرنا چاہتے ہیں تو تم ان کی امداد کرو اور اگر وہ میرے بغیر کسی اور سے امداد نہیں حاصل کرتے تو میں انہیں زیادہ جانتا ہوں میں ہی ان کا ولی ہوں، ان کا معاملہ مجھ پر ہی چھوڑ دو بے شک وہ میرے خلیل ہیں۔ اس وقت تمام روئے زمین پر ان کے بغیر اور میرا کوئی خلیل نہیں اور میں ان کا معبود ہوں میرے بغیر ان کو کوئی معبود نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہواؤں پر مقرر فرشتہ آیا اور وہ فرشتہ بھی حاضر ہوا جو پانی
پر مقرر تھا ان دونوں نے عرض کیا آپ ہمیں اجازت فرمائیں کہ ہم آگ کو ختم کر دیں آپ نے
فرمایا مجھے تمہاری امداد کی کوئی ضرورت نہیں۔

حسبی الله ونعم الوکیل

''میرا اللہ مجھے کافی اور وہی بہتر کارساز ہے''

آپ کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا کہ آپ کو میری امداد کی ضرورت
ہو تو میں آپ کی امداد کروں آپ نے فرمایا: مجھے تمہاری امداد کی کوئی ضرورت نہیں۔ جبرائیل نے
کہا اچھا تو پھر اپنے رب تعالیٰ سے ہی سوال کر لو تو آپ نے فرمایا:

حسبی من سوالی علمہ بحالی

''وہ میرے حال کو جانتا ہے سوال کے بغیر ہی مجھے کافی ہے''

سبحان اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ پر کتنا بھروسہ ہے؟ یہ تو کہنا پڑتا
ہے کہ غیر اللہ سے امداد طلب کرنا جائز نہیں، اگر جائز ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام فرشتوں سے امداد
طلب کرتے۔ کاش! ان لوگوں کو یہ سمجھ آ جائے کہ انبیائے کرام کا مقام ملائکہ سے بلند ہے انہیں کیا
ضرورت ہے کہ وہ اپنے سے کم مراتب والوں سے امداد طلب کریں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کی
طرح عام انسان توکل کیسے کر سکتا ہے؟ وہ تو اللہ تعالیٰ سے بھی سوال نہیں کرتے کہ وہ خود ہی جانتا
ہے مجھے سوال کرنے کی کیا ضروری ہے۔

ویروی ان الوزغ کان ینفخ فی النار وقد جاء ذالک فی روایة البخاری

''بخاری کی روایت میں آیا ہوا ہے کہ چھپکلی آگ میں پھونکیں دیتی تھی''

مسلم شریف میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک رسول اللہ ﷺ نے
چھپکلی کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اس کو فویسق (بری چیز) کے نام سے تعبیر فرمایا۔ ایک اور روایت
میں ہے کہ چھپکلی کو پہلی ہی ضرب سے قتل کرنے میں زیادہ ثواب ہے اور دوسری ضرب میں قتل
کرنے میں اس سے کم ثواب ہے اور تیسری ضرب میں قتل کرنے کا اس سے کم ثواب ہے۔
(از مسلم [illegible])

ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے امداد لینے سے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ سے بھی سوال
نہ کیا کہ آگ میں جانے سے پہلے ہی مجھے بچالے بس صرف ایک بات مدنظر تھی کہ رب تعالیٰ جس پر

راضی ہے میں بھی اسی پر راضی ہوں۔
کافروں نے جب آپ کو باندھ کر منجنیق میں رکھ کر آگ میں ڈالنا چاہا تو آپ نے یہ
الفاظ مبارکہ پڑھے:

لا الہ الا انت سبحانک لک الحمد ولک الملک لا شریک لک

''تیرے بغیر کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے سب تعریفیں تیرے لئے ہی
ہیں سب چیزیں تیری ہی ملک میں ہیں تیرا کوئی شریک نہیں''

کافروں نے آپ کو آگ میں پھینک دیا، اللہ تعالیٰ نے آگ کو فرمایا:

یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ

''اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامت ہو جا''

اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈی ہو جانے کے ساتھ ساتھ سلامتی کا حکم بھی دیا تا کہ ابراہیم
علیہ السلام کو کسی قسم کا بھی نقصان نہ ہو۔

مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد مذکور ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آگ کو سلام کا
حکم نہ دیتا تو آگ اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ آپ سردی سے وفات پا جاتے۔

روایات میں آتا ہے جب ابراہیم علی السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ باہر باہر جلتی
رہی لیکن اس کی حرارت ابراہیم علیہ السلام تک نہ پہنچ سکی بلکہ آگ کے اندر ایک باغ بنا دیا گیا۔

یعنی جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو فرشتوں نے آپ کو پہلوؤں سے پکڑ کر ایک جگہ
زمین میں بٹھا دیا جہاں ایک میٹھے پانی کا چشمہ تھا اور اردگرد گلاب نرگس اور چنبیلی کے پودے اور
پھول اپنا حسین وجمیل منظر پیش کر رہے تھے۔ آگ نے صرف ان رسیوں کو جلایا جن سے آپ
کو باندھا گیا اور ان کے جلنے سے بھی آپ کو کسی قسم کا کوئی ضرر نہیں ہوا۔

خیال رہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو ٹھنڈا ہونے کا حکم دیا اس وقت دنیا
میں کوئی ایسی آگ نہیں تھی جو بجھ نہ گئی ہو یعنی دنیا کی تمام آگیں ایک مرتبہ بجھ گئی تھیں۔

منہال بن عمرو سے مروی ہے وہ کہتے ہیں مجھے یہ خبر دی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ
السلام آگ میں چالیس یا پچاس دن رہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں آگ میں
رہنے کے دنوں میں جتنا خوش رہا اور میں نے عیش وعشرت کی اتنی پوری زندگی میں مجھے عیش
حاصل نہ ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے سایہ پر مقرر فرشتے کو ابراہیم علیہ السلام کی ہی شکل میں ان پر بھیجا کہ وہ آپ کے پاس بیٹھے تاکہ وہ اس سے انس حاصل کریں اکیلے ہونے کی وجہ سے آپ کو کوئی پریشانی نہ ہو آپ کے پاس جبرائیل جنت میں سے ایک ریشمی قمیض لائے اور کہاں اے ابراہیم بے شک آپ کو رب کہتا ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میرے محبوبوں کو آگ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

نمرود نے اپنے محل کی بلندی سے دیکھا تو ابراہیم کو ایک باغ میں بیٹھے ہوئے پایا اور ایک شخص (فرشتے) کو بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا اور آپ کے ارد گرد لکڑیوں کو بجھے ہوئے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے دیکھ کر آپ کو پکارنے لگا اے ابراہیم کیا تم اس آگ سے نکل سکتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں نکل سکتا ہوں اس نے کہا: اٹھو اور نکلو آؤ۔ (ممکن ہے اس نے یہ سمجھا ہو کہ جب نکلیں گے تو باہر جلتی ہوئی آگ سے گزریں گے تو جل جائیں گے) ابراہیم علیہ السلام اٹھے اور چلتے چلتے آگ سے نکل آئے۔ آپ علیہ السلام سے نمرود نے پوچھا کہ تمہارے پاس تمہاری ہی شکل کا دوسرا آدمی کون تھا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ سایہ پر مقرر فرشتہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے میرے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ مجھے اکیلے ہونے سے کسی قسم کی کوئی گھبراہٹ نہ ہو بلکہ میں اس سے انس حاصل کر سکوں۔

نمرود نے کہا جب میں نے تمہارے رب کی عزت وقدرت کو دیکھا تو میں نے نذر مانی کہ میں تمہارے رب کا قرب حاصل کرنے کے لئے قربانی کروں گا اس لئے میں تمہارے رب کے حضور چار ہزار گائے کی قربانی پیش کر رہا ہوں ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جب تک تم اپنے دین پر قائم ہو اس وقت تک اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی کو قبول نہیں کرے گا۔

اس نے کہا میں اپنی بادشاہی کو تو نہیں چھوڑ سکتا البتہ قربانی ضرور کروں گا اس نے اپنی نذر کے مطابق چار ہزار گائے ذبح کر دیں اور آئندہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سزا نہ دینے کا ارادہ کر لیا البتہ وہ اپنے کفر پر ہی قائم رہا ایمان اس کو نصیب نہ ہو سکا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب کفار نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا تو انہوں نے کہا کہ ابراہیم نے آگ پر جادو کر دیا ہے انہوں نے تجربہ کرنے کے لئے ایک بوڑھے کو آگ میں ڈالا تو آگ نے اسے جھلسا کر رکھ دیا۔

(تفسیر کبیر و روح المعانی زیر آیت یا نار کونی بردا)

سورہ شعراء میں فرمایا:۔

''اور آپ بیان فرمائیے ان کے سامنے ابراہیم کا قصہ۔ جب آپ نے اپنے باپ سے

اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی پرستش کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم تو پوجتے ہیں بتوں کو اور ہم انہی کی پوجا میں ہر وقت منہمک رہتے ہیں۔ آپ نے پوچھا (بھلا یہ بتاؤ) کیا وہ سنتے ہیں تمہاری آواز جب تم انہیں پکارتے ہو۔ یا وہ تمہیں (کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں یا ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ انہوں نے لاجواب ہو کر) کہا بلکہ ہم نے تو پایا اپنے باپوں کو کہ وہ یونہی کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے دیکھ لیا ان (کی بے بسی) کو جن کو تم پرستش کیا کرتے ہو۔ تم اور تمہارے گزشتہ آباؤ اجداد۔ بیشک وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے جس نے مجھے پیدا فرمایا پھر (ہر قدم پر) وہ میری رہنمائی کرتا ہے۔ وہ جو مجھے کھلاتا بھی ہے اور مجھے پلاتا بھی ہے۔ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے صحت بخشتا ہے اور وہ جو مجھے مارے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔ اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بخش دے گا میرے لئے میری خطا کو روز جزا کو اے میرے رب! عطا فرما مجھے علم و عمل (میں کمال) اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ۔

وہ کہا کرتے تھے کہ اے ابراہیم جو کلام آپ ہمیں سناتے ہیں اور ہمارے خداؤں کی تنقیص شان میں جو آیتیں آپ پیش کرتے ہیں اور جن کو بنیاد بنا کر آپ ہمارے آباؤ اجداد پر طعن کرتے ہیں اور انہیں گمراہ بتاتے ہیں یہ واقعی اللہ کا کلام ہے اور آپ یہ سب باتیں سنجیدگی سے کرتے ہیں یا محض دل لگی کے لئے اور ہمیں تنگ کرنے کے لئے کرتے رہتے ہیں؟

''آپ نے فرمایا (دل لگی نہیں کر رہا) بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے اور میں اس (صداقت پر گواہی دینے والوں سے ہوں''

(الانبیاء:۵۶)

یعنی جو کچھ میں کہتا ہوں یہ باتیں طنز و مزاح کے جذبے کی تسکین کے لئے نہیں کہ اس کا کوئی اصل نہ ہو بلکہ میری زبان سے ادا ہونے والا ایک ایک لفظ حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ میں نہایت سنجیدگی سے تمہیں بت پرستی کی لعنت سے آگاہ کر رہا ہوں اور پورے خلوص سے اس ذات اقدس کی طرف پلٹ آنے کی دعوت دے رہا ہوں جو تمہارا واحد الٰہ ہے جو تمہارا اور کائنات کی ہر چیز کا پروردگار ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے۔ جس نے بغیر کسی نمونے کے انہیں تخلیق فرمایا ہے۔ صرف اور صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں اس بات پر تمہارے سامنے گواہی دے رہا ہوں۔

مگر ان نصیحتوں کو وہ نہ مانے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:۔

''اور بخدا! میں بندوبست کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم چلے جاؤ گے پیٹھ پھیرتے ہوئے''

آپ نے قسم اٹھائی کہ جب تم میلہ منانے باہر جاؤ گے اور معبد کے رکھوالے بھی باہر نکل جائیں گے تو میں ان بتوں سے نمٹ لوں گا جن کی تم خدا سمجھ کر عبادت کرتے ہو۔

کہا جاتا ہے کہ یہ بات آپ نے اپنے دل میں کہی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی اس دھمکی کو بعض لوگوں نے سن بھی لیا تھا۔

وہ ان بتوں کے نام پر ہر سال میلا منعقد کرتے تھے۔ اور پوری آبادی خوشی کے موقع پر شہر سے باہر چلی جاتی تھی۔ آپ علیہ السلام کے باپ نے آپ کو بھی اس میلے میں شرکت کرنے کا حکم دیا لیکن آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ جیسا کہ کلام مجید میں تصریح ہے۔

سعدی فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی پہلی سی گمراہی اور فتنے کی طرف پھر گئے۔ اگر آیت کے اسے حصے کا یہ معنی لیا جائے تو پھر " انکم انتم الظالمون " کا معنی یہ ہوگا کہ ان بتوں کی پوجا کر کے خود اپنا نقصان کرتے آئے ہو۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ نکسوا علی رؤوسہم کا مطلب یہ ہے ان لوگوں کو پھر وسوسوں نے آلیا اور وہ برائی کی طرف مائل ہو گئے یعنی انہوں نے سر جھکا لیے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا لقد علمت ماھولاء ینطقون (الانبیاء ۶۴) اے ابراہیم تو تو جانتا ہے کہ یہ بول نہیں سکتے۔ پھر تو کیوں کہتا ہے کہ ان سے پوچھو؟

یہ جواب سن کر ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:۔

"(نادانو!) کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی چھوڑ کر ان (بے بس) بتوں کی جو تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ تف ہے تم پر نیز ان بتوں پر جنہیں تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھے؟

ابویعلی فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو ہشام رفاعی نے بیان کیا۔ ہم سے اسحاق بن سلیمان نے بیان کیا۔ انہوں نے ابی جعفر رازی سے، انہوں نے عاصم بن ابی النجود سے، انہوں نے ابو صالح سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو آپ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی: اے اللہ بیشک تو آسمان میں ایک ہے اور زمین پر میں ایک تیری عبادت کرنے والا ہوں۔

کچھ اسلاف بتاتے ہیں کہ ابھی ابراہیم علیہ السلام ہوا میں تھے کہ جبریل نے پوچھا کی: اے ابراہیم! کیا کوئی حاجت ہے فرمایا۔ مجھے آپ سے کوئی حاجت نہیں۔ ابن عباس اور

سعید بن جبیر سے روایت کیا جاتا ہے کہ جب بارش کے فرشتے نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ جب حکم ہوگا میں بارش برسا دوں گا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میرا خداوند ان چیزوں سے زیادہ قریب ہے۔

"علی ابن ابی طالب ان الفاظ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم کو کوئی نقصان نہ پہنچے"

ابن عباس اور ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ " سلاما علی ابراہیم " نہ فرماتا تو آگ اس قدر ٹھنڈی ہو جاتی کہ ابراہیم علیہ السلام اس کی ٹھنڈک کی اذیت برداشت نہ کر سکتے"

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے جب کہ اپنے بیٹے کو اس حالت میں دیکھا تو کیا ہی خوب کہا۔

"اے ابراہیم تیرا پروردگار ہی بہترین پروردگار ہے"

ابن عساکر عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی والدہ نے آپ علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھا تو آواز دی: اے میرے بیٹے میں تیرے پاس آنا چاہتی ہوں۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ تیرے اردگرد آگ سے مجھے نجات دے۔ آپ نے فرمایا: ہاں (آیئے) وہ آپ کے پاس جا پہنچیں اور آگ کے شعلوں نے انہیں چھوا تک نہیں۔ جب وہ وہاں پہنچیں تو ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ بوسے دیئے اور پھر واپس آ گئیں۔

جب حضرت ابراہیم کو آگ میں پھینکا گیا تو فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کے بازو پکڑ کر نہایت آرام سے بٹھایا اس وقت رضوان فرشتے نے خلعت فاخرہ آپ کو پہنایا اور ابراہیمؑ کے اردگرد گل ریحان اور سبزے اور شگوفوں کا عجیب وغریب بوستان بنا دیا اور شیریں چشمہ وہاں جاری ہوا۔ ابراہیمؑ پر پروردگار عالم جل جلالہٗ کا فضل کمال ہوا حضرت اسرافیلؑ ہر صبح و شام خدا کے حکم سے لذیذ قسم کا طعام پہنچاتے کمال خوشی اور بے غمی کا وقت گزرتا۔

سات روز کے بعد نمرود نے سمجھا کہ آگ بجھی ہوگی اونچے محل پر چڑھ کر روزانہ نمرود دیکھتا تھا اور ابراہیمؑ کے زندہ رہنے سے خوف کرتا تھا کہ اگر یہ اپنے خدا کی مدد سے زندہ نکلا تو مجھ پر اور ملک پر آفت آ پڑے گی۔ اور کبھی اپنے دل کا یہ ڈر اپنے ساتھیوں سے بیان کرتا تو وہ تسلی دیتے کہ اس آگ میں سنگ خارہ بھی اگر ڈالا جائے تو وہ بھی پگھل جائے گا۔

ایک دن نمرود نے بڑے غور سے اپنے محل پر سے دیکھا کہ ابراہیم کے اردگرد سب گلستان ہے اور چشمہ شیریں جاری ہے۔ نمرود بہت حیران ہوا اضطراب اور پریشانی سے سرگردان ہوا اور کہا اے ابراہیمؑ تجھ پر ایسی جان گداز آگ کو کس نے گلزار کیا۔ ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ

میرے پروردگار کا یہ ادنیٰ آثار ہے۔نمرود نے بھی کہ کہ جس کی قدرت کا یہ ادنیٰ آثار ہے۔ب
الحقیقت وہ بڑا پروردگار ہے۔چالیس یا پچاس دن حضرت ابراہیمؑ اس گلزار میں رہے۔فرماتے
ایسا خوشی کا وقت ساری زندگی میں پھر نہ ملا۔پھر ابراہیمؑ اس راکھ سے جو پہاڑ کی مانند تھی
کرآئے تو ازسرنو نمرودیوں کو وعظ ونصیحت شروع کی۔

نمرود نے چند روز کی مہلت مانگی۔تو اس کے وزیر نے کہا کہ اتنی مدت تو نے خدائی
اب دوسرے کی بندگی اختیار کرتا ہے اور اپنے لئے شرمندگی اور رسوائی اختیار کرتا ہے۔آخر
ابراہیم علیہ السلام کے سامنے انکار کردیا۔اور کہا کہ میں تیرے رب کی رضا کے واسطے کئی ہزار گائے
اور بکریں اور اونٹوں کی قربانی دیتا ہوں۔حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ ایمان کے بغیر قربانیاں قبول
نہیں ہوتیں۔پھر بھی تیرے واسطے دوزخ ہی ہوگا۔آخر کار ابراہیمؑ نے فرمایا اتنی بڑی بادشاہی
خدا نے تجھے دی اور مجھے خدا نے تیرے واسطے نبی بنا کر بھیجا اور مجھے آگ سے بچا کر ایک معجزہ
تجھے دکھایا۔پھر بھی تو کفر سے باز نہ آیا تو تیرے غارت کرنے کو اس کا ادنیٰ لشکر بھی کافی ہے۔

نمرود نے کہا دنیا میں میرے بغیر کوئی بادشاہ نہیں اور میری بارگاہ کے بغیر کوئی بارگاہ نہیں
اگر آسمان کے بادشاہ کی فوج ہے تو کہو کہ مجھ پر اپنی فوج بھیج کر میری لڑائی اور حشمت کا اندازہ
کرے۔تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی۔دعا کے بعد حضرت جبرائیلؑ آئے اور کہا
نمرود سے کہہ دو کہ ہماری فوج آرہی ہے تم تیاری کرو۔ابراہیمؑ سے نمرود نے اعلان جنگ کیا اور
تین دن کی مہلت مانگی۔پھر لاکھوں کی فوج اکٹھی کی اور ایک میدان میں جمع کیا۔

چوتھے روز حضرت ابراہیم علیہ السلام تن تنہا نمرود کی فوج کے سامنے گئے تو ان لوگوں
نے کہا ابراہیم! آسمانی فوج کہاں ہے۔فرمایا کہ پہنچ رہی ہے۔اتنے میں مچھروں کی فوج نمودار
ہوئی جس کی وجہ سے آفتاب کی روشنی چھپ گئی۔نمرود نے اعلان کردیا اپنے فوجیوں کو کہ نقارہ بجاؤ
لیکن مچھروں کی آواز لوگوں کے کانوں میں پہنچی تو لوگوں کے ہوش وحواس اڑ گئے۔ہر چھوٹا بڑا
ہیبت الٰہی سے ڈر گیا۔ایک آدمی پر لاکھوں مچھر لپٹ گئے ایک دم گوشت پوست خون وغیرہ ختم
کردیا خالی ہڈیوں کے ڈھانچے رہ گئے۔آدمی جانور سب ختم کردیئے گئے۔نمرود بھاگ کر اپنے
محل میں اپنی عورت کے پاس جا بیٹھا اتنے میں ایک لنگڑا مچھر آیا نمرود نے اپنی عورت کو دکھایا کہ
اس جانور نے لشکر کو تباہ کردیا ہے۔وہ مچھر اس کے ناک میں گھس گیا اور دماغ کو چاٹنا شروع
کردیا۔نمرود ہتھوڑوں سے سر کو مارتا اور دیواروں سے سر کو ٹکراتا۔چالیس دن کے بعد اسی عذاب
میں جہنم رسید ہوا۔(روضۃ الاصفیاء)

شادی، اولاد وفات:

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب لوگوں سے مایوس ہو چکے تو فرمایا کہ میں اپنے رب کے
پاس جاتا ہوں یعنی جہاں میرے رب کا حکم ہو جائے گا اب میں وہاں جاتا ہوں کہ وہاں کے
لوگوں کو خدا کا حکم سناؤں۔جیسا کہ ارشاد ہے۔

"بولا میں جاتا ہوں اپنے رب کی طرف۔وہ مجھ کو راہ دے گا"

آپ کے ساتھ آپ کے بھانجے حضرت لوط علیہ السلام تھے۔آپ فرات غربی کی جانب
کلدانیں شہر کو چلے گئے۔پھر حران یا حاران کی طرف بمع حضرت لوطؑ کے گئے۔تفسیر عزیز میں ہے
کہ حران شہر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہاران نام رہتا تھا بڑا مالدار تھا۔بی بی سائرہ اس کی
بیٹی تھی اس نے بی بی سائرہ کو حضرت ابراہیم کے نکاح میں دے دیا اور ساتھ مال دولت بھی دی اور
ابراہیمؑ سے بڑی محبت کرتا کہ نیا دین چھوڑ دے اسی واسطے بی بی سائرہ کا نکاح کیا تھا لیکن بی بی
سائرہ تو مسلمان ہوگئی اور ابراہیمؑ نے اپنے چچا سے تنگ آکر وہاں سے بھی ہجرت کی۔(عزیزی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر مصر سے لوٹ کر فلسطین جرون کے پاس قیام
کیا۔وہاں پر لوگوں نے ان کے آنے کو غنیمت جانا۔زمی کے محصولات آتے تھے۔زمین داری
میں ان کو بہت فراخی حاصل ہوئی۔غلام خریدے، کھیتی وغیرہ بہت زیادہ ہوئی، مویشی وغیرہ بہت
رکھے، ضیافت داری کی لنگر خانے بنائے۔اور حضرت لوط علیہ السلام کو برسم رسالت شہروں میں
بھیجا شہر سدوم اور دوسرے شہروں میں وعظ نصیحت شروع کی۔حضرت سائرہ اور آپ کو اولاد کا
اشتیاق ہو۔پھر حضرت ابراہیمؑ نے اولاد کے واسطے دعا کی پروردگار عالم جل جلالہ نے دعا منظور
کی۔بی بی ہاجرہ کے شکم اطہر سے پرورگار عالم نے حضرت ابراہیمؑ کی چھیاسی سال کی عمر میں
حضرت اسمٰعیلؑ کو عطا فرمایا۔پھر ننانوے برس کی عمر میں ختنہ کرنے کا حکم آیا تو اپنا اور تمام نوکروں
اور اسمٰعیلؑ کا ختنہ کیا۔پھر حضرت ابراہیمؑ کو سو برس کی عمر میں پرورگار عالم نے حضرت سائرہ کے
شکم اطہر سے بیٹا حضرت اسحٰق عطا فرمایا۔

پرورگار عالم نے مکہ مکرمہ بلکہ تمام عرب کو حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے آباد کرنا تھا اس
لئے حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا بی بی ہاجرہ اور اسمٰعیلؑ کو مکہ مکرمہ میں لیجا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو منزل بمنزل مکہ مکرمہ میں
جہاں آب زم زم ہے وہاں ایک درخت تھا خدا کے حکم سے وہاں بی بی ہاجرہ کو بمعہ حضرت اسمٰعیلؑ

کو بٹھا دیا۔ایک مشک پانی اور کچھ کھجوریں اور روٹیاں ان کے پاس رکھ کر چلے گئے۔دل ار
صدمے سے چور چور تھا اور مجبوری تھی آنکھوں میں آنسو اور دل میں آہ لے کر واپس پھرے۔اور
پھر جب ان کی نظروں سے غائب ہوئے تو پھر ایک جگہ ٹھہر کر گریہ وزاری کے ساتھ پروردگار عالم
سے التجا کی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اے ہمارے رب بیشک میں نے اپنی بعض ذریت کو جہاں کھیتی نہیں آباد کیا
تیرے عزت والے گھر کے پاس۔اے ہمارے رب اس لئے کہ تیری عبادت
کریں۔پس لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر اور ان کو ہر طرح کے سامان
خورد و نوش پہنچا تا کہ یہ تیرا شکر ادا کریں" (سورہ ابراہیم)

حضرت ہاجرہ علیہا السلام آسمان کی طرف دیکھ کر کہتی تھیں کہ الٰہی اگر تیرے حکم سے میں
اس بیابان میں ڈالی گئی ہوں تو مجھ ضعیفہ اور بے کس کا والی ہے۔حضرت اسمٰعیلؑ اس وقت شیر خوار
بچے تھے۔(تفسیر عزیزی)

جب تک مشک میں پانی اور کھجوریں وغیرہ تھیں تو وقت گزرتا رہا۔جب پانی اور کھجوریں
ختم ہو چکیں اور دودھ بھی چھاتیوں سے خشک ہو گیا اور اسمٰعیلؑ پیاس کے غلبہ سے تڑپنے لگے تو بی بی
ہاجرہ بے قرار ہو کر پانی کی تلاش میں صفا کی پہاڑی پر چڑھیں اور ادھر ادھر نظر اٹھا کر پانی کا نشان
دیکھ رہی تھیں اور اپنے بچے کو بھی نظر میں رکھتی تھیں۔جب پانی کا نشان معلوم نہ ہوا تو مایوس ہو
کر وہاں سے اتریں اور برابر والی پہاڑی مروہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔بطن وادی میں اپنے دامن کو
پکڑ کر جلدی سے گئیں کیونکہ بچہ وہاں سے نظر نہ آتا تھا دل میں ڈر تھا کہ کوئی درندہ بچے کو نہ
اٹھالے جب نشیب سے پہاڑی کی طرف ہموار زمین پر آگئیں جہاں سے بچہ نظر آتا تھا پھر دوڑنا
موقوف کر دیا۔جب مروہ پر چڑھیں تو اسی طرح ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا۔پھر صفا کی طرف متوجہ
ہوئیں بہر حال سات دفعہ اسی طرح چکر لگائے اور بے قراری سے ادھر ادھر دوڑتی رہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حج میں صفا مروہ کی سات بار سعی کرنا حاجیوں پر اسی
لئے ہے کہ بی بی ہاجرہ کی بے کسی اور اضطرابی اور فریاد کو یاد کریں اور اپنے آپ کو خدا کے سامنے
ایسی بیچارگی میں پیش کریں کہ خدا کی رحمت نازل ہو۔ساتویں دفعہ بی بی ہاجرہ کو مروہ پہاڑی پر خدا
کی قدرت سے آواز آئی کہ کچھ اندیشہ نہ کر یہ آواز سن کر بچے کے پاس آئیں اور دیکھا کہ بچے
کے پاس ایک چشمہ جاری ہے۔زمین سے پانی خود بخود نکل رہا ہے۔بی بی ہاجرہ بہت خوش ہوئیں
پھر اس پانی کے ارد گرد مٹی اور پتھر رکھ کر چھوٹے سے حوض کی شکل بنادی کہ مبادا پانی ختم نہ ہو

ہے۔پانی پیا اور اپنی مشک بھی بھر لی۔

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ جب بی بی ہاجرہؑ اور اسمٰعیلؑ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام
ایک درخت کے نیچے چھوڑ کر چلے تو ان کی طرف کوئی التفات بھی نہ کی تو بی بی ہاجرہ نے عرض کیا کہ
اے خلیل آپ ہم کو کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں۔فرمایا اللہ تعالیٰ کے۔بی بی صاحبہ نے عرض کیا کہ
اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے۔فرمایا: ہاں! بی بی صاحبہ نے کہا پھر مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔
اور جب پانی کی تلاش میں مروہ پہاڑی پر آواز سنی تو خاموش ہو کر معلوم کرنے لگیں کہ یہ
آواز کہاں سے آرہی ہے۔معلوم کرنے کے بعد آواز کی طرف آئیں تو دیکھا کہ زم زم کی جگہ حضرت
جبرائیلؑ ہیں۔انہوں نے بی بی صاحبہ سے پوچھا کہ تم کون ہو بی بی صاحبہ نے فرمایا میں ہاجرہ ہوں
حضرت ابراہیمؑ کے لڑکے کی ماں ہوں۔حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ اس بیابان میں حضرت ابراہیم تم
کو کس کے سپرد کر گئے ہیں۔آپ نے فرمایا اللہ کے جبرائیلؑ نے کہا پھر اللہ تعالیٰ کافی ہے۔بی بی نے
کہا کہ میرا کام ہوگا۔پھر جبرائیلؑ نے اپنی ایڑی زمین پر رگڑی تو پانی کا چشمہ ابل پڑا۔(ابن کثیر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا ہاجرہ پر رحم کرے اگر وہ اس وقت بند نہ لگاتی تو زمزم
بہتا چشمہ ہوتا۔پھر ایک فرشتے نے بی بی ہاجرہ کو تسلی دی کہ تم خاطر جمع رکھو یہاں خانہ خدا ہے
جس کو یہ بچہ جوان ہو کر اپنے باپ کے ساتھ مل کر تعمیر کرے گا اور خدا اس جگہ رہنے والوں کو ضائع
نہیں کرتا۔وہاں ایک ٹیلا تھا اس کے آس پاس برساتی نالے بہا کرتے تھے۔اتفاقاً جرہم قوم کا
ایک قافلہ یمن کی طرف سے آیا انہوں نے دور سے دیکھا کہ ان کے اوپر پرندے اڑ رہے ہیں وہ
قافلے والے کہنے لگے کہ جہاں پرندے اڑ رہے ہیں وہاں پانی ہوگا پہلے تو ہم کئی دفعہ آئے ہیں
ایسا کبھی نظر نہیں آیا۔ایک آدمی کو پتہ کرنے کے لئے بھیجا اس نے دیکھا کہ ایک عورت بمع بچے
کے بیٹھی ہے۔اور پانی کا چشمہ ہے۔وہ قافلہ وہاں آگیا اور بی بی ہاجرہ سے اجازت چاہی۔بی بی
صاحبہ نے تنہائی سے بچنے کے لئے ان کو رہنے کی اجازت دیدی لیکن پانی کا تصرف اپنے ہی
اختیار میں رکھا وہ لوگ وہاں آکر آباد ہو گئے اور ایک چھوٹا سا گاؤں بن گیا کچھ اور لوگ بھی وہاں
آکر بسنے لگے۔حضرت اسمٰعیلؑ نے ان لوگوں سے عربی سیکھی۔(تفسیر حقانی)

آپ کا ذکر قرآن پاک میں مندرجہ ذیل سورتوں میں آتا ہے۔

(۱) پارہ ۱ سورہ بقرہ رکوع ۱۵۔۱۶
(۲) پارہ ۳ سورہ بقرہ رکوع ۳۵
(۳) پارہ ۳ سورہ ال عمران رکوع ۴
(۴) پارہ ۳ سورہ ال عمران رکوع ۷۔۹

(۵)	پارہ ۵	سورہ نساء رکوع ۸۔۱۸
(۶)	پارہ ۶	سورہ نساء رکوع ۲۳
(۷)	پارہ ۷	سورہ انعام رکوع ۲۳
(۸)	پارہ ۸	سورہ انعام رکوع ۲۰
(۹)	پارہ ۱۰	سورہ توبہ رکوع ۹
(۱۰)	پارہ ۱۱	سورہ توبہ رکوع ۱۴
(۱۱)	پارہ ۱۲	سورہ ہود رکوع ۷
(۱۲)	پارہ ۱۲	سورہ یوسف رکوع ۱۔۵
(۱۳)	پارہ ۱۳	سورہ ابراہیم رکوع ۶
(۱۴)	پارہ ۱۴	سورہ الحجر رکوع ۳
(۱۵)	پارہ ۱۴	سورہ نحل رکوع ۱۶
(۱۶)	پارہ ۱۶	سورہ مریم رکوع ۳
(۱۷)	پارہ ۱۷	سورہ الانبیاء رکوع ۵
(۱۸)	پارہ ۱۷	سورہ الحج رکوع ۴
(۱۹)	پارہ ۱۹	سورہ الشعراء رکوع ۵
(۲۰)	پارہ ۲۰	سورہ عنکبوت رکوع ۲۔۳
(۲۱)	پارہ ۲۱	سورہ احزاب رکوع ۱
(۲۲)	پارہ ۲۳	سورہ الصفت رکوع ۳
(۲۳)	پارہ ۲۳	سورہ ص رکوع ۴
(۲۴)	پارہ ۲۵	سورہ شوریٰ رکوع ۲
(۲۵)	پارہ ۲۵	سورہ زخرف رکوع ۳
(۲۷)	پارہ ۲۷	سورہ الحدید رکوع ۴
(۲۸)	پارہ ۲۸	سورہ الممتحنہ رکوع ۱
(۲۹)	پارہ ۳۰	سورہ اعلیٰ

حضرت اسماعیل علیہ السلام

ابراہیم علیہ السلام نے پاکیزہ اولاد کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اسماعیل علیہ السلام کی بشارت دی۔انہیں بیت المقدس میں رہتے ہوئے بیس سال گزر چلے تھے لیکن اب تک اولاد نہیں تھی۔حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی۔اے ابراہیم !اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد سے نہیں نوازا۔آپ میری خادمہ ہاجرہ کے پاس جائیں۔ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے اس کے بطن سے اولاد دے۔سارہ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنی خادمہ ہاجرہ ہبہ کردی آپ ان کے پاس گئے۔اور وہ اللہ کے فضل و کرم سے حاملہ ہوگئیں۔لیکن جونہی ہاجرہ بی بی کو حمل کی گرانی محسوس ہوئی تو وہ اپنی مالکہ پر ٹھٹھا و مذاق کرنے لگیں اور ان کو اپنے سے کم تر سمجھنے لگیں۔

بڑھاپے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اولاد کے لئے دعا کی تو پروردگار عالم نے ان کی دعا کو منظور فرمایا۔بی بی ہاجرہ کے بطن اطہر میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو پرودگار عالم جل جلالہ نے ٹھہرایا۔پھر ایک کنویں پر ایک فرشتے نے حضرت ہاجرہؑ کو بشارت دی کہ تیرا فرزند ہوگا اور اس کا نام اسمٰعیل رکھنا اور اس کی اولاد بہت پھیلے گی۔

جب بی بی ہاجرہ کا بیٹا پیدا ہوا تو فرشتے کی بشارت کے موافق اس کا نام اسمٰعیلؑ رکھا۔اس وقت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی برس تھی۔حضرت ابراہیمؑ نے خدا کی حمد و ثناء بیان کی جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

"اور جب کہا ابراہیمؑ نے اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے پناہ دے"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیلؑ سے بڑی محبت تھی۔کبھی کبھی محبت کے

ساتھ بوس و کنار میں مشغول ہو جاتے۔ پھر حضرت ابراہیم السلام کو خدا کا حکم ہوا کہ بی بی ہاجرہ کو بمع پیارے بچے حضرت اسمٰعیلؑ کے ایک بیابان میں لیجا کر چھوڑ دو۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ بی بی ہاجرہ کو حضرت ابراہیمؑ ہمراہ لے کر مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے۔

حکمت یہ تھی کہ پروردگار عالم کو ان کے ذریعے خانہ کعبہ تمام عرب کو ان کی اولاد سے آباد کرنا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بمع بیوی اور بچے کے آب زم زم کے مقام پر پہنچے تو وہاں ایک درخت تھا اس کے نیچے بیوی اور بچے کو بٹھایا اور آبدیدہ ہو کر واپس روانہ ہوئے۔ بی بی ہاجرہ پیچھے پیچھے جاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہمارے حال پر رحم کرو ہمیں ایسے بیابان میں کس کے سپرد کرکے جا رہے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا محافظ پروردگار عالم ہے یہ سنتے ہی بی بی صاحبہ نے کہا: حَسْبِیَ اللّٰہُ وَ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ: مجھے اللہ کافی ہے اور میں نے اس کی ذات پر توکل کیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حسرت سے شام کا راستہ اختیار کیا۔ جاتے جاتے جب ایسی جگہ پہنچے جہاں سے بی بی ہاجرہؑ اور پیارا بچہ نظر نہ آتے تھے وہاں کعبہ کی طرف منہ کر کے بڑی عاجزی سے دعا کی جیسا کہ فرمان ربانی ہے۔

’’ اے ہمارے رب بیشک میں نے اپنی کچھ اولاد اس بے کھیتی کے جنگل میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔ اے ہمارے رب یہ اس لئے کہ وہ نماز قائم کریں تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے اور انہیں پھلوں سے روزیاں عنایت فرماتا کہ یہ شکر گزاری کریں‘‘

ابن جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرمت والا گھر اس لئے کہا کہ یہاں رہنے والے اطمینان سے نمازیں ادا کریں۔ (ابن کثیر و روضۃ الاصفیاء)

پروردگار عالم نے سب دعائیں ابراہیمؑ کی قبول فرمائیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے حکم ربانی کی تعمیل میں ذرا ہچکچاہٹ بھی محسوس نہ کی اپنی اہلیہ اور شیرخوار پیارے بچے کو بیابان میں چھوڑ کر چلے گئے۔ خدا کے حکم میں اتنی دیر لگانا بھی گوارا نہیں کیا کہ اپنی اہلیہ محترمہ کے پاس جا کر تسلی کر دیں۔ ابراہیم علیہ السلام کو جہاں بھی کوئی حکم ملا فوراً اس کو پورا کیا۔ ان پر یہ احسان ہے کہ پہاڑ کے پیچھے چھپ کر اپنے رب سے ان کی حفاظت اور امن و اطمینان کے لئے دعا کی۔ اس دعا کو پروردگار عالم نے ایسا قبول فرمایا کہ یہ بے بس عورت اور بچہ نہ صرف خود آباد ہوئے بلکہ ان کے طفیل ایک شہر آباد ہو گیا اور ان کے طفیل آج اہل مکہ ہر طرح کی نعمتوں سے مالا مال ہیں (تفسیر معارف القرآن)

سارہ بی بی نے اپنی خادمہ سے حسد کیا اور ابراہیم سے شکایت کی ابراہیم علیہ السلام نے انہیں جواب دیا: سارہ جیسے تیری مرضی ہو تو ویسا ہی کر۔ ہاجرہ ڈر گئیں اور وہاں سے بھاگ گئیں۔ آخر وہ ایک کنویں کے پاس جا رکیں۔ وہاں ہاجرہ کے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا

ڈریے نہیں اللہ تعالیٰ تیرے بطن کے اندر موجود بچے کو ذریعہ خیر بنائے گا فرشتے نے انہیں واپس ہو جانے کو کہا اور بشارت دی کہ تیرے بیٹا پیدا ہوگا اور تو اس کا نام اسماعیل رکھے گی۔ اور وہ تمام لوگوں سے زیادہ قوی ہوگا۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف ہوگا اور سب کا ہاتھ اس کے خلاف ہوگا۔ اور وہ اپنے بھائیوں کے تمام شہروں کا مالک بنے گا۔

اس پر ہاجرہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

یہ بشارت آپ کے بیٹے سیدنا محمد ﷺ پر منطبق ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کی وجہ سے آج عربوں کو عزت نصیب ہے۔ اور وہ مشرق و مغرب کے تمام ملکوں کے حکمران ہیں۔ اللہ کریم نے آپ ہی کے طفیل اس امت کو علم نافع اور عمل صالح سے نوازا ہے کہ ایسا علم اور عمل کسی اور امت کو نصیب نہیں ہو سکا۔ اور توحید کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کو تمام رسولوں پر فضیلت اور کمال شرف و کرامت حاصل ہے۔ اور آپ ﷺ کی رسالت کی برکت اور پیغام کا کمال ہے اور روئے زمین کے تمام انسانوں کے لئے آپ کے نبی ہونے کی وجہ سے آج عربوں کو وہ اقتدار حاصل ہے کہ اس سے قبل کسی کو یہ توقیر اور سیادت نصیب نہیں ہوئی۔

جب حضرت ہاجرہ واپس آئیں تو حضرت اسماعیل پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا کے حکم سے آتے جاتے رہتے تھے وہاں پر عالیشان عمارتیں جرہم کے لوگوں نے بنائیں اور اسمٰعیل علیہ السلام کے اخراجات انہوں نے اپنے ذمے ٹھہرائے تو بی بی صاحبہ کو تسلی اور اطمینان ہو گیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی بھی کامل نشوونما ہو رہی تھی جس سے حضرت ابراہیمؑ کو بھی اطمینان ہو گیا۔ پھر جب حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر سات سال کی ہوئی تو پروردگار عالم نے حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں حکم دیا کہ میری رضا کے لئے پیاری چیز قربان کر۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک ستاسی سال تھی یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے تیرہ سال قبل حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں۔

ولادت اسماعیل علیہ السلام کے وقت اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی کہ سارہ کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کا نام اسحاق ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام اس بشارت کو سن کر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوگئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اسماعیل کے بارے آپ کی دعا قبول کرلی اور میں نے اس کو برکت دی اور میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا اور اس کی اولاد کو بہت زیادہ بڑھاؤں گا۔ اسماعیل کی اولاد سے بارہ بادشاہ ہوں گے اور میں اسے ایک عظیم قوم کا سردار بناؤں گا۔

یہ بشارت بھی اسی امت عظیمہ کے متعلق ہے۔ بارہ بادشاہوں سے مراد بارہ خلفاء راشدین ہیں جن کی بشارت حدیث پاک میں بھی دی گئی ہے۔ حضرت عبدالملک بن عمر حضرت جابر بن سمرہ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "بارہ امیر ہوں گے" پھر آپ ﷺ نے کوئی بات فرمائی لیکن میں نہ سمجھ سکا۔ تو میں نے اپنے والد گرامی سے پوچھا کہ حضور کیا فرما رہے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ تمام کا تعلق قریشی خاندان سے ہوگا"

اس حدیث کو صحیحین میں شیخین نے روایت فرمایا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ "یہ معاملہ قائم رہے گا" ایک روایت میں ہے "یہ معاملہ غالب رہے گا" حتیٰ کہ بارہ خلفاء گزر جائیں گے جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔

ان بارہ خلفاء کے نام یہ ہیں۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور عمر بن عبدالعزیز، بنی عباس کے بعض خلفاء۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ بارہ خلفاء یکے بعد دیگرے ہوں گے بلکہ صرف ان کا پایا جانا ضروری ہے۔ بارہ خلفاء سے مراد بارہ امام نہیں ہیں جیسا کہ رافضی گمان کرتے ہیں۔ جن میں اول الخلفاء حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور آخری امام، امام منتظر ہیں جو سرداب سامرہ میں روپوش ہیں۔ اور جن کا اسم گرامی محمد بن حسن عسکری گمان کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ نظریہ حضرت علیؓ اور حضرت امام حسن بن علی کے بارے انہیں کوئی زیادہ فائدہ نہیں دیتا کیونکہ انہوں نے قتال ترک فرما دیا اور حکومت حضرت امیر معاویہؓ کے حوالے کر کے فتنہ و فساد کی آگ بجھا دی اور مسلمانوں کے درمیان عرصے سے ہونے والی خون ریزی کا قلع قمع فرما دیا۔ باقی تمام تو رعایا میں سے ہیں اور ان کو کبھی بھی حکومت نہیں ملی۔

بارہویں امام جن کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ وہ سرداب سامرہ میں ظہور پذیر ہوں گے یہ محض ملکی ہوس، اور جھوٹ و افتراء کی باتیں ہیں جن کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ نہ جن کی بنیاد ہے اور نہ اساس بہر حال جب ہاجرہ بی بی سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے تو حضرت سارہ حسد کرنے لگیں اور ابراہیم علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ان ماں بیٹا کو میری آنکھوں سے اوجھل کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ اور اسماعیل کو لے کر روانہ ہوئے اور اس بے آب و گیاہ وادی میں انہیں فروکش کیا جہاں اب مکہ مکرمہ کا شہر آباد ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ان دنوں حضرت اسماعیل دودھ پیتے بچے تھے۔ جب آپ اس وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ کر واپس ہوئے تو بی بی ہاجرہ نے ان کا دامن تھام لیا اور بولی ابراہیم! ہمیں کسمپرسی کی حالت میں یک و تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہا ہے تو حضرت ابراہیم خاموش رہے۔ جب ہاجرہ بی بی نے بار بار یہی کہا اور ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا تو پوچھا: اے ابراہیم کیا یہ رب قدوس کا حکم ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں اور خاموش ہوگئے حضرت سارہؓ نے کہا اگر یہ میرے رب کا حکم ہے تو پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

شیخ ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "النوادر" میں فرماتے ہیں کہ حضرت سارہ کو ہاجرہ بی بی پر بہت غصہ آیا اور انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ ہاجرہ کے جسم کی تین اعضاء کاٹے گی۔ تب حضرت خلیل نے حکم دیا کہ ہاجرہ اپنے کانوں کو چھدوائے اور ختنہ کروائے اس طرح وہ اپنی قسم سے بری ہوگی۔

سہیلی فرماتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ عورتوں میں سب سے پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ختنہ کرایا سب سے پہلے انہوں نے ہی کان چھدوائے اور سب سے پہلے انہوں نے ہی اپنا دامن لمبا کیا۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اسی لئے لوگ ان دونوں (صفا اور مروہ) پہاڑوں کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ (ساتویں بار) وہ مروہ پہ پہنچیں۔ تو انہوں نے ایک آواز سنی اور اپنے دل میں کیا ٹھہرو۔ پھر انہوں نے اچھی طرح کان لگائے تو پھر بھی یہی آواز سنی۔ تب آپ نے فرمایا (اے شخص) تو نے (اپنی آواز تو) سنادی۔ کاش تیرے پاس فریاد رسی کو کچھ ہو۔ اچانک کیا دیکھتی ہیں کہ مقام زمزم پر ایک فرشتہ ہے۔ اس نے اپنی ایڑی سے زمین پر ٹھوکر ماری یا اپنے پر سے ضرب لگائی۔ تو پانی ظاہر ہوگیا۔ ام اسماعیل مٹی سے پانی کے ارد گرد حوض سا بنانے لگیں اور چلو بھر بھر کر پانی سے مشک بھرنے لگیں۔ مگر چلو بھرنے کے

بعد (چشمہ) جوش مارنے لگا۔ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:۔

'' اللہ اسماعیل کی والدہ پر رحم کرے اگر وہ زم زم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں''

فرمایا: ''کہ وہ پانی کا چلو نہ بھرتیں'' تو زمزم ایک بڑا چشمہ بن جاتا فرماتے ہیں کہ پھر حضرت بی بی ہاجرہ نے پانی پیا۔اور بچے کو اپنا دودھ پلایا تب آپ سے فرشتے نے مخاطب ہو کر ... ہلاکت کا خوف نہ کرو۔یہاں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جسے (نئے سرے سے) یہ بچہ اور اس کا والد گرامی تعمیر کریں گے اور اللہ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا''

کعبۃ اللہ ایک ٹیلے کی مانند سطح زمین سے قدرے بلند جگہ تھی۔سیلاب آتے اور اسے دائیں بائیں سے کاٹ کر لے جاتے۔اسی طرح حضرت ہاجرہ یہاں قیام پذیر رہیں حتیٰ کہ بنو جرہم کے کچھ لوگوں کا یہاں سے گزر ہوا۔یا (یہ فرمایا) کہ جرہم کی کچھ لوگ کداء کے راستے سے واپس آتے ہوئے یہاں سے گزرے۔قافلہ والے وادی کے نشیب میں اترے تو انہوں نے ایک پرندہ کو منڈلاتے ہوئے دیکھا۔(ایکدوسرے سے) کہنے لگے ضرور یہ پرندہ پانی پر منڈلا رہا ہوگا۔حالانکہ ہم بھی تو اسی وادی میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور کہیں پانی کا نام و نشان نہیں ہے۔انہوں نے ایک یا دو آدمی بھیجے۔وہ (تلاش کرتے کرتے) پانی پر جا پہنچے واپس آ کر دوسرے لوگوں کو (پانی کی موجودگی کی) اطلاع دی۔تمام لوگ اسی طرف ... دیئے۔آپ فرماتے تھے کہ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ پانی کے قریب تشریف فرما تھیں۔ان لوگوں نے یہاں فروکش ہونے کی اجازت مانگی۔آپ نے فرمایا تمہیں اجازت ہے لیکن تمہارا پانی پر کوئی حق نہیں ہوگا۔انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا (حضرت ہاجرہ) ام اسماعیل کے لئے یہ لوگ غنیمت ثابت ہوئے۔کیونکہ آپ انسانوں کو چاہتی تھیں۔چنانچہ وہ لوگ مقیم ہوگئے اور انہوں نے اپنے اہل وعیال کو بھی وہیں بلوالیا (بنو جرہم کے) لوگ وہاں مقیم رہے یہاں تک کہ کچھ لوگ گھر والے ہوگئے (ہاجرہ کا) بچہ جوان ہوگیا اور اس نے ان سے عربی زبان سیکھی اور فصاحت و بلاغت میں ان پر بازی لے گیا یہاں تک کہ انہیں حیران کردیا۔اب جان پہچان ہوگئی تو انہوں نے اپنے خاندان کی ایک عورت سے ان کی شادی کردی۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن محمد یعنی ابو بکر بن ابی شیبہ ... نے فرمایا: ہم سے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ہم سے معمر نے بیان کیا انہوں نے ایوب سے اور کثیر بن کثیر بن المطلب بن ابی وداعہ سے (ایوب اور کثیر نے ایک دوسرے سے بڑھ ...

) انہوں نے سعید بن جبیر سے ، انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ... زیادہ بیان کیا ہے ... فرماتے ہیں کہ عورتیں جو آزاد بند بناتی ہیں اسے انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ... سے سیکھا۔کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے ہی ازار بند بنایا تاکہ اپنا جسم سارہ سے چھپائیں پھر ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے آئے اور (ان دنوں) اسماعیل کو آپ دودھ پلا رہی تھیں یہاں تک کہ آپ نے انہیں بیت اللہ شریف کے پاس زمزم کے قریب مسجد کی بلند جگہ بٹھا دیا۔

ان دنوں مکہ میں کوئی شخص بھی نہیں تھا اور نہ وہاں کہیں پانی کا نام و نشان ... حضرت ابراہیم نے ان ماں بیٹا کو وہاں چھوڑ دیا ان کے پاس صرف ایک تھیلہ تھا جس میں کھجوریں تھی اور ایک مشک تھی جس میں پانی تھا آپ علیہ السلام نے یہ سامان رکھ دیا اور واپس پلٹے۔اسماعیل کی والدہ (ہاجرہ) ان کے پیچھے ہولیں اور کہنے لگیں۔ابراہیم ! اس وادی ... آپ ہمیں چھوڑ کر کہا جانے لگے جس میں نہ تو کوئی انسان ہے اور نہ کوئی ضرورت کی چیز ؟ حضرت ہاجرہ نے بار بار پوچھا لیکن ابراہیم نے ان کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھا آخر ام اسماعیل (ہاجرہ) نے عرض کیا : کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے ؟ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔حضرت ہاجرہ بولی : ٹھیک ہے پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔اور پھر واپس (بچے کے پاس) آ گئیں۔

'' اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں۔تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔اے ہمارے رب ! یہ اس لئے تاکہ وہ قائم کریں نماز۔پس کردے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں''

اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں آپ نے ... محسوس کی اور آپ کا بچہ بھی پیاس سے بلک اٹھا چنانچہ وہ بچے کی طرف دیکھتی رہیں کہ (مارے پیاس کے) وہ تڑپ رہا ہے۔لیکن وہ اس حالت کو زیادہ دیر نہیں دیکھ سکتی تھیں اس لئے وہاں سے چل دیں قریب ہی صفا کی پہاڑی نظر آئی اس پر کھڑی ہوگئیں اور وادی کی طرف منہ کر کے نظر دوڑائی کہ کوئی ہو تو نظر آ جائے۔لیکن کوئی آدمی نظر نہ آیا۔اس طرح آپ نے (صفا اور مروہ کے درمیان) سات چکر لگائے۔

روضۃ العلماء میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے ... ذوالحجہ کی پہلی رات کو خواب دیکھا کہ

ایک کہنے والا کہتا ہے کہ اے خلیلؑ ! اپنی پیاری چیز کو ذبح کر۔ جب بیدار ہوئے تو چند بکر...
ذبح کیں۔ پھر دوسری رات بھی ویسے ہی خواب دیکھا۔ صبح چند گائیں ذبح کیں۔ تیسری رات
بھی ویسا ہی حکم ہوا۔ صبح چند اونٹ ذبح کئے۔ ہر رات یہی خواب دیکھتے اور قربانیاں کرتے
گئے۔ پھر آٹھویں رات کو حکم ہوا کہ آزمائش ایزدی سے اپنے بیٹے کو ذبح کرنا ہے۔ نویں رات
کو بھی یہی حکم ہوا۔ پھر دسویں رات یہی حالت دیکھی کہ شعائر اسلام کی خاطر ذبح کر کے حق
تعالیٰ کے امر کی تعظیم کی اور ارادہ کیا۔ پھر ابراہیمؑ خانہ کعبہ میں گئے تو وہاں بھی کہا گیا کہ اے
ابراہیم ! اپنے بیٹے کو لوجہ اللہ ذبح کر۔ تب آپ حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ کے پاس آئے اور
فرمایا کہ اسمٰعیلؑ کو تیار کر۔ میں اپنے دوست کے ہاں جاتا ہوں اور ساتھ اسمٰعیلؑ کو بھی لے
کر جاتا ہوں۔ والدہ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو غسل دیا نئے کپڑے پہنائے۔ کنگھی کی اور خوشبو
لگائی۔ بی بی ہاجرہ نے اپنے بیٹے کو تیار کر کے حضرت ابراہیمؑ کے سپرد کیا: اور کہا!

اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ

یعنی میں نے اپنا کام اللہ کے سپرد کیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھنے والا
ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے رسی اور چھری بھی خفیہ لے لی اور منیٰ کی طرف روانہ ہوگئے ان کے
جانے کے بعد شیطان مشائخانہ صورت بی بی صاحبہ کے پاس آیا اور کہا کہ تو جانتی ہے
ابراہیمؑ تیرے بیٹے کو کہاں لے جا رہے ہیں۔ بی بی صاحبہ نے فرمایا اپنے دوست کے ہاں گئے
ہیں۔ شیطان نے جواب دیا کہ نہیں نہیں تیرے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے لے گیا ہے۔ بی بی
صاحبہ نے جواب دیا کہ ایسا کون باپ ہوتا ہے جو بیٹے کو ذبح کرے۔ اور پھر خلیل اللہ ایسا کام
کب کر سکتا ہے۔ شیطان نے جواب دیا تیری بات تو ٹھیک ہے لیکن ان کو خدا کا حکم ہوا
ہے۔ بی بی صاحبہ نے جواب دیا کہا گر حکم الٰہی ہے تو میں دل و جان سے راضی ہوں یہ ایک بیٹا
ہ اگر اس جیسے ہزار بیٹے ہوں تو پھر بھی میں خدا کے راستے میں دینے کو تیار ہوں۔
شیطان وہاں سے مایوس ہو کر گیا۔ پھر موقع پا کر اسمٰعیلؑ کے پاس پہنچ گیا اور ان کو
بھی اسی طرح وسوسے دیئے۔ اسمٰعیلؑ نے بھی یہی جواب دیا کہ یہ تو میری ایک جان ہے اگر
ہزار جانیں بھی ہوں تو میں خدا کی راہ میں قربان ہونے کو تیار ہوں۔ اس کاروائی سے بھی
شیطان نا امید ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وسوسے دینے لگا۔ حضرت ابراہیمؑ نے پہچان
اور ڈھیلہ اٹھا کر مارا اور اللہ کے حکم کی تعمیل شروع کی۔ جیسا کہ پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے

فلما بلغ معه السعی قال یبنی انی اری فی المنام انی اذ بحک فانظر ما
ذاتری قال یابت افعل ماتو مر ستجدنی انشاء الله من الصابرین فلما
اسلما وتله للجبین ونادینه ان یابراهم قد صدقت الرئیا انا كذلك
نجزی المحسنین ان هذا لهو البلوا المبین وفدینه بذبح عظیم

"جب اسمٰعیلؑ دوڑنے پھرنے کا ہوگیا۔ کہا ابراہیمؑ نے اے بیٹے میں تجھے
خواب میں ذبح کر رہا ہوں پس تیری کیا رائے ہے۔ اسمٰعیلؑ نے جواب دیا
کہا اے میرے باپ! جو کچھ حکم کیا جاتا ہے کر۔ انشاء اللہ مجھے صابروں سے
پائے گا جب دونوں خدا کے حکم کو تسلیم کر چکے پھر ڈالا زمین پر اسمٰعیلؑ کو
ماتھے کے بل۔ اور پکارا ہم نے کہ اے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچا کر
دکھایا۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔ بیشک یہ بڑی
آزمائش تھی اور چھڑا لیا ہم نے اسمٰعیلؑ کو بدلے بڑی قربانی کے"(سورۃ
الصفت)

یہ ایک دنبہ تھا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ دنبہ چالیس سال تک جنت میں چرتا
پھرتا رہا۔ حضرت جبرائیلؑ پہاڑی سے لے کر اتر آئے اور کہا کہ بیٹے کے بدلے اس کو ذبح
کردے چنانچہ ایسا کیا گیا۔

کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو اسمٰعیلؑ نے عرض کی تھی کہ چھری کو اچھی طرح تیز
کرلیں۔ پھر چھری اچھی طرح تیز کی اور اسمٰعیلؑ کے گلے پر زور سے کھینچی چھری نے ایک بال
بھی نہ کاٹا۔

اسمٰعیلؑ نے عرض کی کہ جلدی کرو کہ خدا کے حکم میں عدولی نہ ہو جائے۔ حضرت
ابراہیمؑ نے پھر چھری تیز کی۔ پھر بھی کوئی بال نہ کٹا۔ ابراہیمؑ نے چھری کو پتھر پر مارا۔ چھری کو
اللہ تعالیٰ نے بولنے کی طاقت دے دی۔ چھری نے کہا اے ابراہیمؑ ! میں تیرا حکم مانوں کہ
تیرے رب کا۔ تو کہتا ہے کاٹ اور تیرا رب کہتا ہے نہ کاٹ۔ اتنے میں حضرت جبرائیلؑ جنت
کا دنبہ لے کر حاضر ہوگئے۔ پھر پہاڑ سے اللہ اکبر کی آواز آئی تو خلیل اللہ نے کہا: لا الہ الا اللہ
اللہ اکبر پھر اسمٰعیلؑ نے کہا اللہ اکبر واللہ الحمد اب یہ تکبیریں پچھلوں پر واجب ہوگئیں۔ بعض
کہتے ہیں کہ خدا کے حکم سے اسمٰعیلؑ کی گردن پر تانبے کی تختی رکھ دی گئی تھی کہ اسمٰعیلؑ کو کسی

قسم کی تکلیف نہ ہو جائے۔

تفسیر ابن کثیر میں رقم ہے کہ:

ذی الحج کے سات دن گزر جانے پر رات کو خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے "بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے" آپ نے صبح اس پر تفکر کیا اور کچھ تر... میں رہے کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے؟ یا خواب فقط خیال تو نہیں۔ اسی وجہ سے آٹھ ذی الحج کا نام یوم الترویہ رکھا گیا (سوچ بچار کا دن) آٹھ تاریخ کا دن گزر جانے پر رات پھر خواب دیکھا' صبح یقین کرلیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی حکم ہے اسی نو ذی الحج کو یوم عرفہ (پہچاننے کا دن) کہا جاتا ہے، اس کے بعد آنے والی رات کو پھر خواب دیکھنے پر صبح اس پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ کرلینے پر ہی دس ذی الحج کو یوم النحر (ذبح کا دن) کہا جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

ان اللہ تعالیٰ جعل رویا الانبیاء علیھم السلام حقا

"بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے خوابوں کو حق بنایا یعنی ان کے خوابات سچے ہوتے ہیں ان کو اپنے خوابوں پر عمل کرنا لازم ہے"

جو خواب دیکھا جائے وہی بعینہ واقع ہو جیسے ہمارے نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں خواب دیکھا کہ آپ بمع اپنے اصحاب کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور اصحاب نے سر منڈوائے اور بعض نے بال کٹوائے آپ کا یہ خواب ایک سال بعد اسی طرح سچا ہوا جیسے دیکھا تھا:

"بے شک اللہ نے سچ کردکھایا اپنے رسول کا سچا خواب بے شک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہوگے اگر اللہ چاہے امن و امان سے اپنے سروں کے بال منڈواتے یا ترشواتے بے خوف"

خواب میں صرف امتحان ہو اس کا وقوع مقصود نہ ہو جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا، یہ صرف امتحان تھا آپ نے اپنے امتحان پر عمل کرلیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا اور فدیہ دے دیا۔

خواب میں بعض چیزوں سے تشبیہ دی جائے جس چیز کو خواب میں دکھایا گیا ہو اس کا وقوع نہ ہو بلکہ اس کی کوئی نہ کوئی تاویل ہو اور وقوع مشابہ ہو جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب:

"یاد کرو جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ میں نے گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے انہیں اپنے لئے سجدہ کرتے دیکھا"

خواب میں آپ نے چاند اور سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کرتے دیکھے لیکن واقع میں ان چیزوں نے آپ کو سجدہ نہیں کیا بلکہ آپ کے خواب کو اس طرح سچا کرکے دکھایا:

"اس کے لئے سجدہ میں گرے اور یوسف نے کہا اے میرے باپ یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے بے شک اسے میرے رب نے سچا کیا"

(پ ۱۳ سورۃ یوسف ۱۰۰)

ماں باپ خواب میں چاند سورج کی شکل میں دکھائے گئے اور گیارہ بھائی گیارہ ستاروں کی صورت میں، خواب سچا ہوا کہ سب نے آپ کو سجدہ تعظیمی کیا، جو پچھلی شریعتوں میں جائز تھا۔ ہماری شریعت میں حرام ہے۔ یاد رہے کہ عبادت کا سجدہ ہر شریعت میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۲۶، ص ۱۵۷)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹے سے مشورہ کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ آپ پر یہ ظاہر ہو جائے کہ آپ کا بیٹا اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری میں کتنا صابر ہے؟ اس طرح آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوگی۔ جب آپ دیکھیں گے کہ آپ کا بیٹا حلم (بردباری) کے اعلیٰ معیار پر فائز ہو چکا ہے، اور اس طرح بیٹے کو بھی سخت مشکلات میں عظیم صبر کرنے پر اعلیٰ درجہ حاصل ہو جائے، آخرت میں ثواب حاصل ہو اور دنیا میں بھی آپ کی تعریف ہو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے صبر کرنے کے پختہ ارادہ کو "ان شاء اللہ" سے ملا کر برکت حاصل کی اور اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا کہ جو کام مستقبل میں کرنا ہو اس کے ساتھ "ان شاء اللہ" ذکر کیا جائے کیونکہ نیکی کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے اسی طرح گناہوں سے بچانا بھی اسی کے فضل سے نصیب ہوتا ہے۔

اگرچہ اختلاف ہے اس مسئلہ میں کہ قربانی حضرت اسحاق علیہ السلام کی ہوئی یا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہوئی تاہم قوی دلائل سے یہ ہی واضح ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل کی ہی کی گئی علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مختلف دلائل ذکر کئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"انا ابن الذبیحین" میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ اسی طرح ایک اعرابی نے آپ

کو یا ابن الذبیحین کہہ کر پکارا تو آپ نے تبسم فرمایا: جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ ذبیحوں کے بیٹے کس طرح ہیں ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا : کہ عبدالمطلب نے جب زمزم کنواں کھودنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کے لئے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے یہ آسان کیا تو میں اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کی قربانی کروں گا قرعہ حضرت عبداللہ کے نام میں نکلا، آپ کے ننھیال اور کچھ اہل علم نے ایک سو اونٹ بطور فدیہ دینے کا فیصلہ کیا اس طرح حضور ﷺ کے باپ کو ذبیح ہونے کا شرف حاصل ہوا۔اور یہ بھی واضح ہے کہ حضور ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے نہیں، تو یقیناً دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(۲) حضرت اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے ابوعمرو بن علاء سے سوال کیا کہ ذبیح کون تھا؟ انہوں نے فرمایا: اے اصمعی !تمہاری عقل کہاں گئی ؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اسحاق علیہ السلام مکہ میں نہیں تھے بلکہ وہ تو شام میں تھے ، مکہ میں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے جو اپنے باپ کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر میں مشغول تھے اور قربانی کا واقعہ بھی مکہ مکرمہ کے قریب منیٰ میں پیش آیا تو یقیناً ذبیح ہونے کا واقعہ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہی در پیش آیا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو صابر کہا اسحاق علیہ السلام کو نہیں، رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

واسمعیل و ادریس وذا الکفل کل من الصابرین

"اسماعیل ، ادریس اورذوالکفل (علیہم السلام)(کو یاد کرو) وہ سب صبر والے تھے"

(پ ۱۷ سورۃ انبیاء ۸۵)

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کے متعلق فرمایا:

اِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ

"بے شک آپ وعدہ کے سچے تھے۔ذبح ہونے والے نے ہی اپنے باپ سے وعدہ کیا"

ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین ۔(پ ۲۳ سورۃ صافات ۱۰۲)

"آپ عنقریت مجھے ان شاءاللہ صابرین سے پائیں گے"

جب یہ واضح ہوگیا کہ ذبح ہونے والے نے اپنے باپ سے صبر کا وعدہ کیا اور وعدہ پورا کیا اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو صبر کرنے والا اور وعدہ کا سچا، کہا ہے تو یقیناً ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ کی والدہ کو بشارت رب تعالیٰ نے ان الفاظ میں دی :

فبشرنا ها باسحاق ومن وراء اسحاق یعقوب

(پ ۱۲ سورۃ ہود ۷۱)

"ہم نے اسے (سارہ کو) بشرت دی اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی"

اگر یہ کہا جائے کہ ذبح کرنے کا حکم اسحاق علیہ السلام کے متعلق تھا تو اب یہ دیکھنا ہوگا کہ یعقوب علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا بعد میں؟ اگر آپ کی پیدائش سے پہلے حکم دیا گیا ہے تو اس میں حضرت ابراہیم کا امتحان ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ آپ کو بتا دیا گیا تھا کہ سارہ کا بیٹا اسحاق اور اسحاق کا بیٹا یعقوب ہوگا، جب ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہے کہ اسحاق کا بیٹا یعقوب تو ابھی پیدا ہونا ہے۔یہ تو ذبح ہو ہی نہیں سکتا، تو امتحان کیسے ؟ اور رب تعالیٰ اپنے ہی حکم کے خلاف کیسے حکم دے سکتا ہے ؟ اگر یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کے بعد حکم ہو تو یہ بھی ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :۔

فلما بلغ معه السعی .(پ ۲۳ سورہ صافات ۱۰۲)

"جب وہ آپ کے ساتھ ہاتھ بٹانے کی قابل ہوگیا"

ذبح کے وقت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی عمر تیرہ سال یا بعض روایات میں سات سال بھی ہے تو اس عمر میں یعقوب علیہ السلام کا پیدا ہوجانا اور اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم دینا بھی عقل کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

انی ذاهب الی ربی سیهدی .(پ ۲۳ سورہ صافات ۹۹)

"میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں جو مجھے ہدایت دے گا"

یعنی جہاں میرے رب کا حکم ہے اس سرزمین میں جانے والا ہوں ہجرت کرنے

کے بعد ابراہیم دعا کرتے ہیں:

رب هب لی من الصالحين

"الٰہی مجھے لائق اولاد دے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا کی قبولیت کو ذکر کیا"

فبشر ناه بغلام حليم (پ۲۳ سورہ صافات ۱۰۱)

"تو ہم نے اس ایک حلیم بیٹے کی خوش خبری سنائی۔

پھر اس بیٹے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فلما بلغ معه السعى قال ينى انى ارى فى المنام انى اذبحك فانظر ماذا ترى قال يا ابت افعل ماتو مر ستجدنى ان شاء الله من الصابرين.

(پ۲۳ سورۃ صافات ۱۰۲)

"پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہوگیا کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ کہا اے میرے باپ کیجیے! جس بات کا آپ کو حکم ہوت ہے خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے"

اب اس سارے واقعہ کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت حضرت سارہ کو دی ہی اس لئے گئی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کو تو ایک بیٹے کی بشارت دی جا چکی ہے اور بیٹا بھی عطا کر دیا گیا تھا۔

اگر ذبح کے وقت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال ہے تو اسی سال اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی گئی اور ایک سال بعد آپ پیدا ہوئے اور اگر اس وقت اسماعیل علیہ السلام کی عمر سات سال تھی تو ذبح کے واقعہ کے سات سال بعد حضرت اسحاق کی پیدائش ہے۔

(٦) کثیر اخبار میں یہ ذکر بھی موجود ہے کہ ذبح کے وقت جو دنبہ بطور فدیہ دیا گیا اس کے سینگ کعبہ شریف کی دیوار پر بہت عرصہ تک نصب رہے، اس سے بھی واضح ہوا کہ ذبح کا واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا اور مکہ مکرمہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اگر ذبح کا واقعہ اسحاق علیہ السلام سے متعلق ہوتا تو ملک شام میں در پیش آتا، نہ کہ مکہ مکرمہ میں۔ (از کبیر ج ۲۶ ص ۱۵۳)

ذبیح علیہ السلام کا واقعہ

(الصافات: ۹۹-۱۱۳) رب قدوس کا ارشاد ہے:

"اور آپ نے کہا میں میں جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف۔ وہ میری رہنمائی فرمائے گا۔ (دعا مانگی) میرے رب! عطا فرمادے مجھے ایک نیک بچہ۔ پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا۔ اور جب وہ اتنا بڑا ہوگیا کہ آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کرسکے۔ آپ نے فرمایا: اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب تیری کیا رائے ہے۔ عرض کیا میرے پدر بزرگوار! کرڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔ پس جب دونوں نے سر اطاعت خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹادیا اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم (بس ہاتھ روک لو) بیشک یہ بڑی کھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے بچا لیا اسے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر۔ اور ہم نے چھوڑا ان کا ذکر خیر آنے والوں میں۔ سلام ہو ابراہیم پر۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو۔ بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے بشارت دی آپ کو اسحٰق کی (کہ) وہ نبی ہوگا (زمرۂ) صالحین میں سے۔ اور ہم نے برکتیں نازل کیں اس پر اور اسحاق پر اور ان کی نسل میں کوئی نیک ہوگا اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا ہوگا"

اللہ تعالیٰ اپنے خلیل اور حبیب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرما رہے ہیں کہ جب آپ نے اپنی قوم کا وطن چھوڑا تو اپنے رب سے نیک فرزند کے لئے دعا کی۔ اللہ کریم نے ان کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے انہیں ایک نیک بچے کی خوش خبری دی۔ جن کا اسم گرامی اسماعیل علیہ السلام رکھا گیا۔ کیونکہ آپ پہلے بچے ہیں جو ستاسی سال کی عمر میں آپ کو مرحمت کیے گئے۔ اور اس چیز میں کسی ملت کا بھی اختلاف نہیں۔ کیونکہ اسماعیل علیہ السلام ہی ابراہیم علیہ السلام کے ہاں سب سے پہلے تولد ہوئے اور پہلوٹھے ہونے کا حق حاصل کیا۔

بہر حال جب اسماعیل علیہ السلام سیانی عمر کے ہوگئے تو ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ انہیں اسماعیل کو ذبح کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ حدیث مرفوع کے الفاظ

ہیں کہ "انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں" عبید بن عمیر بھی یہی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابراہیم علیہ السلام کے لئے یہ بہت بڑا امتحان تھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر دیں جو انہیں بڑھاپے میں عطا ہوا تھا۔ جب کہ وہ جوانی کی عمر کو پہنچنے والے تھے۔ اور اس سے پہلے بھی وہ اسی بچے کے متعلق ایک آزمائش پوری کر چکے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ اپنے بچے اور ان کی والدہ کو اکیلا کسم پرسی کی حالت میں ایک ایسی جگہ اور ایسی وادی میں چھوڑ آئیں جہاں نہ کوئی پرسان حال ہو اور نہ کوئی یار و مددگار، نہ سبزہ ہو اور نہ کوئی جاندار۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس حکم کو خوش دلی سے پورا کیا تھا اور ان ماں بیٹا کو اللہ تعالیٰ کی رحمت پر یقین اور توکل کرتے ہوئے چھوڑ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں انہیں سنبھالا دیا تھا اور ان کے لئے آسانیاں اور زندگی کے سامان پیدا کر دیئے تھے۔ اور انہیں وہاں سے رزق باہم پہنچایا تھا جہاں سے ان کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔

اب انہیں اس آزمائش کے بعد ایک اور آزمائش کا سامنا تھا۔ اب انہوں نے اس بچے کو ذبح کرنا تھا جسے کچھ عرصہ پہلے اپنے سے جدا کیا تھا۔ جو پہلوٹھا تھا اور اکلوتا بھی کہ اس کے علاوہ اور کوئی اولاد نہیں تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے رب قدوس کے حکم کے سامنے سر خم کر دیا اور فوراً بچے کو ذبح کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ وہ کسی دیر کے روادار نہیں ہوئے۔ فوراً اپنے بچے کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا۔ تاکہ وہ بخوشی اور آسانی سے اللہ کی اطاعت پر کمربستہ ہو جائے اور اس پر سختی نہ کرنا پڑے اور زبردستی ذبح کا عمل سرانجام نہ دینا پڑے فرمایا:

"اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب بتا تیری کیا رائے ہے؟"

نیک خصلت بچے نے اپنے والد گرامی خلیل اللہ علیہ السلام کی دل کی بات کو سمجھنے میں کوئی دیر نہ کی اور فوراً عرض کی۔

"اے میرے پدر بزرگوار! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے"

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے جواب میں کمال راست بازی۔ اللہ تعالیٰ اور اپنے والد مکرم کی فرمانبرداری کا کمال جذبہ موجزن نظر آتا ہے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تحریف کیوں کی گئی۔ اور اس قربانی کا مصداق حضرت سیدنا اسحاق علیہ السلام کو کیوں ٹھہرایا گیا۔ تو اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ

یہودیوں اور عیسائیوں کو پیغمبر آخر الزمان کی وجہ سے عربوں سے جو حسد ہے وہ انہیں ایسی علمی بددیانتی کا مرتکب کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ اسماعیل علیہ السلام ابو العرب ہیں۔ رسول خدا ﷺ کے جد امجد ہونے کے ساتھ ساتھ حجاز مقدس کے باسی ہیں اور اسحاق علیہ السلام سیدنا یعقوب علیہ السلام کے والد ماجد ہیں جن کا نام اسرائیل تھا اور جو یہودیوں کے جد اعلیٰ اس منصب عظیم کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی وجہ در حقیقت اسلام کی روز افزوں ترقی اور عربوں کے جاہ و جلال سے پریشانی ہے۔ اسی لئے اقرار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے نواز دیتا ہے۔

لیکن بد قسمتی سے اسرائیلی روایات کو بنیاد بنا کر اور حضرت کعب احبار کی بیان کردہ کتب سابقہ کی داستانوں کو حدیث سمجھ کر ہمارے کئی مسلم علماء بھی اس عظیم قربانی کا مصداق حضرت سیدنا اسحاق علیہ السلام کو قرار دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں نبی آخر الزماں ﷺ کی کوئی حدیث بھی نہیں ہے جس سے حضرت ذبیح علیہ السلام کا صحیح تعین ہو سکے۔ لہٰذا بغیر کسی حدیث کے محض اسرائیلی روایات کی بنیاد پر ایک ایسی چیز کو چھوڑنا جو قرآن سے مفہوم ہوتی ہو بلکہ منطوق ہو اس سے بھی بڑھ کر یہ کہنا چاہیے کہ منصوص ہو قرین عقل مندی نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کی آیات پر ذرا سا تامل ثابت کر دیتا ہے کہ ذبیح سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

ابن کعب القرظی کے بیٹے نے کیا ہی خوب استدلال فرمایا ہے کہتے ہیں آیت فبشرنا ها باسحاق ومن وراء اسحاق یعقوب میں اسحاق علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی جا رہی ہے۔

بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ادھر تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی جا رہی ہو کہ آپ کے ہاں اسحاق پیدا ہوں گے اور ان کی صلب سے آپ کے پوتے یعقوب پیدا ہوں گے اور ادھر چند سال بعد حکم دیا جا رہا ہوں کہ اب اس بیٹے کو ذبح کر ڈال۔ یقیناً آپ خواب دیکھ کر قطعاً یہ نہ سمجھتے کہ اس بچے کے ذبح کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے بلکہ آپ علیہ السلام کی کوئی اور تعبیر کرتے اور ضرور سوچتے کہ اسحاق کی نسل کے بڑھنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اب اس کی قربانی کا حکم تو نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا اسحاق کو ذبح کرنے کا حکم دینا پہلی بشارت کے متناقض ہے۔

کہتے ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ رہے ہی نہیں

بلکہ وہ تو صغر سنی سے اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ مکہ کے پہاڑوں میں قیام رکھتے تھے۔ پھر اس کے متعلق یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ جب والد کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچے تو انہیں ذبح کے لئے پیش کیا گیا۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا۔ ہم سے منصور نے بیان کیا انہوں نے اپنے خالو نافع سے، انہوں نے صفیہ بنت شیبہ سے روایت کیا۔ آپ فرماتی ہیں کہ مجھے بنی سلیم کی ایک عورت نے بتایا جو ہمارے عام گھروں میں پیدا ہوئی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلا بھیجا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے عثمان سے پوچھا۔ آپ کو رسول اکرم ﷺ نے کیوں بلایا تھا؟ تو آپ فرمانے لگے کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔

''میں جب بیت اللہ شریف گیا تو میں نے وہاں مینڈھا کے سینگ دیکھے ہیں۔ میں آپ کو حکم دینا بھول گیا کہ آپ انہیں کہیں چھپا دیں۔ پس آپ انہیں چھپا دیں۔ کیونکہ بیت اللہ شریف کے اندر ایسی کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے جو نمازی کو مشغول کردے۔

سفیان فرماتے ہیں کہ وہ دونوں سینگ بیت اللہ شریف میں لٹکتے رہے حتٰی کہ جب بیت اللہ شریف کو آگ لگ گئی تو وہ بھی جل گئے۔

اس طرح ابن عباس سے مروی ہے کہ اس مینڈھے کے دونوں سینگ کعبۃ اللہ شریف کے پرنالے پر لٹکتے رہے حتٰی کہ وہ بالکل خشک ہوگئے۔

اور یہ دلیل اسماعیل کے ذبیح ہونے پر کفایت کرتی ہے۔ کیونکہ مکہ مکرمہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام مقیم رہے ہیں نہ کہ حضرت اسحاق اور یہ بات بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی کہ بچپنے میں حضرت اسحاق علیہ السلام کبھی مکہ مکرمہ تشریف لائے ہوں۔ (واللہ اعلم)

جن بزرگوں سے اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے اقوال ملتے ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ کعب الاحبار، ابن عمر، ابن عباس، علی ابن مسعود، مسروق، عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، عطاء، شعبی، مقاتل عبید بن عمیر، ابی میسرہ، زید بن اسلم۔ عبداللہ بن شقیق، زہری، قاسم، ابن ابی بردہ۔ مکحول۔ عثمان بن حاضر، سدی، حسن قتادہ، ابی الہذیل، ابن عابط، ابن جریر کا بھی یہ نظریہ ہے اس پر لیکن تعجب ہوتا ہے ابن عباس سے بھی ایک روایت یہی ملتی ہے۔

لیکن ابن عباس اور دوسرے کئی بزرگوں سے جو صحیح قول روایت کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ذبیح حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔ مثلاً مجاہد، سعید، یوسف بن مہران، عطاء،

ابن عباس رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے کئی دوسرے محدثین۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے یونس نے بیان کیا۔ ہم کو ابن وہب نے بتایا۔ انہوں نے عطاء بن ابی رباح سے، انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ لیکن یہود گمان کرتے ہیں کہ وہ حضرت اسحاق ہیں دراصل وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ عبداللہ ابن امام احمد اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی حضرت ابی حاتم سے دریافت کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

اور حضرات علی، ابن عمر، ابوہریرہ، ابی طفیل، سعید بن مسیّب سید بن جبیر، حسن، مجاہد شعبی، محمد بن کعب، ابی جعفر محمد بن علی۔ ابو صالح فرماتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔ بغوی نے ربیع بن انس، کلبی اور ابوعمرو بن العلاء سے بھی یہی بیان فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ہادیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو یا ابن الذبیحین (اے دو ذبیحوں کے بیٹے) کے الفاظ سے مخاطب کیا تو رسول اللہ ﷺ نے یہ الفاظ سن کر تبسم فرمایا:

عمر بن عبدالعزیز، محمد بن اسحاق بن یسار کی بھی یہی رائے ہے۔ حضرت حسن بصری تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اس میں شک وشبہ کی گنجائش تک نہیں کہ ذبیح سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

امیر المؤمنین علی بن ابی طالبؓ اور دوسرے صحابہ کرام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو بتا دیا تھا کہ بیت اللہ کہاں تعمیر کرنا ہے۔ ہم آسمانوں کی تخلیق کے تذکرے میں بھی یہ بات بیان کرچکے ہیں کہ کعبۃ اللہ بیت المعمور کے عین نیچے واقع ہے۔ یوں سمجھیے کہ بفرض محال اگر بیت المعمور نیچے گرے تو سیدھا بیت اللہ شریف پر آئے گا۔ اسی طرح ہر آسمان پر جو عبادت خانہ ہے وہ بیت اللہ کی سیدھ میں واقع ہے۔ جیسا کہ اسلاف کا کہنا ہے کہ ہر آسمان پر ایک گھر ہے جس میں اہل آسمان اللہ کی عبادت کرتے ہیں جس طرح اہل زمین کے لئے بیت اللہ شریف کو خصوصی عبادت گاہ کا درجہ حاصل ہے۔

رب قدوس نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ ساکنان سماوی کے ان معابد کی طرح اہل زمین کے لئے بھی ایک گھر تعمیر کرو جس میں وہ میری عبادت کیا کریں۔ اس حکم کے ساتھ پھر اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی جگہ بھی بتادی جو زمین وآسمان کی تخلیق کے ساتھ ہی

مختص اور مقرر ہو چکی تھی۔ جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے۔

''اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن سے معظم و محترم قرار دیا ہے اور وہ قیامت کے دن تک اللہ کے حکم سے حرمت والا رہے گا''

حدیث رسول ﷺ میں یہ بات بہر حال کہیں بیان نہیں ہوئی کہ یہ گھر حضرت خلیل سے پہلے بھی کسی کے ہاتھوں تعمیر ہوا ہے۔ جو لوگ ''مکان البیت'' سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بنیادیں پہلے سے موجود تھی اور اس سے پہلے بھی یہ گھر تعمیر ہوا ہے کوئی یقینی قطعی بات محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس سے یہ مفہوم بھی لیا جاسکتا ہے کہ بیت اللہ کی جگہ اللہ تعالیٰ کے علم میں مقدر تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ جگہ تقدیراً مقرر ہو چکی تھی۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام کو اس کے معظم ہونے کا علم دے دیا گیا تھا۔

روایت ہے کہ آدم علیہ السلام نے اسی جگہ اپنا خیمہ نصب کیا تھا۔ اور فرشتوں نے آپ کی جناب میں عرض کی تھی کہ ہم اس سے پہلے اس گھر کا طواف کر چکے ہیں۔ اور سیدنا نوح نے چالیس دن تک اس کا طواف کیا تھا۔ یہ اور اس قسم کی کئی دوسری روایات اسرائیلیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ہم نے ایک بات مقرر کرلی ہے کہ ان روایات کی نہ تصدیق کی جائے اور نہ تکذیب اور نہ ہی انہیں کسی مسئلے کے ثبوت کے لئے دلیل قرار دیا جائے۔ ہاں اگر قرآن یا حدیث نبوی ان کی تردید کرتی ہو تو پھر یقینی طور پر انہیں مردود کہا جائے۔ رب قدوس کا ارشاد ہے۔ **ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکا وھدی للعالمین** یعنی سب سے پہلے جس گھر کو تمام آدمیت کے لئے برکت و ہدایت کا مرکز قرار دیا گیا وہ مکہ میں واقع بیت اللہ شریف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں اول بیت سے مراد اول محل (سب سے پہلے یہ جگہ) ہے **فیہ آیات بینات** (آل عمران ۹۶)

یعنی اس میں خلیل علیہ السلام کا تعمیر کردہ گھر ہے۔ جو کہ بعد میں مبعوث ہونے والے تمام انبیاء کے والد ماجد اور آپ کی نسل سے ہونے والے تمام پرہیز گاروں کے امام ہیں۔ جو آپ کو اپنا مقتدا یقین کرتے ہیں اور آپ کے طریقہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا: **مقام ابراھیم** (آل عمران: ۹۷) یعنی وہ پتھر جس پر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے اور کعبۃ اللہ شریف کی تعمیر مکمل فرمائی۔ کیونکہ جب بیت اللہ شریف کی دیوار آپ کی قامت سے بلند ہوگئی تھی تو آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہ مشہور پتھر اٹھا لانے کو فرمایا تاکہ اس پر کھڑے ہو کر کام کریں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس کی روایت کردہ ایک طویل حدیث میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

اس پتھر کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت تک یہ دیوار کعبہ سے متصل رہا لیکن آپؓ نے اسے دیوار سے قدرے جدا کر کے نصب کر دیا تاکہ بیت اللہ شریف کا طواف کرنے والے لوگوں کی وجہ سے مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے والے لوگوں کی نماز میں خلل واقع نہ ہو۔ اور بعد میں بھی لوگوں نے اسے اسی جگہ قائم رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے عمر رضی اللہ عنہ کو خصوصی بصیرت عطا فرمائی اسی لئے آپ کی بہت ساری باتیں وحی کے موافق قرار پائیں۔ آپؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی تھی۔ '' کاش ہم مقام ابراہیم کو مصلیٰ بناتے'' کچھ عرصہ بعد رب قدوس نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی۔

واتخذوا من مقام من مقام ابراھیم مصلی (البقرہ:۱۲۵)

''بنالو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

'' اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کر دی ابراہیم کے لئے اس گھر کی (تعمیر کرنے کی) جگہ اور حکم دیا کہ شریک نہ ٹھہرانا میرے ساتھ کسی چیز کو اور صاف ستھرا رکھنا میرے گھر کو طواف کرنے والوں قیام کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے اور اعلان عام کر دو لوگوں میں حج کا وہ آئیں گے آپ کے پاس پاپیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر سوار ہو کر جو آتی ہیں ہر دور دراز راستہ سے''

ارشاد خداوندی ہے:۔

'' بے شک پہلا (عبادت) خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لئے وہی ہے جو مکہ میں ہے بڑا بابرکت والا ہدایت (کا سرچشمہ) ہے سب جہانوں کے لئے اس میں روشن نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے اور جو بھی داخل ہوا اس میں ہو جاتا ہے (ہر خطرہ سے) محفوظ اور اللہ کے لئے فرض ہے لوگوں پر حج اس گھر کا جو طاقت رکھتا ہو وہاں تک پہنچنے کی اور جو شخص (اس کے باوجود) انکار کرے تو بے شک اللہ بے نیاز ہے سارے جہان سے''

(آل عمران: ۹۶،۹۷)

"اور یاد کرو جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں سے تو انہیں پورے طور پر بجالایا اللہ نے فرمایا بیشک میں بنانے والا ہوں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا۔عرض کی میری اولاد سے بھی؟ فرمایا: نہیں پہنچتا میرا وعدہ ظالموں تک اور یاد کرو جب ہم نے بنایا اس گھر (خانہ کعبہ) کو مرکز لوگوں کے لئے اور امن کی جگہ اور (انہیں حکمدیا کہ) بنالو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز اور ہم نے تاکید کردی ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ خوب صاف ستھرا رکھنا میرا گھر طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے اور یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے رب! بنادے اس شہر کو امن والا اور روزی دے اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے (یعنی) جو ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر اللہ نے فرمایا (ان میں سے) جس نے کفر کیا اسے بھی فائدہ اٹھانے دوں گا چند روز پھر مجبور کروں گا اسے دوزخ کے عذاب کی طرف اور یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے اور یاد کرو جب اٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل (علیہ السلام) بھی اے ہمارے پروردگار! قبول فرما ہم سے (یہ عمل) بیشک تو ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے اے ہمارے رب بنادے ہم کو فرمانبردار اپنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو اور بتادے ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجہ فرما ہم پر (اپنی رحمت سے) بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگذیدہ رسول انہیں میں سے تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کردے انہیں بے شک تو ہی بہت زبردست (اور) حکمت والا ہے"(البقرہ:۱۲۴_۱۲۹)

اللہ تعالیٰ اپنے بندے، اپنے رسول، اپنے صفی اور اپنے خلیل، امام الحنفاء والد انبیا سیدنا و مولانا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر فرما رہے ہیں کہ بیت اللہ شریف کی تعمیر کی سعادت انہیں کے حصے میں آئی۔ بیت اللہ شریف جسے تمام لوگوں کے لئے پہلی عبادت گاہ بنایا

گیا۔ جسے کائنات ارضی کے عابدوں کے لئے معبد و مامن قرار دیا گیا۔اللہ کریم نے اپنے بندۂ خاص خلیل علیہ السلام کو خود بتا دیا کہ میرا گھر کہاں تعمیر کرنا ہے۔بوا کا معنی رہنمائی کرنا اور بتانا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ الٰہی ان ہی میں سے ایک عظیم رسول اُن کی ہدایت کے لئے مبعوث فرما۔ جو میری نسل سے ہو۔ یہاں کے باسیوں کی زبان میں فصیح و بلیغ کلام فرمائے اور انہیں نصیحت انموز باتوں سے راہ راست پر گامزن کرے۔ تاکہ ان ظاہری نعمتوں کے ساتھ ساتھ باطنی اور اخروی نعمتیں بھی انہیں میسر آجائیں۔ وہ دنیا میں بھی سرخرو ہوں اور آخرت میں بھی تیری نعمتوں کے مستحق ٹھہریں اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی یہ دعا بھی قبول فرمائی اور بنی اسماعیل میں ایک نہایت ہی عظیم الشان رسول کی بعثت ہوئی جن پر نبوت و رسالت کا سلسلہ اختتام پذیر کردیا۔

اور جو ایک ایسا اکمل و اتم دین لے کر تشریف لائے جو ایسی صورت میں کسی نبی و رسول کو عطا نہیں ہوا۔ جن کی دعوت عربی، عجمی ہر انسان کے لئے عام ہے۔ ہر قوم و نسل ہر زبان و کلام کے آدمی کو شامل ہے۔ اقطار عالم، امصار جہاں اور اعصر زمان میں قیامت تک کوئی شخص ان کی دعوت سے مستثنیٰ نہیں۔ تمام انبیاء میں سے یہ شرف صرف آپ ﷺ کو حاصل ہے۔ کیونکہ آپ کی ذات اقدس میں بھی کمال ہے اور آپ کی دعوت میں بھی تکمیل و تتمیم ہے۔ نیز اس خطہ پاک کے لوگوں میں یہ سج دھج بھی ہے کہ اس پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچائیں اور ان کی لغت میں وہ وسعت بھی ہے کہ پوری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کریں۔ پھر رسول کریم ﷺ کی اپنی امت پر جو شفقت ہے۔ آپ کے لطف و رحمت کی جو بے کرانیاں ہیں۔ آپ کے خاندان، آپ کے مولد اور آپ کے مصدر و مورد کو جو کمال حاصل ہے وہ بھی اس بات کا مقتضی ہے کہ ان کی دعوت عام ہو اور ان کی رحمت شامل کائنات ہو۔

ابن ابی حبان نے ذکر کیا ہے کہ کعبۃ اللہ شریف کی تعمیر پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے کی گئی۔ اور ذوالقرنین روئے زمین کا بادشاہ جب ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کے پاس سے گزرا اور انہیں بیت اللہ شریف کی تعمیر میں مصروف پایا تو پوچھا کہ آپ کو اس گھر بنانے کا حکم کس نے دیا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ذوالقرنین کہنے لگا اس کا کیا ثبوت ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے حکمدیا ہے؟ پانچ مینڈھوں نے جو وہاں موجود تھے گواہی دی کہ انہیں اللہ نے تعمیر بیت اللہ کا حکم دیا ہے۔ ذوالقرنین یہ سن کر ایمان لایا

اور آپ کی باتوں کی تصدیق کرنے لگا۔ ازرقی کا بیان ہے کہ ذوالقرنین نے خلیل علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف بھی کیا۔

کعبۃ اللہ شریف کی عمارت مدتوں خلیل علیہ السلام کی بنیادوں پر رہی۔ پھر جب قریش نے اسے تعمیر کیا تو شمال کی طرف سے اس میں کمی کردی اور آج تک کعبۃ اللہ شریف قریش کی بنیادوں پر قائم ہے۔

صحیحین میں مالک کی بیان کردہ حدیث میں ہے۔ انہوں نے اس حدیث کو ابن شہاب سے، انہوں نے سالم سے، روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن محمد بن ابو بکر نے ابن عمر اور انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہوئے خبر دی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا "آپ دیکھتی نہیں کہ جب تیری قوم نے کعبہ کی تعمیر کی تو اسے ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے چھوٹا کردیا؟ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ اسے ابراہیمی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیوں نہیں فرمادیتے؟ حضور نے فرمایا "اگر تیری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو میں یہ کام ضرور کرتا" اور دوسری روایت میں ہے۔ کہ اگر تیری قوم کی جہالت کا دور قریب نہ ہوتا تو میں ضرور کرتا۔ یا فرمایا: کہ تیری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو میں کعبۃ اللہ کا خزانہ راہ خدا میں خرچ کر دیتا اور اس کا دروازہ زمین کے برابر بنا دیتا۔ اور حجر (حطیم) کو کعبہ کی عمارت میں داخل کردیتا"

ابن زبیرؓ نے اپنے دور میں کعبۃ اللہ کو رسول کریم ﷺ کے بتائے ہوئے خطوط پر تعمیر فرمایا تھا۔ کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ جو ان کی خالہ تھیں انہوں نے آپ کو رسول کریم ﷺ کے خیالات سے آگاہ فرمایا تھا۔ جب حجاج نے ۷۳ھ میں چڑھائی کر کے آپ کو شہید کیا اس نے عبدالملک بن مروان کو جو اس وقت مسند اقتدار پر متمکن تھا ایک خط لکھا ان کا خیال تھا کہ شاید ابن زبیر نے اپنی شہرت کے لئے تعمیر کعبہ میں رد و بدل کیا ہے اس کے حکم سے حطیم کعبہ کی دیوار سے باہر نکال دیا گیا۔ پھر اس جگہ ایک دیوار (الگ) تعمیر کر دی گئی اور کعبہ کے اندر پتھر لگا دیئے گئے۔ اس طرح مشرقی دروازہ بلند ہوگیا اور مغربی دروازہ بالکل بند کردیا گیا جیسا کہ آج کل کعبہ دیکھنے میں آتا ہے۔

لیکن جب امویوں کو معلوم ہوا کہ ابن زبیر نے تو حضرت عائشہ ام المومنین کے کہنے پر ایسا کیا تھا تو بہت نادم ہوئے اور افسوس کرنے لگے کہ کاش ہم اس کو اس طرح چھوڑ دیتے اور اس میں رد و بدل نہ کرتے۔

مہدی بن منصور کے دور میں امام مالک بن انس سے مشورہ لیا گیا کہ اسے حضرت عائشہ کی حدیث کے مطابق تعمیر کردیا جائے تو آپ نے فرمایا: کہ رہنے دو۔ مجھے خدشہ ہے کہ بادشاہ اسے کھلونا بنالیں گے کہ جو بھی بادشاہ بنے گا وہ اپنی مرضی سے کعبۃ اللہ کی تعمیر کرے گا اس لئے آج تک کعبہ کی عمارت پرانی بنیادوں پر قائم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

اہل زمین کے لئے تعمیر کعبہ کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کا مستحق ٹھہرایا کہ ان کا منصب، ان کا ٹھکانا اور ان کی جگہ آسمانوں کے بلند مقامات میں ہو اور وہ بیت المعمور کے نزدیک اعلیٰ درجوں پر فائز ہوں وہ بیت المعمور جو اہل سموات سبع کا کعبہ ہے۔ جس میں بے پناہ برکتیں ہیں اور جس میں عبادت کا ثواب دوسری جگہوں سے کہیں زیادہ ہے۔ جہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہونے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور عبادت خداوندی سے مستفیض ہوتے ہیں۔ پھر ایک گروہ جب چلا جاتا ہے تو قیامت تک پھر اس کی باری نہیں آئے گی۔ سورۃ بقرہ کی تفسیر میں ہم نے بنائے کعبہ کے متعلق اخبار و آثار کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اگر کسی کو تفصیل مطلوب ہو تو وہ تفسیر (ابن کثیر) کی طرف رجوع کرے (واللہ الحمد)

اس ضمن میں کچھ احادیث و آثار مزید ذکر کیے جاتے ہیں۔ سدی فرماتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تعمیر کعبہ کا حکم دیا تو وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ گھر کہاں تعمیر ہوگا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے "الخجوج" نامی ایک ہوا بھیجی جس کے دو پر تھے اور سانپ کی طرح سر تھا۔ اس نے وہ جگہ جھاڑو دے کر صاف کردی جہاں بیت اللہ کی بنیادیں تھیں۔ ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام نے اس کی پیروی کی اور گینتیاں لیکر بنیادیں کھودنے لگے حتیٰ کہ بنیاد رکھ دی گئی۔ اسی کو بیان کرتے ہوئے رب قدوس فرماتا ہے۔

واذ بوانا لابراھیم مکان البیت (الحج:۲۶)

"اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کردی ابراہیم کے لئے اس گھر کے (تعمیر کرنے) کی جگہ"

جب باپ بیٹا ستونوں تک پہنچے اور رکن بنالیا تو ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے کہنے لگے۔ بیٹا! میرے لئے کوئی اچھا سا پتھر لے آؤ تاکہ میں اسے یہاں رکھ لوں۔ آپ نے عرض کی۔ ابا جان! میں بہت تھک گیا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کچھ بھی ہو جاؤ اور پتھر لے آؤ۔ اسی اثنا میں جبریل امین ہندوستان سے حجر اسود لے

آئے جو اس وقت سفید یا قوت تھا اور شخامہ نامی صنعت کی طرح چمکتا تھا اس پتھر کو آدم علیہ السلام جنت سے لے کر زمین پر آئے تھے یہ لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے سیاہ پڑ گیا ہے۔ اسماعیل علیہ السلام جب پتھر لے آئے تو حجر اسود کو رکن کے قریب دیکھ کر پوچھا ابا جان یہ پتھر کون لایا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ وہ لایا ہے جو آپ سے زیادہ چست ہے۔ تعمیر کے دوران ابراہیم و اسماعیل رب قدوس سے دعائیں مانگ رہے تھے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے بعد جزوی طور پر مختلف اوقات میں تعمیر ہوئی ایک مرتبہ عمالقہ اور جرہم نے اسے تعمیر کیا اس کے بعد قصی بن کلاب نے اس کی تعمیر کی جس میں چھت درخت مقل کی لکڑی کی بنائی جس پر بجائے تختوں کے خرمے کی لکڑی ڈالی۔

ایک عورت کعبہ شریف میں خوشبو سلگاتی تھی، ایک بار اچانک اس سے شعلہ اٹھا اور چھت جل گئی اور دیواریں پہلے ہی بوسیدہ ہو چکی تھیں، اس لئے قریش نے فیصلہ کیا کہ مکمل طور پر نئی تعمیر کی جائے۔ ولید کو عمارت کا امیر مقرر کیا گیا اور یہ طے ہوا کہ اس میں حلال مال خرچ ہوگا اس وقت کے امیر لوگوں کے پاس زیادہ سود سے حاصل کردہ مال ہوتا تھا اس لئے حلال مال کم مقدار میں جمع ہوا تو قریش نے مال کی کمی اور کچھ اپنے مقاصد کے پیش نظر چند فرق کر دیئے۔

کعبہ کی کچھ زمین باہر نکال دی یعنی عمارت کو چھوٹا کر دیا، کعبہ سے باہر نکالی ہوئی زمین کو ''حطیم'' کہا جاتا ہے اسی میں میزاب رحمت (پرنالہ) گرتا ہے، چھوٹی چھوٹی دیوار سے آج بھی اسے علیحدہ نمایاں کیا ہوا ہے۔ طواف اس کے باہر سے ہی ہوتا ہے۔

قریش نے دو دروازوں کے بجائے ایک کر دیا وہ بھی بلند تاکہ جسے چاہیں اندر جانے دیں اور جسے چاہیں نہ جانے دیں اب بھی اسی پر عمل ہو رہا ہے بادشاہوں کے لئے دروازہ کھلتا ہے خواہ وہ کتنے ہی بدکار کیوں نہ ہوں صلحاء اتقیاء کے لئے کبھی دروازہ کھلنے کی خبر نہیں سنی گئی۔

خانہ کعبہ کے اندر لکڑی کے ستونوں کی دو صفیں بنائی گئیں اور ہر صف میں تین

ستونوں بنائے گئے۔

کعبہ شریف کی بلندی پہلے سے دوگنا کر دی گئی پہلے بلندی نو ہاتھ تھی انہوں نے اٹھارہ ہاتھ کر دی۔

خانہ کعبہ کے اندر رکن شامی کے قریب ایک زینہ بنایا گیا جس سے چھت پر چڑھ سکیں۔

۱۰۴۰ھ میں سلطان مراد بن احمد خان شاہ قسطنطنیہ نے جب دیکھا کہ اس کی عمارت بہت پرانی ہوگئی ہے تو اس نے سوائے رکن حجر اسود (وہ کونہ جس میں حجر اسود نصب ہے) کے تمام عمارت منہدم کر کے نئی تعمیر کرائی لیکن انہیں بنیادوں اور اسی طرز پر جو حجاج بن یوسف نے بنائی تھی، اندر سنگ مرمر کا فرش بچھایا اور اندر چھت پر نہایت نفیس مخملی چھت گیری لگائی گئی اور باہر کی دیواریں سنگ خارا سے چونہ میں چنیں، نہایت نفیس ریشمی سیاہ پردہ تمام خانہ کعبہ پر ڈالا، جس پر کلمہ طیبہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا تھا اور سنہری حاشیہ پر سلطان کا نام تھا۔

موجودہ کعبہ شریف سلطان مراد کا بنایا ہوا ہے یعنی مکمل عمارت کو منہدم کر کے اس کے بعد نئے سرے سے تعمیر کیا گیا۔

غلاف کعبہ ہر سال مصر سے بڑی دھوم دھام سے آتا رہا ایک مرتبہ پاکستان کے شہر لاہور سے بھی بن کر گیا، پہلے یہ طریقہ تھا کہ پرانا غلاف کعبہ خدام کو دے دیا جاتا لوگ تبرک کے طور پر اسے خرید لیتے تھے، لیکن اب غلاف کعبہ سعودیہ میں ہی بنتا ہے اس پر شاہ سعود کا نام ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ایک مرتبہ رسول ﷺ نے کعبہ کے متصل (یعنی حطیم) بنیاد ابراہیمی کے پتھر مجھے دکھائے اور فرمایا کہ قریش نے اس میں کمی کر دی تھی لوگ اگر نئے نئے مسلمان نہ ہوتے اور ان کے جذبات بھڑکنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ابراہیمی بنیادوں پر کعبہ دوبارہ تعمیر کر دیتا۔

ایک روایت کی بنیاد پر حضرت عبداللہ بن زبیر نے کعبہ شریف کو منہدم کر کے دوبارہ تعمیر کیا، حطیم کو کعبہ میں داخل کیا۔ دروازے دو بنائے جو زمین کے متصل تھے، خوشبودار مٹی چونہ

میں ملا کر گارا لگایا گیا دروازوں پر اندر باہر عنبر لگا کر خوشبو دار کیا گیا۔نہایت قیمتی ریشمی غلاف چڑھایا گیا۔

خیال رہے کہ سب سے پہلے کعبہ شریف کو غلاف چڑھانے والے کا نام اسعد جو شاہ یمن تھا اور تبع کے لقب سے مشہور تھا مدینہ طیبہ کی شہری بنیاد رکھنے والا یہ شخص ہے۔

عبداللہ ابن زبیر کی تعمیر ۲۷ رجب ۶۴ھ کو مکمل ہوئی، پھر حجاج بن یوسف (جو عبدالملک بن مروان کا نائب تھا) نے ۷۴ھ میں عمارت کو منہدم کر کے پھر اسی طرح بنادیا جیسے قریش نے بنایا تھا۔

پھر ہارون الرشید نے چاہا کہ کعبہ اس طرح بنادیا جائے جیسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعمیر کیا تھا۔یعنی دراصل وہی ابراہیمی تعمیر بھی تھی لیکن اس وقت کے اہل علم نے اس لئے منع کیا کہ کوئی تمہارا مخالف آئے گا وہ پھر تبدیلی کرے گا اس طرح گرانا اور بنانا ایک کھیل بن جائے گا۔اس کے بعد مرمت تو ہوتی رہی لیکن مکمل طور پر پوری عمارت کو دوبارہ نہیں بنایا گیا۔

مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام کعبہ شریف کی تعمیر کرتے، جس قدر عمارت بلند ہوتی جاتی تھی یہ پتھر بھی اونچا ہوتا جاتا تھا، یہ پتھر آپ کے کھڑے ہونے سے نرم بھی ہوجاتا تھا کہ سختی کی وجہ سے آپ کے قدموں کو تکلیف نہ ہو: اسی لئے آپ کے قدموں کے نشان اس میں پڑ گئے تے۔اسی پتھر کو جبل ابی قبیس پر رکھ کر اور اس کے اوپر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آواز دی: اے اللہ کے بندو حج کے لئے آؤ! اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"اور لوگوں میں حج کا عام اعلان کردے وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے، پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں" (پ ۱۷ سورۃ حج ۲۷)

آپ کے اس اعلان کے بعد ان تمام لوگوں نے لبیک کہا جنہوں نے بھی حج کرنا تھا۔جس نے جتنی مرتبہ حج کرنا تھا اتنی مرتبہ ہی لبیک کہہ دیا، ماؤں کے رحموں میں اور آباء کی پشتوں میں سے تا قیامت آنے والوں نے لبیک کہا۔(ماخوذ از تفسیر نعیمی)

نبی کریم ﷺ نے جب مقام ابراہیم کی عظمت کو بیان کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: ہم اس کے پیچھے نماز نہ ادا کرلیا کریں؟ تو خدا ﷺ نے وحی کے انتظار میں خاموشی اختیار کی، لیکن اسی دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیت کریمہ کا نزول ہوگیا۔ارشاد ہوا:

واتخذو من مقام ابراھیم مصلی

"اور (حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو"

مقام ابراہیم سے وہ پتھر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کہ ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ کی تعمیر فرمائی ابراہیم کے قدمین مطہرین کے نشانات اس پر ثبت ہیں۔طواف کعبہ کے بعد طواف کی رکعتیں اسی مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھی جاتی ہیں۔اس میں بھی اتباع ملت ابراہیمی کی جھلک پائی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم کے قدمین مطہرین کے نشانات کو وہ عظمت عطا فرمائی کہ قیامت تک طواف کرنے والوں کو حکم دیا کہ مقام ابراہیم کے پیچھے (دو رکعت) نماز پڑھو۔طواف کعبہ کے سات چکر مکمل کرنے کے بعد طواف کی دو رکعت مسجد حرام میں پڑھنا واجب ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ انہیں مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھا جائے۔(تبیان ص ۲۲۴)

ابراہیم علیہ السلام جب کئی سال گزرنے بعد اسماعیل علیہ السلام کو ملنے کے لئے آئے تو اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وعدہ کر کے آئے کہ اپنے بیٹے کو دیکھ کر اور ملاقات کر کے واپس آجاؤں گا۔سواری سے نہیں اتروں گا، آپ علیہ السلام جب مکہ میں آئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام تو شکار کرنے کے لئے گئے ہوئے تھے بہو سے ملاقات ہوئی، اس سے گزر اوقات کے متعلق پوچھا، اس نے کہا: اچھا گزارا نہیں، تنگی ہے،صرف شکار پر گزر اوقات ہو رہی ہے۔

آپ علیہ السلام نے واپس چلتے ہوئے کہا:

"اپنے خاوند کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ تمہارے گھر کی چوکھٹ اچھی نہیں اسے بدل لو"

حضرت اسماعیل علیہ السلام جب گھر آئے تو خود ہی پوچھا کہ آج کوئی بزرگ تو نہیں آئے تھے؟ تو آپ کی زوجہ نے کہا کہ آئے تھے اور سلام کہہ کر گئے ہیں اور ایک پیغام دے کر گئے ہیں، جب پیغام کی اس نے تفصیل بیان کی تو آپ نے اپنی زوجہ کو فارغ کردیا، وہ تمہیں فارغ کردینے کا حکم دے گئے ہیں۔

وجہ یہ تھی کہ اس نے رب تعالیٰ کی ناشکری کی تھی، نبی کی زوجہ کی شان کے یہ لائق نہیں کہ وہ کم روزی پر شکایت کرے، بلکہ صابر رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ پھر اسماعیل علیہ السلام کو ملنے کے لئے آئے اس وقت بھی اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہ تھے۔آپ علیہ السلام کی ملاقات بہو سے ہوئی (یہ

حضرت اسماعیل کی دوسری شادی تھی) اس سے گھر کے حالات پوچھے اس نے کہا:

"اللہ تعالیٰ کاشکر ہے کہ اچھا وقت گزر رہا ہے، زمزم کے پانی پر ہمارا قبضہ ہے میرے خاوند شکار کر کے لے آتے ہیں، بہت اچھا وقت پاس ہو رہا ہے"

حضرت ابراہیم جب واپس جانے لگے تو آپ کی بہو نے اصرار کیا کہ آپ ہمارے گھر رکیں، لیکن آپ نے کہا: "مجھے سواری سے اتر کر زمین پر آنے کی اجازت نہیں" تو آپ کی بہو نے کہا کہ آپ اپنے پاؤں اس پتھر پر رکھیں تا کہ میں ان کو دھودوں، آپ علیہ السلام نے جس پتھر پر پاؤں رکھے وہ "مقام ابراہیم" ہی تھا۔

آپ علیہ السلام نے واپس چلتے ہوئے حضرت اساعیل علیہ السلام کے لئے سلام اور پیغام دیا کہ:۔

"گھر کی چوکھٹ اچھی ہے اسے مضبوط رکھنا"

(۲) تعمیر کعبہ کے وقت آپ اس پر کھڑے ہوئے تھے وہ نرم ہو جاتا تھا، تا کہ آپ علیہ السلام کے پاؤں مبارک کو سختی کی وجہ سے تکلیف نہ ہو، اسی وجہ سے آپ علیہ السلام کے قدموں کے نشانات اس میں پڑھ گئے۔آپ جب بلند ہونا چاہتے تھے تو وہ پتھر خود بخود اٹھ جاتا تھا، جب نیچے آنا چاہتے تھے تو نیچے ہو جاتا تھا۔عام مستریوں کی طرح آپ علیہ السلام کو پھٹے باندھنے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔

(۳) کعبہ شریف کی تعمیر کے بعد آپ علیہ السلام نے اسی پتھر پر کھڑے ہو کر جبل ابو قبیس پر سے لوگوں کو حج کی دعوت دی۔(تفسیر کبیر، نعیمی)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد تو رات کے قول کے مطابق بارہ فرزند تھے جو مستقل قبائل عرب کے سردار تھے۔اور ایک بیٹی تھی جس کا بشامہ نام بتایا ہے۔ان بارہ بیٹوں میں دو بہت مشہور گزرے ہیں۔بنایوت اور قیدار اور ان کا ذکر توریت میں اکثر پایا جاتا ہے۔بنایوت یا نابت اس کی اولاد اصحاب الحجر ہے اور قیدار کی اولاد اصحاب الرس کے نام سے مشہور ہے۔حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے اوصاف سورہ مریم میں یوں بیان ہوئے ہیں۔

واذكر فی الكتب اسمٰعيل انه كان صادق الوعد وكان رسولا نبيا

وكان يامرا اهله بالصلوٰة والزكوة وكان عند ربه مرضيا

"اور یاد کر کتاب میں ذکر اسمٰعیل کا۔تھا وہ وعدہ کا سچا۔اور تھا رسول نبی۔اور حکم کرتا تھا اپنے اہل کو نماز اور زکوٰۃ کا اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھا"

جب حضرت اسمعیل علیہ السلام کی عمر پندرہ سال ہوئی تو بی بی ہاجرہ کا انتقال ہو گیا۔بی بی ہاجرہ کو حجر اسود کے پاس دفن کیا۔حضرت اسمٰعیل علیہ السلام والدہ کے فراق میں پریشان ہو کر کہیں جانا چاہتے تھے لوگوں نے مشورہ کر کے ایک اشراف گھر کی لڑکی سے نکاح کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو بی بی ہاجرہؑ کی وفات سن کر افسوس کیا پھر حضرت اسمٰعیلؑ کے بارے میں ان کی بیوی سے دریافت کیا کہ کہاں ہیں؟ شکار کو گئے ہیں۔ابراہیمؑ کو اس کی گفتگو اور مہمان داری وغیرہ پسند نہ آئی اور ساتھ ہی اس نے تنگی گزران کی بھی شکایت کی۔حضرت ابراہیمؑ نے بی بی کو فرمایا کہ اسمٰعیلؑ کو کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی دہلیز کو تبدیل کر دے۔

جب حضرت اسمٰعیلؑ واپس اپنے گھر تشریف لائے تو آثار انوار معلوم ہوئے۔بی بی سے دریافت کیا کہ گھر میں کوئی آیا تھا؟ تو بی بی نے کہا کہ ایک بزرگ آئے تھے جاتے وقت کہہ گئے تھے کہ اپنے دروازے کی دہلیز تبدیل کر دے یہ ٹھیک نہیں ہے۔حضرت اسمٰعیلؑ نے فرمایا کہ دروازہ کی دہلیز تو ہے اور وہ بزرگ میرے والد صاحب تھے اور تجھے اب طلاق ہے۔

اس کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے گھر میں ایک نیک جمیلہ صالحہ بی بی آئی۔دوبارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے تو اس عاقلہ صالحہ بی بی نے حضرت ابراہیمؑ کی نہایت تعظیم کی اور بولی کہ یہ لونڈی آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور میرے خاوند حضرت اسمٰعیلؑ تو شکار کو گئے ہوئے ہیں۔روٹی جو تیار تھی حاضر کر دی اور مقدور سے زیادہ خاطر کی۔حضرت ابراہیمؑ نے جاتے وقت فرمایا کہ اسمٰعیلؑ کو میرا سلام کہنا اور یہ بات بھی کہہ دینا کہ آستانہ تیرے گھر کا مناسب ہے اور ہماری طبیعت اس کی خوبی پر راغب ہے۔جب اسمٰعیلؑ شکار سے واپس آئے تو بی بی نے سارا ماجرہ بیان کیا تو اسمٰعیلؑ نے فرمایا وہ میرے پدر میرے والد خلیل خدا تھے۔دہلیز قائم رکھنا یہ تیری خاطر داری کی وصیت ہے جو مجھے بسر و چشم قبول ہے ان کے فرمان پر میں ہمیشہ تیرا غمگسار رہوں گا۔روضۃ الاصفیاء)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر جب ایک سو چھبیس سال ہوئی تو ان کا انتقال ہو گیا ان کے سامنے ان کی اولاد اور ان کی نسل کا سلسلہ بہت پھیل گیا تھا جو حجاز شام۔عراق، فلسطین اور مصر تک پھیلا تھا۔توراۃ میں ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر فلسطین میں ہے

اور وہاں ہی ان کی وفات ہوئی۔لیکن عرب کے مورخین کہتے ہیں کہ وہ ان کی والدہ بی بی ہاجرہ کے پاس بیت اللہ شریف کے قریب حرم شریف کے اندر دفن ہیں۔واللہ اعلم بالصواب
(قصص القرآن)

آپ کا ذکر قرآن پاک میں مندرجہ ذیل مقامات میں آیا ہے۔

(۱)	پارہ ۱	سورہ البقرہ	رکوع ۱۵۔۱۶
(۲)	پارہ ۳	سورہ ال عمران	رکوع ۹
(۳)	پارہ ۶	سورہ النساء	رکوع ۲۳
(۴)	پارہ ۷	سورہ انعام	رکوع ۱۰
(۵)	پارہ ۱۳	سورہ ابراہیم	رکوع ۶
(۶)	پارہ ۱۶	سورہ مریم	رکوع ۴
(۷)	پارہ ۱۷	سورہ الانبیاء	رکوع ۶
(۸)	پارہ ۲۳	سورہ الصفت	رکوع ۳
(۹)	پارہ ۲۳	سورہ ص	رکوع ۴

حضرت اسحاق علیہ السلام

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

''اور بتایئے انہیں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ۔جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا آپ پر سلام ہو۔آپ نے کہا (اے اجنبیو!) ہم تو تم سے خائف ہیں۔مہمانوں نے کہا مت ڈریئے ہم آپ کو مژدہ سنانے آئے ہیں ایک صاحب علم بچے کی پیدائش کا۔آپ نے کہا کیا تم مجھے اس وقت خوش خبری دینے آئے ہو جب کہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے پس یہ کیسی خوش خبری ہے۔وہ بولے ہم نے تو آپ کو سچی خوش خبری دی پس نہ ہو جایئے آپ مایوس ہونے والوں سے آپ نے فرمایا: کون ناامید ہوتا ہے اپنے رب کی رحمت سے بجز گمراہوں کے'' (الحجر ۵۱:۵۶)

رب قدوس کا ارشاد ہے:

''اور ہم نے بشارت دی آپ کو اسحٰق کی (کہ) وہ نبی ہوگا (زمرۂ) صالحین میں سے اور ہم نے برکتیں نازل کی اس پر اور اسحٰق پر اور ان کی نسل میں کوئی نیک ہوگا اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظالم کرنے والا ہوگا'' (الصافات :۱۱۲۔۱۱۳)

یہ بشارت ابراہیم اور سارہ کو اس وقت دی گئی جب فرشتے لوط علیہ السلام کی کافر، فاسق نافرمان قوم کو تباہ کرنے کی خاطر مدائن جا رہے تھے اور کچھ وقت کے لئے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں ٹھہر گئے تھے۔

''اور بلا شبہ آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر انہوں نے کہا (اے خلیل) آپ پر سلام ہو۔آپ نے فرمایا تم پر بھی سلام ہو، پھر آپ جلدی لے آئے (ان کی ضیافت کے لئے) ایک بچھڑا بھونا ہوا۔پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں بڑھ رہے کھانے کی طرف تو اجنبی خیال کیا انہیں اور دل ہی دل میں ان سے اندیشہ کرنے لگے۔فرشتوں نے کہا ڈریئے نہیں۔ہمیں تو بھیجا گیا ہے قوم لوط کی طرف۔اور آپ کی اہلیہ (سارہ پاس) کھڑی تھیں۔وہ ہنس پڑیں۔تو ہم نے خوش خبری دی سارہ کو اسحاق کی۔اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔سارہ نے کہا حیرانی کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں، ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔بلا شبہ یہ تو عجیب وغریب بات ہے۔فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھرانے والو! بے شک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے''(ہود:۶۹۔۷۳)

اللہ کریم کا ارشاد ہے:

''(اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو خبر ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی۔جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے سلام عرض کیا۔آپ نے فرمایا تم پر بھی سلام ہو (دل ہی دل میں سوچا) بالکل انجان لوگ ہیں۔پس چپکے سے اپنے اہل خانہ کی طرف گئے اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لے آئے۔لاکر ان کے قریب رکھ دیا فرمایا کھاتے کیوں نہیں۔پس دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے۔وہ بولے ڈریئے نہیں۔اور انہوں نے بشارت دی آپ کو ایک صاحب علم بیٹے کی۔پس آئی آپ کی بیوی چیں بچیں ہو کر اور فرط حیرت سے طمانچہ دے مارا اپنے چہرہ پر اور بولی (میں) بوڑھی (میں) بانجھ (کیا میرے ہاں بچہ ہوگا) انہوں نے کہا ایسا ہی تیرے رب نے فرمایا ہے۔بیشک وہی بڑا دانا، سب کچھ جاننے والا ہے''(ذاریات:۲۴۔۳۰)

رب قدوس بیان فرما رہے ہیں کہ فرشتوں نے کہا۔(فرشتے تین تھے۔جبرا[illegible] میکائیل اور اسرافیل) وہ خلیل علیہ السلام کے پاس تشریف لائے اور آپ نے انہیں مہمان سمجھ[illegible] ان کی خاطر مدارت کرنے لگے۔اپنے مویشیوں سے ایک موٹا تازہ جوان بچھڑا چن کر ا[illegible]

[illegible]ے مہمانوں کے لئے دستر خوان پر چن دیا لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ تو کھانے کی طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھا رہے تو آپ ڈر گئے۔قرآن کے الفاظ میں آپ کے خوف کو بیان کرتے ہوئے ''وَاَوْجَسَ مِنْھُمْ خِیْفَۃً '' کہا گیا۔لیکن جب فرشتوں نے دیکھا کہ خلیل اللہ علیہ السلام ڈر رہے ہیں تو کہنے لگے کہ'' لاتخف'' ڈریئے نہیں۔اور بتایا کہ ہم فرشتے ہیں اور (انا ارسلنا الی قوم لوط) ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔یعنی ہم اللہ کے حکم سے ان کی سرکش قوم کو نیست و نابود کرنے جا رہے ہیں۔یہ سن کر حضرت سارہ ہنس دیں۔کیونکہ آپ کو خدا کے لئے کافروں سے دشمنی تھی۔آپ مہمانوں کے سر پر کھڑی ان کی ضیافت میں مصروف تھیں جیسا کہ عربوں اور دوسری کئی قوموں میں رواج ہے تو ایسے میں فرشتوں کی زبانی اللہ تعالیٰ نے انہیں اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی۔رب قدوس ارشاد فرماتا ہے۔

فبشر نھا باسحق ومن وراء اسحق یعقوب (ہود:۷۱)یعنی فرشتوں نے حضرت سارہ کو یہ خوش خبری سنائی تو فاقبلت امراتہ فی صوۃ یعنی آپ کی بیوی چیں بچیں ہو کر آئی۔

فصکت وجھھا اور (فرط حیرت سے) اپنے چہرے پر طماچہ دے مارا جیسا کہ عورتیں عموماً تعجب کے وقت کرتی ہیں۔اور کہنے لگیں۔

یٰوَیْلَتٰٓی ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّھٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا (ہود:۷۲)

''وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں''

یعنی میری عمر کی ایک بوڑھی اور بانجھ عورت کے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس کا خاوند بھی بوڑھا ہو۔اس بشارت کو سن کر آپ حیران ششدر رہ گئیں اور اپنی حالت پر غور وفکر کرنے لگیں۔اسی کیفیت میں فرمانے لگیں۔

ان ھذالشی عجیب قالوا اتعجبین من امر اللہ رحمت اللہ وبرکتہ علیکم اھل البیت انہ حمید مجید (ہود:۶۹۔۷۳)

''بلا شبہ یہ تو عجیب وغریب بات ہے۔فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر۔اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر۔اے ابراہیم کے گھرانے والو بیشک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے''

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام بھی حیران تھے اور اس بشارت کو سن کر خوش بھی ،سارہ کی

حیرانگی دور کرنے اور انہیں یقین دلانے کے لئے فرشتوں سے کہنے لگے۔

ابشر تمونی علی ان مسنی الکبر فبما تبشرون .قالوا بشرناک بالحق فلا تکن من القانطین

"کیا تم مجھے اس وقت خوش خبری دنے آئے ہو جب کہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے۔ پس یہ کیسی خوش خبری ہے وہ بولے ہم نے تو آپ کو سچی خوش خبری دی پس نہ ہو جایئے آپ مایوس ہونے والوں سے"

فرشتوں نے اس خوش خبری کے ساتھ خبر کو مؤکد کر دیا اور مذید کسی شک کی گنجائش نہ چھوڑی بچے کی پیدائش کے متعلق بتاتے ہوئے فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ:۔

بِغُلَامٍ عَلِيۡمٍ (الحجر:۵۳)

"(مژدہ) ایک صاحب علم بچے کی پیدائش کا"

اس خوش خبری کا مصداق یقینی طور پر حضرت اسحاق ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ "غلام علیم" کے الفاظ آپ کے مقام اور آپ میں موجود صبر و تحمل کے عین مطابق ہیں اسی طرح رب قدوس ے انہیں صادق الوعد اور صابر بھی فرمایا ہے۔ ایک دوسری آیت م اس خوش خبری کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

فبشر نها باسحق ومن وراء اسحق یعقوب .(هود : ۷۱)

"تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی"

اس آیت کریمہ میں استدلال کرتے ہوئے محمد بن کعب القرظی نے ثابت کیا کہ ذ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور کہا ہے کہ اس ذبح عظیم کی نسبت اسحاق علیہ السلام کی طرف کر صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ آیت میں حضرت اسحاق اور پھر ان کی صلب سے ان کی ایک بچے یعقوب ک خوش خبری دی گئی ہے۔ یعقوب عقب سے مشتق ہے جس کا معنی پیچھے آنے واال ہے اہل کتاب کے ہاں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ "جب فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو آپ نے ان کے لئے بچھڑا بھونا۔ اور اس کے ساتھ مکہ سے تین پیمانے گندم کی روٹی، گھی اور دودھ بھی لا کر پیش کیا۔ فرشتوں نے کھانا کھایا" لیکن یہ روایت بالکل غلط محسوس ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نظر تو یہی آتا تھا کہ فرشتے کھانا کھا رہے ہیں لیکن دراصل کھانا ہواء میں خود بخود غائب ہوتا جا رہا تھا۔

ان آبائی روایات میں ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے

فرمایا اب تیری بیوی سارا کو سارا کے نام سے نہیں بلایا جائے گا بلکہ اب اس کا نام "سارہ" ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ تجھ پر برکت فرمائے گا اور تجھے اس کے بطن سے بیٹا عطا کرے گا۔ وہ بڑا بابرکت ہوگا اور اس سے کئی قومیں اور قوموں کے سردار پیدا ہوں گے۔ ابراہیم علیہ السلام بشارت سن کر منہ کے بل یعنی سجدہ میں گر گئے پھر سجدے سے اٹھ کر ہنسے اور دل میں کہنے لگے کیا سو سال بعد میرے ہاں بچہ ہوگا؟ کیا سارہ ماں بنے گی حالانکہ اس کی عمر نوے سال ہو چکی ہے؟

ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی: کاش اسماعیل تیرے حضور جیتا رہے رب قدوس نے ابراہیم علیہ السلام کو جواب دیا۔ ضرور تیری بیوی سارہ کے بطن سے تیرا ایک بیٹا پیدا ہوگا اور تو اس کا نام اسحاق رکھے گا جو اگلے سال اسی وقت پیدا ہوگا۔ اور میں اس سے اور اس کی اولاد سے ابدالآباد تک اپنا عہد باندھوں گا میں نے اسماعیل کے بارے میں بھی تیری دعا سن لی۔ میں اسے بھی برکت دوں گا اور برومند کروں گا میں اس کی نسل کو بہت بڑھاؤں گا۔ اس کی نسل سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ ارشاد خداوندی:

فبشرناها باسحاق ومن وراء اسحاق یعقوب

اس بات پر دلیل ہے کہ سارہ اپنے بیٹے اسحاق علیہ السلام کو اور پھر ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گی۔ یعنی اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کی ولادت باسعادت سارہ کی زندگی میں ہوگی۔ آپ انہیں دیکھیں گی اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کریں گی۔ اگر یعقوب علیہ السلام لی ولادت کو بشارت کا حصہ نہ بنائیں تو یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر بے فائدہ لگتا ہے۔ نص میں اسحاق کی بشارت کے سات یعقوب علیہ السلام کا خصوصیت سے ذکر کرنا اور ان کی اولاد میں سے باقی کسی کو نص میں شامل نہ کرنے میں کوئی نہ کوئی مقصد تو ہونا چاہیے۔ جب یعقوب علیہ السلام کا ذکر خیر کی تعیین بھی کر دی گئی تو گویا بتا دیا گیا کہ اسحاق کے بعد تمہارا پوتا۔ یعقوب بھی ہوگا اور تم میاں بیوی ان کو دیکھ کر خوش ہو گے اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرو گے۔

سورۃ ہود میں ارشاد ہے:۔

"اور ہم نے عطا فرمائے انہیں اسحاق اور یعقوب۔ ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی"

سورۃ مریم میں فرمایا:۔

"پس جب وہ جدا ہو گیا ان سے اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تو عطا فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب" (مریم:۴۹)

اور ان شاء اللہ یہ بات ظاہر اور قوی ہے۔ اس کی تائید صحیحین کی ایک حدیث سے بھی

ہوتی ہے۔ جسے سلیمان بن مہران الاعمش نے ابراہیم بن یزید تیمی سے انہوں نے اپنے والد گرا
سے، انہوں نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول ا
سب سے پہلے کس مسجد کی بنیاد پڑی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد حرام۔ میں نے عرض کی: پھر ک
سی؟ فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ میں نے عرض کی۔ ان دونوں کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ ﷺ
فرمایا ''چالیس سال''۔ میں نے عرض کی۔ (یارسول اللہ) پھر کون سی مسجد تعمیر ہوئی؟ آپ ﷺ
بتایا کہ ''جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز ادا کر لیں۔ پوری زمین مسجد ہے''

اہل کتاب کی آبائی روایت کے مطابق مسجد اقصیٰ کی بنیاد یعقوب علیہ السلام
رکھی۔ یہی مسجد ایلیا ہے جو بیت المقدس شرفھا اللہ تعالیٰ میں واقع ہے۔ یہی تو جیہہ صحیح معلوم ہو
ہے۔ اس کی تائید مذکورہ حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ اس طرح یعقوب یعنی اسرائیل علیہ السلام
مسجد خلیل علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی مسجد حرام سے چالیس سال کے بعد
ہوتی ہے۔ مسجد اقصیٰ ہو یا مسجد حرام دونوں کی تعمیر حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کے ب
ہوئی۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے عرض کیا تھا۔

''اور (اے حبیب ﷺ) یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے کہ اے میرے رب
نا دے اس شہر کو امن والا اور بچا لے مجھے اور میرے بچوں کو کہ ہم پوجا کرنے
لگیں بتوں کی۔ اے میرے پروردگار! ان بتوں نے تو گمراہ کر دیا بہت سے
لوگوں کو پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا اور جس نے میری نافرمانی
کی (تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بیشک تو غفور رحیم ہے۔ اے ہمارے
رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی
نہیں، تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے ہمارے رب! یہ اس لئے
تا کہ وہ قائم کریں نماز پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان
کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ (تیرا) شکر ادا
کریں اے ہمارے رب! یقیناً تو جانتا ہے جو ہم (دل میں چھپائے ہوئے ہیں
اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں۔ اور کوئی چیز مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر نہ زمین میں اور نہ
آسمان میں سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے عطا فرمائے مجھے بڑھاپے
میں اسمٰعیل اور اسحٰق (جیسے فرزند) بلا شبہ میرا رب بہت سننے والا ہے دعاؤں کا
اے میرے رب! بنا دے مجھے نماز کو قائم کرنے والا اور میری اولاد کو بھی اے

ہمارے رب! میری یہ التجا ضرور قبول فرما۔ اے ہمارے رب! بخش دے مجھے
اور میرے ماں باپ کو اور سب مومنوں کو جس دن حساب قائم ہوگا''

بیت المقدس کی تعمیر کی نسبت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی طرف بھی کی گئی ہے جیسا
کہ حدیث سے ثابت ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کی تو آپ
نے بارگاہ خداوندی سے تین حاجات پوری کرنے کا سوال کیا۔ جیسا کہ ہم نے آیت رب
ھب لی ملکا لا ینبغی لا حد من بعدی (ص:۳۵) کے دوران ذکر کیا ہے۔ اور
اسے ہم آپ کے ذکر خیر میں دوبارہ بیان کریں گے۔ تو یہ نسبت تعمیر ثانی کے سلسلے میں ہے کیونکہ
دونوں کی تعمیر میں چالیس سال کا فرق ہے۔

اور ابن حبان کے سواء کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ابراہیم اور سلیمان علیہ السلام کے
درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے۔ کسی شخص نے اس بات میں ابن حبان کی موافقت نہیں کی اور نہ
کسی اور شخص نے ان سے پہلے یہ قول کیا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ جو فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے آئے
تھے وہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر وارد ہوئے اور نوجوان لڑکوں کی شکل میں تھے۔
حضرت ابراہیمؑ نے ان کی بڑی تعظیم کی اور ان کی مہمان داری کے لئے جلدی جلدی بچھڑے کا
گوشت گرم پتھروں پر سینک کر یعنی کباب بنا کر لائے اور دستر خوان پر خود بھی مہمان کے ساتھ بیٹھ
گئے اور آپ کی بیوی سارہ کھلانے پلانے میں مشغول ہوئیں۔ چونکہ فرشتے کھانا نہیں کھاتے۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا قیمت دے دیجئے۔ انہوں نے پوچھا کیا قیمت ہے حضرت
ابراہیمؑ نے فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور کھانا کھا کر الحمد للہ کہنا۔ یہ ہے اس کی
قیمت۔ حضرت جبرائیلؑ نے میکائیل کی طرف دیکھا پھر آپس میں کہا فی الواقع یہ اس بات کے
قابل ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو اپنا خلیل بنائے۔ اب بھی انہوں نے جب کھانا شروع نہیں کیا تو
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں خیالات گزرنے لگے۔

حضرت سارہ کھڑی ہوئی تھی ان کی باتوں سے ان کو ہنسی آ گئی۔ پھر فرشتوں نے اصل
بات بتائی کہا ہم انسان نہیں فرشتے ہیں ہم قوم لوطؑ پر عذاب لے کر آئے ہیں تا کہ ان کو ہلاک کیا
جائے اور ساتھ ہی یہ بشارت بھی دیدی کہ اس نا امیدی کی عمر میں حضرت سارہ کے ہاں بچہ پیدا
ہوگا۔ بی بی سارہ نے تعجب کیا کہ میں بھی پوری بڑھیا ہوں۔ اور میرے شوہر حضرت ابراہیمؑ بھی
بوڑھے ہیں بچہ کیسے ہوگا۔ فرشتوں نے کہا کہ خدا کے کاموں میں تعجب کرنے کی ضرورت نہیں تم

پر خدا رحمت اور برکت ہو۔ اے گھر والو بیٹے کے بعد پوتا یعقوبؑ بھی ہوگا۔ اس کے بعد حضرت بی بی سائرہ کو حمل ہوا اور نو ماہ کے بعد حضرت اسحٰق پیدا ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی تعریف بیان کی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق بخشے۔ بلا شبہ میرا پروردگار ضرور دعا کا سننے والا ہے۔ اے پروردگار مجھ کو اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والے بنادے۔ اے پروردگار ہماری دعا سن اے ہمارے رب تو مجھ کو اور میرے والدین اور کل مومنوں کو قیامت کے دن بخش دے"

(سورہ ابراہیم)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے وعدہ کیا تھا کہ میں جارہا ہوں لیکن تیرے لئے دعا کرتا رہوں گا۔ لیکن جب خدا تعالیٰ نے فرمادیا کہ یہ ازلی مشرک ہے اس کے لئے دعا کرو نہیں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے والد کے لئے دعا کرنی چھوڑ دی۔ سورہ الزاریات میں بھی ارشاد ہے۔

وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ

"بشارت دی اس کو ایک سمجھ دار لڑکے کی"

اور اسی طرح حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت سورہ الحجر میں بھی ہے۔

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ

"بلا شبہ ہم تجھ کو ایک سمجھ دار لڑکے کی بشارت دینے والے ہیں"

بہر حال جب حضرت اسحٰق آٹھ دن کے ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کا ختنہ کرادیا۔ اسحٰق ضحک سے ہے ہنسنے والا ان کی پیدائش سے حضرت سارہ کو مسرت اور شادمانی ہوئی تھی۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام جب جوان ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی شادی اپنے بھتیجے تبوئیل کی نہایت خوبصورت لڑکی (رفقہ) سے کرادی۔ رفقہ کے شکم اطہر سے دو فرزند پیدا ہوئے عیسو یا عیص اور دوسرے حضرت یعقوبؑ

حضرت اسحٰق علیہ السلام کی محبت بڑے لڑکے کے ساتھ تھی اور والدہ حضرت رفقہ کی محبت چھوٹے لڑکے حضرت یعقوبؑ سے تھی۔ جب حضرت اسحٰق علیہ السلام نہایت بوڑھے ضعیف البصر ہوگئے تو اپنے بڑے لڑکے سے فرمایا کہ شکار کر کے لا اور مجھے اچھا کھانا کھلا میں تیرے لئے برکت کی دعا کروں گا۔ کیوں کہ وہ شکاری تھا۔

حضرت رفقہ سن رہی تھیں کیونکہ انہیں چھوٹے لڑکے یعقوبؑ سے محبت تھی اس لئے انہوں نے جلدی سے عمدہ کھانا تیار کر کے حضرت یعقوبؑ کو دیا انہوں نے والد بزرگوار کے سامنے کھانا رکھا۔ کھانا کھانے کے بعد آپ نے برکت کی دعا کردی۔

حضرت عیص جب شکار کر کے آیا اور یہ ماجرہ سنا تو اس کو یہ بات نہایت ناگوار گزری پھر وہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے کینہ رکھنے لگا۔ والدہ نے یعقوب علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ تو اپنے ماموں کے ہاں چلا جا جس کا نام لابان ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے ماموں کے پاس گئے۔

پہلے تو حضرت اسحٰق علیہ السلام ہمیشہ مکہ مکرمہ آتے جاتے رہتے تھے۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ملاقات کرتے رہتے تھے۔ جب آخری عمر میں بالکل ضعیف ہوگئے اور نظر بھی بالکل ختم ہوگئی تو اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔

وفات کے وقت عمر مبارک ایک سو ساٹھ سال کی تھی۔ اپنی والدہ ماجدہ بی بی سارہؓ کی قبر مبارک کے پاس ملک شام کنعان شہر میں دفنائے گئے۔

آپ کا ذکر قرآن پاک میں مندرجہ ذیل سورتوں میں ہے۔

نمبر	پارہ	سورہ	رکوع
(۱)	پارہ ۱	سورہ بقر	رکوع ۱۶
(۲)	پارہ ۳	سورہ ال عمران	رکوع ۹
(۳)	پارہ ۶	سورہ نساء	رکوع ۲۳
(۴)	پارہ ۷	سورہ انعام	رکوع ۱۰
(۵)	پارہ ۱۲	سورہ ہود	رکوع ۷
(۶)	پارہ ۱۲	سورہ یوسف	رکوع ۱۔۵
(۷)	پارہ ۱۳	سورہ ابراہیم	رکوع ۶
(۸)	پارہ ۱۶	سورہ مریم	رکوع ۳
(۹)	پارہ ۱۷	سورہ انبیاء	رکوع ۵
(۱۰)	پارہ ۲۳	سورہ صفت	رکوع ۳
(۱۱)	پارہ ۲۳	سورہ ص	رکوع ۴

حضرت لوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ان کے والد کا نام ہاران تھا۔حضرت لوط علیہ السلام بچپن سے حضرت ابراہیمؑ کے زیر سایہ رہے اور یہیں ان کی نشوونما ہوئی تھی اس لئے حضرت سارہ اور لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کی ملت کو سب سے پہلے تسلیم کر چکے تھے۔ پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا۔

"پس ایمان لایا ابراہیمؑ کے دین پر لوطؑ اور کہا ابراہیم علیہ السلام نے میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف"۔(سورہ عنکبوت)

لوطؑ اور بی بی سارہ ابراہیم علیہ السلام کی ہجرتوں میں ہمیشہ ساتھ رہے ہیں اور جس وقت ابراہیم علیہ السلام مصر میں تھے پھر بھی یہ دونوں ساتھ تھے۔مصر میں ان دونوں کے پاس مال مویشی بہت تھے اس لئے وہاں سے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ ابراہیمؑ واپس فلسطین چلے جائیں اور وہاں خلق خدا کو وعظ اور تبلیغ کریں۔اور حضرت لوطؑ وہاں سے شرق اردن کے علاقہ سدوم اور عامورہ کو چلے جائیں اور وہاں رہ کر دین حنیف کی تبلیغ کرتے رہیں۔

لوط علیہ السلام اپنے چچا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اجازت اور حکم سے زمین "غور زغر" کے ایک شہر سدوم میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔سدوم اس علاقے کا مرکزی شہر تھا۔جس کے مضافات میں کئی دوسری بستیاں، چراگاہیں اور چھوٹے چھوٹے شہر بسے ہوئے تھے۔سدوم کے لوگ علاقہ بھر میں فاجر و فاسق اور خدا تعالیٰ کی [illegible] اور دین کے منکر شمار ہوتے تھے۔نہ تو ان کے اجتماعی طور طریقے اچھے تھے اور نہ انفرادی کردار بہتر تھے۔وہ لوگوں کو لوٹتے، سرعام فساد کرتے

لیکن کوئی انہیں ٹوکنے والا، روکنے والا نہ ہوتا۔انہوں نے ایک ایسی برائی کی بنیاد ڈالی بنی آدم میں ان سے پہلے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔وہ مردوں سے بدفعلی کرتے اور عورتوں کے قریب بھی نہ جاتے جن سے نکاح کرنے کا اللہ تعالیٰ نے صالحین کو حکم فرمایا ہے۔

لوط علیہ السلام نے انہیں خدائے واحد کی عبادت کی طرف بلایا۔اور انہیں ان گناہوں اور فحش کاموں سے روکا۔انہیں بتایا کہ یہ قباحتیں اور برائیاں انسان کو زیب نہیں دیتیں۔لیکن ان کی گمراہی اور سرکشی میں اضافہ ہی ہوا۔کسی نے آپ کی بات نہ سنی۔وہ فسق و فجور اور کفر کی راہوں پر گامزن رہے۔جب سرکشی حد سے بڑھی اور حجت تمام ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک ایسا عذاب مسلط کیا جو ان کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا۔اس عذاب نے ان کی جڑ کاٹ کے رکھ دی اور وہ دنیا کے لئے سامان عبرت و موعظت بن کر رہ گئے۔

اسی لئے لوط علیہ السلام کی قوم کا واقعہ قرآن کریم میں کئی مقامات پر مذکور ہے رب قدوس سورۂ اعراف میں فرماتے ہیں۔

"اور (بھیجا ہم نے) لوط کو جب انہوں نے کہا اپنی قوم سے کہ کیا تم کیا کرتے ہو ایسی بے حیائی (کا فعل) جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا ساری دنیا میں بے شک تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم لوگ تو حد سے گزرنے والے ہو۔اور نہ تھا کوئی جواب ان کی قوم کے پاس سوائے اس کے کہ وہ بولے باہر نکال دو انہیں اپنی بستی سے یہ لوگ تو بڑے پاکباز بنتے ہیں۔پس ہم نے نجات دیدی لوط کو اور ان کے گھر والوں کو بجز ان کی بیوی کے، وہ ہوگئی پیچھے رہ جانے والوں سے اور برسایا ہم نے ان پر (پتھروں کا مینہ تو دیکھو کیسا (عبرت ناک) انجام ہوا مجرموں کا"(الاعراف: ۸۰-۸۴)

سورہ ہود میں فرمایا:

"اور بلا شبہ آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر انہوں نے کہا (اے خلیل!) آپ پر سلام ہو۔آپ نے فرمایا تم پر بھی سلام ہو، پھر آپ جلدی لے آئے (ان کی ضیافت کے لئے) ایک بچھڑا بھنا ہوا۔پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں بڑھ رہے کھانے کی طرف تو اجنبی خیال کیا انہیں اور دل ہی دل میں ان سے اندیشہ کرنے لگے فرشتوں نے کہا ڈریئے نہیں۔ہمیں تو بھیجا گیا ہے قوم لوط کی طرف۔اور آپ کی اہلیہ (سارہ

پاس) کھڑی تھیں۔ وہ ہنس پڑیں۔ تو ہم نے خوش خبری دی سارہ کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔

سارہ نے کہا وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔ بلا شبہ یہ تو عجیب و غریب بات ہے فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھرانے والو! بے شک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے۔ پھر جب دور ہو گیا ابراہیم علیہ السلام سے خوف اور مل گیا انہیں مژدہ تو وہ ہم سے جھگڑنے لگے قوم لوط کے بارے میں۔ بے شک ابراہیم بڑے بردبار، رحم دل اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔

اے ابراہیم! اس بات کو رہنے دیجئے۔ بے شک آ گیا تیرے رب کا حکم۔ اور ان پر آ کر رہے گا عذاب جو پھیرا نہیں جا سکتا اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لوط علیہ السلام کے پاس وہ دلگیر ہوئے ان کے آنے سے اور بڑے پریشان ہوئے ان کی وجہ سے۔ اور بولے آج کا دن تو بڑی مصیبت کا دن ہے۔ اور مہمانوں کی خبر سنتے ہی آئے ان کے پاس ان کے قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے۔ اور اس سے پہلے ہی وہ کیا کرتے تھے برے کام لوط نے کہا اے میری قوم! (دیکھو) یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں وہ پاک اور حلال ہیں تمہارے لئے تم خدا کا خوف کرو اور مجھے رسوا نہ کرو میرے مہمانوں کے معاملہ میں۔

کیا تم میں ایک بھی سمجھدار آدمی نہیں؟ کہنے لگے تم خوب جانتے ہو ہمیں تمہاری (قوم کی) بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں۔ اور تم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ لوط نے (بصد حسرت) کہا اے کاش! میرے پاس بھی تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں پناہ ہی لے سکتا کسی مضبوط سہارے کی۔ فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ لوگ ہم کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے پس آپ لے کر نکل جائیے اپنے اہل و عیال کو جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے اور پیچھے مڑ کر تم میں سے کوئی نہ دیکھے مگر اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جائیے۔ بیشک وہی (عذاب اسے بھی پہنچے گا جو ان

(دوسرے مجرموں) کو پہنچا۔ ان پر عذاب آنے کا مقررہ وقت صبح کا وقت ہے۔ کیا نہیں ہے صبح (بالکل) قریب؟ پھر جب آ پہنچا ہمارا حکم تو ہم نے کر دیا اس کی بلندی کو اس کی پستی اور ہم نے برسائے ان پر پتھر آگ میں پکے ہوئے پے در پے جو نشان زدہ تھے آپ کے رب کی جانب سے۔ اور نہیں (لوط کی) بستی (مکہ کے) ظالموں سے کچھ دور"۔ (ہود ۶۹-۸۳)

سورہ حجر میں ارشاد ہوا:

"اور بتایئے انہیں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ۔ جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا آپ پر سلام ہو۔ آپ نے کہا (اے اجنبیو) ہم تو تم سے خائف ہیں۔ مہمانوں نے کہا مت ڈریئے ہم آپ کو مژدہ سنانے آئے ہیں ایک صاحب علم بچے کی پیدائش کا۔ آپ نے کہا کیا تم مجھے اس وقت خوش خبری دینے آئے ہو جب کہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے پس یہ کیسی خوش خبری ہے۔ وہ بولے ہم نے تو آپ کو سچی خوش خبری دی پس نہ ہو جائیے آپ مایوس ہونے والوں سے۔ آپ نے فرمایا کون نا امید ہوتا ہے اپنے رب کی رحمت سے بجز گمراہوں کے۔

آپ نے کہا اے فرستادو! کس اہم کام کے لئے تم آئے ہو۔ انہوں نے کہا ہم بھیجے گئے ہیں ایک مجرم قوم کی طرف۔ مگر لوط کے گھرانے والے ہم ان سب کو بچا لیں گے۔ بجز اس کی بیوی کے ہم نے (بامر الٰہی) یہ طے کیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہو گی پس جب آئے خاندان لوط کے پاس یہ فرستادے۔ آپ نے (انہیں دیکھ کر) کہا تم تو اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہو۔ فرشتوں نے کہا (ہم اجنبی نہیں) بلکہ ہم لے آئے ہیں تمہارے پاس وہ چیز جس میں وہ شک کیا کرتے تھے۔ اور ہم لے آئے ہیں آپ کے پاس حق اور ہم بلاشبہ سچ کہہ رہے ہیں۔ تو چلے جائیے اپنے اہل خانہ کے ساتھ رات کے کسی حصہ میں اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلیے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھے تم میں سے کوئی اور چلے جائیے جہاں (جانے کا) تمہیں حکم دیا گیا ہے اور ہم نے (بذریعہ وحی) لوط کو آگاہ کر دیا اس حکم سے کہ یقیناً ان (کافروں) کی جڑ کاٹ دی جائے گی جب وہ صبح کر رہے ہوں گے۔ اور (اتنے میں) آ گئے شہر والے

خوشیاں مناتے ہوئے۔آپ نے (انہیں) کہا (ظالمو!) یہ تو میرے مہمان ہیں
ان کے بارے میں تو مجھے شرمسار نہ کرو۔اور ڈرو اللہ کے غضب سے اور مجھے
رسوا نہ کرو۔وہ بولے کیا ہم نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ دوسروں کے معاملہ میں
دخل نہ دیا کرو۔آپ نے کہا یہ میری (قوم کی) بچیاں ہیں اگر تم کچھ کرنا چاہتے
ہو (تو ان سے نکاح کرلو) (اے محبوب) آپ کی زندگی کی قسم یہ (اپنی طاقت
کے نشہ میں) مست ہیں اور بہکے بہکے پھر رہے ہیں۔پس آلیا ان کو ایک سخت
کڑک نے جب سورج نکل رہا تھا۔پس ہم نے ان کی بستی کو زیروزبر کردیا اور
ہم نے برسائے ان پر کنگھر کے پتھر بے شک اس واقعہ میں (عبرت کی)
نشانیاں ہیں غوروفکر کرنے والوں کے لئے اور بیشک یہ بستی ایک آباد راستہ پر
واقع ہے یقیناً اس میں نشانی ہے اہل ایمان کے لئے۔" (الحجر۱۵:۷۷)

سورۂ شعراء میں فرمایا:

"جھٹلایا قوم لوط نے اپنے رسولوں کو۔جب کہا ان سے ان کے بھائی لوط علیہ
السلام نے کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے؟ بیشک میں تمہارے لئے رسول
امین ہوں۔پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو۔اور میں نہیں مانگتا تم
سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ۔میرا معاوضہ تو اس کے ذمہ ہے جو رب
العالمین ہے۔کیا تم بدفعلی کے لئے جاتے ہو مردوں کے پاس ساری مخلوق
سے۔اور چھوڑ دیتے ہو۔جو پیدا کی ہیں تمہارے لئے تمہارے رب نے تمہاری
بیویاں۔بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔

وہ (غصہ سے) کہنے لگے (خاموش!) اے لوط! اگر تم اس سے باز نہ آئے تو
تمہیں ضرور ملک بدر کردیا جائے گا۔آپ نے فرمایا (سن لو!) میں تمہارے اس
(گندے) فعل سے بیزار ہوں۔میرے مالک! نجات دے مجھے اور میرے
اہل وعیال کو اس (کی شامت) سے جو وہ کرتے ہیں۔سو ہم نے نجات دیدی
اسے اور اس کے سب اہل کو۔سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں
تھی۔پھر ہم نے نام ونشان مٹادیا دوسروں کا۔اور ہم نے برسائی ان پر
(پتھروں کی) بارش۔پس بڑی تباہ کن تھی وہ بارش جو برسی ان پر جنہیں ڈرایا
گیا (اور وہ باز نہ آئے) بیشک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے

ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔اور بلاشبہ (اے محبوب!) آپ کا
پروردگار ہی عزیز رحیم ہے" (الشعراء ۱۶۰:۱۷۵)

سورہ نمل میں فرمایا:

"اور یاد کرو لوط کو جب آپ نے اپنی قوم کو فرمایا کیا تم ارتکاب کرتے ہو بے
حیائی کا حالانکہ تم دیکھ رہے ہوتے ہو۔کیا تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت
رانی کے لئے (اپنی) بیویوں کو چھوڑ کر۔بلکہ تم تو بڑے نادان لوگ ہو۔پس نہیں
تھا آپ کی قوم کا جواب بجز اس کے کہ انہوں نے کہا نکال دو آل لوط کو اپنی بستی
سے۔یہ لوگ تو بڑے پاکباز بنے پھرتے ہیں۔سو ہم نے بچالیا لوط کو اور ان
کے اہل خانہ کو سوائے ان کی بیوی کے۔ہم نے فیصلہ کردیا اس کے متعلق کہ وہ
پیچھے رہنے والوں میں ہوئی"

سورہ عنکبوت میں فرمایا:

"اور (ہم نے) لوط کو رسول بنا کر بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسی
بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو کہ نہیں پہلے کی تم سے اس (بے حیائی) کی طرف
کسی قوم نے دنیا بھر میں۔کیا تم بدفعلی کرتے ہو مردوں کے ساتھ اور ڈاکے
ڈالتے ہو عام راستوں پر اور اپنی کھلی مجلسوں میں گناہ کرتے ہو۔تو نہیں تھا کوئی
جواب آپ کی قوم کے پاس بجز اس کے کہ انہوں نے کہا اے لوط! لے آؤ ہم
پر اللہ کا عذاب اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو۔آپ نے عرض کی میرے
مالک! میری مدد فرما ان فسادی لوگوں کے مقابلہ میں۔اور جب آئے ہمارے
فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر۔انہوں نے بتایا کہ ہم ہلاک کرنے
والے ہیں اس گاؤں کے باشندوں کو۔بیشک یہاں کے رہنے والے بڑے ظالم
تھے۔آپ نے کہا اس میں تو لوط بھی رہتا ہے فرشتوں نے عرض کی ہم خوب
جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں۔ہم ضرور بچالیں گے اسے اور اس کے گھر والوں
کو سوائے اس کی عورت کے۔وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہے۔اور جب
آئے ہمارے فرشتے لوط (علیہ السلام) کے پاس تو بڑے غمزدہ ہوئے ان کی
آمد سے اور دل تنگ ہوئے اور (انہیں پریشان دیکھ کر) فرشتوں نے کہا نہ
خوف زدہ ہو اور نہ رنجیدہ خاطر ہم نجات دینے والے ہیں تجھے اور تیرے کنبہ کو

سوائے تمہاری بیوی کے۔وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہے۔بے شک ہم اتارنے والے ہیں اس بستی کے باشندوں پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔اور بے شک ہم نے باقی رہنے دیئے اس بستی کے کچھ واضح آثار ان لوگوں (کی عبرت) کے لئے جو عقل مند ہیں۔اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو۔آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور امید رکھو پیچھے آنے والے دن کی اور ملک میں فتنہ و فساد برپا نہ کرو‘‘ (العنکبوت:۲۸۔۳۵)

سورہ صافات میں ارشاد فرمایا:

’’اور بے شک لوط بھی پیغمبروں میں ہیں۔(یاد کرو) جب بچالیا ہم نے انہیں اور ان کے سارے اہل خانہ کو بجز ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔پھر ہم نے برباد کردیا دوسرے لوگوں کو۔اور تم گزرتے رہتے ہو ان (کے اجڑے دیاروں) پر صبح کے وقت اور رات کے وقت۔کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے‘‘ (الصافات:۱۳۳۔۱۳۸)

سورۂ ذاریات میں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے قصے اور انہیں بچے کی بشارت دینے کے واقعہ کے بعد فرمایا:

’’آپ نے پوچھا تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے اے فرشتو! وہ بولے ہم بھیجے گئے ہیں ایک قوم کی طرف جو جرائم پیشہ ہے۔تاکہ ہم برسائیں ان پر گارے کے بنے ہوئے پتھر (کھنگر) جن پر نشان لگے ہیں آپ کے رب کی طرف سے حد سے بڑھنے والوں کے لئے (نزول عذاب سے پہلے) ہم نے نکال لیا وہاں کے تمام ایمانداروں کو پس نہ پایا ہم نے اس (ساری بستی) میں بجز ایک مسلم گھر کے اور ہم نے باقی رہنے دی وہاں ایک نشانی ان لوگوں (کی عبرت پذیری) کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں‘‘ (الذاریات:۳۱۔۳۷)

سورہ قمر میں ارشاد فرمایا:

’’قوم لوط نے بھی جھٹلایا تھا پیغمبروں کو۔ہم نے بھیجی ان پر پتھر برسانے والی ہوا سوائے لوط کے گھرانے کے۔ہم نے ان کو بچالیا سحری کے وقت۔یہ (خاص) مہربانی تھی ہماری طرف سے۔اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں جو شکر کرتا

ہے۔اور بے شک ڈرایا تھا انہیں لوط (علیہ السلام) نے ہماری پکڑ سے پس جھگڑنے لگے ان کے ڈرانے کے بارے میں اور انہوں نے پھسلانا چاہا لوط کو اپنے مہمانوں سے تو ہم نے میٹ دیا ان کی آنکھوں کو لو اب چکھو (اے بے حیاؤ!) میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ۔پس صبح سویرے ان پر ٹھہرنے والا عذاب نازل ہوا۔لو اب چکھو میرے ڈرانے کا مزہ۔اور بے شک ہم نے آسان کردیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا‘‘ (القمر:۳۳۔۴۰)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کا تذکرہ قرآن پاک میں کئی جگہ فرمایا ہے قوم نوح عاد اور ثمود کے ساتھ ان آیات کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔یہاں صرف آیات اور آثار کی روشنی میں جو کچھ ان کے بارے میں وارد ہوا ہے اور ان پر جو عذاب نازل ہوا ہے اس بارے بیان کریں گے۔(وباللہ المستعان)

لوط علیہ السلام نے جب سدومیوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی طرف بلایا اور انہیں گناہوں اور فحاشی سے روکا جس کا ذکر ہو چکا ہے تو وہ نہ مانے اور ان میں ایک شخص بھی آپ پر ایمان نہ لایا۔اور ایک ظالم بھی اپنی روش کو چھوڑنے کے لئے آمادہ نہ ہوا بلکہ جس قدر اپنی روش بلکہ جس قدر لوط علیہ السلام کی تبلیغی سرگرمیاں بڑھتی گئیں اس قدر ان کی سرکشی، گمراہی اور زیادتیوں میں اضافہ ہوتا گیا۔جب وہ تنگ آ گئے اور حق بات سننے کا یارہ نہ رہا تو اللہ کے رسول سیدنا لوط علیہ السلام کو دیس نکالا دینے کی سوچنے لگے ان بے وقوفوں نے اپنی مجلس میں جو تقریریں کیں اس کا لب لباب یہ تھا۔

’’نکال دو آل لوط کو اپنی بستی سے، یہ لوگ تو بڑے پاکباز بنے پھرتے ہیں‘‘ (النحل:۵۶)

انہوں نے مدح وستائش کے انداز میں مذمت کرتے ہوئے اللہ کے نبی کو دیس نکالا دینے کی قرارداد پاس کی۔اس گفتگو کی وجہ صرف اور صرف ان کی اسلام دشمنی اور کفر پسندی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے لوط اور ان کے اہل بیت کو کفر وشرک اور برائی کی آلائشوں سے پاک رکھا ہاں لوط علیہ السلام کی بیوی اللہ کے نبی لوط علیہ السلام کی اقتداء سے محروم رہی اللہ تعالیٰ نے آل لوط کو بہترین طریقے سے اس شہر سے نکالا اور کافروں کو ان گھروں میں لیٹے رہنے پر مجبور کردیا۔

لیکن ان پر سخت لو چلی جو سمندر کی موجوں کی طرح منہ زور، اور بدبودار تھی جو درحقیقت لو نہیں تھی

بلکہ بھڑکتی آگ کے شعلے اور شدید ترین گرمی تھی جس میں پانی نمکین کھاری تھا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور یہ گستاخی کی کہ اسے شہر سے نکال دو اس وقت ہوئی جب آپ نے انہیں بدمعاشی اور بڑے گناہ سے دور رہنے کی تلقین فرمائی۔ یہ ایسی برائی تھی جس کا ارتکاب بنی آدم سے دنیا بھر میں کسی نے نہیں کیا تھا۔ اس لئے اس جواب کی وجہ سے وہ دنیا والوں کے لئے سامانِ عبرت وموعظت بن گئے۔

لواطت اور دوسری برائیوں کے ساتھ ساتھ ان لوگوں میں یہ برائی بھی تھی کہ وہ ڈاکہ ڈال کر رہ گیروں سے مال لوٹ لیتے تھے، اپنے دوستوں سے خیانت کرتے اور پھر اپنی مجلسوں میں اور بیٹھکوں میں ان قصوں پر فخر کرتے اور ایک دوسرے کو اپنی بدمعاشیوں اور ظلم وزیادتی کے قصے مزے لے لے کر سناتے۔ وہ ان مجلسوں میں سرِعام ایسی ایسی باتیں کرتے جنہیں سن کر شیطان بھی شرما جائے اور طرح طرح کی برائیاں کر کے اہل مجلس سے داد وصول کرتے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ان مجلسوں میں ایک دوسرے کے گوز کرنے کی نقلیں اتارتے اور ذرا بھی حیا محسوس نہ کرتے۔ بارہا ایسا بھی ہوتا کہ بھری محفل میں کسی جوان کو لٹا کر بدفعلی شروع کر دیتے اور کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔ اگر کوئی نصیحت کی بات کرتا بھی تو اسے مذاق میں اڑا دیا جاتا۔ نہ انہیں گزری معاصی پر ندامت تھی اور نہ مستقبل میں اس روش کو ترک کر دینے کا خیال تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سخت سزا دی وہ اللہ کے نبی کو کہا کرتے تھے۔ ائتنا بعذاب اللہ ان کنت من الصادقین اے لوط لے آؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو" (العنکبوت: ۲۹) ان بدبختوں نے اللہ کے نبی سے مطالبہ کیا کہ وہ عذاب الیم لے آئیں اور جس ہلاکت کی باتیں کرتے ہیں اسے کر گزریں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو صرف برائیوں سے باز رہنے کی تبلیغ کی، لیکن ان کو عبادت کرنے کا حکم اس طرح نہیں دیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عبادت کی تبلیغ فرما دی تھی اور یہ بہت مشہور ہو چکی تھی۔

لوط علیہ السلام جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہی تھے اور علاقہ بھی قریب قریب تھا اور آپ کی قوم یعنی خاندان میں سے تھے تو آپ نے دوبارہ مشہور امور کی طرف توجہ دینے کے بجائے اپنی قوم کو صرف ان کی خصوصی برائیوں سے ہی روکا: تاکہ یہ قوم دنیاوی اور اخروی عذاب سے بچ جائے، لیکن قوم باز نہ آئی آخر کار ان پر عذاب مسلط کر دیا گیا۔

آپ کا ذکر قرآن پاک میں مندرجہ ذیل مقامات پر ہے۔

(۱)	پارہ ۷	سورہ انعام	رکوع ۱۰
(۲)	پارہ ۸	سورہ اعراف	رکوع ۱۰
(۳)	پارہ ۱۰	سورہ توبہ	رکوع ۹
(۴)	پارہ ۱۲	سورہ ہود	رکوع ۷
(۵)	پارہ ۱۴	سورہ حجر	رکوع ۴۔۵
(۶)	پارہ ۱۷	سورہ انبیاء	رکوع ۵
(۷)	پارہ ۱۷	سورہ الحج	رکوع ۶
(۸)	پارہ ۱۹	سورہ الشعراء	رکوع ۹
(۹)	پارہ ۲۰	سورہ عنکبوت	رکوع ۴
(۱۰)	پارہ ۲۳	سورہ الصفت	رکوع ۴
(۱۱)	پارہ ۲۷	سورہ الزاریات	رکوع ۲
(۱۲)	پارہ ۲۷	سورہ القمر	رکوع ۲

حضرت یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام اسحٰقؑ کے بیٹے اور حضرت ابراہیمؑ کے پوتے ہیں اور ابراہیمؑ کے بھتیجے بتوئیل کے نواسے ہیں اور ان کی والدہ کا نام رفقہ تھا۔ حضرت عیص یا عیسوان کے حقیقی بھائی تھے۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بھائی کے ڈر سے والدہ کے مشورہ سے اپنے ماموں لابان کے پاس چلے گئے۔ وہاں دس سال ماموں کی خدمت کی اس کی بکریاں چرائیں پھر اس کے بعد لابان نے اپنی بڑی بیٹی سے جس کا لیہ نام تھا شادی کرادی لیکن حضرت یعقوبؑ کا رجحان چھوٹی بیٹی راحیل کی طرف تھا لابان نے کہا کہ دس سال مزید میری خدمت کرا ور میری بکریاں چراتو میں راحل کو بھی تیرے نکاح میں دے دوں گا کیونکہ اس زمانے میں دو حقیقی بہنوں کا نکاح ایک جگہ شرعاً جائز تھا۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام مزید دس سال اپنے ماموں کے پاس رہے تو ماموں نے راحیل کی شادی بھی کردی۔ حضرت یعقوبؑ کی اولاد ماموں کے گھر پیدا ہوئی بغیر بنیامین کے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے وطن کی خواہش ہوئی تو ماموں سے اجازت چاہی۔ ماموں نے رخصت ہوتے وقت بہت سا مال و دولت یعقوبؑ کو دیا۔

جب یعقوبؑ وطن واپس آگئے تو بنیامین پیدا ہوئے ماموں کے پاس سے یعقوبؑ بہت سا مال دولت لے کر اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دارہجرت فلسطین میں آکر مقیم ہوگئے۔ تفسیر حقانی میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ کنعان میں ایک گاؤں میں رہے جس کا نام سیلون ہے۔

قصص القرآن میں ہے کہ جس زمانے میں حضرت یعقوب علیہ السلام فدان آرام میں ماموں کے پاس چلے گئے تھے اس زمانے میں عیص یا عیسو مکہ مکرمہ اپنے چچا حضرت اسمٰعیل کے پاس چلے گئے تھے اور اسمٰعیلؑ کی بیٹی سے شادی کرلی تھی اور انہی کے قریب مقام میں قیام کیا۔ جب حضرت یعقوبؑ واپس فلسطین چلے گئے تو ان دونوں بھائیوں میں محبت ہوئی۔ ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیتے رہے۔ یہ تمام واقعات تورات میں مذکور ہیں۔ قرآن پاک میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام عبرانی میں اسرائیل ہے اسرا کے معنی بندہ اور ایل کے معنی اللہ۔ عربی زبان میں عبداللہ ہوگیا یعنی بندہ خدا حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے یعقوبؑ کی اولاد کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے حضرت راحیل کے دو بیٹے تھے۔ حضرت یوسفؑ اور بنیامین حضرت یعقوب علیہ السلام خدا کے پیغمبر تھے۔ جو کنعانیوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اپنی زندگی میں اس نے حق کو سرانجام دیا۔ (قصص القرآن)

بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ کنعان کو بمع اپنے اہل وعیال واپس آ رہے تھے تو راستے میں حضرت عیص شکار کرنے کو جا رہے تھے تو حضرت یعقوبؑ اپنی حلیم الطبعی سے چھپ گئے اور اپنے غلاموں اور بیویوں سے فرمایا یہ بزرگ آ رہے ہیں اگر پوچھیں یہ سامان و دولت کس کا ہے تو کہہ دینا کنعان میں عیص سردار ہے اور اس کا ایک غلام یعقوب نامی شام میں رہتا تھا یہ اس کا مال و دولت ہے۔ غلاموں نے یہ بات حضرت عیص کو کہی تو یہ بات سنتے ہی ان کا دل نرم ہوگیا اور وہ رونے لگے اور کہا یعقوبؑ تو میرا بھائی ہے غلام نہیں۔

حضرت یعقوبؑ نے عیص کو روتے دیکھا تو یعقوبؑ آئے اور دونوں بھائی آپس میں گلے ملے۔ اور عیص بھی ساتھ واپس آئے اور حضرت یعقوبؑ کو رہنے کے لئے مکان دیا اور اس کے بعد حضرت بنیامین پیدا ہوئے اور ان کی والدہ راحیل نے وفات پائی اور بنیامین اپنی خالہ کی گود میں پرورش کرتا رہا۔

ایک سال گزرنے کے بعد حضرت عیص نے کہا کہ میری گزران مشکل ہے اس لئے میں یہاں سے ہجرت کرتا ہوں چنانچہ وہ روم کو ہجرت کر کے چلے گئے۔ حضرت عیص کا ایک بیٹا روم تھا اس کے نام سے روم شہر مشہور ہوا۔ جب پیغمبری کے لئے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی دعا حضرت یعقوبؑ کے حق میں مستجاب ہوگئی تو حضرت عیص کے لئے اسحٰقؑ نے کثرت اولاد کی دعا کی۔ پھر حضرت عیص کی اولاد روم میں بہت پھیل گئی۔

حضرت ایوب علیہ السلام ان ہی کی اولاد میں سے تھے۔حضرت یعقوبؑ کا ایک فرزند
ارجمند حضرت یوسفؑ ظاہری حسن و جمال کے ساتھ کمالات باطنی سے بھی مالا مال تھا۔حضرت
یعقوبؑ اپنے اس فرزند سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے تھے۔پھر چوبیس سال اس کے فراق میں
میں بڑی رنج و مصیبت میں گزارے۔پھر خداوند کریم کے فضل و کرم سے ان کی ملاقات میسر
ہوئی اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر ایک سو تیس سال تھی باقی زندگی ان کی معیت میں
گزار کر دارِ فانی سے رحلت فرما کر دارِ بقا کی طرف جاگزین ہوئے۔حضرت یوسفؑ کو وصیت کی
تھی کہ مجھے اپنے ملک میں دفنائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔وفات کے وقت عمر مبارک ایک سو
سینتالیس برس تھی۔جس گاؤں میں حضرت یعقوبؑ نے مصر کی ہجرت سے پہلے زندگی گزاری تھی
اس گاؤں کا سیلون نام ہے جو نابلس کے قریب ہے۔اور بیت المقدس سے تیس میل ہے۔جس
کنویں میں حضرت یوسفؑ کو بھائیوں نے ڈالا تھا اس کے قریب ایک احاطہ ہے اسی میں حضرت
یعقوبؑ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا مزار ہے۔(تفسیر حقانی)

یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں یعنی یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی ہیں۔ان
کے نام یہ ہیں۔یہودا، روبیل، شمعون، لادی، ریالون، یشجر، دینہ یہ تمام لڑکے آپ کی زوجہ
لیا بنت لیان بن فاہر کے بطن سے ہیں۔یہ زوجہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی خالہ کی لڑکی تھی۔
دان، یفتالی، جاد، آشر یہ لڑکے زلفہ اور بلہتہ کے بطن سے تھے۔حضرت یوسف علیہ
السلام اور بنیامین راحیل کے بطن سے تھے۔راحیل کی وفات بنیامین کی پیدائش کے بعد جلد ہی
ہوگئی تھی۔لیا کی وفات کے بعد راحیل سے نکاح ہوا تھا۔راحیل، لیا کی بہن تھی

خیال رہے کہ جو نام ذکر کئے گئے ہیں یوسف علیہ السلام کے علاوہ وہ بارہ ہیں، اور
مشہور یہ ہے کہ حضرت یوسف کے گیارہ بھائی تھے اسی وجہ سے اکثر حضرات نے دینہ نام کو شامل
نہیں کیا۔

کچھ حضرات نے شامل تو کیا ہے لیکن کہا ہے کہ یہ مونث کا نام ہے یعنی یوسف کی ایک
بہن کا نام دینہ تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ کو بتایا کہ اے میرے باپ!
”بے شک میں نے گیارہ تارے اور سورج اور چاند دیکھے انہیں اپنے لئے سجدہ
کرتے ہوئے دیکھا۔یوسف نے جو تارے دیکھے تھے ان کے نام یہ ہیں“
(پ ۱۲ سورۃ یوسف ۴)

”جربان، طارق، ذیال، قابس، عمودان، فلیق، فزع، و ثاب،
ذوالکفتین، ضروج، مصبح
ایک روایت میں مصبح کی جگہ فلیح ذکر ہے۔لیکن پہلی روایت پر کثیر اہل علم حضرات ہیں
بستان نامی یہودی حضور سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا آپ مجھے ان
ستاروں کے متعلق بتائیں جو یوسف نے دیکھے تھے، آپ خاموش تھے کہ جبرائیل علیہ السلام آگئے
انہوں نے حضور کو ستاروں کے نام بتا دیئے آپ نے یہودی کو کہا اگر میں تمہیں ان تاروں کے نام
بتا دوں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ اس نے کہا! آپ نے اسے نام بتا دیئے وہ کہنے لگا: قسم ہے
اللہ تعالیٰ کی بے شک یہی ان کے نام ہیں۔

گیارہ تاروں سے مراد آپ کے بھائی اور چاند سورج سے مراد آپ کے ماں باپ
ہیں، لیکن خیال رہے کہ خواب دیکھنے سے پہلے ہی آپ کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔سجدہ سے مراد
سجدہ تعظیمی ہے جو پہلی امتوں میں جائز تھا ہماری شریعت میں جائز نہیں۔

خواب میں سورج دیکھنے سے بادشاہت، سونا، خوبصورت عورت ملنے کی طرف اشارہ
پایا جاتا ہے۔چاند کو خواب میں دیکھنے سے بدشاہت، وزارت، بادشاہ کا قبر، ریاست، شرافت،
غلام، منصب، حاکیت بڑے آدمی کی زیارت، والد، والدہ، زوجہ، خاوند، عظمت کی طرف اشارہ
ہوتا ہے۔ہاں کبھی کبھی فساد اور باطل امور کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔یہ سب دیکھنے والے
پر منحصر ہے۔

خیال رہے خواب دیکھنے والا جب کوئی اچھا خواب دیکھے تو وہ اللہ کی طرف سے (القاء)
ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء پڑھے اور لوگوں کے سامنے بیان کرنا چاہے تو بیان بھی
کردے۔(ماخوذ از روح المعانی)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے آپ کو فرمایا:
”کہا اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا کہ وہ تیرے ساتھ
کوئی چال چلیں بے شک شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے“ (پ ۱۲ سورۃ یوسف ۵)

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب بارہ سال کی عمر میں دیکھا، حضرت یعقوب علیہ
السلام کو معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہوں گے تو بھائی ان سے حسد کریں گے۔
کیونکہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت تھی آپ کے بھائی

آپ سے اس پر حسد کرتے تھے۔ یہ بھی یعقوب علیہ السلام کے علم میں تھا: اسی لئے آپ نے منع فرمایا کہ یہ خواب بھائیوں سے نہ بیان کرنا۔ ورنہ ان کا حسد اور بڑھ جائے گا اور وہ تمہیں نقصان پہنچانے میں شیطان کے دام فریب میں آجائیں گے۔

"جب انہوں نے کہا کہ ضرور یوسف علیہ السلام اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں بے شک ہمارے باپ صراحتاً ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں" (پ۱۲ سورۃ یوسف ۸)

حضرت یعقوب علیہ السلام چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام سے سب سے زیادہ محبت کرتے تے اور ان کے بعد حضرت بنیامین سے، تو دوسرے بھائیوں کو اس پر حسد آیا وہ کہنے لگے: ہم تو ایک جماعت ہیں باپ کی خدمت زیادہ کر سکتے ہیں اور ان کو زیادہ نفع پہنچا سکتے ہیں یہ دو ہیں اور چھوٹے بھی ہیں یہ اپنے باپ کی خدمت ہماری طرح نہیں کر سکتے پھر انسے پیار و محبت ہم سے زیادہ کیوں؟

آپ کا ذکر قرآن پاک میں مندرجہ ذیل سورتوں میں آتا ہے۔

(۱)	پارہ ۱	سورہ بقرہ	رکوع ۱۶
(۲)	پارہ ۳	سورہ ال عمران	رکوع ۹
(۳)	پارہ ۶	سورہ نساء	رکوع ۱۳
(۴)	پارہ ۱۲	سورہ ہود	رکوع ۷
(۵)	پارہ ۱۲	سورہ یوسف	رکوع ۱
(۶)	پارہ ۱۲	سورہ یوسف	رکوع ۵
(۷)	پارہ ۱۶	سورہ مریم	رکوع ۳

حضرت یوسف علیہ السلام

یوسفؑ ابن یعقوب، ابن اسحاقؑ، ابن ابراہیمؑ یوسفؑ کی والدہ راحیل بنت لابان تھیں

حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ سے بڑی محبت بلکہ عشق تھا کسی وقت بھی ان کا جدا ہونا گوارا نہ کرتے تھے حضرت یوسف علیہ السلام کی پیشانی میں نور نبوت چمکتا تھا جس کو یعقوب علیہ السلام پہچانتے تھے اسی لئے ان سے محبت بھی زیادہ تھی۔

"کہا اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا کہ وہ تیرے ساتھ کوئی چال چلیں گے بے شک شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے"

(پ۱۲ سورۃ یوسف ۵)

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب بارہ سال کی عمر میں دیکھا، حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہوں گے تو بھائی ان سے حسد کریں گے

کیونکہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت تھی آپ کے بھائی آپ سے اس پر حسد کرتے تھے۔ یہ بھی یعقوب علیہ السلام کے علم میں تھا: اسی لئے آپ نے منع فرمایا کہ یہ خواب بھائیوں سے نہ بیان کرنا۔ ورنہ ان کا حسد اور بڑھ جائے گا وہ تمہیں نقصان پہنچانے میں شیطان کے دام فریب میں آجائیں گے۔

"جب انہوں نے کہا کہ ضرور یوسف علیہ السلام اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو

ہم سے زیادہ پیارے ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں بے شک ہمارے باپ صراحتاً ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ (یوسف: ۸)

حضرت یعقوب علیہ السلام چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام سے سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور ان کے بعد حضرت بنیامین، تو دوسرے بھائیوں کو اس پر حسد آیا وہ کہنے لگے ہم ایک جماعت ہیں باپ کی خدمت زیادہ کر سکتے ہیں اور ان کو زیادہ نفع پہنچا سکتے ہیں یہ دونوں اور چھوٹے بھی ہیں یہ اپنے باپ کی خدمت ہماری طرح نہیں کرسکتے پھر ان سے پیار و محبت ہم سے زیادہ کیوں؟ (روح المعانی)

برادران یوسف کا منصوبہ:

''یوسف کو مار ڈالو یا کہیں زمین میں پھینک آؤ کہ تمہارے باپ کا منہ صرف تمہاری ہی طرف رہے اور اس کے بعد پھر نیک ہو جانا'' (یوسف: ۹)

یعنی انہوں نے مشورہ کیا کہ چاہتے ہو کہ باپ صرف تمہارے ساتھ ہی خالص محبت کریں تو یوسف کو راستے سے ہٹانا ضروری ہے اس کے بغیر باپ کی کامل محبت میسر نہیں ہو سکتی۔ مسلمان تھے، کافر نہیں تھے۔ سمجھ رہے تھے کہ یہ عظیم جرم بھی ہوگا، لیکن حسد کی آگ نے انہیں اندھا کر رکھا تھا۔ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے، البتہ یہ سوچ رہے تھے کہ بعد میں توبہ کرلیں گے اور نیک ہو جائیں گے۔

''ان میں سے ایک کہنے والا بولا: یوسف کو قتل نہ کرو اور اسے اندھے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی چلتا آ کر اسے لے جائے اگر تمہیں کرنا ہے تو''

یہ روکنے والا آپ کا سب سے بڑا بھائی تھا جس کا نام ''یہودا'' تھا اس نے کہا قتل ایک عظیم جرم ہے تمہارا یہ ارادہ درست نہیں البتہ جنگل میں کسی کنوئیں میں ڈال دو، شائد وہاں سے کوئی گزرے تو اسے نکال کر ساتھ لے جائے، اس طرح تمہارا مطلب بھی پورا ہوگا اور یوسف بھی قتل سے بچ جائیگا، اگر تم نے اپنے ارادے پر عمل کرنا ہی ہے تو یہی کرو۔ (ماخوذ از روح المعانی)

''انہوں نے کہا اے ہمارے باپ! آپ کو کیا ہوا کہ یوسف کے معاملہ میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے ہو ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ میوے کھائے اور کھیلے اور بے شک ہم اس کے نگہبان ہیں آپ نے کہا بے شک تمہارا اس کو ساتھ لے جانا مجھے رنج پہنچائے گا اور ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا اور تم اس سے بے خبر رہو۔ انہوں نے کہا اگر اسے بھیڑیا کھا جائے اور ہم ایک جماعت ہیں جب تو ہم کسی مصرف کے نہیں''

(پ۱۲ سورۃ یوسف ۱۱۔۱۴)

ان کا شہر سے باہر جانے اور کھیل کی اجازت طلب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم دشمن سے جنگ کرنے کے لئے تیاری کریں گے دوڑ میں مقابلہ کریں گے تیر اندازی میں مہارت حاصل کریں گے۔

اگر وہ صرف لہو ولعب کے لئے کھیل کود کی اجازت طلب کرتے تو یعقوب علیہ السلام کبھی اجازت نہ دیتے۔ یوسف علیہ السلام چونکہ چھوٹے تھے اس لئے انہوں نے کہا اے ہمارے اباجان ہمارے چھوٹے بھائی کو بھی ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دو، یہ ہماری جنگی تیاری دیکھ کر خوش ہوگا اور جنگلی میوے پھل ہم اسے توڑ کر دیں گے، یہ کھائے گا، کیونکہ ہم اونٹوں کو دوڑانے اور انہیں چارہ کھلانے کی مشقیں بھی کریں گے ان میں جنگلی درختوں سے پھل بھی حاصل کریں گے۔

یعقوب علیہ السلام چونکہ پہلے ہی خواب دیکھ چکے تھے کہ یوسف علیہ السلام پر بھیڑیئے نے حملہ کردیا ہے اور وہ زمین بھی بھیڑیوں والی تھی اس لئے آپ نے کہا مجھے ڈر ہے کہ اسے کوئی بھیڑیا نہ کھا جائے اور تم بے خبر ہی رہو۔ شائد یعقوب علیہ السلام نے خواب کو اسی طرح سمجھا ہو اور اشارہ دشمن کی طرف ہو یعنی بھیڑیئے سے مراد دشمن ہو۔ آپ علیہ السلام کے بیٹوں کو واپس آ کر یہی بہانہ پیش کرنا ہے اپنے باپ کے قول سے ہی سمجھ آیا ورنہ پہلے ان کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ کسی شخص کے سامنے ایسا کلام نہ کرو جس سے اسے جھوٹ کی راہنمائی ملے، جیسے یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو معلوم نہیں تھا کہ انسانوں کو بھیڑیا بھی کھا جاتا ہے، جب ان کے باپ نے یہ کہا تو انہیں بھی جھوٹ بولنے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بھائیوں کی ایک جماعت...... وہ جو بہت طاقتور ہو...... کے سامنے ایک بھائی کو بھیڑیا کھا جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم کسی کام کے نہیں ہوں گے ہمارے ہوتے ہوئے بھیڑیئے کی کیا مجال ہے کہ ہمارے بھائی کو کھا جائے؟ (روح المعانی)

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کسی طرح بھی ان کے ساتھ یوسف علیہ السلام کو بھیجنے کے لئے تیار نہ ہوئے تو انہوں نے یوسف علیہ السلام کو کہا: کیا تم ہمارے ساتھ باہر جنگل میں چلو گے؟ جہاں ہم دوڑ میں مقابلہ کریں گے اور اونٹ وغیرہ دوڑانے اور دوسری جنگی تدابیر میں مقابلہ کریں گے؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: ہاں ضرور جاؤں گا، انہوں نے کہا کہ تم باپ کو

کہو۔آپ نے سب بھائیوں کو ساتھ لیا اور باپ کے پاس آ گئے۔ بھائیوں نے ان کی موجودگی میں اپنے باپ کی خدمت میں عرض کی یوسف ہمارے ساتھ جانا پسند کرتا ہے۔آپ اسے ... دیں۔آپ نے یوسف علیہ السلام کی طرف توجہ کرتے ہوئے پوچھا: تمہارا کیا خیال ہے؟ ... نے کہا بھائی مجھے پیار و محبت سے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں اس لئے میں ان کے ساتھ ضرور ... گا؟ اس طرح یعقوب علیہ السلام باوجود اس کے کہ نہیں چاہتے تھے کہ یوسف علیہ السلام کو بڑ... کے ساتھ بھیجا جائے لیکن تقدیر کے سامنے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی یوسف علیہ السلام کی مرضی ... کہنے پر بھائیوں کے ساتھ بھیجنے پر آمادگی ظاہر فرمادی۔(ماخوذ از روح المعانی)

جب وہ یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے کر چلے تو جب تک یعقوب علیہ السلام ... تھے اس وقت تک تو وہ کندھے پر اٹھا کر چلے۔یعقوب علیہ السلام اس وقت تک کھڑے ... رہے، جب تک وہ سامنے رہے۔جب وہ جنگل میں پہنچ گئے اور اپنے باپ کی نظروں سے ... ہو گئے تو یوسف علیہ السلام کو زمین پر پھینک دیا اور اپنی عداوت ظاہر کرنے لگے، کبھی بدکلامی ... اور کبھی مارتے۔آپ ایک بھائی سے بھاگ کر دوسرے کے پاس آتے کہ شائد وہ میرے ... ہمدردی کرے گا اور میری فریاد سنے گا، لیکن وہی آپ کو مارنا شروع کر دیتا، آپ نے ... ارادوں کو جب سمجھ لیا کہ یہ کیا چاہتے ہیں تو وہاں سے پکار کر کہا۔

اے میرے ابا جان! کاش یوسف کو دیکھتے کہ بھائی اس پر کتنا ظلم کر رہے ہیں؟
تو آپ کتنے غم زدہ ہوتے اور میرے بھائیوں کے مجھ پر مظالم کو اگر آپ دیکھتے
تو یقیناً روتے۔

اے میرے ابا جان! یہ کتنی جلدی آپ کے وعدہ کو بھول گئے، کتنی جلدی آپ
کی نصیحتوں کو بھول گئے۔

یہ کہتے ہوئے یوسف علیہ السلام شدید روئے اسی حال میں روبیل نے آپ کو زمین پر گرا دیا اور سینے پر بیٹھ گیا آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا میرے بھائی ٹھہر جا مجھے قتل نہ کر، قتل کرنا عظیم جرم ہے۔

سبحان اللہ! نبی کا مقام کتنا بلند ہے؟ نبوت کے اعلان سے پہلے ہی اپنے بھائیوں کو نصیحت کر کے قتل جیسے عظیم جرم سے بچا رہے ہیں۔روبیل کہنے لگا تجھے تو بڑے خواب آتے تھے اب تو اپنے خوابوں کو بلا جو تجھے میرے ہاتھوں سے چھڑائیں۔اس نے آپ کی گردن مروڑا، آپ کو قتل کرنا ہی چاہتا تھا کہ آپ نے بڑے بھائی ''یہودا'' کو کہا اے میرے بھائی

ڈر، میرے اور مجھے قتل کرنے والے کے درمیان حائل ہو جا! آپ کے کہنے پر اسے کچھ بھائی ہونے کا خیال آیا اور دل نرم ہوا اس نے کہا اے میرے بھائیو! کیا تم نے میرے ساتھ وعدہ نہیں کیا تھا کہ قتل نہیں کرو گے؟ اب بھی آسان کام کرو، قتل نہ کرو! وہ غصہ میں پہلے کئے ہوئے وعدہ کو بھول چکے تھے، پوچھنے لگے کیا کریں؟

یہودا نے کہا یہ قریب ہی کنواں ہے اس میں پھینک دو، یا تو خود ہی مر جائے گا یا کوئی قافلے والے گزرے تو اسے نکال کر ساتھ لے جائیں گے، وہاں ایک کنواں تھا جو نیچے سے کھلا اور اوپر سے تنگ تھا اس میں جب انہوں نے آپ کو پھینکنا چاہا تو آپ کنوئیں کے کنارے پر لپٹ گئے، انہوں نے آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے، قمیص کو اتار لیا کیونکہ وہ قمیص کو خون سے رنگ کر اپنے باپ کے سامنے عذر پیش کرنا چاہتے تھے، یوسف علیہ السلام ان کو کہہ رہے تھے میرے بھائیو! میری قمیص واپس کر دو تا کہ میں کنوئیں میں ننگا نہ رہوں۔لیکن بھائیوں نے آپ کی بات کو تسلیم نہ کیا۔آپ کو کنوئیں میں ڈالنے لگے تو آپ نے انہیں کہا اے میرے بھائیو! مجھے اکیلے چھوڑ جاؤ گے؟ انہوں نے کہا: اب تم چاند سورج اور تاروں کو بلاؤ وہی تمہاری امداد کریں گے۔

آپ کو ایک ڈول میں ڈال کر کنوئیں میں لٹکا دیا گیا جب نصف فاصلہ تک ڈول پہنچا تو اوپر سے چھوڑ دیا گیا اس خیال سے کہ زور سے گرنے پر مر جائے گا، لیکن آپ علیہ السلام پانی میں گرے اور ایک طرف پتھر تھا اس پر بیٹھ گئے۔(روح المعانی)

جب آپ کو کنوئیں میں ڈالا گیا تو آپ رو رہے تھے انہوں نے آپ کو اوپر سے آواز دی آپ نے خیال کیا شائد بھائیوں کو میرے حال پر رحم آ گیا آپ نے ان کو جواب دیا انہوں نے آپ کو زندہ سمجھ کر پتھر گرا کر قتل کرنا چاہا لیکن ''یہودا'' نے پھر منع کر دیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس وہ قمیص تھی جو آپ کے دادا جان حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جنت سے لا کر پہنائی گئی تھی جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔

یعقوب علیہ السلام نے جب یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ روانہ کیا تو وہ قمیص آپ نے ان کے گلے میں بطور تعویذ ڈال دی، بھائیوں نے جب یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا تو ان کی قمیص اتار لی تھی لیکن فرشتے نے آ کر ان کے گلے سے وہ تعویذ اتار کر اس سے قمیص نکال کر ان کو پہنا دی جس سے کنواں جگمگانے لگا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ کو کنوئیں میں ڈالا گیا تو کنوئیں کا پانی میٹھا ہو گیا (حالانکہ پہلے نمکین تھا) اس میں غذائیت کی تاثیر آ گئی، یعنی کھانے اور پینے کا کام

دینے لگا۔ جبرائیل ان کے پاس کنوئیں میں آ گئے تا کہ وہ ان سے انس پکڑ سکیں۔ جب شام ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام جانے کے لئے اٹھے تو آپ نے کہا کہ اب مجھے اکیلا رہنے سے وحشت ہوگی۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا اگر تمہیں ایسی کوئی حاجت درپیش آئے تو تم یہ دعا پڑھنا:

يَا صَرِيْخَ الْمُسْتَصْرِخِيْنَ وَيَا غَوْثَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ وَيَا مُفَرِّجَ كُرَبِ الْمَكْرُوْبِيْنَ

اس کے پڑھنے پر تم مجھے اپنی جگہ دیکھ لو گے میرے حال کو جان لو گے میرا معاملہ تم پر بھی مخفی نہیں رہے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ دعا پڑھی تو فرشتے آپ کے پاس آ گئے، آپ ان سے انس پکڑنے لگے۔ اکیلا ہونے کا آپ کو کوئی احساس نہ ہوا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا گیا آپ کے پاس جبرائیل آئے اور کہنے لگے اے لڑکے آپ کو کنوئیں میں کس نے ڈالا ہے؟ آپ نے کہا میرے بھائیوں نے، انہوں نے پوچھا بھائیوں نے کیوں ڈالا؟ آپ نے کہا میرے باپ مجھ سے محبت کرتے ہیں، انہوں نے مجھ پر حسد کیا۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا: کیا تم یہاں سے نکلنا چاہتے ہو؟ آپ نے فرمایا: یہ التجا صرف یعقوب علیہ السلام کے خدا کی طرف ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا پھر تم خدا سے یہ دعا کرو:

اللهم انی اسئلک باسمک المکنون المخزون یا بدیع السموت والارض یا ذاالجلال والاکرام ان تغفرلی وترحمنی وان تجعل من امری فرجا ومخرجا وان ترزقنی من حیث احتسب ومن حیث لا احتسب

آپ نے جب یہ دعا پڑھی تو اللہ نے آپ کے معاملات آسان کر دیئے، کنوئیں سے نکال کر مصر کی بادشاہی عطا فرما دی جو آپ کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ دعا کرتے رہا کرو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نیک برگزیدہ بندوں کی دعا ہے۔

''اور رات ہوئے اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے اے ہمارے باپ ہم دوڑتے ہوئے آگے نکل گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑا تو اسے بھیڑیا کھا گیا اور آپ کسی طرح ہمارا یقین نہ کریں گے اگرچہ ہم سچے ہوں اور ان کی قمیص پر جھوٹا خون لگا لائے، (یعقوب علیہ السلام نے کہا) بلکہ

تمہارے دلوں نے ایک بات تمہارے لئے بنا لی ہے تو صبر اچھا اور اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں ان باتوں پر جو تم بتا رہے ہو'' (پ۱۲ سورۃ یوسف ۱۶-۱۸)

انہوں نے ایک ہرن کو ذبح کیا اس کے خون سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کر ئی کر باپ کے پاس لائے اور ظاہر یہ کیا کہ بھیڑیئے کے کھانے کی وجہ سے یہ خون آلودہ ہو گئی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیص کو لے کر اپنے چہرہ پر ڈالا اور رونے لگے یہاں تک قمیص کے خون سے آپ کا چہرہ خون آلودہ ہو گیا آپ کہہ رہے تھے کہ میں نے آج تک اتنا حکیم یڑیا کوئی نہیں دیکھا جس نے میرے بیٹے کو کھا لیا ہو لیکن قمیص کو نہ پھاڑا ہو! یہ کہتے کہتے آپ نے رونا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ آپ کے بیٹوں نے آپ پر پانی کا، لیکن آپ کو ہوش نہ آیا اور نہ ہی آپ کے جسم میں کوئی حرکت پیدا ہوئی، وہ آپ کو پکار رہے لیکن آپ کوئی جواب نہیں دے رہے تھے ''یہودا'' نے اپنا ہاتھ آپ کے ناک اور منہ پر رکھا اسے سانس کا چلنا محسوس نہیں ہو رہا تھا اور نہ ہی آپ کی کوئی نبض چل رہی تھی۔

''یہودا'' نے کہا: ہمیں قیامت کے دن جزا دینے والے مالک الملک سے عذاب ہی ل ہوگا ہم نے اپنے بھائی کو بھی ضائع کر دیا اور باپ کو بھی قتل کر دیا۔ غرضیکہ وہ تمام رات آپ السلام نے بے ہوشی میں گزار دی سحری کے وقت ہوش آیا۔ (روح المعانی)

یوسف علیہ السلام کی قمیص میں تین نشانیاں پائی گئیں۔ پہلی یہ کہ یعقوب علیہ السلام نے ں کو دیکھ کر کہا کہ یوسف کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا۔ پھر یعقوب علیہ السلام کی گئی ہوئی نظر قمیص ے واپس لوٹی۔ جب مصر سے یوسف علیہ السلام نے قمیص بھیجی۔ اس طرح زلیخا کے الزام سے ں کو دیکھ کر ہی بری کیا گیا۔ (روح المعانی)

ایک سوال یہ ہے کہ جب ''حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ آپ زندہ صحیح سلامت ہیں کیونکہ آپ نے یوسف علیہ السلام کو بتایا تھا کہ تمہارا رب تمہیں برگزیدہ پیغمبر بنائے گا اور تمہیں باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا۔ اور ظاہر بات یہ ہے کہ آپ نے یہ کلام وحی سے فرمایا اور جب آپ کو معلوم تھا کہ آپ زندہ صحیح سلامت ہیں تو آپ پر واجب تھا کہ یوسف علیہ السلام کو تلاش کرتے'' یعنی یہ آپ کو بذریعہ وحی معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ باقی لوگوں سے چن نبوت عطا کرے گا، آپ اعلان نبوت فرمائیں گے اس سے پہلے آپ پر موت نہیں آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا، تو اتنا معلوم ہونے کے باوجود آپ

نے تلاش نہیں کیا؟ بلکہ اتنا وقت روتے ہوئے گزار دیا اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ:

''بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کو لب کرنے سے منع فرمایا تھا تا کہ وہ اس پر شدید مشقت اٹھائیں اور یہ معاملہ ان پر سخت ہو''

آپ کو صبر کا ثواب ملے۔ اور یوسف علیہ السلام کو مصر کی بادشاہی۔

اور وجہ یہ بھی تھی کہ زیادہ تلاش کرنے میں خطرہ تھا کہ کہیں بھائی جا کر قتل کر آئیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا رونا صرف فراق کی وجہ سے تھا بے خبری کی وجہ سے نہ

اور وجہ یہ تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر صابر و شاکر تھے۔ لیکن بیٹوں کے لئے پریشان تھے کہ نبی کی اولاد ہو کر یہ کتنے حاسد نکلے اس پر آپ کو رونا ہی تھا۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر)

حضرت اعمش رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے جھوٹا ... کے بعد کسی کے رونے سے اسے سچا نہیں سمجھا جا سکتا۔ ابن منذر نے شعبی سے روایت کی۔

قاضی شریح کے پاس ایک عورت اپنا مقدمہ لے کر آئی اور رو رہی تھی لوگوں نے قاضی شریح سے کہا کیا آپ اسے روتا ہوا نہیں دیکھ رہے، آپ نے فرمایا یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی رات کے وقت روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے تھے حالانکہ وہ ظالم اور جھوٹے تھے اس۔ انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بغیر تحقیق کے ناحق فیصلہ کر دے۔ (از تفسیر کبیر، روح المعانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک قافلہ مدین سے مصر کی جانب ... ہوا۔ وہ قافلہ والے راستہ بھٹک گئے وہ ادھر ادھر پھرنے لگے کہ راستہ مل جائے اسی دوران انہیں کنواں نظر آیا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام تھے، حالانکہ وہ کنواں ایسے بیابان جنگل جہاں چرواہوں کے بغیر کوئی شخص نہ آتا، قافلہ والوں نے کنواں دیکھ کر اپنے ایک شخص مالک بن زعر خزاعی کو بھیجا تا کہ وہاں سے پانی لے آئے اس نے جب کنوئیں میں ڈول ڈالا تو یوسف علیہ السلام اس سے لپٹ گئے اس طرح آپ باہر تشریف لائے، مالک بن زعر خزاعی نے آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر خوشی سے کہا:

یَا بُشْرٰی ھٰذَا غُلَامٌ

''کتنی خوشی کی بات ہے یہ تو لڑکا ہے''

یعنی کتنا خوبصورت لڑکا ہمارے ہاتھ میں آ گیا جو ہمارے لئے بہت بڑا سرمایہ ... یوسف علیہ السلام کا چہرہ بہت حسین تھا، بال گھنگریالے، آنکھیں موٹی و خوبصورت

... عجیب قسم کا اعتدال پایا جاتا تھا، رنگ سفید گندم گوں سرخی مائل، کلائیاں اور پنڈلیاں موٹی ... چھوٹا، ناف چھوٹی تھی اور جب آپ مسکراتے تھے تو آپ کے دانتوں سے نور کی شعائیں نکلتی ... جب کلام فرماتے تو آپ کے سامنے والے دانتوں سے نور کی شعاعیں نظر آتیں اور کسی شخص ... وقت یہ اوصاف نہیں پائے جاتے تھے۔ آپ کا حسن ایسے جلوہ گر تھا جیسے دن کی روشنی۔

اتنے حسین لڑکے کو دیکھ کر نکالنے والے کو تعجب کیوں نہ ہوتا کہ آپ کے حسن اور خیرو ... پر تو کنوئیں کی دیواریں اور پتھر بھی روئے۔ (روح المعانی، کبیر)

اگرچہ آپ کو کنوئیں سے نکالنے والوں نے قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپا کر رکھا تھا کہ مصر میں فروخت کر کے بہت بڑا مال حاصل کریں گے لیکن آپ کے بھائی تین دنوں کے بعد حال کا پتہ چلانے کے لئے آئے کہ یوسف زندہ ہے یا مر چکا ہے؟ کنوئیں پر آئے تو یوسف کنوئیں میں تو نہیں ادھر ادھر دیکھا تو ایک قافلہ نظر آیا ان سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ ... ایک لڑکے کو نکالا ہے، آپ کے بھائیوں نے کہا: یہ ہمارا غلام ہے جو بھاگ کر آ گیا ... تم خریدنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں سستا بیچ دیتے ہیں اور تم اسے کسی دور علاقہ میں لے جاؤ ... بھاگنے کا مزہ آئے۔

یوسف علیہ السلام بھی بھائیوں کے ڈر سے خاموش تھے آپ نے بھی نہ بتایا کہ میں ان ... غلام نہیں، آخر کار آپ کو بیس یا بائیس کھوٹے درہموں سے بیچ دیا گیا اللہ نے فرمایا:

''اور بھائیوں نے اسے کھوٹے داموں گنتی کے روپوں پر بیچ ڈالا''

جب آپ کے بھائیوں نے آپ کو کھوٹے درہموں سے بیچ دیا تو تاجر کو کہا کہ یہ چور اور بھاگ بھی جاتا ہے تو اس تاجر نے آپ کو قید کر لیا اور آپ کی نگہبانی کے لئے ایک حبشی ... آپ پر مقرر کر دیا جب وہاں سے کوچ کرنے لگے تو آپ رونے لگے، تاجر نے آپ علیہ ... سے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا جن لوگوں نے مجھے بیچا ہے ... ان کو الوداعی سلام کرنا چاہتا ہوں یعنی ایسا سلام کرنا چاہتا ہوں جو کبھی نہ لوٹنے والا کرتا ہے۔

تاجر نے اپنے غلام کو کہا اس کو اپنے مالکوں کے پاس لے جاؤ تا کہ یہ انہیں الوداعی ... آئے پھر قافلہ سے مل جانا میں نے آج تک اتنا فرمانبردار غلام نہیں دیکھا جو اپنے مالکوں ... محبت رکھتا ہو اور اتنے ظالم کوئی مالک نہیں دیکھے جتنے ظالم اس کے مالک ہیں۔

وہ غلام آپ کو آپ کے بھائیوں کے پاس لے آیا اور سب سوئے ہوئے تھے ایک ان ... بکریوں کی حفاظت کر رہا تھا جو جاگ رہا تھا۔ یوسف علیہ السلام اپنے محافظ غلام کے

ساتھ پاؤں میں بیڑیاں لگے لڑکھڑاتے اس کے پاس پہنچ کر رونے لگے اس نے پوچھا تم آئے ہو؟ آپ علیہ السلام نے کہا میں تمہیں الوداعی سلام کرنے آیا ہوں جسے تم بھی نہ سکوگے، ہائے افسوس ہائے بربادی! یہ کیسا الوداع ہے (ممکن ہے یہ یہودا ہو، وہ کچھ آپ علیہ السلام سے نرم گوشہ رکھتا تھا) سب جاگ پڑے یوسف علیہ السلام ایک ایک بھائی پر محبت سے جھکا بوسے لیتے ہوئے گلے مل رہے تھے۔

سبحان اللہ! ان کے ظلم کو دیکھئے اور یوسف علیہ السلام کی محبت کو دیکھئے! آپ کہہ رہے تھے:

اللہ تمہاری حفاظت کرے اگرچہ تم نے مجھے ضائع کر دیا، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے گھروں میں قائم و دائم رکھے اگرچہ تم نے مجھے گھر سے نکال دیا، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے اگرچہ تم نے مجھ پر رحم نہیں کیا۔

آپ کے الوداعی سلام، رقت آمیز کلمات، دکھ بھری فریاد کا اثر بھیڑ بکریوں پر اتنا ہوا کہ ان کے اس ہولناک منظر سے حمل گر گئے۔ (روح المعانی ج ۷ ص ۲۰۶)

بھائیوں کو آپ نے الوداع کر دیا تو آپ کو غلام نے پکڑ کر اپنے ساتھ چلا لیا تاکہ سے مل جائیں آپ کو بیڑیاں لگا کر ایک سواری پر سوار کر کے ساتھ لے جایا جا رہا تھا، کنعان ستان سے جب آپ کا گزر ہوا تو اپنی والدہ راحیل کی قبر کو دیکھ کر آپ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے، سواری سے اتر کر قبر سے لپٹ کر روتے ہوئے عرض کرنے لگے۔

اے میری اماں! قبر سے سر اٹھا کر ذرا اپنے بیٹے کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا تو دیکھو! اے میری ماں بھائیوں نے مجھے کنوئیں میں پھینک دیا، باپ سے مجھے جدا کر دیا، کھوٹے سکوں سے مجھے بیچ ڈالا، میری چھوٹی عمر پر بھی ان کا دل نہ پسیجا، انہیں مجھ پر کچھ رحم نہ آیا، اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اور میرے والد کو مقام رحمت میں جمع کرے، وہی ارحم الراحمین ہے۔

(روح المعانی ج ۷ ص ...)

غلام نے پیچھے دیکھا تو یوسف کو نہ پایا واپس آیا تو دیکھا کہ آپ ایک قبر کے پاس کہتے ہوئے رہے ہیں اس نے کہا تمہیں بیچنے والوں نے سچ کہا تھا کہ تم ایک بھگوڑے ہو، یہ کہتے ہوئے اس نے آپ کو ایک زوردار تھپڑ مار دیا، جس سے آپ بے ہوش ہو کر گر گئے، پھر جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے کہا مجھے کچھ نہ کہئے یہ تو میری ماں کی قبر ہے، میں اپنی ماں کو الوداعی سلام کرنے

... سے اتر گیا تھا۔ آئندہ ایسا کوئی کام نہیں کروں گا، جو تمہیں ناپسند ہو۔ آپ کا چہرا خون اور گرنے کی وجہ سے مٹی لگی ہوئی تھی۔ کانپتے ہوئے رب کے حضور عرض کرنے لگے۔

اے اللہ اگر میری کوئی خطا ہے تو مجھے میرے آباء ابراہیم و اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کی حرمت کے وسیلہ سے معاف کر دے"

آپ کی اس حالت کو دیکھ کر آسمانوں کے فرشتے بھی چلا اٹھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور ... لئے فریاد کرنے لگے رب نے فرمایا: اے میرے فرشتو! یہ میرا نبی ہے اور میرے انبیاء کا ... وہ مجھ سے فریاد کر رہا ہے اور مجھ سے ہی امداد کا طالب ہے میں ہی اس کا فریاد رس ہوں ... فریاد کرنے والوں کی فریاد کو میں ہی پہنچتا ہوں۔

رب تعالیٰ نے کہا: اے جبرائیل جاؤ میرے بندے کی امداد کرو! جبرائیل علیہ السلام ... کر کہا اے اللہ تعالیٰ کے دوست تمہارا رب تمہیں سلام کہتا ہے اور تمہیں یہ کہتا ہے، رونے ... جاؤ! تم نے سات آسمانوں کے فرشتوں کو رلا دیا ہے، کیا تم یہ چاہتے ہو زمین و آسمان ... دیں؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں، مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حلم (بردباری) عطاء کی ... بازی نہیں کرتا تو میں بھی جلدی سے کام نہیں لیتا جبرائیل نے اپنا پر مارا زمین سے سرخ ... ہوا چلنے لگی، سورج کی روشنی ختم ہوگئی، سرخ آندھی سے تاریکی چھا گئی قافلے والے ایک ... کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔

تاجر نے کہا: اے قافلے والو! اپنی اپنی سواریوں سے اتر کر اپنے آپ کو ہلاکت سے ... مجھے کئی سال ہو چکے ہیں اس راستہ سے گزرتے ہوئے میں نے آج کے دن کی طرح کوئی ... نہیں دیکھا، سب اپنے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ آج کی مصیبت یقیناً ہمارے کسی گناہ کا ... ہے۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے محافظ حبشی غلام نے بتایا کہ میں نے یوسف ... السلام) کو مارا تھا جب مارا تو اس نے اپنا سر آسمانوں کی طرف اٹھایا تھا اور اپنے ہونٹوں ... دی تھی۔

تاجر نے کہا: افسوس تمہاری بربادی! تم نے ہمیں بھی اور اپنے آپ کو ہلاک کر دیا، تاجر ... پاس آیا اور کہنے لگا: اے لڑکے ہم نے تمہیں مار کر تم پر ظلم کیا ہے، اے لڑکے اگر تم بدلہ ... ہو تو بدلہ لے لو ہم حاضر ہیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا:

... ظالموں سے بدلہ نہیں لیا کرتے، میں تو اس گھرانہ سے تعلق رکھتا ہوں جو ظلم کرنے والوں کو معاف کر دیتے ہیں، ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں،

میں تمہیں معاف کر رہا ہوں، اللہ بھی تمہیں معاف کرے۔

آپ کے معاف کرنے کے ساتھ ہی تاریکی ختم ہوگئی، آندھی رک گئی، سورج ہوگیا مشرق و مغرب روشنی پھیل گئی، اسی طرح قافلہ مصر میں امن سے آ گیا۔

سبحان اللہ! نبی کی کیا شان ہے؟ نبی پر ظلم کرنے والے کیسے گرفت میں آ کتنا صابر؟ کہ ظالموں کے لئے دعاء کر رہا ہے۔ (ماخوذ از روح المعانی ج ۷ ص ۲۰۶)

یوسف علیہ السلام کو مصر میں لایا گیا تو آپ کو بازار میں بحیثیت غلام بیچا جا آپ کے حسن و جمال کی وجہ سے قیمت بڑھتی چلی گئی، یہاں تک کہ آپ کی قیمت یہاں گئی کہ آپ کے وزن کے برابر کستوری، چاندی اور ریشم دیا جائے۔ اتنی بڑی قیمت ادا کر عام لوگوں میں طاقت نہ تھی۔ اس لئے آپ کو مصر کے وزیر خزانہ نے اتنی قیمت ادا کر لیا۔ اس کا نام قطفیر یا اطفیر تھا اور لقب "عزیز مصر" تھا اس وقت مصر کا بادشاہ الریان بن جو عمالقہ قبیلہ کا تھا۔ وہ یوسف علیہ السلام پر ایمان لایا تھا اور اسی نے حضرت یوسف علیہ وزیر خزانہ بنایا تھا۔ اس کے بعد قابوس بن مصعب بادشاہ بنا تھا جس کو آپ نے دعوت ا لیکن اس نے انکار کر دیا تھا۔

خیال رہے کہ مصر کے بادشاہوں کا لقب فرعون ہوا کرتا تھا، یوسف علیہ السلام کے بادشاہ کو بھی فرعون کہا جاتا لیکن مشہور فرعون جو حضرت موسیٰ کے زمانے میں تھا یہ بہت بعد

عزیز مصر نے جب آپ کو خریدا تھا اس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی، تیرہ سال اس کے گھر رہے۔ ریان بن ولید نے جب آپ کو وزیر بنایا آپ کی عمر تیس سال تھی، تینتیس سال کی عمر میں اللہ نے ملک و حکمت سے نوازا اور آپ ایک سو بیس برس کی عمر سے رخصت ہوئے۔

"اور کہا اس شخص نے جس نے یوسف کو خریدا تھا اہل مصر سے اپنی بیوی کو، عزت واکرام سے اسے ٹھہراؤ، شاید ہمیں نفع پہنچائے یا بنالیں ہم اسے اپنا فرزند۔ اور یوں (اپنی حکمت کاملہ سے) ہم نے قرار بخشا یوسف (علیہ السلام) کو (مصر کی) سرزمین میں۔ اور تاکہ ہم سکھادیں اسے خوابوں کی تعبیر۔ اللہ غالب ہے اپنے ہر کام پر لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے" (پ۱۲ سورۃ یوسف ۲۱)

عزیز مصر نے آپ کی لوح جبیں پر سعادت و نجابت کے نقوش دیکھ لئے تھے سے گھر لایا اور اپنی بیوی سے کہا کہ بڑا پیارا بچہ مل گیا ہے اس کے آرام و آسائش کا ہر وقت

اس کی کسی طرح دل آزاری نہ ہو۔ اس کی شکل و صورت کسی شاندار مستقبل کی غمازی کر رہی ہوسکتا ہے کسی دن ہمارے لئے یہ مفید ثابت ہو، یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں۔ اس عورت کا اعیل تھا یا زلیخا یہی دوسرا نام زیادہ مشہور ہے۔

ایسے ملک میں جہاں کسی کو یوسف علیہ السلام کے عظیم خانوادے کا علم تک نہ تھا، جسے ی زنجیروں میں جکڑ کر مصر لایا گیا تھا، جسے بیچنے والے بھی ایک بھگوڑا غلام تصور کرتے پھر وہ عام غلاموں کی طرح منڈی میں لایا گیا اور فروخت ہوا اس کے لئے اتنی عزت و ائش کے سامان مہیا فرمادینا، مصری مملکت کے ایک عظیم رئیس کے دل میں اس کے لئے پدرانہ ت بلکہ فدویانہ جذبہ پیدا کردینا۔ اللہ کا ہی کام ہوسکتا ہے۔ (ضیاء القرآن)

تین محترم شخصیات نے عظیم فراست سے کام لیا:

"عزیز مصر" جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق اپنی زوجہ کو کہا کہ اسے عزت واکرام سے ٹھہراؤ۔

دوسری حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکی جس نے اپنی فراست سے موسیٰ علیہ السلام کو طاقتور امین سمجھتے ہوئے اپنے باپ کو مشورہ دیا کہ اے میرے باپ ان کو نوکر رکھ لو بیشک بہتر نوکر وہ جو طاقتور اور امانت دار ہو۔

تیسرے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنی فراست سے اپنا خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔ (روح المعانی)

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بچایا:

"بہلانے پھسلانے لگی انہیں وہ عورت جس کے گھر میں آپ تھے کہ ان سے مطلب براری کرے اور (ایک دن) اس نے تمام دروازے بند کردیئے اور (بصد ناز) کہنے لگی: بس آ بھی جا۔ یوسف (پاکباز) علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی پناہ (یوں نہیں ہوسکتا) وہ (تیرا خاوند) میرا محسن ہے، اس نے مجھے بڑی عزت سے ٹھہرایا ہے۔ بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے اور اس نے تو قصد کرلیا تھا ان کا اور وہ بھی قصد کرتے اس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی روشن دلیل، یوں ہوا تاکہ ہم دور کردیں یوسف سے برائی اور بے حیائی کو، بے شک وہ ہمارے ان

بندوں میں سے تھا جو چن لئے گئے ہیں۔ (پ۱۲ سورۃ یوسف ۲۳۔۲۴)

زلیخا نے اگرچہ چاہا کہ آپ کو گناہوں میں مبتلا کردے لیکن اللہ کے نبی قبل از نبوت بعد از نبوت چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اِس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو واضح اور روشن دلیل دکھا کر پاک وصاف رکھا۔

آپ علیہ السلام نے دلیل کیا دیکھی تھی؟ ایک تو یہ دیکھا کہ وہ عورت دروازے کر کے اپنے ایک بت کو ڈھانپ رہی ہے، وہ جو اس نے اپنا معبود بنا رکھا تھا اور موتی اور یاقوت سے اسے سجا رکھا تھا۔

آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا: تم اسے کیوں ڈھانپ رہی ہو؟ اس نے کہا: اپنے معبود سے شرم آتی ہے کہ وہ مجھے برائی میں مبتلا دیکھے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: تیرا معبود کچھ طاقت بھی نہیں رکھتا، تجھے اس سے شرم آرہی ہے، کیا مجھے اس معبود حقیقی سے شرم نہیں آتی ہر انسان کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے؟ مجھ سے تو اپنی امید وابستہ نہ کر، تو کبھی بھی مجھ سے اپنی حاجت میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ سب سے بڑی روشن دلیل یہ تھی۔

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دکھائی گئی جنہوں نے آپ کو سینہ پر ہاتھ مارا"

"حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ حضرت یوسف کو حضرت یعقوب دکھائی دیئے کہ آپ اپنی انگلیوں کو دانتوں سے کاٹ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں اے یوسف! خیال رکھنا ایسا کام تو بے وقوف کرتے ہیں تمہارا نام تو انبیاء کرام میں لکھا جا چکا ہے" (روح المعانی)

سبحان اللہ! کیسی طاقت اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام کو عطا فرمائی کس طرح وہ اپنے اقرباء اور متوصلین یعنی اپنی امت کے افراد کی امداد کرتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کی برات اور یعقوب علیہ السلام کی امداد کے علم کے بعد بھی اگر کوئی شخص ضد وعناد کی وجہ سے انبیائے کرام کی امداد کا انکار کرتا پھرے تو اس کی اپنی بدقسمتی۔

علامہ رازی فرماتے ہیں ایسی معصیت (یعنی زنا کا ارادہ کرنا) کو اگر اللہ کی مخلوق میں کسی بہت بڑے فاسق کی طرف منسوب کیا جائے اور اسی طرح ایسے شخص کی طرف منسوب کیا جائے جو ہر قسم کے نیک کے کام سے دور رہے تو وہ بھی شرم محسوس کرے تو ایک جلیل القدر رسول جن کو عظیم

معجزات عطا کیے گئے ہوں ان کی طرف اس قسم کے گناہ کو کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے؟

اس کے بعد اور تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جن کا اس واقعہ سے تعلق ہے حضرات ہیں، یوسف علیہ السلام، عزیز مصر کی زوجہ، خود عزیز مصر، مصر کی عورتیں، گواہی دینے اور اللہ رب العالمین جل مجدہ۔ ان تمام نے آپ کے متعلق شہادت دی ہے کہ آپ گناہوں بری ہیں۔ یہاں تک کہ شیطان نے بھی آپ کی برأت کی شہادت دی ہے۔ جب آپ کی پر اتنی گواہیاں موجود ہیں تو مسلمان کو اس میں توقف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں؟ یوسف علیہ السلام نے اپنی پاکدامنی گناہوں سے بری ہونے کا ذکر فرمایا:

"اس عورت نے خواہش کی کہ میں اپنی حفاظت نہ کروں؟ اسی طرح آپ نے کہا"

"اے میرے رب! مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے اس کام (برائی) سے جس کی طرف مجھے یہ بلاتی ہیں"

یوسف علیہ السلام کے یہ ارشادات آپ کی پاک دامنی کو واضح کررہے ہیں۔

تہمت لگانے والی عورت (زلیخا) نے خود بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے بری کا اعتراف کیا، مصر کی عورتوں کے سامنے اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا:

"میں نے اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن اس نے اپنے آپ کو بچالیا"

اسی طرح اس نے اور یہ کہا:

"اب بات کھل گئی کہ میں نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن بے شک وہ سچے ہیں"

عورت کی اس گواہی کے بعد واضح ہوا کہ اس نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو بری قرار دیا۔

اس عورت کے خاوند یعنی عزیز مصر نے کہا:

"یہ تم عورتوں کا مکر ہے بیشک عورتوں کا مکر بہت بڑا ہوتا ہے، اے یوسف تم اس کا خیال نہ کرو اور اے عورت تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ"

یہ یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی پر اس عورت کے خاوند کی گواہی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے باطل عمل اور حرام کام کے ارادہ سے بری ہونے پر گواہ ثابت ہے: کیونکہ شیر خوار بچے کی یہ شہادت ہے:

"اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر یوسف کی

قمیص آگے سے پھٹی ہے تو عورت سچی ہے اور وہ غلطی پر ہیں اور اگر آپ کی
قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو آپ سچے ہیں اور عورت جھوٹی ہے''
آپ کی قمیص تو پیچھے سے پھٹی تھی لہٰذا آپ کی برأت پر گواہی ثابت ہوگئی گواہ بھی
جو اس عورت کے خاندان سے ہے۔ اور ابھی شیر خوار بھی ہے اسی وجہ سے اس عورت کے خاندان
عورت کو مکار کہا:

پھر ان سے دریافت کیا کہ میرے خواب میں قحط سالی کا ذکر ہے اس کے متعلق مجھے
کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا جیسا کہ فرمان ربانی ہے۔

''یوسفؑ نے کہا کہ اے مملکت کے خزانوں پر مجھے مختار کر دیں۔ میں حفاظت
کر سکتا ہوں''

چنانچہ بادشاہ نے ایسے ہی کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی تمام مملکت کا امین اور
کفیل بنا دیا۔ اور شاہی خزانوں کی کنجیاں ان کے حوالے کر دیں اور عام مختار بنا دیا۔

خداوند قدوس کی شان تو دیکھو کہ ایک وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو کنعان کے
جنگلات میں بے کسی کی حالت میں بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا۔ اس کے بعد غلامی کی حالت
میں تاجروں میں ناقص اور کم قیمت میں فروخت ہو کر پھر مصر کے بازاروں میں فروخت ہوئے پھر
ایک امیر عزیز مصر کے گھر کے مختار کل ہو گئے۔ پھر مجرموں کی طرح قید خانہ میں جانا اور کوئی مدت
جیل میں گزار کر آج شاہی خزانوں کا مختار کل بننا۔ چند دنوں کے بعد پوری حکومت عطا فرمانا یہ
قدرت کی طرف سے عنایت ہے۔

''یہ خدا کا فضل ہے جس کو عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے''
پروردگار عالم جل جلالہٗ کا فرمان ہے۔

وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ. (قصص القرآن)

''اور اسی طرح ہم نے حضرت یوسفؑ کے قدم سرزمین مصر میں جمائے''

بادشاہ روم نے ایک آدمی کو بہت مال و دولت دے کر مصر کو روانہ کیا کہ یہ مال و دولت
دے کر بادشاہ مصر کے باورچی اور ساقی کو راضی کر کے بادشاہ کو زہر کھلائی جائے ساقی نے بات نہ
مانی۔ کسی طرح بادشاہ کو خبر ہو گئی۔ دونوں کو قید خانہ میں بھیج دیا۔ پھر انہوں نے خواب دیکھا جس کا ذکر
ہو چکا ہے۔ بہر حال جب بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلوایا تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے
مصر کی ان عورتوں سے حال دریافت کرو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔ یہ بات سن کر بادشاہ

حیران ہوا اور ساقی سے دریافت کیا۔ ساقی نے کہا کہ وہ عبرانی غلام ہے نہایت ہی حسین۔ اس کو
عزیز مصر نے مالک سے خریدا تھا۔ پھر تمام کیفیت اس کے قید ہونے کی سنائی۔ پھر بادشاہ ریان بن
ولید نے جیل خانہ کے انچارج سے دریافت کیا۔ انچارج نے کہا کہ عزیز مصر نے اس کو قید کیا ہے اور
حضرت یوسف علیہ السلام ہر دن روزہ رکھتے ہیں اور رات کو عبادت میں رہتے ہیں اور جو کھانا انہیں
دیا جاتا ہے دو لقمے خود تناول فرماتے ہیں باقی محتاجوں میں تقسیم کر دیتے ہیں،

پھر بادشاہ نے عزیز مصر کو بلایا اور اس سے پوری کیفیت دریافت کی۔ عزیز مصر نے
اصلی بات کو چھپا کر کہا کہ میں نے اس غلام کو خرید کر فرزندی میں رکھا تھا۔ اس سے خیانت ہو گئی
اس واسطے میں نے اس کو قید کر دیا۔ پھر ان عورتوں کو بادشاہ نے اپنے دربار میں بلایا۔ جنہوں نے
اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔ جب عورتوں نے کہا معاذ اللہ ہم نے حضرت یوسفؑ میں تو کوئی بدی بھی
نہیں دیکھی۔ وہ بالکل ہمارا مکر اور فریب تھا۔ پھر بادشاہ نے بی بی زلیخا کو بلایا اور تمام حالات
دریافت کئے۔ بی بی زلیخا نے بھی اقرار کیا کہ میں نے خود اس کو اپنی طرف بلایا اور وہ اپنی بات
میں سچا ہے۔ جب عصمت اور طہارت حضرت یوسف علیہ السلام کی ظاہر ہو گئی تب بادشاہ نے اپنے
خاص مقرب آدمی کو حضرت یوسف علیہ السلام کے بلانے کے واسطے روانہ کیا اور تمام حقیقت صفائی
کی سنائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ کام میں نے اس لئے کرایا تھا کہ عزیز مصر کو
معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی خیانت نہیں کی۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے بڑی عزت
کے ساتھ زندان سے نکلتے وقت قیدیوں کے لئے دعائے خیر کی۔ حضرت یوسف علیہ السلام غسل
کر کے بہترین لباس پہن کر شاہی گھوڑے پر سوار ہو کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ جب
بادشاہ کی نظر حضرت یوسف علیہ السلام پر پڑی تو بے اختیار ہو کر بادشاہ کی زبان سے یہ بات نکلی
کہ یہ مکرم روح یا فرشتہ مجسم ہے۔ نہ کسی نے ایسا شخص دیکھا نہ سنا۔ بادشاہ نے بڑی عزت سے
مکان میں بٹھایا۔ بات چیت کے ہونے میں بھی بڑے کمالات نظر آئے۔ پھر بادشاہ نے عرض کیا
کہ میرے خواب کی تعبیر اپنی زبان سے مجھے سنائیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر
اجازت ہو تو میں آپ کا خواب ہی پہلے مفصل طریقے سے بیان کروں۔ بعد میں اس کی تعبیر بیان
کروں۔ بادشاہ کو یہ بات زیادہ پسند آئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ بادشاہ نے خواب یوں دیکھا ہے کہ سات
گائیں فربہ سفید اور سیاہ آنکھوں والی سبز رنگ دریائے نیل کے کنارے میں ظاہر ہوئیں۔ انکے
حسن اور خوبصورتی سے بادشاہ تعجب میں رہا۔ اسی عرصے میں دریائے نیل کا پانی خشک ہوا اور

سوائے کیچڑ کے کچھ بھی نہ رہا۔اس کیچڑ میں سات گائیں تھیں جن کا پیٹ پیٹھ سے ملا تھا اور پھر وہ
سب گائیں آپس میں ملیں۔وہ دبلی گائیں موٹیوں پر غالب آ گئیں۔ان کی ہڈیاں توڑ کر گوشت
پوست سب کھا گئیں۔

جب بادشاہ نے یوسف علیہ السلام سے سچائی اپنے خواب کے بارے میں سنی تو حضرت
یوسفؑ کی محبت بادشاہ کے دل میں بیٹھ گئی کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بزرگی اور بڑائی
معلوم ہوگئی۔پھر یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ بادشاہ ان گائیوں کو تعجب سے دیکھ رہا تھا کہ اسی
وقت سات خوشے تر اور سات خشک ایک ہی جگہ سے نکلے اور جڑ سب کی پانی اور مٹی میں مضبوط
تھی۔بادشاہ اس خیال میں ہے کہ مقام تو سب کا ایک ہے۔پھر سیاہی و سبزی اور خشکی کیوں
ہے،اسی وقت ایک ہوا چلی پھر وہ خشک خوشے اور سبز آپس میں ملے اور سبزی کا اثر چلا گیا سب
خشک ہوگئے۔

بادشاہ نے یہ بیان یوسف علیہ السلام سے سنا تو کہا" واللہ تیرا کہنا بے کم و کاست
ہے۔تعبیر تو پہلے ہی ہو چکی تھی۔بادشاہ نے کہا اب اس کا کیا بندوبست ہونا چاہیے تو یوسف علیہ
السلام نے فرمایا کہ تمام ملک مصر میں دہقانوں کو کوشش سے زراعت کرنے کا حکم صادر کرو،اگر
سستی ہوئی تو بڑا نقصان ہوگا۔سات سال کی پیداوار میں قوت لایموت کا خرچ کریں۔باقی غلہ
بمع خوشوں کے جمع کریں۔بادشاہ ریان یہ باتیں سن کر حیران ہوا،اور کہا کہ یہ عظیم الشان کام کس
کے حوالے کروں،تو حضرت یوسفؑ نے فرمایا یہ امر عظمیٰ میرے حوالے کردے۔بادشاہ نے خوشی
سے یہ کام حضرت یوسفؑ کے سپرد کردیا ، بلکہ ملک کے تمام خزانوں پر متصرف کردیا۔پھر عزیز
مصر فوت ہوگیا۔اس کے بعد یوسف کو مختار کل بنادیا گیا۔

(القصہ) یوسف علیہ السلام نے ایک وسیع مکان بنوایا اور تمام ملک سے محصول قلیل و
کثیر جمع کر کے اس مکان کو بھر دیا۔اس طرح سات سالوں کے لئے پیداوار جمع ہوگئی۔پھر قحط
شروع ہوگیا۔سات سال کا کچھ بھی کسی کے پاس نہ رہا۔بھوک کی شدت میں ساری دنیا مبتلا
ہوگئی۔خود حضرت یوسف علیہ السلام نے کبھی بھی پیٹ بھر کر نہ کھایا۔مسکینوں ،غریبوں کو کھلاتے
رہے۔غنی اور فقیر سب دبلے ہوگئے۔جو لوگوں کا مال و متاع تھا سب ختم ہوگیا تو مصر کے سب
لوگوں نے اپنی جان کو غلامی میں دے کر کھانا پینا شروع کیا۔سب لوگ مصر کے حضرت یوسف علیہ
السلام کے غلام ہوگئے۔لیکن یوسفؑ نے قحط کے ختم ہونے پر لوگوں کو آزاد کردیا۔

برادران یوسفؑ

جب قحط کا اثر تمام ملک میں عام ہوگیا تو پتہ چلا کہ مصر میں غلہ ملتا ہے۔پھر غلہ کے لئے
قافلہ کنعان کا مصر جانے لگا۔تو برادران یوسف علیہ السلام نے بھی اپنے والد حضرت یعقوب علیہ
السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ مصر میں عزیز مصر نے غلہ کا انبار کھولا ہے اجازت ہو تو ہم بھی جو
کچھ ہمارے پاس ہے لے کر جائیں۔حضرت یعقوب علیہ السلام نے اجازت دے دی بغیر
بنیامین کے سب بھائی اپنی اپنی اونٹنیوں پر سوار ہو کر مصر چلے گئے (روضۃ الاصفیا)

"اور اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو ملک کا قبضہ دیا"

الغرض شاہ مصر ریان بن ولید نے سلطنت مصر کی وزارت آپ کو دے دی۔پہلے اس
عہدے پر بی بی زلیخا کا خاوند تھا جس نے آپ کو خریدا تھا۔آخر بادشاہ مصر آپ کے ہاتھ پر ایمان
لایا۔ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کو خریدنے والے کا نام اطغر تھا۔یہ انہی دنوں میں
انتقال کرگیا۔

دائرۃ المعارف میں ہے کہ بادشاہ نے بغیر تخت شاہی کے سب کام حضرت یوسف علیہ
السلام کے سپرد کردیئے اور اپنی انگلی کے انگوٹھی نکال کر حضرت یوسف علیہ السلام کی انگلی پر پہنادی
اس وقت آپ کی عمر مبارک تیس سال تھی حضرت یوسفؑ نے سب انتظام شروع کردیا اور مصر کی سر
زمین پر حاکم متصرف ہوگئے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عزیز کی بیوی راستے میں کھڑی تھی
ادھر سے حضرت یوسف علیہ السلام کی سواری نکلی تو بے ساختہ بیوی کے منہ سے یہ بات نکلی کہ الحمد
للہ شان خدا پہ قربان جایئے کہ جس نے اپنی فرمانبرداری کی وجہ سے غلاموں کو بادشاہ کردیا اور
نافرمانی کی وجہ سے بادشاہوں کو غلام بنادیا۔اس کے بعد بادشاہ نے عزیز کی زوجہ راعیل جس کو
زلیخا کہتے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام سے نکاح کردیا۔جب آپؑ ان سے ملے تو فرمایا کہو کیا یہ
تمہارے اس ارادے سے بہتر نہیں۔

انہوں نے جواب دیا کہ اے صدیق مجھے ملامت نہ کرو۔آپ کو معلوم ہے کہ حسن
خوبصورتی والی اور دھن دولت والی عورت تھی۔میرے خاوند قوت مردمی سے محروم تھے یعنی نامرد
تھے وہ مجھ سے مل ہی نہ سکتے تھے اور ادھر آپ کو قدرت نے جس فیاضی سے دولت حسن کے ساتھ
مالا مال کیا ہے وہ بھی ظاہر ہے پس مجھے آپ ملامت نہ کیجئے۔کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ

السلام نے انہیں کنواری پایا۔ پھران کے بطن مبارک سے دولڑکے ہوئے جن کے نام افرہیم اور منشاء تھا۔ افرائیم کے ہاں نون پیدا ہوئے جو حضرت یوشع علیہ السلام کے والد تھے اور ایک صاحبزادی ہوئی جس کا نام رحمت تھا جو حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت یوسف علیہ السلام نے سات سال تک تو وزیر کی حیثیت سے غلہ اناج جمع کیا۔ جب قحط عام پھیل گیا۔ اور کنعان وغیرہ تک قحط کا اثر جا پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام ہر بیرونی آدمی کو ایک اونٹ کا بوجھ غلہ عنایت کرتے تھے اور خود اور لشکر وغیرہ صرف ایک ہی بار دوپہر کے وقت ایک آدھ نوالہ کھالیتے۔ اور اہل مصر کو پیٹ بھر کر کھلاتے تھے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا اور وہ نہ پہچانتے تھے۔ جیسا کہ فرمان ہے۔

''اور یوسفؑ کے بھائی آئے پس یوسف کے پاس گئے تو اس نے انہیں پہچان لیا اور انہوں نے اس کو نہ پہچانا''

جب برداران یوسفؑ والد کی اجازت سے مصر پہنچے تو آپ نے بیک نگاہ ان کو پہچان لیا اور ان میں سے کسی نے بھی آپ کو نہ پہچانا۔ کیونکہ آپ ان سے بچپن میں جدا ہوئے تھے۔ اور انہوں نے سوداگروں کے ہاں فروخت کردیا تھا۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ وہ بچہ جسے غلامی کی حالت میں بیچ دیا آج وہ عزیز مصر کیسے بن سکتا ہے۔ ادھر حضرت یوسفؑ نے طرز گفتگو بھی اس انداز سے کی کہ تم لوگ کہاں کے رہنے والے ہو اور میرے ملک میں کیسے آگئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ غلہ عطا فرماتے ہیں آپؐ نے فرمایا مجھے شک ہے کہ تم کہیں جاسوس نہ ہو۔

انہوں نے جواب دیا کہ معاذ اللہ ہم جاسوس نہیں ہیں۔ ہم کنعان کے رہنے والے ہیں اور ہمارا والد صاحب یعقوبؑ نبی اللہ ہے۔ ہمارے باپ دادا منازل شناس معجزہ ذبیح اللہ اور آزمائش خلیل اللہ آپ کی سمع مبارک میں پہنچی ہوگی اور ہمارا باپ رفیع القدر نسل ابراہیم خلیل اللہ سے ہے۔ اور لقب اسرائیل اللہ ہے۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا تمہارا والد زندہ ہے؟ کہا ابھی تک ہمارے والد صاحب حیات ہیں۔ فرمایا تم سب کتنے بھائی ہو؟ کہا ہم بارہ بھائی تھے۔ ایک نہایت خوبصورت جو نبوت کے لائق تھا ایک دن ہماری محبت میں جنگل کے تماشے کو گیا تھا۔ ہم سے غائب ہوا تو بھیڑیا اس کو لے گیا۔ جب باپ کو خبر ہوئی رضا بر قضا ہو کر گوشہ گیری اختیار کی اور اس کے حقیقی بھائی کو اپنے حضور میں رکھ کر غم سے تسلی حاصل کرتا ہے۔ برداران

یوسف علیہ السلام جس وقت پہنچے تھے اس وقت یوسف علیہ السلام سریر عظمت اور مسند عزت پر بیٹھے تھے۔ بادشاہوں کا لباس پہنے ہوئے طوق طلائی گردن مبارک میں ڈالا تھا۔ بھائیوں کے خواب وخیال میں بھی یہ نہ تھا کہ یہ یوسف ہے۔ (روضۃ الاصفیا)

بہر حال تمام حالات معلوم کرنے کے بعد حضرت یوسفؑ نے حکم دیا کہ ان کو سرکاری مہمان سمجھا جائے اور اچھی خاطر داری کی جائے اور اچھی جگہ ٹھہرایا جائے۔ پھران کے برتن غلے سے بھر دیئے اور ان کو تیار کیا جتنا غلہ ان کے جانور اٹھا سکتے تھے بوریوں میں بھر دیا۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ دوبارہ پھر اپنے بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لاؤ تم نہیں دیکھتے کہ میں نے تمہاری کیسی خاطر تواضع کی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

''جب یوسفؑ نے ان کو ان کا اسباب مہیا کردیا تو فرمایا کہ تم میرے پاس اس بھائی کو بھی لاؤ جو وہاں رہ گیا ہے۔ کیا آپ لوگوں نے غور نہیں کیا کہ میں نے ناپ تول میں کوئی کمی نہیں کی اور میں بہترین مہمانی کرنے والا ہوں اور اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے ت میری طرف سے تم لوگوں کو غلہ بالکل نہ ملے گا بلکہ تم میرے قریب بھی نہ آنا''۔ (سورہ یوسف)

حضرت یوسف علیہ السلام نے پہلے ان کو لالچ دیا پھر ڈرایا دھمکایا کہ کسی طرح یہ بھائی کو ساتھ لائیں۔ بھائیوں نے کہا ہماری پوری کوشش ہوگی کہ والد صاحب اس کو اجازت دیں اور ہم آپ کے پاس اس کو لا حاضر کردیں۔ اس واقعہ کو قرآن پاک نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

''انہوں نے کہا ہم والد صاحب سے اس بارے میں بات چیت کر کے پوری کوشش کریں گے''

جب کوچ کی تیاری ہونے لگی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے نوکروں کو اشارہ کیا کہ ان کا اسباب جس کے عوض انہوں نے غلہ خریدا ہے وہ بھی انہیں اس خوبصورتی سے واپس کردو کہ انہیں معلوم تک نہ ہو جیسا کہ فرمان ربی ہے۔

''اور آپ نے اپنے خدمت گزاروں سے فرمایا کہ ان کی پونجیاں ان کی بوریوں میں رکھ دو۔ جب یہ اپنے گھر کو جائیں اور اپنی پونجیوں کو پہچانیں تو بہت ممکن ہے کہ یہ لوٹ کر پھر آئیں''۔ (سورہ یوسف)

حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ خیال ہوا ہوگا کہ والد اور بھائیوں سے غلہ کی قیمت نہ لینا چاہیئے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گھر میں اناج کھولیں گے تو ہماری چیز کو دیکھ پھر واپس لائیں۔ اس

بہانے سے بھائی کی ملاقات بھی ہو جائے گی۔ (ابن کثیر)

جب یہ قافلہ واپس کنعان پہنچا تو بھائیوں نے اپنی تمام سرگزشت والد صاحب کو سنائی اور عرض کی کہ والی مصر نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اس وقت تک میرے پاس نہ آنا جب تک اپنے سوتیلے بھائی بن یامین کو ساتھ نہ لے آؤ۔ اس لئے آپ سے التجا ہے کہ چھوٹے بھائی کو ہمارے ساتھ روانہ کردو ہم اس کی نگہبانی اور حفاظت کرتے رہیں گے اور اس طرح ایک اونٹ کا بوجھ غلہ بھی زیادہ لائیں گے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

''جب یہ لوٹ کر اپنے والد کے پاس گئے تو کہنے لگے کہ ہم سے تو غلہ کا پیمانہ روک لیا گیا ہے آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ روانہ فرما دیں تا کہ ہم پیمانہ نہ بھر کر لائیں اور اس کی حفاظت کرتے رہیں گے''

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ میں تم پر ایسا ہی اعتماد کروں گا جس طرح اس کے بھائی یوسف کے بارے میں کر چکا ہوں۔ تمہاری کیا حفاظت ہے۔ خداتعالیٰ ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

''حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ میں بنیامین کے بارے میں ویسا ہی اعتماد کروں گا جیسے اس سے قبل اس کے بھائی یوسف کے بارے میں کر چکا ہوں۔ پس اللہ ہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے''

اس گفتگو سے فارغ ہو کر انہوں نے اپنا سامان کھولنا شروع کیا اور دیکھا کہ ان کی پونجی بھی واپس کردی گئی ہے۔ یہ دیکھ کر پھر کہنے لگے اے ابا جان ہمیں اس سے زیادہ کیا چاہیے؟ دیکھئے غلہ بھی ملا اور ہماری پونجی جیسی تھی واپس ہی لوٹا دی گئی۔ اسنے تو ہم سے قیمت بھی نہ لی۔ اب ہمیں اجازت ہو کہ ہم بھائی کو ہمراہ لے کر دوبارہ اس کے پاس جائیں اور گھر والوں کے لئے غلہ بھی لائیں اور والی مصر سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کریں۔

روایت میں ہے کہ برادران یوسفؑ اور حضرت یعقوبؑ پونجی کو دیکھ کر ڈر گئے تھے کہ نہ معلوم اب کیا نئی آفت آنے والی ہے۔ مگر واقعات کی ترتیب اور حضرت یوسفؑ کے طرز عمل کے پیش نظر جس کا توریت اور قرآن مجید میں یکساں طور پر ذکر کیا گیا ہے یہی درست ہے کہ برادران یوسفؑ خود اپنے ہاتھ سے غلہ کی قیمت ادا کر چکے تھے۔ اس لین دین کے بعد قافلہ روانہ ہوا تھا۔ پھر ہر بھائی کے کجاوہ میں الگ الگ اس کی قیمت کی واپسی ہر عقل مند کے لئے رہنمائی کرتی ہے کہ جس طرح والی مصر نے دوران قیام مصر ہمارا اعزاز کیا ہے اسی طرح یہ پونجی بھی واپس کردی

اور منت اور احسان سے بچنے کے لئے اس کا اظہار بھی مناسب نہ سمجھا۔

بہر حال حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ہرگز بنیامین کو تمہارے ساتھ روانہ نہ کروں گا جب تک تم اللہ کے نام پر مجھ سے عہد نہ کرو گے۔ وہ یہ کہ جب تک ہم سب کے سب گھِر نہ لئے گئے تو ہم ضرور اس کو آپ کے پاس صحیح سلامت لائیں گے۔ پھر جب سب نے متفق ہو کر والد بزرگوار کے روبرو پختہ عہد کر لیا اور آپ کو ہر طرح اطمینان دلایا تو تب آپ نے فرمایا کہ یہ سب کچھ محض اسباب ظاہری پر ہے ورنہ کیا تم اور کیا تمہاری حفاظت۔ اور کیا ہم اور کیا ہمارا عہد۔ ہم سب اس معاملہ کو اللہ کی نگہبانی میں دینا چاہتے ہیں۔ اور فرمایا۔

''ہم نے جو قول و اقرار کیا ہے اس پر اللہ نگہبان ہے''

اس عہد و پیمان کے بعد برادران یوسفؑ کا قافلہ دوبارہ مصر کو روانہ ہوا۔ اور بنیامین بھی ہمراہ ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کچھ میوے اور روغن بلسان اور شہد اور گرم مصالح ہدیہ کے طور پر دیئے۔ والد بزرگوار نے رخصت کرتے وقت روتے ہوئے نصیحت فرمائی جس کا قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر ہے۔

''فرمانے لگے کہ اے میرے بیٹو! تم سب ایک دروازے سے نہ داخل ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے جدا جدا داخل ہونا میں خدا کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو تم سے نہیں ٹال سکتا۔ صرف حکم اللہ ہی کا ہے میرا کامل بھروسہ اس پر ہے اور ہر بھروسہ کرنے والے کو اس پر بھروسہ کرنا چاہیے''

میں نے جو کچھ کہا ہے وہ احتیاطی تدابیر کے طور پر ہے اور یقینی بات اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے آنسو بہائے اور دعاؤں اور نیک نصیحت کے ساتھ اپنے بیٹوں کو رخصت فرمایا۔ چونکہ آپ کے تمام بیٹے تنومند طاقتور اور جوان تھے اس لئے نظر بد سے بچنے کے لئے یہ تدبیر بطور نصیحت فرما دی کہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا۔ اس لئے کہ نظر بد حق ہے۔ یہ گھوڑے سوار کو بھی گرا دیتی ہے۔ جہاں تک قضاء الٰہی کا تعلق ہے اس سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اللہ کا ارادہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ چنانچہ بیٹے اپنے والد بزرگوار کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے مصر میں الگ الگ دروازوں سے دو دو ہو کر داخل ہو گئے۔

''جب وہ انہی راستوں سے گئے جن کا حکم ان کے والد نے کیا تھا۔ خدا نے جو بات مقرر کر دی تھی اس سے ذرا نہ بچا سکے۔ ہاں حضرت یعقوبؑ نے اپنے ضمیر کے ایک خطرے کو سرانجام دیا اور وہ ہمارے سکھلائے ہوئے علم کے عالم

تھے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''

ابن کثیر سے نقل ہے کہ برادران یوسفؑ نے اپنے والد بزرگوار سے درخواست کی تو اور حضرت یعقوبؑ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دستار جو تبرکاً حضرت یعقوبؑ کے پاس تھی وہ بھی حضرت یوسفؑ کے لئے بطریق ہدیہ اپنے بیٹوں کے ہاتھ روانہ کردی۔ تمام بھائی والد صاحب کی وصیت کے مطابق متفرق دروازوں سے داخل ہو کر مہمان سرائے میں جہاں حضرت شمعون تھے پہنچے اور رات گزارنے کے بعد صبح کو عزیز مصر کے دربار میں حاضر ہوئے۔ حضرت یوسفؑ کو خبر ہوئی کہ وہ عبرانی مہمان آئے ہوئے ہیں تو آپؑ نے ان کا استقبال کیا۔ انہوں نے والد بزرگوار کا تحفہ دستار اور درخواست خدمت میں پیش کی اور آپؑ نے اپنے نوکروں سے فرمایا کہ ان کی خوب عزت وخاطر مدارت کرو۔

پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے ابا جان کے تمام حالات معلوم کر لئے۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک ایک دستر خوان پر دو دو بھائی بیٹھو۔ سب بھائی دو دو ہو کر بیٹھ گئے۔ بن یامین اکیلا رہ گیا۔ ایک خوان بنیامین کے آگے رکھا گیا تو وہ آبدیدہ ہوگئے۔ یہ سب کچھ حضرت یوسفؑ پردے کے پیچھے سے دیکھ رہے تھے۔ آپ شفقت برادری سے بیتاب ہوئے اور بنیامین کو اندر اپنے پاس بلا لیا اور ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ میں تیرے گم شدہ بھائی یوسف کی جگہ ہوں۔ بنیامین نے کہا کہ آپ کا مرتبہ تو عالی ہے لیکن اگر عزیز کی نسبت ابراہیمی ہوتی تو تب یہ حسرت مٹ سکتی تھی۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا تعارف کرایا اور فرمایا کہ راز بھائیوں سے پوشیدہ رہے۔ جب تک یہ اپنی غلطی کا اقرار نہ کرلیں۔ بنیامین کہنے لگے کہ میں اب مصر سے باہر ہرگز نہ جاؤں گا۔ اب تو میں آپ کی لمحہ بھر جدائی بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ (روضۃ الاصفیاء)

توریت میں ہے کہ جب بائیوں نے والد صاحب کا رقعہ اور دستار مبارک حضرت یوسفؑ کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے بھائیوں کی بڑی خاطر مدارت کی اور نوکروں سے فرمایا کہ ان کو شاہی مہمان خانہ میں اتاریں اور ان کے لئے پرتکلف دعوت کا سامان کریں۔ چند روز قیام کرنے کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے حکم فرمایا کہان کے اونٹوں کو اتنا لادو جتنا وہ اٹھا سکیں۔ اور ساتھ ہی بنیامین کو روکنے کے لئے کوئی حیلہ بھی تلاش کرتے رہے اور اپنے ہوشیار ملازموں کو ارشاد فرمایا کہ چپکے سے شاہی پیالہ بنیامین کے سامان میں رکھ دو۔ (قصص القرآن)

ارشاد ربانی ہے:

پھر جب انہیں ان کا سامان ٹھیک کر کے دے دیا تو اپنے بھائی کے سامان میں پانی کا پیالہ رکھ دیا۔ پھر ایک آواز دینے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلے والو! تم چور ہو۔ انہوں نے ان کی جانب منہ پھیر کر کہا کہ تمہاری کیا چیز کھوگئی ہے؟ تو جواب ملا کہ شاہی جام گم ہے جو کوئی اسے لائے اسے ایک بوجھ کا غلہ ملے گا اور میں اس وعدے کا ضامن ہوں۔ انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم تم خوب جانتے ہو کہ ہم زمین میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں تو انہوں نے کہا چور کی کیا سزا ہے؟ اگر تم جھوٹے ثابت ہوگئے تو انہوں نے جواب دیا کہ جس کے سامان سے پیالہ مل جائے وہ ہی اس کی جزا ہے۔ ہم یہ ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کے شلیتوں کی تلاشی شروع کردی گئی۔ اپنے بھائی کے شلیتے سے پہلے پھر وہ پیالہ اپنے بھائی کے شلیتے سے نکال لیا۔ یہ تدبیر حضرت یوسفؑ کے لئے ہم نے کی تھی ورنہ وہ بادشاہ کے قانون کے رو سے اپنے بھائی کو نہ روک سکتے تھے۔ مگر یہ کہ خدا کو منظور ہوا ہم جسے چاہیں بلند درجات عطا کردیتے ہیں اور ہر جاننے والے سے اوپر ایک جاننے والا ہے۔ (سورہ یوسف)

یہ نیا حادثہ سن کر برادران یوسفؑ سکتے میں آگئے۔ اور کہنے لگے کہ تم ہمیں اچھی طرح جان چکے ہو اور ہماری عادات اور خصائل سے بھی واقف ہو چکے ہو۔ ہم فساد برپا کرنے والے نہیں کہ دوسرے ملک میں آکر بھی چوریاں کرتے پھریں۔ شاہی ملازموں نے ان پہ حجت قائم کی کہ اگر تم جھوٹے ثابت ہوگئے تو پھر کیا ہوگا؟ تو کہنے لگے کہ دین ابراہیمی کے مطابق اس کی سزا یہ ہے کہ چور کو اس کے سپرد کردیا جائے جس کا مال چرایا ہے۔ اس طرح حضرت یوسفؑ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے اور بنیامین کے اسباب سے پیالہ برآمد کرلیا گیا اور تلاشی بھی اس طرح لی گئی کہ بنیامین کا سامان درمیان رکھا گیا۔ پہلے دوسرے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی گئی۔ درمیان میں حضرت بنیامین کے سامان کی تلاشی لی گئی تاکہ کسی کو اس بارے میں شبہ نہ ہو۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو روکنے کا حکم صادر فرمایا۔ یہ وہ تدبیر تھی جو جناب باری تعالیٰ نے آپ کو سکھائی۔ اور چونکہ تمام بھائی متفقہ طور پر خود ہی فیصلہ کر چکے تھے اس لئے آپؑ نے انہی کا فیصلہ یہاں صادر فرمایا۔ جب بنیامین پر چوری ثابت ہوگئی تو غصے میں آکر کہنے لگے کہ اس کا بھائی بھی چور تھا۔

''کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے قبل اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے یوسف نے اس بات کو دل میں رکھ لیا اور ان کے سامنے بالکل ظاہر نہ کیا اور فرمایا کہ تم گھٹیا درجہ کے انسان ہو اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو''

حضرت یعقوب علیہ السلام کی ایک بڑی بہن تھی جن کے پاس اپنے والد حضرت

اسحاق علیہ السلام کا ایک کمر بند تھا۔ کمر بند خاندان کے بڑے آدمی کے پاس رہا کرتا تھا۔ حضرت یوسفؑ ابتدا ہی سے ان پھوپھی صاحبہ کی پرورش میں رہے تھے۔ انہیں حضرت یوسف علیہ السلام سے بے انتہا محبت تھی۔ جب آپ بڑے ہوگئے تو والد صاحبنے آپ کو لے جانا چاہا۔ مگر ہمشیرہ نے آپ کی جدائی کو ناقابل برداشت بیان کرتے ہوئے بھیجنے سے انکار کردیا اور ادھر والد صاحب کا اشتیاق بھی حد سے گزر چکا تھا۔ ہمشیرہ کہنے لگی کہ کچھ دنوں کے لئے چھوڑ دو پھر لے جانا۔ اسی اثنا میں انہوں نے وہی کمر بند حضرت یوسفؑ کے کپڑوں میں چھپا دیا پھر اس کی تلاش میں سارا گھر چھان مارا لیکن نہ ملا۔ پھر حضرت یوسف کے کپڑوں سے برآمد ہوا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو خبر ہوئی تو آپ کو ملت ابراہیمی کے مطابق ایک سال کے لئے پھوپھی کی تحویل میں دے دیا۔ اس طرح پھوپھی نے اپنا شوق پورا کیا۔ پھر پھوپھی کے انتقال کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام آپ کو گھر لے آئے۔ تو بھائیوں نے غصے میں آ کر اس واقعے کو بھی چوری قرار دیتے ہوئے بطور طعنہ کہا کہ اس کا بھائی بھی چور قرار دیتے ہوئے بطور طعنہ کہا کہ اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔ جس کے جواب میں چپکے سے حضرت یوسفؑ نے اپنے دل میں فرمایا کہ تم بڑے خانہ خراب ہو۔ اس کے بھائی کی چوری کا حال اللہ خوب جانتا ہے (ابن کثیر)

اس طرح بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کے روبرو آپؑ پر چوری کا الزام لگایا۔ لیکن آپ نے اس کو ضبط کیا اور اس راز کو افشانہ ہونے دیا۔ جب بھائیوں کو والد صاحب کا عہد و پیمان یاد آیا تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کس طرح منت خوشامد کر کے بنیامین کو حاصل کیا جائے۔ چنانچہ تمام بھائی عزیز مصر کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے والد صاحب بہت ضعیف ہیں۔ ان کو پہلے بھائی کا بھی بے حد صدمہ ہے اور وہ بنیامین کو آنکھوں سے دور نہیں کر سکتے۔ آپ ان پر رحم کیجئے۔ آپ ہم سے ایک کو روک لیجئے یہ بھی آپ کی بہت بڑی مہربانی ہوگی۔ عزیز مصر نے جواب دیا معاذ اللہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اس طرح کرنے سے تو ہم ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔ جب اس بات سے بھی ناکام ہوگئے تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ بنیامین کے بغیر والد کے سامنے ہرگز نہیں جا سکتے کوئی تدبیر کرنی چاہیے پہلے بھی ہم سخت خطا کاری کر چکے ہیں۔ اور والد کے سامنے کیسے جائیں گے اور کیا جواب دیں گے۔

جب بنیامین کے پاس سے شاہی مال برآمد ہوا اور ان کے اپنے اقرار کے مطابق شاہی قیدی ٹھہر چکے تھے تو اب انہیں رنج ہونے لگا۔ عزیز مصر کو پرچانے لگے اور اسے رحم دلا۔ کے لئے کہا کہ ان کے والد ان کے بڑے ہی دلدادہ ہیں۔ ضعیف اور بوڑھے شخص ہیں ان کا ایک

بھائی جو پہلے ہی سے گم ہو چکا ہے جس کے صدمہ سے وہ پہلے سے چور ہیں۔ اب جو یہ بات سنیں گے تو ڈر ہے کہ زندہ نہ رہ سکیں۔ آپ ہم میں سے کسی کو اس کے قائم مقام اپنے پاس رکھ لیں اور اسے چھوڑ دیں، آپ بڑے ہی محسن اور مہربان ہیں یہ اتنی عرض ہماری منظور فرمالیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بھلا ظلم کیسے ہوسکتا ہے کہ چور کو چھوڑ دیں اور بے گناہ کو پکڑ لیں۔ یہ تو صریح ناانصافی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

"کہنے لگے کہ اے عزیز مصر اس کے والد بہت بڑی عمر کے بالکل بوڑھے شخص ہیں آپ اس کے بدلے ہم میں سے کسی کو لے لیجئے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بڑے محسن شخص ہیں۔ یوسفؑ نے کہا کہ ہم نے جس کے پاس سے اپنا مال پایا ہے اس کے سوا دوسرے کو گرفتار کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں ایسا کرنے سے تو ہم یقیناً ناانصاف ہو جائیں گے" (سورہ یوسف)

اور ساتھ ہی بنیامین پر غصے ہوئے اور کہنے لگے یہ کیا کیا۔ اور کہا کہ باپ ہمارا روحانیوں کا امین اور آسمانیوں کا ہمنشین ہے۔ تجھے شرم نہ آئی یہ تو نے کیا کیا؟ اپنی عصمت کو خیانت سے ملوث کیا۔ بن یامین نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے بالکل اس کی خبر ہی نہیں پھر انہوں نے کہا کہ اگر تو نے یہ کام نہیں کیا تو تیرے سامان سے کیسے نکلا بنیامین نے کہا کہ یہ پیالہ اس نے رکھا ہوگا جس نے تمہارے سامان میں تمہاری پونجی رکھی تھی۔ روبیل نے کہا کہ سچ ہے پتہ نہیں عزیز مصر کو اس راز میں کیا بازی منظور ہے۔ ملازم حضرت یوسفؑ علیہ السلام کے حکم کے مطابق بن یامین کو پکڑ کر لے گئے۔ بھائی بھی بنا چاری سے واپس ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار میں جا پہنچے۔ وہاں جا کر غضبناک ہوئے۔ شمعون نے آگے بڑھ کر کہا کہ اے بادشاہ ابھی میں ایک نعرہ ماروں گا تو تمام شہروں کی تمام حاملہ عورتوں کے حمل ضائع ہو جائیں گے۔ یہودا نے کہا کہ اپنے پنجہ قدرت سے شیر کا پوست چیر ڈالوں گا اور ہاتھی کے دانت اکھاڑ دوں گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں کا زور معلوم تھا۔ جب وہ غصے میں آئے تو حضرت یوسفؑ نے اپنے بیٹے افراہیم سے کہا کہ یہودا اور شمعون کی پیٹھوں پر اپنا ہاتھ لگا۔ چنانچہ اس نے ایسا کیا تو ان کا غصہ ختم ہوگیا۔

"بارے میں ایک سخت کوتاہی کر چکے ہیں یہاں سے ہرگز نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ میرے والد اجازت نہ دیدیں یا خدا میرے لئے کوئی فیصلہ نہ کردے وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے تم سب والد کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ بیشک تیرے بیٹے نے چوری کی ہے اور ہم نے جو دیکھا ہے وہ بیان

کرتے ہیں۔کی پوشیدہ امر کے ہم نگہبان نہیں''

اور تائید کے طور پر کہنے لگے۔

''آپ اس بستی کے لوگوں سے پوچھ سکتے ہیں جس میں ہم تھے اور ان قافلہ والوں سے بھی پوچھ سکتے ہیں جن کے ساتھ ہم آئے ہیں اور یقیناً ہم بالکل سچ کہتے ہیں''

حضرت یعقوب علیہ السلام ان کی باتوں پر کب یقین کرنے والے تھے۔آخر یہ وہی تھے جنہوں نے حضرت یوسف کو آپ سے لے جا کر کنویں میں ڈالا اور ایک بکری ذبح کر کے اس کے خون سے یوسفؑ کا کرتا رنگین کر کے ابا کے آگے پیش کیا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ فرمان ربی ہے۔

''حضرت یعقوبؑ نے فرمایا حقیقت یہ نہیں بلکہ تمہارے دلوں نے تمہارے لئے ایک بات گھڑی ہے۔سو اب میرا کام صبر جمیل ہے۔مجھ کو اللہ سے امید ہے وہ ان سب کو مجھ تک پہنچا دے گا۔بے شک وہ کمال علم اور کمال حکمت کا مالک ہے۔پھر ان کے پاس سے چلے گئے اور کہنے لگے ہائے افسوس یوسفؑ پر اور مارے غم کے انکی دونوں آنکھیں سفید ہو گئیں اور دل ہی میں گھٹا کرتے تھے''

جب ابا جان کی یہ حالت دیکھی تو ڈر گئے اور والد بزرگوار کو تسلی دینے لگے۔جیسا کہ ارشاد ہے۔

''بیٹے کہنے لگے کہ خدا کی قسم آپ تو ہمیشہ یوسف ہی کا تذکرہ کرتے رہیں گے۔یہاں تک کہ بیمار ہو کر قریب المرگ ہو جائیں یا جان دے کر مرنے والوں میں شامل ہو جائیں''

آپؑ نے جواب دیا۔

''حضرت یعقوب نے فرمایا: میں اپنے اضطراب اور غم کی صرف اللہ سے شکایت کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے''

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے پوتے قارص بن یہودا کو بلایا پھر ایک خط عزیز مصر کے نام لکھایا جس کا مضمون یہ ہے کہ۔عزیز! معلوم فرمائیں کہ پروردگار عالم نے انبیاؤں پر کیا کیا مصیبتیں نازل فرمائیں۔اور آزمائشیں کی گئی ہیں۔میرے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں باندھ کر آگ کو گلزار کر دیا۔اور میرے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری رکھی۔اور میں ایک فرزند دلبند رکھتا تھا۔وہ میرا قوت قلب وقرۃ العین تھا۔

اس کے بھائی اس کو جنگل کی طرف لے گئے پھر پیراہن اس کا خون آلود لا کر مجھے دکھایا کہ اس کو بھیڑیے نے کھا لیا اور ایک دوسرا فرزند جو اس گم شدہ کا حقیقی بھائی تھا اس کے دیدار سے میری تسلی ہوتی تھی۔اس کے بھائیوں نے بیان کیا ہے کہ اس نے چوری کی ہے اور چوری کے الزام میں اس کو عزیز مصر نے بند کر لیا ہے۔یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ اہل بیت نبوت کی چوری کی نسبت ہی نہیں۔اب تجھ سے امید ہے کہ اس محبوس فرزند کو مایوس باپ کے پاس بھیج دے اور محنت رسیدہ کو اندیشے سے چھڑا دے کہ سب سعادت ابدی تجھے مل جائے اور اوقات اجابت دعائے خیر سے تیرا امدادگار رہوں گا۔ورنہ ایسی بددعاء ملے گی کہ جس کا اثر سات پشتوں تک رہے گا۔قارص یہ خط لے کر گیا۔مصر پہنچ کر موقع پا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو خط دیا۔حضرت یوسف نے اس کو پڑھ کر قطرات آنسوؤں کے آنکھوں سے برسائے۔

خط کا جواب تحریر فرمایا اپنے بزرگوار والد کی طرف کہ جناب کا نہایت حزن واندوہ سے لکھا ہوا اشرف ورود پایا اور محنت آبائے کرام کی درد فراق اولاد سے واقف ہو۔اب علاج اس عظیم کا سوائے صبر کے نہیں۔صبر فرمائیں جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیل نے صبر کیا تو اپنے مطلب کو پہنچے۔(والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

خط سے فارغ ہو کر قارص کو خلعت فاخرہ عطا فرما کر اور انعام بھی دے کر روانہ کیا۔جب قارص کنعان پہنچا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا۔

''اے میرے بیٹو! تم پھر واپس جاؤ اور مصر پہنچ کر یوسف اور اس کے بھائی کا پتہ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔کیونکہ خدا کی رحمت سے صرف کافر ہی ناامید ہوتے ہیں''

تجسس برائی کی جستجو کے لئے اور تحسس بھلائی کی جستجو کے لئے بولا جاتا ہے۔آپؑ نے بیٹوں سے فرمایا کہ اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے اپنے بھائیوں کو تلاش کرو۔اللہ کی رحمت سے صرف کافر ہی مایوس ہوتا ہے۔والد بزرگوار کی نصیحت سن کر تمام بھائی مصر روانہ ہوئے اور عزیز مصر کے سامنے اپنی خستہ حالت ظاہر کی اور کہا کہ قحط سالی نے ہمارے خاندان کو پریشان کر رکھا ہے اب ہمارے پاس کچھ نہیں رہا کہ ہم غلہ خریدیں۔اور جو ردی اور کھوٹی چیزیں جو کہیں بھی نہیں لگتی تھیں وہ لے کر حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم کو پورا پورا دے دیجئے اور کچھ اپنے پاس سے صدقہ بھی دیجئے جیسا کہ ارشاد ہے۔

''جب یہ حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اس سے کہنے لگے کہ اے عزیز مصر!

ہمارے گھر والوں کو بڑی بڑی سختی پہنچ رہی ہے اور ہم یہ ناقص پونجی لائے ہیں مگر تو ہم کو غلہ پورا دیدے اور ہم پر خیرات کو بیشک اللہ خیرات کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے"۔ (سورہ یوسف)

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں سے عاجزی کی باتیں سنی تو برداشت نہ کر سکے کہ اپنے آپ کو چھپاؤں اور ساتھ ہی اللہ کا حکم بھی ہو چکا تھا اب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے کرتوتوں سے پردہ اٹھانا چاہا اور اس طرح مخاطب ہوئے۔

"حضرت یوسفؑ نے کہا کہ تم کو وہ سلوک بھی معلوم ہے جو تم نے یوسفؑ اور اسکے بھائی کے ساتھ اس زمانے میں کیا جب تم جہالت میں مبتلا تھے"

اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے سر سے تاج اتار دیا اور فرمایا کہ تم نے اپنے یوسف کے ساتھ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا ہے۔ وہ نری جہالت کا کرشمہ تھا۔ پہلی دو دفعہ کی ملاقات میں بھی بعض بھائی محسوس کر چکے تھے۔ اب جب انہوں نے تاج اترنے کے بعد پیشانی پر نشانیاں دیکھیں تو یقین کر گئے کہ آپ ہی یوسفؑ ہیں۔

مروی ہے کہ اظہار سے قبل آپ نے ایک پیالہ منگوایا اور اپنے ہاتھ پر رکھ کر انگلی سے ٹھونکا۔ اس سے آواز آنے لگی۔ آپ نے بھائیوں سے فرمایا کہ یہ جام کچھ کہہ رہا ہے کہ یوسف نامی تمہارا ایک سوتیلا بھائی تھا تم اسے والد کے سامنے سے لے گئے اور کنویں میں پھینک دیا۔ پھر آپ نے انگلی ماری اور کان لگا کر فرمایا کہ یہ کہہ رہا ہے کہ تم اس کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر باپ کے سامنے گئے اور کہا کہ تیرے لڑکے کو بھیڑیئے نے کھا لیا ہے۔

اب تو برادران یوسف حیران ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہائے برا ہوا۔ اس جام نے تو سچی باتیں بادشاہ کو بتا دیں۔ جب یہ اگلے واقعات سامنے آ گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی حیران ہو گئے اور جب یوسف علیہ السلام کو مالک سوداگر کے پاس فروخت کیا تھا تو اس وقت بھائیوں نے بیع نامہ عبرانی زبان میں مالک کو دیا تھا۔ وہ خط حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس محفوظ رکھا تھا۔ وہ خط نکال کر دیا کہ یہ خط عبرانی زبان میں ہے اس کو ذرا پڑھو۔ جب بھائیوں نے اس خط کو دیکھا تو حیران ہو گئے کہ یہ خط عزیز مصر کے پاس کیسے آ گیا۔ پھر زیادہ پریشانی اور شرمندگی ہوئی۔

اور ساتھ ہی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے والدین اور اہل و عیال کی پریشانی سے عاجزانہ اور دردمندانہ درخواست اور نیاز مندانہ طلب اور مجبور کن حالات بیان کیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کا دل بھر آیا۔ ضبط نہ ہو سکا کہ اپنے آپ کو چھپائیں۔ آخر فرمانے لگے کہ کیوں

تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا جب تم جاہل تھے۔ اب حیران پریشان شاہی دربار میں کھڑے ہیں۔ عزیز مصر سے باتیں ہو رہی ہیں۔ کیونکہ حضرت یوسفؑ کا طرز و انداز کچھ دوسری طرح نظر آتا ہے اور کچھ سمجھ گئے کہ کہیں یہ یوسف ہی نہ ہوں۔ اسی لئے کہنے لگے کہ کیا آپ واقعی یوسف ہی ہیں؟

جواب میں فرمایا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اب بھائیوں کے پاس بغیر ندامت اور شرمساری کے اور کچھ نہ رہا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ تمام بدسلوکی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ کنویں میں پھینکنا اور جو جو ظلم و ستم کئے تھے سب یاد آئے۔ پھر اپنا شک دور کرنے کے لئے پوچھا کہ کہیں آپ یوسفؑ تو نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"کہنے لگے کیا واقعی آپ یوسف ہیں؟ یوسفؑ نے کہا ہاں میں یوسف ہوں۔ اور یہ بنیامین میرا بھائی ہے۔ بلاشبہ اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ یقیناً جو خدا سے ڈرتا اور تکالیف پر صبر کرتا ہے تو اللہ ایسے نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا"

اب تو نہایت شرمندہ ہوئے اور اپنے گناہ پر تہہ دل سے نادم ہوئے۔ اور آپ کی فضیلت اور بزرگی کا اقرار کیا کہ واقعی صورت اور سیرت دونوں کے اعتبار سے آپ ہم پر فوقیت رکھتے ہیں اور مال و متاع اور نبوت کے اعتبار سے بھی آپ کا مقام ہم سے بہت بلند ہے۔

دائرۃ المعارف میں ہے کہ تعارف کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام اور بھائی گلے لگ لگ کر روئے اور بھائیوں نے شرمندگی سے سر نیچا کر لیا اور اپنی خطا کا اقرار کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو معارف کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس مکالمہ کو اس طرح پیش کیا ہے۔

"بھائیوں نے کہا خدا کی قسم اس میں شک نہیں کہ اللہ نے تجھ کو ہر اعتبار سے ہم پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور بے شک ہم ہی خطا وار ہیں"

حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ آج کے بعد یہ خطا کبھی یاد نہ کروں گا نہ کوئی ڈانٹ ڈپٹ کرنا چاہتا ہوں، نہ الزام لگاتا ہوں، نہ تم پر خفگی کا اظہار کرتا ہوں اور اللہ سے تمہاری معافی کی دعا کرتا ہوں۔

"یوسفؑ نے کہا کہ آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔ خدا تمہیں معاف کرے وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے"

حضرت یوسف علیہ السلام اور بھائیوں کو جو مسرت اس وقت حاصل ہوئی ہوگی اس کا کیا

ٹھکانا ہے۔اب حضرت یوسفؑ نے گھر کے حالات معلوم کئے۔بھائیوں نے کہا کہ اباجی آپ کے فراق میں رو رو کر نابینا ہو گئے یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ میری یہ قمیص لے جاؤ اور اباجان کے منہ پر ڈال دینا۔اس سے انشاء اللہ ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔پھر تمام گھر والوں کو لے کر یہاں آ جانا۔

''یہ میرا کرتہ لے جاؤ اور اس کو میرے والد کے چہرے پر ڈال دو وہ بینا ہو جائے گا اور اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ''

ادھر یہ قافلہ مصر سے چلا ادھر اللہ نے حضرت یوسفؑ کی خوشبو غمزدہ والد کو پہنچادی تو حضرت یعقوبؑ اس وقت موجودہ اولاد کو فرمانے لگے کہ مجھے تو یوسفؑ کی خوشبو آ رہی ہے لیکن تم اعتبار کرو گے۔اس وقت حضرت یوسفؑ کی گمشدگی کی مدت کو اسی سال گزر چکے تھے جب آپ کو خوشبو آئی اس وقت قافلہ اسی فرسخ آپ سے دور تھا۔تو گھر والوں نے کہا کہ آپ اب تک پرانی بھول میں ہیں۔یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ بشیر آ پہنچا۔

''پھر جب خوشخبری دینے والا آ پہنچا یوسف کا کرتا یعقوب کے منہ پر ڈالا تو وہ اسی وقت بینا ہو گئے اور اپنے بیٹوں سے کہنے لگے کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ جو باتیں خدا کی طرف سے میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے''

کہتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ کے بڑے صاحبزادے یہودا کرتا لائے تھے اور جھوٹے خون والا کرتا بھی یہی لائے تھے اس لئے کہ انہوں نے سوچا کہ برائی کے بدلے بھلائی ہو جائے۔ابا کو ناراض بھی میں نے کیا راضی بھی میں کروں گا۔چنانچہ جیسے ہی کرتا والد بزرگوار کی آنکھوں پر ڈالا گیا بینائی لوٹ گئی تو اپنے بچوں سے کہنے لگے کہ میں ہمیشہ تم سے کہا کرتا تھا کہ خدا کی طرف سے کچھ باتیں میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔یہاں اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت کا اظہار ہوا کہ جب حضرت یوسفؑ کنعان کے کنویں میں تھے اس وقت تو والد صاحب کو خوشبو نہ آئی اور مصر سے کرتا چلا ادھر اباجان نے اعلان کر دیا کہ یوسفؑ کی خوشبو آ رہی ہے۔

بیٹے اپنی خطا کا اقرار کر کے سخت نادم ہوئے اور سجدہ میں گر پڑے اور اباجی سے استغفار طلب کرنے لگے تو اباجان نے جواب دیا کہ مجھے اس سے انکار نہیں اور مجھے اپنے رب سے امید ہے کہ وہ تمہاری خطائیں معاف فرما دے گا کیونکہ وہ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔

''بیٹوں نے کہا اے اباجان! ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے بیشک ہم یہ خطاوار تھے''

والد نے جواب دیا:

''والد نے جواب دیا کہ میں عنقریب اپنے رب سے بخشش کی دعا کروں گا یقیناً وہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے''

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور سب چھوٹے بڑے ستر آدمی تھے سب کے لئے سواریاں حضرت یوسف علیہ السلام نے بھیجی تھیں۔سب سوار ہو کر مصر روانہ ہو گئے۔(دائرۃ المعارف)

حضرت یوسف علیہ السلام نے کنعان سے مصر تک ہر منزل پر ضیافت کا انتظام کیا تھا۔جب مصر کے قریب پہنچے تو یہودا نے ایک تیز رفتار کو روانہ کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بزرگوار کی آمد کی خبر پہنچائے۔حضرت یوسف علیہ السلام نے ملک ریان کو خبر پہنچائی۔ملک اس ...مندی کے واسطہ بمعہ حضرت یوسف علیہ السلام کے استقبال کے واسطے روانہ ہوا۔بادشاہ کے حکم سے علماء دولت و امرائے مملکت سب استقبال کے واسطے شہر سے باہر آئے حضرت یوسفؑ ...حشمت سے استقبال کے واسطے آگے پہنچے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظر جب شاہی سواری پر پڑی تو یہودا سے دریافت کیا کہ یہ شاید ملک ریان نمودار ہوا ہے۔یہودا نے کہا کہ یہ آپ کا فرزند ارجمند سعادت مند ...یوسفؑ عزیز مصر ہے۔حضرت یعقوب علیہ السلام گھوڑے سے اترے اور یہودا کے ...ہے پر ہاتھ رکھ کر روانہ ہوئے۔ادھر سے حضرت یوسف علیہ السلام کی نظر جب یہودا پر پڑی ...والد بزرگوار پر جلال نظر آئے تو فوراً گھوڑے سے اترے اور بادشاہ مصر بھی پاپیادہ ...حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ پر سبقت کر کے اپنے بزرگوار والد کو پہنچ آئے۔حضرت ...ب علیہ السلام نے حضرت یوسفؑ کو اپنے سینے سے لگایا اور ایسے روئے کہ دونوں بے ہوش ...گئے۔جب ہوش میں آئے تو ملک ریان ابن ولید نے قدم بوسی کی اور تمام ارکان دولت نے ...کیا پھر تخت پر بٹھایا اور تعظیمی سجدہ کیا جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔(روضۃ الاصفیا)

تفسیر حقانی میں ہے کہ برادران یوسف علیہ السلام کو بادشاہ ریان نے عمدہ قطعہ زمین ...کے واسطے دیا تھا جس کو عمیس کہتے ہیں۔

اگرچہ بعض مفسرین کے نزدیک حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ پہلے فوت ہو چکی تھیں ...حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ آپ کی خالہ تھیں۔لیکن قرآن مجید کے الفاظ کے ...آپ کی والدہ زندہ موجود تھیں۔آپ نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اس وقت والدین اور ...آپ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اباجان یہ میرے خواب کی تعبیر ...شریعت میں یہ جائز تھا کہ بڑوں کو سلام کرتے وقت لوگ سجدہ بھی کیا کرتے تھے۔

ازیں بعد جب یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ جب تم مصر سے نکلو تو مجھے بھی ساتھ لے جانا۔ اور میرے آباؤاجداد کے پہلو میں مجھے دفن کر دینا۔ سو آپ کی لاش کو حنوط کیا گیا اور ایک تابوت میں رکھ کر مصر میں دفن کر دیا گیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے تو آپ کے جسم کو بھی ساتھ لے لیا اور جا کر اسے اسی مغارہ میں ابراہیم، اسحاق، اور یعقوب علیہ السلام کے نزدیک دفن کیا۔ تفصیلی تذکرہ بعد میں آئے گا۔ وفات کے وقت تورات کے بیان کے مطابق آپ کی عمر ایک سو دس سال تھی۔

مبارک بن فضالہ حضرت حسن سے روایت کرتے ہیں کہ جب یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تو آپؑ کی عمر مبارک سترہ سال تھی آپ اسی سال تک والد گرامی کو نہ دیکھ سکے۔ ملاقات کے بعد آپ تئیس (۲۳) سال زندہ رہے اور ایک سو بیس سال کی عمر کو وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے بھائی یہوذا کو وصیت فرمائی۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت مل گئی اور بادشاہت بھی مل چکی اور دکھ درد بھی مٹ گئے۔ ماں باپ اور بھائیوں سے بھی ملاقات ہوگئی پھر اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرتے ہیں:

''اے میرے رب! تو نے مجھ کو ایک بڑا حصہ دیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی عطا فرمایا۔ اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا وآخرت میں میرا کارساز ہے۔ تو مجھ کو اسلام کی حالت میں وفات دے اور مجھ کو مرنے کے بعد نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے''

الٰہی جیسے دنیوی نعمتیں پوری کی ہیں اخروی نعمتیں بھی پوری فرما۔ جب بھی موت آئے تو اسلام اور تیری فرمانبرداری پر آئے۔ اور میں نیک لوگوں میں اور نبیوں اور رسولوں میں ملا دیا جاؤں۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب آپ کے تمام کام پورے ہوگئے اور آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں ملک و مال، عزت وآبرو، خاندان، برادری اور بادشاہت سب کچھ مل گیا تو پھر آپ کو صالحین کی جماعت میں پہنچنے کا شوق پیدا ہوا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی اس دعا سے مقصد یہ تھا کہ جب بھی موت آئے تو اسلام پر آئے اور نیکوں میں مل جاؤں۔ یہ نہیں کہ اسی وقت آپ نے موت مانگی ہو۔ جیسا کہ یہ دعا ہماری بھی ہوتی ہے کہ پروردگار عالم ہم کو اسلام پر موت دے۔ اس کا بھی ہی مطلب ہوتا ہے کہ جب مریں اسلام پر مریں اور نیکوکاروں میں ملا دیئے جائیں۔

بخاری اور مسلم شریف کی حدیث ہے کہ تم میں سے کوئی بھی کسی سختی کے نازل ہونے کی

ہے موت کی تمنا نہ کرے۔ اگر وہ نیک ہے تو اس کی زندگی اس کی نیکیاں بڑھائے گی اور اگر وہ برا ہے تو بہت ممکن ہے کہ زندگی میں کسی وقت توبہ کی توفیق ہو جائے بلکہ یوں کہے کہ اے اللہ! جب تک میرے لئے حیات بہتر ہے تو مجھے زندہ رکھ۔ ہاں دینی فتنوں کے وقت موت کی تمنا جائز ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر جب فتنوں کی زیادتی ہوئی اور دین کا سنبھالنا مشکل ہوگیا اور امیر خراسان کے ساتھ بڑے بڑے معرکے پیش آئے تو انہوں نے موت مانگی۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو بیس برس ہوئی تو آپ نے اپنے بیٹوں افراہیم اور منشاء کے بیٹے بھی دیکھے۔ بقول بعض اہل سیر ایک رات خواب دیکھا کہ ایک نہایت پرفضا ہے۔ عالم قدس میں وہاں چند کرسیاں رکھی ہیں۔ ایک پر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹھے ہیں اور ایک پر حضرت اسحٰق علیہ السلام اور ایک پر حضرت یعقوب علیہ السلام اور ایک کرسی خالی ہے۔ گویا کہ ان کا انتظار ہے۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام رو کر حضرت یوسفؑ سے لپٹ گئے اور فرمایا کہ اے فرزند! کب تک اپنی راہ دکھائے گا۔ ہم تیرے مشتاق بیٹھے ہیں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی آنکھ کھلی تو آپ کی روح پر عالم قدس میں اپنے بزرگوں سے ملنے کی ایک سخت بیقراری تھی۔ جس طرح پرندہ قفس میں۔ آخر وفات کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے وصیت کے مطابق آپ کو خوشبو میں بسا کر سنگ مرمر کے صندوق میں دفنایا۔ بعض کے نزدیک دریا میں رکھا۔ سو سال کے بعد دوسرا فرعون جبار ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت کا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس صندوق کو نکال کر فلسطین میں آپ کے اجداد کے پاس دفنایا۔ (تفسیر حقانی)

حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر مبارک ابن کثیر اور معارف القرآن میں ہے کہ ایک سو بیس سال تھی۔ اور قصص القرآن اور حقانی ایک سو دس سال بتاتے ہیں۔ بی بی زلیخا سے دو فرزند افراہیم اور منشا اور ایک لڑکی جس کا نام رحمت بنت یوسفؑ ہے انکا نکاح حضرت ایوب علیہ السلام سے ہوا تھا جس نے بیماری میں ان کی خدمت کی تھی۔ اور افراہیم کی اولاد میں یوشع بن نون پیدا ہوئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفیق تھے۔ (مظہری)

ابن اسحٰق نے حضرت عروہ ابن زبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکل جائیں تو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں نہ چھوڑیں بلکہ ملک شام میں لے جا کر اپنے آباؤ اجداد کے پاس دفن کریں۔ اسی حکم کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تفتیش کر کے معلوم کیا کہ دریائے نیل میں سنگ مرمر کے تابوت میں ہیں پھر آپ ان کو فلسطین میں لے گئے اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے برابر دفن کر دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد قوم عمالقہ مصر پر مسلط ہوگئے۔ بنی اسرائیل مصر میں غیر ملکی تصور کیے جاتے اور ان کو قسم قسم کے عذاب

اور ایذا ئیں دی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ان کو اس عذاب سے نکالا۔ (قصص القرآن و معارف القرآن)

آپ کا ذکر قرآن پاک میں:

(۱) پارہ ۱۲ سورہ یوسف
(۲) پارہ ۷ سورہ انعام
(۳) پارہ ۲۴ سورہ غافر

ان دو سورتوں میں صرف نام آیا ہے باقی سب ذکر سورہ یوسف میں ہے۔ جس کو قرآن پاک میں احسن القصص کہا گیا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام کے بال گھنگریالے، آنکھیں موٹی، خوبصورت، شکل و صورت بہت خوبصورت، گردن چھوٹی، سینہ چوڑا، پنڈلیاں اور کلائیاں موٹی تھیں۔ اور آپ کا قد لمبا تھا۔
(روح المعانی ج ۹ حصہ دوم ص ۸۰)

آپ مسکینوں پر رحم کرتے تھے، یتیموں کی کفالت فرماتے، بیوہ عورتوں کی معاونت (امداد) کرتے مہمانوں کے ساتھ عزت و تکریم اور خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ (تفسیر کبیر)

اللہ عزوجل کا ارشاد عالیشان ہے کہ:

"اور ایوب (علیہ السلام) کو یاد کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ "مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے" تو ہم نے اس کی دعا سن لی، تو ہم نے دور کردی جو تکلیف اسے تھی اور ہم نے اسے گھر والے اور اتنے ہی ان کے ساتھ اور عطاء کئے اپنے پاس سے رحمت فرما کر اور بندگی والوں کے لئے نصیحت ہے" (پ ۱۷ سورۃ انبیاء ۸۳،۸۴)

حضرت ایوب علیہ السلام کے باپ کا نام انوص ہے۔ آپ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے عیص کی اولاد سے ہیں۔ آپ علیہ السلام کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ آپ کی زوجہ کا نام رحمۃ ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بیٹے افرا ہیم کی بیٹی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آزمائش سے پہلے آپ کو کثیر مال و دولت دے رکھا تھا، کھیتی باڑی، باغ، غرضیکہ ہر قسم کے مال و دولت سے نوازا۔ ہر قسم کے جانور یعنی بھیڑ بکریاں گائے بھینس اونٹ

وغیرہ کی کثرت تھی۔ پانچ سو جوڑیاں بیلوں کی ہل چلانے والی تھیں، پانچ سو غلام خدمت گزاری کے لئے۔ پھر ہر غلام کی زوجہ اور اولاد بھی بطور خدام آپ کے پاس رہتے تھے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے جو قرب حاصل ہے وہ دوسرے فرشتوں کو حاصل نہیں، اللہ تعالیٰ ان سے براہ راست کلام فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جب کسی کو پسند فرماتا ہے تو اس کا ذکر جبرائیل امین سے کرتا ہے، وہ میکائیل علیہ السلام سے ذکر کرتے ہیں، وہ دوسرے مقرب فرشتوں سے ذکر کرتے ہیں۔ جب ان مقرب فرشتوں میں اللہ تعالیٰ کے اس خاص بندے کے ذکر کا چرچا ہو جاتا ہے تو تمام فرشتے اس پر رحمتیں نچھاور کرتے ہیں۔ پھر آسمانوں کے تمام فرشتے رحمتیں بھیجتے ہیں۔ پھر زمینوں کے فرشتے اس بندے پر رحمتیں بھیجتے ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا بھی اسی طرح تمام فرشتوں میں ذکر خیر کا چرچا ہوتا رہتا تھا۔

(تفسیر کبیر)

اللہ تعالیٰ کبھی اپنے مقرب بندوں کو شدید مشکلات میں مبتلا کر کے آزماتا ہے کہ وہ میرا بندہ کتنا صبر کرتا ہے، مصائب و آلام میں کوئی شکوہ تو زبان پر نہیں لاتا۔ اور کبھی اللہ تعالیٰ بہت مال و دولت عطا کر کے آزماتا ہے کہ میرا بندہ کتنا شکریہ ادا کرتا ہے؟

حضرت ایوب علیہ السلام کو پہلے آرام و صحت، مال و دولت، اولاد اور ہر طرح کی خوشیاں عطا کر کے آزمایا، اس میں بھی آپ نے عظیم کامیابی حاصل کی۔ آپ علیہ السلام نے شکریہ ادا کر کے بے مثال نمونہ پیش کیا۔ اس کے بعد آزمائش کا دوسرا دور شروع ہوا کہ زمین کے نیچے سے قدرتی آگ نے آپ کے باغات، کھیتیاں، اونٹ، بکریاں، چرواہے جلا کر راکھ کر دیئے۔ جب آپ کو پتہ چلا تو آپ نے کہا:

"یہ سب مال و دولت اللہ نے ہی عطا کیا تھا وہی اس کا مالک حقیقی ہے جب وہی اس کا حقدار ہے تو اسے حق پہنچتا ہے جب چاہے لے لے مجھے اس میں کچھ کہنے کی کوئی مجال نہیں"

آپ کی اولاد ایک مکان میں تھی وہاں زلزلہ آیا مکان گر گیا آپ کی اولاد فوت ہو گئی، مکان کی چھت اور دیواریں گرنے سے آپ کے بچوں پر کیا حال گزرا ہو گا۔ جسم چکنا چور ہوئے ہوں گے، ہڈیاں ٹوٹی ہوں گی، سر پھٹے ہوں گے، خون کے فوارے چلے ہوں گے، لیکن یہ حال سن کر بھی اللہ کے نبی نے صبر کا کمال مظاہرہ کیا، وہی الفاظ زبان پر کہ "سب کچھ رب تعالیٰ کا ہے جو چاہے کرے"

آپ کے جسم میں شدید حرارت سے ایسا اثر ہوا، یوں محسوس ہوتا کہ آپ کے جسم میں

آگ کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں، سر سے لیکر قدم تک آبلے پڑ گئے، شدید خارش ہونے لگی، ناخنوں سے جسم کو کھجلاتے رہے، یہاں تک کہ ناخن گر گئے پھر ٹھکریوں یا پتھروں سے اپنے جسم کو کھجلاتے، جسم شدید زخمی ہو گیا، زخموں میں بو آنے لگی، ان میں کیڑے پڑ گئے۔ سارے جسم میں صرف آپ کا دل اور زبان محفوظ تھے۔ ابن عساکر نے بیان کیا:

ان الدودة لتقع من جسد ایوب علیه السلام فیعیدها الی مکانها ویقول کل من رزق الله تعالی

"حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم سے اگر کوئی کیڑا نیچے گر جاتا تو آپ پھر اسے اپنی جگہ لوٹا دیتے اور کہتے اللہ تعالیٰ نے جو رزق تمہیں دیا ہے وہ کھاؤ"

آپ کی بیماری نے جب شدت اختیار کر لی تو تمام اقرباء نے آپ کو چھوڑ دیا۔ "بلکہ شہر سے باہر آپ کو ایک جھونپڑی بنا کر دے دی گئی کہ یہ مرض کہیں دوسروں تک بھی نہ پہنچ جائے، جب وہ سارے ساتھ چھوڑ گئے تو اس وقت آپ کی زوجہ جس کا نام رحمۃ بنت افرائیم بن یوسف تھا، وہ بدستور آپ کے ساتھ رہی۔ آپ کی خدمت گزاری میں ہی، آپ علیہ السلام کی دیکھ بھال کرتی، آپ کو کھانا فراہم کرتی، آپ کی ضروریات کا ہر طرح خیال کرتی۔ سبحان اللہ! اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام کی پوتی کتنی نیک اور صابرہ تھی۔

ایک دن آپ کی خدمت گزار، وفادار، نیک شعار، بامراد، نیک زوجہ نے عرض کیا:
کاش تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے، اللہ تعالیٰ تمہاری تکلیف دور فرما دیتا: یہ سن کر آپ نے فرمایا:

"عیش و عشرت راحت و سکون مال و دولت کی فراوانی میں کتنا وقت گزرا؟ آپ کی زوجہ نے عرض کیا بہت وقت گزرا ایک روایت میں ہے کہ آپ کی زوجہ نے کہا اسی (۸۰) سال گزرے ہیں"

تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ میں اس سے دعا کروں جب کہ میری آزمائش کا وقت اتنا بھی نہیں ہوا جتنا میری آسائش کا وقت تھا"

ایک مرتبہ آپ نے زوجہ کو طلب کیا تو دیر سے حاضر ہونے پر آپ ناراض ہو گئے، ممکن ہے بیماری کی وجہ سے طبیعت میں سخت مزاجی آ گئی ہو۔ زیادہ مناسب یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ

اتنی بڑی ناراضگی کی وجہ بھی یقیناً کوئی بڑی ہوگی، جیسے مفسرین نے ایک وجہ بیان کی ہے شیطان آپ کی زوجہ کے پاس طبیب کی صورت میں آیا اور کہنے لگا کہ تمہارے خاوند بہت تکلیف میں مبتلا ہیں اگر تم چاہتی ہو تو میں انہیں دوا دیتا ہوں جس سے وہ ٹھیک ہو جائیں گے جب وہ صحت یاب ہو جائیں تو وہ اس کے بدلے میں میرا شکریہ صرف ان الفاظ میں ادا کریں۔

"تو نے مجھے شفا دی ہے"

آپ کی زوجہ نے یہ بات معمولی سمجھی اور ان کا خیال بن گیا کہ اس پر عمل کرنا تو آسان ہے۔

جب حضرت ایوب علیہ السلام کے سامنے آکر اس نے پورا ماجرا بیان کیا تو آپ علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ شیطان میرے امتحان میں مجھے ناکام کرنا چاہتا ہے، آپ علیہ السلام اپنی زوجہ سے ناراض ہو گئے آپ نے فرمایا: اگر میں ٹھیک ہو گیا تو تمہیں سو کوڑے ماروں گا۔ ابھی تمہارے ہاتھوں سے کوئی چیز نہیں کھاؤں گا۔ (روح المعانی)

اسی وجہ سے حضرت ایوب علیہ السلام نے رب کے حضور عرض کیا:

"مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذاء لگا دی" (پ ۲۳ صورۃ ص ۴۱)

"اور ایوب (علیہ السلام) کو یاد کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے تو ہم نے اس کی دعا سن لی تو ہم نے دور کر دی جو تکلیف اسے تھی اور ہم نے اس کے گھر والے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور عطا کئے اپنے پاس رحمت عطا کر کے اور بندگی والوں کے لئے نصیحت ہے۔ (پ ۱۷ سورۃ انبیاء ۸۳،۸۴)

انہ علیہ السلام الطف فی السوال حیث ذکر نفسہ بما یوجب الرحمۃ وذکر ربہ بغایۃ الرحمۃ ولم یصرح المطلوب (تفسیر کبیر)

حضرت ایوب علیہ السلام نے بہت ہی پیارے، لطیف انداز میں اپنی پریشان حالی، تکالیف کا تذکرہ کیا۔ رب کی بے حساب رحمت کا ذکر کیا گیا، لیکن یہ عرض نہیں کیا کہ "اے مولائے کائنات میری تکلیف کو دور فرما، کیسا صبر ہے؟ اور رب کے حضور التجا کرنے کا کیسا حسین انداز ہے؟

"رب تعالیٰ نے فرمایا: زمین پر اپنا پاؤں مارو، یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو" (پ ۲۳ سورۃ ص ۴۲)

آپ کو حکم ہوا کہ آپ اپنا پاؤں زمین پر مارو تو اس سے چشمہ جاری ہوگا، اس سے پانی

پیو اور نہاؤ تمہیں شفا حاصل ہوگی۔ آپ کو نہانے سے ظاہری جسم کی تمام بیماریوں سے شفا حاصل ہوگئی اور پانی پینے سے اندرونی تمام بیماریوں سے شفا مل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنتی لباس عطا فرمایا: آپ علیہ السلام لباس زیب تن کر کے ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے، آپ کی زوجہ آئیں تو اس نے آپ کو نہ پہچانا، وہ آپ ہی سے پوچھنے لگی۔ اے اللہ کے بندے یہاں ایک بیمار شخص تھا وہ کہاں گیا؟ پریشان ہو کر پوچھا کہیں بھیڑیئے تو نہیں لے گئے۔ بار بار پریشانی سے جب پوچھ رہی تھیں تو آپ علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے میں ہی ایوب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا کر دی۔

جمہور حضرات کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام فوت شدہ اولاد کو زندہ کر دیا اور مریضوں کو عافیت دے دی اور تمام بکھرے ہوؤں کو جمع کر دیا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کو دوبارہ شباب (جوانی) عطاء فرمائی اور پھر پہلی اولاد کی طرح اور اولاد عطاء فرما دی۔ اسی طرح آپ کو کثیر مال و دولت عطا فرمایا:۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے سونے کی مکڑیوں کی بارش کی، آپ علیہ السلام پکڑ پکڑ کر ایک کپڑے میں ڈالتے رہے، یہاں تک کہ آپ نے ایک چادر بچھا کر اس میں جمع کرنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ "اے ایوب تم سیر نہیں ہوتے؟" آپ نے عرض کیا اے مولائے کائنات تیرے فضل سے کون سیر ہو سکتا ہے؟ آپ علیہ السلام نے اٹھارہ سال بیماری اور تکلیف میں گزارے تھے پھر رونقیں بحال ہو گئیں۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ آپ کا تعلق روم سے ہے شجرۂ نسب یہ ہے۔ ایوب بن موص بن رازح بن العیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

ایک اور تاریخ نگار کا کہنا ہے کہ آپ کا شجرۂ نسب یوں ہے۔ ایوب بن موص بن رعویل بن العیص بن اسحاق بن یعقوب۔ اس کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں۔

ابن عساکر بیان فرماتے ہیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کے والد ماجد ان خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں جو ابراہیم علیہ السلام پر اس دن ایمان لائے تھے جس دن آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور آگ گلزار ہو گئی تھی۔

لیکن پہلا قول مشہور ہے۔ کیونکہ آپ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جیسا ہم نے

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ

(الانعام ۸۴)

"کی آیت سے ثابت کیا ہے کہ ضمیر (ذریتہ) کا مرجع ابراہیم علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت نوح علیہ السلام"

حضرت ایوب علیہ السلام ان انبیاء میں سے ہیں جن کی بعثت کے بارے میں قرآن کریم کی نصوص اتری ہیں۔ سورۂ نساء میں ارشاد ربانی ہے۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبین من بعدہ واوحینا الی ابراھیم واسماعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وعیسی وایوب

(النساء:۱۶۳)

"بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح کے بعد آئے اور (جیسے) وحی بھیجی ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ، ایوب......"

صحیح یہ ہے کہ آپ العیص بن اسحاق اور ان کی بیوی "لیا" بنت یعقوب اور ایک قول کے مطابق "رحمۃ" بنت افرائیم اور ایک قول کے مطابق "لیا" بنت منسا بن یعقوب کی نسل سے ہیں۔

رب قدوس ارشاد فرماتے ہیں:

"اور یاد کرو ایوب کو جب پکارا انہوں نے اپنے رب کو کہ مجھے پہنچی ہے سخت تکلیف اور تو ارحم الراحمین ہے (میرے حال زار پر بھی فرما) تو ہم نے قبول فرمائی اس کی فریاد اور ہم نے دور فرمادی جو تکلیف انہیں پہنچ رہی تھی۔ اور ہم نے عطا کئے انہیں ان کے گھر والے۔ نیز اتنے اور ان کے ساتھ اپنی رحمت خاص سے اور یہ نصیحت ہے عبادت گزاروں کے لئے"

سورہ صٓ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واذکر عبدنا ایوب اذ نادی ربہ انی مسنی الشیطان بنصب وعذابا. ارکض برجلک ھذا مغتسل بارد وشراب ووھبنا لہ اھلہ ومثلھم معھم رحمۃ منا وذکری لاولی الالباب وخذبیدک ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث انا وجدناہ صابرا نعم العبد انہ اواب

(ص:۴۱-۴۴)

"اور یاد فرمائیے ہمارے بندے ایوب کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو (الٰہی!) پہنچائی ہے مجھے شیطان نے بہت تکلیف اور دکھ (حکم ہوا) اپنا پاؤں

(زمین) پر مارو۔ یہ نہانے کے لئے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لئے۔ اور ہم نے عطا فرمایا انہیں ان کے اہل و عیال اور ان کی مانند اور ان کے ساتھ بطور رحمت اپنی جناب سے اور بطور نصیحت اہل عقل کے لئے۔ اور (حکم ملا) پکڑ لو اپنے ہاتھ سے تنکوں کا ایک مٹھا اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔ بیشک ہم نے پایا انہیں صبر کرنے والا، بڑا خوبیوں والا بندہ ہر وقت ہماری طرف متوجہ"

ابن عساکر نے کلبی کے طریق سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: سب سے پہلے جو نبی مبعوث ہوئے وہ ادریس علیہ السلام ہیں۔ آپ کے بعد نوح، پھر ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، لوط، ہود، صالح، موسیٰ و ہارون، الیاس، الیسع، عرفی بن سویلخ بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب پھر یونس بن متی یعقوب کی اولاد سے۔ ایوب بن زراح بن آموص بن لیفرزین العیص بن اسحاق بن ابراہیم لیکن یہ ترتیب محل نظر ہے۔ کیونکہ ہود اور صالح علیہما السلام کے بارے مشہور ہے کہ وہ نوح علیہ السلام کے بعد اور ابراہیم علیہ السلام سے پہلے مبعوث ہوئے۔

علمائے تفسیر و تاریخ وغیرہ نے کہا ہے کہ ایوب علیہ السلام نہایت مالدار شخص تھے۔ آپ کے پاس ہر قسم کا مال و متاع تھا۔ کیا مال مویشی، کیا غلام اور کیا وسیع و عریض کھیت۔ ارض حوران میں ثنیہ کا علاقہ سب آپ کی ملکیت تھا۔ ابن عساکر کے بیان کے مطابق یہ سارا علاقہ بلا شرکت غیرے آپ کی ملکیت میں تھا۔ اور مال و دولت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے بیٹے بیٹیاں دے رکھے تھے۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ساری دولت لٹ گئی۔ خاندان فنا کی گھاٹ اتر گیا اور جسم اقدس بھی بلاؤں اور تکلیفوں کی آماجگاہ بن گیا۔ دل اور زبان کے علاوہ کوئی عضو بیماری اور تکلیف سے محفوظ نہ رہا۔ اللہ کریم نے آپ کے دل اور زبان کو اس لئے محفوظ و مامون رکھا تا کہ وہ ذکر کرتے رہیں۔ اس تکلیف کے باوجود بھی آپ صابر و شاکر رہے۔ رات دن۔ لحظہ لحظہ اپنے رب کی یاد میں بسر کیا۔ اور شکایت کا ایک لفظ بھی زبان پر نہ لائے۔

بیماری طول پکڑ گئی۔ ہم نشین الگ ہوگئے۔ دوست ساتھ چھوڑ گئے اور بات یہاں تک پہنچی کہ آپ کو شہر سے اٹھا کر گندگی کے ایک ڈھیر پر پھینک دیا گیا۔ سب ساتھ چھوڑ گئے۔ کوئی مہربان پوچھنے نہ آیا۔ صرف آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ آپ کے ساتھ رہیں۔ اس خوش قسمت خاتون نے دوستی کو نبھایا اور ان کی شفقتوں اور گزرے احسانات کی پوری پوری پاسداری کی۔ وہ آپ کی بیماری میں آپ کی مسلسل دیکھ بھال کرتی رہیں۔ اور ایک لحظہ بھی جدا نہ ہوئیں۔ وہ آپ کو

قضائے حاجت کے لئے لے جاتیں اورآپ کی دوسری ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتیں
حتیٰ کہ اس بیچاری کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہوگئی۔ایک پھوٹی کوڑی بھی ہاتھ میں نہ رہی۔لیکن لوگوں
کے گھروں میں اجرت پر کام کرکے اپنے خاوند کے طعام اور دواء کا بندوبست کرتی رہیں۔رضی اللہ
تعالیٰ عنہا وارضاھا مال چھن گیا۔اولاد داغ جدائی دے گئی ایوب بیماری میں لاچار ہوگیا۔خشم خدم
سب ساتھ چھوڑ گئے۔اپنوں نیمنہ موڑ لیا اورسعادت نعمت ، خدمت وحرمت کے دور میں وفا کے
دعویدار سب کراہت کرنے لگے مگراس وفا شعاراورصابر وشاکرہ اللہ کی بندی نے اپنے خاوند اللہ
کے نبی حضرت ایوب کا ساتھ نہ چھوڑا۔

صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا لوگوں میں سب
سے زیادہ مصائب وآلام انبیاء کو اٹھانے پڑے پھر صالحین کو بھر درجہ بدرجہ دوسرے لوگوں کو'' اور
آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آدمی سے اس کے دین کے مطابق امتحان لیا جاتا ہے۔اگراس کے دین
میں پختگی ہوتو اس کی مصیبت میں اضافہ کردیا جاتا ہے۔

حضرت سیدنا ایوب علیہ السلام پر مصائب وآلام کی بارش ہوئی لیکن جوں جوں تکلیفیں
بڑھتی گئی ان کے صبرو استقامت اورحمدو شکر خداوندی میں اضافہ ہوتا گیا۔حتی کہ آپ صبرو
استقامت کی مثال بن گئے اورلوگ ان کی مصیبتوں کو بطور مثال کے یاد کرنے لگے۔

وہب بن منبہ وغیرہ نے علماء بنی اسرائیل سے حضرت ایوب کے قصے میں ایک طویل
وقعہ روایت کیا ہے کہ کیسے آپ کا مال ومتاع چھن گیا۔بچے فوت ہوئے اور جسم بیماریوں میں مبتلا
ہوا۔لیکن ان واقعات کی صحت کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔واللہ اعلم بالصواب۔

مجاہد فرماتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جو چیچک کی بیماری میں مبتلا ہوئے۔

آپ کتنی مدت تک چیچک کی بیماری میں مبتلا رہے۔علماء کے مختلف اقوال ہیں۔وہب
ابن منبہ گمان کرتے ہیں کہ آپ تین سال تک بیمار رہے نہ ایک دن کم اورنہ ایک دن
زیادہ۔حضرت انس فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام سات سال اور کچھ ماہ بیماری رہے۔اورآپ کو
بنی اسرائیل کے گندگی کے ایک ڈھیر پرڈال دیا گیا تھا جس سے کیڑے مکوڑے آپ کے جسم
پرآتے جاتے رہتے تھے۔حتی کہ آپ کو اللہ نے صحت وتندرستی عطا فرمادی اور پہلے سے زیادہ
نعمتیں عطا ہوئیں۔حمید کہتے ہیں آپ علیہ السلام چیچک کی بیماری میں اٹھارہ سال تک مبتلا
رہے۔سدی کی رائے ہے کہ آپ کے جسم کا سارا گوشت گل سڑ گیا۔اورصرف ہڈیاں اور پٹھے
محفوظ رہے۔آپ کی زوجہ محترمہ آپ کے لئے راکھ لے آتیں اوران کے نیچے بچھا دیتیں۔جب

زیادہ ہوگیا تو زوجہ محترمہ نے عرض کی۔میرے سرتاج ایوب ! اگرآپ اللہ تعالیٰ سے دعا
تو وہ ضرور آپ کو شفاء عطا فرمادے گا۔آپ علیہ السلام نے جوابدیا۔میں نے صحت و
میں ستر سال کا طویل عرصہ گزارا۔تو کیا میں اللہ کے لئے ستر سال تک اس مصیبت پر صبر
کرسکتا؟ آپ رو پڑیں۔آپ لوگوں کے ہاں دن بھر مزدوری کرتی تھیں اور جو اجرت ملتی اس
حضرت ایوب کے کھانے پینے کا سامان اور دوائی خریدتی تھیں۔

آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ کوئی بھی آپ سے کام کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔لوگ سوچتے تھے
ایوب کی بیوی ہے اوراس کے پاس رہتی اور خدمت کرتی ہے کہیں اس کی وجہ سے یہ بیماری
بھی نہ لگ جائے۔آپ نے بہت کوشش کی کہ کہیں کام مل جائے لیکن کوئی بھی آپ کو اپنے
میں داخل ہونے کی اجازت دینے کے لئے تیار نہیں تھا۔آپ تشریف لے گئیں۔اوراپنی
بنڈھی ایک امیر زادی کو فروخت کردی۔اس امیر زادی نے اس کے بدلے آپ کو بہت سا
کھانا دیا۔آپ لے کر حضرت ایوب کی خدمت میں پہنچیں۔آپ علیہ السلام نے پوچھا یہ کھانا
سے آیا؟انہوں نے عرض کی: میں نے اس کے بدلے لوگوں کی خدمت کی۔حضرت ایوب
السلام بہت حیران ہوئے۔اگلے دن پھر کسی کے ہاں کام نہ مل سکا۔آپ نے اپنی دوسری
بھی فروخت کردی۔اور کھانا لے کر حضرت ایوب کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔آپ بہت
ہوئے اور فرمایا بخدا میں کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک کہ آپ یہ نہیں بتا دیتیں کہ یہ کھانا
سے آیا ہے؟

انہوں نے اپنے سر سے دوپٹہ ہٹایا تو بال منڈے ہوئے تھے۔حضرت ایوب نے بارگاہ
خداوندی میں عرض کی کہ مولا!

انی مسنی الضر و انت ارحم الراحمین (الانبیاء:۸۸)

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ ہم سے والد گرامی نے بیان فرمایا: ہم سے ابوسلمہ نے
فرمایا: ہم سے جریر بن حازم نے بیان فرمایا۔انہوں نے عبداللہ بن عبید بن عمیر سے روایت
فرماتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام کے دو بھائی تھے۔وہ ایک دن آپ کو ملنے آئے لیکن بدبو کی
سے قریب نہ آسکے۔دور کھڑے ہوکر باتیں کرنے لگے۔ایک نے کہا: اگر ایوب میں کچھ بھی
بھلائی ہوتی تو وہ اس قدر مصیبت میں مبتلا نہ ہوتا۔حضرت ایوب ان کی بات سن کر اس قدر روئے
پہلے کبھی کسی رنج سے یوں نہ روئے تھے۔بارگاہ الٰہی میں عرض کی: مولا! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے
رات سیری کی حالت میں نہیں گزاری جب کہ میرے علم میں کوئی بھوکا سویا ہو۔تو میری

تصدیق فرمادے۔اللہ کریم نے آسمان سے آپ کی تصدیق فرمائی اور وہ دونوں سن رہے تھے۔پھر آپ علیہ السلام نے عرض کی۔میرے پروردگار اگر تو جانتا ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے پاس دو قمیصیں ہوں اور میں کسی ننگے کے متعلق جانتا ہوں اور میں نے اس کو ایک قمیص نہ دے دی ہو تو تو میری تصدیق کردے۔آسمان سے رب قدوس نے آپ کی تصدیق فرمائی۔جب کہ دونوں بھائی تصدیق کی آواز کی اپنے کانوں سے سن رہے تھے۔

پھر آپ علیہ السلام نے عرض کی۔اے میرے خدا! تیری عزت کی قسم اور سر سجدہ میں رکھ دیا۔سجدے میں پھر عرض کناں ہوئے مجھے تیری عزت و جلال کی قسم! اس وقت تک سر نہیں اٹھاؤں گا جب تک میری تکلیف کو دور نہیں فرمادے گا۔آپ سجدے میں رہے حتیٰ کہ ساری تکلیف جاتی رہی۔

ابن ابی حاتم، اور ابن جریر دونوں کہتے ہیں کہ ہم سے یونس بن عبد الاعلیٰ نے بیان فرمایا۔ہمیں ابن وہب نے بتایا۔مجھے نافع بن یزید نے خبر دی۔انہوں نے زہری سے،انہوں نے انس بن مالک سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''اللہ کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام اٹھارہ سال بیمار رہے۔اپنے اور غیر سب نے انہیں چھوڑ دیا۔صرف دو آدمی آپ کے ساتھ لگے رہے۔یہ دونوں آپ کے بھائی تھے اور نہایت محبت کرتے تھے۔وہ صبح و شام آپ کو ملنے آتے۔ایک نے دوسرے سے کہا: جانتے ہو ایوب نے کوئی ایسا گناہ کیا ہے کہ دنیا میں کسی اور نے نہیں کیا ہوگا۔دوسرے نے کہا: اس سے کون سا گناہ سرزد ہوگیا ہے؟ پہلے نے کہا: اٹھارہ سال گزر چکے ہیں لیکن اس کے رب نے اس پر نظر رحمت نہیں فرمائی کہ یہ ٹھیک ہو جاتا۔جب صبح دونوں حضرت ایوب کے پاس آئے تو اس سے رہا نہ گیا اور اس نے اس کا ذکر حضرت ایوب سے کردیا۔ایوب علیہ السلام نے فرمایا۔نہ معلوم تو کیا کہہ رہا ہے؟ ہاں اللہ عزوجل جانتا ہے کہ جب میں دو آدمیوں کو جھگڑتے دیکھتا اور سنتا کہ وہ قسمیں اٹھا رہے ہیں تو میں گھر جاتا اور ان دونوں کی طرف سے قسم کا کفارہ ادا کردیتا کہ کہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا نام لا وجہ نہ لیا ہو۔

فرماتے ہیں: آپ علیہ السلام رفع حاجت کے لئے تشریف لے جاتے قضائے حاجت کے بعد آپ کی بیوی محترمہ آپ کا ہاتھ تھام لیتیں اور آپ واپس آجاتے۔ایک دن انہیں دیر ہوگئی۔اسی جگہ رب قدوس نے وحی فرمائی۔

''اور حکم ہوا) اپنا پاؤں (زمین پر) مارو۔یہ نہانے کے لئے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لئے''

آپ دیر سے پہنچیں تو تلاش کرنے لگیں۔ایوب علیہ السلام ان کی طرف تشریف لے ئے۔اللہ کریم نے آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمادی تھی اور اب وہ پہلے سے بھی کہیں حسین و جمیل ہو رہے تھے۔جب بیوی نے آپ کو دیکھا تو نہ پہچان سکیں اور کہنے لگیں۔اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا کرے۔کیا آپ نے اللہ کے نبی کو دیکھا ہے جو یہاں بیماری کی حالت میں تشریف فرما رہا کرتے ہیں۔بخدا! میں نے آج تک کسی آدمی کو آپ سے زیادہ مشابہ نہیں دیکھا جب وہ صحت مند ہوا کرتے تھے۔آپ نے فرمایا: میں ایوب ہی ہوں۔فرماتے ہیں کہ آپ کے دو کھلیان تھے۔ایک کھلیان گندم کے لئے اور دوسرا جو کے لئے۔اللہ کریم نے بادل کے دو ٹکڑے بھیجے جب بادل کا ایک ٹکڑا گندم کے کھلیان کے اوپر گیا تو وہ سونے سے بھر گیا حتیٰ کہ سونا اس کے کناروں سے باہر گرنے لگا اور دوسرا ٹکڑا جو کے کھلیان پر گیا جس سے وہ چاندی سے لبالب بھر گیا۔اور چاندی اس سے باہر گرنے لگی''

یہ لفظ ابن جریر کے ہیں۔اور بالکل اسی طرح اسے ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں محمد بن الحسن قتیبہ سے، انہوں نے حرملہ سے، انہوں نے ابن وہب سے روایت کیا ہے۔لیکن اس کا مرفوع ہونا غریب محسوس ہوتا ہے۔لگتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے۔

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ ہم سے والد گرامی نے بیان فرمایا: ہم سے موسیٰ بن اسمٰعیل نے بیان فرمایا:۔ہم سے حماد نے بیان فرمایا۔ہم کو علی بن زید نے بتایا۔انہوں نے یوسف بن مہران سے،انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمایا کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو جنتی حلہ پہنایا اور آپ قدرے ہٹ کر ایک جگہ بیٹھ گئے۔آپ کی زوجہ محترمہ تشریف لائیں لیکن آپ کو پہچان نہ سکیں۔کہنے لگیں۔اے اللہ کے بندے! وہ بیمار شخص کہاں گیا جو یہاں رہا کرتا تھے۔کہیں اسے کتے کھا گئے یا بھیڑئے اٹھا لئے گئے؟ کچھ دیر وہ آپ سے باتیں کرتی رہیں۔آپ نے فرمایا: تیرا بھلا ہو میں ایوب ہی تو ہوں! کہنے لگیں: اے بندۂ خدا کیا آپ مجھ سے مذاق کرنے لگے؟ آپ نے فرمایا خدا تیرا بھلا کرے میں ایوب ہوں۔اللہ کریم نے مجھے میرا جسم دوبارہ دے دیا ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کھویا ہو مال و اولاد واپس دے دیا اور اس کے ساتھ ساتھ اور بھی مال اولاد سے نوازا۔

وہب بن منبہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی میں نے تمہیں تمہارا مال تمہاری اولاد دوبارہ عطا کردی اور ان کے ساتھ ان کی مثل اور بھی نعمتیں عطا فرمادیں۔اس

پانی سے غسل فرمایئے۔اس میں تیرے لئے شفاء ہے۔اپنے صحابہ کو اپنا قرب بخشیے اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کیجئے۔کیونکہ انہوں نے تیرے حق میں میری نافرمانی کی ہے۔

اسے ابن ابی حاتم نے روایت فرمایا ہے۔

آپ فرماتے ہیں: ہم سے ابو زرعہ نے بیان کیا، ہم سے عمرو بن مرزوق نے بیان کیا۔ہم سے ہمام نے بیان کیا۔انہوں نے قتادہ سے، انہوں نے نضر بن انس سے، انہوں نے بشیر بن نھیک سے، انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا ''جب رب کریم نے ایوب علیہ السلام کو عافیت بخشی تو آپ پر سونے کی ٹڈیوں کی بارش برسائی۔آپ انہیں ہاتھوں سے پکڑ پکڑ کر کپڑے میں باندھنے لگے۔فرماتے ہیں کہ ان سے کہا گیا۔ایوب! کیا سیر نہیں ہوئے؟ عرض کی: پروردگار! تیری رحمت سے سیر کون ہوسکتا ہے؟ اسی طرح اسے امام احمد نے قتادہ سے روایت کیا ہے اسے ابن حبان سے اپنی صحیح میں عبداللہ بن محمد ازدی سے وہ اسحاق بن راھویہ سے، وہ عبدالصمد سے انہی الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔لیکن اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے بھی اسے روایت نہیں کیا۔ہاں یہ صحیح بخاری کی شرائط پر پورا اترتی ہے۔(واللہ اعلم)

امام احمد فرماتے ہیں: ہم سے سفیان نے بیان فرمایا۔انہوں نے ابی زناد سے، انہوں نے اعرج سے، انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایوب علیہ السلام پر سونے کے ٹڈیوں کا لشکر بھیجا گیا آپ انہیں پکڑ کر کپڑے میں اکٹھا کرنے لگے۔آپ سے کہا گیا: اے ایوب: کیا جو کچھ ہم نے دیا وہ کافی نہیں ہے؟ آپ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے پروردگار! تیری رحمت سے مستغنی کون ہوسکتا ہے یہ حدیث موقوف ہے۔ایک اور سند کے ذریعے اسے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً بھی روایت کیا گیا ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں: ہم سے عبدالرزاق نے بیان فرمایا: ہم سے معمر نے بیان فرمایا۔انہوں نے ہمام بن منبہ سے روایت کیا۔فرماتے ہیں اس حدیث کو ہم سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔فرماتے ہیں کہا اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''ایوب علیہ السلام ننگے غسل فرما رہے تھے اسی اثناء میں آپ پر سونے کی ٹڈیوں کا ایک گروہ آ گرا۔آپ انہیں مٹھی بھر بھر کر پلڑے میں ڈالنے لگے۔آپ کے پروردگار نے آواز دی: اے ایوب! جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں کیا میں نے تمہیں اس سے غنی نہیں کردیا؟ آپ نے عرض کی! کیوں نہیں میرے رب! لیکن تیری برکتوں سے میں بے پرواہ نہیں ہوسکتا'' اسے بخاری نے عبدالرزاق کے حوالے

...الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

...رب قدوس کے فرمان ارکض برجلک کا مطلب ہے اپنے پاؤں سے زمین کو ٹھوکر ...علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی زمین پر پاؤں مارنے کی دیر تھی ٹھنڈے پانی کا چشمہ ...اور حکم ہوا کہ اس پانی سے غسل کیجئے۔اور اسے پیجے۔آپ نے پانی پیا اور غسل فرمایا ...نے آپ کے جسم سے ساری تکلیف، ساری بیماری دور فرما دی۔ظاہری بیماریاں بھی ...اور باطنی کلفتوں کا بھی ازالہ ہوگیا۔نہ صرف آپ ظاہری نعمتوں سے مالا مال ہوئے بلکہ ...نے باطنی نعمتوں سے بھی نوازا کہا جاتا ہے کہ آپ پر سونے کی بارش ہوئی جس سے ...پھوڑے بھی درست ہوگئے اور فقر و اخلاص جو امتحان تھا وہ بھی اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔

اللہ تعالیٰ نے پورا خاندان پھر سے آپ کو عطا کردیا۔جیسا قرآن میں ہے۔

...اتیناه اهله ومثلهم معهم (الانبیاء:۸۴)

''اور ہم نے عطا کیے اسے اس کے گھر والے۔نیز اتنے اور ان کے ساتھ اپنی ...رحمت خاص سے اور یہ نصیحت ہے عبادت گزاروں کے لئے''

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ کریم نے ایوب علیہ السلام کے فوت شدہ بیٹوں اور بیٹیوں ...ا دیا جب کہ بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ اس سے مراد فوت شدہ بچوں کے بدلے ...ئے بچے بچیاں عطا کرنا ہے اللہ نے آپ کو پہلے سے کہیں زیادہ مال و دولت عطا کردیا ...میں ان تمام کو جنت الفردوس میں اکٹھا فرما کر ان پر اپنا کرم تمام کرے گا۔اسی طرف اشارہ ہے۔اور رحمة من عندنا کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کی تکلیف کو اپنی رحمت ...ا دیا اور احسان، رافت اور رحمت کرتے ہوئے ان کی بیماری دور کردی اور انہیں شفاء عطا ...ذکری للعابدین کا معنی یہ ہے کہ یہ واقعہ ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو کسی جسمانی ...مبتلا ہوں۔یا جن کا مال و دولت جاتا رہا ہو یا جن کے بچے فوت ہوگئے ہوں۔ہر ...وہ شخص کے لئے اللہ کے نبی ایوب کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔کیونکہ جو ...حضرت ایوب کو پہنچیں وہ سب تکلیفوں سے کہیں زیادہ تھیں۔لیکن آپ نے صبر کیا اور لمحہ ...بھر کیا حتی کہ اللہ کریم نے اپنے مقبول بندے کی تمام تکالیف دور فرما دیں اور انہیں ...فائز کردیا۔

...ابن جریری اور کئی دوسرے علماء تاریخ نے بیان فرمایا ہے کہ ایوب علیہ السلام کی عمر ...سال ہوئی تو آپ اس دنیا سے رخصت ہوگئے ایک قول میں اس سے زیادہ عمر بتائی

جاتی ہے۔

لیث نے مجاہد سے روایت کیا ہے جس کا مفہوم یوں ہے کہ رب قدوس سلیمان علیہ السلام کو غنیوں کے سامنے بطور دلیل پیش فرمائیں گے، یوسف علیہ السلام کو غلاموں کے سامنے اور ایوب علیہ السلام کو مصیبت زدوں کے سامنے۔

اسے ابن عساکر نے اسی معنی کے تحت روایت کیا ہے۔

آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے ''حومل'' کو مرتے وقت وصیت فرمائی آپ کی وفات کے بعد ''حویل'' نے اشاعت دین کا کام سنبھالا اور اس کام میں ان کے بھائی ''بشر'' بن ایوب نے ان کی مدد کی۔ انہیں کے متعلق بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ قرآن میں ذوالکفل کے نام سے مشہور ہیں۔ (واللہ اعلم)

آپ کے بیٹے ''حومل'' علیہ السلام بعض علماء کے نزدیک نبی ہیں اور ان کی کل عمر پچھتر سال ہے۔ چونکہ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ذوالکفل حضرت ایوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں اس لئے ہم یہاں حضرت ذوالکفل کا ذکر خیر کرتے ہیں۔

معارف القرآن میں ہے کہ ان کا نام لیابنت منشاء بن یوسف علیہ السلام ہے۔ (واللہ اعلم)

آپ کے سات بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔ ایک ہزار اونٹ، ایک ہزار بکریاں، پانچ سو غلام اور پانچ سو اہل وعیال تھے۔ آپ اس وقت کے مالداروں میں شمار ہوتے تھے اور ہر وقت خدا کی یاد میں مشغول رہتے اور شکر گزاری کرتے۔ شیطان آپ کی عبادت اور خدا کی شکر گزاری کو دیکھ کر حسد کی آگ میں جلتا اور آپ کو اپنے پھندے میں پھانسنے کی کوشش کرتا۔ کبریائی سے ندا آئی کہ اے لعین ایوب میرا بندہ صالح اور شاکر ہے۔ اس پر تیرا اغوا کچھ اثر نہیں کر سکے گا۔ شیطان نے کہا خدایا تو نے اس کو ثروت اور فراغت اور قدرت عطا کی ہے اور اس کی آنکھیں اولاد کے دیدار سے روشن ہیں پھر تیرا شکر نہ بجالائے۔ اگر تو اس سے یہ نعمتیں لے لے تو یہ ہرگز بھی تجھے یاد نہ کرے گا، اور تیری بندگی سے بیزار ہوجائے گا۔

فرمایا: اے ابلیس! تیرا یہ گمان میرے بندے کے بارے میں غلط ہے۔ شیطان نے کہا کہ پروردگار عالم! اگر تو مجھے اس کی اولاد اور مال پر تسلط بخشے تو معلوم ہوگا کہ کس طرح بندگی کرتا ہے۔ پروردگار عالمؑ نے فرمایا کہ چل میں نے تجھے اس کی اولاد اور مال پر تسلط دیدیا ہے۔ ابلیس لعین خوش ہوگیا اور اپنی ذریت اور تابعداروں کو جمع کر کے حضرت ایوبؑ کے مال مویشی دریا میں غرق کر دیئے۔ شیطان خود گوالے کی صورت میں آیا اور مویشی ڈوب جانے کی خبر دی۔ حضرت

ب نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ جس نے اپنے فضل سے دیا تھا اور عدل سے لے لیا۔ پھر طان نے مایوس ہوکر اپنی ذریت سے کہا کہ حضرت ایوبؑ کے زراعت اور خرمن کو آگ لگا دو۔ جب وہ سب جل کر راکھ ہوگئے تو شیطان نے آکر کہا کہ آپ نمازوں میں لگے ہوئے اور ادھر سب کھیت اور باغات جل کر فنا ہوگئے ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام وہی جواب دے عبادت میں مشغول ہوگئے بلکہ کمال دلجمعی سے فارغ ہوکر عبادت کرنے لگے۔ شیطان لعین ون اور مضطرب ہوکر واپس ہوا اور اسی طرح اس نے سب گھربار کا سامان تباہ و برباد کرادیا وہ ملعون ہر تباہی کی خبر حضرت ایوب علیہ السلام کو دیتا گیا۔ لیکن حضرت ایوبؑ پہلے سے بھی ہ دل جمعی سے عبادت کرنے لگے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی سب اولاد ایک مکان میں تعلیم مشغول تھی پھر شیطان نے اس مکان کو ان پر گرادیا اور فرزندان سعادت منداس مکان کے دب کر مرگئے۔

یہ خبر بھی شیطان نے حضرت ایوب کو دیدی۔ پھر بھی حضرت ایوبؑ صابر وشاکر ہوکر ت میں مشغول رب اور توکل کی رسی تھامے رکھی۔ ذرا بھی آپ کے مزاج میں تغیر نہ پھر خدا کا امتحان آپ کے بدن پر آگیا۔ شیطان نے کہا کہ یا خدا اب مجھے ان کے بدن پر بار دے پھر معلوم ہوگا کہ یہ کس طرح عبادت کرتا ہے پروردگار عالم نے فرمایا کہ بغیر زبان ل اور کانوں کے میں نے تجھے تسلط دیدیا، یہ بھی تو کر کے دیکھ لے۔ چنانچہ شیطان بصورت زمرد کے ہوکر آیا اور آپ کے ناک میں پھونک دیا، اس کی حرارت سے پورے بدن مبارک خارش شروع ہوگئی جس سے گوشت پوست پھٹنے لگا اور تمام بدن میں کیڑے پڑ گئے اور لوگوں آپ کو شہر سے باہر ایک جھونپڑی میں ڈال دیا۔

ہر کوئی آپ سے بیزار ہوگیا سوائے بی بی رحمت کے، اس نے کمر بستہ ہوکر آپ کی ت کی۔ جب سب مال دولت ختم ہوگیا تو بی بی نیک بخت نے مزدوری شروع کی، نصف دوری خدا کے نام حضرت ایوب علیہ السلام کی تندرستی کے لئے صدقہ دے دیتی اور نصف پر خود وقت بھی گزارتی اور ایوبؑ کو بھی کھلاتی۔ جب بھی مزدوری کے واسطے جاتی تو راستے میں شیطان کھڑا ہوتا اور کہتا رہتا کہ تو جوان اور صاحب جمال ہے۔ کس واسطے مزدوری کرتی ہے اپنی جوانی کو تو ایسے آدمی کی خدمت میں برباد کرتی ہے۔ مصر میں ایک دولت مند سردار اس بیمار کو چھوڑ دے میں تجھ کو اس سردار کے نکاح میں دے دوں گا اور تیرا درجہ اوج عزت کو گا۔ وہ بی بی پاک اعتقاد والی اس کی کسی بات کی طرف بھی التفات نہ کرتی۔ بلکہ واپسی

پر وہ سارا حال حضرت ایوب علیہ السلام کو سنا دیتی۔تو حضرت ایوب علیہ السلام فرماتے کہ وہ لعین ہے تو اس کی باتوں پر فریفتہ نہ ہو۔(روضۃ الاصفیاء)

ایک دن ابلیس لعین طبیب کی شکل میں بی بی کے سامنے حاضر ہوا اور بی بی سے کہا اس بیماری کا علاج گوشت خوک اور شراب ہے۔اس کے بغیر کوئی علاج نہیں۔اور بعض کہتے ہیں کہ ایک دن بی بی نے اپنے تھوڑے سے سر کے بال کاٹ کر فروخت کر دیئے تھے۔لیکن تفسیر میں ہے کہ شیطان طبیب بن کر آیا اور بی بی سے کہا کہ اس کا علاج میں کرتا ہوں لیکن شفا مجھ سے سمجھو۔جب یہ بیماری لمبی ہوگئی تو حضرت ایوبؑ نے خدا کی جناب میں فریاد شروع کر دی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ

''یاد کر ہمارے بندے ایوبؑ کا ذکر جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج اور دکھ پہنچایا ہے''

حضرت ایوب علیہ السلام کو جب شیطان کی طرف سے خبریں پہنچیں تو اس وقت انہوں نے خدا سے فریاد کی۔اس سے پہلے ان کو اتنی شدت کی بیماری دراز گزری تھی فریاد تک نہ کی تھی۔مال برباد ہوگیا۔اولادیں مرگئیں۔جسم مبارک مریض ہوگیا۔یہاں تک کہ سوئی کے ناکے کے برابر سارے جسم مبارک میں ایسی جگہ نہ تھی جہاں بیماری نہ ہو۔صرف دل اور زبان سلامت تھے۔پھر فقیری اور مفلسی کا یہ حال تھا کہ ایک وقت کا کھانا پاس نہ تھا۔اور اسی حال میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جو خبر گیری کرتا۔سوائے ایک نیک بخت بی بی صاحبہ کے جن کے دل میں خوف خدا تھا اور اپنے شوہر کی محبت تھی۔لوگوں کا کام کاج کر کے اپنا اور اپنے شوہر کا پیٹ پالتیں اور صدقہ بھی دیتی رہتیں۔حالانکہ پہلے ان سے زیادہ مالدار دوسرا کوئی نہ تھا۔اولاد بھی تابعدار اور دنیا کی ہر راحت موجود تھی۔اب ہر چیز چھن گئی۔شہر سے باہر کوڑا کرکٹ کی جگہ لا بٹھایا۔اسی حالت میں کئی سال گزر گئے۔اپنوں اور غیروں نے منہ پھیر لیا۔حتیٰ کہ خیریت پوچھنے والا کوئی نہ تھا صرف آپ کی وہی نیک بیوی صاحبہ تھیں جو ہر وقت دن رات خدمت کے لئے کمربستہ رہتی تھیں۔بالآخر دور آزمائش کے ختم ہونے کا وقت آ گیا۔پھر اس برگزیدہ بندے نے رب العالمین کی بارگاہ کرم میں تضرع و زاری کی۔کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے حضور قلب کے ساتھ دعا کی اے میرے پالنہار خدا مجھے دکھ نے تڑپا دیا ہے اور تو رحم الراحمین ہے۔اسی وقت رحیم و کریم خدا نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور حکم ہوا کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو۔پاؤں لگتے ہی وہاں ایک چشمہ ابلنے لگا۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ارکض برجلک هذا مغتسل بارد و شراب

''اپنا پاؤں مارو۔یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ہے۔''

پاؤں مارتے ہی چشمہ جاری ہوگیا۔حکم ہوا کہ اس کا پانی پی لو۔پاؤں جب مارے تو دو چشمے جاری ہوئے۔ایک نہانے کے واسطے دوسرا پینے کے واسطے۔نہانے سے بدن کے اوپر کی بیماری چلی گئی۔اور پینے سے اندرونی بیمار سب کی سب جاتی رہی۔ظاہری اور باطنی عافیت اور کامل تندرستی حاصل ہوگئی۔

ابن جریری اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اٹھارہ سال تک خدا تعالیٰ کے پیغمبر علیہ السلام دکھ درد میں مبتلا رہے اور اپنے اور غیروں نے چھوڑ دیا تھا۔ہاں آپ کے دو مخلص دوست صبح و شام خیرت و مزاج پرسی کے لئے آ جایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک نے دوسرے سے کہا میرا خیال ہے کہ ایوب علیہ السلام نے خدا کی کوئی بڑی نافرمانی کی ہے کہ اٹھارہ سال سے اس بلا میں مبتلا ہیں اور خدا ان پر رحم نہیں کرتا۔پھر اس دوسرے نے شام کو حضرت ایوب علیہ السلام سے وہ بات کہہ دی آپ کو اس بات سے بھی سخت رنج ہوا اور کہنے لگے میں نہیں جانتا کہ وہ ایسا کیوں کہتے ہیں۔خدا خوب جانتا ہے میری تو یہ حالت تھی کہ جب دو آدمی آپس میں جھگڑتے۔میں دیکھتا دونوں خدا کو درمیان میں لاتے تو مجھ سے یہ نہ دیکھا جاتا کہ خدا تعالیٰ کے عزیز نام کی اس طرح یاد کی جاتی ہے۔کیونکہ دو میں سے ایک ضرور مجرم ہوگا۔اور وہ دونوں اللہ کا نام لے رہے ہیں تو میں اپنے پاس سے دے دلا کر ان کے جھگڑے کو ختم کر دیتا تھا۔کہ اللہ کے نام کی بے ادبی نہ ہو۔اور اس وقت آپ کی حالت یہ تھی کہ چل پھر نہ سکتے تھے بلکہ پیشاب پاخانے کے بعد آپ کی بیوی صاحبہ اٹھاتی تھیں۔ایک دن آپ کی بیوی صاحبہ نہ تھیں تو آپ کو بڑی تکلیف ہوئی تو آپؑ نے خداوند کریم جل جلالہ کے دربار میں اپنی صحت کے واسطے دعا کر دی۔(تفسیر ابن کثیر)

ارشاد ربانی ہے۔

''اور ایوبؑ نے جب پکارا اپنے پروردگار کو بے شک مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے حالانکہ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے''

پروردگار عالم جل جلالہ نے آپؑ کی فریاد کو منظور فرمادیا۔جیسا کہ ارشاد ہے۔

''پس قبول کیا اس کی فریاد کو اور دور کر دی ہم نے وہ تکلیف جس میں وہ مبتلا تھا اور دیا ہم نے اس کو اہل اور اپنی رحمت سے اتنا ہی اور دے دیا۔اس لئے کہ

عابدوں کے لئے یادگار ہے"

ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ان کی مری ہوئی اولاد اور کنبے کو زندہ کر دیا اور سات بیٹے اور سات بیٹیاں بعد میں پیدا ہوئیں۔ جیسا کہ ظاہر آیت سے بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام چالیس سال تک زندہ رہے۔ اس میں آپ نے اپنی چار پشتوں کو دیکھا۔

وہب بنؒ منبہ فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام رومی تھے۔ انوس کے بیٹے عیص بن اسحٰق کے پوتے تھے۔ اور بیوی ان کی کا رحمت نام تھا۔ اور معالم تنزیل میں ہے کہ ایوب علیہ السلام تیسری پشت میں عیص ابن اسحٰق علیہ السلام سے جا ملے۔ (تفسیر حقانی)

حضرت ایوب علیہ السلام نے دراز بیماری میں صبر کیا اور پھر پروردگار عالم سے صحت کے واسطے التجا کی تو پروردگار عالم جل جلالہٗ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا: تندرستی عطا فرمائی پھر مری ہوئی اولاد اور کنبہ اور جانور وغیرہ سب کچھ دوبارہ عطا فرمایا: جیسا کہ ارشاد ہے۔

"اور ہم نے اسے اس کا پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اتنا ہی اور بھی اسی کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے دیا۔ اور عقل مندوں کے لئے نصیحت ہے"

حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے پروردگار عالم جل جلالہٗ سے التجا کی کہ الٰہی تو ارحم الراحمین ہے میری حالت پر رحم فرما۔ بی بی صاحبہ جب آئی تو ان سے پہلے جبریل علیہ السلام جامہ پہنا کر حضرت ایوب علیہ السلام کو چلے گئے تھے۔ بی بی صاحبہ نے آ کر دیکھا کہ مریض شوہر تو نہیں اور کوئی تندرست نورانی چہرے والا آدمی بیٹھا ہے۔ پہچان نہ سکیں اور دریافت کرنے لگیں کہ اے اللہ کے بندے! یہاں اللہ کے ایک نبی جو درد و دکھ میں مبتلا تھے آپ نے ان کو دیکھا ہے یا نہیں۔ واللہ جب وہ تندرست تھے تو تم جیسے تھے۔ آپ نے فرمایا وہ میں ہی ہوں۔ اس وقت بڑی خوشی سے بی بی صاحبہ نے فرمایا: یہ کیسے ہوا؟ فرمایا خدا کا فضل آ گیا اور سارا واقعہ بیان فرمایا۔ راوی کہتا ہے کہ آپ کی دو کوٹھیاں تھیں۔ ایک گیہوں کے لئے اور ایک جو کے لئے۔ پروردگار عالم جل جلالہٗ نے دو ابر بھیجے ایک سے سونا برسا اور ایک سے اناج وہ دونوں کوٹھیاں ایک اناج سے اور دوسری سونے سے بھر گئیں۔ (ابن جریر)

حضرت حسنؒ اور قتادہؒ سے تو منقول ہے کہ مردہ اولاد بھی خدا نے دوبارہ زندہ کر دی اور اتنی مزید اولاد عطا فرمائی۔ یہ تھا اللہ تعالیٰ کا رحم جو ان کے صبر اور استقلال اور رجوع الی اللہ اور تواضع اور انکساری کے بدلے اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے ان کو عطا فرمایا اور عقل مندوں کے لئے نصیحت و عبرت ہے۔ وہ جان لیتے ہیں کہ صبر کا بدلہ اور انجام کشادگی ہے اور رحمت اور راحت ہے۔ اور حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی حالت میں ان کی بیوی صاحبہ اپنے بالوں کی لٹ بیچ کر ان کے لئے کھانا لائی تھی

ے حضرت ایوب علیہ السلام ناراض ہو گئے اور قسم کھائی کہ اگر میں تندرست ہو گیا تو ...یں سو کوڑے ماروں گا۔ اور بعض روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ شیطان نے کہا تھا کہ اس ...یں کرتا ہوں لیکن شفا میرے سے سمجھے اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ شیطان نے گوشت ...و ناجائز چیز بتائی جیسا کہ اوپر گزر گیا ہے۔ قسم کھائی تھی۔ بہر حال اب قسم کو پورا کرنے کا ارادہ ...ی نیک صفت خاتون ایسی سزا کے لائق نہ تھی جو سزا حضرت ایوب علیہ السلام غصے میں طے کر ...ں لئے رب العالمین اور ارحم الراحمین نے ان پر رحم فرمایا: چنانچہ ارشاد ہے۔

"اور اپنے ہاتھ میں تیلیوں کی ایک جھاڑو لے کر مار دے اور قسم کا خلاف نہ کر۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا صابر بندہ پایا۔ وہ بڑا نیک بندہ تھا اور بڑی ...ی رغبت رکھنے والا"

کیونکہ ایسی صابر و شاکر بی بی پر سزا بھی نہ ہوگی۔ یہی دستور خداوندی ہے کہ وہ اپنے ...ں کو جو اس سے ڈرتے ہوں برائیوں اور بدیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ ایوب علیہ السلام ...ے صابر و شاکر پائے گئے اور خداوند فرماتا ہے کہ آپؑ کے دل میں ہماری سچی محبت تھی اور طرف جھکتا رہا اور ہمیں سے لو لگائے رہا۔ جو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ سے ڈرتا ہے تو ...الم ارحم الراحمین اس کے لئے چھٹکارے کی صورت نکال دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وخذ ...نا کے تحت چند مسائل غور طلب ہیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو سو ...رنے کی قسم کھالے اور بعد میں سو قمچیاں الگ الگ مارنے کی بجائے تمام قمچیوں کا گٹھا بنا ...ک مرتبہ مار دے تو اس سے قسم پوری ہو جاتی ہے۔ اسی لئے حضرت ایوب علیہ السلام کو ایسا ...ا حکم ہوا۔ یہی حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔ لیکن ابن ہمام لکھتے ہیں کہ اس کے ...رطیں ضروری ہیں۔

...ان کے بدن پر ہر قمچی طولاً یا عرضاً ضرور لگ جائے۔

...اس سے کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور ہو۔

...اگر اتنے ہلکے سے قمچیاں بدن کو لگائی گئیں کہ بالکل تکلیف نہ ہو تو قسم پوری نہ ہوگی۔ (فتح القدیر ۱۳۷-۴)

...س آیت سے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ نامناسب یا مکروہ بات سے بچنے کے لئے اگر

کوئی شرعی حیلہ اختیار کرلیا جائے تو وہ جائز ہے۔ظاہر ہے کہ حضرت ایوبؑ کے واقعہ میں
تقاضا یہ ہے کہ آپ کی زوجہ مطہرہ بے گناہ تھیں۔اور انہوں نے آپ کی بے مثال خدمت
اس لئے آپ کو اللہ تعالیٰ نے خود ایک حیلہ کی تلقین فرمائی۔اور یہ تصریح کردی کہ اس طرح ان
قسم نہیں ٹوٹے گی۔لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس قسم کے حیلے اس وقت جائز ہوتے ہیں جب
انہیں شرعی مقاصد کے ابطال کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔اگر حیلہ کا مقصد یہ ہو کہ کسی حق دار کا حق
کیا جائے یا کسی صریح حرام فعل کو کسی طریقے سے اپنے لئے حلال کرلیا جائے تو ایسا حیلہ
ناجائز ہے۔مثلاً زکوٰۃ سے بچنے کے لئے بعض لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ سال کے ختم ہونے
ذرا پہلے اپنا مال بیوی کی ملکیت میں دے دیا۔پھر کچھ عرصہ بعد بیوی نے شوہر کی ملکیت میں د
دیا اور جب اگلا سال ختم ہونے کے قریب ہوا تو شوہر نے بیوی کو ہبہ کردیا اس طرح کسی پر
واجب نہیں ہوئی۔ایسا کرنا چونکہ مقاصد شرعیہ کو باطل کرنے کی ایک کوشش ہے اس لئے حرام
اور شاید اس کا وبال ترک زکوٰۃ کے وبال سے بھی زیادہ بڑا ہو۔

اگر کوئی شخص کسی نامناسب غلط یا ناجائز فعل پر قسم کھالے تو وہ قسم منعقد ہوجاتی ہے
اس کے توڑنے پر کفارہ بھی لازم ہوتا ہے۔ظاہر ہے کہ اگر اس صورت میں کفارہ نہ آتا تو حضرت
ایوبؑ کو حیلہ نہ تلقین فرمایا جاتا۔لیکن ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کسی نامناسب کام پر اگر
کھالی جائے تو شرعی حکم یہ ہے کہ اسے توڑ کر کفارہ ادا کردیا جائے۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص ایک قسم کھالے۔پھر بعد
اس کی رائے یہ ہو کہ اس قسم کے خلاف عمل کرنا زیادہ بہتر ہے تو اسے چاہیے کہ وہی کام کرے
بہتر ہو، اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔(معارف القرآن: ۵۲۳ج۷)

حضرت ایوب علیہ السلام چالیس سال زندہ رہے اور آپ نے اپنی اولاد چار پشتوں
تک دیکھی۔(قصص القرآن)

پھر خدا کے حکم سے روم چلے گئے اور وہاں اسلام کی دعوت دیتے رہے اور وہیں آ
نے وفات پائی۔آپ کا ذکر قرآن پاک میں:

(۱)	پارہ ۶	سورہ نساء	رکوع ۲۳
(۲)	پارہ ۷	سورہ انعام	رکوع ۱۰
(۳)	پارہ ۲۳	سورہ ص	رکوع ۴
(۴)	پارہ ۱۷	سورہ انبیاء	رکوع ۶

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام مدین ہے۔اور ان کی نسل کو اہل مدین کہا گیا ہے۔یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی قنطور کی اولاد ہے۔یہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ حضرت اسماعیلؑ کے قریب ہی حجاز میں آباد ہوگئے تھے۔یہ خاندان آگے چل کر ایک بہت بڑا قبیلہ بن گیا تھا۔اسی قبیلہ کو اصحاب ایکہ بھی کہا جاتا ہے یہ قبیلہ حجاز میں شام کے متصل تھا۔عرب کے جغرافیہ میں جو شاہراہ حجاز کے تاجروں کو شام، فلسطین، عین اور مصر تک لے جاتی تھی۔وہ بحیرہ قلزم کے مشرقی کنارے سے ہوکر گزرتی تھی، یہ سردی وگرمی دونوں موسموں میں قریشی قافلوں کے لے بڑی تجارتی سڑک تھی۔

قرآن مجید میں اسی سڑک کو اِمَامٍ مُّبِیْنٍ (الحجر) کہا گیا ہے۔حضرت شعیب علیہ السلام بھی اس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

تفسیر حقانی نے آپ کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے۔شعیبؑ بن صیفون بن عیفا، بن ثابت، بن مدین، بن ابراہیم علیہ السلام

یعنی جھنڈ والے، عربی میں لفظ ایکہ ان سرسبز وشاداب جھاڑیوں کو کہتے ہیں۔جو ہرے بھرے درختوں کی کثرت کی وجہ سے جنگلوں میں ہوتی ہیں۔مدین کی آبادی بحر قلزم کے مشرقی کنارے اور عرب کے شمال مغرب میں اس جگہ آباد تھی۔جسے شام کے متصل حجاز کا آخری حصہ کہا جاتا ہے۔نہروں اور آبشاروں کی کثرت نے اس علاقے کو اس قدر سرسبز وشاداب بنادیا تھا۔اور پھل میوے دار درختوں اور پھولوں کے اس قدر باغات تھے کہ اگر کوئی آدمی باہر سے دیکھتو ایک

جھنڈ نظر آتا تھا تو اس مناسبت سے اہل مدین کو اصحاب ایکہ بھی کہا گیا۔اور بعض کے نزدیک یہ قبیلہ دوحصوں میں بٹ گا تھا، شہر کے رہنے والے اہل مدین کہلاتے تھے اور دیہات کے رہنے والے اصحاب ایک کہلاتے تھے۔

قوم عاد وثمود کی طرح قوم مدین بھی بت پرستی میں مبتلا تھی۔اور اس جرم کے ساتھ ساتھ خرید وفروخت اور ناپ تول میں بھی یہ لوگ گڑبڑ کرتے تھے۔معاملات میں کھوٹ اور ڈاکہ زنی اور مال کی فراوانی نے ان کو اس قدر مغرور اور متکبر بنادیا تھا کہ وہ ان تمام کاموں کو اپنی ذاتی میراث اور خاندانی ہنر سمجھ بیٹھے تھے۔

اس قوم کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے خطیب الانبیاء حضرت شعیب علیہ السلام کو منتخب فرمایا: آپؑ نے ان لوگوں کو شرک سے بیزاری اور خدا کی توحید کا درس دیا، اور رشد وہدایت کی تعلیم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا، اور ناپ تول کو پورا رکھنے کی ہدایت دی۔

جیسا کہ ارشاد ہے۔

''اور اہل مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔اس نے کہا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو۔جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور تم پیمانہ بھرنے اور تولنے میں کمی نہ کیا کرو، میں تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور میں تم کو ایسے عذاب کے دن سے ڈراتا ہوں جو ہر قسم کے عذاب کا جامع ہوگا''

حضرت شعیب علیہ السلام نے لوگوں کو ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی، مگر اس بدبخت قوم پر کوئی اثر نہ ہوا اور اپنے گذشتہ تباہ شدہ بھائیوں کی طرح انہوں نے بھی اللہ کے نبی پر اعتراض کرنے شروع کردیئے کہ کیا آپ کو آپ کی نماز یہ کہتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیں اور اپنے مال میں اپنی مرضی سے تصرف نہ کریں۔ان کی بات قرآن مجید نے اس طرح بیان کی ہے۔

''کہنے لگے کہ اے شعیب کیا تیری نماز نے تجھ کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان معبودوں کی عبادت ترک کردیں جن کی عبادت ہمارے باپ کرتے آئے ہیں' اور کیا ہم اپنے مال میں اپنی مرضی تے تصرف کرنا چھوڑ دیں، بیشک آپ بڑے حلیم الطبع اور نیک چلن ہیں''

حضرت شعیب علیہ السلام پر چند کمزور آدمی ایمان لائے اور مال دار افراد اور قوم کے بدمعاشوں کا یہ طریق کار تھا کہ جو لوگ شعیب علیہ السلام کی خدمت میں دین سمجھنے اور قبول کرنے

کی غرض سے آتے، ان کو راستہ میں روک کر ڈراتے دھمکاتے اور مسلمانوں کے روز بروز جاہلانہ شکوک وشبہات پیش کرتے، اور دین حق میں ٹیڑھی ٹیڑھی باتیں نکالنے کی کوشش کرتے، آپ نے ان کو بھی روکا، لیکن بد باطن لوگ بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی بات سننے اور اپنے لئے اللہ کے نبی کو ایک رحمت سمجھتے اور شعیبؑ پر ایمان لاتے۔الٹا وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ شعیبؑ بھی ہماری ملت میں شامل تھا اور ہم سے کٹ کر الگ ہوگیا ہے۔اور ساتھ ساتھ انہوں نے ان لوگوں کی واپسی کا بھی مطالبہ کیا جو واقعی کفر کو چھوڑ کر مسلمان ہوچکے تھے۔اور شعیبؑ کو دھمکی دی کہ یا تو ہمارے دین میں شامل ہوجاؤ ورنہ ہماری بستی سے نکل جاؤ۔

اور شعیبؑ سے کہنے لگے کہ اگر تیرا اتنا بڑا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم دیکھتے کہ تو کس طرح ہمیں اس دین سے ہٹاتا ہے۔ہم تجھے سنگسار کردیتے حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو جواب دیا کیا میرا قبیلہ اللہ سے بھی تم کو زیادہ عزیز ہے؟ اور خدا کو تم نے بھلا کر پس پشت ڈال دیا ہے۔یقیناً جو تم عمل کرتے ہو وہ سب میرے رب کے احاطہ علم میں ہے۔حضرت شعیبؑ نے گذشتہ تباہ شدہ قوموں کا حوالہ دیتے ہوئے ان کو فرمایا کہ ان لوگوں نے بھی اللہ کے انبیاء کی مخالفت کی تھی اور اپنی ضد پر ڈٹے رہے تھے۔اللہ نے ان سے انتقام لیا اور ان تمام کو کیفر کردار تک پہنچایا۔کہیں ایسا نہ ہو کہ میری مخالفت کی وجہ سے تم کو بھی کوئی ناگہانی آفت آگھیرے۔اس لئے اب بھی وقت ہے سنبھل جاؤ اور نبی کی مخالفت سے اللہ کا عذاب نہ خریدو۔قول تعالیٰ۔

''اور اے میری قوم تم کو میری مخالفت کہیں ایسے کاموں پر آمادہ نہ کردے کہ تم پر اس طرح کے مصائب نازل ہوں جیسے نوح کی قوم یا ہود کی قوم یا صلح کی قوم پر نازل ہوچکے تھے اور لوط کی قوم کا زمانہ تم سے دور بھی نہیں''

لیکن ان لوگوں نے نہ تو بت پرستی چھوڑی اور نہ ناپ تول درست کیا۔الٹا محسن کے دشمن ہوگئے۔اور کہنے لگے کہ یا تو ہمارے دین میں واپس آجایا اس بستی سے نکل جا۔حضرت شعیب علیہ السلام نے دیکھا کہ اب ان سے کوئی امید نہیں۔اور ان کو میں ہر طرح سے سمجھا چکا۔تو آخری فیصلہ سنا دیا کہ اے میری قوم تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو اور میں اپنی حالت پر عمل کر رہا ہوں' تھوڑے دنوں میں معلوم ہوجائے گا کہ کس پر رسوا کن عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے اور کون سچا ہے۔اوھر اللہ تعالیٰ سے دعا کردی۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ

''اے ہمارے رب ہماری قوم کے درمیان ٹھیک فیصلہ کردے اور تو ہی

سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان گمراہوں پر اپنا عذاب نازل کر کے ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ ان لوگوں پر تین طرح کے عذاب آئے تھے۔

(۱) صیحہ (چیخ)، (۲) رجفہ (زلزلہ) (۳) عذاب یوم الظلۃ (سایہ بان والے دن کا عذاب)

ان پر عذاب کی یہ صورت تھی کہ اول ان کی بستی میں سخت گرمی پڑی جس سے سب لوگ بلبلا اٹھے۔ پھر ان کے قریب جنگل میں ایک گہرا بادل آیا جس سے اس جنگل میں سایہ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر تمام بستی والے اس سایہ کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس طرح یہ خدائی مجرم بغیر کسی وارنٹ کے اور سپاہی کے خود ہی اپنی ہلاکت کی جگہ پہنچ گئے۔ جب سب کے سب جمع ہو گئے تو اس بادل سے آگ برسنے لگی اور زمین میں زلزلہ آیا جس سے یہ سارے کے سارے ہلاک ہو گئے۔ ان پر پہلے بادل سے آگ برسی پھر سخت چنگھاڑ کی آواز آئی۔ پھر زلزلہ آیا (معارف القرآن)

قرآن مجید نے اس کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے۔

"ان کو زلزلہ نے آ پکڑا پھر وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل اوندھے پڑے رہ گئے"

(اعراف)

"گویا وہ کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے" (ہود و اعراف)

"خوب سن لو مدین بھی رحمت سے اسی طرح دور کئے گئے جس طرح ثمود رحمت سے دور کئے گئے تھے" (ہود)

تفسیر حقانی میں ہے کہ آخر اس قوم کا وقت بھی قریب آ گیا تھا خدا تعالیٰ نے ان پر ایک دھواں سا اٹھایا جس کی گرمی دلوں کو کباب کرتی تھی۔ یہ دھواں جس کو ظلہ سے تعبیر کیا ہے۔ وہاں کی زمین اور پہاڑوں کا دھواں تھا جو بوقت زلزلہ پیدا ہوتا تھا۔ ادھر خدا نے زلزلہ بھیجا جس نے تھوڑی دیر میں ان کو ہلاک کر دیا۔ پھر تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے تھے۔ ایسی آسمانی مصیبت کے وقت مہیب آواز بھی پیدا ہوئی اور اوپر سے دھوئیں کا ابر آتشین اور نیچے سے زلزلہ عظیم، اور اس پر ہیبت ناک آواز بری موت کا سامان تھا جس کے تصور سے دل لرز جاتا تھا۔ ایسی حالت میں انسان کی عادت ہے کہ وہ اپنا منہ چھپاتا پھرتا ہے اور زمین کو پکڑتا ہے۔ اس قوم نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا جو اوندھے کے اوندھے پڑے ہوئے جان نکل گئی۔ حضرت شعیبؑ اور ان کے متبعین اس بلا سے محفوظ رہے۔ پھر شعیبؑ نے اس قوم کو اوندھا پڑا ہوا اور ان کے گھروں کو اجاڑ او

[illegible] دیکھا۔ گویا ان کے گھروں میں کوئی بسا ہی نہ تھا۔ بڑی حسرت کے ساتھ تاسف اور رنج کے ان مردوں سے یہ خطاب کیا۔

"اے میری قوم! میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے تھے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی۔ پھر جنہوں نے قبول حق سے انکار کیا ان پر افسوس کیونکر کروں"

حضرت شعیب علیہ السلام قوم کی ہلاکت کے بعد حضر موت کے مشہور شہر شیبون کے مغربی جانب ایک مقام ہے جس کو شبام کہتے ہیں وہاں تشریف لے گئے اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔

شبام کی طرف اگر کوئی شخص وادیٔ ابن علی کی راہ ہوتا ہوا شمال کی جانب چلے تو وادی کے بعد وہ جگہ ہے جہاں حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر مبارک ہے۔ وہاں آبادی بالکل نہیں مگر زیارت کے لئے لوگ وہاں آتے جاتے ہیں۔ (قصص القرآن)

رب قدوس قوم لوط کے واقعات کو بیان کرنے کے بعد سورۂ اعراف میں اہل مدین کا تذکرہ فرماتے ہیں۔

"اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو انہوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر۔ بے شک آ گئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے تو پورا کرو ناپ اور تول کو اور نہ گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ فساد برپا کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان لانے والے ہو اور مت بیٹھا کرو راستوں پر کہ ڈرا رہے ہو تم (راہ گیروں کو) اور روک رہے ہو تم اللہ کی راہ سے جو ایمان لایا اللہ کے ساتھ اور تلاش کرتے ہو اس میں عیب اور یاد کرو (وہ وقت) جب تم تھوڑے تھے۔

پھر اس نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھو! کیا انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا۔ اور اگر اک گروہ تمہیں سے ایمان لا چکا ہے اس کے ساتھ جو دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ ایمان نہ لایا تو (ذرا) صبر کرو یہاں تک کہ فیصلہ کر دے اللہ ہمارے درمیان اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ کہنے لگے وہ سردار جو غرور و تکبر کیا کرتے تھے ان (شعیب) کی قوم سے یا تو ہم نکال کر رہیں گے تمہیں اے شعیب! اور جو ایمان لائے تمہارے ساتھ اپنی بستی سے

یا تمہیں لوٹنا ہوگا۔ ہماری ملت میں۔

شعیب نے کہا اگر چہ ہم اس (ارتداد) کو ناپسند ہی کرتے ہوں پھر تو ہم نے ضرور بہتان باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اگر ہم لوٹ آئیں تمہارے دین میں اس کے بعد کہ جب نجات دے دی ہمیں اللہ نے اس سے اور نہیں کوئی وجہ ہمارے لئے کہ ہم لوٹ آئیں اس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ جو پروردگار ہے ہمارا گھیرے ہوئے ہے ہمارا رب ہر چیز کو اپنے علم سے صرف اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، اے ہمارے رب فیصلہ فرما دے ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے اور کہا ان رئیسوں نے جو کافر تھے ان کو قوم سے کہ اگر تم پیروی کرنے لگو شعیب کی تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔

پھر پکڑ لیا انہیں زلزلہ نے تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے۔ جن (بدبختوں) نے جھٹلایا شعیب کو (وہ یوں نابود کر دیئے گئے) گویا کبھی بستے ہی نہ تھے ان مکانوں میں۔ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو ہو گئے وہی نقصان اٹھانے والے۔ تو منہ پھیر لیا ان کی طرف سے اور کہا اے میری قوم بیشک میں نے پہنچا دیئے تھے تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور میں نے نصیحت کی تھی تمہیں۔ تو (اب) کیونکر غم کروں میں کافر قوم (کے ہولناک انجام) پر۔

(الاعراف ۸۵:

قصہ لوط کے بعد سورۂ ہود میں ارشاد فرمایا:

''اور اہل مدین کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر۔ اور نہ کمی کیا کرو ناپ اور تول میں میں دیکھتا ہوں تمہیں کہ تم خوشحال ہو اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر اس دن کا عذاب نہ آ جائے جو ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔ اور میری قوم! پورا کیا کرو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ اور نہ گھٹا کر دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ جو بچ رہے اللہ تعالیٰ کے دیئے سے وہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ایماندار ہو۔ اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان۔ قوم نے کہا اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں حکم

دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں انہیں جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا یا نہ تصرف کریں اپنے مالوں میں جیسے ہم چاہیں۔ (از راہ تمسخر بولے) بس تم ہی ایک دانا اور نیک چلن رہ گئے ہو۔ آپ نے کہا میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا بھی کی ہو مجھے اپنی جناب سے عمدہ روزی۔ اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ خود تمہارے خلاف کرنے لگوں اس امر میں جس سے میں تمہیں روکتا ہوں (نیز) میں نہیں چاہتا ہوں مگر (تمہاری) اصلاح (اور درستی) جہاں تک میرے بس میں ہے اور نہیں میرا رہ پانا مگر اللہ تعالیٰ کی امداد سے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اے میری قوم! ہرگز نہ اکسائے تمہیں میری عداوت (اللہ کی نافرمانی پر) مبادا پہنچے تمہیں بھی ایسا عذاب جو پہنچا تھا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں۔ اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی طرف بیشک میرا رب بڑا مہربان (اور) پیار کرنے والا ہے۔ وہ بولے اے شعیب! ہم نہیں سمجھ سکتے بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے اور بلا شبہ ہم دیکھتے ہیں تجھے کہ تو ہم میں بہت کمزور ہے۔ اور اگر تمہارے کنبہ کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم نے تمہیں سنگسار کر دیا ہوتا اور نہیں ہو تم ہم پر غالب۔ آپ نے فرمایا: اے میری قوم! کیا میرا کنبہ زیادہ معزز ہے تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے اور تم نے ڈال دیا ہے اسے پس پشت۔ بیشک میرا رب جو عمل تم کرتے ہو (اس کو اپنے علم سے) احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور میری قوم! تم عمل کیے جاؤ اپنی جگہ پر (اور) میں (اپنے طور پر) عمل پیرا ہوں۔ تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے۔ اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔ اور اب آ پہنچا ہمارا حکم (یعنی عذاب) تو ہم نے بچا لیا شعیب کو اور انہیں جو ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے اور آ لیا ظالموں کو خوفناک کڑک نے تو صبح کی انہوں نے اپنے گھروں میں اسی حال میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے۔ گویا کبھی وہ ان میں بسے ہی نہ تھے۔ سنو! ہلاکت ہو مدین کے لئے جیسے ہلاک ہو چکے تھے ثمود'' (ہود ۸۴۔۹۵)

سورۃ الحجر قصہ قوم لوط علیہ السلام کے بعد فرمایا:۔

''اور بیشک ایکہ کے باشندے بھی بڑے ظالم تھے۔پس ہم نے ان سے بھی انتقال لیا اور یہ دونوں بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں''(الحجر:۷۸۔۷۹)

قوم لوط کا ذکر کرنے کے بعد سورۃ شعراء میں فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''جھٹلایا اہل ایکہ نے بھی (اپنے) رسولوں کو۔جب فرمایا: انہیں شعیب (علیہ السلام) نے کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے۔بیشک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی اجر۔میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جو سارے جہانوں کو پالنے والا ہے۔پورا کیا کرو ناپ اور نہ ہو جاؤ کم ناپنے والوں سے۔اور وزن کیا کرو صحیح ترازو سے۔اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرا کرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔اور ڈرو اس سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور (تم سے) پہلی مخلوق کو۔انہوں نے (جھلا کر) کہا تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے اور نہیں ہو تم مگر ایک بشر ہماری طرح اور ہم تو تمہارے متعلق یہ خیال کر رہے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔(ہم تمہاری بات نہیں مانتے) لو اب گرادو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر تم راستبازوں میں سے ہو۔آپ نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔سو انہوں نے جھٹلایا شعیب کو تو پکڑ لیا انہیں چھتری والے دن کے عذاب نے۔بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا۔بیشک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔اور یقیناً آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''(الشعرا۔۱۷۶۔۱۹۱)

اہل مدین نسلاً عرب ہیں۔جو اطراف شام، ارض معان کے قریب ایک بستی ''مدین'' میں قیام پذیر تھے۔یہ علاقہ حجاز مقدس سے ملتا ہے اور بحیرہ قوم لوط کے بالکل قریب پڑتا ہے۔اہل مدین کا عرصہ بھی قوم لوط کے بالکل قریب کا ہے۔دراصل مدین کی وجہ تسمیہ خلیل اللہ علیہ السلام کی نسل ہے۔

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت شعیب ابن میکیل بن یشجن ان کی ہدایت کے

لائے۔

ابن اسحاق کہتا ہے کہ سریانی میں حضرت شعیب کا اسم گرامی ''یترون'' ہے لیکن اس ہے۔آپ کے سلسلہ نسب میں بھی اختلاف ہے بعض نساب کہتے ہیں۔شعیب بن یشکر بن یعقوب، بعض کے نزدیک شعیب بن نوبت بن عنعا بن مدی بن ابراہیم۔بعض کے شعیب بن صیفور بن عیفا بن ثابت بن مدین بن ابراہیم۔اس کے علاوہ اور بھی بہت اقوال ہیں۔

ابن عساکر نے کہا ہے۔بعض لوگوں کے نزدیک شعیب علیہ السلام کی دادی اور بعض یک آپ کی والدہ ماجدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔

آپ بھی ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں ہیں۔آپ نے حضرت ابراہیم ام کے ساتھ ہجرت فرمائی اور انہیں کی معیت میں دمشق تشریف لے گئے۔

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: شعیب علیہ السلام اور ملغم اس روز علیہ السلام پر ایمان لائے جس دن آپ کو آگ میں ڈالا گیا۔ان دونوں جوانوں نے آپ ت میں شام کی طرف ہجرت کی۔ابراہیم علیہ السلام نے شعیب اور ملغم کی شادی لوط علیہ لا دونوں بچیوں سے فرمائی۔اسے ابن قتیبہ نے ذکر کیا ہے۔

لیکن یہ روایت محل نظر ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

ابوعمر بن عبدالبر ''الاستیعاب'' میں سلمہ بن سعد الغزی کے تذکرے میں ذکر کرتے ہیں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اسلام قبول کیا اور بتایا کہ میں عنزہ قبیلے سے رکھتا ہوں۔رسول کریم ﷺ نے فرمایا عنزہ کیا ہی اچھا قبیلہ ہے۔جن کے ساتھ زیادتی ہو یہ مدد کرتے ہیں یہ قبیلہ شعیب علیہ السلام کا قبیلہ ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا سسرال ہے''

اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ شعیب علیہ السلام موسیٰ علیہ کے سسر ہیں۔اور آپ کا تعلق عرب عاربہ سے ہے جسے عنزہ کہتے ہیں اس سے عنزہ بن اسد یہ بنزار بن معد بن عدنان مراد نہیں ہے کیونکہ یہ تو بہت بعد میں ہوئے ہیں۔(واللہ اعلم)

انبیاء و رسل کے ذکر میں ابن حبان کی صحیح میں ایک حدیث مذکور ہے جسے حضرت ابوذر ایت کیا گیا ہے۔آپ فرماتے ہیں: چار انبیاء کا تعلق عرب قوم سے ہے حضرت ہود۔حضر حضرت شعیب، اور تیرے نبی اے ابوذر۔

بعض سلف صالحین آپ علیہ السلام کو ''خطیب الانبیاء'' کے لقب سے موسوم کرتے

ہیں۔یعنی آپ علیہ السلام نہایت فصیح و بلیغ گفتگو فرماتے تھے۔اور جب اپنی قوم کو تبلیغ فرماتے ایمان برسالت کی تلقین کرتے تو عبادت نہایت ہی بلند اور معنی خیز ہوتی ابن اسحاق بن بشر جویبر اور مقاتل سے، وہ ضحاک سے اور وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت شعیب علیہ السلام کا تذکرہ کرتے تو فرماتے:

"آپ علیہ السلام خطیب الانبیاء تھے"

اہل مدین کافر تھے۔اور ڈاکہ زنی ان کا روز کا معمول تھا۔وہ راہ گیروں کو خوف زدہ رکھتے۔"ایکہ" کی عبادت کرتے جو ایک بہت بڑا درخت تھا جس کے آس پاس گھنا جنگل تھا۔یہ لوگ معاملات میں تمام لوگوں سے برے تھے۔ناپ و تول میں کمی ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔وہ کسی صورت بھی ڈنڈی مارنے سے نہیں چوکتے تھے۔جب دیتے تو کم دیتے لیتے تو زیادہ ہتھیانے کی کوشش کرتے۔لوگوں کو ناقص چیزیں دیتے لیکن رقم عمدہ مال کی لے لیتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے انہیں میں سے اپنا رسول بھیجا جن کا اسم گرامی شعیب علیہ السلام تھا۔آپ نے انہیں عبادت خداوندی کی طرف بلایا۔اور انہیں بتایا کہ معبود برحق ایک ہی ہے اور اس کی الوہیت اور قدرتوں میں کوئی اور شریک نہیں۔آپ نے انہیں تلقین فرمائی کہ بد معاملگی اور گناہ کی روش کو ترک کردو۔لوگوں کو لوٹنا اور انہیں مختلف طریقوں سے پریشانیوں میں مبتلا کرنا چھوڑ دو۔آپ کے وعظ و تلقین سے کچھ لوگ تو راہ راست پر آگئے لیکن اکثر کافر ہی رہے۔حتیٰ کہ اللہ نے کفر وعصیاں کی پاداش میں انہیں عذاب میں مبتلا فرمادیا۔اور اللہ ولی حمید ہے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے۔

"اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو۔انہوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر۔بیشک آ گئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے"

بینۃ کا معنی دلالت اور واضح حجت ہے۔

یعنی میرے پاس اپنے پیغام کی حقانیت کے لئے برہان قاطع ہے۔اس سے مراد معجزات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا۔لیکن ان کی تفصیل ہمارے پاس موجود نہیں۔صرف یہی لفظ نشان دہی کرتا ہے کہ آپ کو معجزات بھی عطا کئے گئے تھے۔آپ نے فرمایا

"تو پورا کرو ناپ اور تول کو اور نہ گھٹا کر دو لوگوں کو جو ان کی چیزیں اور نہ فساد برپا کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد"۔(الاعراف:۸۵)

آپ نے انہیں حکم دیا کہ عدل و انصاف سے کام لو اور منع فرمایا کہ ظلم و زیادتی کے ...ے چھوڑ دو۔آپ نے انہیں دھمکی دی اور تنبیہ فرمائی کہ یہ روش مناسب نہیں ہے۔

"یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔اور مت بیٹھا کرو راستوں پر"

یہ لوگ راہ گیروں سے چنگی لیا کرتے تھے۔(الاعراف:۸۵۔۸۶)

اسحاق بن بشر جویبر سے، وہ ضحاک سے، وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: مدین کے لوگ بہت ظالم تھے۔راہ پر بیٹھ کر لوگوں کو لوٹا کرتے تھے۔یعنی ان سے ٹیکس ...لیتے تھے۔چنگی کی ابتداء انہیں سے ہوئی۔

"کہ ڈرا رہے ہو تم (راہ گیروں کو) اور روک رہے ہو تم اللہ کی راہ سے جو ایمان لایا اللہ کے ساتھ اور تلاش کرتے ہو اس میں عیب"۔(الاعراف:۸۶)

یعنی شعیب علیہ السلام نے انہیں حسی اور دنیوی ڈاکہ زنی سے بھی روکا اور معنوی اور ...ڈاکہ زنی سے بھی احتراز کی تلقین فرمائی۔اور فرمایا:

"اور یاد کرو (وہ وقت جب تم) تھوڑے تھے۔پھر اس نے تمہیں بڑھایا اور دیکھو! کیا ہوا انجام فساد برپا کرنے والوں کا"۔(الاعراف:۸۶)

انہیں یاد دہانی کرائی کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر رحمت فرمائی ہے۔تم بہت کم تھے اس نے تمہیں ...یا۔لہٰذا تمہیں اس کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اگر تم نے صراط مستقیم کی پیروی نہ کی اور جو ...کی گئی ہے اس کی مخالفت کی تمہیں بھی پہلی قوموں کی طرح نیست و نابود کر دیا جائے گا۔

جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا:

"اور نہ کمی کیا کرو ناپ اور تول میں۔میں دیکھتا ہوں تمہیں کہ تم خوشحال ہو اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر اس دن کا عذاب نہ آ جائے جو ہر چیز کو گھیرنے والا ہے"

(ہود:۸۴)

یعنی جس سواری پر تم سوار ہو اس سے اتر آؤ۔اگر تم اسی راستے پر گامزن رہے تو مجھے ...ہے کہ تمہارے مال سے اللہ تعالیٰ برکت اٹھا لے گا اور تمہیں فقر و افلاس میں مبتلا کر دے گا۔

اس سے مراد آخرت کا عذاب بھی ہو سکتا ہے۔اور جسے دنیوی اور اخری عذاب میں مبتلا ...یا تو وہ اس دنیا میں بھی ذلیل و رسوا ہو گیا اور آخرت میں بھی خالی ہاتھ رہ جائے گا۔

آپ علیہ السلام نے انہیں کم تولنے کی لعنت سے منع فرمایا کہ یہ چیز انسان کو زیب نہیں ...اپنے ہم جنس لوگوں سے دھوکا کرے۔آپ نے انہیں خبردار فرمایا کہ باز نہ آئے تو اللہ

کی نعمتوں سے محروم ہو جاؤ گے جو تمہیں اس دنیا میں میسر ہیں اور آخرت میں بھی سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

پھر آپ حکم کے لہجے میں ان سے مخاطب ہوئے اور ضد اور ہٹ دھرمی پر انہیں جھڑکتے ہوئے فرمایا:۔

''اور اے میری قوم! پورا کیا کرو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ اور نہ گھٹا کر دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ جو بچ رہے اللہ تعالیٰ کے دیئے سے وہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ایماندار ہو۔ اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان''

ابن عباس اور حسن بصری فرماتے ہیں بقیۃ اللہ خیر لکم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ رزق لوگوں سے ہتھیائے گئے مال سے بہتر ہے۔ اور ابن جریر فرماتے ہیں ناپ تول پورا کرنے کے بعد جو تمہیں نفع میں بچے وہ اس مال سے بہتر ہے جو تم ناپ تول میں کمی کر کے لوگوں سے لیتے ہو۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ قول ابن عباسؓ سے روایت کیا گیا ہے۔

حسن نے بھی یہی کہا ہے اور یہی قصہ بیان کیا ہے۔ یہ اللہ کے اس فرمان سے مشابہت رکھتا ہے

''آپ فرما دیجئے نہیں برابر ہو سکتا ناپاک اور پاک اگرچہ حیرت میں ڈال دیئے تجھے ناپاک کی کثرت''۔ (المائدہ: ۱۰۰)

یعنی حلال اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو وہ حرام سے بہتر ہے جو مقدار میں بہت زیادہ ہو۔ کیونکہ حلال میں اللہ کریم کی برکت ہوتی ہے۔ اور حرام جتنا بھی زیادہ ہو وہ مٹ جانے والی ہے۔ جیسا کہ ارشاد رب العالمین ہے۔

''مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو''۔ (البقرہ: ۲۷۶)

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سود کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو اس کا انجام ہمیشہ کمی ہوتا ہے''

اسے احمدؒ نے روایت فرمایا ہے۔

رسول خدا ﷺ نے فرمایا ''کہ بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کو اختیار ہے۔ یہاں تک کہ جدا نہ ہو جائیں۔ اگر دونوں سچے ہیں اور مال کے بارے سچی بات بتا چکے تو دونوں کے کاروبار میں برکت ہوگی اور اگر جھوٹ بولا ہے اور مال کے عیب چھپاتے رہے تو کاروبار برکت سے محروم رہ جائے گا''

مقصد یہ ہے کہ حلال نفع میں برکت ہوتی ہے اگرچہ وہ تھوڑا ہو۔ اور حرام کمائی زیادہ ہو تو بھی نفع بخش ثابت نہیں ہوتی۔ اسی لئے اللہ کے نبی شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو تلقین فرمائی۔

آیت (وما انا علیکم بحفیظ) کا معنی یہ ہے کہ جو تمہیں حکم دیا گیا ہے وہ اللہ کی خوشنودی کے لئے بجا لاؤ۔ نیکی کا کام کرتے وقت تمہارے پیش نظر ثواب کی امید ہونی چاہیے۔ ریاکاری اور محض دوسروں کی خاطر پرہیزگار بننے سے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

''قوم نے کہا اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں انہیں جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا۔ یا نہ تصرف کریں اپنے مالوں میں جیسے چاہیں (ازراہ تمسخر بولے) بس تم ہی ایک دانا (اور) نیک چلن رہ گئے ہو''۔ (ہود: ۸۷)

انہوں نے ازراہ تمسخر حقارت کے لہجے میں کہا کیا یہ نماز جو تم پڑھتے ہو یہ تمہیں حکم دیتی ہے کہ تم ہمیں ایک کی عبادت سے روکتے ہو اور اپنے آباؤ اجداد کے مذہب اور معبودوں کو ترک کرنے کی تلقین کرتے ہو؟ کیا ہم اپنی مرضی کے مطابق باہم معاملات انجام نہ دیں۔ تمہارے کہنے سے کیا کاروباری تجربات کو کام میں لانا چھوڑ دیں اگرچہ ہمیں کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو جائے؟

انک لا نت الحلیم الرشید

کے متعلق ابن عباسؓ، میمون بن مہران، ابن جریج، زید بن اسلم ابن جریر فرماتے ہیں کہ قوم شعیب نے یہ الفاظ استہزاء کہے۔

''آپ نے کہا اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا بھی کی ہو مجھے اپنی جناب سے عمدہ روزی اور میں بھی نہیں چاہتا کہ خود تمہارے خلاف کرنے لگوں اس امر میں جس سے میں تمہیں روکتا ہوں (نیز) نہیں چاہتا ہوں مگر (تمہاری) اصلاح (اور درستی) جہاں تک میرا بس ہے اور نہیں ہے میرا راہ پانا مگر اللہ تعالیٰ کی امداد سے اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں''۔ (ہود: ۸۸)

آپ ان سے گفتگو کرنے میں نہایت نرمی برت رہے ہیں اور بہت واضح اشاروں سے انہیں دعوت حق دے رہے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں۔ اے حق کی تکذیب کرنے والو ذرا یہ تو بتاؤ۔ ان کنت علی بینة

من ربی یعنی اگر میرے پاس دلیل ہو اور میں ثابت کرسکوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں ورزقنی منه رزقا حسنا اور اس نے مجھے اپنی جناب سے عمدہ رزق یعنی نبوت و رسالت عطا فرمائی ہے اور پھر بھی تم مجھے جھٹلا رہے ہو اور تم نے نبوت کی معرفت سے آنکھیں بند کرلی ہیں تو بتاؤ میں تمہارا کیا کروں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے ایسا ہی فرمایا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وما ارید ان اخالفکم الی ما انھا کم عنه کا مطلب یہ ہے کہ میں کبھی بھی تمہیں ایسے کام کا حکم نہیں دوں گا جسے میں خود نہ کروں۔ میں تمہیں جو حکم دوں گا سب سے پہلے اس پر خود عمل کرکے دکھاؤں گا اور جب تمہیں کسی چیز سے روکوں گا تو پہلے خود اس سے رک کر دکھاؤں گا۔ اور یہ نہایت عظیم اور پسندیدہ خصلت ہے۔ اور اس کے برعکس قول وفعل میں تضاد بہت بری اور مذموم عادت ہے۔ جیسا کہ آخری دور میں علماء بنی اسرائیل اور ان کے جاہل خطباء قول وفعل کے تضاد میں مبتلا ہوگئے تھے۔ رب قدوس فرماتے ہیں۔

"کیا تم حکم کرتے ہو (دوسرے) لوگوں کو نیکی کا اور بھلا دیتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے"۔ (البقرہ:۴۴)

صحیح بخاری میں رسول کریم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا تو اس کی انتڑیاں اس کے پیٹھ سے نکل کر لٹکنے لگیں گی۔ وہ ان کے اردگرد گھومنا شروع کردے گا جس طرح گدھا چکی کے اردگرد گھومتا ہے۔ جہنمی اس کی اردگرد جمع ہوجائیں گے اور پوچھیں گے۔ اے فلاں! تمہیں کیا ہوا؟ کیا تو ہمیں بھلائی کا حکم نہیں دیتا تھا اور برائی سے منع نہ کرتا تھا؟ وہ کہے گا۔ ہاں میں تمہیں بھلائی کا حکم دیتا تھا مگر خود نیکی نہیں کرتا تھا۔ اور تمہیں برائی سے روکتا تھا مگر خود برائی میں مبتلا ہو جاتا تھا۔

یہ وہ خصلت ہے جو انبیاء کے مخالفین فاجر اور بدبخت لوگوں میں پائی جاتی ہے لیکن شریف لوگ اور عقلمند علماء جو غائبانہ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں ان کا حال وہی ہے جسے اللہ کے نبی شعیب علیہ السلام بیان فرماتے ہیں۔

یعنی میں تمہیں جو بھی حکم دیتا ہوں اس میں صرف تمہاری اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری کوشش اور محنت سے تمہارے گفتار اور کردار میں

تبدیلی آجائے۔ (ہود:۸۸)

وما توفیقی ۔یعنی تمام احوال میں میرا راہ پانا الا بالله توکلت والیه انیب اللہ کی
ے ہے۔ اور میں تمام امور میں اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتا ہوں اور میرے ہر کام میں وہی
مرجع اور ماویٰ ہے۔ یہ مقام ترغیب ہے۔

پھر آپ ترغیب سے ترہیب کی طرف آتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

"اور اے میری قوم! ہرگز نہ اکسائے تمہیں میری عداوت (اللہ کی نافرمانی پر) مبادا پہنچے تمہیں بھی ایسا عذاب جو پہنچا تھا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح۔ اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں"۔ (ہود:۸۹)

یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ میری مخالفت اور میرے پیغام سے عداوت تمہیں ہمیشہ کی گمراہی
بات اور مخالفت پر ابھارے اور اس کی پاداش میں تم پر بھی عذاب نازل ہوجائے جو تم جیسے سر
شوں اور کافروں پر نازل ہو چکا ہے یعنی نوح، ہود، صالح علیہم السلام کی قوموں کے مکذبین
مخالفین پر اور آیت (وما قوم لوط منکم ببعید) کے متعلق کہا گیا ہے کہ قوم لوط کا زمانہ تم
نہ زیادہ دور نہیں۔ ان سرکشوں اور کافروں پر جو عذاب نازل ہوا تم اس سے واقف ہو۔ دوسرا معنی
یا گیا ہے کہ ان کی بستیاں اور مکان تم سے دور نہیں۔ ایک تیسرا معنی بھی کیا گیا ہے۔ کہ تمہارے
رقت اور تمہاری بداعمالیاں ان سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ تم بھی رہزن ہو۔ لوگوں سے زبردستی
چھین لیتے ہو اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے دولت ہتھیانے کی فکر میں رہتے ہو۔ ان
ہر اقوال کو جمع کرنا ممکن ہے۔ قوم لوط وقت، جگہ اور صفات تینوں لحاظ سے ان سے کچھ دور
مختلف نہ تھی۔

پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے ترغیب و ترہیب کے ملے جلے لہجے میں فرمایا:

"اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے۔ پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی طرف بیشک میرا رب بڑا مہربان (اور) پیار کرنے والا ہے"۔ (ہود:۹۰)

یعنی تم جس لعنت میں مبتلا ہو اسے ترک کردو اور رحیم اور پیار کرنے والے اپنے رب
طرف رجوع کرو۔ وہ اتنا مہربان ہے کہ جو بھی اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اسے اپنی رحمت
لے لیتا ہے وہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ وہ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ مہربان
نی ماں اپنے بچے پر مہربان ہوتی ہے "ودود" کا معنی حبیب ہے۔ توبہ کے بعد بھی وہ اپنے
سے پیار فرماتا ہے اور بڑے گناہوں کرنے کے باوجود بھی ان سے منہ نہیں موڑتا۔

''وہ بولے اے شعیب! ہم نہیں سمجھ سکتے بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے اور بلا شبہ
ہم دیکھتے ہیں تجھے کہ تو ہم میں بہت کمزور ہے''۔(ہود:۹۱)

ابن عباسؓ، سعید بن جبیر اور ثوری سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ حضر
شعیب علیہ السلام کی نظر کمزور تھی۔اسی لئے انہوں نے کہا تو ہم میں کمزور ہے۔ایک مرفوع حد
میں ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام محبت خداوندی میں اتنے روئے کہ بینائی جاتی رہی تو اللہ
نے انہیں پھر سے قوت بینائی عطا فرمادی۔اور فرمایا: اے شعیب! کیا تم جہنم کے خوف سے رو
ہو؟ یا جنت کے شوق میں آہ وفغاں کرتے ہو؟ آپ نے عرض کی: (نہ میں جہنم کے خوف سے
ہوں اور نہ جنت کی محبت میں آہ و زاری کرتا ہوں) بلکہ میں تو تیری محبت میں آنسو
ہوں۔جب میں دیدار سے شادکام ہولوں گا تو پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میرے ساتھ کیا کیا
ہے اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی۔اے شعیب میری ملاقات تمہیں مبارک ہو۔اسی لئے میں نے
خدمت پر اپنے کلیم موسیٰ بن عمران کو مامور کیا ہے۔

اسے واحدی نے ابی الفتح محمد بن علی کوفی سے انہوں نے علی بن حسین ابن بندار
انہوں نے عبداللہ بن محمد بن اسحٰق (رملی سے) انہوں نے ہشام بن عمار سے، انہوں نے اسماعیل
عباس، انہوں نے یحییٰ بن سعید سے، انہوں نے شداد بن اوس سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ
اسی طرح روایت کی۔یہ حدیث بہت غریب ہے۔اسے خطیب بغدادی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

اور کافروں کا کہنا:

''اور اگر تمہارے کنبے کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم نے تمہیں سنگسار کر دیا ہوتا اور نہیں ہو
تم پر غالب''۔(ہود:۹۱)

ان کے انتہائی کفر کو ظاہر کرتا ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حق سے کس
دشمنی رکھتے تھے۔کہنے لگے۔مانفقه کثیرا مما تقول ۔ہم نہیں سمجھ سکتے بہت سی باتیں جو تو
ہے''یعنی آپ کی باتیں ہماری سمجھ سے بالا تر ہیں۔ہم انہیں سمجھنے سے قاصر ہیں۔کیونکہ ہم
پسند نہیں کرتے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ہمیں ایسی بے تکی باتوں سے کوئی غر
نہیں۔کہتے رہیے جو جی میں آتا ہے ہم کسی صورت مانیں گے نہیں۔

کفار قریش نے بھی رسول خدا ﷺ سے یہی کہا تھا۔

''اور ان (ہٹ دھرموں) نے کہا ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں
اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں۔اور ہمارے کانوں میں

گرانی ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے۔تم اپنا کام
کرو ہم اپنا کام کرنے میں لگے ہوئے ہیں''۔(فصلت:۵)

کافروں نے شعیب علیہ السلام سے کہا وانالنراک فینا ضعیفا اور بلا شبہ ہم دیکھتے ہیں
تجھے کہ تو ہم میں بہت کمزور ہے۔ضعیفا کا معنی مجبور اور لاچار' ولولا رھطک'' اگر تمہارے کنبے کا لحاظ
نہ ہوتا'' رھط کا معنی قبیلہ، خاندان جو مشکل وقت میں انسان کا ساتھ دیتا ہے۔

''تو ہم نے تمہیں سنگسار کر دیا ہوتا اور نہیں ہو تم ہم پر غالب''

''آپ نے فرمایا اے میری قوم! کیا میرا کنبہ زیادہ معزز ہے تمہارے نزدیک
اللہ تعالیٰ سے''۔(ہود:۹۲)

یعنی تم میرے قبیلے سے خائف ہو۔اور تمہیں میرے کنبے کا تو بہت لحاظ ہے اور اس وجہ
سے تم میرے ساتھ رعایت برت رہے ہو لیکن کیا تمہیں اللہ کا کچھ بھی خوف نہیں؟ تمہیں میرا کچھ
لحاظ نہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ کیا میرا کنبہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ معزز ہے۔واتخذتموہ وراء
کم ظھریا ''اور تم نے ڈال دیا ہے اسے پس پشت'' یعنی اللہ سے تم نے مکمل روگردانی کر لی ہے۔

ان ربی بما تعلمون محیط

''بیشک میرا رب جو عمل تم کرتے ہو (اس کو اپنے علم سے) احاطہ کیے ہوئے ہے''

یعنی تم جو کچھ کر رہے ہو ان سے میرا رب واقف ہے۔تمہارے ہر ہر عمل کو وہ پوری
طرح محیط ہے۔قیامت کے دن تمہیں کوڑی کوڑی کا حساب دینا ہوگا''

''اور اے میری قوم! تم عمل کیے جاؤ اپنی جگہ پر (اور) میں (اپنے طور پر) عمل
پیرا ہوں۔تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کر دے
گا۔اور کون جھوٹا ہے۔اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے
والا ہوں''۔(ہود:۹۳)

یہ امر سخت تہدید اور بہت زور دار وعید کے لئے ہے۔یعنی تم اپنے طور طریقوں اور اپنے
راستوں پر چلتے جاؤ۔عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کو رب قدوس کی بارگاہ سے جنت
ابدی کی نعمتیں عطا ہوتی ہیں اور کون بدنصیب ہلاکت و بربادی کے گڑھے میں پھینک دیا جاتا
ہے۔من یاتیه عذاب یحزیه (ہود:۳۹) یعنی آخرت میں ومن ھو کاذب (ہود:۹۳) اور کون
جھوٹا ہے۔یعنی قیامت کے روز پتہ چل جائے گا کہ جھوٹا کون تھا۔کیا میں تمہیں جھوٹی خبریں دیتا
تھا، ناحق ڈراتا تھا اور مفروضہ جنت کی بشارتیں دیتا تھا یا تم حق کو جھٹلاتے رہے تھے۔سب حقیقت

کھل کر سامنے آجائے گی۔وارتقبوا انی معکم رقیب (ھود:۹۳)''اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں''۔

کافر سردار تو اپنے تئیں چاہتے تھے کہ ایمان والوں کو پھر سے اپنی برادری (کفر) میں لوٹا لیں۔لیکن شعیب علیہ السلام خم ٹھونک کر قوم کے مقابلے میں کھڑے ہوگئے۔اور فرمانے لگے اولو کنا کارہین یعنی یہ ایماندار لوگ اپنی مرضی سے تو لوٹنے کے نہیں۔اگر یہ تمہاری طرف لوٹے بھی تو مجبور ہو کر اور ناپسندیدگی کی حالت میں لوٹیں گے۔کیونکہ جب ایمان دل کی اتاہ گہرائیوں میں اتر جاتا ہے تو اس نقش کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔اور پھر کوئی انسان کو ایمان کے راستے سے لوٹا نہیں سکتا۔کسی فاتح کی دل کی سلطنت تک رسائی ہی نہیں۔

لیکن نبی کریم شعیب علیہ السلام کے ہاتھ اٹھتے دیکھ کر بھی ان کی قسمت نہ جاگی اور وہ کفر و گمراہی کی نیند میں پڑے سوتے رہے اور لوگوں کو دین حنیف کی نعمت سے محروم کرنے کے لئے کہتے رہے۔

''اور کہا ان رئیسوں نے جو کافر تھے ان کی قوم سے کہ اگر تم پیروی کرنے لگے شعیب کی تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے''

رب قدوس نے ارشاد فرمایا:

''پھر پکڑ لیا انہیں زلزلے نے تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے''۔(الاعراف:۹۱)

سورہ اعراف میں مذکور ہے کہ انہی زلزلے نے آلیا یعنی زمین کانپ اٹھی اور اس قدر زور کے جھٹکے آئے کہ ان کی روحیں ان کے جسموں کا ساتھ چھوڑ گئیں۔اور اس بستی کے جانور جماد بن کر رہ گئے۔سب زندگیاں ختم ہوگئیں اور منہ کے بل گر گئیں۔نہ کسی میں زندگی کی رمق تھی نہ کہیں حواس باقی تھے اور نہ کوئی حرکت نظر آئی تھی۔سب جاندار فنا کی نیند سو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے قوم شعیب پر طرح طرح کے عذاب اور ہلاکتیں نازل کیں۔انہیں بیک وقت کئی بلاؤں اور مصیبتوں سے دوچار کر دیا گیا۔وجہ یہ تھی کہ وہ طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں شدید زلزلے کے عذاب میں مبتلا فرما دیا جس نے ان سے حرکتیں چھین لیں ایک لرزہ خیز چیخ برپا کی جس نے سب آوازوں کو خاموش کر دیا۔ایک بادل مطلع مدین پر نمودار ہوا جس نے اس کے اطراف و جوانب میں آگ کے شعلے برسا دیئے۔

لیکن مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے سیاق و سباق کے مطابق عذاب کا تذکرہ فرمایا:

چونکہ سورۂ اعراف کے قصے میں کافروں نے اللہ کے نبی اور ان کے پیروکاروں کو للکارا اور دھمکی دی کہ ہم تمہیں بستی سے نکال دیں گے یا تمہیں واپس ہمارے مذہب میں آنا ہوگا تو اسی مناسبت سے فرمایا: فاخذتھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جاثمین (الاعراف:۹۱) ارجاف کے مقابلے میں رجفہ کا ذکر کیا۔اور ڈرانے دھمکانے کے مقابلے میں خوف و ہراس کی شدت کا تذکرہ فرمایا۔یہ اس سیاق کے عین مطابق تھا۔اور یہاں یہی الفاظ اور مفہوم زیادہ موزوں تھا۔

لیکن سورۂ ہود میں ذکر ہے کہ قوم شعیب کو ایک چیخ نے آلیا۔اور اسی دل دہلا دینے والی چیخ نے انہیں منہ کے بل گرا کر ان سے زندگی چھین لی۔کیونکہ وہاں استہزاء تنقیص اور مذاق کا ذکر ہے۔وہاں آیات یہ ہیں۔

اس لئے یہاں مناسب تھا کہ چیخ کا تذکرہ کیا جاتا جس نے اس استہزاء اور بدگوئی پر ان کا منہ بند کر دیا۔ضروری تھا کہ اللہ کے رسول کریم جو اللہ کا پیام بے کم و کاست پہنچانے والے تھے اور نہایت فصیح و بلیغ انداز گفتگو میں انہیں نصیحت کرنے والے تھے ان کے حضور میں ٹھٹھا و مذاق کرنے والوں کو ایک چیخ کے ذریعے مہر بلب کر دیا جاتا۔یہاں چونکہ بدگوئی کا تذکرہ ہے اس لئے ایسے عذاب کا ذکر کرنا مناسب تھا جس نے ان کے منہ پر مہر خاموشی لگا دی۔سو ان آیات میں زلزلے کا ذکر نہیں فرمایا: بلکہ چیخ و چنگھاڑ کا ذکر فرمایا ہے۔

سورہ شعراء میں بادل کے عذاب کا ذکر ہے۔چونکہ وہ عذاب کے متمنی تھے اور خود ہی اس کا مطالبہ کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔

''انہوں نے (جھلا کر) کہا تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہو۔اور نہیں ہو تم مگر ایک بشر ہماری مانند۔اور ہم تو تمہارے متعلق یہ خیال کر رہے ہیں کہ تم جھوٹوں سے ہو۔آپ نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو''۔(الشعراء ۱۸۵۔۱۸۸)

''سو انہوں نے جھٹلایا شعیب کو تو پکڑ لیا انہیں چھتری والی دن کے عذاب نے۔بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا''۔(الشعراء:۱۸۹)

قتادہ وغیرہ جن مفسرین نے یہ گمان کیا ہے کہ اصحاب الایکہ کوئی دوسری قوم ہے۔انہیں اہل مدین میں شامل نہ کیا جائے یہ قول ضعیف ہے۔

قتادہ وغیرہ کو دو وجہ سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ایک تو اس آیت کریمہ کی وجہ سے

کذب اصحاب الایکۃ المرسلین اذ قال لھم شعیب

(الشعراء:۱۷۶-۱۷۷)

" جھٹلایا اہل ایکہ نے بھی (اپنے) رسولوں کو۔ جب فرمایا: انہیں شعیب (علیہ السلام) نے یہاں آخوھم (ان کے بھائی) ذکر نہیں ہوا۔ جیسا کہ والی مدین اخاھم شعیبا (الاعراف:۸۵) (ہود:۸۴) (العنکبوت:۳۶) میں شعیب علیہ السلام کو ان کا بھائی کہا گیا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اصحاب الایکہ کے لئے چھتری والے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ جبکہ اصحاب مدین کے لئے زلزلہ اور چیخ کا ذکر ہے۔ پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ کذب اصحاب الایکۃ المرسلین میں شعیب علیہ السلام کو ان کا بھائی نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں انہیں ایکہ کی عبادت کرنے والوں کے وصف سے متصف کیا جا رہا ہے۔ یہاں اللہ کے نبی کو ان کا بھائی کہنا مناسب نہیں تھا۔ اگرچہ آپ ان کی قوم سے تھے لیکن بت پرستی سے بے زار تھے۔ لیکن جب اہل مدین کا تذکرہ ہوا تو چونکہ قبیلے کا تذکرہ ہو رہا تھا اس لئے آپ کو بھائی کہنے میں کوئی قباحت نہیں تھی۔ بتانا یہ مقصود تھا کہ یہ بھی آپ کی قوم کے ایک فرد ہیں غیر نہیں۔ دوسرا ان کا چھتری والے دن سے استدلال کر کے یہ نتیجہ نکالنا کہ اصحاب الایکہ الگ قوم ہے اور اصحاب مدین الگ صحیح نہیں۔ کیونکہ اگر اسی کو بنیاد بنا کر اصحاب الایکہ کو الگ قوم یقین کر لیا جائے تو پھر ماننا پڑے گا کہ جنکو چیخ کے عذاب میں مبتلا کیا گیا وہ الگ ہیں اور جن پر زلزلہ آیا وہ الگ قوم ہیں لیکن اس تفسیر سے کوئی اتفاق نہیں کرے گا۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ ایک ہی قوم تھی جسے کبھی اہل مدین کہہ کر قبیلے کی طرف منسوب کیا گیا اور کبھی اصحاب الایکہ کہہ کر ان کا مذہبی تعارف کرایا گیا۔ ان پر بیک وقت مختلف عذاب آئے۔ ہر جگہ سیاق و سباق کے مطابق مناسب عذاب کا تذکرہ کیا گیا۔

رہی وہ حدیث جسے ابن عساکر نے حضرت شعیب علیہ السلام کے تذکرے میں بیان کیا ہے اور جسے محمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے اپنے باپ سے، انہوں نے معاویہ بن ہشام سے، انہوں نے ہشام بن سعد سے انہوں نے شقیق بن ابی ہلال سے، انہوں نے ربیعہ بن یوسف سے، انہوں نے عبداللہ بن عمرو سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ " قوم مدین اور اصحاب ایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

یہ حدیث غریب ہے۔ اس کی سند میں بعض راوی ایسے ہیں جن پر کلام ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن عمرو کی گفتگو ہے جو انہوں نے یرموک کے دن بنی اسرائیل کے علاقہ سے ملنے والی ان کتابوں سے لیے جنہیں وہ بوریوں میں بھر کر اپنے ساتھ لائے تھے۔ پھر اللہ کریم

...ایکہ کی مذمت کرتے ہوئے وہی حالات بیان فرمائے ہیں جو اہل مدین کے بیان فرمائے ...ناپ تول میں کمی کرنا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک ہی قوم کو دو الگ ناموں سے موسوم کیا ...ہے اور انہیں بیک وقت بہت سے عذابوں میں مبتلا کیا گیا ہے۔ اور ہر جگہ وہی عذاب ذکر کیا ...موقعہ و محل سے مناسبت رکھتا تھا۔

کہتے ہیں کہ انہیں سخت گرمی نے آلیا۔ سات دن تک اللہ تعالیٰ نے اس علاقے میں ...پیدا کیے رکھا گرمی اس قیامت کی پڑنے لگی کہ پانی اور سایے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا ...لوگ گھروں میں اپنے چھپروں میں داخل ہوتے لیکن ہر جگہ یک حشر سا برپا تھا۔ آخر گھر چھوڑ ...کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ شہر سے باہر انہیں ایک بدلی نظر آئی۔ سب اس کے نیچے جمع ہو گئے ...سایے سے لطف اندوز ہوں۔ جب تمام لوگ اس بدلی کے نیچے پہنچ گئے اور ایک بھی باہر نہ رہا ...اللہ تعالیٰ نے شعلے اور شرارے برسانے شروع کر دیئے زمین زلزلے کے جھٹکوں سے لرز ...آسمان سے ایک چیخ بلند ہوئی جس نے جسموں سے روحوں کو چھین لیا اور لاشیں خراب کر کے ...دیں۔

فاصبحوا فی دارھم جاثمین الذین کذبوا شعیبا کان لم یغنوا فیھا الذین کذبوا شعیبا کانوا ھم الخاسرین (الاعراف:۹۱-۹۲)

"تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے جن (بدبختوں) نے جھٹلایا شعیب کو (وہ یوں نابود کر دیئے گئے) گویا کبھی بستے ہی نہ تھے ان مکانوں میں۔ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو ہو گئے وہی نقصان اٹھانے والے"

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اور ان کے صحابہ کرام کو اس عذاب سے محفوظ ...رکھا۔ جیسا اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے اور وہ اصدق القائلین ہے۔

"اور جب آپہنچا ہمارا حکم (یعنی عذاب) تو ہم نے بچا لیا شعیب کو اور انہیں جو ایمان ...لائے تھے آپ کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے اور آلیا ظالموں کو خوفناک کڑک نے تو صبح کی ...اپنے گھروں میں اس حال میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے۔ گویا کبھی وہ ان میں ...بسے ہی نہ تھے۔ سنو! ہلاکت ہو مدین کے لئے جیسے ہلاک ہو چکے تھے ثمود"

(ہود:۹۴-۹۵)

"اور کہا ان رئیسوں نے جو کافر تھے ان کی قوم سے کہ اگر تم پیروی کرنے لگو شعیب کی

تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ پھر پکڑ لیا انہیں زلزلہ نے تو صبح کے وقت وہ اپنے
گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے۔ جن (بدبختوں نے) جھٹلایا شعیب کو (وہ یوں ملیامیٹ
کر دیئے گئے) گویا کبھی بستے ہی نہ تھے۔ ان مکانوں میں۔ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو ہو گئے وہی
نقصان اٹھانے والے"

چونکہ کافر کہا کرتے تھے کہ شعیب کی بات مانوں گے تو نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے اس
لئے یہاں مقابلتہً کہا جا رہا ہے کہ جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی وہ نقصان اٹھانے والے ہوئے۔
پھر رب قدوس اپنے نبی کے متعلق ذکر فرماتے ہیں کہ انہوں نے ان کافروں کو
ملامت کرتے ہوئے۔ جھڑکتے ہوئے اور تلقین کرتے ہوئے اپنی طرف بلایا: فرمایا:

فتولی عنھم وقال یاقوم لقد ابلغتکم رسالات ربی ونصحت لکم
فکیف آسی علی قوم کافرین (الاعراف: ۹۳)

"تو منہ پھیر لیا ان کی طرف سے اور کہا اے میری قوم! بے شک میں نے پہنچا
دیئے تھے تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور میں نے نصیحت کی تھی تمہیں۔ تو
(اب) کیونکر غم کروں میں کافر قوم (کے ہولناک انجام) پر"

یعنی اہل مدین کے کافروں کی ہلاکت کے بعد آپ علیہ السلام نے ان کی برباد شدہ
بستی سے یہ کہتے ہوئے منہ پھیر لیا یا قوم لقد ابلغتکم رسالات ربی ونصحت لکم یعنی میں نے اپنا فرض
منصبی پورا کر دیا اور میں نے اللہ تعالیٰ کا حکم بے کم و کاست پہنچا دیا اور میں نے تمہاری ہدایت کے
لئے ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ لی۔

میں تمہیں بار بار نصیحتیں کرتا رہا لیکن میری نصیحتوں نے تمہیں کچھ نفع نہیں دیا۔ کیونکہ
بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ راست پر تو اللہ لگا سکتا ہے۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں میں نے اپنا
فرض ادا کرنا تھا سو کر دیا۔ تم نے مجھے جھٹلایا۔ اس لئے تم نصرت خداوندی سے محروم رہے مجھے
تمہاری ہلاکت پر کوئی افسوس نہیں۔ کیونکہ تم نے میری نصیحت پر کان نہیں دھرے اور رسوائی کے
دن سے خائف نہیں ہوئے۔

اس لئے فرمایا: فکیف آسی۔ میں کیونکہ غم کروں علی قوم کافرین ایک ایسی قوم پر جنہوں
نے حق سے آنکھیں میٹ لیں۔ بار بار بلانے پر بھی حق کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور پھر ہٹ
دھرمی کی پاداش میں ان پر وہ عذاب نازل ہوا جسے نہ تو لوٹایا جا سکتا، نہ روکا جا سکتا تھا اور نہ جس

ی کو مغفرتھا۔
حافظ ابن عساکر اپنی تاریخ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ
علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے بعد ہوئے ہیں۔ اور وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ
جب علیہ السلام اور آپ کے متبعین کا مکہ مکرمہ میں انتقال ہوا۔ ان نفوس قدسیہ کے مزارات کعبۃ
کے مغرب میں دار الندوہ اور بنی سہم کے گھروں کے درمیان ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کو دو قوموں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا: ایک مدین اور
دوسرے اصحاب ایکہ، آپ چونکہ مدین قبیلہ سے تھے اس لئے جب مدین کا ذکر ہوا تو فرمایا:

"اور مدین کی برادری سے شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا"

(پ ۸ سورت اعارف ۵۸)

اور اصحاب ایکہ کے ذکر میں اخوھم نہیں کہا بلکہ صرف کہا:

"اور جب ان کو شعیب (علیہ السلام) نے کہا"

(پ ۱۹ سورت شعراء ۱۷۷)

اس طرح دونوں قوموں پر عذاب بھی مختلف قسم کے تھے، جن کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ
میں آئے گا، البتہ دونوں قوموں کے لوگ قریب قریب فاصلہ پر رہنے کی وجہ سے اور ایک
دوسرے کے ساتھ روابط کی وجہ سے ایک جیسے عمل کیا کرتے تھے۔ اس لئے دونوں کو حضرت شعیب
علیہ السلام نے تبلیغ ایک جیسی فرمائی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

"اور مدین کی طرف ان کی برادری سے شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔ کہا اے میری
قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں بے شک تمہارے
پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی تو ناپ اور تول پوری کرو اور
لوگوں کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں انتظام کے بعد فساد نہ پھیلاؤ، یہ تمہارا
بھلا ہے اگر ایمان لاؤ۔ اور ہر راستہ پر یوں نہ بیٹھو کہ راہ گیروں کو ڈراؤ اور اللہ
تعالیٰ کی راہ سے انہیں روکو جو اس پر ایمان لائے اور اس میں کجی (ٹیڑھا پن)
چاہو اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اس نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھو فسادیوں کا
کیا انجام ہوا؟" ۔(پ ۸ سورہ اعراف ۸۶)

آپ علیہ السلام کا نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔

ان آیات کریمہ میں ذکر ہے کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو تین چیزوں کا حکم دیا۔
ایک یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا۔ تمام انبیائے کرام کی شریعتوں میں یہ قانون معتبر رہا شعیب علیہ السلام نے اسی قانون کے مطابق اپنی قوم کو کہا:
اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے بغیر تمہارا کوئی معبود نہیں۔
دوسری بات یہ تھی کہ آپ نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا اور فرمایا:
"بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی"
یہاں "بینہ" سے مراد معجزہ ہے۔ اس لئے کہ ہر مدعی نبوت کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنا معجزہ دکھائے۔ اگر اس کے پاس کوئی معجزہ نہ ہو تو وہ نبی نہیں ہوگا۔ بلکہ متنبّی (جھوٹا نبوت کا دعویدار) ہوگا۔
اس آیت کریمہ سے یہ واضح ہوا کہ آپ علیہ السلام کو معجزہ حاصل تھا جو آپ کی صداقت پر دلالت کرتا تھا۔ البتہ یہ معجزہ کیا تھا؟ اس کا ذکر قرآن پاک اور حدیث پاک میں واضح طور پر نہیں۔ البتہ صاحب کشاف نے بیان کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو عصا دیا تھا۔ جس سے آپ نے جادوگروں کا مقابلہ کیا تھا اور ان کے بڑے بڑے سانپوں کو نگل لیا تھا۔ یہ آپ کا معجزہ تھا۔
اسی طرح آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تھا کہ ان کی بکریوں کے بچے سیاہ سفید رنگ کے ہوں گے تو ایسے ہی ہوا۔
تیسری بات جو آپ نے اپنی قوم سے کی وہ یہ تھی کہ انہیں برائیوں سے روکا۔ تمام انبیائے کرام کی یہ عادت شریفہ رہی کہ وہ اپنی قوموں کو برائیوں سے روکتے رہے۔ خصوصاً سب سے بڑی برائی سے روکنے میں زیادہ توجہ دیتے رہے اور اسی سے ابتدا کرتے آپ نے بھی اپنی قوم کو سب سے پہلے یہ کہا:۔
"ناپ اور تول کو پورا کرو"
چونکہ شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ تاجر تھے وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ اس طرح لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے ہڑپ کرتے تھے۔ اس برائی پر فتنہ فساد مرتب ہوتا تھا اس لئے سب سے پہلے اسی چیز کی طرف آپ نے توجہ فرمائی۔ ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم دینے کے بعد عمومی طور پر یہ ارشاد فرمایا:۔
"اور لوگوں کی چیزیں گھٹا کر نہ دو"

یہ ارشاد تمام قسم کی برائیوں سے روکنے کو شامل ہے یعنی کسی کا مال نہ چھینو، (غصب نہ کرو) چوری نہ کرو رشوت نہ لو ڈاکہ نہ ڈالو کسی طرح بھی کسی حیلہ سے بھی لوگوں کا مال نہ بٹورو۔
اس کے بعد آپ علیہ السلام نے فرمایا:
"اور زمین میں انتظام کے بعد فساد نہ پھیلاؤ"
زمین میں فساد پھیلانا دین و دنیا کو برباد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی بھیج کر جب زمین میں اصلاح پیدا کر دی، ایک خاص نظام پر منتظم کر دیا، تو اب تم برائیوں کے ارتکاب سے اس میں فساد نہ پھیلاؤ۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں کثیر مال اور نعمتیں عطا کر کے زمین میں پیدا کر دیا تو تم اس میں حرام کی آمیزش کر کے فساد کیوں پھیلاتے ہو؟ ان تمام امور کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے امر کی تعظیم بجالاؤ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنے نبی کی نبوت کو تسلیم کرو۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر مہربانی کرو۔ اگرچہ تم تمام مخلوق کو نفع تو نہیں پہنچا سکتے لیکن کم از کم چھوڑ کر، کم تولنے کم ناپنے کو چھوڑ کر اور ہر قسم کے شر سے دور رہ کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ایذا (رسانی) سے تو بچا سکتے ہو۔ اگر تم ایمان لاتے ہو تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا لازم ہے۔
حضرت شعیب علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو لوگوں کو چیزیں گھٹا کر دینے اور زمین میں فساد پھیلانے سے منع کیا تو ساتھ ہی رزق حلال پر اکتفاء کرنے کی ترغیب بھی دی۔ ارشاد فرمایا:
"اللہ کا دیا جو بچ رہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں یقین ہو۔ اور میں کوئی تم پر نگہبان نہیں"۔ (پ۱۲ سورت ہود ۸۶)
آپ کے ارشاد کا یہ مقصد تھا کہ اگر تم نے ناپ تول میں کمی نہ کی، لوگوں کو ان کے حق پورے کر کے دیئے اور کسی کے مال میں کمی نہ کی، تو جو مال تمہارے پاس بچ رہے گا اس میں اللہ تعالیٰ خیر و برکت عطا فرمائے گا، اور رزق کا دروازہ کھول دے گا۔ اور رب کی اطاعت میں جو ثواب حاصل ہونا ہے۔ وہ دنیا کے مال سے قدر و منزلت کے لحاظ پر عظیم درجہ رکھے گا۔
یہ بات سمجھ اسے ہی آ سکتی ہے جسے ایمان اور یقین حاصل ہو، کیونکہ موت بھی آنی ہے اور اس جہان کے بغیر ایک اور جہان بھی ہے، جہاں حساب و کتاب ہونا ہے۔ اور ثواب و عذاب بھی ہونا ہے۔ یقین کامل ہو تو پھر ہی انسان برائیوں سے اجتناب کر سکتا ہے۔
اور آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا کام صرف تمہیں بھلائی کی نصیحت کرنا ہے میں تمہیں برائیوں کے ارتکاب سے منع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ نیز اگر تم نے برے اعمال نہ

چھوڑے اور ان کی نحوست سے تمہاری نعمتوں کا زوال ہو گیا اور مال و دولت برباد ہو گیا تو میں تمہیں
نہیں بچا سکوں گا۔

''بولے اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے
خداؤں کو چھوڑ دیں؟ یا اپنے مال میں جو چاہیں نہ کریں۔ ہاں جی تم بڑے عقل
مند نیک چلن ہو''۔(پ۱۲ سورت ہود ۸۷)

شعیب علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے اور اس کے بغیر کسی
کی عبادت نہ کرنے کا حکم دیا تو قوم نے کہا: کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے طریقے کو نہیں چھوڑ سکتے،
وہ کئی معبودوں کی عبادت کرتے تھے ہم بھی یہی کریں گے۔ اور آپ علیہ السلام نے قوم کو کم تولنے
اور کم ناپنے سے منع کیا اور کہا کہ لوگوں کو چیزیں گھٹا کر نہ دو تو وہ کہنے لگے کہ ہم تو مال جمع کرنا
چاہتے ہیں، مال جمع کرنے کے مختلف ہتھکنڈے ہیں ہم جس طرح جمع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں
اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے لئے تیار نہیں۔ طنزاً انہوں نے کہا تم (معاذ اللہ) بڑے نمازی،
ایمان دار اور دیندار بنے بیٹھے ہو! یہ تمہاری نمازیں تمہیں کہتی ہیں کہ تم ہمیں اپنے باپ دادا کے
دین سے پھیر دو اور ہمیں مال نہ جمع کرنے دو، ہاں جی تم بڑے عقل مند اور نیک چلن سمجھتے ہو اپنے
آپ کو، (معاذ اللہ) ہم تو تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں ہم تمہاری باتوں میں کیسے آئیں؟

''کہا! اے میری قوم بھلا بتاؤ! اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر
ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے اچھی روزی دی اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ
جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگوں،
میں تو جہاں تک بنا سنوارنا ہی چاہتا ہوں اور میری توفیق اللہ تعالیٰ کی ہی طرف
سے ہے میں نے اسی کی طرف بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں''
(پ۱۲ سورت ہود ۸۸)

آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم ہدایت دین اور نبوت عطا کی ہے
اور مجھے رزق حلال بہت زیادہ عطا کیا ہے، (یاد رہے حضرت شعیب علیہ السلام بہت مالدار تھے)
جب اللہ تعالیٰ نے مجھے سعادات روحانیہ یعنی نبوت و معجزات اور سعادات جسمانیہ یعنی مال و رزق
حلال عطا کیا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اتنے عظیم انعامات کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ہی
اور اس کے اوامر و نواہی میں خیانت کروں؟ خیال رہے کہ
اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ انہوں نے آپ کے حوصلہ اور عقل مندی کا اعتراف

رتے ہوئے کہا کہ تم تو حوصلہ مند اور عقل مند ہو پھر بھی ہمیں اپنے آباؤ اجداد کے دین سے
وکتے ہو؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ جب تم میری عقل مندی کے معترف ہو تو سمجھ لو
تمہیں بہتر راہ پر چلانا چاہتا ہوں اور خود بھی اس پر قائم ہوں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں تمہیں تو
اعمال سے منع کروں اور خود ان پر عمل کروں۔ مجھے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ حاصل ہے اور مجھے اسی
طرف رجوع کرنا ہے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا:

''اور میری قوم ہرگز نہ اکسائے تمہیں میری عداوت (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر)
مبادا پہنچے تمہیں بھی ایسا عذاب جو پہنچا تھا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو اور
قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (دل و
جان سے) رجوع کرو اس کی طرف بے شک میرا رب بڑا مہربان (اور) پیار
کرنے والا ہے''۔(پ۱۲ سورت ہود ۸۹۔۹۰)

یعنی آپ نے اپنی قوم کو فرمایا: اے میری قوم میری مخالفت اور عداوت کی وجہ سے تم اللہ
لیٰ کے عذاب کو حاصل نہ کرو، اگر تم اسی طرح میری عداوت پر قائم رہے تو تم بھی ایسے تباہ برباد
جاؤ گے جیسے نوح، ہود اور لوط علیہم السلام کی قومیں تباہ و برباد ہو گئیں، ان کا کوئی نام و نشان نہیں
اور لوط علیہ السلام کی تباہ شدہ بستیاں تمہارے علاقہ سے کوئی دور نہیں اور ان کا زمانہ بھی
ہارے زمانے سے کوئی دور نہیں۔ تمہیں چاہیے کہ تم اپنے تمام جرائم کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف
وع کرو اس سے مغفرت طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ بہت کریم ہے رحیم ہے وہ کبھی اپنی طرف جھکنے
لوں کو اپنی رحمت سے محروم نہیں کرتا۔ تمہیں چاہیے کہ تم اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو۔

شعیب علیہ السلام نے قوم کو راہ حق کی تبلیغ فرمائی انہیں عذاب سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی
ت حاصل کرنے کی ترغیب دی لیکن قوم نے آپ کی دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔

''انہوں نے کہا: کہ اے شعیب! ہماری سمجھ میں نہیں آتیں تمہاری بہت سی
باتیں اور بیشک ہم تمہیں اپنے میں بہت کمزور دیکھتے ہیں اور اگر تمہارا کنبہ نہ ہوتا
تو ہم نے تمہیں پتھراؤ کر دیا ہوتا اور ہماری نگاہ میں تمہاری کچھ عزت نہیں''

حضرت شعیب علیہ السلام ان کے ساتھ ان کی زبان میں کلام فرما رہے تھے لیکن وہ
ہ بھی کہنے لگے کہ ہمیں تمہاری باتیں سمجھ نہیں آتیں کیونکہ وہ آپ کی باتوں سے بہت زیادہ نفرت
کی وجہ سے توجہ ہی نہیں دیتے تھے، گویا کہ ان کے کانوں پر پردے چھائے ہوئے تھے۔

اور جو سن لیتے وہ بھی آپ کی باتوں کو حقیر سمجھ کر ٹھکرا دیتے تھے۔ گویا کہ ان کا سننا اور نہ سننا برابر ہوتا اور آپ نے انہیں توحید، نبوت اور قیامت پر ایمان لانے اور ظلم لوٹ کھسوٹ کے چھوڑنے پر جن دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کی انہوں نے کہا ہمارے نزدیک ان دلائل کی کوئی حیثیت نہیں گویا یہ دلائل سنائی ہی نہیں دیتے۔

قوم نے آپ کو کہا کہ تم ہمارے ہی قبیلہ سے ہو۔ تمہارا خاندان ہمارے نزدیک عزت و احترام والا ہے۔ اگر چہ تمہاری عزت ہمارے نزدیک کچھ نہیں اور نہ ہی کوئی تم اتنے بہادر ہو۔ ہم تو تمہیں تمہارے خاندان کی وجہ سے چھوڑ رہے ہیں ورنہ ہم تم پر پتھراؤ کر کے تمہیں ہلاک کر ڈالتے۔

''آپ علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! کیا تم پر میرے کنبہ کا دباؤ اللہ سے زیادہ اور اسے تم نے اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال رکھا ہے۔ بے شک جو تم کرتے ہو وہ میرے نزدیک رب کے احاطہ (قدرت) میں ہے''۔ (پ۱۲ سورت ہود ۹۲)

آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کی حماقت پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا: کہ تم میرے خاندان کی عزت کرتے ہو ان کی وجہ سے مجھے ہلاک نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈال رہے ہو، اس کی تابعداری نہیں کرتے۔ حالانکہ حق یہ تھا کہ تم نے اگر میری حفاظت کرنی ہی تھی تو مجھے اللہ تعالیٰ کا نبی سمجھ کر میری حفاظت کرتے، اس سے تمہیں رب کی خوشنودی حاصل ہوتی۔ مجھے دھمکیاں دینے والو! یہ بھی خیال کرو کہ میرا رب تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ تم کبھی اس کے احاطہ قدرت سے بچ نہیں سکتے۔

قال الملاء الذین استکبروا من قومه لنخر جنک یشعیب والذین امنوا معک من قریتنا او لتعودن فی ملتنا

(پ۹ سورت اعراف ۸۸)

''آپ کی قوم کے متکبر سردار بولے: اے شعیب قسم ہے کہ تمہیں اور تمہارے ساتھ والے مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے، یا تم ہمارے دین میں آجاؤ''

آپ کی قوم کے رئیس و سردار لوگ جو بہت بڑے متکبر تھے۔ آپ علیہ السلام کو دھمکیاں دینے لگے کہ تم ہمارے دین میں آجاؤ اور تمہارے ساتھ جو مسلمان ہیں وہ بھی ہمارے دین میں آجائیں۔ اگر تم نے ہمارے دین کو قبول نہ کیا تو ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔

''کہا: کیا اگر چہ ہم بے زار ہیں ضرور ہم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھیں گے اگر

تمہارے دین میں آجائیں بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے بچایا ہے''

(پ۹ سورت اعراف ۸۸،۸۹)

آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کی دھمکیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں جواب دیا کہ کیا ہم اس دین میں آجائیں جس سے ہم بیزار ہیں، جو ہمیں ناپسند ہے، یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے ہم پر جس نے ہمیں تمہارے باطل دین سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ اگر تمہارے کہنے پر ہم اس دین میں آجائیں تو یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء (جھوٹ باندھنا) لازم آئے گا۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا نبی اور اس پر ایمان لانے والے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ سکتے ہیں؟ یہ تصور کرنا بھی ناممکن ہے یہ خیال بھی محال ہے۔

''اور اے قوم تم اپنی جگہ اپنے کام کیے جاؤ میں اپنا کام کرتا ہوں۔ جلد ہی تمہیں پتہ چل جائے گا کس پر آتا ہے وہ عذاب کہ اسے رسوا کرے گا اور کون جھوٹا ہے؟ اور انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں۔ (پ۱۲ سورت ہود ۹۳)

یعنی آپ نے اپنی قوم کو کہا کہ تم اپنی طاقت کے مطابق جو چاہو کر لو مجھے اگر تکلیف پہنچا سکتے ہو تو پہنچا لو، لیکن یہ بھی خیال کر لو میں بھی کوئی بے سہارا نہیں، میرا بھی کوئی ہے۔ مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی قدرتوں سے نوازا ہے۔ بس اب تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں۔ قوم نے کہا تم کیا کر سکو گے؟ کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا کچھ دیر تو نہیں، تمہیں عنقریب ہی پتہ چل جائے گا کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے؟ اور جھوٹا کون ہے؟ وہ قومیں جنہوں نے انبیائے کرام کی تکذیب کی اللہ تعالیٰ کے احکام تسلیم نہیں کیے ان کے لئے رب نے یہی فیصلہ فرمایا کہ ان کو تباہ و برباد کر دیا جائے اب تمہارے لئے بھی فیصلہ کی گھڑی آنا ہی چاہتی ہے تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں، سب کچھ واضح ہو جائے گا۔

اللہ عزوجل نے فرمایا:

''اور جب ہمارا حکم آیا ہم نے شعیب علیہ السلام اور اس کے ساتھ کے مسلمانوں کو اپنی رحمت فرما کر بچا لیا اور ظالموں کو گرجدار آواز نے آلیا تو صبح اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے، گویا کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ اور دور ہوں مدین جیسے دور ہوئے ثمود''۔ (پ۱۲ سورت ہود ۹۶)

رب تعالیٰ نے فرمایا: جب ہمارے عذاب کا امر آ گیا تو ہم نے اپنے ایک فرشتے کو بھیجا جس کی آواز سے سب مر گئے۔

وہ آواز جبریل علیہ السلام کی تھی جب آپ نے زوردار گرجدار آواز سے ...
''موتوا'' مرجاؤ تو ہر ایک کی روح نکل گئی اور اپنے اپنے گھروں میں سب اوندھے گرے ہو
پائے گئے۔اس طرح ان کو تباہ برباد کردیا گیا جیسے کہ وہاں یہ لوگ کبھی بستے ہی نہیں تھے۔

قوم مدین کو ایسا ہی عذاب دیا گیا جیسے قوم ثمود کو عذاب دیا گیا۔حضرت ابن ع...
رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دوامتوں کو ایک جیسا عذاب نہیں دیا سوائے شعیب
السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے۔ان دونوں قوموں کو زوردار آواز سے ہلاک
گیا۔صالح علیہ السلام کی قوم کے پاس وہ آواز نیچے سے آئی اور شعیب علیہ السلام کی قوم
پاس وہ آواز اوپر سے آئی۔(واقعہ حضرت شعیب علیہ السلام از ابتداء تا ایں جا از تفسیر کبیر)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''جھٹلایا اہل ایکہ نے بھی رسولوں کو جب فرمایا: انہیں شعیب (علیہ السلام) نے: کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے؟ بے شک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی اجر میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جو جہانوں کو پالنے والا ہے۔پورا کیا کرو ناپ اور نہ ہو جاؤ کم ناپنے والوں سے اور وزن کیا کرو صحیح ترازو سے۔اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرا کرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔اور ڈرو اس سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور (تم سے) پہلی مخلوق کو۔انہوں نے (جھلا کر) کہا: تم ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کردیا گیا ہے۔اور نہیں ہو تم مگر ایک بشر ہماری مانند۔اور ہم تو تمہارے متعلق یہ خیال کررہے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔(ہم تمہاری بات نہیں مانتے) لو اب گرادو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا، اگر تم راست بازوں میں سے ہو۔آپ علیہ السلام نے فرمایا: میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔سو انہوں نے جھٹلایا شعیب علیہ السلام کو تو پکڑ لیا ان کو چھتری والے دن کے عذاب نے۔بیشک یہ بڑے دن کا عذاب تھا بیشک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے اور یقیناً آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''
(پ ۱۹ سورت شعراء ۱۷۶ تا ۱۹۱)

بعض حضرات نے یہ خیال فرمایا کہ اہل مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم کے دو
...م ہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں جو الگ الگ علاقوں میں آباد
...ہیں، لیکن چونکہ ان کے علاقے بالکل نزدیک تھے اور دونوں قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام
...نسل سے تھیں اس لئے دونوں کی ہدایت کے لئے ایک نبی حضرت شعیب علیہ السلام کو مقرر
...مایا گیا۔

آپ علیہ السلام نے قوم کی طرح طرح کی بیہودگیوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے تبلیغ
...ریضہ جاری رکھا۔ان کو دھوکہ بازیوں سے باز آنے کے متعلق اصرار کرتے رہے، وہ راہ
...ت پر آنے کے بجائے سیخ پا ہو کر اور شرم و حیا کی چادر کو اتار کر کہنے لگے کہ: ''لو ہم تمہاری
...نہیں مانتے اب جو آسمان تم ہم پر گرانا چاہتے ہو گرادو''

ان کا خیال یہ تھا کہ عذاب تو آئے گا نہیں، اس طرح شعیب علیہ السلام کا جھوٹا ہونا ثابت
...ائے گا۔سبحان اللہ نبی کا صبر اور کمال کتنا عظیم ہے۔وہ لوگ آپ کو جھوٹا کہہ رہے ہیں، جادو کے
...ت سے آفت زدہ کہہ رہے ہیں، بلکہ خود مطالبہ کررہے ہیں تم نے جو کرنا ہے کرلو۔آسمان گرانا
...رالو۔ہم تو تمہاری باتوں کو ماننے کے لئے تیار نہیں آپ پھر بھی یہ کہہ رہے ہیں:

ربی اعلم بما تعملون

''تمہارے کرتوتوں کو میرا رب بہتر جانتا ہے''

یعنی آپ نے ان حالات کے باوجود معاملہ رب کے سپرد کردیا، یا ان کی ہلاکت کی دعا
...اور یہ نہیں عرض کیا: اے اللہ اب تو ان پر عذاب بھیج دے، بلکہ کمال صبر کا مظاہرہ کرتے
...ئے معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا۔

جب انہوں نے بار بار شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب
...ل کردیا سات دن تک اللہ تعالیٰ نے ان سے ہوا کو روک لیا اور ریت کو مسلط کردیا، ان کے دم
...ے لگے۔نہ انہیں کوئی سایہ نفع پہنچا سکتا اور نہ ہی پانی۔وہ پریشان ہو کر جنگل کی طرف نکلے اور
...پر ایک بادل نے آکر سایہ کردیا۔جس سے انہوں نے خوب ٹھنڈک محسوس ہوئی اور باد نسیم
...خوشگوار مزے لوٹنے لگے۔اس طرح سب اس بادل کے سایہ میں جمع ہوگئے۔تو یکایک ان
...گ کی بارش برسنے لگی جس سے سب جل کر راکھ ہوگئے ایسے تباہ و برباد ہوئے کہاں کا نام
...نشان بھی مٹ گیا۔رب تعالیٰ نے ان کی بستی کو صفحہ ہستی سے ایسے مٹایا کہ گویا یہاں کوئی بستی تھی

حضرت شعیب علیہ السلام کا قرآن پاک میں ذکر

(۱)	پارہ ۸	سورہ اعراف	رکوع ۱۱
(۲)	پارہ ۱۰	سورہ توبہ	رکوع ۹
(۳)	پارہ ۱۲	سورہ ہود	رکوع ۸
(۴)	پارہ ۱۷	سورہ الحج	رکوع ٦
(۵)	پارہ ۱۹	سورہ شعراء	رکوع ۱۰
(٦)	پارہ ۲۰	سورہ عنکبوت	رکوع ۴

حضرت یسع اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ

''یاد کر اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو اور سب اچھے ہیں''

حضرت ذوالکفلؑ کا نام ''بشر'' ہے یا ''شرف'' آپ حضرت ایوب علیہ السلام کے بیٹے
تھا۔ آپ کے متعلق اور بھی مختلف اقوال ہیں، تاہم اسی قول مذکور کی طرف زیادہ رجحان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے باپ حضرت ایوب علیہ السلام کے بعد نبی بنا کر بھیجا اور حکم
دیا کہ آپ لوگوں کو میری وحدانیت پر ایمان لانے کی طرف بلائیں، کہ میرے بغیر کوئی معبود نہیں۔

آپ عمر بھر شام کے علاقہ میں ہی رہے، اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچاتے رہے،
پچھتر (۷۵) سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے عبدان کو وصیت کی تھی کہ میری وفات کے بعد نیکی کے
راستہ پر قائم رہنا، لوگوں کو بھی ایمان اور نیک اعمال کی ترغیب دینا۔

آپ علیہ السلام یتیموں محتاجوں غریبوں بیوہ عورتوں پر رحم فرماتے، ان کی ضروریات
کا خیال رکھے، انہیں محتاج لوگوں کی کفالت کی وجہ سے ہی آپ کا نام ''ذوالکفل'' (کفالت کرنے
والا) پڑ گیا تھا۔ (روح المعانی ج ۹ ج: دوم ص ۸۲)

نسب کے بارے میں قرآن مجید اور حدیث نبویؐ کی روشنی میں اس سے زیادہ کچھ نہیں
ہو سکتا کہ آپ وقت کے نبی اور پیغمبر تھے۔ اس سے زائد سکوت ہے۔ اور سیر و تواریخ میں بھی

کافی جستجو کے بعد بھی ہمیں کوئی اس سلسلہ میں معلومات نہیں پہنچ سکیں، جن کے ذریعے ذوالکفل کے حالات و واقعات پر مزید روشنی پڑ سکے۔ چنانچہ تورات بھی خاموش ہے اور اسلامی تاریخ بھی۔ (قصص القرآن)

ابن کثیر نے مشہور معزز تابعی حضرت مجاہدؒ سے ان کے متعلق ایک قصہ نقل کیا ہے جب الیسعؑ بہت بوڑھے ہوگئے تو ایک دن ارشاد فرمایا کاش میری زندگی ہی میں کوئی شخص ایسا جو میرا قائم مقام ہوسکتا اور مجھ کو یہ اطمینان ہو جاتا کہ وہ صحیح نیابت کرنے کا اہل ہے۔ اس کے انہوں نے بنی اسرائیل کا اجتماع کیا اور فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں بشرطیکہ وہ مجھ سے تین باتوں کا عہد کرے۔ (۱) دن بھر روزہ رکھے (۲) شب کو یاد خدا میں مشغول رہے (۳) کبھی غصہ نہ لائے۔ یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوا جو لوگوں کی نظر میں بے وقعت نظر آتا تھا۔ اور کہنے لگا کہ اس خدمت کے لئے میں حاضر ہوں۔ حضرت الیسع علیہ السلام نے اپنی تینوں شرطیں دوبارہ بیان کیں اور دریافت کیا کہ ان کی پابندی کرو گے؟ اس شخص نے جواب دیا بیشک۔

حضرت الیسعؑ نے دوسرے دن پھر اجتماع کیا اور کل کی بات کو دہرایا، سب خاموش رہے وہی شخص پھر آگے بڑھا اور خود کو خدمت کے لئے پیش کیا اور تینوں شرطیں پوری کرنے کا وعدہ کیا۔ تب حضرت الیسعؑ نے اس کو اپنا خلیفہ بنالیا۔ ابلیس نے دیکھا تو اس سے برداشت نہ ہوسکا، اور اس نے اپنی ذریت کو جمع کر کے کہا ایسی صورتیں اختیار کرو کہ جس سے یہ شخص ناکام ہو جائے اور اپنی شرطوں پر قائم نہ رہ سکے۔ شیاطین نے بہت کوششیں کیں مگر سب ناکام رہے۔ ابلیس نے کہا کہ میں ہی اس کام کو سرانجام دے سکوں گا۔ تم سے یہ کام نہیں ہوسکتا۔

حضرت الیسعؑ کے خلیفہ کا یہ دستور تھا کہ وہ دن رات میں دوپہر کو تھوڑی دیر قیلولہ کیا کرتا اور کچھ سو کر تھکان رفع کرلیتا تھا۔ چنانچہ ایک دن ابلیس پراگندہ حال بوڑھے کی شکل میں اس کے دروازے پر پہنچا جب وہ آرام کر رہا تھا اور دروازہ پر ہاتھ مارا وہ شخص آرام چھوڑ کر آیا اور دریافت کیا کہ کون ہے۔ ابلیس نے جواب دیا کہ ایک مظلوم و ناتواں بوڑھا ہے۔ اس نے دروازہ کھولا اور حال دریافت کیا۔ ابلیس نے کہا کہ میرے اور میری قوم کے درمیان خصومت ہے، انہوں نے مجھ پر ظلم کر رکھا ہے، اور داستان ظلم کو اتنا طول دیا کہ قیلولہ کا وقت ختم ہوگیا۔ بنی اسرائیل کے اس امیر نے فرمایا کہ اب تم جاؤ شام کو جب مجلس منعقد ہوگی تب تم آنا تمہاری دادرسی کروں گا۔ وہ چلا گیا۔ شام کو جب مجلس منعقد ہوئی تو خلیفہ نے دیکھا کہ وہ شخص موجود نہیں ہے۔ اور مجلس بھی برخاست ہوگئی تب بھی وہ شخص نہ آیا۔ صبح کو جب مجلس منعقد ہوئی تو چاروں

طرف اسے پھر تلاش کیا لیکن کہیں اس کا نشان نہ ملا۔

مجلس ختم ہونے پر جب خلیفہ نے قیلولہ کے لئے تنہائی اختیار کی تو پھر کسی نے دروازہ پر دستک دی۔ دروازہ کھولا تو اسی بوڑھے کو موجود پایا۔ اس نے کل کی طرح پھر گفت و شنید کی۔ تب خلیفہ نے کہا کہ میں نے تمہیں کہا تھا کہ مجلس میں آنا مگر تم نہ آئے۔ ابلیس نے کہا کہ میری قوم بڑی خبیث ہے جب آپ کو مجلس میں پاتی ہے تو آہستہ سے اقرار کرلیتی ہے کہ جھگڑا نہ کرو، ہم تمہارا حق ضرور دیں گے لیکن آپ کے مجلس برخاست کردینے کے بعد پھر منکر ہو جاتی ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ آج شام کو ضرور آ جانا میں اپنی موجودگی میں حق رسی کروں گا۔ اسی گفت و شنید میں بھی قیلولہ کا وقت جاتا رہا اور خلیفہ کو نیند کی تکلیف نے بہت ستایا مگر شام کی مجلس حسب وعدہ منعقد کی اور چاروں طرف نگاہ دوڑائی مگر آج پھر وہ بوڑھا نظر نہ آیا اور نہ ہی صبح کی مجلس میں وہ آیا۔ تب تیسرے دن جب نیند کے غلبہ نے عاجز کردیا تو خلیفہ نے اہل خانہ کو حکم دیا کہ آج دروازہ پر خواہ کوئی شخص بھی آئے قیلولہ کے وقت دروازہ ہرگز نہ کھولیں۔ خلیفہ ابھی لیٹا ہی تھا کہ بوڑھا پھر آ موجود ہوا اور دروازے پر دستک دینی شروع کی۔

اندر سے جواب ملا کہ آج خلیفہ کا حکم ہے کہ کسی کے لئے دروازہ نہ کھولا جائے۔ بوڑھے نے کہا کہ میں دروازہ سے اپنے ایک اہم معاملہ میں حاضر ہورہا ہوں اور خلیفہ نے مجھ کو اس وقت بلایا تھا لہٰذا دروازہ کھول دو، مگر دروازہ نہ کھولا۔ لیکن اہلخانہ نے دیکھا کہ دروازہ بند ہونے کے باوجود وہ شخص اندر موجود ہے اور خلیفہ کے کمرے کے دروازہ پر دستک دے رہا ہے۔ خلیفہ نے دروازہ کھولا اور گھروالوں سے کہا کہ میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ آج دروازہ نہ کھولنا۔ پھر یہ شخص کیسے داخل ہوا؟ ساتھ ہی دروازہ پر نظر کی تو اس کو بند پایا اور بوڑھے کو اپنے قریب دیکھا۔ تب خلیفہ حقیقت حال کو سمجھا اور بوڑھے سے مخاطب ہو کر کہا کہ خدا کے دشمن کیا تو ابلیس ہے؟ اس نے کہا ہاں میں ابلیس ہوں تو نے جب مجھے ہر طرح سے تھکا دیا اور میری ذریت بھی کسی طرح تجھ پر قابو نہ پاسکی تب میں نے یہ آخری صورت اختیار کی تاکہ تجھ کو غضب ناک کر کے ایفائے عہد میں ناکام بنادوں، مگر افسوس کہ میں خود ہی ناکام ہوگیا۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کو ذوالکفل کے نام سے مشہور کردیا اس لئے کہ اس نے جن شرائط کا حضرت الیسع علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا اس کو پورا کر دکھایا۔ (قصص القرآن)

بعض کہتے ہیں کہ حضرت ذوالکفلؑ شام کے بادشاہ کے مقرب تھے اور اس بادشاہ کو بنی اسرائیل سے بڑی عداوت تھی، ہمیشہ ان کے ملک پر فوج کشی کرتا اور ایک جماعت کو قتل کرتا۔ ایک

دفعہ بنی اسرائیل سے لڑائی کے لئے بڑی تعداد میں فوج بھیجی، اس فوج نے مقابلہ کے بعد ایک سو علماء وصلیحا کو قید کر کے بادشاہ کے پاس بھیجا، بادشاہ نے ان کو قتل کرنا چاہا تو ذوالکفل علیہ السلام ... کر بادشاہ کے پاس گئے کہا ب سیاست کا وقت گزر چکا ہے ان کو میرے حوالے کر دو میں ان کا کفیل ہوں، کل صبح سیاست گاہ میں حاضر کروں گا۔ بادشاہ نے ان سب کو ان کے سپرد کر دیا۔ حضرت ذوالکفل علیہ السلام ان کو اپنے شہر لے گئے اور طوق و زنجیروں سے آزاد کیا اور نہایت تعظیم سے رات کو کھانا کھلا کر ان کو چھوڑ دیا۔

ان علماء کی اس طرح خلاصی ہوگئی اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام کو بھی خدا تعالیٰ نے بادشاہ کے شر سے محفوظ رکھا۔ اس دن سے یہود میں ان کا لقب ذوالکفل قرار پایا۔ (روضۃ الاصفیا)

ان کے متعلق بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ ایوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں

رب قدوس ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ ارشاد گرامی سورۃ انبیاء میں قصہ ایوب علیہ السلام کے بعد مذکور ہے۔

وَاِسۡمَاعِيۡلَ وَاِدۡرِيۡسَ وَذَا الۡكِفۡلِ‌ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيۡنَ ‌ۚ‌ۖ وَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ فِىۡ رَحۡمَتِنَا‌ ؕ اِنَّهُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ (الانبیاء:۸۵۔۸۶)

"اور یاد کرو اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو۔ یہ سب صابروں کے گروہ تھے۔ اور ہم نے داخل فرمایا انہیں اپنی خاص رحمت میں۔ یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے"

سورۃ ص میں قصہ ایوب علیہ السلام کے ضمن میں ہی ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اور یاد فرماؤ ہمارے (مقبول) بندوں ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کو بڑی قوتوں والے اور روشن دل تھے۔ ہم نے مختص کیا تھا انہیں ایک خاص چیز سے اور وہ دار آخرت کی یاد تھی۔ اور یہ (حضرات) ہمارے نزدیک چنے ہوئے بہت بہترین لوگ ہیں۔ اور یاد فرمایئے اسماعیل، یسع اور ذی الکفل کو۔ یہ سب بہترین لوگوں میں سے ہیں" (ص ۴۵:۴۸)

ابن جریر اور ابو نجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نبی نہیں بلکہ متقی اور پرہیز گار آدمی ہیں چونکہ آپ اپنی قوم کے یتیم بچوں کی پرورش اور کفالت کرتے تھے اس لئے آپ کو ذوالکفل کہا جانے لگا۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نہایت عادل اور منصف مزاج تھے اور ہر

... کا حق دلانے کی کوشش کرتے تھے اس لئے اسی نام نے شہرت اختیار کر لی۔

لیکن ایک حدیث امام احمد نے روایت کی ہے: ہم سے اسباط بن محمد نے بیان کیا ہم سے اعمش نے بیان فرمایا۔ انہوں نے عبداللہ بن عبداللہ سے، انہوں نے سعد مولیٰ طلحہ سے انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں نے ... سے ایک حدیث سنی اگر میں نے اسے ایک مرتبہ یا دو مرتبہ۔ حتیٰ کہ آپ نے سات ... سنا ہوتا تو اسے کبھی ذکر نہ کرتا لیکن میں نے سات مرتبہ سے بھی زیادہ اسے سنا ہے کہ ... نے فرمایا "الکفل بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی تھا جس نے کوئی گناہ نہیں تھا جو نہ کیا ... ایک دن وہ ایک عورت کے پاس آیا اور اسے ساٹھ دینار دے کر زنا کے لئے آمادہ کیا۔ جب ... زنا کے لئے عورت کے بالکل قریب بیٹھ گیا جیسا کہ جماع کے وقت بالکل قریب بیٹھا جاتا ہے عورت کانپ اٹھی اور رونے لگی۔ اس نے پوچھا: تو روتی کس لئے ہے؟ کیا میں نے تجھے مجبور کیا ہے؟ وہ کہنے لگی نہیں۔ لیکن میں نے زندگی میں کبھی ایسی حرکت نہیں کی۔ مجھے اس گناہ پر غربت اور ... نے مجبور کیا ہے۔ اس شخص نے کہا: اچھا تو اس قدر خوف زدہ ہے حالانکہ تو نے کبھی گناہ ہی ... ہے وہ ہٹ گیا اور کہنے لگا۔ جا چلی جا اور یہ دینار بھی لے جا تیرے ہیں بخدا آئندہ کفل کبھی ... نافرمانی نہیں کرے گا۔ وہ اس رات فوت ہو گیا صبح اس کے دروازے پر یہ عبارت لکھی ہوئی ... "اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت فرمادی" امام ترمذی نے اعمش کی حدیث سے انہیں الفاظ کے ... اسے روایت کیا ہے۔ اور اسے حسن فرمایا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ اسے بعض دوسرے لوگوں ... نے بھی روایت کیا ہے اور ابن عمر پر اسے موقوف کیا ہے۔

یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس کی سند بھی محل نظر ہے۔ کیونکہ ابو حاتم کہتے ہیں سعد ... میری معلومات کے مطابق اس کے علاوہ اور کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ لیکن ابن حبان اسے ... بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن عبداللہ رازی کے علاوہ اور کسی نے یہ حدیث ... نہیں کی۔ واللہ اعلم۔

آپ کا ذکر قرآن مجید میں صرف دو جگہ مذکور ہے۔

پارہ ۱۷	سورہ انبیاء	رکوع ۶
پارہ ۲۳	سورہ ص	رکوع ۴

حضرت یونس علیہ السلام

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے لوگ نینویٰ علاقہ موصل میں رہتے تھے کفر وشرک بت پرستی میں مبتلا تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو ان کے پاس بھیجا آپ نے انہیں ایمان لانے اور بت پرستی چھوڑنے کے متعلق حکم دیا لیکن قوم نے آپ کی تکذیب کی، آپ علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے آگاہ کیا کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ آپ خود ان لوگوں سے ناراض ہو کر شہر سے باہر چلے گئے، جب انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو نہ پایا تو بہت خوف میں مبتلا ہو گئے۔ کہا اب عذاب ضرور آئے گا۔

آپ علیہ السلام نے ان کو ایک خاص مدت تک دنیاوی مال و متاع سے نفع حاصل کرنے کی مہلت دی تھی کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو فلاں وقت تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ مہلت کی مدت میں کئی اقوال ہیں:

وہ مدت چالیس دن تھی۔ (تفسیر کبیر)

وہ مدت تین دن تھی۔ (روح المعانی)

تفسیر کبیر کے مطابق جب پینتیس دن گزر گئے تو آسمان پر شدید سیاہ بادل چھا گئے، جن سے بہت زیادہ دھواں نکلنے لگا وہ دھواں شہر تک پہنچ گیا اور اس نے مکانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اب وہ لوگ سمجھ گئے کہ یونس علیہ السلام نے جس عذاب کے آنے کے متعلق کہا تھا بس وہ آنے والا ہے۔ وہ اتنے شدید خوف میں مبتلا ہوئے کہ ڈر کے مارے شہر کو چھوڑ کر جنگل میں چلے گئے۔ انہوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو جدا کر دیا یہاں تک کہ تمام جانوروں اور ان کے بچوں

کو جدا جدا کر دیا، جب کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو کر ایک دوسرے کی طرف مشتاق ہونے کی وجہ سے بے قرار ہو گئے۔ وہ اپنی آوازیں نکالنے لگے۔ ان جانوروں کی دردناک آوازیں زبان حال سے زار وزار ایک عجیب دردناک منظر پیش کر رہی تھیں۔ وہ سب انسان مرد عورتیں بچے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کر رہے تھے، رو رہے تھے، اور عرض کر رہے تھے کہ:

"اللہ تعالیٰ ہم تجھ پر اور تیرے نبی یونس علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں، ہم اپنے گناہوں کی معافی طلب کر رہے ہیں، اے مولائے کائنات ہمارے گناہ معاف کر دے، ہمیں آنے والے عذاب سے محفوظ رکھے"

انہوں نے اگر کبھی ایک دوسرے پر ظلم کیے ہوئے تھے تو ان کو معاف کرایا اگر کسی کے مال غصب کیے ہوئے تھے تو وہ واپس کیے، توبہ کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی کی اجازت کے بغیر انہوں نے کوئی پتھر اپنے مکانوں کی بنیادوں میں لگایا ہوا تھا تو بنیادیں کھود کر وہ پتھر نکال کر واپس کیا۔ جب انہوں نے ایمان قبول کر لیا، سچے دل سے توبہ کر لی، تو اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آ گیا اور ان سے عذاب دور کر دیا۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر، و روح المعانی)

وہ دن عاشورا کا دن تھا، یعنی دس محرم الحرام اور جمعہ کا دن تھا وہ اپنے ایک بزرگ عالم کے پاس جا کر پوچھ رہے تھے کہ ہم پر عذاب آنے والا ہے ہم کیا کریں؟ اس نے انہیں مشورہ دیا تم اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعائیں کرو۔

"اے اس وقت بھی زندہ رہنے والے جب کوئی زندہ نہیں رہے گا اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اے مردوں کو زندہ کرنے والے اے ہمیشہ زندہ رہنے والے تیرے بغیر کوئی معبود نہیں۔ اے اللہ! بے شک ہمارے گناہ بہت بڑے ہیں حد سے بڑھ چکے ہیں تو عظیم ہے اور جلیل القدر ہے ہمارے ساتھ وہ سلوک کر جو تیری شان کے لائق ہے (کیونکہ تو رحیم و کریم ہے لہٰذا شان کریمی کے مطابق ہمارے ساتھ معاملہ فرما) اور ہمارے ساتھ وہ سلوک نہ فرما جس کے ہم حقدار ہیں"

"پس کیوں ایسا نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتی تو نفع دیتا اسے اس کا ایمان، (کسی سے ایسا نہ ہوا) سوائے قوم یونس کے، جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے رسوائی کا عذاب دنیوی زندگی میں اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں ایک مدت تک"۔ (پ ۱۱ سورۃ یونس ۹۸)

مورخین اسلام اور اہل کتاب اس پر متفق ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کے نسب سے اس سے زیادہ اور کوئی بات ثابت نہیں کہ آپ کے والد صاحب کا نام متیٰ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت جو بخاری شریف میں مذکور ہے اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ اہل کتاب حضرت یونس علیہ السلام کو یوناہ اور ان کے والد کا نام امتیٰ بتاتے ہیں لیکن یہ عربی اور عبرانی زبانوں کی لفظی تعبیر کا فرق ہے۔ (قصص القرآن)

فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یونس علیہ السلام کے زمانہ کا تعین تاریخی روشنی میں مشکل ہے۔ البتہ بعض مورخین نے یہ کہا کہ جب ایران میں طوائف الملوکی کا دور تھا اس وقت نینوا میں حضرت یونس علیہ السلام کا ظہور ہوا۔

جب حضرت یونس علیہ السلام کی عمر اٹھائیس سال کی تھی اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ (قصص القرآن)

تفسیر عزیزی میں مذکور ہے کہ حضرت یونسؑ کے زمانہ میں اولوالامر پیغمبر بنی اسرائیل میں حضرت شعیا علیہ السلام تھے اور حزقیا بادشاہ وقت ان کا مطیع تھا اور ان دنوں میں بنی اسرائیل فلسطین اور اردن میں جو شام کے ملک میں بہت بہتر بستیاں ہیں رہتے تھے۔ اتفاق سے نینویٰ اور موصل کے لوگ جو عراق اور شام کے درمیان میں بستے تھے۔ بنی اسرائیل پر چڑھ آئے اور ان کے مال واسباب لوٹ کر لے گئے اور ان کے بہت سے افراد بھی گرفتار کر کے لے گئے تو حزقیاہ بادشاہ نے حضرت شعیا علیہ السلام سے عرض کیا اور ان سے ان قیدیوں کے چھڑانے کی تدبیر پوچھی اور کہا کہ جب تک ہمارے قیدی وہاں سے چھوٹ کر نہ آئیں گے تب تک ہم ان پر بذریعہ فوج چڑھائی نہیں کر سکتے۔ تو حضرت شعیاء علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کی مملکت میں اس وقت پانچ آدمی پیغمبر ہیں۔

ان میں سے ایک کو ان کے پاس بھیجو تاکہ وہ اس کے سمجھانے سے راہ راست پر آجائیں اور تمہارے قیدیوں کو چھوڑ دیں۔ بادشاہ نے کہا کہ پھر آپ ہی ان میں سے کسی کا انتخاب کریں تو حضرت شعیا علیہ السلام نے حضرت یونس علیہ السلام کا نام پیش کیا اور فرمایا کہ امانت دار بھی ہیں اور اللہ کے ہاں آپ کا بڑا رتبہ ہے اور اس زمانے کے پیغمبروں میں عبادت اور ریاضت کی زیادتی میں بھی ممتاز ہیں اور اگر وہ لوگ ان کی نصیحت نہ مانیں تو ہو سکتا کہ وہ بڑے بڑے معجزے اور غیبی کرشمے دکھا کر ان کو راہ راست پر لے آئیں۔

چنانچہ بادشاہ نے حضرت یونس علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت شعیاء علیہ

...پیغام سنایا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اگر حضرت شعیاء نے حکم الٰہی سے مجھے مقرر کیا ہے تو ...ورنہ وہاں جانے سے میرے اوقات عبادت میں خلل پڑے گا۔ تو بادشاہ نے کہا کہ آپ ...مقرر کرنے کا حکم الٰہی تو نہیں ہے لیکن حضرت شعیاء علیہ السلام نے اسی طرح فرمایا ہے۔ لہٰذا ...ہر صورت میں جانا ہوگا۔ چنانچہ آپ نے رنجیدہ خاطر بمع بال بچوں کے اس شہر میں پہنچ ...کے بادشاہ سے ملاقات کی اور فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تیری طرف بھیجا ہے تو بنی ...ل کو قید سے آزاد کر دے۔

بادشاہ نے کہا کہ اگر تم اس بات میں سچے ہوتے تو حق تعالیٰ ہمیں اتنی قدرت کس لئے ...کہ ہم تمہارے ملک پر چڑھائی کرتے اور ان کے آدمیوں کو گرفتار کر کے لاتے۔ کیا اس وقت ...ذلیل کو اتنی قدرت نہ تھی کہ بنی اسرائیل کی حمایت کرتا اور ہمیں منع کرتا جو کہ اب تمہیں بھیجا ...غرضیکہ حضرت یونسؑ تین روز تک اس کے دربار میں آتے جاتے رہے لیکن اس نے ہرگز ...انی۔ تب حضرت یونس علیہ السلام کو غصہ آیا اور حق تعالیٰ کی درگاہ میں عرض کیا کہ الٰہی یہ ...بری بات نہیں سنتے اور بنی اسرائیل کو قید سے نہیں چھوڑتے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں ...عذاب سے ڈراؤ کہ اگر وہ تمہاری بات کو نہ مانیں گے اور ایمان نہ لائیں گے تو ان پر ...آئے گا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اس شہر کے تمام گلی کوچوں اور بازاروں میں پھر کر لوگوں ...یا کہ میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ تم لوگ اپنے بادشاہ کو یہ بات پہنچا دو کہ اگر وہ میری ...مانے گا اور میرے کہنے پر ایمان نہ لائے گا تو حق تعالیٰ کا ان پر عذاب نازل ہوگا۔ لوگوں ...کہ کچھ مدت مقرر کر دو۔ تو فرمایا کہ چالیس دن تک ایمان لاتے ہو بہتر ہے ورنہ سب کے ...ک ہو جاؤ گے۔ رفتہ رفتہ یہ بات بادشاہ تک پہنچ گئی لیکن اس نے اور اس کے ساتھیوں نے ...مذاق میں ٹال دیا اور کہنے لگے کہ یہ فقیر دیوانہ ہے۔ ایک بات اس کے جی میں آگئی ...ہے یہ اسی کی رٹ لگائے پھرتا ہے۔ اور حضرت یونسؑ نے حق تعالیٰ کی درگاہ میں عرض کی الٰہی ...نے جو ان سے چالیس دن کا وعدہ کیا ہے تو میرے اس وعدے کو سچا کر ورنہ میں تو ان کی ...میں رسوا ہو جاؤں گا اور یہ لوگ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: کہ تم نے اتنی ...جلدی کی ابھی تم کو صبر کرنا چاہیے تھا۔ تقدیر میں ان کے ایمان لکھا ہوا ہے۔ آخر یہ لوگ راہ ...آ جائیں گے۔ حضرت یونسؑ کو اس بات کا بڑا رنج ہوا کہ میں تو سب کے سامنے جھوٹا ...ہوں گا۔ ... ایک ماہ گزر گیا تو آپ نے اس شہر سے اپنے گھر والوں سمیت بارہ کوس

دور نکل کر ڈیرہ لگا لیا کہ دیکھیں ان کا کیا انجام ہوتا ہے۔اور ہمیشہ یہ دعا کرتے رہے کہ الٰہی میرا وعدہ سچا فرما۔ورنہ میں رسوا ہو جاؤں گا (تفسیر عزیزی)

اب خالق کائنات کی حکمت دیکھئے کہ وہ اپنے نبی کی بات کو بھی سچا کر دکھاتے ہیں اور نینوا کے باشندوں کو ایمان بھی نصیب کرتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں کہ جب پینتیسواں دن ہوا اور صبح کو لوگ اٹھے تو دیکھا کہ عذاب کے کچھ نشانات شروع ہیں اور آگ اور دھواں آسمان سے برستا ہے۔اور جب وہ دھواں اور آگ مکانوں کی چھتوں کے قریب آ پہنچا تو بادشاہ اور اس کے تمام ارکان دولت گھبرا کر باہر نکل آئے اور حکم دیا کہ اس گودڑی والے فقیر کو تلاش کرو اور اس کو جلدی لاؤ تا کہ ہم اس کے ہاتھ پر توبہ کریں اور تمام قیدی اس کے حوالے کریں۔شہر کے دروازے کو بند کر دیا اور ہر گلی اور کوچے میں ڈھونڈنا شروع کیا لیکن حضرت یونس علیہ السلام کا کہیں نام و نشان بھی نہ پایا۔

جب ناامید ہوئے تو سب ننگے سر اور پاؤں میدان میں نکلے اور بچوں کو ماؤں سے جدا کیا اور جانوروں کے بچوں کو بھی جدا کیا اور سب نے اپنا گریبان چاک کیا اور سر کو سجدے میں رکھ کر رونا پیٹنا اور فریاد و زاری شروع کر دی اور سچے دل سے توبہ کی۔

چالیس دن تک انہوں نے فریاد و زاری کی۔تو اللہ تعالیٰ نے ان کی خلوص نیت اور توبہ کی صداقت کو دیکھ کر آیا ہوا عذاب ان سے ہٹا لیا۔(ابن کثیر)

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"کوئی بستی ایسی نہیں ہوئی کہ مشاہدہ عذاب کے وقت اس کے لوگ ایمان لاتے اور ایمان ان کو نفع دیتا ہو سوائے یونس کی قوم کے۔کہ جب وہ ایمان لائے تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان پر سے رسوائی کے عذاب کو اٹھا لیا اور ایک مدت تک ان کو سود مند رکھا"

یہ قصہ عاشورہ کے دن محرم کی دسویں تاریخ کو ہوا تھا۔اس عذاب کے دفع ہونے کے بعد بادشاہ اور ارکان دولت اور تمام رعایا خوشی خوشی شہر میں داخل ہوئے اور بادشاہ نے حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش میں جاسوسوں کو چاروں طرف روانہ کر دیا اور یہ بھی ان سے کہہ دیا کہ جو شخص حضرت یونسؑ کی اطلاع دے گا اس کو انعام کے طور پر ایک روز اپنی سلطنت دوں گا تا کہ وہ جو چاہے خزانے سے مال و دولت حاصل کر لے۔(تفسیر عزیزی)

تفسیر کشف الرحمٰن میں ہے کہ شیطان نے حضرت یونس علیہ السلام کو مطلع کر دیا کہ وہ

قوم تو چنگی بھلی ہے ان پر عذاب نہیں آیا۔اور تفسیر عزیزی میں ہے کہ گنواروں کے ذریعہ یہ اطلاع آپ کو ملی مگر یہ معلوم نہ ہوا کہ قوم پر اس لئے عذاب نہ آیا کہ وہ ایمان سے بہرہ یاب ہو گئی ہے اور آپ کے لئے چشم براہ ہے۔یہ سن کر آپ کبیدہ خاطر ہوئے کہ میں اپنی قوم میں جھوٹا ثابت ہو گیا اب ان کے پاس کیا منہ لے کر جاؤں گا۔اور اب حضرت شعیاء علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے پاس جاؤں تو بھی خفیف ہوں گا اس لئے کہ انہوں نے مجھے جس کام کے لئے بھیجا تھا وہ مجھ سے نہ ہو سکا۔یہ سوچ کر دونوں طرف کا ارادہ موقوف فرمایا اور حکم الٰہی کی انتظار نہ کی اور بغیر اجازت الٰہی کے روم کی طرف چل پڑے۔اور حق تعالیٰ کے عتاب میں گرفتار ہوئے۔(عزیزی)

اس کی تفصیل میں جانے سے پہلے اتنی بات یاد رکھیں کہ انبیاءؑ اور مقربان بارگاہ الٰہی کی شان بہت بلند ہوتی ہے ان کو مزاج شناس ہونا چاہیے ان سے اس معاملہ میں اگر ادنیٰ کوتاہی بھی ہوتی ہے تو اس پر عتاب اور گرفت ہوتی ہے۔یہاں بھی اللہ تعالیٰ کو حضرت یونسؑ کا یہ طرز عمل پسند نہ آیا کہ وحی کا انتظار کئے بغیر ایک فیصل کر لیا۔اگرچہ یہ کوئی گناہ نہیں تھا مگر خلاف اولیٰ ضرور تھا۔

تفسیر عزیزی میں ہے کہ اس سفر میں پہلے آپ کے نوکر اور خادم اور رفیق آپ سے الگ ہوئے سوائے ایک بیوی اور دو بچوں کے کوئی ساتھ نہ رہا۔ایک بچے کو اپنے کاندھے پر اور دوسرے بچے کو بیوی کے کاندھے پر سوار کر کے اپنے ارادے سے روانہ ہو گئے۔

ایک دن دوران سفر ایک درخت کے نیچے ٹھہرے اور بچوں کو وہاں ٹھہرا کر خود قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے اتفاق سے اس وقت وہاں کے بادشاہ کے بیٹے کی سواری جو شکار کے لئے گیا تھا اس درخت کے قریب سے ہو کر نکلی۔شاہ زادے نے دیکھا کہ ایک نوجوان خوبصورت عورت دو بچوں کو لئے بیٹھی ہے۔تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس عورت کو لے آؤ۔وہ آئے اور ان کو زبردستی اٹھا کر لے گئے۔بی بی صاحبہ نے کہا کہ میں ایک پیغمبر کی بیوی ہوں مجھے چھوڑ دو۔مگر انہوں نے اس کی ایک نہ سنی اور لے گئے۔شہزادے نے شراب کی مستی اور جوانی کی مستی میں کچھ نہ سنا اور ساتھ اپنے لے گیا۔جب حضرت یونسؑ فارغ ہو کر آئے تو دیکھا کہ بیوی نہیں ہے بچوں سے پوچھا تو انہوں نے سارا قصہ سنایا۔آپ سمجھ گئے کہ عتاب الٰہی کا معاملہ شروع ہو گیا ہے۔

ناچار دونوں بچوں کو لے کر چلے ایک کے بعد ایک کو کاندھے پر چڑھاتے جا رہے تھے۔راستہ میں ایک نالہ آیا ایک بچے کو کنارے پر چھوڑا۔دوسرے کو کاندھے پر بٹھا کر چاہا کہ پار اتر جاؤں۔جب نالے کے بیچ میں پہنچے تو دیکھا کہ کنارے والے بچے کو ایک بھیڑیا اٹھا کر لے

جا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ گھبرائے اور لوٹے کہ بچے کو بھیڑیئے سے چھڑائیں تو اس گھبراہٹ میں دوسرا بچہ جو آپ کے کاندھے پر تھا پانی میں گر پڑا اور پانی کے ریلے میں بہہ گیا۔ آپ نے بہت کوشش کی لیکن دونوں بچے بھی آپ سے بچھڑ گئے۔ مایوس ہو کر تن تنہا دریائے روم کے کنارے پہنچے دیکھا کہ سوداگروں کا ایک جہاز جو روانہ ہو رہا تھا آپ نے جہاز والوں سے کہا کہ میں ایک فقیر ہوں مجھے بھی بغیر کرائے کے سوار کرلو۔ چنانچہ سوداگروں نے بخوشی سوار کرلیا آپ کی برکت سے خدا ہمارا بھی بیڑا پار کرے گا اور جہاز سلامتی سے پہنچ جائے گا۔ غرضیکہ آپ کو سوار کرلیا گیا جہاز روانہ ہوگیا جب جہاز دریا کے بیچ میں پہنچا تو یکایک ایک بڑا طوفان اٹھا اور موجیں آنا شروع ہوگئیں۔ اور جہاز رک گیا اور باوجود تمام کوشش کے جہاز نہ چل سکا۔ تو کپتان اور ملاح نے مشورہ کیا کہ اب کیا ہونا چاہیے تو ملاح نے کہا کہ میں بارہا تجربہ کرچکا ہوں کہ کسی کا غلام اپنے مالک کی رضا کے بغیر کشتی یا جہاز میں سوار ہوتا ہے تو اس قسم کا معاملہ درپیش ہوتا ہے۔ لہٰذا جہاز میں پکار کر کہہ دو کہ اگر کوئی اپنے مالک سے بھاگ کر آیا ہے تو صاف کہہ دے اور ہم اس کو باندھ کر دریا میں پھینک دیں تاکہ جہاز رواں ہو اور ہم سب کی جان بچ جائے۔ اگر ایک آدمی کی ہلاکت سے صدہا کی جان بچتی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ جب جہاز میں آواز دی گئی تو حضرت یونسؑ سمجھ گئے کہ وہ غلام تو میں ہوں کہ خدا کے حکم کے بغیر اپنے فیصلہ پر چل پڑا ہوں۔

آپ نے جہاز والوں سے کہہ دیا کہ وہ غلام میں ہوں۔ لیکن ان کو یقین نہ آتا تھا سب نے کہا کہ ہم آپ پر ایسا گمان ہرگز نہیں کر سکتے آپ بزرگ ہیں۔ چنانچہ قرعہ اندازی کی گئی تو حضرت یونسؑ کا نام نکلا۔ پھر بھی لوگوں نے نہیں مانا دوبارہ اور سہ بارہ قرعہ اندازی کی گئی ہر بار آپ کا نام نکلتا رہا۔ آخر جہاز والوں نے مجبوراً آپ کو دریا میں ڈال دیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے پھر بھی آپ کو نہ پھینکا۔ آپ نے خود ہی کملی میں اپنی جان کو لپیٹ کر دریا میں کود پڑے اور مچھلی نے نگل لیا۔ اور جہاز آپ کے گرنے کے ساتھ ہی چل پڑا۔ اتفاق سے وہاں ایک بڑی مچھلی لقمے کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی جوں ہی آپ دریا میں گرے وہ مچھلی آپ کو نگل گئی۔

(عزیزی)

حق تعالیٰ نے اس مچھلی کو حکم دے دیا کہ ہم نے اسے تیری غذا کے لئے تیرے پیٹ میں داخل نہیں کیا بلکہ تیرے پیٹ کو اس کا قید خانہ مقرر کیا ہے۔ خبردار! اس کو ایک بال برابر نقصان نہ پہنچے۔ یہ تیرے پیٹ میں اس طرح محفوظ رہے جیسے بچہ ماں کے پیٹ میں محفوظ رہتا ہے۔ چنانچہ مچھلی دریا میں اپنا منہ باہر نکال کر چلتی تھی تاکہ یونسؑ کا دم نہ گھٹے (تفسیر کشف الرحمٰن)

وہ مچھلی روم کے دریائے بطائع میں پہنچی پھر وہاں سے دجلہ آئی (عزیزی)

ابن کثیر میں ہے کہ مچھلی بحر اخضر سے آئی تھی اور اس کو جناب باری کا فرمان صادر ہوا کہ وہ دریاؤں کو چیرتی اور پھاڑتی ہوئی جائے اور حضرت یونسؑ کو نگل لے۔ لیکن نہ تو ان کا جسم زخمی ہو اور نہ کوئی ہڈی ٹوٹے۔ چنانچہ اس مچھلی نے پیغمبر خدا کو نگل لیا اور سمندروں میں چلنے پھرنے لگی۔ حضرت یونس علیہ السلام جب پوری طرح مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تو آپ کو خیال گزرا کہ میں مر چکا ہوں لیکن جب ہاتھ پاؤں کو ہلایا تو زندگی کا یقین کر کے وہیں کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی اور اللہ سے عرض کی کہ اے پروردگار! میں نے تیرے لئے ایسی جگہ کو مسجد بنایا جہاں کوئی نہ پہنچا ہوگا۔ اور ساتھ ہی تسبیحات شروع کر دیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

”اور مچھلی والے یونس کا تذکرہ کیجیے جب وہ اپنی قوم سے خفا ہو کر غصے کی حالت میں چلا گیا اور اس نے یہ سمجھا کہ ہم اس پر کوئی داروگیر نہ کریں گے پھر اس نے سخت تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور تو جملہ عیوب سے منزہ ہے۔ بیشک میں ہی قصوروار ہوں۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کرلی اور اس کو مصائب سے نجات دی اور ہم ایمان لانے والوں کو ایسی نجات دیا کرتے ہیں“

(سورہ یونس)

حضرت یونس علیہ السلام کی خفگی کا معاملہ تین بار پیش آیا۔ (۱) جب ان کو نینوا جانے کا حکم ہوا (۲) جب قوم نے ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ (۳) جب ان کو اطلاع ملی کہ عذاب نہیں آیا۔ (قصص القرآن)

ابن ابی حاتم کی ایک حدیث ہے کہ حضرت یونسؑ نے جب مچھلی کے پیٹ میں ان کلمات کو کہا تو دعا عرش خداوندی کے اردگرد منڈلانے لگی اور فرشتوں نے کہا خدایا یہ آواز تو کہیں بہت دور والی ہے لیکن اس آواز سے ہمارے کان ناآشنا ہیں۔ فرمایا اب پہچان لو کہ یہ کس کی آواز ہے۔ عرض کیا نہیں پہچانا۔ فرمایا یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے۔ فرشتوں نے کہا: وہی یونسؑ جن کے نیک اعمال اور مقبول دعائیں ہمیشہ آسمان پر چڑھتی رہتی ہیں۔ خدایا ان پر تو ضرور رحم فرما۔ ان کی دعا قبول فرما لے وہ تو آسانیوں میں بھی تیرا نام لیا کرتے تھے۔ ان کو بلا سے نجات دے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں اسے نجات دوں گا۔ چنانچہ مچھلی کو حکم ہوا کہ میدان میں حضرت یونس کو اگل دے۔ اس نے اگل دیا (ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اگر یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں تسبیحات نہ پڑھتے تو قیامت تک

وہیں رہتے۔

"پس اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وہ یاد کرتا تھا پاک ذات کو تو اسی مچھلی کے پیٹ میں اس دن تک پڑا رہتا جس دن مردے زندہ کئے جائیں گے"

اس آیت سے یہ سمجھنا غلط ہے کہ اگر یونسؑ تسبیح نہ کرتے تو وہ مچھلی قیامت تک زندہ رہتی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس مچھلی کے پیٹ ہی کو حضرت یونسؑ کی قبر بنا دیا جاتا۔ (معارف القرآن)

چالیس دن کے بعد آپ کو مچھلی کے پیٹ سے رہائی ملی۔ مچھلی کے پیٹ سے جب آپ نکلے تو آپ کا جسم اس قدر نرم ہو گیا تھا کہ مچھر یا مکھی کے بیٹھنے کی تاب بھی آپ کو نہ تھی۔ حق تعالیٰ نے اسی وقت کدو کی بیل اگائی جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ

"اور ہم نے اس پر ایک بیل دار درخت اگا دیا"

کدو کی بیل اس طور سے آپ کے بدن پر لپٹی کہ اس کے پتوں نے پوشاک کے طور پر آپ کے تمام بدن کو ڈھانپ لیا اور حق تعالیٰ نے ایک ہرنی کو حکم دیا کہ وہ اپنی چھاتی سے آپ کو دودھ پلاتی رہے چنانچہ وہ ہرنی صبح و شام آپ کے پاس آتی اور دودھ پلا کر چلی جاتی۔ چالیس دن اس طرح گزرے تو آپ کے بدن میں قوت آ گئی اور آپ کے جسم پر کھال اور بال وغیرہ آ گئے اور آپ تندرست و توانا ہو گئے۔ اب ہرنی کو اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا اور حضرت یونسؑ کو حکم ہوا کہ پھر اپنی قوم میں جاؤ اور انہی میں رہو۔ چنانچہ آپ روانہ ہوئے راستے میں مٹی کے برتن بنانے والے کو دیکھا کہ وہ برتنوں کو تیار کر کے پکا چکا تھا۔ آپ کو حکم ہوا کہ اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ایک بھاری لکڑی لے کر ان سب برتنوں کو توڑ ڈالے۔ پھر وہ جو جواب دے مجھے بتا دینا۔

آپ نے اس کو اسی طرح کہا تو اس نے غصہ سے کہا کہ عجیب انسان ہے اتنی محنت اور مشقت سے یہ میں نے تیار کئے ہیں اور مجھے ان سے نفع حاصل ہوتا ہے اور تو کہتا ہے کہ توڑ ڈال۔ تو حضرت یونسؑ نے یہ بات اللہ تعالیٰ سے عرض کر دی۔ تو فرمایا اس کمہار کو ہاتھ پاؤں دماغ میں نے دیا ہے۔ اور پانی کو بھی میں نے پیدا کیا ہے۔ پھر اس نے مٹی اور پانی کو ملا کر برتنوں کی یہ شکل بنائی ہے وہ ان برتنوں کی کتنی قدر کرتا ہے کہ ان کو توڑنا اس کو گوارا نہیں۔ اور تیری خواہش یہ ہے کہ لاکھ سے بھی زیادہ انسان ہم ایک پل میں ہلاک کر دیں۔ پھر راستہ میں ایک باغ دکھائی دیا تو اس کو بھی یہی کہا: تو اس نے کمہار سے بھی زیادہ سخت جواب دیا۔ پھر ایک شہر میں پہنچے وہاں ایک عمدہ مکان دیکھا تو یہی کچھ اس مالک سے بھی کہا تو اس نے اور سخت جواب سنا دیا۔

ان سب سے پوچھنے کا حضرت یونس علیہ السلام کو خدا نے کہا کہ وہ جو جواب دیں مجھے بتانا۔ چنانچہ یونسؑ نے ایسا ہی کیا۔ یونسؑ نے نہایت گریہ و زاری کی اور اللہ کے حضور میں اس غلطی کی معافی چاہی۔ پھر حق تعالیٰ نے آپ کو اپنی رحمت سے سرفراز فرمایا: ارشاد ہے۔

"اگر اس کے پروردگار کا فضل اس کی دست گیری نہ کرتا تو وہ چٹیل میدان میں پھینک دیا جاتا اور اس کا برا حال ہوتا۔ پھر اس کے رب نے اس کو نواز دیا اور اس کو نیک لوگوں میں شامل رکھا"

خدا کی مہربانیاں

خدا کی مہربانیاں ہونا شروع ہو گئیں یہاں تک کہ اس نالے پر پہنچے جہاں آپ کے دو بچے جاتے رہے تھے اس گاؤں کے لوگوں کو دیکھا کہ دونوں بچوں کو ساتھ لئے کھڑے ہیں۔ ان کا حال پوچھا تو انہوں نے کہا ایک بزرگ یہاں سے جا رہے تھے ان کا ایک بچہ پانی میں بہہ گیا جس کو ہمارے دھوبیوں نے پانی سے نکالا۔ اور دوسرا بچہ کنارے سے بھیڑیا اٹھا کر لے گیا تھا جو ہمارے چرواہوں نے بھیڑیئے سے زخمی چھڑوا لیا تھا پھر اس کا علاج کیا۔ اس دوران بچوں کی نگاہ آپ پر پڑی تو آپ کو بچوں نے پہچان لیا تو لوگوں نے بچے آپ کے حوالے کر دیئے اور بڑی عزت کے ساتھ نالے سے پار کر دیا۔ آپ حق تعالیٰ کا شکر ادا کر کے آگے بڑھے۔ جب اس درخت کے قریب پہنچے جہاں سے آپ اور بی بی صاحبہ کی مفارقت ہوئی دیکھا کہ کچھ لوگ پہرے کے طور پر اس درخت کے نیچے بیٹھے ہیں۔

آپ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو اور کس لئے یہاں بیٹھے ہو۔ تو انہوں نے کہا ہمارے شہزادے کی سواری ایک دن یہاں سے نکلی تھی کسی فقیر کی عورت یہاں بیٹھی تھی اس کو شہزادہ زبردستی پکڑ کر لے گیا تھا اس دن سے آج تک وہ پیٹ کے درد میں مبتلا ہے بادشاہ نے یہ دیکھ کر ہم لوگوں کو یہاں بٹھایا ہے کہ اگر ان بزرگ کا کبھی ادھر سے گزر ہو تو ان کو اپنے پاس لے آؤ کہ شہزادے کی تقصیر ان سے معاف کرائیں۔ اور ان کی عورت آج تک جو محل میں بیٹھی ہوئی ہے ان کے حوالے کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ فقیر میں ہی ہوں۔ چنانچہ عزت و اکرام کے ساتھ آپ کو بادشاہ کے پاس لے جایا گیا۔ بادشاہ بھی بہت تعظیم سے پیش آیا۔ آپ سے دعا کی التجا کی حق تعالیٰ نے آپ کی دعا سے شہزادے کو شفا بخشی پھر بادشاہ نے بی بی آپ کے حوالے کی اور بہت کچھ مال و اسباب آپ کی نذر کر کے آپ کو رخصت

کیا۔ آپ وہاں سے آگے چلے اور شہر نینوا اور موصل کی سرحد کے پاس پہنچے۔

پھر آپ نے ایک شخص کو ان بستیوں کے لوگوں کے پاس روانہ کیا تاکہ وہ آپ کے آنے کی خبر دے۔ بادشاہ اور اس کے ارکان آپ کے آنے کی خبر سن کر کئی منزل آپ کو لینے آئے اور نہایت تعظیم و تکریم سے آپ کو شہر لے گئے اور مدت تک آپ کی فرمانبرداری کرتے رہے۔ (تفسیر عزیزی)

آپ کی وفات بھی نینوا میں ہوئی اور وہیں آپ کی قبر مبارک ہے۔ (قصص القرآن)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص یہ ہرگز نہ کہے کہ میں (حضور ﷺ) یونسؑ بن متیٰ سے بہتر ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے نبی پر اس طرح فضیلت دینا سخت ممنوع ہے جس سے معقول نبی کی تنقیص لازم آتی ہو۔ یعنی یہ نہیں ہونا چاہیے کہ کسی پیغمبر کی محبت کے جوش میں دوسرے انبیاء کا مقابلہ کرتے ہوئے ایسی مدحت و منقبت کرے کہ جس سے کسی دوسرے نبی کی شان رفیع کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو۔ اور ایسے موقعوں پر فضیلت کی ممانعت کی گئی ہے جب کہ یہ مسئلہ مناظرہ و مجادلہ کی شکل اختیار کر لے، کیوں کہ ایسی صورت میں احتیاط کے باوجود انسان بے قابو ہو کر دوسرے پیغمبر کے متعلق ایسی باتیں کہہ جائے گا جو ان کی توہین و تنقیص کا باعث ہوتی ہوں اور نتیجہ میں ایمان کی جگہ کفر لازم ہوگا۔ باقی انبیاء علیہم السلام کے درمیان بعض خصائص کے اعتبار سے جو فرق مراتب قائم کیا ہے اور جس کے متعلق خود یہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

"یہ جتنے پیغمبر ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت اور بزرگی عطا فرمائی ہے"

یہ امر محبوب ہے ممنوع نہیں اور ممنوع وہ ہے جس سے دوسرے انبیاء کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو۔

"فرعون" عذاب کو دیکھ کر ایمان لایا اور توبہ کی، لیکن اس کے ایمان لانے اور توبہ کرنے کو قبول نہیں کیا گیا اور یونس علیہ السلام کی قوم کے ایمان اور ان کی توبہ کو کیوں قبول کیا گیا؟

"فرعون نے عذاب کو دیکھ کر توبہ کی تھی کیونکہ جب وہ غرق ہونے لگا تھا تو اس نے کہا تھا: "میں ایمان لاتا ہوں" لیکن یونس علیہ السلام کی قوم نے عذاب کا مشاہدہ کرنے سے پہلے صرف علامات عذاب کو دیکھ کر ایمان قبول کر لیا تھا اور توبہ کر لی تھی، کہ اب عذاب آنے ہی والا ہے۔ اب فرق واضح ہو گیا کہ فرعون کا ایمان

عذاب کے مشاہدہ کرنے پر اور ان کا ایمان عذاب کا مشاہدہ کرنے سے پہلے تھا"

حضرت یونس علیہ السلام جب قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے اور قوم نے آپ کے پیچھے توبہ کر لی لیکن آپ واپس لوٹ کر نہ آئے، تو آپ اپنے سفر کے دوران دریا کو عبور کرنے کے لئے ایک کشتی پر سوار ہوئے، لیکن کشتی بھنور میں پھنس گئی۔ اس وقت کے دستور اور رواج کے مطابق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ جب کوئی غلام اپنے مالک سے بھاگ کر جا رہا ہو اور کشتی میں سوار ہو تو وہ کشتی اس وقت تک کنارے پر نہیں پہنچتی جب تک اس غلام کو کشتی سے اتار نہ لیں۔ اب کشتی کے بھنور میں پھنسنے پر ان لوگوں نے قرعہ ڈالا جو حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ تین دفعہ قرعہ آپ کے نام ہی نکلا تو آپ نے فرمایا کہ میں ہی غلام ہوں جو اپنے آقا کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے خود ہی دریا میں چھلانگ لگا لی تاکہ کشتی کے دوسرے لوگ کنارے پر پہنچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کے دل میں القاء کیا اور حکم دیا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لے، لیکن یہ خیال کرنا کہ تمہارا پیٹ ان کے لئے قید خانہ بنایا ہے انہیں تمہارا لقمہ نہیں بنایا، اس لئے انہیں خراش تک نہ آنے دی جائے، ان کو بال برابر بھی نقصان نہ پہنچے۔ اس طرح آپ مچھلی کے پیٹ میں آ گئے، یہ آپ پر ایک امتحان تھا اور یار کا یار کو "عتاب" تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں جانے کی وجہ سے "ذوالنون" اور "صاحب الحوت" کہا گیا ہے۔ کیونکہ نون اور حوت دونوں کا معنی مچھلی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اور ذوالنون (یاد کرو) جب چلا غصہ میں بھرا تو گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے"۔ (پ ۱۷، سورۃ انبیاء ۸۷)

یہ ترجمہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور صحیح بھی یہی ہے جب کہ اور تراجم (ان لن نقدر علیہ) کا ترجمہ "ہم ان پر قابو نہ پا سکیں گے"، "ہم اس پر گرفت نہ کریں گے"، "ہم نہ پکڑ سکیں گے" اس قسم کے ترجمے غلط اور باطل ہیں۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو لوگ انبیائے کرام کو گنہگار ٹھہراتے ہیں کہ ان سے ضرور گناہ سرزد ہوتے ہیں، وہ اس آیت سے اپنی دلیل پیش کرتے ہیں کہ یونس علیہ السلام نے گمان کیا کہ رب مجھے نہیں پکڑ سکے گا۔ یہ کہنا گناہ ہے۔ لہٰذا نبی گناہ گار ہو سکتے ہیں۔

ایک دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: گزشتہ رات قرآن پاک کی موجوں میں مستغرق رہا، لیکن مجھے اس سے خلاصی نہ مل سکی، ہو سکتا ہے آپ میری راہنمائی کر دیں، آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی

اللہ عنہ نے کہا:

"کیا اللہ تعالیٰ کا نبی بھی یہ گمان کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نہیں پکڑ سکے گا؟"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا:

"یہ لفظ "قدر" سے لیا ہوا ہے۔ "قدرۃ" سے نہیں۔ یعنی اس کا معنیٰ "تنگی نہ کر" ہے۔ "قدرت نہ رکھنا" نہیں۔

علامہ رازی کی اس تحقیق کے بعد واضح ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو شہر چھوڑ کر ہجرت کر جانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا تھا۔ آپ علیہ السلام اپنے اجتہاد سے تشریف لے گئے تھے۔

مچھلی کے پیٹ میں آپ کی دعا

فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

(پ ۱۷ سورۃ انبیاء ۸۷)

"تو اندھیروں میں پکارا کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاکی ہے تجھ کو بے شک مجھ سے بے جا ہوا"

ظلمات جمع ذکر کیا، کئی تاریکیاں۔ اس لئے کہ آپ دریا کی تاریکی، رات کی تاریکی اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی میں تھے۔ ان اندھیروں میں آپ نے رب تعالیٰ کے حضور التجاء کی اے اللہ میں جو تیرے حکم کے انتظار سے پہلے آ گیا۔ یہ مجھ سے بے جا ہوا تو ان کلمات سے آپ کی دعا کو قبول کرلیا گیا۔

حدیث شریف میں ہے جو کوئی مصیبت زدہ بارگاہ الٰہی میں ان کلمات سے دعاء کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ (خزائن العرفان)

مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ

(پ ۱۷ سورۃ انبیاء ۸۸)

"تو ہم نے اس کی پکار سن لی، اور اسے غم سے نجات دی، اور ایسی ہی نجات دیں گے مسلمانوں کو"

یعنی یونس علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اظہار عجز کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ

کو مچھلی کے پیٹ میں رہنے کم غم سے نجات عطا فرمائی، اسی طرح اگر مسلمانوں میں سے کسی نے بھی اپنی پریشانیوں کی فریاد رب سے طلب کی، سچے دل سے تائب ہوئے تو اللہ تعالیٰ ان کی فریاد بھی قبول کرے گا۔

مچھلی کے پیٹ سے باہر آ کر:

فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ

(پ ۲۳ سورۃ صافات ۱۴۵، ۱۴۶)

"ہم نے اسے مدیان میں ڈال دیا اور وہ بیمار تھا اور ہم نے اس پر کدو کا پیڑ لگایا"

كل شجرة لا ساق لها فهو يقطين

"ہر بیل جس میں تنا ہو اسے یقطین کہا جاتا ہے، لیکن یہاں مراد "کدو" ہے"

علامہ آلوسی نے تحریر فرمایا:

وهو الدباء المعروف و كان النبی ﷺ یحبه

"کہ یہاں مراد دباء ہے اور وہ مشہور و معروف ہے کہ وہ "کدو" ہے جسے نبی کریم ﷺ پسند فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام پر اس کو اس لئے اگایا کہ آپ پر سایہ کرے اور آپ کو ٹھنڈک پہنچائے اور آپ کو اس کے پتے مس کریں اور اس کے بڑے پتے آپ پر رہیں تاکہ آپ پر مکھیاں نہ بیٹھیں، کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ کدو کے پتوں پر مکھیاں نہیں بیٹھتیں۔

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے باہر آتے وقت نو مولود بچے یا چوزے کی طرح تھے یعنی آپ کا چمڑا بہت نرم و نازک تھا، اس پر کوئی بال وغیرہ نہیں تھے۔ آپ کے لئے مکھیاں باعث تکلیف ہوسکتی تھیں اور سخت چیز کا مس کرنا اور سورج کی گرمی آپ کے تکلیف کا باعث بن سکتی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے آپ کو اس کے سایہ سے آرام پہنچایا اور کدو کے پتے اترے ہوئے چمڑے کے لئے بھی مفید ہوتے ہیں اس لئے بھی کدو کو اگایا کہ اس کے پتے آپ کے چمڑے کے لئے فائدہ مند ہوسکیں۔

خیال رہے کہ "شجرۃ" اسے کہتے ہیں جس میں تنا ہو اگرچہ کدو کی بیل ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے درخت کی طرح بڑا تناور بنا دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ایک بکری کو آپ پر مقرر کردیا تھا جو دودھ پلاتی تھی، اس طرح پھر آپ کو توانائی جسم کی پختہ جلد اور بال عطا کردیئے گئے۔

(روح المعانی)

قرآن پاک میں آپ کا ذکر

(۱)	پارہ ۶	سورہ النساء	رکوع ۲۳
(۲)	پارہ ۷	سورہ الانعام	رکوع ۱۰
(۳)	پارہ ۱۱	سورہ یونس	رکوع ۱۰
(۴)	پارہ ۱۷	سورہ الانبیاء	رکوع ۶
(۵)	پارہ ۲۳	سورہ الصافات	رکوع ۵
(۶)	پارہ ۲۹	سورہ القلم	رکوع ۲

حضرت سیدنا الیاس علیہ السلام

اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرماتا ہے۔

"اور بیشک الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے ہیں۔(یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں۔کیا تم عبادت کرتے ہو بعل کی اور چھوڑے ہوئے ہو احسن الخالقین کو (یعنی) اللہ کو جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی پروردگار ہے۔پھر انہوں نے آپ کو جھٹلایا پس یقیناً انہیں (پکڑ کر) حاضر کیا جائے گا۔بجز اللہ کے بندوں کے جو مخلص ہیں۔اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔سلام ہو الیاس پر۔ہم اسی طرح جزاء دیتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں"۔(الصافات:۱۲۳۔۱۳۲)

علمائے نسب آپ کا شجرہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔الیاس بن فنحاص بن العیزار بن ...ران۔الیاس نشی بھی آپ ہی کو کہتے ہیں۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا شجرہ نسب یوں ہے۔الیاس ابن العازر بن العیزار بن ہارون بن عمران کہتے ہیں کہ آپ کی بعثت عزبی دمشق کے بعلبک ...علاقے میں ہوئی۔آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور فرمایا کہ بتوں کی پوجا چھوڑ دو۔ان کے بت کا نام جس کی وہ پوجا کرتے تھے "بعل" تھا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ بعل نامی ایک عورت کی پوجا کرتے تھے۔

ان لوگوں نے آپ علیہ السلام کی تکذیب کی، مخالفت پر اتر آئے اور قتل کی ٹھان لی کہا

جاتا ہے کہ آپ ان سے بچنے کے لئے بھاگ نکلے اور چھپ گئے۔ یعقوب الا ذرعی یزید بن عبدالصمد سے، وہ ہشام بن عمار سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہشام کا قول ہے کہ میں نے ایک ایسے شخص سے سنا ہے جس نے کعب الاحبار سے روایت کیا اور یہ شخص ذکر کرتا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الیاس علیہ السلام اپنی قوم کے بادشاہ سے بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے جوالدم کے نیچے ہے۔ اور وہاں آپ دس سال تک مخفی رہے۔ یہاں تک کہ اس بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے جہنم رسید کیا اور اس کی جگہ ایک اور بادشاہ آیا الیاس علیہ السلام اس کے پاس آئے اور اسلام کی تبلیغ کی۔ سوائے دس ہزار کے تمام قوم ایمان لے آئی۔ بادشاہ نے ان کفار کے قتل کا حکم دے دیا اور وہ سب قتل کر دیئے گئے۔

ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابو محمد للقاسم بن ہاذم نے بیان کیا۔ ہم سے عمر بن سعید دمشقی نے بیان کیا۔ ہم سے سعید بن عبدالعزیز نے بیان کیا۔ انہوں نے دمشق کے ایک شیخ سے روایت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ الیاس علیہ السلام اپنی قوم سے بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے اور وہاں بیس رات یا فرمایا چالیس رات تک مقیم رہے۔ کوے انہیں کھانا لا کر دیتے رہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی کہتے ہیں کہ ہم کو ہشام بن محمد بن سائب کلبی نے اطلاع دی انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں سب سے پہلے جو نبی مبعوث ہوئے وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ پھر نوح علیہ السلام پھر ابراہیم۔ پھر اسماعیل پھر اسحاق، پھر یعقوب، پھر یوسف، پھر لوط، پھر ہود، پھر صالح، پھر شعیب، پھر موسیٰ، پھر ہارون، یہ دونوں عمران کے بیٹے ہیں۔ پھر الیاس التشبی بن ہارون بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام مبعوث ہوئے۔

انہوں نے اسی طرح بیان کیا ہے لیکن یہ ترتیب محل نظر ہے۔

حافظ ابو بکر بیہقی نے ایک حدیث روایت کی ہے کہتے ہیں کہ ہمیں ابو عبداللہ حافظ نے خبر دی ہے مجھ سے ابو العباس احمد بن سعید المعدانی بخارا میں ذکر کیا۔ ہم سے عبداللہ بن محمود نے بیان کیا۔ ہم سے عبدان بن سنان نے بیان کیا۔ مجھ سے احمد بن عبداللہ برقی نے بیان کیا۔ ہم سے یزید بن یزید بلوی نے بیان کیا۔ ہم سے ابو اسحاق فزاری نے بیان کیا۔ انہوں نے اوزاعی سے، انہوں نے مکحول سے، انہوں نے انس بن مالک سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ اچانک وادی سے ایک آدمی یہ کہتے ہوئے سنائی دیا۔ "اے اللہ! مجھے محمد ﷺ کی امت مرحومہ، مغفورہ سے کر دے جن کی توبہ تو قبول فرما لیتا ہے۔ میں نے وادی

ہیں نگاہ دوڑائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ تین سو گز سے بھی زیادہ لمبا ایک آدمی کھڑا ہے۔ مجھ سے کہنے لگا کون ہو؟ میں نے بتایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا خادم انس بن مالک ہوں۔ انہوں نے پوچھا آپ ﷺ کہاں ہیں؟ میں نے بتایا (وہ قریب ہیں) آپ کی گفتگو سماعت فرما رہے ہیں۔ وہ شخص کہنے لگا۔ آپ واپس جا کر آپ ﷺ کی خدمت میں میرا سلام عرض کریں اور بتائیں کہ آپ کا بھائی الیاس سلام عرض کر رہا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ اور ماجریٰ عرض کیا۔ آپ ﷺ وہاں تشریف لائے۔ حضرت الیاس سے مل کر معانقہ کیا اور سلام و دعا ہوئی۔ پھر دونوں نبی تشریف فرما ہوئے اور باہم باتیں ہونے لگیں۔ الیاس علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میں سال میں صرف ایک دفعہ کھانا کھاتا ہوں۔ آج میں روزے سے نہیں ہوں۔ آج میں اور آپ اکٹھے کھانا کھائیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان سے ایک دسترخوان اترا جس میں روٹیاں مچھلی اور اجوائن تھی۔ دونوں نے کھانا کھایا: مجھے بھی کھلایا اور ہم نے عصر کی نماز ادا کی۔ پھر الیاس علیہ السلام ہم سے رخصت ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ بادلوں سے گزر کر آسمان کو جا رہے ہیں۔

اس حدیث کے بارے امام بیہقی کا اپنا فیصلہ ہی کافی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

تعجب ہے کہ حاکم ابو عبداللہ نیشا پوری نے اس حدیث کی اپنی مستدرک علی الصحیحین میں تخریج کی ہے اور یہ وہ کتاب ہے جس میں ان احادیث کو جمع کیا گیا ہے جو متدرک میں درج نہیں ہو سکیں۔ یہ حدیث مرفوع ہے اور کئی وجوہ کی بناء پر صحاح کی احادیث کے مخالف ہے۔ اور اس کا معنی بھی صحیح نہیں ہے۔ صحیحین کی بیان کردہ حدیث جو پہلے بھی ہم بیان کر آئے ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو ان کا قد جنت میں ستر گز تھا۔...... پھر مخلوق خدا کی قامت میں کمی ہوتی رہی اور یہ سلسلہ آج تک برابر جاری ہے۔

مذکورہ بالا حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضور ﷺ چل کر حضرت الیاس کے پاس پہنچے حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ الیاس علیہ السلام خود چل کر بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوتے۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ وہ سال میں صرف ایک دفع کھانا تناول فرماتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے حضرت وہب کے حوالے سے ہم ایک حدیث بیان کر آئے ہیں کہ آپ لذت کام و دہن سے بے

نیاز کردیئے گئے ہیں۔اور ایک حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ ہر سال صرف ایک دفعہ زمزم کا
پانی پیتے ہیں جو دوسرے سال تک کفایت کرتا ہے۔

یہ تمام بیانات ایک دوسرے کے متعارض ہیں۔یہ قصے تمام باطل ہیں اور ان میں کچھ
بھی صحیح نہیں ہے۔

ابن عساکر نے اس حدیث کو ایک اور طریق سے بیان کیا ہے۔اور خود ہی اس کے
ضعیف ہونے کا اعتراف کیا ہے۔اور یہ بات بڑی عجیب ہے۔کہ انہوں نے اس حدیث پر کیسے
گفتگو کردی۔ابن عساکر یہ حدیث حسین بن عرف کے طریق سے لائے ہیں جس کو حسین بن
عرف نے ہانی بن الحسن سے،انہوں نے بقیہ سے،انہوں نے اوزاعی سے،انہوں نے مکحول سے،
انہوں نے واثلہ سے،انہوں نے ابن الاسقع سے روایت کیا ہے۔پس انہوں نے اسی طرح کی
ایک طویل حدیث ذکر کی ہے اور اس میں وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ وہ غزوہ تبوک کے سفر
میں تھے کہ رسول کریم ﷺ نے انس بن مالک اور حضرت حذیفہ ابن الیمان کو بھیجا وہ فرماتے ہیں
کہ ہم نے اچانک ایک آدمی دیکھا جو ہم سے دو یا تین ہاتھ لمبا تھا۔انہوں نے معذرت کی کہ میں
وہاں نہیں آسکتا کیونکہ مجھے دیکھ کر اونٹ بھاگ کھڑے ہوں گے۔اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ
رسول کریم ﷺ ان سے ملے اور دونوں نے جنت کا کھانا اکٹھے تناول فرمایا۔اور حضرت الیاس نے
کہا کہ میں چالیس دن کے بعد صرف ایک دفعہ کھانا کھاتا ہوں۔اور اس کھانے میں روٹیاں
،انگور،بادام،سبزی اور دوسری چیزیں تھیں۔اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے حضور ﷺ نے حضرت
خضر علیہ السلام کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ مجھے پچھلے سال ملے تھے اور کہا تھا کہ آپ
مجھ سے پہلے بارگاہ نبوی میں باریابی پائیں گے۔جب حاضری ہو تو میرا سلام عرض کرنا۔

اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا جائے اور یہ فرض کرلیا جائے کہ حضرت الیاس اور حضرت
خضر علیہما السلام ابھی تک زندہ ہیں تو گویا نویں سال ہجرت کو ان کی آپس میں ملاقات نہیں
ہوئی۔اور یہ بات شرعاً صحیح معلوم نہیں ہوتی۔یہ حدیث بھی موضوع ہے۔

ابن عساکر مختلف طرق سے کئی احادیث لائے ہیں جن میں حضرت الیاس کی دوسرے
لوگوں سے ملاقات ثابت ہے۔لیکن یہ احادیث بھی اپنی اسناد کے ضعف اور راویوں مجہول ہونے
کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہیں۔ان احادیث میں سب سے بہتر وہ حدیث ہے جو ابو بکر بن ابی
الدنیا نے بیان کی ہے۔فرماتے ہیں کہ مجھ سے بشر بن معاذ نے بیان کیا۔ہم سے حماد بن واقد
نے بیان کیا۔انہوں نے ثابت سے روایت کیا۔فرماتے ہیں کہ ہم مصعب بن زبیر کے پاس کوفہ

...میں ایک حویلی میں نماز پڑھنے کے لئے گیا۔اور قرأت شروع کی۔

اسی دوران میری نظر ایک آدمی پر پڑی جو سفید رنگ کے خچر پر سوار میرے پیچھے کھڑا
تھا۔اور اس پر یمنی گودڑی تھی۔کہنے لگا جب تو پڑھتا ہے غافر الذنب تو کہا کر''اے گناہ بخشنے
والے!میرے گناہ بخش دے'' جب پڑھتا ہے قابل التوب تو یہ بھی کہا کر''اے توبہ قبول کرنے
والے!میری توبہ قبول فرما''اور جب شدید العقاب پڑھتا ہے تو یہ کہا کر''اے سخت عذاب دینے
والے!مجھے عذاب سے محفوظ فرما''اور جب تو ذی القوۃ کے الفاظ پڑھتا ہے تو یہ دعا کیا کر''اے
فضل وکرم فرمانے والے!مجھ پر بھی فضل وکرم فرمائی!'' جب میں نے مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی
نہ تھا۔جب میں حویلی سے باہر آیا تو لوگوں سے پوچھا کہ جو شخص ابھی سفید خچر پر سوار تمہارے
پاس سے گزرا ہے جس نے یمنی گودڑی پہن رکھی تھی وہ کہاں گیا تو لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس
سے تو ایسا کوئی شخص نہیں گزرا۔ان کا اندازہ تھا کہ یہ شخص حضرت الیاس علیہ السلام ہوں گے۔

حضرت الیاس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت
ہارون علیہ السلام کی اولاد ہیں،آپ کا نسب مشہور قول کے مطابق یہ ہے الیاس علیہ السلام بن
...ن بن فخاص بن العیزار بن ہارون۔

حضرت الیاس علیہ السلام نے قوم کو کہا:تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے کیوں نہیں ہو؟تمہیں
چاہئے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو اور اس کے نواہی (جن کاموں سے رب نے منع کیا ہے)
سے اجتناب کرو،تم بت پرستی کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بت سے حاجات طلب کررہے ہو،اور
اس ذات کو چھوڑ رہے ہو،یعنی اس ذات کی عبادت نہیں کررہے ہو اور اس سے تم اپنے مقاصد
حاصل نہیں کررہے ہو جو سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔

خیال رہے خالق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس کے بغیر کوئی خالق نہیں،یہاں اللہ تعالیٰ کو
احسن الخالقین کہا گیا ہے: کیونکہ ان کے گمان کے مطابق رب کے بغیر بھی خالق تھے،تو کہا گیا ہے
جن کو تم خالق مانتے ہو ان سب سے اچھا خالق اللہ تعالیٰ ہے یا مجازی طور پر دوسرے کاموں کے ایجاد
کرنے والوں کو وہ لوگ خالق کہہ دیتے تھے تو آپ نے بھی ان کے قول کے مطابق کلام فرمایا ہو۔

ان کے بت کا نام''بعل''تھا۔یمن کی لغت میں''بعل''کا معنی رب ہے۔وہ کہتے تھے:

''اس گھر کا مالک کون ہے؟''

اسی وجہ سے خاوند کو بھی''بعل''کہا گیا ہے قرآن پاک میں ہے:

وبعولتھن احق بردھن

اور ذکر کیا گیا

وھذا بعلی شیخا

ان دونوں مقاموں میں بعل کا معنی خاوند ہے، چونکہ وہ اس بت کو اپنا رب مانتے تھے۔اس کا نام ہی انہوں نے بعل رکھا ہوا تھا۔اس بت کی لمبائی بیس ذراع (تیس فٹ) تھی۔وہ سونے کا بنا ہوا تھا اس کے چار منہ تھے۔وہ اس کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے۔اس کی خدمت کے لئے انہوں نے چار سو خادم رکھے ہوئے تھے،وہ خدام چونکہ ان کے معبود کے خدمت گزار رہتے تھے، اس لئے وہ اس کو اپنے بیٹوں کی طرح سمجھتے تھے۔بعض مفسرین نے ''ابناھم'' کی جگہ ''انبیاء'' تحریر کیا ہے کہ وہ ان خادموں کو اپنے خدا کا نبی سمجھتے تھے۔

شہر بعلبک

''بعلبک'' شہر کا نام اس لئے بعلبک رکھا گیا ہے کہ اس وقت کے حاکم کا نام ''بک'' تھا۔اور اس کے معبود کا نام ''بعل'' تھا۔اس نے ایک شہر آباد کیا جس کا نام اس نے اپنے اور اپنے معبود کے نام سے مرکب کر کے ''بعلبک'' رکھا نحو کی تمام کتب میں ایسا ہی ذکر کیا گیا ہے۔تفسیر خزائن العرفان میں ہے کہ ''بک'' اس جگہ کا نام تھا جہاں انہوں نے اپنے بت ''بعل'' کو رکھا ہوا تھا اس طرح بت اور اس کے مدر کے نام سے شہر کا نام ''بعلبک'' رکھا گیا۔(واللہ اعلم بالصواب)

بعض حضرات نے تحریر کیا ہے کہ ''بعل'' بت میں شیطان بولتا تھا کہ گمراہی کی طرف ان کی راہنمائی کرتا تھا، وہ بت کچھ احکام جاری کرتا اس کے خدام یعنی جن کو وہ اپنے بت کے نبی سمجھتے تھے لوگوں تک وہ احکام پہنچاتے تھے۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو رد کرتے ہوئے فرمایا:

واما قولهم ان الشيطان كان يد خل فى جوف بعل ويتكلم بشريعة الضلالة فهذا مشكل لانا ان جوزنا هذا كان ذالك قادحا فى كثير من المعجزات لانه نقل فى معجزات النبى ﷺ كلام الذئب معه و كلام الجمل معه وحنين الجذع ولو جزنا ان يدخل الشيطان فى جوف جسم ويتكلم فحينئذ يكون هذا الا حتمال قائما فى الذئب والجمل والجذع وذالك يقدح فى كون هذه الا شياء معجزات

(تفسیر کبیر ج ۶۔ص ۱۶۱)

''بعض لوگوں کا جو یہ قول ہے کہ بعل بت کے پیٹ میں شیطان داخل ہو جاتا اور ان کو گمراہی کے راستہ پر چلانے کا کام کرتا تھا اس کا تسلیم کرنا بہت مشکل ہے اگر اسے مان لیا جائے تو بہت سے معجزات پر عیب لازم آئے گا اور ان پر اعتبار ہی ختم ہو جائے گا۔ نبی کریم ﷺ کے معجزات میں ان معجزات کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ سے بھیڑیئے نے کلام کیا، آپ ﷺ سے اونٹ نے کلام کیا، آپ نے جب منبر بنوا لیا تو جس ستون سے آپ پہلے سہارا لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔وہ رونے لگا، آپ نے اسے تسلی دی۔اگر یہ مان لیا جائے کہ شیطان جسموں میں داخل ہو کر کلام کرتا ہے تو یہ احتمال بھیڑیئے اور اونٹ اور کھجور کے تنے یعنی اس رونے والے ستون میں بھی قائم ہو گا کہ (معاذ اللہ) ان میں بھی شیطان نے داخل ہو کر کلام کیا ہو گا اس طرح تو معجزات پر اعتبار ہی اٹھ جائے گا''

علامہ رازی کی اس بحث سے واضح ہو گیا کہ یہ قول ہی باطل ہے کہ ''بعل'' کے پیٹ میں شیطان داخل ہو کر کلام کرتا تھا۔

خیال رہے کہ یہاں فکذبوہ فانھم لمحضرون ......تو انہوں نے اس کی تکذیب کی بیشک وہ پکڑے جائیں گے......میں اخروی عذاب کا ذکر ہے۔اسی طرح اس کے بعد الا عباد المخلصین مگر اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے میں استثناء بھی اسی اخروی عذاب سے ہے۔

ابن کثیر میں بہ روایت حضرت وہبؓ، آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔الیاس بن ...بن فنحاس، بن عبراز، بن ہارون علیہ السلام بن عمران۔

آپ حضرت حزقیلؑ کے بعد بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے۔

معارف القرآن میں ہے کہ تاریخی اور اسرائیلی روایات اس بات پر متفق ہیں کہ آپ حضرت حزقیلؑ کے بعد اور حضرت الیسعؑ سے پہلے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

آپ اردن کے علاقے جلعاد میں پیدا ہوئے تھے۔اس وقت اسرائیل کے ملک میں جو بادشاہ حکمران تھا اس کا نام بائبل میں اخی اب، اور عربی تواریخ و تفاسیر میں اجب یا اخب مذکور ہے۔ اس کی بیوی ایزبل بعل، نامی ایک بت کی پرستار تھی۔

تفسیر کشف الرحمٰن میں ہے کہ یہ بیس گز لمبا بت تھا۔اس کے چار منہ تھے حاکم کی بیوی نے بنی اسرائیل میں بعل کے نام پر ایک بڑی قربان گاہ تعمیر کر کے بنی اسرائیل کو بت پرستی کے

راستہ پر لگا دیا۔ حضرت الیاس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ اس خطے میں جو ...
توحید کی تعلیم دیں، اور اسرائیلیوں کو بت پرستی سے روکیں

دوسرے انبیاء کی طرح حضرت الیاس علیہ السلام کو بھی اپنی قوم کے ساتھ شدید کشمکش سے دوچار ہونا پڑا۔ قرآن مجید نے صرف اتنی بات بتائی ہے جو عبرت و موعظت حاصل کرنے کے لئے ضروری تھی۔ کہ ان کی قوم نے ان کو جھٹلایا اور چند مخلص بندوں کے سوا کسی نے حضرت الیاسؑ کی بات نہ مانی، جیسا کہ ارشاد ہے۔

"بیشک الیاس بھی پیغمبروں میں سے تا۔ جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے کیا تم بعل نامی بت کو پوجتے ہو اور اس کو چھوڑ بیٹھے ہو جو سب سے بہتر پیدا کرنیوالا ہے وہ معبود تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی۔ پروردگار ہے پس انہوں نے اس کی تکذیب کی یقیناً وہ گرفتار کر کے حاضر کئے جائیں گے مگر ہاں جو اللہ کے چیدہ برگزیدہ بندے تھے۔ اور ہم نے پیچھے آنے والوں کو الیاس کے لئے یہ بات رہنے دی کہ الیاسین پر سلام ہو بیشک اللہ نیکوکاروں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ الیاس ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھا"۔ (الصفت)

بعض مفسرین نے یہاں اس کشمکش کے مفصل حالات بیان کئے ہیں۔ مروجہ تفاسیر میں حضرت الیاس علیہ السلام کا سب سے بہتر تذکرہ تفسیر مظہری میں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ اس میں جو واقعات مذکور ہیں تقریباً وہ تمام تر بائبل سے ماخوذ ہیں، اور دوسری تفسیروں میں بھی ان واقعات کے بعض اجزاء حضرت وہب بن منبہ اور کعب الاحبار وغیرہ کے حوالے سے بیان ہوئے ہیں۔

ان تمام روایات سے خلاصہ کے طور پر قدر مشترک نکلتی ہے وہ یہ کہ حضرت الیاس علیہ السلام نے اسرائیل کے بادشاہ اخی اب اور اس کی رعایا کو "بعل" نامی بت کی پرستش سے روک کر توحید کی دعوت دی مگر ایک دو حق پسند افراد کے سوا کسی نے آپ کی بات نہ مانی بلکہ آپ کو طرح طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ اخی اب، اور اس کی بیوی ایزبل نے آپ کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے۔ آپ نے ایک افتادہ غار میں پناہ لی، اور عرصہ دراز تک وہیں رہے اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی کہ اسرائیلی لوگ قحط سالی کا شکار ہو جائیں، تا کہ آپ ان کو قحط سالی کو دور کرنے کے لئے معجزات دکھائیں، تو شاید وہ ایمان لے آئیں۔ چنانچہ انہیں شدید

...سالی میں مبتلا کر دیا گیا۔ (معارف القرآن)

ابن کثیر میں ہے کہ تین سال تک بارش نہ ہوئی۔ معارف القرآن میں ہے کہ اس کے حضرت الیاسؑ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اخی اب سے ملے، اور اس سے کہا کہ یہ عذاب اللہ کی نا...انی کی وجہ سے ہے، اگر تم اب بھی باز آ جاؤ تو یہ عذاب دور ہو سکتا ہے۔ میری سچائی کے امتحان ...بھی یہ ایک بہترین موقع ہے۔

حضرت الیاس نے فرمایا اے بادشاہ!

تم کہتے ہو کہ اسرائیل میں تمہارے معبود "بعل" کے ساڑھے چار سو نبی ہیں۔ تم ایک ...سب کو میرے سامنے جمع کر لو، وہ بعل کے نام پر قربانی پیش کریں اور میں اللہ کے نام پر قربانی ...کروں گا جس کی قربانی کو آسمانی آگ کھا کر بھسم کر دے۔ اس کا دین سچا ہوگا۔ اس تجویز ...سب نے بخوشی مان لیا۔ چنانچہ کوہ کرمل کے مقام پر یہ اجتماع ہوا۔ بعل کے جھوٹے نبیوں نے ...قربانی پیش کی اور صبح سے دوپہر تک بعل سے التجائیں کرتے رہے مگر کوئی جواب نہ آیا۔ اس ...بعد حضرت الیاس علیہ السلام نے اپنی قربانی پیش کی۔ اس پر آسمان سے آگ نازل ہوئی اور ...نے آپ کی قربانی کو بھسم کر دیا۔ یہ دیکھ کر بہت سے لوگ سجدے میں گر گئے، اور ان پر حق ...نح ہو گیا۔ لیکن بعل کے جھوٹے نبی اب بھی نہ مانے اس لئے حضرت الیاسؑ نے ان کو وادی ...ن میں قتل کرا دیا۔

اس واقعہ کے بعد موسلا دھار بارش ہوئی اور وہ خطہ پانی سے نہال ہو گیا۔ لیکن اخی اب کی ...ی ایزبل کی آنکھ اب بھی نہ کھلی۔ اور آپ پر ایمان لانے کے بجائے آپ کی دشمن ہو گئی اور آپ ...قتل کرانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ سن کر حضرت الیاس علیہ السلام سامریہ شہر سے روپوش ...گئے اور کچھ عرصہ بعد بنی اسرائیل کے دوسرے ملک یہودیہ میں تبلیغ کرنی شروع کر دی، کیونکہ رفتہ ...بعل پرستی وہاں بھی پھیل چکی تھی۔ وہاں کے بادشاہ یہودام نے بھی آپ کی بات نہ سنی یہاں ...تک کہ وہ حضرت الیاسؑ کی پیشین گوئی کے مطابق تباہ و برباد ہوا۔ چند سال بعد آپ دوبارہ ...اسرائیل میں تشریف لائے، اور دوبارہ اخی اب اور اس کے بیٹے اخزیاہ کو راہ راست پر لانے کی ...کوشش کی، مگر وہ بدستور اپنی سرکشی پر قائم رہے۔ یہاں تک کہ ان کی بیرونی حملوں اور مہلک بیماریوں کا شکار بنا دیا گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو واپس بلا لیا۔ (معارف القرآن)

دائرۃ المعارف میں ہے کہ شیطان بعل بت میں بیٹھ گیا تھا اور اس کے نبی باہر بات ...کرتے تو شیطان اندر سے جواب دیتا کہ تمہارا خدا یہ کہتا ہے پھر بادشاہ اور تابعین اس کے موافق عمل

کرتے بنی اسرائیل جو حضرت یوشع بن نون کے زمانہ کے وہاں اس شہر میں رہتے تھے وہ بھی اس
بت کے پجاری ہو چکے تھے۔ جب الیاس علیہ السلام کے سب دشمن ہو گئے تو الیاس ایک پہاڑی
میں سات سال تک چھپے رہے اور سوائے گھاس وغیرہ کے کچھ خورد نوش نہ تھا۔ بادشاہ نے بڑی تلاش
کی لیکن کسی طرح بھی الیاس علیہ السلام نہ ملے پھر بادشاہ کا بیٹا سخت بیمار ہو گیا تمام معالج عاجز رہ
گئے بعل بت کی بھی بڑی پرستش کی لیکن کچھ نہ بنا بعل کے نبیوں نے کہا کہ تیرے سے بعل بت
ناراض ہو گیا ہے کیوں کہ تو نے حضرت الیاس علیہ السلام کو قتل نہیں کیا پھر بادشاہ نے چار سو آدمی
حضرت الیاس علیہ السلام کی تلاش میں بھیجے ہر جگہ ہر پہاڑی کے غار میں آواز دیتے اور کہتے کہ اے
الیاس سامنے آ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اور بادشاہ بھی ایمان لاتا ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام نے ظاہر ہونا چاہا لیکن خدا نے روک دیا کہ یہ منافقانہ چال
ہے۔ تب الیاس علیہ السلام نے دعا کی کہ یا اللہ اگر یہ لوگ سچے ہیں تو تو مجھے ان پر ظاہر کر اور اگر
جھوٹے ہیں تو ان پر آگ برسا دے چنانچہ آسمان کی طرف سے آگ آئی وہ سب جل گئے۔ جب
بادشاہ کو یہ خبر ملی تو پچاس آدمی اور بھیجے ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا پھر بادشاہ سخت ملول ہوا لیکن
بیٹے کی سخت بیماری کی وجہ سے نہ جا سکا آخر بادشاہ نے ایک مومن آدمی کو بڑا جرار لشکر دے کر بھیجا
اس مومن نے حضرت الیاس علیہ السلام کو آواز دی تو الیاس علیہ السلام اس کے ساتھ شہر میں آئے
لیکن اس وقت بادشاہ کا بیٹا شدید بیماری کی وجہ سے ہلاک ہو گیا بادشاہ اسی کے غم میں تھا کہ الیاس
علیہ السلام پھر چلے گئے بادشاہ نے لشکر کے کمانڈر سے دریافت کیا اس مومن نے کہا کہ میں بھی آپ
کے لڑکے کے غم میں مبتلا تھا' مجھے پتہ نہیں کہ کہاں گیا۔ بڑی مصیبتیں گزارنے کے بعد حضرت الیاس
علیہ السلام ایک عورت کے گھر رہے اس کا جوان بیٹا بیمار تھا الیاس علیہ السلام نے دعاء کی وہ ٹھیک
ہو گیا۔

وہ حضرت الیسع علیہ السلام تھے جو آپ کے بعد نبی ہوئے تھے اور حضرت الیاس علیہ
السلام نے اپنے لئے دعا تک کی پھر وہ نورانی گھوڑے پر سوار ہو کر اڑ گئے۔

مورخین ومفسرین کے نزدیک یہ مسئلہ بھی زیر بحث آیا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام
زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔

تفسیر مظہری میں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے جو طویل روایت بیان کی گئی
ہے، اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کو آتشین گھوڑے پر سوار کر کے آسمان کی

طرف اٹھا لیا گیا تھا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح یہ بھی زندہ ہیں۔

ابن کثیر میں ہے کہ جب کفار اپنے وعدے سے پھر گئے اور اپنے کفر پر اڑ گئے، تو آپ
نے یہ حالت دیکھ کر اللہ سے دعا کی کہ انہیں اپنی طرف لے لے۔ ان کے ہاتھوں تلے حضرت
یسع بن اخطوب پلے تھے۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی اس دعا کے بعد انہیں حکم ملا کہ وہ ایک
جگہ جائیں اور وہاں انہیں جو بھی سواری ملے اس پر سوار ہو جائیں۔ جب آپ وہاں پہنچے تو آپ کو
ایک نوری گھوڑا دکھائی دیا جس پر آپ سوار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی نورانی کر دیا اور اپنے
پروں سے فرشتوں کے ساتھ اڑنے لگے۔ واللہ اعلم۔

حضرت کعب الاحبار سے منقول ہے کہ چار انبیاء اب تک زندہ ہیں، حضرت خضرؑ اور
حضرت الیاسؑ زمین میں اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت ادریسؑ علیہما السلام آسمان میں۔

(درمنثور صفحہ ۲۸۵۔۲۸۶ ج ۵)

یہاں تک کہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ حضرت خضر و الیاس علیہما السلام ہر سال
رمضان کے مہینے میں بیت المقدس میں جمع ہوتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں (تفسیر قرطبی)

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے فرمایا ہے کہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے
نے مکاشفہ میں حضرت خضرؑ سے ملاقات کی اور ان سے ان کی زندگی کے بارے میں سوال کیا تو
انہوں نے فرمایا کہ میں اور الیاسؑ زندہ نہیں ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ قوت دی ہے کہ ہم زندہ
لوگوں کی شکل میں متشکل ہو کر لوگوں کی امداد مختلف صورتوں میں کرتے ہیں (تفسیر معارف القرآن)

آپ کا ذکر قرآن مجید میں دو جگہ پر ہے۔

۱) پارہ ۷ سورۃ انعام رکوع ۱۰

۲) پارہ ۲۳ سورۃ الصفت رکوع ۴

سموئیل علیہ السلام

آپ کا شجرہ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے:

سموئیل بن بالی بن علقمہ بن برخام بن الیھو بن تھو بن صوف بن علقمہ بن ماحث بن عموصا بن عزریا بعض علماء نے سموئیل کو اشموئیل لکھا ہے۔

مقاتل بیان کرتے ہیں کہ سموئیل علیہ السلام ہارون علیہ السلام کے ورثاء میں سے تھے۔ مجاہد آپ کا شجرہ نسب بس اسی قدر بیان کرتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

سدی ابن عباس، ابن مسعود اور کئی دوسرے صحابہ سے روایت کرتے ہوئے اور ثعلبی وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جب ارض غزہ اور عسقلان میں بنی اسرائیل پر عمالقہ کا تسلط قائم ہوا تو انہوں نے اسرائیلیوں کو بے دریغ قتل کیا اور ان کے بچوں کو قیدی بنالیا۔ لاوی کے خاندان میں اب کوئی نبی نہیں تھا۔ اس خاندان میں صرف ایک حاملہ عورت تھی۔ وہ دعا کرتی رہی کہ اللہ تعالیٰ اسے اولادِ نرینہ عطا فرمائے۔ اللہ کریم نے اس کی التجا کو قبول فرماتے ہوئے اسے ایک بچے سے نوازا۔ عورت نے نومولود کا نام اشموئیل رکھا۔ عبرانی زبان میں اس لفظ کا معنی ہے اسماعیل یعنی اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو سن لیا۔ چونکہ آپ علیہ السلام نے منصب نبوت پر فائز ہونا تھا اس لئے فطرت نے آپ علیہ السلام کا ہاتھ تھاما اور مسجد میں لے گئی۔

قدرت خداوندی نے آپ کا ہاتھ بچپنے میں ایک صالح آدمی کے ہاتھ میں دے دیا جو مسجد میں عبادت کیا کرتا تھا۔ آپ اس شخص سے بھلائی اور عبادت خداوندی کے طریقے سیکھتے رہے۔ جب بڑے ہوئے تو ایک رات سوتے میں مسجد کے کونے سے ایک غائبی آواز سنائی

آپ ڈر گئے اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔ شیخ نے خیال کیا کہ شاید شموئیل اسے آواز دے رہا ہے۔ اس پوچھ لیا۔ سموئیل علیہ السلام نے اسے بے آرام کرنا نا مناسب نہ سمجھا اور کہہ دیا ہاں میں نے ازدی ہے۔ آرام فرمائیں شیخ سو گیا۔

دوسری مرتبہ پھر وہی آواز سنائی دی۔ پھر تیسری مرتبہ آواز آئی تو جبرائیل امین نمودار ئے۔ یہ آواز انہیں کی تھی۔ وہ سموئیل سے کہہ رہے تھے تیرے رب نے تجھے اپنی قوم کے لئے ث فرمایا ہے۔ آپ اپنی قوم میں تریف لے گئے۔ پھر کیا ہوا۔ قرآن کریم کی زبانی سنیئے۔

اللہ کریم اپنی کتاب عزیز میں فرماتا ہے۔

"کیا نہیں دیکھا تم نے اس گروہ کو بنی اسرائیل سے (جو) موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد ہوا جب کہا انہوں نے اپنے نبی سے کہ مقرر کردو ہمارے لئے ایک امیر تاکہ لڑائی کریں ہم اللہ کی راہ میں نبی نے کہا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ فرض کر دیا جائے تم پر جہاد تو تم جہاد نہ کرو وہ کہنے لگے (کوئی وجہ) نہیں ہمارے لئے کہ ہم جہاد نہ کریں اللہ کی راہ میں حالانکہ ہم نکالے گئے اپنے گھروں سے اور اپنے فرزندوں سے مگر جب فرض کر دیا گیا ان پر جہاد تو منہ پھیر لیا انہوں نے بجز چند نے ان میں سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو اور کہا انہیں ان کے نبی نے بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے تمہارے لئے طالوت کو امیر بولے کیونکر ہو سکتا ہے اسے حکومت کا حق ہم پر، حالانکہ ہم زیادہ حق دار ہیں حکومت کے اس سے اور نہیں دی گئی اسے فراخی مال و دولت میں نبی نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے اسے تمہارے مقابلہ میں اور زیادہ دی ہے اسے کشادگی علم میں اور جسم میں اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اپنا ملک جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے اور کہا انہیں ان کے نبی نے کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق اس میں تسلی (کا سامان) ہوگا تمہارے رب کی طرف سے اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جنہیں چھوڑ گئی ہے اولاد موسیٰ اور اولاد ہارون۔ اٹھالائیں گے اس صندوق کو فرشتے بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان دار ہو۔ پھر جب روانہ ہوا طالوت اپنی فوجوں کے ساتھ اس نے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ آزمانے والا ہے تمہیں ایک نہر سے سو جس نے پانی پی لیا

اس سے وہ نہیں میرے ساتھیوں سے اور جس نے نہ پیا وہ یقیناً میرے
ساتھیوں میں سے ہے مگر جس نے بھر لیا ایک چلو اپنے ہاتھ سے پس سب نے
پیا اس سے مگر چند آدمیوں نے ان سے (نہیں پیا) پھر جب عبور کیا اسے
طالوت نے اور ان لوگوں نے جو ایمان لائے تھے اس کے ساتھ کہنے لگے کچھ
طاقت نہیں ہم میں آج جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی (مگر) کہا
ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ وہ ضرور ملاقات کرنے والے ہیں اللہ سے
کہ بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے اذن سے اور
اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جب سامنے آ گئے جالوت اور اس
کی فوجوں کے تو بارگاہ الٰہی میں عرض کرنے لگے اے ہمارے رب! اتار ہم پر
صبر اور جمائے رکھ ہمارے قدموں کو اور فتح دے ہمیں قوم کفار پر پس انہوں
نے شکست دی جالوت کے لشکر کو اللہ کے اذن سے اور قتل کر دیا داؤد نے
جالوت کو اور عطا فرمائی داؤد کو اللہ نے حکومت اور دانائی اور سکھا دیا اس کو جو چاہا
اور اگر نہ بچاؤ کرتا اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کا بعض کے ذریعے تو برباد ہو جاتی زمین
لیکن اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمانے والا ہے سارے جہانوں پر"

(البقرہ: ۲۴۶-۲۵۱)

اکثر مفسرین کے نزدیک اس واقعہ میں مذکور قوم کے طرف مبعوث ہونے والے نبی
حضرت سموئیل علیہ السلام ہیں۔ بعض نے شمعون بھی لکھا ہے۔ یہ قول بھی ملتا ہے کہ شمعون حضرت
سموئیل ہی کا دوسرا نام ہے۔ حضرت یوشع علیہ السلام کا اسم گرامی بھی لیا جاتا ہے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں
ہے۔ کیونکہ امام ابن جریر کے بقول یوشع علیہ السلام جکی رحلت اور سموئیل علیہ السلام کی بعثت کے
درمیان چار سو ساٹھ سال کا فاصلہ ہے۔ واللہ اعلم۔

بہر حال جب جنگ وجدل نے اس قوم کو لاغر کر دیا اور دشمن کی قہرسمانیاں روز بروز بڑھنے لگیں
تو انہوں نے اپنے وقت کے نبی کی خدمت میں یہ گزارش کی کہ ان کی قیادت کے لئے ایک بادشاہ مقرر
کیا جائے جس کے جھنڈے تلے وہ دشمن سے جنگ کریں اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا:۔

"کہیں ایسا نہ ہو کہ فرض کر دیا جائے تم پ جہاد تو تم جہاد نہ کرو۔ وہ کہنے لگے
(کوئی وجہ نہیں ہمارے لئے کہ ہم جہاد نہ کریں اللہ کی راہ میں"

یعنی کوئی چیز ہمیں جہاد سے مانع نہیں ہو سکتی۔

"حالانکہ ہم نکالے گئے اپنے گھروں سے اور اپنے فرزندوں سے"

ان لوگوں نے ہمیں پریشان کیا۔ ہم پر جنگیں مسلط کیں ہم اپنے ان بچوں کے لئے
جنگ کریں گے جو بحالت بیچارگی ان کے قبضے میں ہیں۔

رب قدوس فرماتے ہیں۔

"مگر جب فرض کر دیا گیا ان پر جہاد تو منہ پھیر لیا انہوں نے بجز چند نے ان
میں سے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو"

جیسا کہ اس قصے کے آخر میں بیان کیا گیا ہے کہ بادشاہ کے ساتھ صرف چند لوگوں
نے نہر کو عبور کیا اور باقی سب واپس آ گئے اور جہاد سے پہلو تہی کر لی۔

"اور کہا انہیں ان کے نبی نے بیشک اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے تمہارے لئے
طالوت کو امیر"

ثعلبی حضرت طالوت کا نسب نامہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

طالوت بن قیش بن افیل بن صارو بن تحورت بن افیح بن انیس بن بنیامین بن یعقوب
بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ۔ عکرمہ اور سدی کہتے ہیں کہ طالوت پیشے کے اعتبار سے پانی ہارے
تھے۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ آپ رنگریز تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے اقوال بھی ہیں۔ واللہ اعلم
اسی لئے انہوں نے اعتراض کیا اور کہا۔

"کیونکر ہو سکتا ہے اسے حکومت کا حق ہم پر حالانکہ ہم زیادہ حقدار ہیں حکومت
کے اس سے اور نہیں دی گئی اسے فراخی مال و دولت میں"

مفسرین فرماتے ہیں کہ سلسلہ نبوت لاوی کی نسل میں چلا آ رہا تھا۔ اور بادشاہ یہودا کی
نسل سے ہوتے۔ جب طالوت کو بادشاہ مقرر کیا گیا جس کا تعلق بنیامین کی نسل سے تھا تو بنی
اسرائیل بگڑ گئے اور ان کی امارت پر طعن کرنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ ہم اس سے امارت کے زیادہ
حقدار ہیں۔ ان کے اعتراض کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ طالوت غریب آدمی تھا۔ ان کے پاس مال و
دولت کی فراوانی نہیں تھی۔ وہ کہنے لگے کہ ایک فقیر بڑے بڑے امراء پر بادشاہ مقرر ہو یہ کیسے
ہو سکتا ہے۔

"نبی نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے اسے تمہارے مقابلے میں اور
زیادہ دی ہے اسے کشادگی علم میں اور جسم میں"

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سموئیل علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی تھی کہ بنی اسرائیل کا

جو شخص اس عصا جتنی قامت رکھتا ہو جب وہ آپ کے پاس آئے۔ بنی اسرائیل کے مرد
ہونے لگے اور اپنا قد اس عصا کے ساتھ ماپنے لگے لیکن طالوت کے علاوہ کسی کا قد اس عصا جیسا
لمبا نہیں تھا۔ طالوت جب حضرت سموئیل کے پاس گئے تو انہوں نے اسے مسح کیا اور بنی اسرائیل
پر بادشاہ مقرر کردیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تم پر بادشاہ مقرر کیا ہے اور اسے علم میں
تمہاری نسبت زیادہ کشادگی دی ہے۔ ایک قول کے مطابق علمی کشادگی سے مراد مطلق کشادگی نہیں
بلکہ جنگی امور میں کشادگی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ طالوت کو ہر میدان میں بنی اسرائیل کے
دوسرے مردوں کی نسبت علمی برتری حاصل تھی۔

اسی طرح الجسم سے مراد بعض کے نزدیک طوالت میں برتری ہے اور بعض کے نزدیک
حسن وخوبصورتی میں برتری ہے۔ لیکن ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ طالوت بنی اسرائیل کے
دوسرے مردوں کی نسبت زیادہ عالم اور زیادہ خوبصورت تھے۔ طالوت سے علم و جسم میں اگر کوئی
برتر تھا تو صرف اللہ تعالیٰ کے نبی سموئیل علیہ السلام۔

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے کی برکت اور احسان الٰہی کی بدولت ہوا۔ اللہ
تعالیٰ نے وہ بابرکت صندوق انہیں واپس لوٹا دیا جسے چھین کر دشمن لے گئے تھے یہی وہ صندوق تھا
جس کے سبب سے وہ اپنے دشمن پر فتح یاب ہوتے تھے۔ (فیہ سکینۃ من ربکم) کہا جاتا ہے
کہ ایک طشت تھا جس میں انبیاء علیہم السلام کے سینوں کو دھویا جاتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ سکینہ
سے مراد آندھی ہے۔ ایک تیسرا قول یہ بھی ملتا ہے کہ سکینہ بلی کی طرح کا ایک جانور تھا حالت
جنگ میں جب یہ چیختا تو بنی اسرائیل کو یقین آجاتا کہ اب فتح قریب ہے۔ (وبقیۃ مما ترک آل
موسیٰ وآل ہارون تحملہ الملائکۃ) کہتے ہیں کہ اس صندوق میں ان تختیوں کے ٹکڑے تھے جن
تورات لکھی ہوئی تھی اور من وسلویٰ کا کچھ حصہ بھی تھا جو تیہ میں اللہ کے فضل وکرم سے ان پر ناز
ہوتا رہا۔ تحملہ الملائکۃ یعنی اس صندوق کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے اور تم اسے اپنی آنکھوں
دیکھو گے اور یہ کرامت تم پر اللہ کی نشانی اور میری سچائی کی واضح دلیل ہوگی اور اس شک کو
کردے گی کہ طالوت کو بے وجہ ہم پر حاکم بنایا جا رہا ہے۔ اسی لئے فرمایا:

اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

کہتے ہیں کہ جب عمالقہ اس صندوق کو چھیننے میں کامیاب ہوئے جس میں تسلی کا سا
اور موسیٰ وہارون کی اولاد کے بقیہ جات تھے اور ایک روایت کے مطابق صندوق میں تورات
لکھی ہوئی الواح تھیں تو عمالقہ نے اس صندوق کو اپنے ایک بت کے نیچے رکھ دیا جس کی وہ

ہوں میں پوجا کیا کرتے تھے۔ جب صبح ہوئی اور دیکھا تو صندوق بت کے سر پر تھا۔ انہوں نے
صندوق اٹھا کر نیچے رکھ دیا اور بت کو صندوق کے اوپر رکھ دیا۔ دوسرے دن پھر صندوق بت کے سر
پر تھا۔ جب کئی دن تک یہی واقعہ پیش آیا تو سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے۔ انہوں نے یہ
صندوق اٹھایا اور ایک دوسرے قصبے میں لاکر رکھدیا۔ اسی دوران انہیں گردن کی بیماری نے
آلیا۔ جب کچھ عرصہ گزر گیا اور یہ وباء بڑھتی نظر آئی تو صندوق کو ایک بیل گاڑی میں رکھ کر اس
کے آگے بیل جوت دیئے اور انہیں آزاد کردیا کہ یہاں سے کہیں دوسرے ملک میں اسے لے
جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بیل دراصل فرشتے تھے۔ بہر حال صندوق بنی اسرائیل تک پہنچ گیا۔ وہ
اسے آتا دیکھ رہے تھے جیسا کہ ان کے نبی نے انہیں آگاہ کردیا تھا کہ طالوت کے بادشاہ
بنتے ہی وہ بابرکت صندوق فرشتوں کی وساطت سے تم تک پہنچ جائے گا۔ فرشتے کسی بھی شکل
میں ہوں بہر حال یہ بات طے ہے کہ یہ صندوق فرشتے اٹھا کر لے آئے جیسا کہ آیت کریمہ سے
ثابت ہے۔ اگر پہلی صورت کو صحیح مان لیا جائے تو بھی بعید نہیں کیونکہ بہت سارے بلکہ اکثر مفسرین
نے اس روایت کو قلمبند کیا ہے۔

"پھر جب روانہ ہوا طالوت اپنی فوجوں کے ساتھ۔ اس نے کہا کہ بیشک اللہ
تعالیٰ آزمانے والا ہے تمہیں ایک نہر سے۔ سو جس نے پانی پی لیا اس سے وہ
نہیں میرے ساتھیوں سے اور جس نے نہ پیا وہ یقیناً میرے ساتھیوں میں سے
ہے مگر جس نے بھر لیا ایک چلو اپنے ہاتھ سے"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے کئی مفسرین فرماتے ہیں کہ اس نہر سے مراد
کی نہر ہے اور یہی شریعت کے نام سے موسوم ہوتی تھی۔ یہ حضرت طالوت کا حکم تھا اور یہ حکم
طرف سے نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت سموئیل علیہ السلام کی طرف سے تھا۔ ظاہر ہے
طرف سے حکم نہیں دیتا تو گویا یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لشکریوں کو آزمانے اور ان کا
کے لئے دیا گیا تھا۔ یعنی جو شخص اس نہر سے پانی پی لے گا وہ میرے ساتھ جنگ میں
نہیں کر سکے گا۔ ہاں ایک آدھ چلو پینے والا جنگ میں شرکت کی سعادت سے محروم نہیں
ہوگا۔

سدی فرماتے ہیں کہ یہ لشکر اسی ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ ۷۶ ہزار افراد نے پانی پی لیا
ہزار خوش نصیب حضرت طالوت کے ساتھ رہ گئے۔

امام بخاری اپنی صحیح میں ایک اسرائیلی روایت بیان کرتے ہیں جس زہیر اور ثوری نے

ابو اسحاق سے انہوں نے براء بن عازب سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم محمد کریم ﷺ کے
ساتھی آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ اصحاب بدر کی تعداد حضرت طالوت کے ان ساتھیوں کے
برابر ہے جنہوں نے ان کے ساتھ نہر کو عبور کیا تھا۔ اور ان کے ساتھ نہر عبور کرنے والے تین سو
دس سے کچھ زیادہ تھے" سدی کا کہنا کہ اس لشکر کی تعداد اسی ہزار تھی محل نظر ہے۔ کیونکہ بیت
المقدس کی سرزمین سے اتنے بڑے جنگجو لشکر کا نکلنا عقلا محال ہے۔ جس کی تعداد اسی ہزار تک پہنچ
ہو۔ واللہ اعلم۔

رب قدوس کا ارشاد ہے:

"پھر جب عبور کیا اسے طالوت نے اور ان لوگوں نے جو ایمان لائے تھے اس
کے ساتھ۔ کہنے لگے کچھ طاقت نہیں ہم میں آج جالوت اور اس کے لشکر کا
مقابلہ کرنے کی"

یعنی اپنے آپ کو ان کی نسبت کم اور کمزور خیال کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ان کی تو
بھی ہم سے بڑھ کر ہے اور وہ طاقت میں بھی ہم سے بڑھ کر ہیں۔

"مگر کہا ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ وہ ضرور ملاقات کرنے والے ہیں
اللہ سے کہ بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے اذن
سے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"

یعنی ان میں سے جو بہادر تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو ثابت قدمی کی تلقین
کی۔ اسی طرح اہل ایمان میں سے گھڑسوار جو کہ جنگ و جدل اور تلوار زنی کے میدان میں
کرنے والے تھے پکار پکار کر کہتے رہے کہ دشمن کے مقابلے میں صبر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد
سے فتح یقینی ہے۔

ولما برزوا لجالوت وجنوده قالوا ربنا افرغ علينا صبرا وثبت
اقدامنا وانصرنا على القوم الكافرين

"اور جب سامنے آ گئے جالوت اور اس کی فوجوں کے تو بارگاہ الٰہی میں عرض
کرنے لگے۔ اے ہمارے رب! تار ہم پر صبر اور جمائے رکھ ہمارے قدموں کو
اور فتح دے ہمیں قوم کفار پر"

اہل ایمان نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ باری تعالیٰ ہم کو صبر عطا فرما یعنی ہم

...ہمیں ڈھانپ دے جس سے دلوں میں قرار آ جائے اور بے چینی ختم ہو جائے۔ اور اس
میدان جہاد میں ہمارے قدم مضبوطی سے جمے رہیں جہاں بہادر ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں اور
دعوت مبازرت دیتے نظر آتے ہیں۔ اہل ایمان نے ظاہر اور باطن میں ثابت قدمی کی دعا
کی۔ اور التجاء کی کہ ان لوگوں کے مقابلے میں ان کی مدد کی جائے جو ہمارے بھی دشمن ہیں اور مولا
تیرے بھی دشمن ہیں۔ تیری آیات اور نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور انہیں شکر کے لائق نہیں
سمجھتے۔ رب قدوس نے ان کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا جو عظیم و قدیر ہے۔ سب کچھ سننے
والا۔ سب کچھ دیکھنے والا اور بڑا دانا و باخبر ہے۔ اور انہیں فتح و نصرت سے شاد کام کیا۔

اسی لئے ارشاد فرمایا: فهزموهم باذن الله پس انہوں نے شکست دی جالوت کے
لشکر کو۔ اللہ کی مدد اور نصرت سے نہ کہ اپنی طاقت اور قوت بازو سے۔ حالانکہ دشمن تعداد میں زیادہ
تھا اور سخت جان بھی تھی۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

"اور بیشک مدد کی تھی تمہاری اللہ تعالیٰ نے (میدان) بدر میں حالانکہ تم بالکل کمزور
تھے پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم (اس بروقت امداد کا) شکر ادا کر سکو"

(آل عمران: ۱۲۳)

رب قدوس کا ارشاد ہے:

"اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو اور عطا فرمائی داؤد کو اللہ نے حکومت اور دانائی
اور سکھا دیا اس کو جو چاہا"

یہ آیت حضرت داؤد علیہ السلام کی بہادری پر دلالت کرتی ہے اور اس بات کی دلیل
ہے کہ داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر کے اس کے لشکر کی کمر توڑ دی اور اس کو ذلت
آمیز شکست سے دوچار کر دیا۔ اس سے بڑا معرکہ اور کہاں برپا ہوا ہوگا کہ اس میں دشمن خدا
جالوت قتل ہوا جو بادشاہ وقت تھا۔ بہت زیادہ مال و منال غنیمت میں ہاتھ لگا۔ بڑے بڑے بہادر
اور جنگ دیدہ قیدی بنا لیے گئے۔ ایمان بت پرستی پر غالب رہا۔ اللہ کے بندے اللہ کے منکروں پر
غالب آئے اور دین حق باطل اور منکرین حق کے مقابلےمیں سرخرو ہوگیا۔

سدی کے بیان کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام اپنے بھائیوں میں سب سے
چھوٹے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کل تیرہ بھائی تھے۔ حضرت طالوت نے اعلان کیا کہ جو شخص
جالوت کو قتل کرے گا میں اپنی بیٹی سے اس کی شادی کر دوں گا۔ اور اپنے مملکت میں اسے شریک

ٹھہراؤں گا۔ دراصل طالوت اپنے لشکر کو جنگ کی ترغیب دے رہے تھے اور جالوت کے قتل
انہیں ابھار رہے تھے۔ داؤد علیہ السلام کے پاس غلیل تھی۔ آپ غلیل کے ساتھ پتھر پھینکنے میں کا
مہارت رکھتے تھے۔ جب آپ بنی اسرائیل کے ساتھ چل رہے تھے تو اسی دوران ایک پتھر
گفتگو کی اور کہا مجھے لے چلیے کیونکہ جالوت نے میرے ساتھ قتل ہونا ہے۔ آپ علیہ السلام
اس پتھر کو اٹھالیا۔ پھر اس کے بعد یکے بعد دیگر دو پتھروں سے یہی آواز سنائی دی۔ آپ نے ان
تینوں پتھروں کو اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔ جب صفیں ترتیب پا چکیں تو جالوت آگے آیا اور دعوت
مبازرت دی۔ حضرت داؤد علیہ السلام مقابلے کے لئے نکلے۔ جالوت کی جب اس کم سن بچے پر
نظر پڑی تو کہنے لگا واپس چلا جا میں تمہیں قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔ داؤد علیہ السلام نے جواب دیا ٹھیک
ہے تو میرے قتل کو پسند نہیں کرتا مگر میں تو تیرے قتل کو پسند کرتا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے وہ تینوں
پتھر غلیل میں اس طرح رکھے کہ تینوں یک جان ہو گئے پھر زور سے کھینچ کر انہیں چھوڑا تو وہ پتھر
جالوت کے سر میں لگے جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ اس کے لشکر نے جب یہ منظر دیکھا تو ہزیمت
خوردہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے طالوت سے اپنا وعدہ پورا کیا۔ انہوں نے اپنی بیٹی
کی شادی حضرت داؤد سے کردی اور ان کے حکم کو بھی ملک میں نافذ کر دیا۔ اس شجاعت و بہادری
پر بنی اسرائیل داؤد کے فریفتہ ہوگئے اور طالوت سے بڑھ کر ان سے محبت کرنے لگے۔ کہتے ہیں
کہ اس مقبولیت پر طالوت حسد میں مبتلا ہوا اور داؤد علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوا۔ اس نے کئی
حیلوں سے کام لیا مگر کامیاب نہ ہوا۔ علماء نے طالوت کو سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ وہ داؤد علیہ
السلام کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین نہ کرے مگر وہ نہ مانا اور برابر سازشیں کرتا رہا۔ جب علماء کا
اصرار بڑھا تو اس نے ان تمام علماء کو بھی قتل کروا دیا اور ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ
چھوڑا۔ پھر ایک ایسا موڑ بھی آیا کہ طالوت اپنی سازشوں اور کیے پر بہت نادم ہوا۔ عرصے تک آہ و
زاری کی اور اللہ تعالیٰ سے گزری خطاؤں کی معافی مانگتا رہا۔

وہ اتنا رویا کہ اپنے آنسوؤں سے زمین تر کردی۔ صحراء میں بھٹکتے اس نے ایک آواز سنی
کوئی اس سے کہہ رہا تھا۔ طالوت! تو نے ہمیں قتل کردیا مگر ہم زندہ ہیں اور تو نے ہمیں اذیت دی
حالانکہ ہم مردہ تھے۔ اس آواز نے اس کی آہ و بکا اور خوف و ہراس میں اضافہ کردیا۔ پھر اس نے
پوچھا کہ کہیں کوئی عالم ہے کہ میں اس سے توبہ کی بات پوچھ سکوں۔ اور کیا یہ ممکن ہے کہ میری توبہ
قبول ہو جائے لوگوں نے کہا کیا تو نے اس مملکت میں کوئی عالم چھوڑا بھی ہے کہ قتل نہ کیا ہو؟ یہاں
تک کہ اسے ایک نیک خصلت عورت کا پتہ بتایا گیا۔ اس عابدہ عورت نے طالوت کا ہاتھ پکڑا اور

رت یوشع بن نون کی قبر پر لے گئی کہتے ہیں اس عورت نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی تو یوشع
نون زندہ قبر سے اٹھ کر باہر آ گئے اور استفسار کیا کہ قیامت برپا ہوگئی ہے۔ عورت نے عرض
کہ قیامت کا دن نہیں بلکہ طالوت آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ کیا اس کی توبہ کی بھی کوئی
رت ہے؟ حضرت یوشع بن نون نے جواب دیا ہاں۔ اس کی توبہ قبول ہوسکتی ہے۔ وہ ملک کو چھوڑ
ے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائے۔ طالوت نے جہاد فی سبیل اللہ کی راہ اختیار
کی کہ شہادت سے ہم کنار ہوا اور ملک میں اس کی لاش واپس پہنچی۔ اب ملک کا فرمانروا حضرت
ؤد علیہ السلام تھے۔ اس لئے فرمایا:

واتاہ اللہ الملک والحکمۃ وعلمہ مما یشاء ۔

اس قصے کو ابن جریر نے سدی کے حوالے سے اپنی تاریخ کی کتاب میں نقل کیا
ہے۔ اس قصہ کے بعض پہلو محل نظر ہیں اور یہ روایت منکر ہے۔ (واللہ اعلم)

محمد بن اسحاق کے بقول طالوت کو توبہ کے بارے بتانے والے نبی حضرت ایسع ابن
طوب تھے۔ اسے ابن جریر نے بھی روایت کیا ہے۔

ثعلبی کا کہنا ہے کہ عورت طالوت کو حضرت سموئیل کی قبر پر لے آئے۔ باقی قصہ وہی
ہے جو ابن جریر نے ذکر کیا ہے۔ اور یہی بات قرین قیاس ہے۔ ہوسکتا ہے یہ معاملہ سارا خواب کا
ہو۔ جاگتے ہوئے اس شخص نے حضرت سموئیل کو زندہ قبر سے اٹھتے نہ دیکھا ہو۔ یہ نبی علیہ السلام کا
معجزہ ہے۔ جب کہ عورت نبیہ نہیں ہوسکتی۔ واللہ اعلم ابن جریر فرماتے ہیں طالوت کی کل مدت
بادشاہت سے اپنی اولاد کے ساتھ قتل ہونے تک چالیس سال ہے۔ (واللہ اعلم)

قرآن مجید میں آپ کا نام تو ذکر نہیں، سورۃ بقرہ رکوع ۳۲-۳۳ میں بنی اسرائیل کا جو
ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے، تمام مفسرین کرام کے نزدیک یہ واقعہ آپ کے زمانہ کا ہے۔

ابن کثیر میں آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے شموئیل بن بالی، بن علقمہ، بن ترخام، بن
یہود، بن بہرض، بن علقمہ، بن ماجب، بن عمرصا، بن عذریا، بن صفیہ، بن علقمہ، بن ابو یاشف، بن
قارون، بن یصہر، بن قاہث، بن لاوی، بن یعقوبؑ، بن اسحاقؑ، بن ابراہیمؑ۔

تفسیر کشف الرحمٰن میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد جب بنی اسرائیل میں
بگاڑ اور بددینی پھیلی تو ان کو سنبھالنے کے لئے حضرت یوشعؑ مقرر ہوئے، ان کے بعد حضرت ابن
آئے پھر حضرت الیاسؑ تشریف لائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت الیسع کو بھیجا۔ غرضیکہ ان
پے درپے رسول آتے رہے مگر ان کی نافرمانی اور سرکشی میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں

تک کہ تورات کو بھی بھلا بیٹھے، اور فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ تو اللہ نے ان پر عذاب بھیجا، اور قوم
عمالقہ جو مصر اور فلسطین کے ساحلی علاقے میں آباد تھی ان پر حملہ آور ہوئی اور ان کو قتل کیا اور ان
کے بہت سے صوبوں پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح یہ لوگ اپنی بد اعمالیوں کے باعث کافروں کے زیر
نگین ہو گئے، اور جالوت کی رعایا بن گئے۔

بنی اسرائیل کے لئے یہ ایک نازک دور تھا، نہ کوئی نبی اور رسول ان میں موجود تھا۔ نہ
کوئی امیر اور سردار تھا۔ خاندان نبوت میں سے ایک حاملہ عورت کے علاوہ کوئی باقی نہ تھا۔ اس
نکبت و ادبار کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر فضل و کرم فرمایا: اس عورت کے ہاں ایک
بچہ تولد ہوا، اس کا نام شموئیل رکھا گیا۔ (قصص القرآن)

جب آپ سن رشد کو پہنچے تو تمام بنی اسرائیل میں شرافت و دیانت کی بنا پر ممتاز اور
نمایاں نظر آنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور بنی اسرائیل کی رشد و
ہدایت پر مامور کیا۔ قوم کے لوگوں نے آپ سے مطالبہ کیا اگر آپ اللہ کے نبی ہیں تو ہمارے لئے
ایک امیر اور بادشاہ مقرر کر دیں۔ تاکہ ہم ان کی سرپرستی میں کفاروں سے جہاد کریں اور اپنے ملک
کو ان ظالموں سے آزاد کرائیں قرآن کریم نے اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

"کیا آپ نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے اس قصے کو ملاحظہ نہیں کیا جو
موسیٰ کے بعد پیش آیا۔ جب انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لئے ایک
بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے جواب دیا کہ تم
سے اس کی یہی توقع ہے کہ اگر تم جہاد فرض کیا جائے تو تم جہاد نہ کرو گے انہوں
نے کہا کہ ہمارے لئے ایسی کون سی گنجائش باقی ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ
کریں، حالانکہ ہم اپنے گھروں سے بے گھر کئے گئے اور اپنے بچوں سے جدا
کر دیئے گئے"

پیغمبر خدا نے اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر تم پر جہاد کا حکم جاری کیا گیا۔ اور بادشاہ مقرر ہو گیا۔ تو
کہیں ایسا نہ ہو کہ تم جہاد سے انکار کر دو۔ اس پر انہوں نے بڑے وثوق سے یقین دلایا کہ ہمارے
انکار کرنے کا سرے سے جواز ہی نہیں، ان ظالموں نے تو ہمیں گھر بار، اور بچوں سے الگ کر دیا
ہے اور انہوں نے ہم پر مظالم کے پہاڑ توڑ دیئے ہیں، اس لئے اب ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا ایک
بادشاہ ہو، اور اس کی سرپرستی میں ہم اپنے ملک کو آزاد کرا لیں، اور ظالموں سے انتقام لیں۔
اللہ تعالیٰ کا قول:

"اور ان لوگوں سے ان کے پیغمبر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت
کو بادشاہ مقرر کر دیا ہے تو کہنے لگے کہ اس کو ہم پر حکومت کرنے کا حق کیسے
ہو سکتا ہے جب کہ ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں اور ان کو تو مال کی وسعت بھی
نہیں عطا کی گئی"۔ (سورہ البقرہ)

تفسیر کشف الرحمٰن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت شموئیل علیہ السلام کو ایک
بتلایا گیا تھا، حسن اتفاق سے وہ نشان حضرت طالوت پر صحیح نکلا۔ حضرت طالوت حضرت
علیہ السلام کے صاحبزادے بن یامین کے خاندان سے تھے، اور ایک عرصے سے یہ دستور
تھا کہ نبوت حضرت یعقوبؑ کے صاحبزادے لاوی کے خاندان میں جاری تھی اور
آپ کے صاحبزادے یہودا کی اولاد میں بنیامین کی اولاد میں نہ نبوت تھی نہ بادشاہت۔
ایک غریب چرواہے تھے یا پانی بھرنے، پلانے کا کام کرتے تھے۔ بہرحال جب طالوت
شاہت کا اعلان نبی نے اس طرح کیا۔

"کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرما دیا ہے"

اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو بسر و چشم قبول کرنے کے بجائے انہوں نے اعتراضات شروع
یئے۔ اور اپنی پرانی عادت کے مطابق جیسا کہ گائے کے ذبح کے واقعہ میں تفصیل سے گزرا
یہاں بھی اعتراضات شروع کر دیئے کہ ان کے پاس مال و دولت نہیں ہے اس لئے ہم
بادشاہ تسلیم نہیں کرتے۔ اس پر حضرت شموئیل علیہ السلام نے جو جواب دیا وہ قرآن مجید میں
رح مذکور ہے۔

"نبی نے جواب دیا کہ بلا شبہ اللہ نے تمہارے مقابلہ میں اسی کو پسند فرمایا ہے اور
اس کو علم کی وسعت اور قد و قامت کے پھیلاؤ میں بڑھا دیا ہے، اور اللہ اپنی سلطنت
جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ صاحب وسعت اور بڑا جاننے والا ہے"

(البقرہ)

پیغمبر نے جواب دیا کہ اول تو تمہارے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو پسند فرما لیا ہے، پھر اس
کی امور اور جنگی فنون کا علم وسیع پیمانے پر دیا ہے، اور اس کے ظاہری جسم اور قد و قامت کے
ئیں بھی اس کو زیادتی دی۔ مطلب یہ ہے کہ پیغمبر نے ان کے اعتراضات کے کئی جواب دیئے۔
اللہ تعالیٰ کو انتخاب اور برگزیدگی کا حق حاصل ہے اس نے اس کو چن لیا ہے اور پسند فرما

لیا ہے۔

(۲) پھر میدان جہاد میں سیاسی علم اور فن حرب کی ضرورت ہوتی ہے، وہ علم اس کو اللہ تعالیٰ نے خوب شرح وبسط کے ساتھ دیا ہے۔

(۳) بادشاہ کو ظاہری وجاہت اور رعب و دبدبہ کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو جسم کا پھیلاؤ بھی کافی دیا ہے۔ کہ تم سب میں وہ بلند قامت ہے اور ہر شخص کے دل میں اس کے دیکھنے سے ہیبت پیدا ہوتی ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے سلطنت اور بادشاہت سب اسی کی ہے وہ جس کو چاہے دیدے، تم کون ہو اعتراض کرنے والے۔

(۵) اللہ صاحب وسعت وکشائش ہے اس کو کیا مشکل ہے کہ وہ اس کو مال بھی دیدے۔ یہ تمہارا بڑا اعتراض تھا جب سلطنت دیدی گئی تو مال کا شبہ ہی ختم ہوگیا۔

(۶) وہ بڑا علیم اور خوب جاننے والا ہے کہ بادشاہت کا اہل کون ہے اور کس میں بادشاہت کی صلاحیت ہے۔ (کشف الرحمٰن)

حضرت داؤد علیہ السلام

آپ کا شجرہ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے۔

داؤد بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نخشون بن عوینا دب بن ارم بن حضرون یہودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل اللہ کے بندے، نبی اور بیت المقدس میں اللہ کے خلیفہ۔

محمد بن اسحاق بعض اہل علم سے وہ وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام چھوٹے قد کے تھے۔ آپ کی آنکھیں نیلی تھی بال تھوڑے تھے دل پاک اور طاہر تھا۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا۔ ابن عساکر کے قول کے مطابق یہ قتل ام حکیم کے محل کی جگہ مرج الصفر کے قریب واقع ہوا۔ اس بہادری اور معجزانہ بات کی وجہ سے بنی اسرائیل آپ کے شیدا بن گئے اور ان تمام کا میلان آپ کی طرف ہوگیا۔ وہ آپ علیہ السلام کو اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دونوں نعمتوں دنیوی اور اخری سے نوازا تھا۔ آپ نبی بھی تھے اور بنی اسرائیل کے بادشاہ بھی جب کہ اس سے پہلے بادشاہ ایک نسل سے ہوتا تو نبی دوسری نسل سے۔ آپ کی صورت میں بادشاہت اور نبوت ایک جگہ جمع ہو گئیں۔

رب قدوس کا ارشاد ہے:

"اور قتل کردیا داؤد نے جالوت کو اور عطا فرمائی داؤد کو اللہ نے حکومت اور دانائی

اورسکھا دیا اس کو جو چاہا اور ارنہ بچاؤ کرتا اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کا بعض کے ذریعے تو برباد ہو جاتی زمین لیکن اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمانے والا ہے سارے جہانوں پر"۔ (البقرہ:۲۵۱)

امیر المومنین حضرت عثمان ابن عفان نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعے اتنا (فساد) نہیں روکتا ہے جتنا سلطان کے ذریعے روکتا ہے"

ابن جریری اپنی تاریخ میں بیان کرتے ہیں کہ جب جالوت نے طالوت کو دعوت مبارزت دیتے ہوئے کہا کہ میرے ساتھ مقابلہ کے لئے صف سے باہر آ میں تیرے مقابلہ کے لئے باہر آیا ہوں تو طالوت نے لوگوں کو ترغیب دی حضرت داؤد علیہ السلام نے اس دعوت کو قبول کرلیا اور جالوت کو مقابلے میں قتل کر دیا۔

وہب بن منبہ کا بیان ہے کہ لوگ داؤد علیہ السلام کی طرف اس طرح مائل ہوئے کہ طالوت کا ذکر تک نہ رہا۔انہوں نے طالوت کی بادشاہت کا قلادہ گلے سے اتار پھینکا اور داؤد علیہ السلام کو حاکم بنالیا۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کی امارت کا حکم حضرت سموئیل نے جاری فرمایا تھا۔حتیٰ کہ کچھ لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت داؤد اس جنگ سے پہلے بادشاہ بنی اسرائیل مقرر ہو چکے تھے۔

ابن جریر فرماتے ہیں: جمہور کی رائے کے مطابق داؤد علیہ السلام جالوت کو قتل کرنے کے بعد بنی اسرائیل کے بادشاہ بنے۔(واللہ اعلم) ابن عساکر سعید بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جالوت کا قتل قصرام حکیم کی جگہ واقع ہوا۔اور اب جو یہاں نہر بہتی ہے یہی وہ نہر ہے جس کا تذکرہ قرآن نے کیا ہے۔(واللہ اعلم)

رب قدوس کا ارشاد ہے:

"بیشک ہم نے اپنی جناب سے داؤد کو بڑی فضیلت بخشی (ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! تسبیح کہو اس کے ساتھ مل کر اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا۔نیز ہم نے لوہے کو اس کے لئے نرم کر دیا (اور حکم دیا) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور (ان کے) حلقے جوڑنے میں اندازے کا خیال رکھو اور (اے آلِ داؤد) نیک کام کیا کرو بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو۔میں انہیں خوب دیکھ رہا ہوں" (السباء:۱۰-۱۱)

"اور ہم نے فرمانبردار بنا دیا داؤد کا پہاڑوں اور پرندوں کو وہ سب ان کے ساتھ مل کر تسبیح کہا کرتے اور (یہ شان) ہم دینے والے تھے اور ہم نے سکھا دیا

انہیں زرہ بنانے کا ہنر تمہارے فائدہ کے ئے تاکہ وہ زرہ بچائے تمہیں تمہاری زد سے۔تو کیا تم (اس احسان کا) شکریہ ادا کرنے والے ہو" (الانبیاء:۷۹-۸۰)

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو زرہیں بنانے کے کام کی توفیق بخشی تاکہ وہ دشمن کے ...لے میں محفوظ رہیں۔انہیں اس کی صنعت کا طریقہ سکھا دیا اور اس کی کیفیت کی تعلیم دے ...لئے فرمایا: وقدر فی السرد۔یعنی کیل کو نہ تو اتنا باریک کرو کہ کٹ جائے اور نہ اس قدر موٹا ...میں چبھ جائے۔یہ قول مجاہد، قتادہ، حکم اور عکرمہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔

حضرت حسن بصری، قتادہ اور اعمش رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ ...سلام کے لئے لوہے کو اتنا نرم فرما دیا تھا۔کہ آپ اسے ہاتھ سے بٹتے آگ میں گرم کرنے اور ...ائے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔حضرت قتادہ کے بقول سب سے پہلے حضرت داؤد ہی نے جالی ...زرہ بنائی۔اس سے پہلے زرہیں تختہ نما ہوتی تھیں۔ابن شوزب کا کہنا ہے کہ آپ روزانہ ایک ...بناتے اور اسے چھ ہزار درہم میں فروخت کرتے۔

حدیث پاک سے ثابت ہے کہ "پاکیزہ ترین رزق وہ ہے جسے ایک شخص اپنے ہاتھ ...کماتا ہے۔اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔

رب قدوس کا ارشاد ہے۔

"یاد فرماؤ ہمارے بندے داؤد کو جو بڑا طاقتور تھا۔وہ (ہماری طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا ہم نے فرمانبردار بنا دیا تھا۔پہاڑوں کو وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشاء اور اشراق کے وقت۔اور پرندوں کو وہ بھی تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے سب ان کے فرمانبردار تھے۔اور ہم نے مستحکم کر دیا ان کی حکومت کو اور ہم نے بخشی انہیں دانائی اور فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ"۔(ص:۱۷-۲۰)

ابن عباس اور مجاہد فرماتے ہیں کہ "الاید" سے مراد فرمانبرداری کی قوت ہے۔یعنی داؤد ...لسلام کو عبادت کی قوت اور اسلام کی سوچ بوجھ سے نوازا گیا تھا۔بعض علماء نے یہ بھی بتایا ...آپ علیہ السلام پوری رات عبادت کرتے تھے اور آدھی زندگی روزہ سے گزاری (ایک دن ...اور دوسرے دن افطار)

صحیحین کی روایت کردہ ایک حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ ...یک پسندیدہ تر نماز داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور پسندیدہ تر روزے بھی آپ ہی کے ...آپ نصف رات تک آرام فرماتے۔تہائی رات عبادت کرتے پھر (آخری) چھٹا حصہ آرام

کرتے۔ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور جب دشمن سے مڈبھیڑ ہوتی تو پیٹھ پھیر کر نہ بھاگتے۔

انا سخرنا معه يسبحن بالعشی والا شراق والطیر محشورة کل له اواب

کی آیت کریمہ **یا جبال اوبی معه والطیر** کی مانند ہے۔یعنی اے پہاڑو! اللہ کی تسبیح بیان کرو داؤد کے ساتھ مل کر یہ قول مجاہد، ابن عباس اور کئی دوسرے مفسرین کا ہے۔**انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق** ۔یعنی دن کے پہلے پہر اور آخری حصے میں۔پہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر کی کیفیت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت خوبصورت آواز سے نوازا تھا۔اتنی آواز کسی اور انسان کو عطا نہیں کی گئی۔جب آپ کلام مجید کی تلاوت کرتے تو لحن کے سوز سے پرندے سر پر آ کر ٹھہر جاتے اور ان کی لے میں اپنی تسبیح شامل کر لیتے اور پہاڑوں سے تسبیح کی آوازیں آنے لگیں۔اور پہاڑ پرندے سب صبح و شام آپ کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے۔**صلوات اللہ وسلامه علیه** ۔

اوزاعی فرماتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن عامر نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو حسن صوت کی دولت سے اس قدر نوازا تھا کہ اور کوئی شخص یوں نہ نوازا گیا ہوگا۔حتیٰ کہ پرندے اور جانور آپ کی آواز سننے کے لئے اردگرد اکٹھے ہو جاتے وہ بھوک پیاس سے مرجاتے لیکن یہاں سے ہٹنے کا نام نہ لیتے یوں پورا دن لحن داؤدی میں مست و دم بخود گزار دیتے۔وہب ابن منبہ فرماتے ہیں کہ جب کسی انسان کے کان میں ان کی آواز پڑ جاتی تو وہ رقص کے انداز میں اچھلنے کودنے لگتا۔آپ علیہ السلام زبور کی آیات کو ایسی خوبصورت آواز سے تلاوت کرتے کہ ایسی آواز کی مثال نہیں ملتی۔جن انس، چرند و پرند سب آپ کی آواز سننے کے لئے اکٹھے ہو جاتے حتیٰ کہ ان میں سے بعض تو بھوک کی وجہ سے مرجاتے (مگر محل سے دور جانے کا نام نہ لیتے) ابوعوانہ اسفرائینی کا بیان ہے کہ ہم سے ابوبکر بن ابی الدنیا نے بیان کیا۔ہم سے محمد بن منصور الطوسی نے بیان کیا۔میں نے ابوتراب صبیح رحمۃ اللہ علیہ سے سنا۔ابوعوانہ فرماتے ہیں اور مجھ سے ابوالعباس نے بیان کیا جو ابن مدنی نے بیان کیا۔ہم سے محمد بن صالح العدوی نے بیان کیا۔ہم سے سیار نے بیان کیا جو ابن حاتم کے بیٹے ہیں۔انہوں نے جعفر سے انہوں نے مالک سے روایت کیا۔فرماتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام جب زبور کی تلاوت شروع کرتے تو جوان دوشیزائیں پردے سے باہر آ جاتیں۔یہ حدیث غریب ہے۔

عبدالرزاق ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عطا سے پوچھا گانے کے

انداز میں قرآن کی تلاوت کیسی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا اس میں حرج ہی کیا ہے؟ میں نے عبید بن عمر کو فرماتے سنا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آلہ موسیقی تھا جس پر وہ زبور کی آیات کو گا کر تلاوت کرتے تھے۔اس آلہ کی آواز آپ کے کانوں میں پڑتی اور آلہ موسیقی کے استعمال سے مقصود بھی یہی تھا۔کہ آپ خود بھی روئیں اور دوسروں کو بھی رلائیں۔

امام احمد بیان کرتے ہیں کہ ہم سے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ہم سے معمر نے بیان کیا۔انہوں نے زہری سے، انہوں نے عروہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی آواز سنی جب کہ وہ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے تو فرمایا: ابوموسیٰ کو آل داؤد کی مزامیر سے نوازا گیا ہے۔

یہ حدیث شیخین کی شرائط پر پوری اترتی ہے اگرچہ دونوں نے اسے اس سند کے ساتھ روایت نہیں کیا۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم سے حسن نے، ہم سے حماد بن سلمہ نے بیان کیا۔انہوں نے محمد بن عمرو سے، انہوں نے ابی سلمہ سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔"ابوموسیٰ کو لحن داؤدی عطا کی گئی ہے" ہم نے ابوعثمان نہدی سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: "میں نے بربط اور مزامیر کی آواز بھی سنی مگر ابوموسیٰ کی آواز سے خوبصورت آواز کوئی نہیں سنی"

حسن صورت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ قوت بھی عطا فرما رکھی تھی کہ زبور کی آیات کی تلاوت میں بہت سریع تھے۔جیسا کہ امام احمد فرماتے ہیں ہم سے عبدالرزاق نے، ہم سے معمر نے بیان فرمایا۔انہوں نے ہمام سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔داؤد علیہ السلام کے لئے قرآت آسان کر دی گئی تھی۔آپ گھوڑے پر زین کسنے کا حکم دیتے اور جب زین کس چکتی تو آپ اس سے پہلے کلام مجید کی قرأت کو مکمل کر چکے ہوتے۔آپ اپنے ہاتھ کی کمائی کے علاوہ کوئی اور چیز نہ کھاتے"

اسی طرح حضرت امام بخاری منفرداً اس حدیث کو بیان کرتے ہیں۔یہ روایت وہ عبداللہ بن محمد سے وہ عبدالرزاق سے روایت کرتے ہیں۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں داؤد علیہ السلام کے لئے قرأت آسان کر دی گئی تھی۔آپ علیہ السلام گھوڑوں پر زین کسنے کا حکم دیتے اور زین کسنے سے پہلے ہی پورا کلام مجید پڑھ لیتے اور ہاتھ کی کمائی کے علاوہ کچھ تناول نہ فرماتے"

پھر امام بخاری فرماتے ہیں کہ اسے موسیٰ بن عقبہ نے روایت کیا ہے۔انہوں نے

صفوان سے یعنی سلیم کے بیٹے سے۔انہوں نے عطاء بن یسار سے،انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

ابن عساکر نے داؤد علیہ السلام کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے اپنی تاریخ میں اس کی سند کو کئی طریق سے بیان کیا ہے۔مثلاً عن ابراہیم بن طهمان،عن موسیٰ بن عقبہ۔اور ابن عاصم کے حوالے سے ابی بکر سبری عن صفوان بن سلیم۔

حدیث پاک میں لفظ قرآن سے مراد زبور ہے جو داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی اور بذریعہ وحی آپ کو عطا ہوئی تھی۔ایک روایت ذکر کی جاتی ہے اور لگتا ہے کہ یہ روایت محفوظ ہے کہ آپ کو اللہ نے ایک ایسا ملک عطا فرمایا تھا جس میں بسنے والے لوگ آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے تھے۔وہ گھوڑے پر زین کسنے کی دیر میں زبور کی تلاوت مکمل کر لیتے۔یہ کمال تیزی ہے۔حالانکہ آپ آیات میں تدبر سے کام لیتے۔تلاوت خوش الحانی سے کرتے۔آواز میں ایسی لے اختیار کرتے تھے کہ اس سے خشوع ٹپکتا۔صلوات اللہ وسلامہ علیہ

رب قدوس ارشاد فرماتا ہے:

''اور ہم نے عطا فرمائی داؤد کو زبور''۔(انساء ۱۶۳ الاسراء ۵۵)

زبور ایک مشہور کتاب ہے۔یہ کتاب رمضان کے مہینے میں نازل ہوئی جیسا کہ ہم نے اپنی تفسیر میں وضاحت سے بیان کیا ہے۔اس کتاب میں مواعظ اور حکم تھے۔اہل نظر سے یہ چیز مخفی نہیں ہے۔

رب قدوس فرماتا ہے:

''یعنی ہم نے انہیں ایک عظیم مملکت سے نوازا اور ان کے حکم کو نافذ ٹھہرایا۔''

ابن جریری اور ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمی حضرت داؤد کی خدمت میں گائے کا ایک مقدمہ لے کر آئے ایک دعویٰ کرتا تھا کہ مدمقابل نے گائے مجھ سے چھینی ہے۔مدعی علیہ انکار کرتا تھا۔آپ علیہ السلام نے ان کا معاملہ رات پر اٹھا رکھا۔رات کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو حکم دیا کہ مدعی کو قتل کر دو۔صبح ہوئی تو داؤد علیہ السلام نے مدعی کو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حکم دیا ہے کہ تجھے قتل کر دوں۔اب لامحالہ میں تجھے قتل کروں گا۔تو جو دعویٰ کرتا تھا۔اس کی نوعیت کیا ہے؟ وہ کہنے لگا اے اللہ کے نبی بلاشبہ میں اس دعوے میں سچا ہوں۔ہاں اس سے پہلے میں نے اس کے باپ سے کھیت کا غلہ لے لیا تھا۔داؤد علیہ السلام نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا اور وہ شخص قتل کر دیا گیا۔بنی اسرائیل کے دلوں پر حضرت داؤد علیہ السلام

کی عظمت کی دھاک بیٹھ گئی اور وہ بہت ہی آپ کے فرمانبردار بن گئے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں وشددنا ملکہ اسی وجہ سے کہا گیا ہے و آتینا الحکمۃ کا مطلب ہے ہم نے انہیں دولت سے نوازا وفصل الخطاب شریح شعبی، قتادہ، ابو عبدالرحمٰن سلمی اور کئی دوسرے مفسرین بیان فرماتے ہیں اس سے مراد گواہی اور قسم ہے۔اسی سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے۔

''مدعی کے ذمہ ہے کہ وہ گواہی پیش کرے اور انکار کرنے والے پر قسم لازم ہے''

مجاہد اور سدی کے نزدیک اس سے مراد صحیح فیصلے کی طاقت اور عدالتی فہم و فراست ہے۔مجاہد فرماتے ہیں۔اس سے مراد کلام میں دوٹوک بات کرنا اور حکم میں صحیح فیصلہ دینا ہے۔اسی کو ابن جریر نے بیان کیا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے جو یہ روایت کیا جاتا ہے کہ اس سے مراد اما بعد ہے تو مذکورہ توجیہات اس کے منافی نہیں ہیں۔

وہب بن منبہ فرماتے ہیں: جب شرک کی کثرت ہوگئی اور بنی اسرائیل میں جھوٹی شہادتوں نے زور پکڑ لیا تو اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو حتمی اور دوٹوک فیصلہ کرنے کے لئے ایک زنجیر مرحمت فرما دی۔جو آسمان سے بیت المقدس کے پتھر تک لمبی تھی۔اور سونے کی تھی اس میں یہ خوبی تھی کہ جو شخص اپنے دعویٰ میں سچا ہوتا وہ تو اسے چھو لیتا لیکن جھوٹے کا ہاتھ اس تک نہ پہنچ سکتا تھا۔یہ سلسلہ چلتا رہا حتی کہ ایک آدمی نے کسی شخص کے پاس موتی رکھے۔اس نے انکار کر دیا اور ان موتیوں کو ایک نیزے کے اندر چھپا لیا۔جب دونوں حاضر ہوئے اور پتھر کے اوپر لٹکتی زنجیر کو مدعی نے پکڑا تو وہ کامیاب ہوا۔اب دوسرے کو کہا گیا کہ تم بھی اس زنجیر کو پکڑنے کی کوشش کرو اس نے وہ نیزہ لے کر مدعی کو دے دیا جس میں موتی تھے پھر دل میں یہ دعا کی کہ الٰہی تو جانتا ہے میں نے موتی مالک کے حوالے کر دیئے ہیں۔یہ کہنے کے بعد زنجیر کی طرف ہاتھ بلند کیا تو اسے پکڑنے میں کامیاب ہو گیا بنی اسرائیل کے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا۔پھر اسی وقت وہ سونے کی زنجیر وہاں سے اٹھا لی گئی۔

اسی معنی کی روایت کئی دوسرے مفسرین نے بھی بیان کی ہے۔اسی معنی کی ایک روایت اسحاق بن بشر نے ادریس بن سنان سے اور انہوں نے وہب سے روایت کی ہے۔

''اور کیا آئی ہے آپ کے پاس اطلاع فریقان مقدمہ کی جب انہوں نے دیوار پھاندی عبادت گاہ کی اور جب اچانک داخل ہوئے داؤد پر۔پس آپ کچھ گھبرا گئے ان سے۔انہوں نے کہا ڈریئے نہیں ہم تو مقدمہ کے دو فریق ہیں۔زیادتی

کی ہے ہم میں سے ایک نے دوسرے پر۔ آپ ہمارے درمیان انصاف سے
فیصلہ فرمائیے اور بے انصافی نہ کیجئے اور دکھایئے ہمیں سیدھا راستہ (صورت
نزع یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے اور اس کی ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس
صرف ایک دنبی ہے۔ اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کر دے اور سختی کرتا
ہے میرے ساتھ گفتگو میں۔ آپ نے فرمایا بیشک اس نے ظلم کیا ہے تم پر یہ
مطالبہ کر کے کہ تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملا دے اور اکثر حصہ دار زیادتی
کرتے ہیں ایک دوسرے پر سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے
اور نیک کام کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ اور فوراً خیال آ گیا
داؤد کو کہ ہم نے اسے آزمایا ہے سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر
پڑے رکوع میں اور (دل و جان سے) اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پس ہم نے
بخش دی ان کی یہ تقصیر اور بیشک ان کے لئے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے اور
خوبصورت انجام ہے"۔ (ص:۲۱۔۲۵)

متقدمین و متاخیرن میں سے کئی علماء مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کچھ واقعات
بیان کیے ہیں جو سب کے سب اسرائیلی روایات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان واقعات میں کئی سراسر
جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے راہ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

سورۂ "ص" میں واقع آیت سجدہ کے بارے آئمہ کرام میں اختلاف ہے۔ بعض کا
خیال ہے کہ یہ سجدہ شکر ہے اور بعض کے نزدیک دوسرے سجدوں کی طرح یہ سجدہ بھی واجب ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم سے محمد بن عبداللہ نے، ہم سے محمد بن عبید
طنافسی نے بیان کیا۔ انہوں نے العوام سے روایت کیا۔ العوام فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت
مجاہد سے سجدہ "ص" کے بارے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: کیا تو یہ آیت پڑھتا نہیں۔

ومن ذریته داود وسلیمان (الانعام:۸۴)

اولئک الذین هدی الله فبهداهم اقتداه (الانعام:۹۰)

"پس حضرت داؤد علیہ السلام بھی ان حضرات میں سے ہیں جن کے راستے پر
چلنے کا نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا۔ اس آیت پر داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا اور
(ان کی اقتداء میں) حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت پر سجدہ کیا"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم سے اسماعیل نے بیان کیا۔ اسماعیل جو ابن علیہ
کے بیٹے ہیں۔ انہوں نے ایوب سے، انہوں نے عکرمہ سے، انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا
انہوں کا ارشاد ہے: سورۂ ص کا سجدہ واجب سجدوں میں سے نہیں ہے۔ لیکن میں نے حضور ﷺ کو
یہاں سجدہ کرتے دیکھا ہے۔

اسی طرح اس حدیث کو بخاری، ابو داؤد، ترمذی، نسائی نے ایوب کے حوالے سے
روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے امام نسائی فرماتے ہیں: مجھے ابراہیم بن
حسن مقسمی نے خبر دی۔ ہم سے حجاج بن محمد نے بیان کیا۔ انہوں نے عمر بن ذر سے انہوں نے
اپنے باپ سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا
کہ نبی کریم ﷺ نے سورۂ ص پر سجدہ کیا اور فرمایا: داؤد علیہ السلام نے یہاں سجدۂ توبہ کیا تھا اور ہم
یہاں سجدہ شکر بجا لاتے ہیں"

اس روایت کرنے میں امام احمد اکیلے ہیں ہاں اس کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ابو داؤد فرماتے ہیں: ہم سے احمد بن صالح نے ہم سے ابن وہب نے بیان
کیا۔ مجھے عمرو ابن الحارث نے خبر دی۔ انہوں نے سعید بن ابی ہلال سے، انہوں نے عیاض بن
عبداللہ بن سعید بن ابی سرح سے، انہوں نے ابی سعید الخدری سے روایت کیا۔

ان کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر بیٹھ کر سورۂ ص کی تلاوت کی۔ جب آیت
سجدہ پر پہنچے تو نیچے اترے اور سجدہ کیا۔ لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کیا۔ دوسرے دن
بھی اس کی تلاوت فرمائی جب آیت سجدہ پر پہنچے تو لوگ سجدہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ آپ
ﷺ نے فرمایا یہ سجدہ حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم سجدہ کرنے
کے لئے تیار ہو گئے ہو۔ آپ منبر سے اترے اور سجدہ کیا" اسے روایت کرنے میں ابو داؤد اکیلے
ہیں اور اس کی اسناد صحیح بخاری کی شرط پر پوری اترتی ہے۔

حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم سے عفان نے، ہم سے یزید بن زریع نے، ہم
سے حمید نے، ہم سے بکر نے یہ ابن عمر کے نام سے مشہور ہیں۔ اور ابو الصدیق ناجی نے بیان کیا
کہ ابو سعید الخدری نے خواب دیکھا کہ وہ "سورہ ص" لکھ رہے ہیں جب آیت سجدہ پر پہنچتے ہیں تو
کیا دیکھتے ہیں کہ قلم، دوات اور وہاں پر ہر چیز سجدے میں گری ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں میں نے یہ
خواب حضور ﷺ سے عرض کیا تو اس کے بعد آپ ﷺ جب بھی یہ آیت سجدہ تلاوت کرتے تو
سجدہ کرتے۔

اسے روایت کرنے میں حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اکیلے ہیں۔

ترمذی اور ابن ماجہ محمد بن یزید بن خنیس کے حوالے سے حسن بن محمد بن عبید اللہ بن ابی یزید سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کا کہنا ہے ابن جریج نے ارشاد فرمایا: مجھ سے تیرے دادا عبید اللہ بن ابی یذید نے بیان کیا۔ انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔ جب میں نے آیت سجدہ تلاوت کی تو درخت نے میرے ساتھ سجدہ کیا۔ میں نے سجدہ میں گرے درخت سے یہ آواز بھی سنی۔ الٰہی اس کی برکت سے میرے لئے اپنے ہاں اجر لکھ لے۔ اور اسے اپنی جناب میں ذخیرہ بنا دے اور اس کے طفیل مجھ سے (گناہ کے) بوجھ کو دور کر دے۔ اور اسے میری طرف سے قبول فرما جس طرح اپنے بندے داؤد علیہ السلام کی طرف سے قبول فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے آیت سجدہ پڑھی اور پھر سجدہ کیا۔ میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت سجدہ میں درخت والی وہی دعا مانگ رہے تھے جو اس آدمی نے بیان کی تھی۔

ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ میں اس کی اس سند کے علاوہ اور کسی سند سے واقف نہیں ہوں۔

بعض مفسرین کا بیان ہے کہ داؤد علیہ السلام چالیس دن تک برابر سجدے میں رہے۔ یہ قول مجاہد، حسن اور کئی دوسرے مفسرین کا ہے۔ اس سلسلے میں ایک موضوع حدیث بھی پیش کی جاتی ہے۔ لیکن اس کی سند میں یذید رقاشی ہے جو ضعیف اور متروک الروایت ہے۔

رب قدوس ارشاد فرماتے ہیں:

"پس ہم نے بخش دی ان کی یہ تقصیر اور بیشک ان کے لئے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے اور خوبصورت انجام ہے" (ص:۲۵)

یعنی ان کے لئے قیامت کے روز بڑا قرب ہوگا۔ لفظ زلفی کا معنی ہے قربت کا وہ مقام جو حضور باری سے کسی انسان کو عطا ہوتا ہے اور اس کے سبب بندہ خطیرہ قدس میں حضوری کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک سے ثابت ہے" انصاف کرنے والے رب قدوس کے دائیں ہاتھ نور کے منبروں پر تشریف فرما ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ دائیں ہیں (یہ مقام انہیں نصیب ہوگا) جو اپنے اہل خانہ میں انصاف کرتے ہیں۔ اپنے فیصلوں میں انصاف

کرتے ہیں اور جس چیز پر انہیں امارت دی جاتی ہے اس میں انصاف کرتے ہیں"

امام احمد اپنی مسند میں فرماتے ہیں کہ ہم سے یحیٰ بن آدم نے ہم سے فضیل نے بیان کیا۔ انہوں نے عطیہ سے، انہوں نے ابی سعید الخذری سے روایت کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ اور مجلس خداوندی میں سب سے زیادہ قرب کا مستحق امام عادل ہوگا اور قیامت کے روز مبغوض ترین او زیادہ عذاب کا مستحق ظالم ہوگا"

امام ترمذی نے فضیل بن مرزوق الاغر کے حوالے سے اسی سند کے ساتھ اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ اس سند کے علاوہ کسی اور سند کے بارے ہم نہیں جانتے"

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوزرعہ نے، ہم سے عبداللہ بن ابی زیاد نے ہم سے سیار نے، ہم سے جعفر بن سلیمان نے بیان فرمایا کہ میں نے مالک بن دینار سے وان لہ عندنا لزلفٰی وحسن مآب کے بارے سنا فرما رہے تھے کہ قیامت کے روز داؤد علیہ السلام پایہ بخشش کے پاس کھڑے ہوں گے۔ رب قدوس فرمائے گا اے داؤد! آج اسی طرح خوبصورت اور مترنم آواز سے میری مدح وستائش کر جیسے دنیا میں کیا کرتا تھا داؤد علیہ السلام عرض کریں گے۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تو نے وہ آواز مجھ سے واپس لے لی ہے تو رب قدوس فرمائے گا۔ آج وہ آواز میں تجھے پھر لوٹاتا ہوں۔ راوی فرماتے ہیں کہ جب داؤد علیہ السلام بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کریں گے تو اہل جنت کو تمام نعمتیں اس آواز کے مقابلے میں ہیچ محسوس ہوں گی۔

"اے داؤد! ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو (اپنا) نائب زمین میں پس فیصلہ کیا کرو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ اور نہ پیروی کیا کرو ہوائے نفس کی وہ بھکا دے گی تمہیں راہ خدا سے۔ بے شک جو لوگ بھٹک جاتے ہیں راہ خدا سے ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے بھلا دیا تھا یوم حساب کو"

(ص:۲۶)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ داؤد علیہ السلام کو خطاب فرما رہا ہے۔ مراد امور کی نگہداشت اور لوگوں کے درمیان فصلہ کرنا ہے۔ اللہ کریم نے حکم فرمایا کہ لوگوں کے درمیان عدل پر مبنی فیصلے کرنا اور اس حق کی پیروی کرنا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو چکا ہے۔ اپنی آراء اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ غیر کی راہ مت چلنا اور میرے بغیر کسی اور منشاء کا لحاظ رکھ کر فیصلے مت دینا۔ داؤد علیہ السلام اپنے دور میں عدل وانصاف کی ایک مثال

تھے۔ کثرت عبادت اور طرح طرح کی ریاضتوں میں بہترین نمونہ شمار ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ دن رات میں کوئی ایسی گھڑی نہیں گزرتی تھی کہ جس میں آپ علیہ السلام کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد عبادت خداوندی میں مشغول نہ ہوتا ہو۔ جیسا کہ رب قدوس کا ارشاد ہے۔

''اے داؤد کے خاندان والو! (ان نعمتوں پر) شکر ادا کرو اور بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گزار ہیں''۔ (سبا:۱۳)

ابوبکر ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ ہم سے اسماعیل بن ابراہیم بن بسام نے ہم سے صالح المری نے بیان کیا۔ انہوں نے ابی عمران جولی سے، انہوں نے ابی الجلد سے روایت کیا۔ فرمایا: میں نے داؤد علیہ السلام کے سلسلے میں پڑھا ہے کہ انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی۔ اے میرے رب! میں تیرا شکر کیسے ادا کرسکتا ہوں کہ تیرا شکر بھی تو تیری نعمت کے بغیر نہیں کرسکتا۔ راوی کا بیان ہے کہ اللہ کریم کی طرف سے وحی ہوئی: اے داؤد! کیا تو جانتا نہیں کہ تجھے جتنی نعمتیں میسر ہیں سبھی میری عطا کردہ ہیں؟ عرض کی۔ اے میرے رب کیوں نہیں فرمایا: میں تیری طرف سے اس پر شکر راضی ہوں''

عبداللہ بن مبارک اپنی کتاب ''الزہد'' میں فرماتے ہیں کہ مجھ سے سفیان ثوری نے خبر دی۔ انہوں نے کسی شخص سے روایت کیا۔ اس شخص نے وہب بن منبہ سے روایت کیا فرمایا: آل داؤد کی حکمت بھری باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ عقل مند پر لازم ہے وہ چار گھڑیوں میں غفلت کا شکار نہ ہو۔ ایک اس وقت جب اپنے رب سے مناجات کر رہا ہو دوسرے جب اپنی ذات کا محاسبہ کر رہا ہو۔ تیسرے اس گھڑی جب وہ ایسے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہو جو اسے اس کے عیبوں سے آگاہ کرتے ہوں اور اس کے نفس کے بارے اسے سچی سچی باتیں بتاتے ہوں۔ اور چوتھے جب وہ خلوت میں ہو کہ وہاں نفس اور اس کے رب کے سواء کوئی نہ ہو۔ وہاں دیکھے کہ کیا حلالا ہے اور کیا چیز زیبا ہے۔ یہ یک گھڑی پہلی تینوں ساعتوں کی معاون ہے اور دلوں کے لئے تسکین ہے۔ اور عقل مند پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے وقت کو پہنچانے۔ اپنی زبان کی حفاظت کرے اور اپنے کام کی طرف متوجہ ہے۔ عاقل کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ تین میں سے کسی ایک صورت میں سفر کرے۔ آخرت کے توشے کے لئے۔ اپنے گزر اوقات کی فراہمی کے لئے اور غیر محرم میں لذت (نکاح) کے لئے''

اسے ابوبکر بن ابی الدنیا نے ابی بکر بن ابی خثیم سے، انہوں نے ابن مہدی سے انہوں نے سفیان سے، انہوں نے ابی الاغر سے، انہوں نے یوہب بن منبہ سے روایت کیا ہے اس سند کے

ابوبکر بن ابی الدنیا نے علی بن الجحر سے، انہوں نے عمر بن الہیثم اقاشی سے انہوں نے ابی …ے، انہوں نے یوہب بن منبہ سے روایت کیا ہے ابو الاغر وہ شخص ہیں جنہیں ابن المبارک …روایت میں مبہم قرار دیا ہے۔ یہ قول ابن عساکر کا ہے۔

عبدالرزاق فرماتے ہیں: ہمیں بشر بن رافع نے بتایا، ہم سے شیخ صنعاء نے بیان کیا …ہیں ابوعبداللہ کہا جاتا ہے، فرمایا: میں نے وہب بن منبہ سے سنا، اس سند کے بعد عبدالرزاق نے …حدیث بیان کی ہے۔ حافظ ابن عساکر نے حضرت داؤد علیہ السلام کے سوانح میں عجیب و …ب نکات بیان فرمائے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔

''یتیم کے لئے رحیم باپ کی مانند بن جا اور جان لے کہ تو ایک کھیتی کی مانند ہے جو بوئی …ی ہے اور پھر کاٹی جاتی ہے''

سند غریب کے ساتھ یہ بھی مرفوعا روایت کیا گیا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اے …ا کی فصل کاشت کرنے والے تو اس کھیت سے کانٹے اور خار دار جھاڑیاں ہی اٹھائے گا۔ داؤد …السلام کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''احمق خطیب کی مثال اپنی قوم میں ایسی ہی …جیسے اس گانے والے کی مثال جو میت پر کھڑا گا رہا ہو'' آپ ہی کا فرمان ہے غنی کے بعد فقر …تنا قبیح ہے۔ مگر اس سے بھیز یادہ قبیح ہدایت کے بعد گمراہ ہو جانا ہے۔ فرمایا: دیکھ اپنی قوم میں …ا چیز کو تو ناپسند کرتا ہے کہ تیری طرف منسوب ہوا سے تخلیے میں ہرگز نہ کر۔'' ایک اور فرمان …بھائی سے وہ وعدہ مت کر جسے تو پورا نہ کر سکے۔ یہ چیز تیرے اور اس کے درمیان …راوت کا سبب بن جائے گی''

محمد بن سعید فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عمر واقدی نے اطلاع دی۔ مجھ سے ہشام بن …عبد نے بیان کیا۔ انہوں نے عمر مولیٰ عفرہ سے روایت کیا کہ جب یہودیوں نے حضور ﷺ کو …نکاح کرتے دیکھا تو کہنے لگے: دیکھو یہ شخص نہ کھانے سے سیر ہوتا ہے اور نہ عورتوں سے اس کا …بھرتا ہے۔ حضور ﷺ کے عقد نکاح میں چونکہ بہت ساری عورتیں تھیں اس لئے یہودی حسد کرتے …تعدد ازدواج پر طعن و تشنیع کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے اگر آپ نبی ہوتے تو عورتوں کی طرف …نہ ہوتے۔ حی بن اخطب اس میدان میں سب سے آگے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کی …تنبیہ فرمائی اور انہیں خبردار کیا کہ یہ عیب نہیں اپنے نبی پر میرا فضل واحسان ہے۔ فرمایا:

''کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انہیں اللہ نے اپنے فضل سے''۔ (النساء:۵۴)

یعنی اللہ نے اپنے نبی حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کو ہزار بیویاں عطا فرمائی تھیں اور داؤد علیہ السلام کو سو بیویاں تھیں۔ سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویوں میں سے سات سو مہر والی اور تین سو زنان مدخولہ تھیں۔ ان میں سے سلیمان علیہ السلام کی والدہ بھی ہیں جو پہلے اوریا کی بیوی تھیں۔ جس کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام نے فتنہ کے بعد شادی فرمائی تھی۔ یہ اعتراض تو حضور ﷺ سے زیادہ حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہم السلام پر وارد ہوتا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک) کلبی نے ایسے ہی ذکر کیا ہے کہ داؤد علیہ السلام کی سو اور سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویاں تھیں۔ جنت میں سے تین سو مدخولہ تھیں۔

حافظ اپنی تاریخ میں صدقہ دمشقی کے حالات میں روایت کرتے ہیں۔ صدقہ دمشقی وہ شخص ہے جو فجر بن فضالہ حمصی کے حوالے سے حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔ حافظ ابو ہریرہ حمصی سے وہ صدقہ دمشقی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے روزوں کے بارے میں پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم سے وہ حدیث بیان کروں گا جو بحث میں میرے پاس محفوظ ہے۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں داؤد علیہ السلام کے روزے کے بارے بتاؤں۔ داؤد علیہ السلام بہت زیادہ روزہ رکھنے والے۔ بہت زیادہ قیام کرنے والے اور بہت بہادر تھے جب دشمن سے منڈ بھیڑ ہوتی تو پیٹھ نہیں پھیرتے تھے۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: بہترین روزے داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں'' داؤد علیہ السلام ستر آوازوں میں زبور پڑھتے تھے اور خوب خوش الحانی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ رات کے وقت وہ ایسی نماز ادا کرتے کہ خود بھی روتے اور ہر چیز پر بھی گریہ طاری کر دیتے اور آپ کی آواز سن کر غم واندوں کے مارے لوٹ آتے۔

اور اگر تم چاہو تو ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام کے روزے کے بارے بتاؤں۔ سلیمان علیہ السلام ہر مہینے کے پہلے تین، درمیانی تین اور آخری تین دنوں میں روزہ رکھتے تھے مہینہ کو شروع بھی روزوں سے کرتے، وسط میں بھی روزے رکھتے اور اس کا اختتام بھی روزوں پر کرتے۔

اور اگر تمہاری منشاء ہو تو حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روزوں سے متعلق تمہیں بتاؤں۔ عیسیٰ علیہ السلام زندگی بھر روزے سے رہے۔ جو کی روٹی تناول فرمائی۔ صوف کا لباس پہنا۔ جو ملتا کھا لیتے اور نہ ملتا تو کسی سے سوال نہ کرتے نہ کوئی بچہ تھا کہ مرتا (تو غمگین ہوتے) اور نہ گھر تھا کہ خراب ہوتا۔ جہاں رات آتی مصلیٰ بچھا کر کھڑے ہو جاتے اور صبح تک نماز ادا کرتے۔ آپ تیر انداز تھے کبھی نشانہ خطا نہ گیا۔ جب بھی کسی شکار کا ارادہ کیا اسے حاصل

ل۔ آپ بنی اسرائیل کی مجالس سے گزرتے تو ان کی ضروریات کو پورا فرما دیتے۔

اور اگر تمہارا ارادہ ہو تو ان کی ماں مریم بنت عمران کے روزوں سے آگاہ کروں۔ آپ دن روزہ رکھتیں اور دو دن افطار کرتیں۔

اور اگر تمہاری مرضی ہو تو نبی عربی حضرت محمد ﷺ کے روزوں کی بابت تجھے ں۔ آپ ﷺ ہر مہینے میں تین روزے رکھا کرتے اور فرمایا کرتے تھے۔ یہ پوری زندگی کے ے ہیں۔

امام احمد ابی نضر سے، اور مرج بن فضالہ سے وہ ابی ہدم سے وہ صدقہ سے وہ ابن عباس اللہ عنہما سے مرفوعا حضرت داؤد علیہ السلام کے روزوں کے بارے روایت کرتے ہیں۔

تخلیق آدم کے سلسلے میں جو احادیث گزر چکی ہیں ان میں یہ صراحت تھی کہ جب اللہ نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے ان کی تمام نسل کو ظاہر فرمایا تو آدم علیہ السلام نے اپنی نسل انبیاء علیہم السلام کو بھی دیکھا۔ ان میں انہیں ایک ایسا شخص بھی نظر آیا جو کمال وجیہہ تھا۔ انہوں بارگاہ خداوندی میں عرض کی: باری تعالیٰ! اتنا حسین و رعنا یہ جوان کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے : یہ تیرا بیٹا داؤد ہے۔ آدم علیہ السلام نے عرض کی۔ پروردگار اس کی عمر کتنی ہوگی؟ فرمایا ساٹھ عرض کی۔ پروردگار اس کی عمر میں اضافہ فرما۔ فرمایا: ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہاں صرف ایک ت میں کہ تیری عمر کم کر کے اس کی عمر بڑھا دی جائے۔ آدم علیہ السلام کی عمر مبارک ایک ہزار تھی۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد کی عمر میں چالیس سال کا اضافہ فرما دیا۔ جب آدم علیہ السلام کی عمر ختم اور فرشتہ اجل آیا تو انہوں نے فرمایا میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں اور جو عمر ں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ہبہ فرمائی تھی وہ بھول گئے۔

پس اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی عمر بھی ہزار سال پوری کر دی اور داؤد علیہ السلام کی ی سو سال پوری کر دی۔ اسے حضرت امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور ں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے ابن حزیمہ اور ابن حبان بھی اسے نقل کیا ہے۔ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کے گمان کے مطابق داؤد علیہ السلام کی عمر سے یکن میرے نزدیک یہ بات غلط اور مردود ہے اہل کتاب کے بقول داؤد علیہ السلام نے س سال تک حکومت کی۔ اس مدت کو قبول کیا جا سکتا ہے کیونکہ ہمارے پاس اسے رد کرنے کی دلیل نہیں ہے۔

رہی آپ علیہ السلام کی وفات تو امام احمد اپنی سند میں فرماتے ہیں ہم سے قبیصہ نے ہم سے یعقوب بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عمرو بن ابی عمرو نے بیان کیا۔انہوں نے مطلب سے، انہوں نے ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ فرمایا: داؤد علیہ السلام بہت غیرت مند انسان تھے۔جب آپ کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لے جاتے تو گھر کا دروازہ بند کر جاتے اور آپ کی عدم موجودگی میں کوئی بھی آپ کے گھر نہ آتا جب تک کہ آپ واپس نہ آجاتے۔حضور ﷺ فرماتے ہیں: ایک دن آپ علیہ السلام باہر تشریف لے گئے۔درواہ بند ہو گیا۔جب آپ علیہ السلام کی ایک بیوی گھر کے کام کرنے لگی تو دیکھا کہ گھر کے صحن میں ایک آدمی کھڑا ہے۔مکان کے اندر جو لوگ تھے انہوں نے انہیں بلایا اور فرمایا گھر کے اندر کھڑا یہ شخص کون ہے۔یہ شخص کہاں سے اندر آ گیا حالانکہ دروازہ تو بند ہے۔بخدا آج ہم داؤد علیہ السلام کے سامنے شرمندہ ہوں گے۔داؤد علیہ السلام تشریف لائے دیکھا کہ گھر کے درمیان میں ایک آدمی کھڑا ہے۔آپ علیہ السلام نے پوچھا: تو کون ہے؟ وہ شخص بولا: میں وہ ہوں جو بادشاہوں سے مرعوب نہیں ہوتا اور پردے میری راہ روک نہیں سکتے ہیں۔

داؤد علیہ السلام نے فرمایا: تو بخدا پھر آپ فرشتہ اجل ہیں۔اللہ کا حکم سر آنکھوں پر۔پھر داؤد علیہ السلام وہیں ٹھہر گئے حتیٰ کہ آپ علیہ السلام کی روح قبض کر لی گئی۔جب آپ کی تجہیز و تکفین ہو چکی اور لوگ اس کام سے فارغ ہوئے تو سورج طلوع ہوا۔سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے فرمایا: داؤد علیہ السلام پر سایہ کر دو۔پرندوں نے اپنے پروں سے سایہ کر دیا یہاں تک کہ زمین تاریک ہو گئی۔اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے فرمایا اپنے پروں کو سکیڑ لو۔حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دکھانے لگے کہ پرندوں نے کیسے کیا۔حضور ﷺ کی روح مبارک بھی انہیں کے ہاتھوں قبض ہوئی اور اس دن عقابوں نے آپ پر سایہ کیا۔

اس حدیث کو صرف امام احمد نے نقل کیا ہے۔اس کی سند بہتر ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔اور " غلبت علیه یومئذ المضر حیة " کے الفاظ کا مطلب ہے کہ مضرحیہ نامی پرندے سایہ کرنے کے لئے غالب آ گئے یعنی چھا گئے۔"مضرحیہ" کا معنی ہے شکرے جن کے پر لمبے ہوتے ہیں "مضرحیہ" کا واحد "مضرحی" ہے۔جوہری فرماتے ہیں اس سے مراد طویل پروں والا شکرا ہے۔

سدی ابو مالک سے، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں: فرمایا:

[داؤد علیہ] السلام کی رحلت اچانک ہوئی اور یہ دن ہفتہ کا تھا۔پرندوں نے آپ پر سایہ کر دیا۔سدی [نے ابی] مالک اور سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہوئے یہی کہتے ہیں کہ آپ کا وصال مبارک [ہفتے] کے دن اچانک ہوا۔

اسحاق بن بشر سعید بن ابی عروبہ سے۔وہ قتادہ سے، وہ الحسن سے روایت کرتے ہوئے [فرما]تے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کی جب رحلت ہوئی تو عمر مبارک سو سال تھی۔اور بدھ کے دن [آ]پ کی وفات اچانک ہوئی۔ابوسکن ہجری کے بقول ابراہیم خلیل اللہ، حضرت داؤد اور ان کے بیٹے سلیمان علیہم السلام کی رحلت اچانک ہوئی۔

اسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

بعض علماء سے مروی ہے کہ ملک الموت جب داؤد علیہ السلام کی روح قبض کرنے آیا تو آپ اپنے حجرے سے نیچے اتر رہے تھے۔آپ علیہ السلام نے فرمایا: تھوڑی دیر کے لئے رک جاؤ کہ میں نیچے اتر آؤں یا اور حجرے میں چلا جاؤں۔فرشتے نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! سال بیتے آثار اور رزق یہ سب اپنے اختتام کو پہنچے۔راوی فرماتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام سیڑھیوں پر ہی [سج]دہ ریز ہو گئے اور سجدے کی حالت میں فرشتے نے روح قبض کر لی۔

اسحاق بن بشر فرماتے ہیں: ہمیں وافر بن سلیمان نے بتایا۔اس نے ابو سلیمان [فلس]طینی سے، انہوں نے وہب بن منبہ سے روایت کیا۔آپ فرماتے ہیں: بہت سے لوگ حضرت [دا]ؤد علیہ السلام کے جنازہ میں شرکت کے لئے حاضر ہوئے۔گرم ترین یہ دن سورج کی تپش میں گزار دیا۔دوسرے لوگوں کے علاوہ آپ کے جنازہ میں چالیس ہزار راہبوں نے شرکت کی جنہوں نے راہبانہ ٹوپیاں پہن رکھی تھیں (اور اسی وجہ سے پہچانے جا رہے تھے) موسیٰ علیہ السلام سے [بڑ]ھ کر ماتم کیا گیا۔وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ گرمی نے لوگوں کو جب پریشان کر دیا تو وہ کہنے لگے اے سلیمان اس گرمی سے بچنے کا کوئی اہتمام کرو۔سلیمان علیہ السلام باہر نکلے پرندوں کو بلایا [پر]ندے حاضر ہوئے آپ نے انہیں حکم دیا کہ لوگوں پر اپنے پروں کا سایہ کرو۔ہر طرف سے [پر]ندوں نے پروں کو آپس میں ملا کر سایہ کر دیا۔یہاں تک کہ ہوا رک گئی۔قریب تھا کہ لوگ گھٹن سے مر جاتے۔پھر سلیمان علیہ السلام سے عرض کی کہ ہم پریشانی میں ہلاک ہوئے جاتے ہیں [سل]یمان علیہ السلام پھر باہر آئے۔پرندوں کو آواز دی کہ سورج کی طرف سے لوگوں پر سایہ کریں [او]ر ہوا کی طرف سے ہٹ جائیں۔پرندوں نے ایسا ہی کیا۔اب لوگ سایہ میں تھے اور ہوا بھی چل رہی تھی۔لوگ پہلی بار حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت (کی یہ وسعت) دیکھ رہے تھے۔

حافظ ابو یعلی فرماتے ہیں: ہم سے ابو ہمام الولید بن شجاع نے، مجھ سے الولید بن مسلم نے بیان کیا۔ انہوں نے ہثیم بن حمید سے، انہوں نے ابی الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ارشاد نبوی ہے داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ساتھیوں کے درمیان سے اٹھالیا اور یہ لوگ نہ تو فتنے میں مبتلا ہوئے اور نہ ہی ان میں تبدیلی آئی۔ مسیح علیہ السلام کے حواری دوسوسال تک ان کی تعلیمات اور سنت پر کاربند رہے۔

یہ حدیث غریب ہے اور اس کا مرفوع ہونا محل نظر ہے۔ وضنین بن عطاء حدیث روایت کرنے میں ضعیف ہے۔ (واللہ اعلم)

آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے، یہ دراصل آپ علیہ السلام کا نفس کے خلاف جہاد تھا: کیونکہ انسان کا ''نفس'' بچے کی طرح ہوتا ہے۔ بچے کو ایک دن دودھ پلایا جائے اور دوسرے دن نہ پلایا جائے یہ بہت مشکل ہے، اسی طرح داؤد علیہ السلام نے اپنے نفس سے ایسا جہاد کیا جو عام آدمی کے لئے بہت مشکل تھا: کیونکہ ایکدن نفس کو خواہشات سے روکنا اور دوسرے دن خواہشات کیا جازت دینا عظیم کام تھا۔ آپ علیہ السلام نصف رات اللہ تعالیٰ کے حضور قیام فرماتے، یعنی نوافل ادا کرتے، پھر رات کا تہائی حصہ سوتے، پھر رات کا چھٹا حصہ جاگ کر عبادت میں مشغول رہتے۔

''اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو بڑا علم عطا کیا تھا، اور دونوں نے کہا: سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کو جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت بخشی''۔ (پ ۱۹ سورۃ نمل ۱۵)

علم سے مراد لوگوں کے درمیان قضاء (فیصلہ) کا علم، پرندوں کی بولیاں جاننے کا علموغیرہ ''ہمیں فضیلت دی'' اس سے مراد نبوت اور جنوں شیطانوں کو آپ کے تابع بنانا ہے۔

''علم'' سے انسان کو فضیلت حاصل ہوتی ہے، انسان کو چاہیے کہ نعمتوں کے حاصل ہونے پر ان کا شکریہ ادا کرے، کسی نعمت کا اظہار بطور تکبر ناجائز ہے، بطور شکر ذکر کرنا مستحب ہے۔ سنت انبیائے کرام ہے۔ (از روح البیان، جلالین شریف)

''بے شک ہم نے اس کے ساتھ پہاڑ کو مسخر کردیئے کہ تسبیح کرتے شام کو اور سورج چمکتے اور پرندے جمع کئے ہوتے، اور سب اس کے فرمانبردار تھے''
(پ ۲۳ سورت ص ۱۸، ۱۹)

اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو آپ کے ساتھ مسخر کردیا، یعنی پہاڑ آپ کے تابع تھے، آپ

پہاڑ چلتے پہاڑ آپ کے ساتھ چلتے یا آپ جس جگہ پہاڑوں کے لے جانے کا ارادہ فرماتے پہاڑ پہاڑ چلے جاتے۔ آپ علیہ السلام کا یہ معجزہ اللہ تعالیٰ کی کامل حکمت وقدرت پر دلالت کرتا ہے۔ آپ علیہ السلام کی آواز بہت حسین تھی، آواز میں رعب اور دبدبہ بھی تھا۔ جب آپ خوش الحانی سے ''زبور شریف'' پڑھا کرتے تو پہاڑوں سے بھی تسبیحات کی حسین وجمیل گنگناہٹ سنائی دیتی۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کئی کارنامے موجود ہیں، یعنی پہاڑوں کے جسم میں زندگی پیدا فرماتا ہے، پھر انہیں شعور عطاء فرماتا ہے، پھر انہیں قدرت سے نوازتا ہے، پھر انہیں بولنے کی طاقت دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیحات پڑھتے ہیں، اس کی مثال قرآن پاک میں ایک اور بھی ہے۔

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ

''جب اس (موسیٰ) کے رب نے اپنی تجلیات کا ظہور پہاڑ فرمایا''

یعنی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ میں عقل وفہم پیدا کئے، پھر اسے اپنے صفاتی نور کے دیکھنے کے لئے دیکھنے کی طاقت وسمجھ عطا کئے، دیکھنے پر وہ پہاڑ برداشت نہ کرسکا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے خوش آوازی سے زبور پڑھنے اور تسبیحات پڑھنے کے ساتھ ساتھ پرندے بھی تسبیحات پڑھتے تھے۔ آپ علیہ السلام کے قریب آکر کان لگا کر سنتے تھے، اتنے قریب ہو جاتے تھے کہ آپ پرندوں کو گردن سے پکڑ کر ان سے پیار کرتے۔ (تفسیر کبیر)

بلکہ بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ آپ علیہ السلام کی آواز میں رب نے ایسا عجیب اثر رکھا تھا کہ آپ جب زبور پڑھتے تو چلتا پانی رک جاتا، درختوں پر یہ اثر ہوتا کہگویا وہ بھی زبان حال سے آپ کے ساتھ تسبیحات پڑھ رہے ہیں، اور ان کے پتے جھڑنے شروع ہو جاتے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب یہ پتہ چلا کہ پہاڑ آپ کے ساتھ چلتے اور تسبیحات پڑتے اور پرندے آپ کے پاس جمع ہو جاتے تھے......

''ان پرندوں کا آپ کے پاس اجتماع وہ حشر ہے ان کا ''حاشر'' یعنی جمع کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے''

اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بھی پتہ چلتا ہے اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جس ذات نے یہاں غیر ذوی العقول کو عقل عطا کرکے اور غیر ذی روح کو روح عطا کرکے آپ کے تابع کیا وہ ذات قیامت میں ذی روح کی روح کیونکر نہیں لوٹا سکتا۔ (تفسیر کبیر بزیادۃ)

عام طور پر اہل عرب لفظ بولتے ہیں: شرقت الشمس ''سورج طلوع ہوگیا'' اور اشرقت الشمس کا معنی لیتے ہیں ''سورج روشن ہوگیا''۔ آیت کریمہ میں لفظ ''اشراق'' استعمال ہوا ہے اس سے صلوۃ ضحیٰ پر دلیل پکڑی گئی ہے۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے آپ نے وضو کے لئے پانی طلب کیا اور وضو کر کے ''صلوۃ ضحیٰ'' (چاشت کی نماز) ادا فرمائی اور ارشاد فرمایا: اے ام ہانی!

هذا صلوة الاشراق

''یہ نماز اشراق ہے''

حضرت طاؤس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، آپ نے پوچھا کہ کیا تم چاشت کی نماز کا ذکر قرآن میں پاتے ہو؟ تو حاضرین نے جواب دیا، نہیں۔ تو آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت کی:

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ میں نے پالیا:

(تفسیر کبیر)

ويلوح من ههنا ان الاشراق والضحى واحد يعنى هوفى الحقيقة وقت واحد وصلوة واحدة اولها وقت الاشراق وآخر ها الى قبيل نصف النهار ولما صلى فى بعض الاحيان فى الوقتين ظنوا ان ههنا وقتين وصلوتين. (کمالین حاشیہ جلالین ص ۳۸۱)

''اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشراق اور ضحیٰ ایک ہی ہیں یعنی ایک ہی وقت ہے اور ایک ہی نماز ہے اول وقت کو اشراق کہا جاتا ہے اور آخر کو ضحیٰ کہا گیا ہے آخر وقت زوال سے تھوڑا پہلے تک ہے، جب بعض اوقات یہ نماز اول وقت میں پڑھی گئی اور بعض اوقات آخر میں تو یہ گمان ہوا کہ دو وقت علیحدہ علیحدہ ہیں علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔ (حالانکہ نماز ایک ہی ہے)

اشراق یا چاشت کی رکعات

اقلها ركعتان وادنى كمالها اربع ويزيد ما شاء فهو ثمان ركعات

واكثرها اثنتا عشرة ركعة. (ماخوذ از روح المعانی)

''کم از کم دو رکعتیں اور کمال کا ادنیٰ درجہ چار رکعتیں ہے، اس سے زائد جتنی چاہے پڑھے۔ اور آٹھ رکعتیں اور اس سے بھی زائد بارہ رکعتیں ہیں۔ تمام تعداد کی صورتوں پر احادیث مبارکہ دال ہیں''

اوصاه بهما وان لا يدعهما

''آپ نے دو رکعتیں ادا کرنے اور ان کو نہ چھوڑنے کا حکم فرمایا''

مسلم مسند احمد ابن ماجہ میں حضرت ام ہانی سے مروی ہے۔

كان رسول الله ﷺ يصلى الضحى اربعا ويزيد ماشاء الله تعالىٰ

''رسول اللہ ﷺ صلوٰۃ ضحیٰ چار رکعت پڑھتے تھے اور زیادہ فرماتے جتنا رب تعالیٰ چاہتا''

ابن عبدالبر نے تمہید میں عکرمہ رضی اللہ عنہ سے ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا۔

قدم رسول الله ﷺ ثمان رعات فقلت ما هذه الصلوة قال هذه صلوة الضحى

''نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے آٹھ رکعتیں ادا کیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ کون سی نماز ہے؟ آپ نے فرمایا یہ چاشت کی نماز ہے''

ایک ضعیف روایت میں بارہ رکعت کا ذکر بھی ملتا ہے۔ (از روح المعانی)

یہ جاہلانہ طرز عمل ہے کہ: فلاں وقت دعاء نہ کرو، فرض کے بعد دعاء ثابت نہیں، سنتوں نوافل کے بعد دعاء ثابت نہیں، جنازہ کے بعد دعاء نہیں، جمعرات کو دعاء نہیں، چالیسویں پر نہیں، نہ جانے کیوں خدا سے مانگنے میں بھی جاہلوں کو شرم آتی ہے؟ خدا سے نہ مانگنے والے تو جہنم کا ایندھن ہیں۔

حضرت مقاتل سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام جب سے بنی اسرائیل کے بادشاہ بنے تو آپ نے یہ عمل شروع کیا کہ رات کو عام آدمی کی حیثیت سے باہر تشریف لے جاتے، جو ملتا اس سے پوچھتے: داؤد بادشاہ کیسا ہے؟ ایک مرتبہ آپ کی ملاقات ایک فرشتہ سے ہوئی جو انسان کی شکل میں تھا۔ جب آپ نے اس سے سوال کیا تو اس نے کہا: آدمی تو بہت اچھا ہے صرف

ایک بات اس میں نہ پائی جائے تو وہ بہت ہی کامل انسان ہے۔آپ نے پوچھا وہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ وہ بیت المال سے رزق کھاتے ہیں۔اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھائیں تو ان کے فضائل میں تکمیل پائی جائے۔

آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی: اے اللہ مجھے زرہ بنانے کا علم عطاء فرمادے اور مجھ پر زرہ بنانی آسان فرمادے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو زرہ بنانے کا علم عطاء فرمادیا اور لوہے کو آپ کے ہاتھ میں نرم فرمادیا۔آپ اس کی آمدنی کا تہائی حصہ مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ فرماتے۔ایک زرہ ہر روز تیار فرماتے تھے، ایک ہزار، چار ہزار اور چھ ہزار درہم تک آپ کی بنائی ہوئی زرہیں فروخت ہوئیں۔اس کی آمدنی میں سے آپ اپنی ذات پر خرچ کرتے اور اپنے اہل و اعیال کا خرچ اسی سے پورا فرماتے۔فقراء اور مساکین کو بھی اس مال سے دیتے۔تین سو ساٹھ زرہیں آپ نے تیار فرمائی تھیں،ان کو فروخت کر کے آپ نے اتنے دراہم حاصل کر لئے تھے کہ آپ بیت المال کے محتاج نہ رہے، بلکہ اس سے کثیر رقم غرباء کو بھی دی۔

(ماخوذ از رد

..........❁..........

سلیمان بن داوٗد علیہما السلام

حافظ بن عساکر حضرت سلیمان علیہ السلام کا شجرہ نسب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ سلیمان بن داوٗد بن ایشیا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نخشون بن عمینا آداب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہودا ابن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن ابوالربیع نبی ابن نبی۔

بعض آثار میں مذکور ہے کہ آپ ہی دمشق میں داخل ہوئے۔ابن ماکولا کہتے ہیں کہ فارص صاد مھملہ کے ساتھ ہے۔انہوں نے بھی آپ کا نسب نامہ تقریبا وہی بیان کیا ہے جو ابن عساکر نے بیان کیا ہے۔

رب قدوس حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں۔

''اور جانشین بنے سلیمان داوٗد کے اور فرمایا اے لوگو! ہمیں سکھائی گئی ہے پرندوں کی بولی اور ہمیں عطا کی گئی ہیں ہر قسم کی چیزیں۔بے شک یہی وہ نمایاں بزرگی ہے (جو ہمیں مرحمت ہوئی)''۔(النمل:١٦)

یعنی نبوت اور ملک کا وارث بنا دیا۔یہاں مال کی وراثت مراد نہیں ہے۔کیونکہ داوٗد علیہ السلام کے سلیمان علیہ السلام کے علاوہ دوسرے بیٹے بھی تھے۔دنیاوی مال میں بھی حصہ دار تھے صرف سلیمان علیہ السلام ہی وارت نہیں تھے۔اور اس لئے بھی کہ صحابہ کرام کی ایک کثیر جماعت سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے''۔ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔'' ہم گروہ انبیاء کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے'' نبی صادق و مصدوق نے خبر دی ہے کہ انبیاء کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا جیسا کہ

دوسرے لوگوں کے مال وارثوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کی رحلت کے بعد ان کا ترکہ غریبوں اور محتاجوں میں بطور صدقہ تقسیم ہو جاتا ہے۔ اور یہ مال اقرباء کو نہیں ملتا۔ کیونکہ دنیا ان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتی اور یہ بھی اللہ کریم کی طرح دولت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور چنیدہ لوگ ہوتے ہیں۔

حافظ ابوبکر بیہقی فرماتے ہیں کہ ہمیں ابوعبداللہ الحافظ نے، ہمیں علی بن حشاد نے بتایا، ہم سے اسماعیل بن قتیبہ نے۔ ہم سے علی بن قدامہ نے، ہم سے ابوجعفر الاسوانی یعنی محمد بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا۔ انہوں نے ابو یعقوب العمی سے روایت کیا مجھ سے ابومالک نے بیان کیا۔ فرمایا: سلیمان بن داؤد علیہما السلام ایک چڑے کے قریب سے گزرے جو چڑیا کے ارد گرد گھوم رہا تھا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ ساتھیوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی آپ ہی بتائیے۔ آپ علیہ السلام نے بتایا: چڑا مادہ کو اپنی مقصد برآری کی دعوت دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے تو مجھ سے شادی کر لے وہ تجھے دمشق کے جس گھر میں تیرا جی چاہے گا رکھوں گا۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ دمشق کے مکانات پتھروں کے بنے ہوئے ہیں کوئی ان میں رہ نہیں سکتا۔ یہ نکاح کا طالب جھوٹا ہے۔

اسے ابن عساکر نے ابی القاسم زاہر بن طاہر سے، انہوں نے بیہقی سے انہیں الفاظ میں روایت کیا۔ اسی طرح دوسرے تمام حیوانات اور مختلف النوع مخلوق کی بولیاں آپ سمجھتے تھے اور اس کی دلیل بعد کی یہ آیت ہے۔ وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یعنی ہر وہ چیز جس کی ایک بادشاہ کو ضرورت ہوتی ہے۔ آلات جنگ، سپاہی، لشکر، جن وانس کی جماعت پرندوں کے جھنڈ۔ درندوں کی ٹولیاں۔ زمین پر سرگرداں شیاطین، تمام علوم وفنون ناطق وصامت مخلوق کے مافی الضمیر کا فہم یہ ساری نعمتیں میرے رب نے مجھے دے رکھی ہیں۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ۔ یعنی یہ فضل ہر بات کے پروردگار اور خالق ارض وسماء کا۔ جیسا کہ اگلی آیات میں تصریح فرمائی۔

"اور فراہم کیے گئے سلیمان کے لئے لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں سے پس وہ نظم وضبط کے پابند ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ گزرے چیونٹیوں کی وادی سے تو ایک چیونٹی کہنے لگی۔ اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنی بلوں میں۔ کہیں کچل کر نہ رکھ دیں تمہیں سلیمان اور ان کے لشکر اور انہیں معلوم ہی نہ ہو (کہ تم پر کیا گزر گئی) تو سلیمان مسکراتے ہوئے ہنس دیے اس کی اس بات سے اور عرض کرنے لگے میرے مالک! مجھے توفیق دے تاکہ میں شکر ادا کروں تیری نعمت (عظمیٰ) کا جو

تو نے مجھ پر فرمائی اور میرے والدین پر نیز (مجھے توفیق دے کہ) میں وہ نیک کام کروں جسے تو پسند فرمائے اور شامل کر لے مجھے اپنی رحمت کے باعث اپنے نیک بندوں میں"۔ (النمل: ۱۷-۱۹)

رب قدوس اپنے بندے اور نبی سلیمان ابن داؤد علیہما السلام کے بارے بتا رہا ہے کہ ایک دن آپ علیہ السلام اپنے لاؤلشکر سمیت روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں جن وانس چرند پرند ہر قسم کی مخلوق تھی۔ جن اور انسان آپ کے ساتھ چل رہے تھے اور پرندے اپنے پروں سے لشکر پر سایہ کیے ساتھ اڑ رہے تھے۔ اول تا آخر پورا لشکر بڑے سکون سے پروں کی چھاؤں میں رواں دواں تھا۔ ہر فرد اپنی جگہ محو سفر تھا نہ کوئی لشکر سے آگے نکلنے کی جسارت کرتا اور نہ پیچھے رہنے کا خیال دل میں لاتا۔

"یہاں تک کہ وہ ایک ایسی وادی میں پہنچے جہاں چیونٹیاں رہائش پذیر تھیں۔ ایک چیونٹی بولی۔ اے چیونٹی اپنی بلوں میں گھس جاؤ کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تم کو بے دھیانی میں روند نہ ڈالے"۔

وہب کے بقول حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر طائف کی ایک وادی سے ہوا۔ آپ ایک تخت پر تھے جسے ہوا اڑائے جا رہی تھی۔ جس چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں کو خبردار کیا اس کا نام "جرسا" تھا اور وہ بنوالشیعبان قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کے بقول یہ چیونٹی قد وقامت میں بڑے جتنی تھی اور لنگڑی تھی۔

وہب کا قول محل نظر ہے۔ سیاق کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے گھڑسواروں اور لشکریوں میں ایک گھوڑے پر سوار سفر کر رہے تھے۔ نہ کہ وہ اڑن تخت پر اڑتے جا رہے تھے۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کیونکہ صورت حال اگر یہ ہوتی تو چیونٹیوں کے کچلے جانے کا خدشہ بے وجہ تھا۔ یہ واقعہ ہی پیش نہ آتا۔

المختصر سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی گفتگو سمجھ گئے کہ وہ اپنی قوم کو بچنے کی تلقین کر رہی ہے تو آپ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خصوصی نعمت سے نوازا تھا جس سے باقی تمام لوگ محروم تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام سے پہلے تمام جانور انسانوں سے گفتگو کرتے تھے۔ سلیمان علیہ السلام نے ان سے عہد لیا اور انہیں ہمیشہ کے لئے خاموش کروا دیا۔ اسی عہد کی وجہ سے اب وہ لوگوں سے گفتگو نہیں کرتے۔ یہ قصہ محض جہالت کی پیداوار ہے۔ اگر اسے سچ مان لیا جائے تو سلیمان علیہ السلام کے لئے کوئی خصوصیت نہیں رہتی۔

پھر سلیمان علیہ السلام کے علاوہ دوسرے لوگوں سے جانوروں کے گفتگو نہ کرنے میں کوئی مصلحت بھی نظر نہیں آتی۔

اسی لئے انہوں نے دعا کی رب اوزعنی۔ یعنی اے میرے رب میری رہنمائی فرما اور مجھے وحی کے نور سے نواز۔ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ آپ علیہ السلام نے اللہ کریم سے دعا کی مولا مجھے ان نعمتوں پر شکر کرنے کی توفیق دے جن سے تو مجھے نوازا ہے۔ مجھے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں خصوصیت عطا کرتے ہوئے مملکت و نبوت اور جانوروں کی بولیوں کی فہم سے نوازا ہے۔ مجھے عمل صالح کی توفیق دے اور اپنے نیک بندوں کے ساتھ میرا حشر فرما اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی اس دعا کو قبول فرمایا۔

والدین سے مراد حضرت داود علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ ہیں۔
سلیمان علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نہایت ہی عابدہ اور صالحہ خاتون تھیں۔ جیسا کہ سنید بن داؤد، یوسف بن محمد بن المنکدر سے، وہ اپنے باپ سے، وہ حضرت جابر سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سلیمان بن داؤد کی والدہ ماجدہ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! رات کو زیادہ نہ سویا کر۔ کیونکہ رات کو زیادہ سونا قیامت کے دن محتاج بنا دیتا ہے"۔

اسے ابن ماجہ نے اپنے چاروں مشائخ سے انہی الفاظ کے ساتھ اسی سند کے ذریعے روایت کیا ہے۔

عبدالرزاق عمر سے، اور وہ زہری سے، روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام اور آپ کے ساتھی دعائے استسقاء کے لئے نکلے۔ دیکھا تو ایک چیونٹی اپنی ٹانگ اٹھا کر بارش کی دعا مانگ رہی ہے۔ آپ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا واپس چلو تمہاری بارش کی دعا قبول ہوگئی۔ اس چیونٹی نے بارش کی دعا مانگی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو قبول فرمالیا ہے"۔

ابن عساکر کہتے ہیں: یہ حدیث مرفوعا بھی روایت کی گئی ہے۔ مگر اس میں سلیمان علیہ السلام کا نام نہیں ہے۔ پھر ابن عساکر محمد بن عزیز کے حوالے سے وہ سلامہ بن روح بن خالد سے وہ عقیل سے وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے ابو سلمہ نے بیان کیا۔ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:"

ام میں سے ایک نبی لوگوں کی معیت میں اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگنے کی غرض سے نکلا
دیکھتے ہیں کہ ایک چیونٹی اپنی ٹانگ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگ رہی ہے۔
لی کے اس نبی نے فرمایا: واپس چلو اس چیونٹی کے طفیل تمہاری بارش کی دعا سنی جا چکی ہے"
مزید فرماتے ہیں کہ "عہد سلیمانی میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے آپ نے لوگوں کو حکم دیا
سے باہر نکلے (کہ بارش کی دعا کریں) تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چیونٹی اپنی ٹانگ پھیلائے
ہے اور دعا کر رہی ہے: "اے اللہ! میں تیری مخلوق کا ایک فرد ہوں تیرے فضل کے بغیر ہم
ں کر سکتے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بارش سے نوازا"

رب قدوس کا ارشاد ہے:

اور آپ نے (ایک روز) پرندوں کا جائزہ لیا۔ تو فرمانے لگے کیا وجہ ہے کہ مجھے (آج
ر آرہا۔ یا وہ ہے ہی غیر حاضر (اگر وہ غیر حاضر ہے) تو میں ضرور اسے سخت سزا دوں گا یا
ذبح ہی کر ڈالوں گا یا اسے لانا پڑے گی میرے پاس کوئی روشن سند۔ پس کچھ زیادہ دیر نہ
ی (کہ وہ آگیا) اور کہنے لگا میں ایک ایسی اطلاع لے کر آیا ہوں جس کی آپ کو خبر نہ تھی، وہ
) میں لے آیا ہوں آپ کے پاس ملک سبا سے ایک یقینی خبر۔ میں نے پایا ایک عورت کو جو
حکمران ہے اور اسے دی گئی ہے ہر قسم کی چیز سے اور اس کا ایک عظیم (الشان) تخت ہے۔
نے پایا ہے اسے اور اس کی قوم کو کہ وہ سب سجدہ کرتے ہیں سورج کو سوائے اللہ تعالیٰ کے
راستہ کر دیئے ہیں ان کے لئے شیطان نے ان کے (یہ مشرکانہ) اعمال پس اس نے روک
ہے انہیں (سیدھے) راستہ سے پس وہ ہدایت قبول نہیں کرتے۔ وہ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ
کو جو نکالتا ہے پوشیدہ چیزوں کو آسمانوں اور زمین سے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو
ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔ آپ نے
اہم پوری تحقیق کریں گے اس بات کی کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو بھی غلط بیانی کرنے والوں
ے لے جا میرا یہ مکتوب اور پہنچا دے ان کی طرف پھر ہٹ کر کھڑا ہو جا ان سے اور دیکھ وہ
مرے سے کیا گفتگو کرتے ہیں۔ (خط پڑھ کر) ملکہ نے کہا اے سرداران قوم! پہنچایا گیا
میری طرف ایک عزت والا خط۔ یہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے اللہ کے
ے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن (اور) رحیم ہے تو لوگ غرور و تکبر نہ کرو میرے مقابلے میں چلے
میرے پاس فرمانبردار بن کر۔ ملکہ نے کہا اے سرداران قوم! مجھے مشورہ دو اس معاملہ میں۔
میں کوئی فیصلہ نہیں کیا کرتی جب تک تم موجود نہ ہو، کہنے لگے ہم بڑے طاقت ور سخت جنگجو

ہیں۔ اور فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے آپ غور کر لیں کہ کیا حکم دینا چاہتی ہیں ملکہ نے کہا اس میں شک نہیں کہ بادشاہ جب داخل ہوتے ہیں کسی بستی میں تو اسے برباد کر دیتے ہیں اور بنا دیتے ہیں وہاں کے معزز شہریوں کو ذلیل۔ اور یہی ان کا دستور ہے۔ (اس لئے جنگ کرنا قرین دانشمندی نہیں اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف ایک تحفہ پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں سو جب قاصد آپ کے پاس (ہدیہ لے کر) آیا تو آپ نے فرمایا کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو (سنو!) جو عطا فرمایا ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ بہتر ہے اس سے جو تمہیں دیا ہے۔ بلکہ تم تو اپنے ہدیہ پر پھولے نہیں سمائے (گویا کوئی بڑی نادر چیز لائے ہو) تو واپس چلا جا ان کے پاس اور ہم آرہے ہیں ان کی طرف ایسے لشکر لے کر جن کے مقابلے کی ان میں تاب نہیں اور ہم یقیناً نکال دیں گے انہیں اس شہر سے ذلیل کر کے اور وہ خوار اور رسوا ہو چکے ہوں گے ۔(النمل ۲۰_۳۰)

ان آیات کریمہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہدہد کے واقعہ کو بیان کیا جارہا ہے۔ کیونکہ آپ کے پاس ہر قسم کے پرندے تھے۔ ایسے پرندے بھی تھے جن کی ڈیوٹی ہی یہ ہوتی کہ آپ جس چیز کو طلب کرتے وہ حاضر کر دیتے۔ اور جس طرح بادشاہوں کے دربار میں لشکری وقفے وقفے سے حاضر ہوتے رہتے ہیں یہ پرندے بھی اپنی اپنی باری پر خدمت میں حاضر رہتے۔ ہدہد کی یہ ڈیوٹی تھی کہ جب صحراء میں سفر کرتے ہوئے پانی نہ مل سکتا تو یہ پانی کو تلاش کرتا جیسا کہ حضرت ابن عباس اور دوسرے کئی مفسرین کی روایت سے ثابت ہے۔ ہدہد کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت بخشی ہے کہ وہ پانی کو زمین کی تہہ سے بھی دیکھ لیتا ہے۔ جہاں ہدہد پانی کی نشاندہی کرتا اس جگہ پر کنواں کھود کر پانی حاصل کر لیا جاتا۔ اور صحراء میں لوگ اس سے اپنی پیاس بجھاتے اور دوسری ضروریات میں بھی استعمال کرتے۔ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو طلب فرمایا تو وہ اپنی خدمت کی جگہ سے غائب پایا گیا۔ فَقَالَ مَالِیُ لاَ اَرَیٰ الْھُدْ ھُدْ اَمْ کَانَ الْغَائِبِیْنَ ۔ یعنی کیا وجہ ہے کہ آج وہ غائب ہے اپنی خدمت کی جگہ موجود نہیں۔ یا مجھے نظر نہیں آرہا۔ لَاُ عَذِّبَنَّہُ عَذَاباً شَدِیْدًا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دھمکی دی۔ کہ اگر وہ غائب ہوا تو اسے سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مفسرین کا سزا کی نوعیت کے بارے اختلاف ہے۔ بہر حال نوعیت کوئی بھی ہو مقصود سزا تھی۔ اولا ذبحنه اولیا تینی بسلطان مبین ۔ یا میں اسے ذبح کر دوں گا یا پھر اسے اپنے غائب ہونے کی کوئی مناسب دلیل لانا پڑے گی جو اسے اس ہلاکت سے بچا لے۔

رب قدوس کا فرمان ہے فَمَکَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ یعنی ہدہد کچھ دیر کے لے غائب رہا۔ پھر حاضر خدمت ہوا۔ اور عرض کیا اَحَطْتُّ بِمَالَمْ تُحِطْ بِہٖ یعنی میں ایسی خبر لے کر آیا ہوں جس سے آپ واقف نہیں تھے۔ وَجِئْتُکَ مِنْ سَبَاءٍ بِنَبَاءٍ یَقِیْنٍ ۔

یعنی میں سبا کے متعلق ایک سچی خبر لے کر آیا ہوں۔ اور وہ خبر یہ ہے کہ سبا میں ایک عورت ہے جو بادشاہی کر رہی ہے۔ اسے دنیا کی ہر نعمت میسر ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک عظیم تخت کی مالک ہے۔ ہدہد نے یمن کے علاقوں میں ملکہ اس کے وزراء اور اعیان حکومت کے بارے میں تمام تفصیلات بتائیں یہ بھی بتایا کہ۔ بادشاہ کی چونکہ نرینہ اولاد نہیں تھی اس لئے اس کی وفات کے بعد اس کی بیٹی کو وہاں کی عوام نے اپنا بادشاہ مقرر کر دیا ہے۔ اور وہ باپ کے تاج کی وارث قرار پائی ہے۔

ثعلبی اور چند دوسرے علماء بیان کرتے ہیں کہ سباء کے بادشاہ کی وفات کے بعد ایک مرد کی رسم تاج پوشی ہوئی لیکن فساد پھوٹ پڑا۔ بادشاہ کی بیٹی نے اس شخص کو پیغام نکاح بھیجا اور اس نے قبول کر کے اس سے شادی کر لی۔ جب وہ رات کو اس کے حجلہ عروسی میں داخل ہوا تو اس نے اسے شراب پلائی اور جب وہ نشے میں دھت ہوا تو اس عورت نے اس کا سر قلم کر کے دروازے پر لٹکا دیا۔ لوگوں نے بادشاہ کی اس بیٹی پر اتفاق کر لیا اور اسے تاج پہنا کر بادشاہ مقرر کر دیا۔ یہ عورت بلقیس بنت سیرح تھی۔ سیرح کا اصل نام ہدہاد تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام شراحیل بن ذی جدن بن السیرح بن الحارث بن قیس بن صیفی بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان تھا۔ بلقیس کا باپ بڑا بادشاہ تھا۔ اس نے یمن کی کسی عورت سے شادی کی جس کا تعلق جنات کی نسل سے تھا۔ اور اس کا نام ریحانہ بنت السکن تھا۔ اسی کے بطن سے بلقیس نے جنم لیا۔ اس بچی کا نام تلقمہ تھا اور اسے بلقیس کہتے تھے۔

ثعلبی نے سعید بن بشیر کے حوالے سے قتادہ سے، انہوں نے نضر ابن انس سے انہوں نے بشیر بن نہیک سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے اور انہوں نے رسول ﷺ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”بلقیس کے والدین میں سے ایک جن تھا“ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔

ثعلبی فرماتے ہیں کہ مجھے ابو عبداللہ بن قجو نہ نے خبر دی ہم سے ابو بکر بن حرجہ نیہم سے ابو اللیث نے، ہم سے ابو کریب نے، ہم سے ابو معادیہ نے بیان کیا۔ انہوں نے اسماعیل سے، انہوں نے حسن سے، انہوں نے ابوبکرہ سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے

بارگاہ رسالت میں بلقیس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جنہوں نے عورت کو حکمران بنادیا''۔

اسے ترمذی، اور نسائی نے حمید کے حوالے سے روایت کیا۔ حمید نے حسن سے، انہوں نے ابوبکر سے، اہوں نے نبی کریم ﷺ سے اسی طرح روایت کیا۔ ترمذی کے بقول یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ رب قدوس کا فرمان ہے وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ یعنی جو ایک عورت اور ایک بادشاہ کی شان کے لائق ہے وہ سب نعمتیں بلقیس کو حاصل ہیں۔ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ یعنی مملکت کا تخت جو انواع واقسام کے لعل وجواہر سے مرصع ہے اور بڑے قیمتی اور نایاب زیورات سے سجا ہے۔

پھر ہدہد نے بتایا کہ وہ لوگ کافر ہیں۔ اللہ کو چھوڑ کر سورج کی پوجا کرتے ہیں شیطان نے انہیں گمراہ کر رکھا ہے۔ اس لعین کے کہنے سے انہوں نے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت چھوڑ کر مخلوق کی عبادت شروع کر رکھی ہے۔ اللہ جو زمین وآسمان کا مالک ہے۔ ظاہر وباطن کا جاننے والا ہے محسوسات اور معنویات اس کے احاطہ ادراک میں ہیں وہ اسے چھوڑ کر سورج کو اپنا دیوتا یقین کرتے ہیں۔ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ یعنی اللہ جو معبود حقیقی ہے اس کا تخت مخلوقات کے تختوں سے کہیں بڑا ہے۔

یہ باتیں سن کر سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے نام ایک خط ارسال فرمایا جس میں اسے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تبلیغ کی۔ اور لکھا کہ میرے سامنے اپنے آپ کو جھکا دے اور فرمانبردار بن کر حاضر ہو جا۔ قرآن کے الفاظ میں آپ نے لکھا اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ یعنی میری اطاعت وفرمانبرداری سے سرکشی نہ برتو وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ۔ بال چوں وچراں ہاتھ باندھے فرمانبرداروں کی طرح میری بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ۔ ہدہد خط لے کر بلقیس کے پاس پہنچا۔ آج اسی واقعہ کو سامنے رکھ کر لوگوں نے بھی خطوط ارسال کرنے کا یہ طریقہ ایجاد کرلیا ہے لیکن کہاں زمین اور کہاں آسمان۔ ایسا تفاوت کجا تا بکجا بہر حال مفسرین بیان کرتے ہیں کہ ہدہد نے خط لیا اور بلقیس کے پاس پہنچ گیا۔ بلقیس اپنے محل میں اکیلی بیٹھی تھی۔ ہدہد نے خط پھینک دیا۔ بلقیس نے اٹھایا۔ پڑھا اور اس کے مندرجات پر خوب غور وخوض کیا۔ لیکن کسی فیصلہ پر نہ پہنچی۔ فوراً دربار منعقد کیا۔ اعیان مملکت حاضر ہوئے۔ مسئلہ ان کے سامنے رکھا گیا۔ قرآن کے الفاظ میں بلقیس مخاطب ہوئی قالت یایھا الملا انی القی الی کتاب کریم ۔ پھر یہ خط انہیں پڑھ کر سنایا۔ خط کا عنوان تھا انه من سلیمان ۔ کہ یہ خط سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے۔ سرنامہ کے بعد لکھا تھا وانه بسم الله الرحمن الرحیم الا تعلو علی واتونی مسلمین (اور یہ خط کی عبارت

ہے) اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ تم لوگ غرور وتکبر نہ کرو اور میرے پاس فرمانبردار بن کر چلے آؤ بلقیس نے خط سنانے کے بعد اپنے عیان مملکت سے مشورہ کیا کہ ہمیں ان نئے نازک حالات میں کیا کرنا چاہیے۔ ان لوگوں نے اپنی ملکہ سے مشورہ کیا کہ ہمیں ان نئے نازک حالات میں کیا کرنا چاہیے۔ ان لوگوں نے اپنی ملکہ کا کمال احترام کیا بڑے ادب سے گزارش کی کہ ہم آپ کے غلام ہیں جو آپ کا فیصلہ سر آنکھوں پر۔ بلقیس نے کہا۔ یاایھا الملا افتونی فی امری ماکنت قاطعة امرا حتی تشهدون میں تمہاری عدم موجوگی میں کوئی فیصلہ نہیں کرتی۔ اس لئے اے میرے وفا شعار، عمائے مملکت اس مسئلے میں مجھے مشورہ دو قالوا نحن اولو قوة واولو باس شدید ۔ یعنی ہم بڑی طاقتور قوم ہیں اور دشمن کو جواب دینے کی ہم میں سکت اور حوصلہ موجود ہے۔ اگر تیرا حکم ہو تو ہم جنگ کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ لیکن الامر الیک فانظری ماذا تامرین فیصلہ آپ کے اختیار میں ہے آپ غور کریں کہ آپ کیا حکم دینا چاہتی ہیں۔ ان لوگوں نے بلقیس کو یقین دہانی کرا دی کہ اس نازک صورت حال میں آپ کا ہر ایک حکم سنا جائے گا اور اس کی اطاعت ہوگی اور ساتھ ساتھ اسے آگاہ بھی کر دیا کہ ہم میں لڑنے اور مقابلے کرنے کی استطاعت ہے تمام امور اسی کو تفویض کر دیے کہ جو تو مناسب خیال کرے فیصلہ صادر کردے۔

بلقیس کی رائے ان تمام لوگوں کی نسبت زیادہ مکمل اور صائب تھی وہ جانتی تھی کہ خط لکھنے والا کوئی آدمی نہیں۔ وہ نہ تو مغلوب ہوسکتا ہے۔ نہ اس کے قدم روکے جاسکتے ہیں نہ اسے دھوکا دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کی مخالفت کی جاسکتی ہے۔ قالت ان الملوک اذا دخلوا قریة افسدوها وجعلوا اعزة اهلها اذلة وکذالک یفعلون ۔ بلقیس نے اپنی حتمی رائے سے انہیں آگاہ کر دیا۔ کہنے لگی کہ یاد رکھو اگر وہ بادشاہ ہماری اس مملکت کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا تو سارا بوجھ اور ساری شدت صرف اور صرف مجھے اٹھانا ہوگی۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ انی مرسلة الیهم بهدیة فناظرة بم یرجع المرسلون ۔ میں کچھ تحفے بھیج رہی ہوں۔ دیکھیں قاصد کیا پیغام لاتا ہے۔ اس کی معلومات میں آخری فیصلہ کیا جائے گا۔ دراصل وہ سلیمان علیہ السلام کو پرکھنا چاہتی تھی کہ وہ کس کا بادشاہ ہے۔ اس نے تحائف دے کر ایک قاصد روانہ کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ نبی سلیمان تحفے قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ کافر ہیں اور یہ بھی جانتی تھی کہ ان کے لشکروں میں لڑنے کی طاقت کس حد تک ہے۔ بہر حال لما جاء سلیمان قال اتمدونن بمال فما آتانی الله خیر مما آتاکم بل انتم بهدیتکم تفرحون ۔

یہ تحفے بڑی بڑی چیزوں پر مشتمل تھے۔ مفسرین نیان چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے قاصد سے فرمایا جبکہ اس گفتگو کو لوگ سن رہے تھے۔ **ارجع الیھم فلنا تینھم بجنود لا قبل لھم بھا ولنخر جنھم منھا اذلۃ وھم صاغرون** تو اپنے یہ تحفے لے کر وہیں چلا جا جہاں سے یہ لیے کر آیا ہے۔ میرے پاس اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ وہ نعمتیں ہیں، وہ دولت ہے۔ وہ تحفے ہیں اور ایسے خدمت گزار ہیں کہ تم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جن تحفوں پر تم اتنے نازاں وفرحاں ہو۔ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ **فلنا تینھم بجنود لا قبل لھم بھا** ۔یعنی میں ایسے لشکر روانہ کروں گا جس کے مقابلے کی تم میں سکت نہیں ہوگی۔ نہ تم اس لشکر کا راستہ روک سکو گے نہ اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک سکو گے ان کے ساتھ قتال کرنے کی تم میں سکت ہوگی۔ وہ لشکر تمہیں دربدر کر کے رکھ دے گا۔ تمہیں اپنے شہروں کو چھوڑنے پر مجبور کر دے گا اور اپنی جنم بھومی میں بھی ٹھہر نہیں سکو گے۔ وہ لشکر تمیں ذلیل خوار کر دے گا۔ تمہاری عزت خاک میں مل جائے گی۔ **وھم صاغرون** ذلت ورسوائی تمہارا مقدر ٹھہرے گی اور تم سب فنا کے گھاٹ اتار دیئے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے جب انہیں یہ بات پہنچی تو ان کے سامنے اطاعت وفرمانبرداری کے سواء اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ اسی وقت آپ کی بات کو قبول کر لیا۔ تمام اپنی ملکہ کی معیت میں ہاتھ باندھے سر جھکائے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کے لئے چل دیئے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو اطلاع ملی کہ ملکہ سباء اپنے خاصان مملکت کی معیت میں حاضری دینے آرہی ہے تو آپ جنوں سے مخاطب ہوئے جو آپ کے لئے مسخر کر دیے گئے تھے۔ قرآن کریم نے اس واقع کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

آپ نے فرمایا اے (میرے) درباریو! کون تم سے لے آئیگا میرے پاس اس کے تخت کو اس سے پہلے کہ وہ آ جائیں میری خدمت میں فرمانبردار بن کر۔ عرض کی ایک عفریت نے جنات میں سے (حکم ہو تو) میں لے آتا ہوں آپ کے پاس اسے پیش ازیں کہ آپ کھڑے ہوں اپنی جگہ سے۔ اور بے شک میں اس کو اٹھا لانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں (اور) امین بھی ہوں۔ عرض کی اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا (اجازت ہو تو) میں لے آتا ہوں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے کہ آپ کی آنکھ جھپکے۔ پھر جب آپ نے اسے دیکھا کہ وہ رکھا ہوا ہے آپ کے نزدیک تو فرمانے لگے یہ میرے رب کا فضل (وکرم) ہے۔ تا کہ وہ آزمائے مجھے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لئے۔ اور جو ناشکری کرتا

(وہ اپنا نقصان کرتا ہے) بلاشبہ میرا رب غنی بھی ہے (اور) کریم بھی۔ آپ نے حکم دیا شکل بدل دو اس کے لئے اس کے تخت کی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حقیقت پر آگاہ ہوتی ہے۔ یا ہو جاتی ہے لوگوں سے جو حقیقت کو نہیں پہچانتے۔ سو جب وہ آئی تو اس سے پوچھا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے۔ کہنے لگی یہ تو ہو بہو وہی ہے۔ اور ہمیں اطلاع مل گئی تھی اس واقعہ کی اس سے پہلے اور ہم فرمانبردار بن کر حاضر ہوئے ہیں اور روک رکھا تھا اسے (ایمان لانے سے) ان بتوں نے جن کی وہ عبادت کیا کرتی تھی اللہ تعالیٰ کے سوا۔ بے شک وہ قوم کفار سے تھی۔ اسے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ۔ پس جب اس نے دیکھا اس (کے بلوریں فرش) کو تو اس نے خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے اور اس نے کپڑا اٹھا لیا اپنی دونوں پنڈلیوں سے۔ آپ نے فرمایا (یہ پانی نہیں) یہ تو محل ہے بلور کا بنا ہوا (اس کی آنکھیں کھل گئیں) کہنے لگی اے میرے رب! میں آج تک ظلم کرتی رہی اپنی جان پر اور (اب) ایمان لائی ہوں سلیمان کے ساتھ اللہ پر جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ (النمل: ۳۸۔۴۴)

جب سلیمان علیہ السلام نے جنوں سے مطالبہ کیا کہ وہ بلقیس کا معروف تخت لے آئیں جس پر وہ بیٹھ کر فیصلے سناتی ہے تو **قال عفریت من الجن انا آتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک** ۔یعنی مجلس حکم کے برخاست ہونے سے قبل لے آؤں گا۔ کہتے ہیں کہ آپ صبح سویرے عدالت منعقد کرتے اور زوال تک برابر بنی اسرائیل کے درمیان پھوٹنے والے جھگڑوں کا فیصلہ فرماتے رہتے جن نے زوال سے قبل تخت بلقیس کے لانے کے بارے عرض کیا تھا۔ **وانی علیہ لقوی امین** یعنی میں اس تخت کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہوں۔ بلا کمی شئی وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ **قال عندہ علم من الکتاب** ۔مشہور یہ ہے کہ یہ عالم آصف بن برخیا تھے۔ جو رشتہ میں سلیمان علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ ایماندار جنوں میں سے تھے۔ اور مشہور ہے کہ انہیں اسم اعظم یاد تھا۔ ایک قول کے مطابق بنی اسرائیل کا ایک عالم تھا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ وہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔ لیکن یہ قول بہت غریب ہے۔ سہیلی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ کیونکہ سیاق کلام اس کی تردید کرتا ہے ... فرماتے ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک تخت لانے والے حضرت جبرائیل امین تھے۔ **انا آتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک** ایک قول کے مطابق اسکا مفہوم یہ ہے کہ تخت لانے میں اتنی دیر لگے گی جتنی دیر کہ آپ منتہائے نظر تک ایک قاصد کو بھیجیں اور وہ واپس آ جائے۔ ... کہتے ہیں کہ اس سے مراد پلک جھپکنے کی دیر ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ

بلقیس کا تخت لانے میں اتنی دیر ہوگی جتنی دیر آپ اپنی آنکھ کو کھلا رکھ سکتے ہیں۔ اور یہ قول زیادہ صحیح محسوس ہوتا ہے۔

فلما رآہ مستقرا عندہ یعنی اس مختصر مدت میں بلقیس کے تخت کو یمن سے بیت المقدس میں اپنے سامنے دیکھ کر اللہ کی بارگاہ میں عرض کی۔ هذا من فضل ربی لیبلونی اشکرام اکفر یعنی یہ میرے رب کا فضل ہے۔ اور اس کا فضل اپنے بندے پر ایک آزمائش ہے۔ کہ کیا وہ شکر بجالاتا ہے۔ یا کفران نعمت کی روش اختیار کرتا ہے۔ ومن شکر فانما یشکر لنفسہ ۔یعنی شکر کا فائدہ تو شکر کرنے والے کو پہنچتا ہے ومن کفر فان ربی غنی کریم ۔یعنی میرا رب شکر کرنے والوں کے شکر سے بے نیاز ہے اور اسے کفر کرنے والوں کو کفر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس تخت میں جڑے زیورات میں کچھ تبدیلی کی جائے اور اسے بلقیس کے لئے ایک غیر معروف تخت بنا دیا جائے۔ مقصد یہ تھا کہ اس کی فہم وفراست اور عقل ودانش کا اندازہ لگایا جائے۔ لہٰذا آپ نے فرمایا۔ ننظر اتھتدی ام تکون من الذین لا یھتدون . فلما جاء ت قیل اھکذا عرشک قالت کانہ ھو۔

یہ بلقیس کی فطانت اور کمال عقلمندی کا ثبوت تھا۔ کیونکہ اس کے نزدیک یہ وہ تخت نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ وہ تو اسے اپنے پیچھے سرزمین یمن میں چھوڑ آئی تھی۔ اور یہ بات اس کی وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ کوئی یہ کارنامہ بھی سرانجام دے سکتا ہے کہ اتنی مسافت سے اتنا بڑا تخت تھوڑی سی دیر میں ارض بیت المقدس میں حاضر کردے۔ رب قدوس نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کی قوم کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا۔ واوتینا العلم من قبلھا وکنا مسلمین و صدھا ماکانت تعبد من دون اللہ انھا کانت من قوم کافرین ۔یعنی سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو سورج کی عبادت سے روکا۔ بلقیس اور اس کے ہم قوم سورج کی عبادت کسی دلیل کی بناء پر نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کرتے ہوئے انہوں نے اس باطل دین کا اختیار کررکھا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی آمد سے پہلے یہ حکم دیا تھا کہ شیشے کا ایک محل تعمیر کیا جائے اور اس کا فرش اس انداز سے بنایا جائے کہ نیچے پانی چلتا نظر آئے۔ محل کی چھت بھی شیشے کا ہو اور فرش کے نیچے پانی میں مچھلیاں اور دوسرے آبی جانور چھوڑ دیے جائیں۔ جب یہ محل تعمیر ہو چکا تو بلقیس بھی آ پہنچی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اسی محل میں تخت پر جلوہ افروز ہوئے اور

...م دیا کہ ملکہ اور اس کے اعیان مملکت کو پیش کیا جائے۔ فلما راتہ حسبتہ الجة وکشفت ...ن ساقیھا . قال انہ صرح ممرد من قواریر قالت رب انی ظلمت نفسی واسلمت ...سلمان للہ رب العالمین ۔

جب بلقیس نے اس بلوریں فرش کو دیکھا تو سمجھی کہ گہرا پانی ہے۔ اس لئے دونوں ...لیوں سے کپڑا اٹھالیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا یہ پانی نہیں چمکدار محل ہے اور اس کا ...ل بلور کا بنا ہوا ہے جس کی وجہ سے تجھے پانی نظر آرہا ہے۔ بلقیس کی آنکھیں کھل گئیں بارگاہ ...اوندی میں عرض کی رب العالمین! میں آج تک اپنے آپ پر ظلم ڈھاتی رہی ہوں میں سلیمان ...السلام کے معبود اللہ رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں۔ ایک قول کے مطابق یہ کارستانی جنوں ...تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ سلیمان علیہ السلام بلقیس کو بدشکل گمان کریں۔ اس کی ٹانگوں پر بال تھے ...لئے انہوں نے اپنی جیسی کیفیت پیدا کرکے اس کو کپڑا اٹھا کر پنڈلیاں ننگی کرنے پر مجبور کردیا۔ ...ل بعض بلقیس چونکہ ایک جنی کی نسل سے تھی اس لئے اس کے پاؤں گھوڑے جیسے تھے۔ پہلا ...محل نظر ہے اور دوسرا قول ضعیف ہے۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے شادی کرنے کا ارادہ ...تو انسانوں سے پوچھا کہ بال صاف کرنے کے لئے کیا استعمال کیا جائے۔ انسانوں نے ...زے کی تجویز پیش کی لیکن بلقیس نے اس کے استعمال سے انکار کردیا۔ آپ نے جنوں سے ...چھا تو انہوں نے بال صاف کرنیوالے پوڈر کا مشورہ دیا اور آپ کے لئے حمام تعمیر کردیا۔ ...رت سلیمان علیہ السلام پہلے انسان ہیں جنھوں نے حمام میں قدم رکھا جب انہوں نے اس کی ...ا کو محسوس کیا تو تکلیف کی وجہ سے ہائے ہائے کرنے لگے۔ اور فرمایا ہائے اس سے پہلے کہ ...ے نفع نہیں دے گی۔

ثعلبی وغیرہ بیان کرتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے شادی کی اور ...ہا یمن کی بادشاہت سے معزول نہ کیا وہ حسب سابق یمن کی ملکہ رہیں۔ آپ نے انہیں واپس ...ن بھیج دیا اور خود بیت المقدس میں رہے۔ ہر مہینے تشریف لے جاتے اور تین دن وہاں قیام ...رتے۔ آپ نے یمن میں بلقیس کے لئے تین محل بھی تعمیر کروائے جو غمدان، سالحین اور بیتون ...ناموں سے مشہور تھے۔ واللہ عالم

ابن اسحاق بعض اہل علم سے وہ وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ ...نے بلقیس سے خود عقد نکاح نہیں فرمایا بلکہ یمن کے بادشاہ سے اس کا نکاح کردیا اور یمن

کے بادشاہ زوبعہ کو مسخر کرنے کے بعد یمن میں بلقیس کے لئے تین محل تعمیر کروائے جن کا ذکر ابھی آپ پڑھ رہے تھے۔ لیکن پہلا قول زیادہ مشہور اور زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ عالم۔

رب قدوس کا ارشاد ہے:

اور ہم نے عطا فرمایا داؤد کو سلیمان (جیسا فرزند) بڑی خوبیوں والا بندہ بہت رجوع کرنے والا۔ جب پیش کیئے گئے آپ پر سہ پہر کو تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے۔ تو آپ نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کیلئے (پھر انہیں چلانے کا حکم دیا) یہاں تک کہ چھپ گئے پردہ کے پیچھے۔ (حکم دیا) واپس لاؤ انہیں میرے پاس۔ تو ہاتھ پھیرنے لگے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر۔ اور ہم نے نے فتنہ میں ڈالا سلیمان علیہ السلام کو اور ڈال دیا ان کے تخت پر ایک بے جان جسم پھر وہ (ہماری طرف) متوجہ ہوئے عرض کی میرے رب! مجھے معاف فرما دے اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت جو کسی کو میسر نہ ہو میرے بعد۔ بے شک تو ہی بے اندازہ عطا کرنے والا ہے۔ پس ہم نے ہوا کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا چلتی تھی آپ کے حسب حکم آرام سے جدھر آپ چاہتے اور سب دیو بھی ماتحت کر دیے کوئی معمار اور کوئی غوطہ خور۔ اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) باندھ دیئے گئے زنجیروں میں (اے سلیمان!) یہ ہماری عطا ہے چاہے (کسی کو بخش کر) احسان کر چاہے اپنے پاس رکھ تم سے باز پرس نہ ہوگی۔ اور بے شک انہیں ہمارے ہاں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام۔

(ص:۳۰۔۴۰)

اللہ نے داؤد علیہ السلام کو ایک بیٹے سلیمان سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ ان آیات کریمہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک بیٹے سلیمان علیہ السلام کی تعریف فرما رہا ہے۔ فرمایا: نعم العبد انہ اواب۔ یعنی اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والا اور اطاعت میں کمر بستہ۔ اللہ تعالیٰ اس کے بعد گھوڑں کا واقعہ بیان کرتا ہے۔ الصافنات سے مراد گھوڑے ہیں جو صرف تین ٹانگوں پر کھڑے ہوتے ہیں اور چوتھی ٹانگ کا صرف کھر ٹیکتے ہیں۔ الجیاد سے مراد تیار شدہ تیز رفتار فقال انی اجببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب۔ اس سے مراد سورج ہے سورج حجاب کے پیچھے چھپ گیا یعنی غروب ہو گیا۔ بعض کے نزدیک توارت کا فاعل گھوڑے ہیں۔ یعنی گھوڑے آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ اور کسی آڑ میں چلے گے۔ جیسا کہ عنقریب ہم ان دنوں اقوال کو ذکر کریں گے۔ ردوھا علی فطفق مسحا بالسوق والاعناق۔ کہتے ہیں کہ آپ نے گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تلوار سے کاٹ دیا بعض کے نزدیک ان کے پینے کو

...اف کیا کیونکہ وہ چل کر آئے تھے اور ایک قول کے مطابق آپ کے سامن جب گھڑ دوڑ کا مقابلہ ہوا اور گھوڑے پسینے سے شرابور واپس پہنچے تو آپ علیہ السلام نے ان کی گردن اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرا۔

اکثر مفسرین نے پہلا قول اختیار کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ گھوڑوں کی دیکھ بھال میں مصروف رہے حتی کہ عصر کی نماز قضا ہوگئی اور سورج غروب ہوگیا۔ یہ قول حضرت علی اور دوسرے لوگوں سے روایت کیا گیا ہے۔ جو بات اس سلسلے میں قطعی طور پر کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے بلا عذر ایک نماز بھی ترک نہیں فرمائی۔ ہاں اتنی بات کہی جاسکتی ہے کہ آپ کی شریعت میں یہ امر جائز تھا کہ جہاد یا کسی اور مقصد کے لئے نماز کو موخر کر دیا جائے۔ آپ نے اسباب جہاد کی خاطر نماز موخر کی ترک نہیں فرمائی۔ بعض علماء کرام نے دعوی کیا ہے کہ شریعت محمد میں لڑائی کے دوران نماز موخر کرنا جائز تھا۔ صلاۃ الخوف کے ساتھ یہ حکم منسوخ ہوا۔ اسی لئے خندق کی لڑائی کے دن حضور علیہ السلام ﷺ نے عصر کی نماز کو موخر فرمایا تھا۔ یہ قول حضرت امام شافعی وغیرہ کا ہے۔ مکحول اور اوزاعی فرماتے ہیں کہ تاخیر کا یہ حکم آج تک موجود ہے۔ شدید جنگ کے وقت نماز کو موخر کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ سورۃ النساء میں صلاۃ الخوف کے ضمن میں ہم نے اس چیز کو تفصیلا ذکر کیا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ خندق کی جنگ کے دن حضور ﷺ بھول گئے جس کی وجہ سے نماز موخر ہوگئی۔ اس آخری قول کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو یاد نہ رہا ...مشغول رہے اور نماز جاتی رہی۔ واللہ عالم۔

جو شخص حتی توارت بالحجاب۔ میں عائد ضمیر کا مرجع گھوڑوں کو قرار دیتا ہے اس کے نزدیک تو نہ نماز کا وقت ختم ہوا اور نہ نماز قضا ہوئی ردو ھا علی فطفق مسحابالسوق والا عناق سے مراد گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو کاٹنا مراد نہیں بلکہ پسینہ صاف کرنا مراد ہے۔ یہ قول ابن جریر کا ہے۔ کیونکہ ابن جریر اس بات کو مستبعد سمجھتے ہیں کہ اللہ کا نبی بلاوجہ حیوانوں کو قتل کرے اور قیمتی مال بغیر گناہ کے ضائع کر دے۔ لیکن ابن جریر کی یہ توجیہہ محل نظر ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے سلیمان علیہ السلام کے مذہب میں یہ جائز ہو اور شریعت محمدی میں بعض علماء کے نزدیک بھی یہ حکم موجود ہے کہ جب مسلمانوں کو اندیشہ ہو کہ بھیڑ بکری وغیرہ حیوان دشمن کے ہاتھ لگ جائیں گے تو انہیں ذبح کر دینا جائز ہے تاکہ دشمن کی تقوبت کا باعث نہ بنیں۔ اسی لئے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ موتہ میں اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ ایک عظیم گھوڑا تھا۔ ایک قول کے مطابق دس ہزار ھوڑوں کی کونچیں کاٹی

گئیں۔ تیسرے قول کے مطابق ان میں سے بیس گھوڑے پروں والے تھے۔

حضرت ابوداؤد اپنی سنن میں بیان کرتے ہیں کہ ہم سے محمد بن عوف نے، ہم سے سعید بن ابی مریم نے بیان کیا۔ ہمیں یحییٰ بن ایوب نے اطلاع دی۔ مجھ سے عمارہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ غزوہ تبوک یا غزوہ خیبر سے واپس آئے طاقچہ پر کپڑا پڑا تھا۔ ہوا چلنے سے وہ پردہ ہٹ گیا اور حضرت عائشہ جن گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں وہ نظر آنے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا عائشہ یہ کیا ہے۔ عرض کیا۔ حضور! میری گڑیاں ہیں۔ حضور ﷺ نے دیکھا کہ درمیان میں ایک گھوڑا ہے جس کے پر کپڑے سے بنائے گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا گڑیوں کے درمیان کیا ہے۔ عرض کیا گھوڑا ہے آپ نے پوچھا: پروں والا گھوڑا؟ عرض کیا: کیا آپ نے سنا نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک گھوڑا تھا جس کے پر تھے؟ آپ فرماتی ہیں کہ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ہنس دیے حتیٰ کہ آپ کے داھڑیں مبارک نظر آنے لگیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آپ علیہ السلام نے گھوڑوں کو ترک کردیا تو اللہ پاک نے آپ کو ان کا نعم البدل عطا فرمایا۔ ایسی ہوا آپ کے لئے مسخر ہوگئی جو تھوڑی دیر میں آپ علیہ السلام کو ایک مہینے کی مسافت پر لے جاتی اور پھر واپس لے آتی۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم سے اسماعیل نے، ہم سے سلیمان بن مغیرہ نے بیان کیا انہوں نے حمید بن ہلال سے، انہوں نے ابو قتادہ سے اور ابوالدھماء سے روایت کیا۔ ابوقتادہ اور ابوالدھماء اکثر بیت المقدس کی طرف سفر کیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ہم ایک خانہ بدوش سے ملے اس نے ہمیں بتایا کہ رسول ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم سکھانے لگے۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: جب تو کوئی ایسی چیز ترک کرے گا جس سے اللہ تعالیٰ نے تجھے بچنے کا حکم دیا ہے تو وہ ضرور اس سے بہتر چیز عطا فرمائے گا"۔

رب قدوس کا ارشاد ہے:

ولقدفتنا سلیمان والقینا علی کرسیہ جسد اثم اناب

"اور ہم نے فتنہ میں ڈالا سلیمان علیہ السلام کو اور ان کے تخت پر ایک بے جان جسم کو ڈال دیا۔ پھر (وہ) ہماری طرف متوجہ ہوئے"۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور دوسرے کئی مفسرین نے یہاں سلف کی ایک جماعت کے حوالے سے کئی آثار بیان کیے ہیں۔ ان تمام آثار کا تعلق اسرائیلی روایات سے ہے۔ ان

تمارے اکثر آثار منکر ہیں۔ ہم نے اپنی تفسیر میں ان اقوال پر تنبیہ کی ہے۔ یہاں ہم صرف آیات کی تلاوت پر اکتفا کریں گے۔

سلیمان علیہ السلام چالیس دن تک اپنے تخت عدالت سے غائب رہے چالیس دن گزرنے کے بعد واپس آئے۔ اسی دوران بیت المقدس کو مضبوط بنیادوں پر تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو بیت المقدس کی تعمیر نو کی سعادت حاصل ہوئی۔ تعمیر اول حضرت اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کے ہاتھوں سرانجام پائی۔ اس ضمن میں ہم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول بھی نقل کیا تھا۔ آپ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد حرام۔ میں نے پوچھا پھر کونسی مسجد؟ آپ ﷺ نے بتایا: مسجد بیت المقدس۔ میں نے عرض کیا: ان دونوں کے درمیان کتنی مدت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا چالیس سال۔

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ مسجد حرام کے معمار حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سلمان علیہ السلام کے درمیان ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ حائل ہے۔ چالیس سال تو رہنے دیجئے۔ ان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ حضرت ابوذر کا سوال اس شخص کے بارے میں تھا جس نے آخر میں مسجد کی تکمیل کی اور اس کے بعد کسی اور نے تکمیل نہیں کی۔

امام احمد، نسائی، ابن خذینہ، ابن حبان اور حاکم نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ عبداللہ بن فیروز دیلمی سے وہ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر مکمل کی۔ تو رب قدوس سے تین دعائیں کیں اللہ تعالیٰ نے ان کی دو دعائیں کو شرف قبولیت عطا فرمایا اور ہم امید کرتے ہیں کہ تیسری دعا ہمارے لئے ہے۔ انہوں نے ایک دعا یہ کی۔ کہ میرا فیصلہ تیرے فیصلے کے مطابق ہو۔ اللہ نے ان کی یہ دعا قبول کی۔ دوسری دعا میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ایسے ملک کی التجا کی۔ جو ان کے بعد کسی اور کے نصیب میں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا بھی سن لی۔ اور انہوں نے تیسری دعا یہ کی کہ محض عبادت کی غرض سے جو شخص اس مسجد میں آئے تو اس حال میں نکلے کہ اس کے سارے گناہ معاف ہو چکے ہوں۔ اور وہ اس طرح پاک صاف ہو چکا ہو جیسے اس کی والدہ نے اسے ابھی جنا ہو۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کردی ہے۔

پس وہ حکم جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق تھا۔ اس کی تعریف قرآن کریم میں بایں الفاظ آئی ہے۔

''اور یاد کرو داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو جب وہ فیصلہ کر رہے تھے ایک کھیتی کے جھگڑے کا جب رات کے وقت چھوٹ گئیں اس میں ایک قوم کی بکریاں اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ سو ہم نے سمجھا دیا وہ معاملہ سلیمان کو۔ اور ان سب کو ہم نے بخشا تھا حکم اور علم''۔ (الانبیاء: ۷۸)

قاضی شریح اور کئی دیگر علماء سلف ذکر کرتے ہیں کہ ایک شخص کا انگوروں کا کھیت تھا۔ جس میں دوسری قوم کی بکریاں چھوٹ گئیں۔ اور اسے چٹ کر گئیں۔ ان بکریوں نے درختوں کو بے برگ و بار کر دیا۔ اور کچھ باقی نہ بچا۔ دونوں فریق حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دعوی دائر ہوا۔ فریقین کی گفتگو سن کر داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ دیا کہ ریوڑ کا مالک اس نقصان کی قیمت ادا کرے۔ جب فریقین عدالت سے باہر آئے۔ تو سلیمان علیہ السلام نے پوچھا اللہ تعالیٰ کے نبی نے کیا فیصلہ فرمایا ہے۔ تو انہوں نے صورت حال بیان کی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اگر میں ہوتا تو یہ فیصلہ دیتا کہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں اور وہ اس وقت تک ان کے دودھ اور اون سے فائدہ حاصل کرتا رہے جب تک کہ باغ صحیح ہو کر پھل نہ دینے لگ جائے۔ جب باغ ثمر بار ہو تو بکریاں مالک کو دے دی جائیں اور باغ باغ والے کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ بات حضرت داؤد علیہ السلام کے گوش گزار ہوئی تو آپ نے اپنا فیصلہ تبدیل کر دیا اور سلیمان کی رائے کے مطابق فیصلہ دیا۔

حدیث پاک سے بھی تقریبا ایسا ہی ثابت ہے یہ حدیث ابی زناد کے حوالے سے شیخین نے نقل کی ہے۔ ابی زناد اعرج سے وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو عورتیں جا رہی تھیں۔ دونوں کے پاس ایک ایک بچہ تھا۔ بھیڑیا جھپٹا اور ایک عورت کا بچہ لے بھاگا۔ دونوں جھگڑنے لگیں بڑی کہنے لگی بھیڑیا تیرا بچہ لے گیا ہے۔ چھوٹی نے کہا نہیں بھیڑیے نے تیرا بچہ کھایا ہے۔ دونوں حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں فیصلہ کروانے کے لئے حاضر ہوئیں آپ نے فیصلہ بڑی کے حق میں کر دیا۔ دونوں سلیمان کے پاس پہنچیں آپ نے ارشاد فرمایا چھری لائی جائے۔ تاکہ میں بچہ کو دو حصوں میں کاٹ کر ان میں سے ہر ایک کو نصف دے دوں۔ جو عمر میں چھوٹی تھی وہ چیخ اٹھی اللہ آپ پر رحم کرے (ایسا نہ کیجئے) یہ بچہ بڑی کا ہے (حضرت سلیمان سمجھ گئے کہ بچہ اسی کا ہے اور وہ اسے قتل سے بچانا چاہتی ہے ممتا کے جذبہ کے تحت کہہ رہی ہے کہ یہ بڑی کا ہے) آپ نے فیصلہ چھوٹی کے حق میں دے دیا۔

ہوسکتا ہے دونوں فیصلے شریعت موسوی کی رو سے صحیح ہوں لیکن سلیمان کا فیصلہ زیادہ صحیح

قرار پایا ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سلیمان کی تعریف کی اور بتایا یہ علم خاص ہمارا عطا کردہ ہے۔ سلیمان کی تعریف کے بعد ان کے والد گرامی حضرت داؤد علیہ السلام کی بھی تعریف فرمائی۔

''چلتی تھی وہ ہوا ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف جسے ہم نے بابرکت بنا دیا تھا اور ہم ہر چیز کو جاننے والے تھے۔ اور ہم نے مسخر کر دیئے شیاطینوں میں سے جو (سمندروں میں) غوطہ زنی کرتے ان کیلئے اور کیا کرتے طرح طرح کے اور کام اور ہم ہی ان کی نگہبان تھے''۔ (الانبیاء: ۷۹۔۸۰)

اور سورۂ ص میں ارشاد فرمایا:

''پس ہم نے ہوا کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا چلتی تھی آپ کے حسب حکم آرام سے جدھر آپ چاہتے۔ اور سب دیو بھی ماتحت کر دیے کوئی معمار اور کوئی غوطہ خور۔ اور ان کے علاوہ (کسی کو بخش کر) احسان کر چاہے اپنے پاس رکھ تم سے باز پرس نہ ہوگی اور بے شک انہیں ہمارے ہاں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام''۔ (ص: ۳۶۔۴۰)

جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے گھوڑوں کو ذبح کر ڈالا تو اللہ نے ہوا کی صورت میں انہیں نعم البدل عطا فرمایا۔ یہ ہوا گھوڑوں سے زیادہ تیز، زیادہ نرم اور زیادہ عظمت کی مالک تھی۔ یہ ایک ایسی سواری تھی جس پر سفر کرتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑتا آپ جس طرف جس ملک کو تشریف لے جاتے ہوا خدمت کے لئے تیار ہوتی۔ آپ کے لئے لکڑی کا ایک تخت بنایا گیا تھا اور یہ تخت اتنا بڑا تھا کہ اس پر ضرورت کی تمام چیزیں رکھی جا سکتی تھیں مثلا پختہ مکان، محلات، خیمے، سامان سفر، گھوڑے اونٹ اور دوسری بوجھل چیزیں۔ ان کے علاوہ انسان اور جنات اور دوسرے کئی حیوانات اور پرندے۔ جب سلیمان علیہ السلام سفر کا ارادہ فرماتے، سیر کی غرض سے ملک سے باہر جانا ہوتا یا جنگ کی غرض سے کسی دشمن یا کسی دوسرے بادشاہ کی طرف سفر کرنا مقصود ہوتا تو تمام سامان اس تخت پر رکھ دیا جاتا اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کو حکم دیتے وہ اس تخت کو اٹھا لیتی اور بلندی پر پہنچا دیتی جب یہ تخت بہت بلندیوں پر پہنچ چکتا تو باد صبا کو حکم ہوتا اور وہ اس تخت کو اٹھا کر چلنے لگتی اور اگر سفر تیزی سے طے کرنا مقصود ہوتا تو آندھی خدمت کے لئے تیار ہوتی اور جہاں چاہتے تشریف لے جاتے۔ آپ صبح بیت المقدس سے محو سفر ہوتے اور ایک مہینے کی مسافت پر واقع شہر اصطخر میں پہنچ جاتے شام تک وہاں ٹھہرے رہتے پھر ہوا انہیں اصطخر سے بیت المقدس میں واپس

لاتی اور آپ رات یہاں گزارتے۔

جیسا کہ رب قدوس کا ارشاد گرامی ہے:

اور ہم نے مسخر کردی سلیمان کے لئے ہوا۔ اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی ہوتی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی۔ اور ہم نے جاری کردیا ان کیلئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ اور کئی جن (ان کے تابع کردیے) جو کام میں جتے رہتے ان کے سامنے ان کے رب کے اذن سے۔ اور جو سرتابی کرتا ان میں سے ہمارے حکم (کی تعمیل) سے تو ہم اسے چکھاتے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب۔ وہ بناتے آپ کے لئے جو آپ چاہتے پختہ عمارتیں، مجسمے، بڑے بڑے لگن جیسے حوض ہوں۔ اور بھاری دیگیں جو چولہوں پر جمی رہیں۔ اے داؤد کے خاندان والو! (ان نعمتوں پر) شکر ادا کرو۔ اور بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گزار ہیں"۔ (سباء:۱۲۔۱۳)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں۔ آپ علیہ السلام دمشق سے صبح روانہ ہوتے اصطخر میں اترتے۔ یہاں اتر کر دوپہر کا کھانا تناول فرماتے اور پھر محو سفر ہو جاتے۔ رات کابل میں بسر کرتے۔ دمشق اور اصطخر کے درمیان ایک ماہ کی مسافت ہے اور اسی طرح اصطخر اور کابل کے درمیان بھی ایک ماہ کا سفر ہے۔

عمرانیات کے علماء نے لکھا ہے کہ اصطخر کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاطر جنوں نے کی تھی۔ پہلے اسی کے شہر شرک میں آپ کا دارالحکومت تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے کئی شہر بھی تھے۔ مثلاً تدمر، بیت المقدس، باب جیرون۔ باب البرید ایک قول کے مطابق آخری دونوں شہر دمشق میں واقع تھے۔

لفظ قطر سے مراد ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور کئی مفسرین کے نزدیک چاندی ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ یمن میں اللہ کریم نے سلیمان علیہ السلام کے لئے چاندی کا ایک چشمہ جاری فرما دیا تھا۔ سدی فرماتے ہیں پگلی ہوئی چاندی کا یہ چشمہ صرف تین دن تک جاری رہا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی تمام ضروریات مثلاً مکانات کی تعمیر وغیرہ کے لئے اسے جمع فرما لیا۔

ومن الجن من یعمل بین یدیه باذن ربه ومن یزغ منهم عن امرنا نذقه من عذاب السعیر یعنی اللہ تعالیٰ نے جنوں کو حضرت سلیمان کے تابع فرمان بنا دیا تھا آپ جو کام ان سے لینے چاہتے وہ کرتے۔ نہ اس میں سستی کرتے اور نہ بغاوت۔ اور جو بغاوت کرتا تو انہیں

سخت عذاب میں مبتلا کردیا جاتا۔ یعملون له مایشاء من محاریب اس سے مراد خوبصورت عمارتیں اور بیٹھکیں ہیں۔ وتماثیل دیوار میں کندہ تصویریں۔ یہ چیز ان کی شریعت میں جائز تھی۔ وجفان کالجواب ابن عباس فرماتے ہیں کہ جفنہ سے مراد زمین میں بنائے گئے تالاب کی مانند دیگیں ہیں۔ آپؓ سے روایت کردہ ایک حدیث کے مطابق اس سے مراد گڑھے ہیں۔ مجاہد، حسن، قتادہ، ضحاک وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے کہ وہ حوض کی مانند دیگیں ہوتیں۔ اس روایت کی بنا پر لفظ جواب جابیہ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ حوض ہے جس میں پانی جمع کیا جاتا ہے۔ اعشی فرماتے ہیں۔

تروح علی آل المخلق جفنة
کجابیة الشیخ العراقی تفهق

وہ آل مخلق کے حوض پر آتی ہے جیسا کہ شیخ عراقی کا کنواں پانی سے لبالب بھر کر بہنا شروع ہو جاتا ہے۔

رہا لفظ القدور الراسیات۔ تو عکرمہ فرماتے ہیں اس سے مراد ایسی ہنڈیاں ہیں جو چولہوں پر رکھی گئی ہیں۔ اور اپنی جگہ سے الگ نہ ہوتی ہوں۔ یہی قول مجاہد اور دوسرے کئی مفسرین کا ہے۔

اور چونکہ یہ سارا اہتمام کھانا کھلانے اور مخلوق جن وانس پر احسان کرنے کی غرض سے کیا جاتا تھا اس لئے فرمایا۔ اعملوا آل داود شکرا وقلیل من عبادی الشکور۔

رب قدوس کا ارشاد ہے۔

والشیاطین کل بناء غواص وآخرین مقرنین فی الا صفاد (ص:۳۷۔۳۸)
یعنی دیو بھی آپ کے لئے مسخر کردئے گئے۔ کچھ تو ان میں سے عمارتیں بناتے اور کچھ پانی میں غوطہ زن ہو کر لعل وجواہر نکال لاتے۔ اور پانی کی تہہ سے ایسی ایسی قیمتی چیزیں نکال لاتے جو اس زمین پر پہلے موجود نہ ہوتیں۔ واخرین مقرنین فی الاصفاد۔ یعنی اگر ان میں سے جو سرکشی کرتے تو انہیں دو دو کر کے بیڑیوں میں جکڑ دیا جاتا۔ اصفاد سے مراد بیڑیاں ہیں۔ یہ تمام چیزیں اللہ کی عطا کردہ اور مسخر کردہ ہیں جو اس ملک میں پائی جاتی تھیں جو آپ کو عطا فرمایا گیا اور جس کی مثال کوئی اور پیش نہیں کر سکا۔ اور نہ ہی اس کی مثال اس سے پہلے ملتی ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن بشار نے ہم سے محمد بن جعفر نے، ہم سے

شعبہ نے بیان کیا۔ انہوں نے محمد بن زیاد سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ایک شریر جن میرے پاس اچانک آیا تاکہ میری نماز تڑوادے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دی تو میں نے اسے پکڑ لیا۔ میرا ارادہ ہوا کہ اسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں تاکہ تم سب اسے دیکھو لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آ گئی کہ اے رب! مجھے ایسا ملک عطا کر جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ پس میں نے اسے ناکام لوٹا دیا''۔

مسلم اور نسائی نے بھی اسے حضرت شعبہ کے حوالے سے ایسے ہی روایت کیا ہے۔

حضرت امام مسلم فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن سلمہ مرادی نے ہم سے عبداللہ بن وہب نے بیان فرمایا۔ انہوں نے معاویہ بن صالح سے روایت کیا مجھ سے ربیعہ بن یزید نے بیان کیا۔ انہوں نے ابی ادریس خولانی سے اور انہوں نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ ہم نے سنا آپ کہہ رہے تھے۔ ''میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی تجھ پر لعنت ہو'' یہ کلمات تین بار آپ ﷺ نے فرمائے اور اپنے ہاتھ کو اس طرح آگے بڑھایا گویا کسی چیز کو پکڑ رہے ہوں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے آج نماز میں آپ کو کچھ ایسے کلمات کہتے سنا جو اس سے پہلے کہتے نہیں سنا اور آپ کو ہاتھ بڑھاتے بھی دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس آگ کا شعلہ لے کر آیا تاکہ میرے چہرے پر مارے تو میں نے تین بار کہا کہ میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں پھر میں نے کہا تجھ پر میں اللہ تعالیٰ کی لعنت تامہ بھیجتا ہوں۔ تین بار کہنے پر بھی وہ دور نہ ہوا۔ پھر میں نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا بخدا اگر ہمارے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو میں اسے باندھ دیتا اور اس سے اہل مدینہ کے بچے کھیلتے''۔

اسی طرح اسے نسائی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم سے ابواحمد نے، ہم سے مرہ بن معبد نے، ہم سے ابوعبیدہ حاجب سلیمان نے بیان کیا۔ فرماتے ہیں کہ ''میں نے عطاء بن یزید لیقی کو دیکھا وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ میں ان کے آگے سے گزرنے لگا تو انہوں نے مجھے دور کر دیا۔ پھر فرمایا مجھ سے ابوسعید خدریؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے۔ صبح کی نماز ادا فرمائی۔ میں آپ کے پیچھے تھا۔ آپ نے قرات کی اور بھول گئے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کاش آپ مجھے اور ابلیس کو دیکھتے میں نے اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ رکھا تھا میں نے اسے گردن سے پکڑ کر دبائے رکھا حتی کہ

...میرے انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی پر لگا گیا۔ اگر میرے بھائی حضرت سلیمان کی دعا نہ ہوتی میں اسے مسجد کے ستون سے باندھ دیتا مدینے کے بچے اسے سے کھیلتے۔ پس تم میں سے جو کر سکے اس کے اور قبلہ کے درمیان کوئی حائل نہ ہو تو اسے ایسا کرنا چاہیے''۔

ابوداؤد اس حدیث سے ممن استطاع سے لے کر آخر تک احمد بن شریج سیا اور وہ احمد ...اسے روایت کرتے ہیں۔

کئی بزرگوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویاں تھیں سات سو ...میں اور تین سو مدخول بہن بعض نے اسے برعکس لکھا ہے۔ یعنی تین سو آزاد اور سات سو ...اتنی زیادہ عورتوں سے تمتع بہت بڑا کام لگتا ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم سے خالد بن مخلد نے، ہم سے مغیرہ بن عبدالرحمٰن نے ...کیا۔ انہوں نے ابوزناد سے، انہوں نے الاعرج سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اور ...نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے فرمایا۔ ...آج رات ستر عورتوں کے پاس جاؤں گا ہر ایک شاہ سوار کی ماں بنے گی۔ جو راہ خدا میں جہاد ...کرے گا۔ سلیمان علیہ السلام کے دوست نے کہا انشاء اللہ لیکن حضرت سلیمان نے یہ الفاظ کہے۔ ...ایک بیوی حاملہ ہوئی اور اس بچے کا بھی ایک پہلو بیکار تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر وہ ...انشاء اللہ کہتے تو ستر بچے پیدا ہو کر ضرور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔

شعیب اور ابوزناد کہتے ہیں نوے کی تعداد زیادہ صحیح ہے۔ اس سند کے اعتبار سے امام ...بخاری اس حدیث کو روایت کرنے میں اکیلے ہیں۔

ابو یعلی فرماتے ہیں: ہم سے زبیر نے بیان کیا۔ ہم سے یزید نے بیان کیا۔ ہم کو ہشام ...حسان نے بتایا۔ انہوں نے محمد سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ ...ماتے ہیں۔ آج رات باری باری میں سو عورتوں کے پاس جاؤں گا۔ ان میں سے ہر ایک بچہ ...جنے گی جو راہ خدا میں تلوار زنی کرے گا۔ آپ علیہ السلام نے انشاء اللہ نہ کہا۔ اس رات سو عورتوں ...کے پاس تشریف لے گئے صرف ایک عورت سے بچی پیدا ہوئی اور وہ بھی نصف انسان تھی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر انشاء اللہ کہتے تو ہر ایک عورت بچہ جنتی جو راہ خدا میں تلوار چلاتا۔

اس کی سند صحیح کی شرط کے مطابق ہے لیکن اسے صحاح ستہ میں نقل نہیں کیا گیا۔ امام احمد ...ماتے ہیں کہ ہم سے ہشیم نے، ہم سے ہشام نے بیان کیا انہوں نے ابن ابن سیریں سے اور ...انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے

فرمایا۔ آج رات میں سو عورتوں سے شب باشی کروں گا۔ ان میں سے ہر ایک بچہ جنے گی جو راہ خدا میں جہاد کرے گا اور آپ نے انشاء اللہ نہ کہا۔ صرف ایک عورت نے بچہ جنا مگر وہ بھی پورا نہیں تھا صرف ایک پہلو موجود تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر آپ انشاء اللہ کہہ دیتے تو آپ کے ہاں سو بچے ہوتے اور ایک راہ خدا میں جہاد کرتا۔

اسے روایت کرنے میں امام احمد بھی اکیلے ہیں۔

حضرت امام احمد فرماتے ہیں: ہم سے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ ہم کو معمر نے بتایا۔ انہوں نے ابن طاؤس سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے کہا۔ آج رات میں سو عورتوں سے ہم بستری کروں گا۔ ان میں سے ہر عورت ایک بچہ جنے گی جو راہ خدا میں جہاد کرے گا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے۔ آپ نے اس رات سو عورتوں سے مباشرت کی لیکن صرف ایک عورت نے نصف انسان جنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر آپ انشاء اللہ کہتے تو قسم توڑنے والے نہ ہوتے اور اپنی حاجت پا لیتے۔

اسی طرح اسے شیخین نے صحیحین میں عبدالرزاق کے حوالے سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اسحاق بن بشر فرماتے ہیں۔ ہمیں مقاتل نے بتایا۔ انہوں نے ابوزناد سے اور ابن ابی زناد سے، انہوں نے اپنے والد گرامی سے، انہوں نے عبدالرحمٰن سے انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ”سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی چار سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ ایک دن آپ نے کہا۔ آج رات میں ہزار بیویوں کے پاس جاؤں گا۔ ان میں سے ہر ایک بچہ جنے گی جو راہ خدا میں جہاد کرے گا۔ آپ نے انشاء اللہ نے کہا۔ رات کو آپ ہزار بیویوں کے پاس گئے لیکن ان میں سے صرف ایک عورت سے بچہ ہوا جس کی صرف ایک جانب صحیح تھی۔ (آدھا دھڑ نہیں تھا)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر آپ انشاء اللہ کہتے تو آپ کے کہنے کے مطابق ضرور شہوار پیدا ہوتے اور وہ راہ خدا میں جہاد کرتے۔

اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں اسحاق بن بشر ہے۔ اور یہ شخص منکر الحدیث ہے۔ اور خصوصاً جب صحیح روایت کی مخالفت کر رہا تو اس کی روایت کردہ حدیث منکر

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑی نعمتوں سے نواز تھا۔ آپ ایک وسیع سلطنت کے فرمانروا تھے۔ لاؤ لشکر کی کثرت تھی۔ اور ایسے ایسے خدمت گار تھے کہ نہ آپ سے پہلے مثال تھی اور نہ ہی آپ کے بعد مثال ہوگی۔

جیسا کہ رب قدوس فرماتے ہیں:

”عرض کی میرے رب مجھے معاف فرما دے اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت جو کسی کو میسر نہ ہو میرے بعد۔ بے شک تو ہی بے انداز عطا کرنے والا ہے“۔

(ص:۳۵)

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو گوناگوں نعمتوں سے مالا مال کرنے کے بعد فرمایا:

ھذا عطاونا فامنن اوامسک بغیر حساب

”(اے سلیمان!) یہ ہماری عطا ہے۔ چاہے (کسی کو بخش کر) احسان کر چاہے اپنے پاس رکھ تم سے باز پرس نہ ہوگی“۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نواز دیا ہے۔ اب آپ جسے چاہیں عطا کریں اور جسے چاہیں محروم کردیں۔ آپ سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔ آپ اپنی مرضی سے اس میں تصرف کریں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان نعمتوں کا مالک بنا دیا ہے آپ جو چاہیں کریں اس پر آپ کا محاسبہ نہیں ہوگا۔ یہ ایک بادشاہ نبی کی شان ہے نہ کہ اس رسول کی جو عبدیت کے مقام پر فائز تھا عبد خاص کی شان یہ ہے کہ کسی کو کچھ دیتا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کے اذن سے دیتا ہے۔

ہمارے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کو ان دو مقامات میں سے کسی ایک مقام کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ آپ نے اس مقام کو اختیار کیا کہ وہ عبدیت کے مقام پر فائز رسول ہوں۔ بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے اس سلسلے میں جبریل سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ عاجزی کو اختیار کیجئے۔ پس آپ ﷺ نے رسالت حامل عبدیت کو اختیار فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے خلافت اور حکومت آپ کے بعد آپ کی امت کو قیامت تک عطا فرما دی۔ قیامت تک آپ کی امت کا ایک گروہ غالب رہے گا۔ ذللہ الحمد والمنة۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی مدت حکومت، حیات مبارکہ اور وفات

رب قدوس کا ارشاد ہے:

''پس جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ نافذ کردیا نہ پتہ بتایا جنات کو آپ کی موت کا مگر زمین کے دیمک نے جو کھاتا رہا آپ کے عصا کو۔ پس جب آپ زمین پر آ رہے تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو (اتنا عرصہ) نہ رہتے اس رسوا کن عذاب میں''۔ (سباء:۱۴)

ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے ابراہیم بن طہمان کے حوالے سے، انہوں نے عطاء بن سائب سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے ابن عباس سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا۔ ''آپ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھ رہے ہوتے تو سامنے اگا ہوا ایک درخت دیکھتے تو آپ علیہ السلام اس درخت سے پوچھتے تیرا نام کیا ہے وہ اپنا نام بتاتا۔ آپ علیہ السلام پوچھتے تو کس مقصد کے لئے ہے تو وہ بتاتا کہ میں فلاں مقصد کے لئے ہوں یعنی خوراک ہوں یا دوا۔ آپ اس کے کہنے کے مطابق اسے استعمال میں لاتے۔

ایک دن وہ نماز پڑھ رہے تھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے سامنے ایک درخت اگ آیا ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے اس سے کہا: تیرا نام کیا ہے۔ درخت نے بتایا کہ میرا نام خراب کرنے والا (خروب) ہے۔ آپ نے فرمایا تو کس لئے ہے؟ درخت نے بتایا اس گھر کو خراب کرنے کے لئے۔ سلیمان علیہ السلام نے دعا کی۔ الٰہی جنوں کو میری موت سے بے بہرہ رکھنا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جن غیب نہیں جانتے۔ حضرت سلیمان نے لکڑی کو چھیل کر ایک عصا بنایا اور اس پر ایک سال تک ٹیک لگا کر کھڑے رہے۔ اور جن کام کرتے رہے۔ دیمک نے اندر سے اس عصا کو کھا ڈالا۔ (حضرت سلیمان علیہ السلام گر پڑے تو) لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ جن اگر غیب جانتے تو ایک سال تک سخت مشقت میں نہ جتے رہتے۔ راوی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کو اس طرح پڑھتے۔ تبینت الانس ان الجن لو کانوا یعلمون الغیب مالبثوا حولا فی العذاب المھین۔ جنوں نے دیمک کا شکریہ ادا کیا۔ اسی لئے جنات اب دیمک کو پانی لا کر دیتے ہیں۔ (جس سے دیمک زدہ لکڑی پر نمی ہوتی ہے) ابن جریر کہتے ہیں کہ عطا خراسانی کی حدیث میں نکارہ ہے۔ (یعنی ان کی حدیث منکر ہوتی ہے) ابن عسا کرنے اسے سلمہ بن کھیل کے حوالے سے، انہوں نے سعیدن جبیر، انہوں نے ابن عباس سے اسے موقوفا روایت کیا ہے۔ اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ واللہ عالم۔

سدی ایک حدیث میں جسے وہ ابی مالک اور ابوصالح سے، وہ ابن عباس اور کئی دوسرے صحابہ سے روایت کرتے ہیں فرماتے کہ سلیمان علیہ السلام سال دو سال اور ماہ دو ماہ تک

اور کبھی اس سے کم بیت المقدس میں خلوت نشین ہوتے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے جب آپ کا وصال ہوا اس بار آپ کھانے پینے کی چیزیں لے کر بیت المقدس میں تشریف لے گئے۔ تو شروع دن سے جب آپ صبح سویرے دیکھتے تو ایک درخت اگ چکا ہوتا۔ آپ علیہ السلام کے پاس جاتے۔ اس کا نام پوچھتے۔ درخت اپنا نام بتاتا اور کہتا کہ میں فلاں مقصد کے لئے یا فلاں دوا کے لئے اگایا گیا ہوں۔ پس آپ علیہ السلام اسے اپنے استعمال میں لاتے۔

حتی کہ ایک درخت اگ آیا جس کو ''خروبہ'' کہا جاتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ درخت نے کہا: میں خروبہ ہوں۔ آپ نے پوچھا تو کس لئے آگا ہے؟ اس نے کہا میں اس عبادت گاہ کو مسمار کرنے کے لئے اگا ہوں۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میرے جیتے جی اللہ تعالیٰ اس کو مسمار نہیں فرمائے گا۔ لگتا ہے تو میری ہلاکت کے لئے ہے حالانکہ کہتا یہ ہے کہ میں بیت المقدس کو مسمار کرنے کیلئے ہوں۔

آپ علیہ السلام نے اسے اکھیڑ لیا اور اپنے باغ میں لگا دیا۔ پھر آپ حجرے میں داخل ہو گئے اور اپنے عصا پر ٹیک لگا کر نماز پڑھنے لگے۔ اسی حالت میں آپ فوت ہو گئے مگر جنوں کو کچھ علم نہ ہوا۔ اسی لئے وہ کام میں جتے رہے کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ آپ باہر نکلیں گے تو سزا دیں گے۔ جنات محراب کے اردگرد جمع تھے۔ اور محراب میں روشندان تھے آپ علیہ السلام کے آگے بھی اور پیچھے بھی۔ ایک شیطان جو نکلنا چاہتا تھا اس نے کہا اگر میں اس طرف داخل ہو کر دوسری طرف نکل جاؤں تو مجھے بہادر سمجھو گے یا نہیں۔ پس وہ ایک طرف سے اندر آیا اور دوسری طرف سے نکل گیا۔ شیطان محراب میں اگر سلیمان علیہ السلام کو دیکھتا تو جل جاتا۔ پس اس نے سلیمان علیہ السلام کی آواز نہ سنی۔ پھر واپس لوٹا اور آواز نہ سنی۔ پھر لوٹا مسجد میں گیا لیکن جلا نہیں۔ اس نے سلیمان علیہ السلام کی طرف دیکھا تو وہ گرے پڑے تھے اور روح جسد عنصری میں موجود نہیں تھی۔ وہ نکلا اور لوگوں کو بتایا کہ سلیمان علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ انہوں نے کمرہ کھولا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو نکالا اور دیکھا کہ ان کے عصا کو جو حبشہ کی لکڑی کا تھا دیمک کھا گئی ہے لیکن معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ کی وفات کب ہوئی۔ انہوں نے اس جیسے عصا کو دیمک پر رکھا تو دیمک نے ایک دن اور رات میں جو کھایا۔ پس انہوں نے اس کا حساب لگایا اور معلوم کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات تو ایک سال قبل ہو چکی ہے۔ یہ قرآت ابن مسعود کی ہے۔ وہ ایک سال تک برابر کام میں جتے رہے حالانکہ حضرت کا وصال ہو چکا تھا۔ اس سے لوگوں کو یقین آ گیا کہ جن جھوٹے ہیں اور وہ غیب نہیں جانتے۔ اگر وہ غیب جانتے تو حضرت

سلیمان علیہ السلام کے وصال سے باخبر ہو جاتے۔ اور سال بھر تک آپ کے خوف سے سخت مشقت نہ اٹھاتے۔ اسی لئے رب قدوس کا ارشاد ہے **مادلھم علی موته الا ذابة الارض تاكل منساته فلما خربينت الجن ان لو كانوا يعلمون الغيب مالبثوا فى العذاب المهين** ۔ رب قدوس فرماتے ہیں کہ لوگوں پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ جنات جھوٹ بولتے ہیں۔ پھر شیاطین (جنات) نے دیمک سے کہا اگر تو کھانا کھاتی تو ہم بہترین کھانا لے آتے۔ اگر تجھے پانی پینے کی ضرورت ہوتی تو ہم بہترین پانی سے تجھے سیراب کرتے اب ہم پانی اور مٹی تیرے پاس لے آئیں گے: فرماتے ہیں کہ جنات پانی اور مٹی دیمک کو مہیا کرتے ہیں وہ چاہیے جہاں ہو۔ فرماتے ہیں کیا آپ دیکھتے نہیں کہ مٹی لکڑی کے بطن میں پہنچ جاتی ہے اسے درحقیقت جنات لے کر جاتے ہیں اور اس طرح دیمک کا شکر ادا کرتے ہیں۔

یہ اسرائیلی روایات ہیں نہ ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب۔

حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اپنی سنن کے باب القدر میں فرماتے ہیں:

ہم سے عثمان بن ابی شیبہ نے، ہم سے قبیصہ نے، ہم سے سفیان نے بیان کیا۔ انہوں نے اعمش سے، انہوں نے خیثمہ سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے موت کے فرشتے سے فرمایا: جب تو میرح روح قبض کرنے کا ارادہ کرے تو مجھے بتا دینا۔ فرشتے نے عرض کیا: میں آپ سے زیادہ نہیں جانتا۔ میری طرف کتابیں بھیجی جاتی ہیں جن پر مرنے والوں کے نام لکھے ہوتے ہیں۔

اصغ بن فرج اور عبداللہ بن وہب عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے فرمایا: جب تجھے میری روح قبض کرنے کا حکم دیا جائے تو مجھے بتا دینا۔ ملک الموت تشریف لائے۔ اور عرض کی اے سلیمان! مجھے تیری روح قبض کرنے کا حکم مل چکا ہے۔ تیری عمر میں صرف ایک لمحہ باقی ہے۔ آپ علیہ السلام نے جنوں کو بلایا اور حکم دیا کہ میرے اردگرد بالور کا ایک ایسا محل بناؤ جس کا کوئی دروازہ نہ ہو۔ آپ نماز پڑھنے لگئے اور عصا پر ٹیک لگائے کھڑے رہے اور ملک الموت سے بھاگے نہیں۔ جن آپ کے سامنے کام میں جتے رہے اور آپ کو کھڑا دیکھ کر سمجھتے رہے کہ آپ بقید حیات ہیں۔ دیمک نے آپ کی چھڑی کو کھانا شروع کیا۔ جب وہ چھڑی اندر سے کھوکھلی ہوگئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا بوجھ نہ سہار سکی اور آپ گر پڑے۔ جب جنات نے دیکھا تو بکھر گئے اور یہاں سے چلے گئے۔ اسی لئے رب قدوس نے فرمایا **مادلھم علی موته الا دآبة الارض تاكل منساته فلما**

...بینت الجن ان لو كانوا يعلمون الغيب مالبثوا فى العذاب المهين ۔

...صغ فرماتے ہیں: مجھ تک ایک اور آدمی کی وساطت سے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ ایک ...ل تک ٹیک لگائے کھڑے رہے۔ جب چھڑی کو دیمک چاٹ گئی تو آپ گر پڑے۔ اسی طرح ...رے کئی مفسرین اور اسلاف سے ایسے ہی منقول ہے۔ واللہ عالم۔

...اسحاق بن بشر محمد بن اسحاق سے، وہ زہری وغیرہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں ...کہ سلیمان علیہ السلام نے باؤن سال زندگی پائی اور چالیس سال تک حکومت کی۔ اسحاق فرماتے ...ہیں کہ ہمیں ابوروق نے بتایا۔ انہوں نے عکرمہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ ...عنہما سے روایت کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بیس سال تک تخت نشین رہے۔ واللہ عالم۔ ابن ...جریر کے بقول حضرت سلیمان علیہ السلام کی حیات طیبہ پچاس اوپر کچھ سالوں پر محیط ہے۔

...بادشاہت کے چوتھے سال بیت المقدس کی تعمیر شروع فرمائی جیسا کہ باقی حالات ...تفصیل سے بیان ہو چکے ہیں۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے ابعام نے سترہ سال تک حکومت ...کی۔ جیسا کہ ابن جریر کا بیان ہے۔ اور پھر بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔

"یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے نالے پر آئے ایک چیونٹی بولی: اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ، تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کے لشکری بے خبری میں۔ تو سلیمان علیہ السلام اس کی بات سن کر مسکرا کر ہنسے"

(پ ۱۹ سورت نمل ۱۸۔۱۹)

عام طور پر سلیمان علیہ السلام اور آپ کا لشکر ہوا کے ذریعے سفر کیا کرتے، لیکن اس سفر ...میں آپ عام لوگوں کی طرح سفر کر رہے تھے، آپ علیہ السلام لشکر میں کچھ لوگ پیدل چل رہے ...تھے اور کچھ سوار تھے چیونٹیوں کی وہ بستی طائف یا شام میں تھی۔ ان کو حکم دینے والی ان کی ملکہ تھی۔ ...وہ لنگڑی تھی اس کا نام طاخیہ یا مندرہ تھا۔

سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز تین میل سے سنی تھی آپ نے اپنے لشکر کو آگے ...چلنے سے روک دیا تھا کہ چیونٹیاں اپنے گھروں میں داخل ہوسکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا معجزہ ہے ...اس میں کوئی بات تعجب کی نہیں۔

نبی کریم ﷺ سے "گوہ" نے کلام کیا۔ آپ ﷺ کی رسالت کی شہادت دی۔ آپ ...نے گوہ کی آواز اور شہادت کو سن لیا، خیبر میں آپ کی بکری کا زہر آلود پایہ دیا گیا تھا۔ آپ کے ...معمولی تناول کرنے کے ساتھ ہی اس پائے نے کلام کیا اور بتایا کہ مجھے زہر آلود کیا گیا۔ ہے۔ ذبح

شدہ بکری کے گوشت سے آواز سننا اللہ تعالیٰ کے حبیب کا معجزہ ہی تو ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے مسکرانے کی ایک وجہ چیونٹی کی احتیاطی تدابیر پر تعجب کرنا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ کو چیونٹی کی آواز سننے کی رب نے جو توفیق عطا فرمائی تھی اس پر اظہار فرحت وسرور تھا۔ (مدارک، جلالین، روح المعانی)

فائدہ

ہنسنے کی ابتدائی کیفیت جس میں آواز نہیں ہوتی اسے ''تبسم'' کہا جاتا ہے اور دانتوں کے ظاہر ہونے کے ساتھ ہی کچھ خفیف آواز بھی پیدا ہو جو انسان خود ہی سن سکے اسے ''ضحک'' کہا جاتا ہے اور اگر آواز اتنی بلند ہو جو دوسرے بھی سن سکیں اسے ''قہقہہ'' کہا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے قہقہہ لگا کر ہنسنا ثابت نہیں۔ تبسم آپ اکثر طور پر فرماتے تھے اور کبھی آپ سے ضحک یعنی معمولی ہنسنا بھی ثابت ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

''میں نے نبی کریم ﷺ کو کلی طور پر ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا''

یعنی آپ ﷺ زیادہ طور پر تبسم فرماتے تھے ہمیشہ ضحک یعنی ہنسنا آپ کا معمول نہیں تھا۔ کئی احادیث میں آپ کا ضحک ...... جس سے ڈاڑھیں ظاہر ہو جائیں ...... بھی ثابت ہے، لیکن وہ کبھی کبھی ہوتا البتہ خیال رہے کہ زمخشری نے تو یہ کہا ہے کہ جن احادیث میں یہ ذکر ہے ......

انہ ضحک حتی بدت نواجذہ

''بے شک آپ ﷺ ہنسے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں''

اس کا حقیقی معنی معتبر نہیں، بلکہ صرف اتنا ثابت ہے کہ کبھی کبھی تبسم سے کچھ زیادتی ہو جاتی، ورنہ نواجذ آخری ڈاڑھوں کو کہا جاتا ہے۔ اتنا ہنسنا آپ سے ثابت نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(ماخوذ از روح المعانی)

بیہودہ قہقہے لگانا، انسان کے دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔ ہنسی کی بات پر انسان پوری کوشش کرے کہ آواز کو جتنا کم کر سکے اتنا کم کرے گلی کوچوں میں زور زور سے ہنسنا، انسانیت کا کام نہیں۔ دوران اسباق اتنا ہنسنا کہ آواز دور دور تک سنائی دے یہ کسی طرح بھی مستحسن نہیں۔

ایک وجہ تو واضح ہے کہ اس نے دوسری چیونٹیوں کو روندے جانے کے خدشے سے اپنے مساکن میں چلے جانے کا حکم دیا۔ دوسری وجہ علامہ رازی نے یہ بیان فرمائی کہ میں نے بعض

چیونٹیوں میں دیکھا کہ اس نے اپنی قوم کو گھروں میں داخل ہونے کا حکم اس لئے دیا کہ یہ میری قوم حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر اور ان کے جلال شان کمال اور ان کی عظمت کو دیکھ کر کہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران (ناشکری) نہ کر دیں کہ ہمیں تو اتنی عظیم نعمتیں حاصل نہیں: اس لئے انہیں حکم دیا کہ گھروں میں داخل ہو جاؤ، تا کہ انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظیم نعمتیں نظر نہ آئیں۔ اور نہ ہی اپنی نعمتوں کی ناشکری کریں۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان دنیا داروں کی محافل میں گم جائے ان کے دنیاوی مال ومتاع سے اس کا دل نہ للچائے۔ (تفسیر کبیر)

چیونٹیوں کی ملکہ نے جب انہیں گھروں میں داخل ہونے کا حکم دیا تو کہا کہ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر بے خبری میں ...... (**وھم لا یشعرون**) ایسے حال میں کہ وہ بے خبر ہوں ...... کہہ کر اس نے یہ ثابت کر دیا کہ اسے یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی معصوم ہوتے ہیں وہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں یہ ان سے کبھی نہ ہوگا کہ وہ ان حیوانوں کو ظالمانہ طور پر قتل کر دیں۔ ہاں البتہ بھول اور بے خبری کی وجہ سے ان سے ایسا ہو سکتا ہے۔ اس میں عظیم تنبیہ ہے کہ عصمت انبیاء پر یقین رکھنا واجب ہے اس میں شک کرنا ایمان کو ضائع کرنا ہے۔

ان النملة قالت وھم لا یشعرون کانھا عرفت ان النبی معصوم فلا یقع منه قتل ھذه الحیوانات الا علی سبیل السھو وھذا تنبیه عظیم علی وجوب الجزم بعصمة الانبیاء علیھم السلام (تفسیر کبیر)

علامہ رازی کی اس بحث سے واضح ہوا کہ وہ انسان جو انبیائے کرام کو معاذ اللہ گناہ گار ٹھہراتے ہیں، وہ چیونٹی سے بھی کم عقل ہیں۔ کہاں انسان اور کہاں چیونٹی؟ خدارا انسان کو حیوانوں سے زیادہ عقل آنی چاہیے، انبیائے کرام کی عصمت پر کامل ایمان ہونا لازم ہے۔

چیونٹیوں کے حالات میں غور وفکر کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی شعور وسمجھ دے رکھی ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ گرمیوں میں اتنا توشہ جمع کر لیتی ہیں جو سردیوں میں انہیں کافی ہو سکے۔ اور یہ دانوں کے دو دو ٹکڑے کر دیتی ہیں اس ڈر کے پیش نظر کہ یہ نمی (پانی کی تری) سے کہیں اگ نہ پڑیں۔ البتہ دھنیا اور مسور کے چار چار ٹکڑے کر دیتی ہیں: کیونکہ ان کے دو ٹکڑے کر بھی دیئے جائیں تو وہ پھر بھی اگ پڑتے ہیں۔ جیسے ٹکڑے نہ کئے جائیں تو اگتے ہیں۔ اس کے بعد علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔

وھذا وامثالہ یحتاج الی علم کلی استدلالی وھو یحتاج الی نفس ناطقۃ
وقد برھن شیخ الاشراف علی ثبوت النفس الناطقۃ لجمیع الحیوانات

(روح المعانی)

''چیونٹیوں کے متعلق جو بیان کیا ہے اس سے اور قسم کی مثالوں سے پتہ چلتا ہے
کہ انہیں علم کلی استدلالی حاصل ہوتا ہے جو نفوس ناطقہ کو حاصل ہوتا ہے۔ شیخ الا
شراف نے اسی پر دلائل قائم کئے ہیں کہ تمام حیوانات کو نفس ناطقہ یعنی کلیات کا
ادراک حاصل ہوتا ہے''

تفسیر کبیر اور مدارک میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت قتادہ کوفہ میں تشریف لائے تو لوگ آپ کی طرف متوجہ ہونا شروع ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو چاہتے ہو تم مجھ سے سوال پوچھ سکتے ہو۔ وہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے جو اس وقت نوجوان بچے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا سلیمان علیہ السلام والی نملۃ (چیونٹی) مذکر تھی یا مونث؟ تو وہ لا جواب ہوگئے۔ بعد ازاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود بتایا کہ وہ مونث تھی۔ انہوں نے پوچھا: تمہیں یہ بات کہاں سے پتہ چلی؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (قالت نملۃ) اگر مذکر ہوتا تو (قال نملۃ) ہوتا یعنی قالت مونث ہے۔ قال مذکر ہے: اور چونکہ لفظ نملۃ، حمامۃ اور شاۃ کی طرح مذکر اور مونث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مذکر اور مونث کے درمیان فرق کے لئے لفظ ذکر اور انثی کا اضافہ کرتے ہیں۔ حمامۃ ذکر (کبوتر) حمامۃ انثی (کبوتری) اور اسی طرح شاۃ ذکر (بکرا) اور شاۃ انثی (بکری) کہا جاتا ہے۔

تاہم علامہ آلوسی نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ لفظ کا اعتبار کر کے صیغہ مونث ذکر کیا گیا ہو یعنی جب ایسا لفظ ہو جو باعتبار لفظ کے مونث ہو اور باعتبار معنی کے مذکر ہو اس کے لئے فعل مذکر اور مونث دونوں لا سکتے ہیں البتہ لفظ کا اعتبار کرنا زیادہ فصیح ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یضحی بعوراء ولا عمیاء ولا عجفا

''یک چشم جانور، اندھے اور بہت لاغر کو قربانی نہ کیا جائے''

یہاں بھی نبی کریم نے لفظ شاۃ اور بقرۃ وغیرہ کا اعتبار کر کے مونث صفات ذکر کی ہیں حالانکہ قربانی کے لئے مذکر اور مونث جانوروں کا حکم ایک ہی ہے، کوئی مونث کی تخصیص نہیں: لہٰذا

ممکن ہے قالت نملۃ میں لفظ نملۃ مونث ہے۔ اس کا اعتبار کر کے مونث صیغہ قالت استعمال کر لیا گیا ہو اور معنی میں مذکر اور مونث دونوں کا احتمال ہو۔

کیف یسئال ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ بھذا ویفحم بہ قتادہ مع غزارۃ علمہ

''امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیسے یہ سوال کیا؟ اور کیسے ابو قتادہ عظیم علم
رکھنے کے باوجود لا جواب ہوئے؟''

قال ابن المنیر لا ادری العجب منہ ام من ابی حنیفۃ ان ثبت ذالک عنی

ابن منیر نے کہا کہ اگر یہ واقعہ ثابت ہو جائے تو مجھے یہ علم نہیں کہ تعجب ابو قتادہ کے لا جواب ہونے پر کیا جائے یا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوال کرنے پر کیا جائے کہ آپ نے ایسا سوال کیوں کیا ہے؟ آخر میں علامہ آلوسی نے تحریر فرمایا:

والاشبہ ان ذالک لا یصح عنھا

''زیادہ مناسب یہی ہے کہ یہ واقعہ ان دونوں بزرگوں کی طرف منسوب کرنا ہی صحیح نہیں''

آپ کا ذکر قرآن پاک میں

(۱)	پارہ ۱	سورہ البقرہ	رکوع ۱۲
(۲)	پارہ ۶	سورہ النساء	رکوع ۲۳
(۳)	پارہ ۱۷	سورہ انبیاء	رکوع ۵
(۴)	پارہ ۱۹	سورہ نمل	رکوع ۲-۳
(۵)	پارہ ۲۲	سورہ سبا	رکوع ۲
(۶)	پارہ ۲۳	سورہ ص	رکوع ۳

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

آپ کا شجرہ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے۔

موسیٰ بن عمران، بن قاہث بن عازر بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام نہایت جلیل القدر رسول ہیں۔رب قدوس فرماتے ہیں۔

''اور ذکر فرمایئے کتاب میں موسیٰ کا' بیشک وہ (اللہ کے) چنے ہوئے تھے اور رسول نبی تھے۔اور ہم نے انہیں پکارا طور کی دائیں جانب سے۔اور ہم نے انہیں قریب کیا راز کی باتیں کرنے کے لئے۔اور ہم نے بخشا انہیں اپنی خاص رحمت سے ان کا بھائی ہارون جو نبی تھے''۔(مریم ۵۱۔۵۳)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر فرماتا ہے۔ کہیں تو آپ علیہ السلام کا قصہ تفصیلاً مذکور ہے اور کہیں اختصار کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ان تمام آیات کے ضمن میں اپنی تفسیر میں ہم نے تفصیل سے بات کی ہے۔

رب قدوس ارشاد فرماتے ہیں:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

''طاسین میم۔یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو موسیٰ اور فرعون کا کچھ واقعہ ٹھیک ٹھیک ان لوگوں (کے فائدہ) کے لئے جو ایمان لاتے ہیں بیشک فرعون متکبر (وسرکش) بن گیا سرزمین (مصر) میں اور اس نے

بنا دیا وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ کمزور کرنا چاہتا تھا ایک گروہ کو ان میں سے ذبح کیا کرتا ان کے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑ دیتا ان کی عورتوں کو۔بیشک وہ فساد برپا کرنے والوں سے تھا اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا ملک (مصر) میں اور بنا دیں انہیں پیشوا اور بنا دیا انہیں (فرعون کے تخت وتاج کا) وارث۔اور تسلط بخشیں انہیں سرزمین (مصر) میں اور ہم دکھائیں فرعون ہامان اور ان کی فوجوں کو ان کی جانب سے وہی خطرہ جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے''۔(القصص:۱۔۶)

وَنُرِيۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِى الۡاَرۡضِ

''اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا ملک (مصر) میں''

وَنَجۡعَلَهُمۡ اَٮِٕمَّةً وَّنَجۡعَلَهُمُ الۡوٰرِثِيۡنَ

''اور بنا دیں انہیں پیشوا اور بنا دیا انہیں (فرعون کے تخت وتاج کا) وارث''

وَنُمَكِّنَ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَنُرِىَ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَحۡذَرُوۡنَ

''اور تسلط بخشیں انہیں سرزمین (مصر) میں اور ہم دکھائیں فرعون ہامان اور ان کی فوجوں کو ان کی جانب سے وہی خطرہ جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے''

اللہ کریم قصہ موسیٰ علیہ السلام کی تلخیص بیان فرماتا ہے پھر اس کے بعد اسے تفصیل سے بیان کرتا ہے۔فرمایا جارہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا صحیح صحیح واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کر دیں۔بالحق کا مطلب ہے اتنی سچائی کے ساتھ گویا آپ نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہے۔

اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِى الۡاَرۡضِ وَجَعَلَ اَهۡلَهَا شِيَعًا

''بیشک فرعون متکبر (وسرکش) بن گیا سرزمین (مصر) میں اور اس نے بنا دیا وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ''

یعنی وہ جابر بن گیا۔سرکشی پر اتر آیا۔طاغوت کی روش اختیار کر لی اور اللہ کی نافرمانی کو اپنا دستور عمل بنا لیا۔اس نے دنیوی زندگی کو اختیار کر لیا۔اپنے پروردگار بزرگ و برتر کی اطاعت

سے منہ موڑ لیا اور اپنی رعیت کو کئی گروہوں فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم کر دیا (معاشرے کو مختلف طبقوں میں بانٹ دیا) اس باغی نے اپنی رعیت میں ایک گروہ کو ذلیل و خوار سمجھ لیا۔ یعنی بنی اسرائیل کی قوم جو اللہ کے نبی یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ کی نسل سے ہیں اور اپنے وقت کے لوگوں میں سے دنیا پر سب سے بہتر قوم گنے جاتے ہیں انہیں وہ حقیر سمجھتا ہے۔ یہ ظالم، باغی کافر اور فاجر بادشاہ ان پر مسلط ہو گیا انہیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر صنعت و حرفت کے شکنجے میں جکڑ دیا جو اس دور کا ذلیل ترین اور کمینہ شعبہ شمار ہوتا تھا۔ لیکن اس کے ظلم و ستم کا جذبہ اس سے بھی سرد نہیں ہوا وہ ظالم حکمران:

يُذَبِّحُ اَبْنَاءَ هُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَاءَ هُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ

"ذبح کیا کرتا ان کے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑ دیتا ان کی عورتوں کو۔ بیشک وہ فساد برپا کرنے والوں سے تھا"

اس جرم شنیع پر جو چیز اسے ابھارتی وہ بنی اسرائیل کے انبیاء کا وہ کلام تھا جس کو دوہراتے رہتے تھے اور ایک دوسرے کو سکھاتے رہتے تھے۔ جس میں ایک ایسے بچے کی بشارت کا تذکرہ بھی تھا جو انہیں ملک مصر سے نجات دے گا اور غلامی کی زندگی سے انہیں خلاصی بخشے گا۔ (واللہ اعلم)

بنی اسرائیل کی حالت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے یہ تھی کہ یہ لوگ فرعونیوں کے خادم تھے۔ فرعونیوں نے ان کو مختلف قسم کے کاموں پر مقرر کیا ہوا تھا۔ کچھ لوگوں کو تعمیر کے کاموں پر لگایا ہوا تھا۔ اور کچھ لوگوں سے ہل چلانے کا کام لیا جاتا، اور کچھ لوگوں سے کھیتی باڑی کے مختلف کام لئے جاتے، فصل کی کاشت اور کٹائی وغیرہ کے کاموں پر مقرر تھے۔ گندے کاموں پر بھی انہیں ہی لگایا جاتا، بیت الخلاء کی صفائی انہی لوگوں کے ذمہ تھی۔ کیچڑ صفائی وغیرہ کے کاموں پر ان کو ہی مقرر کیا جاتا۔ پتھر تراشنا اور پتھروں کو اٹھا اٹھا کر لانا انہی کے ذمہ تھا۔ جو لوگ یہ کام نہیں کر سکتے تھے ان پر جزیہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ اور جو شخص سورج کے غروب ہونے سے پہلے جزیہ نہ ادا کرتا اس کے ہاتھ اس کی گردن سے باندھ دیئے جاتے اور ایک مہینہ تک اس کے ہاتھ اسی طرح بندھے رہتے۔ اور بنی اسرائیل کی عورتوں سے اس طرح کام لئے جاتے جیسے لونڈیوں سے کام لئے جاتے ہیں، یعنی گھریلو تمام کام ان کے سپرد ہوتے، سوت کاتنا اور سلائی بنائی وغیرہ کے کام ان عورتوں سے ہی لئے جاتے تھے۔

فرعون نے ایک خواب دیکھا ہے کہ بیت المقدس کی جانب سے ایک آگ نکلی ہے

جس نے مصر کا احاطہ کر لیا اور تمام قبطیوں کو جلا دیا۔ لیکن بنی اسرائیل کو اس نے کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ اس خواب سے فرعون بہت پریشان ہوا اس نے خواب کی تعبیر بیان کرنے کے ماہرین سے پوچھا کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اس خواب سے تو یہی سمجھ آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہو گا جو تمہاری بادشاہی کے زوال کا سبب بنے گا۔ یہ سن کر فرعون نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ بھی پیدا ہو اسے ذبح کر دیا جائے۔ اس طرح اس کے حکم سے ہزاروں کی تعداد میں ان کے بچے ذبح کر دیئے گئے۔ وہ جو ذبح کئے گئے ان کی تعداد بارہ ہزار یا ستر ہزار تھی۔ اتنی بات واضح ہے کہ ہزاروں کی تعداد تھی۔ (تفسیر جلالین، جمل)

رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہی حالات یاد کرانے کے لئے یعنی نبی کریم ﷺ کے زمانے کے بنی اسرائیل کو یاد کرنے کے لئے کہا کہ تمہارے آباؤ اجداد پر ہمارے بڑے انعام تھے، وہ بھی شکر کرنے کی بجائے رب تعالیٰ کے احکام کا انکار ہی کرتے رہے اور خائب و خاسر ہوئے، تمہیں چاہیے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

"جب ہم نے نجات دی تمہیں فرعون کی آل سے، وہ تمہیں بڑا عذاب دیتے تھے، ذبح کرتے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری لڑکیوں کو، اور اس میں تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے بڑی آزمائش تھی" (پ ۱ سورت بقرہ۔۴۹)

ایک اور معنی **ویستحیون نسائکم** کا یہ بھی ہے کہ وہ تمہاری عورتوں کی شرمگاہیں دیکھتے تھے کہ یہ حاملہ ہیں یا نہیں۔ زندہ چھوڑنے والا معنی زیادہ مشہور ہے کہ انہیں لڑکیوں سے کوئی خطرہ نہ تھا اس لئے ان کو زندہ چھوڑ دیتے۔

وفی ذالکم بلاء من ربکم عظیم

"اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی"

اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ تم جن مصیبتوں میں گرفتار تھے وہ تمہاری بہت بڑی آزمائش تھی کہ صبر کرتے ہو یا نہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم پر جو اللہ تعالیٰ نے انعام کئے کہ تمہیں فرعونیوں سے نجات دی یہ تمہاری آزمائش تھی کہ کیا تم نعمتوں کا شکر کرتے ہو یا نہیں؟

(تفسیر روح المعانی و کبیر)

"اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو الہام فرمایا کہ اسے دودھ پلا، پھر جب تجھے اس سے اندیشہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے، اور نہ ڈر اور نہ غم کر، بیشک اسے ہم تیری طرف پھیر لائیں گے اور اسے رسول بنائیں گے"

آپ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی آپ کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈال کر یقین کرادیا گیا تھا کہ پیدائش کے بعد تم بچے کو دودھ پلاتی رہو، جب تمہیں فرعون کے جاسوسوں سے خطرہ لاحق ہو یا بچے کے رونے وغیرہ سے پڑوسیوں سے تمہیں خطرہ ہو تو بچے کو دریا میں ڈال دو، ہم اس بچے کی حفاظت کریں گے اور تمہاری طرف لوٹا دیں گے۔ اور اسے رسول بنائیں گے۔ (پ۲۰ سورۃ القصص ۷)

آپ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو دریا میں پھینکنے سے پہلے کتنی مدت دودھ پلایا اس کی حد کا ذکر قرآن پاک میں تو نہیں البتہ ایک قول ابن جریج کا یہ ہے۔

انہ بعد اربعۃ اشہر صاح فالقی فی الیم والمراد بالیم ھھنا النیل

"کہ بیشک آپ چارہ ماہ بعد روئے تو پڑوسیوں وغیرہ کے خطرہ کے پیش نظر آپ کو دریائے نیل میں ڈال دیا گیا"

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر جب ولادت کا وقت قریب ہوا تو آپ کے پاس ایک دایہ آئی۔ ان میں سے جو فرعون نے بنی اسرائیل کی عورتوں کے لئے مقرر کر رکھی تھیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے نور کی کرنیں ظاہر ہو رہی تھیں جن کو دیکھتے ہی دایہ کا ہر جوڑ کانپنے لگا۔ اس کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کی محبت ڈال دی گئی۔ اس نے کہا: اے عورت (اے اس بچے کی ماں) میں تو اسے قتل کرنے کے لئے آئی تھی لیکن مجھے اس سے شدید محبت ہو چکی ہے، اس لئے تو اپنے بچے کو محفوظ کر لے وہ دایہ یہ کہہ کر چلی گئی۔ اتنے میں فرعون کے جاسوس آپ کے دروازہ پر پہنچ گئے۔

موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جاسوسوں کو آتے ہوئے دیکھ کر کہا: اے ماں فرعونی آرہے ہیں۔ آپ کی ماں کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے، ہوش و حواس جاتے رہے، بچے کو ڈر کے مارے کپڑے میں لپیٹ کر جلتے تنور میں ڈال دیا۔ جب فرعونی آپ کے گھر میں داخل ہوئے تو جلتے تنور کی طرف تو وہ نہ گئے اور گھر تمام چھان مارا کوئی بچہ نظر نہ آیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دیکھا تو ان کے رنگ میں بھی کوئی تبدیلی نظر نہ آئی۔ جو عام طور پر عورتوں کو بچے کی پیدائش پر رنگ زرد پڑ جاتا ہے اور آپ کا دودھ بھی نظر نہ آنے پر پوچھا کہ وہ دایہ تمہارے گھر کیوں آئی تھی؟ آپ نے کہا وہ میری دوست تھی جو مجھے ملنے آئی تھی۔ یہ کوئی جھوٹ نہیں تھا وہ آپ کی دوست بھی تھی۔

جب فرعونی آپ کے گھر سے نکل گئے تو آپ کو ہوش آیا اور اپنی بیٹی سے پوچھا بچہ کہاں ہے؟ آپ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ بچے کو کہاں ڈالا تھا۔ بیٹی نے جواب دیا مجھے تو کچھ پتہ نہیں، تنور سے آہستہ آہستہ رونے کی آواز آئی تو آپ نے دیکھا کہ بچے پر آگ ٹھنڈی ہو چکی ہے۔ انہوں نے بچے کو تنور سے نکال لیا۔ والدہ کو جب یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ فرعون بچے کی تلاش میں پوری جدوجہد کر رہا ہے تو آپ نے بچے کو صندوق میں ڈال کر دریا میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں پختہ بات ڈال دی تھی کہ اس طرح بچہ محفوظ رہے گا اور ایک دن انہیں واپس مل جائے گا۔

آپ کی والدہ ایک نجار کے پاس گئیں تا کہ اس سے ایک صندوق حاصل کریں اس نے پوچھا تم نے لکڑی کے صندوق کو کیا کرنا ہے تو آپ نے سچ سچ بتا دیا کہ اپنے بیٹے کو اس میں ڈال کر دریا میں ڈالنا ہے، ہو سکتا ہے فرعونیوں سے بچ جائے۔ صندوق اس نے آپ کو فروخت کر دیا، لیکن بڑھئی کے دل میں بدنیتی پیدا ہو گئی وہ فرعونی لوگوں کے پاس گیا جو بچوں کو ذبح کرنے پر مقرر تھے کہ انہیں بتا سکے، جب وہ ان کے پاس آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان کو بند کر دیا۔ وہ ہاتھ سے اشارے کر رہا تھا، ان لوگوں نے اسے (پاگل سمجھ کر) مارا اور بھگا دیا جب وہ واپس اپنے گھر آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان کو اس پر پھر لوٹا دیا۔ پھر وہ دوسری مرتبہ ان لوگوں کی طرف گیا تاکہ انہیں بتا سکے پھر اس کی زبان بند ہو گئی پھر ہاتھوں سے اشارے کرنے کی وجہ سے انہوں نے مارا گھر لوٹا۔ پھر اس کی زبان ٹھیک ہو گئی۔ پھر تیسری مرتبہ انہیں بتانے کے لئے گیا تو اس کی زبان بھی بند ہو گئی۔ اور اندھا ہو گیا۔ پھر اس کی پٹائی ہوئی اور اسے واپس بھگا دیا گیا۔ اب وہ سچے دل سے توبہ کرنے لگا: اے اللہ تعالیٰ اگر تو مجھے میری نظر اور زبان دے دے تو میں کسی کو نہیں بتاؤں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کو قبول فرما لیا اور اسے زبان اور نظر دے دی۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو صندوق میں ڈال کر دریا کے حوالے کر دیا فرعون کی ایک بیٹی تھی اور اس کی کوئی اولاد نہ تھی وہ اپنی بیٹی سے بہت زیادہ محبت کیا کرتا تھا وہ بھی اپنے باپ کے پاس تین حاجات پیش کرتی تھی۔ وہ بہت زیادہ برص کی بیماری میں مبتلا تھی فرعون نے اس کے بارے میں طبیبوں اور جادوگروں سے مشورہ کیا انہوں نے کہا اے بادشاہ یہ اس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتی جب تک دریا میں سے ایک انسان کے مشابہ کوئی چیز نہ نکلے اور اس کی لعاب لے کر اس کے برص والے مقامات پر ملی جائے پھر یہ ٹھیک ہو جائے گی اور یہ بھی اس وقت ہوگا جب فلاں دن اور فلاں مہینہ ہو اور سورج خوب روشن ہو، جب وہی

دن آ گیا تو فرعون نے دریا کے کنارے پر محفل سجائی اس کے ساتھ اس کی زوجہ آسیہ بنت مزاحم بھی تھی، فرعون کی بیٹی بھی اپنی لونڈیوں کے ساتھ دریا کے کنارے پر جا کر بیٹھ گئی۔ دریائے نیل سے ایک نہر فرعون کے محلات کی طرف آئی ہوئی تھی، اس میں فرعون کی بیٹی اور اس کی لونڈیاں نہانے لگیں، انہوں نے دیکھا ایک تابوت دریا کی موجوں میں ہچکولے کھا رہا ہے، جو ایک درخت کے ساتھ آ کر رکا ہے۔ فرعون نے حکم دیا کہ جلدی سے وہ تابوت میرے پاس لایا جائے کشتی والے لوگوں نے جلدی سے وہ تابوت فرعون کے پاس پیش کر دیا۔

انہوں نے کوشش کی کہ اس کو کھولیں لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے، پھر توڑنا چاہا لیکن توڑنے میں بھی کامیاب نہ ہوئے، فرعون کی زوجہ آسیہ کو اس تابوت کے اندر ایک نور چمکتا ہوا نظر آیا جو دوسروں کو دکھائی نہ دیا۔ جب آسیہ نے تابوت کو کھولنا چاہا تو کھول لیا جس میں ایک چھوٹا سا بچہ تھا جس کی آنکھوں کے درمیان ایک نور چمک رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں اس بچے کی محبت ڈال دی فرعون کی بیٹی نے اس بچے کا لعاب لے کر جب اپنے برص والے مقامات پر لگایا تو وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئی۔ اس نے بچے کو سینے سے لگایا۔ فرعون کو کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ وہی بچہ نہ ہو جس سے ہم بچنا چاہتے ہیں۔ تمہارے ڈر کی وجہ سے اسے دریا میں پھینک دیا گیا ہوگا۔ فرعون نے یہ سن کر بچے کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا، لیکن فرعون کی زوجہ آسیہ نے بچے کی بخشش طلب کی اور اسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ اس طرح یہ پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا جس میں موسیٰ علیہ السلام کی لعاب کی خیر و برکت کا مظاہرہ بھی کرا لیا گیا آپ کو قتل ہونے سے بچا کر رب تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھا دی کہ جس بچے کو ختم کرنے کی غرض سے تم ہزاروں بچے ذبح کرا دیئے اسے میں نے تمہارے پاس پہنچا دیا ہے لیکن تم اسے نہ ذبح کر سکے اور نہ ہی کر سکو گے۔

فرعون کی زوجہ بہت نیک عورت تھی، انبیائے کرام کی نسل سے تھی، غریبوں اور مسکینوں پر رحم کرتی تھی، اس نے فرعون کو کہا کہ یہ بچہ پتہ نہیں کس سرزمین سے آیا ہے تمہارے لئے خطرہ نہ اس ملک کا بچہ ہوگا، یہ بچہ کتنا پیارا اور خوبصورت ہے۔ یہ تو بیٹا بنانے کے قابل ہے، اسے قتل نہیں کرنا ہمارا کوئی بچہ نہیں ہے اس لئے ہم اسے اپنا بچہ بنا لیں گے۔ آسیہ کی یہ بات فرعون اور اس کی قوم کے سرکردہ لوگوں نے تسلیم کر لی۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل ہونے سے بچا لیا۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"تو اسے اٹھا لیا فرعون کے گھر والوں نے کہ وہ ان کا دشمن اور ان پر غم ہو، بیشک فرعون اور ان کے لشکر خطا کار تھے اور فرعون کی زوجہ نے کہا: یہ بچہ میری اور تیری

آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، شائد یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں اور وہ بے خبر تھے" (پ ۲۰ سورت القصص ۸۔۹)

یعنی فرعون اور اس کے وزیر ہامان اور ان کے دوسرے سرکردہ لوگوں کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ یہی وہ بچہ ہے جس نے بڑے ہو کر ہماری بادشاہی کو تباہ کرنا ہے تو وہ اس بچے کو نہ اٹھاتے اور اگر اٹھا بھی لیا تھا تو قتل ضرور کرتے لیکن قدرت باری کا مقابلہ ممکن نہیں۔

"اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈالی اور اس لئے کہ تو میری نگاہوں کے سامنے تیار ہو"۔ (پ ۱۶ سورت طٰہٰ ۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں محبوب بنایا اور مخلوق کا محبوب کر دیا اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنی محبوبیت سے نوازتا ہے، لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں ایسی ملاحت، خوبصورتی اور نورانیت رکھی گئی تھی کہ جو بھی آپ کو دیکھتا وہی آپ سے محبت کرنے لگتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا محبوب بنا لیا تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ آسمان و زمین والے آپ سے محبت نہ کرتے۔

"اور صبح کو موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل بے صبر ہو گیا ضرور قریب تھا کہ وہ اس کا حال کھول دیتی اگر ہم ڈھارس نہ بندھاتے اس کے دل کو کہ اسے ہمارے وعدہ پر یقین رہے اور اس کی ماں نے اس کی بہن کو کہا اس کے پیچھے چلی جاؤ تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور ان کو خبر نہ تھی" (پ ۲۰ سورۃ القصص ۱۰۔۱۱)

"فارغا" کا ایک معنی یہ ہے۔

فراغ الفواد هو الخوف والا شفاق

"کہ دل کو خوف اور ڈر لاحق ہونا"

یعنی آپ کی والدہ کو جب یہ خبر ملی کہ بچہ فرعون کے ہاتھ آ گیا تو آپ کو بہت زیادہ خوف لاحق ہوا کہ وہ کہیں قتل ہی نہ کر دیں۔ دوسرا معنی ہے خالی ہونا۔ یعنی آپ کا دل اور تمام غموں سے فارغ ہو گیا صرف موسیٰ علیہ السلام کا غم دامن گیر ہوا۔ اس معنی کے لحاظ سے ایک مطلب یہ بھی ہے کہ آپ کو جب یہ خبر ملی کہ فرعون کے ہاتھ بچے کا تابوت آ گیا ہے تو آپ کا دل عقل سے خالی ہو گیا۔ ہوش اڑ گئے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں پھر یہ القاء کیا کہ فرعون کی بیوی نے موسیٰ (علیہ

السلام) کو اپنا بیٹا بنالیا ہے۔تو آپ کے دل کو تسلی ہوئی اگر اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو ڈھارس نہ بندھاتا تو ہوسکتا ہے کہ آپ دریا میں پھینکتے وقت واویلا شروع کردیتیں۔ہائے میرے بچے! ہائے میرے بچے! کی پکار سے لوگ خبردار ہوجاتے۔یا آپ کو جب یہ خبر ملی کہ فرعون کی زوجہ آپ کے بچے پر مہربان ہوگئی اس وقت آپ خوشی سے ظاہر کردیتیں کہ میرے بچے کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہر کرنے سے روکے رکھا۔

موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام ''مریم'' تھا۔زیادہ مشہور یہی نام ہے اگرچہ ''کلثوم'' اور ''کلثمہ'' بھی بیان کیا گیا ہے۔آپ کی والدہ نے مریم کو کہا کہ جاؤ دیکھو تابوت کدھر گیا۔کیا وہ ابھی فرعون کے ہاتھ آگیا ہے؟ انہوں نے بچے سے کیا سلوک کیا؟ مریم دور دور سے دیکھتی رہی تاکہ انہیں پتہ نہ چل سکے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ''مریم'' تھا اور ''مریم'' کے باپ کا نام ''عمران'' تھا۔موسیٰ علیہ السلام کی سگی بہن کا نام بھی ''مریم'' ہے اور آپ کے باپ کا نام بھی ''عمران'' ہے۔بعض حضرات نے وہم کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھی۔یہ غلط ہے ان دونوں انبیائے کرام کے درمیان زمانے کے اعتبار سے بہت بڑا فاصلہ ہے۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

''اور ہم نے پہلے ہی سب دائیاں اس پر حرام کردی تھیں، تو بولی: کیا میں تمہیں بتا دوں ایسے گھر والے کہ تمہارے اس بچہ کو پال دیں؟ اور وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔تو ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف پھیرا کہ ماں کی آنکھ ٹھنڈی ہو، اور غم نہ کھائے۔اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت میں اپنی ماں کے دودھ کے بغیر تمام دودھ پلانے والی عورتوں سے نفرت پیدا کردی تھی۔فرعون نے بچے کی پرورش کے لئے دایہ بلانے کا حکم دیا۔جو دایہ بھی آتی آپ اس کا دودھ نہ پیتے۔لیکن بھوک کی وجہ سے بے قرار ہورہے تھے۔فرعون بھی اپنی زوجہ آسیہ کی وجہ سے بچے کی حالت سے فکر مند تھا۔بچے کو گود میں لے کر تسلیاں دے رہا تھا۔اور کہہ رہا تھا کہ کاش کوئی ایسی دایہ مل جائے جس کا دودھ یہ بچہ پینا شروع کردے۔اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے آپ کی بہن نے کہا میں تمہیں ایک گھر والوں کا پتہ بتاتی ہوں جو اس بچے کی تربیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہونے دیں گے جو اس کی پرورش کی ضمانت دیں گے، کسی قسم کی خیانت کی مرتکب نہیں ہوں گے۔خلوص سے سب کام کریں گے، کوئی نقص لازم نہیں آنے دیں گے۔

(وهم له ناصحون) اور وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔جب موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا کہ وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔تو ہامان نے کہا کہ یہ اس بچے کے خاندان کو جانتی ہے اسے پکڑ لو تو خود بچے کے گھرانے کا پتہ چل جائے گا۔تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا: میرا مطلب ہے کہ اس گھرانے کے لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں۔اس بچے کے خیر خواہ میں نے نہیں کہا۔چونکہ وہ خاندان نبوت کی لڑکی تھی اس کی ذہانت اسی قابل تھی کہ اس نے نہایت حسین جواب دے کر اپنے آپ کو اور اپنے بھائی کو بچالیا۔اس کے اس جواب کو سن کر فرعون نے کہا اچھا تم اس عورت کو لے آؤ جس کے متعلق تم کہہ رہی ہو۔تو وہ اپنی ماں کے پاس آئیں اور انہیں لے گئیں۔

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاتھوں میں تھے بھوک اور پیاس کی وجہ سے بے قرار تھے۔وہ آپ کو تسلیاں دے رہا تھا، جبھی آپ کی والدہ پہنچیں تو ماں کی خوشبو سونگھ کر فوراً ماں کی طرف لپکے اور دودھ پینا شروع کردیا۔فرعون نے بڑے تعجب سے پوچھا تم کون عورت ہو؟ کہ اس بچے نے تمہارا دودھ پسند کیا حالانکہ کتنی ہی دایہ ہم نے طلب کیں کسی کا دودھ اس نے نہیں پیا تو آپ کی والدہ نے جواب دیا:

''کہ بیشک میں ایسی عورت ہوں کہ مجھ سے خوشبو آتی ہے یعنی میں اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھتی ہوں میرا لباس صاف ستھرا ہوتا ہے میں اچھی قسم کی خوشبو استعمال کرتی ہوں اور قدرتی خوشبو بھی میرے جسم سے آتی ہے میرا دودھ بھی پاکیزہ، اچھا، خوش ذائقہ اور خوشبودار ہے آج تک میں نے جس بچے کو بھی دودھ پلایا ہے اس نے ضرور میرا دودھ پیا ہے''

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی والدہ کے سپرد کردیا اور ان کا خرچ بھی مقرر کردیا۔رب تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایک وعدہ ڈالا تھا کہ تم اس بچے کو دریا میں پھینک دو میں تمہارے پاس اسے واپس لوٹا دوں گا۔اس وعدہ کو اللہ تعالیٰ نے پورا فرمایا تاکہ آپ کی والدہ کو یقین ہوجائے کہ جب یہ وعدہ پورا ہوگیا ہے تو یہ بچہ رسول بھی ضرور بنے گا۔اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت سے بے خبر ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ اس کی قدرت کے مقابل تمام تدابیر کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔

(از کبیر روح المعانی)

بنی اسرائیل

حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ آپ کے بارہ بیٹے تھے۔ ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ پہلے تو یہ بزرگ کنعان میں آباد تھے پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے بعد مصر میں جا بسے۔ اس طرح بنی اسرائیل مصر میں پھلے پھولے اور لاکھوں کی تعداد تک پہنچ گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کا بادشاہ مصر ریان بن ولید جو آپ کے ہاتھوں مسلمان ہوا تھا جب اس کا انتقال ہوا تو مصر کا نظم ونسق یوسف علیہ السلام کے ہاتھ آ گیا۔ آپ کی وفات کے بعد ایک بادشاہ قابوس نامی والی مصر ہوا۔ کفر وضلالت کی جو رسومات حضرت یوسفؑ کے دور میں ختم ہوگئی تھیں اس نے ان کو از سر نو زندہ کیا۔ جب کہ اولاد یعقوبؑ نے اس طریقہ کو قطعاً قبول نہ کیا تو اس نے ان کو غیر ملکی تصور کر کے غلام بنا لیا اور انتہائی سخت کام لینے لگا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اس کا بھائی ولید بن مصعب والی مصر ہوا۔ مصر کے بادشاہ کو فرعون کہتے ہیں یہ اگلے فرعون سے بھی زیادہ ظالم تھا۔ اس نے کہا: (اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی) میں تمہارا بڑا رب ہوں، رب ہونے کا دعویٰ کیا۔

تفسیر عزیزی میں مذکور ہے کہ اس نے یہ احکام جاری کئے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ تک تمام رعایا مجھے سجدہ کرے۔ چنانچہ ہامان نے سب سے پہلے اسے سجدہ کیا۔ پھر اور وزیروں اور سرداروں نے سجدہ کیا۔ اور جو لوگ دور دراز میں رہتے تھے ان کے لئے اپنے سونے کے مجسمے بنوائے ان کے نیچے ہاتھی کے دانت، آبنوس اور چاندی کے تخت رکھے۔ اور ان کے آس پاس سنہری درخت جڑوائے اور ان کی پتیاں زمرد کی تیار کرائیں۔ اور چاندی سے پرندے تیار کرا کے ان کی چونچ میں جواہر دے کر درختوں کی ہر شاخ پر اس طرح بٹھا دیئے تھے۔ اور ہر جانور میں ایسی ترکیب رکھی تھی

کہ جس وقت بھی خادم اس تخت کو حرکت دیتے تو ان کے پیٹ میں سے یہ آواز نکلتی کہ اے لوگو! فرعون تمہارا خدا ہے اس کو سجدہ کرو۔ اس آواز کو سن کر ہر قصبے اور گاؤں والے اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے۔ لیکن بنی اسرائیل اس سے باز رہے۔ فرعون نے ان کے سرداروں کو بلا کر تنبیہ کی اور ان کو کہا کہ تم نہ مجھے سجدہ کرتے ہو اور نہ میری تصویروں کو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی زندگی سے بیزار ہو۔ لیکن یہ کسی دھمکی سے مرعوب نہ ہوئے۔ اور بنی اسرائیل کے سرداروں نے کہا کہ فرعون کا عذاب ہلکا ہے اور عذاب خداوندی ابدی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ فرعون کے عذاب پر صبر کرو، اور اس کو سجدہ نہ کرو۔ یہ بات تمام بنی اسرائیل نے منظور کر لی اور فرعون کو بھی کہہ دیا کہ ہم ہرگز بھی تجھ کو یا تیری تصوری کو سجدہ نہیں کر سکتے۔ فرعون نے تانبے کی بڑی بڑی دیگیں منگوائیں اور ان میں زیتون کا تیل اور گندھک ڈلوا کر گرم کیا۔ پھر بنی اسرائیل کو سجدہ کا حکم سے انکار کرنے والے کو تیل سے کھولتی ہوئی دیگوں میں پھینکواتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک انبوہ کثیر کو اس نے اس طرح جلا ڈالا۔ تو ہامان نے فرعون سے سفارش کی کہ اے بادشاہ ابھی ان کو مہلت دے تا کہ یہ سوچ سمجھ کر بادشاہ کا حکم قبول کر لیں۔ تو فرعون نے ان کو جلانا موقوف کر دیا۔ لیکن ان پر بیگاریں مقرر کر دیں۔ کچھ عرصہ یوں ہی گزرا۔

یہاں تک کہ فرعون نے تین رات مسلسل دہشت ناک خواب دیکھے کہ ایک آگ تمام مصر کے قبطیوں کی املاک جلاتی ہوئی چلی آتی ہے۔ اور جب بنی اسرائیل کے محلہ سے گزرتی ہے تو کسی کو بھی نہیں جلاتی۔ اور بنی اسرائیل کے محلہ سے ایک اژدہا نکلا اور فرعون کے اوپر دوڑ کر اس کو تخت سے اوندھا ڈال دیا۔ صبح کو فرعون نے نجومیوں کو اکٹھا کیا اور خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری حکومت کے زوال کا سبب ہوگا۔ چنانچہ فرعون نے کوتوال کو بلا کر اعلان کرا دیا کہ ایک ہزار پیادہ بنی اسرائیل کے محلہ میں مقرر کریں اور ایک ہزار دائیاں بھی ان کے ہمراہ کر دیں تا کہ بنی اسرائیل کے جس گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہو اس کو قتل کر ڈالیں اور لڑکیوں کو چھوڑ دیں۔ دو سال تک بنی اسرائیل پر اسی طرح ظلم ہوتا رہا۔

دائرۃ المعارف میں ہے کہ بارہ ہزار لڑکے قتل کئے گئے اور نوے ہزار حمل گرائے گئے۔

صد ہزاراں طفل سر بریدہ شد
تا کلیم اللہ صاحب دیدہ شد

اور تیسرے سال حضرت موسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے۔

مدین آمد اور شادی

"اور آیا ایک آدمی شہر کے آخری گوشہ سے دوڑتا ہوا"

کیونکہ اسے آپ سے محبت تھی اور خیر خواہی چاہتا تھا۔ کہنے لگا:

"اے موسیٰ! سردار لوگ سازش کر رہے ہیں آپ کے بارے میں آپ کو قتل کر ڈالیں اس لئے نکل جایئے"

یعنی اس شہر سے انی لک من الناصحین "بیشک میں آپ کا خیر خواہ ہوں' اور جو کچھ عرض کر رہا ہوں خیر خواہی کے جذبے سے کر رہا ہوں۔

رب قدوس ارشاد فرماتے ہیں:

"پس آپ نکلے وہاں سے ڈرتے ہوئے (یعنی گرفتاری کا) انتظار کرتے ہوئے"

یعنی جب آپ شہر سے نکلے تو کوئی خاص منزل پیش نظر نہ تھی پس جس طرف منہ تھا چل دیئے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کر رہے تھے۔

"اور جب آپ روانہ ہوئے مدین کی جانب (تو دل میں) کہنے لگے امید ہے میرا رب میری رہنمائی فرمائے گا۔ سیدھے راستہ کی طرف اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک انبوہ ہے جو (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے۔ اور دیکھیں اس انبوہ سے الگ تھلگ دو عورتیں کہ اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے ہیں آپ نے پوچھا تم کیوں اس حال میں کھڑی ہو۔ ان دونوں نے کہا ہم نہیں پلا سکتیں جب تک چرواہے اپنے مویشیوں کو لے کر واپس نہ چلے جائیں۔ اور

ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں تو آپ نے پانی پلا دیا ان کے (ریوڑ) کو پھر لوٹ کر سایہ کی طرف آئے اور عرض کرنے لگے میرے مالک! واقعی میں اس خیر و برکت کا جو تو نے میری طرف اتاری ہے محتاج ہوں"۔ (القصص: ۲۱-۲۴)

ان آیات کریمہ میں رب قدوس ارشاد فرما رہے ہیں کہ میرا بندہ و رسول اور کلیم مصر سے گرفتاری کے خوف سے نکل کھڑا ہوا۔ یترقب کا معنی یلتفت (پیچھے مڑ کر دیکھنا کہ کہیں گرفتار نہ ہو جاؤں) ہے۔ آپ ایک ان دیکھی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ نہ منزل کا تعین تھا اور نہ راستے کی واقفیت۔ کیونکہ آپ اس سے پہلے کبھی مصر سے باہر نہیں گئے تھے۔

"اور جب آپ روانہ ہوئے مدین کی طرف"

یعنی اس راستے پر اتفاقاً چل نکلے جو مدین کو جاتا تھا۔

"(تو دل میں) کہنے لگے امید ہے میرا رب میری رہنمائی فرمائے گا سیدھے راستہ کی طرف"

یعنی امید ہے یہ راستہ مجھے منزل مقصود تک لے جائے گا۔ اور ہوا بھی ایسے ہی۔ اس راستے پر چلتے ہوئے آپ واقعی اپنے مقصود تک پہنچ گئے۔ لیکن کیا مقصد تھا؟

"اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے"

مدین کے قریب ایک کنواں تھا جس سے اہل مدین پانی لیتے تھے۔ یہ وہی شہر تھا جہاں اللہ تعالیٰ نے اصحاب ایکہ یعنی قوم شعیب علیہ السلام کو تباہ کیا تھا ان کی ہلاکت کا واقعہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہو چکا تھا۔ جیسا کہ بعض علماء کی تصریحات ملتی ہیں۔

جب آپ کنویں پر پہنچے:

"دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک انبوہ ہے جو (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے۔ اور دیکھیں اس انبوہ سے الگ تھلگ دو عورتیں کہ اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے ہیں"

وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کی بھیڑ بکریاں دوسرے ریوڑ میں مل جائیں۔

اہل کتاب کے بقول وہ سات بہنیں تھیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ یہ ہو سکتا ہے وہ سات ہوں لیکن پانی پلانے دو ہی آئی تھیں۔ لیکن تورات کی کسی آیت کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ تحریف سے محفوظ ہے۔ اگر اس آیت کو تحریف سے محفوظ تسلیم کیا جائے تو تب بھی مطلب یہی ہوگا کہ تھیں تو وہ سات لیکن یہاں پانی پلانے صرف دو آئی تھیں۔ اگر یہ آیت محفوظ نہیں تو پھر ظاہر ہے وہ تھیں ہی کل دو بہنیں۔

"آپ نے پوچھا تم کیوں اس حال میں کھڑی ہو۔ان دونوں نے کہا ہم نہیں پلاسکتیں جب تک چرواہے اپنے مویشیوں کو لے کر واپس نہ چلے جائیں۔اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں"

یعنی ہم ناتواں اس بھیڑ میں پانی پلا بھی نہیں سکتی اور دوسرے غیر مردوں کے اختلاط سے بچنے کی خاطر ہم الگ تھلگ کھڑی ہو جاتی ہیں اور جب وہ پانی پلا کر چلے جاتے ہیں تو ہم پانی پلاتی ہیں۔چونکہ ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں اس لئے ہمیں خود یہ کام کرنا پڑتا ہے۔فسقی لهما موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ریوڑ کو پانی پلا دیا۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ چرواہے پانی پلا کر کنویں کے منہ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتے تھے۔یہ بچیاں ان کے ریوڑ سے جو پانی بچ جاتا وہ اپنے ریوڑ کو پلاتیں۔لیکن جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کی ناتوانی دیکھی تو جذبہ رحمت نے جوش مارا۔اگرچہ آپ تھکے ماندے تھے لیکن اکیلے اس بھاری پتھر کو کنوئیں کے منہ سے ہٹا کر ایک طرف کیا اور ان دونوں بہنوں کے ریوڑ کو اور ان دونوں کو بھی پانی پلایا۔پھر اس پتھر کو اٹھا کر کنوئیں کے منہ پر رکھ دیا حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ پتھر جوان بڑی مشکل سے اٹھاتے تھے موسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک ڈول کھینچا اور ان دونوں (کے ریوڑ) کے لئے کافی ہو گیا۔

پھر آپ سائے میں آ کر بیٹھ گئے۔مفسرین فرماتے ہیں کہ قریب ہی ببول کا درخت تھا جس کے سائے میں آپ بیٹھ کر سستانے لگے۔ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ علیہ السلام نے سبزہ لہلہاتا دیکھا تو عرض کی:

رب انی لم انزلت الی من خیر فقیر

"میرے مالک! واقعی میں اس خیر و برکت کا جو تو نے میری طرف اتاری ہے محتاج ہوں"

آپ کی اس گفتگو کو ایک بچی نے سن لیا۔

"کچھ دیر بعد آئی آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک خاتون شرم و حیا سے چلتی ہوئی (اور آ کر) کہا میرے والد تمہیں بلاتے ہیں تاکہ تم نے ہماری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے اس کا تمہیں معاوضہ دیں۔بس جب آپ ان کے پاس آئے اور اپنا واقعہ ان کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے (تسلی دیتے ہوئے) کہا ڈرو نہیں تم بچ کر نکل آئے ہو ظالموں (کے پنجہ) سے۔ان دو میں سے ایک خاتون نے کہا مرے

(محترم) باپ اسے نوکر رکھ لیجئے۔بیشک بہتر آدمی جس کو آپ نوکر رکھیں وہ ہے جو طاقتور بھی ہو، دیانتدار بھی ہو۔آپ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میں بیاہ دوں تمہیں ایک نہیں اپنی دو بچیوں سے بشرطیکہ تو میری خدمت کرے آٹھ سال تک۔پھر اگر تم پورے کر دو دس سال تو یہ تمہاری اپنی مرضی۔اور میں نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کروں۔تو پائے گا مجھے اگر اللہ نے چاہا نیک لوگوں سے (جو وعدہ ایفا کرتے ہیں)"موسیٰ نے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے پا گئی۔ان دو میعادوں سے جو میعاد میں گزار دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی۔اور اللہ تعالیٰ نے جو قول و قرار ہم سے کیا ہے اس پر نگہبان ہے"۔(القصص:۲۵۔۲۸)

موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو سن کر دونوں بہنیں اپنے باپ کے پاس جا پہنچیں۔وہ بہت حیران ہوئے کہ وہ آج اتنی جلدی کیسے واپس آ گئیں۔دونوں بہنوں نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے بتایا کہ کس طرح انہوں نے ہمارے ریوڑ کو پانی پلا دیا۔بوڑھے نے اپنی ایک بچی کو بھیجا کہ فوراً جا کر مسافر کو بلا لائے۔

"کچھ دیر بعد آئی ان دونوں میں سے ایک خاتون شرم و حیاء سے چلتی ہوئی"

جس طرح کہ آزاد عورتیں عزت و وقار سے چلتی ہیں۔

"(اور آ کر) کہا میرے والد تمہیں بلاتے ہیں تاکہ تم نے جو ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے اس کا تمہیں معاوضہ دیں"

بچی نے صراحتاً اس لئے بتا دیا کہ کہیں مسافر شک میں مبتلا نہ ہو جائے کہ یہ مجھے کیوں بلاتی ہے۔بچی کی گفتگو میں کمال حیاء داری اور سنجیدگی تھی۔موسیٰ علیہ السلام ساتھ ہو لیے۔

"بس جب آپ ان کے پاس آئے اور اپنا واقعہ ان کے سامنے بیان کیا"

یعنی وہ مصر میں ایک آدمی کو غلطی سے قتل کر بیٹھے اور فرعون ان کی جان کا دشمن انہیں پکڑنا چاہتا تھا سو وہ بھاگ نکلے اور اتفاقاً مدین پہنچ گئے تو قال انہوں نے (تسلی دیتے ہوئے) کہا"، یعنی بوڑھے نے:

لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

"ڈرو نہیں۔تم بچ کر نکل آئے ہو ظالموں (کے پنجہ سے"

یعنی فرعون اب آپ تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ مدین اس کی بادشاہی سے باہر ہے۔

بوڑھا کون تھا؟ان کے بارے میں اختلاف ہے۔اکثر لوگوں میں مشہور ہے کہ وہ

حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔جن لوگوں نے قطعیت سے آپ کا نام لیا انہوں نے ایسی روایات سے استدلال کیا ہے جن میں صراحت سے آپ کا نام لیا گیا ہے لیکن سند محل نظر ہے۔

علماء کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ تباہی کے بعد شعیب علیہ السلام نے کافی عمر پائی حتیٰ کہ آپ سے موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور آپ نے اپنی ایک بیٹی بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بیاہ دی۔

ابن ابی حاتم وغیرہ نے حسن بصری سے یہ بات روایت کی ہے کہ بوڑھے کا نام شعیب تھا۔اور وہ اس کنویں کا مالک تھا لیکن یہ حضرت شعیب نبی نہیں جو مدین میں مبعوث ہوئے تھے۔ایک قول یہ بھی ملتا ہے یہ بوڑھا شعیب علیہ السلام کے بھائی کا بیٹا تھا۔شعیب علیہ السلام کی قوم سے تھا اور وہ مومن تھا۔بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ "یترون" نامی کوئی شخص تھا۔یہ رائے اہل کتاب کی ہے۔ان کے نزدیک یترون مدین کا کاہن اعظم تھا۔اور علم و مرتبہ میں کوئی بھی اس کی برابری نہیں کرسکتا تھا۔

حضرت ابن عباس، ضای شریح، ابو مالک، قتادہ، محمد بن اسحاق اور کئی دوسرے مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام کا برادرزادہ تھا۔ابن عباس نے صاحب مدین کے الفاظ زیادہ کیے ہیں یعنی وہ مدین کا سردار اعظم تھا۔

بہر حال جب اس بوڑھے بزرگ نے حضرت موسیٰ کی آؤ بھگت کی۔اور بڑی محبت سے پیش آیا تو آپ نے سارے حالات سے مہربان شخصیت کو مطلع کر دیا۔انہوں نے آپ کو تسلی دی کہ اب آپ فرعون کی دسترس سے نکل آئے۔وہ ظالم آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ایسے میں بزرگ کی بیٹی نے اپنے والد گرامی سے عرض کی یا ابت استاجرہ میرے (محترم) باپ اسے نوکر رکھ لیجئے "یعنی بکریاں چرانے کی خاطر۔پھر اس بچی نے حضرت موسیٰ کی تعریف کی کہ یہ شخص بڑا طاقت ور ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دیانتدار بھی ہے۔

حضرت عمرہ ابن عباس، قاضی شریح، ابو مالک، قتادہ، محمد بن اسحاق اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں جب بچی نے حضرت موسیٰ کی تعریف کی اور بتایا کہ ابا جان یہ شخص بڑا طاقتور اور بہت ایماندار ہے تو انہوں نے پوچھا آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟ تو بچی نے بتایا کہا نہوں نے وہ بڑا پتھر جو کنوئیں کے منہ پر رکھا جاتا ہے اور جسے اٹھانے کے لئے دس جوان چاہیں اکیلے اٹھالیا ہے۔اور جب میں انہیں بلانے گئی اور ان کے آگے آگے گھر کی طرف آ رہی تھی تو انہوں نے کہا کہ میرے پیچھے چلیں اور جب دائیں یا بائیں مڑنا ہو تو کنکر پھینک کر مجھے مطلع کر دیں تاکہ میں

نہ جان لوں۔میں نے اندازہ لگایا کہ اس شخص میں جوان مردی کے ساتھ ساتھ دیانتداری بھی ہے۔آدمی سب سے زیادہ عقل مند ثابت ہوئے ہیں عزیز مصر کہ جب اس نے اپنی عورت سے کہا اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنا۔موسیٰ علیہ السلام کو بلانے والی بچی جس نے والد سے کہا اے میرے محترم باپ اسے نوکر رکھ لیجئے۔بیشک بہتر آدمی جس کو آپ نوکر رکھیں وہ ہے جو طاقتور بھی ہو اور دیانتدار بھی۔اور تیسرے حضرت ابو بکر صدیق کہ انہوں نے عمر بن الخطاب کو خلیفہ مقرر فرمایا"

"آپ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میں بیاہ دوں تمہیں ایک ان اپنی دو بچیوں سے بشرطیکہ تو میری خدمت کرے آٹھ سال تک۔پھر اگر تم پورے کرو دس سال تو یہ تمہاری اپنی مرضی۔اور میں نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کروں۔تو پائے گا مجھے اگر اللہ نے چاہا نیک لوگوں سے (جو وعدہ ایفا کرتے ہیں)"

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کی ایک جماعت نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ اصول وضع کیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو دو میں سے ایک چیز بیچے اور تعین نہ کرے کہ کون سی دوں گا۔بس یہ کہے کہ ان میں سے ایک چیز اتنے روپے کی تمہیں دیتا ہوں تو بیع نق ہو جائے گی اور ایسا کرنا صحیح ہے۔مثلاً کہا ان دو غلاموں میں سے ایک، ان دو کپڑوں میں سے ایک وغیرہ ذالک۔کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بوڑھے شخص نے بغیر تعیین کے فرمایا تھا۔

"ایک ان اپنی دو بچیوں سے"

لیکن یہ اصول محل نظر ہے۔کیونکہ یہ آیت مراوضہ (ترغیب اور تجویز) پر دلالت کرتی ہے نہ کہ عقدہ نکاح پر۔(واللہ اعلم)

حضرت امام احمد بن حنبل کے مذہب کی پیروی کرنے والے لوگ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ کسی کو صرف کھانے اور لباس پر مزدور رکھنا صحیح ہے۔جیسا کہ لوگ عموماً کرتے ہیں۔حضرت ابن ماجہ کی روایت کردہ حدیث جو "باب استجار الاجیر علی طعام بطنہ" کے تحت سنن میں نقل کی ہے وہ بھی اس کی تائید کرتی ہے۔فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن المصفی الحمصی نے بیان کیا۔ہم سے بقیہ بن الولید نے بیان کیا۔انہوں نے مسلمہ بن علی اور حارث بن یزید سے، انہوں نے علی بن رباح سے روایت کی۔کہتے ہیں کہ میں نے عتبہ بن ندر کو کہتے سنا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھے کہ آپ نے سورہ طسم پڑھی حتیٰ کہ جب آپ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ پر پہنچے تو فرمایا "موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو آٹھ سال۔یا دس سال اس شرط پر نوکر رکھا۔کہ نکاح کر لیں گے اور دو وقت کا کھانا کھائیں گے"

لیکن یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مسلمہ بن علی خشنی دمشقی بلاطی آئمہ کے نزدیک ضعیف شمار ہوتے ہیں۔ وہ کسی روایت میں اکیلے ہوں تو ان سے روایت کردہ حدیث حجت نہیں بن سکتی۔ لیکن یہ حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں ہم سے ابو زرعہ نے بیان کیا۔ ہم سے یحییٰ بن عبداللہ بن بکر نے بیان کیا۔ مجھ سے ابن لھیعہ نے بیان کی۔ ابن ابی حاتم ایک اور واسطے سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوزرعہ نے بیان کیا۔ ہم سے صفوان نے بیان کیا۔ ہم سے ولید نے بیان کیا۔ ہم سے عبداللہ بن لھیعہ نے بیان کیا۔ انہوں نے حارث بن یزید حضرمی سے، انہوں نے علی بن رباح لخمی سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عتبہ بن نذر سلمٰی رسول کریم ﷺ کے صحابی کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" بیشک موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو اجیر بنائے رکھا صرف پیٹ کے کھانے اور شرم گاہ کی عفت کے بدلے"

رب قدوس فرماتے ہیں:

"موسیٰ نے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے پا گئی۔ ان دو معیادوں سے جو معیاد میں گزاردوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ جو قول و قرار ہم نے کیا ہے اس پر نگہبان ہے"

یعنی یہ گفتگو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سسر محترم سے کی۔ کہ ٹھیک ہے جیسے آپ فرماتے ہیں۔ میں ان دو مدتوں میں جو بھی پوری کروں گا مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ جو بات ہم ایک دوسرے سے کر رہے ہیں اللہ اسے سن رہا ہے اور دیکھ بھی رہا ہے۔ اور قدرت خود میری اور آپ کی وکیل ہے۔ لیکن یہ کہنے کے باوجود بھی موسیٰ علیہ السلام نے جو مدت زیادہ بنتی تھی وہ پوری کی۔ یعنی پورے دس سال۔ حضرت امام بخاری فرماتے ہیں۔ ہم سے محمد بن عبدالرحیم نے بیان کیا ہم سے سعید بن سلیمان نے بیان کیا۔ ہم سے مروان بن شجاع نے بیان کیا۔ انہوں نے سالم افطس سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کیا فرماتے ہیں کہ مجھ سے "حیرہ" کے ایک یہودی نے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی؟ میں نے کہا میں کچھ نہیں جانتا جب تک کہ یہ بات عرب کے سب سے بڑے عالم کی خدمت میں پیش ہو کر پوچھ نہیں لیتا میں حاضر خدمت ہوا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زیادہ اور بہتر مدت پوری کی بیشک اللہ کے رسول علیہ السلام نے جو فرمایا اس پر عمل بھی کیا۔

اس سند کے ساتھ حضرت امام بخاری روایت کرنے میں اکیلے ہیں۔ اس واقعہ کو نسائی نے حدیث فتون کے ضمن میں روایت کیا ہے۔ جیسا کہ قاسم بن ابی ایوب عن سعید بن جبیر کے

طریق سے عنقریب اسے بیان کیا جائے گا۔

اسے ابن جریر نے احمد بن احمد بن محمد طوسی سے اور ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے۔ ان دونوں نے حمیدی سے، انہوں نے سفیان بن عیینہ سے روایت کیا۔ (کہتے ہیں کہ) مجھ سے ابراہیم بن یحییٰ بن ابی یعقوب نے بیان فرمایا۔ انہوں نے حکم بن ابان سے انہوں نے عکرمہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں نے جبریل امین سے پوچھا موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میں سے کون سی مدت پوری کی؟ انہوں نے کہا کہ جو ان میں اتم اور اکمل تھی۔

ابراہیم جس کا نام سند میں مذکور ہے غیر معروف راوی ہے۔ اس کا نام سوائے اس حدیث کے اور کہیں مذکور نہیں۔ اس حدیث کو بزاز نے احمد بن ابان قرشی سے، انہوں نے سفیان بن عیینہ سے انہوں نے ابراہیم بن اعین سے، انہوں نے حکم بن ابان سے، انہوں نے عرمہ سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، انہوں نبی کریم ﷺ سے روایت کیا اور اس سند کے بعد اسی حدیث کو ذکر فرمایا۔

سعید نے حجاج سے، انہوں نے ابن جریج سے، انہوں نے مجاہد سے اسے مرسلاً ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل سے پوچھا۔ انہوں نے اسرافیل سے پوچھا اور حضرت اسرافیل نے رب عزوجل سے اس سلسلے میں عرض کی تو مولائے کریم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے وہی مدت پوری کی جو ان میں سے نیکی کے بہت قریب اور زیادہ تھی"

اسی قسم کی ایک حدیث ابن ابی حاتم نے یوسف بن سرج کے حوالے سے مرسلاً بیان فرمائی۔

اس حدیث کو ابن جریر نے محمد بن کعب کے طریق سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسی مدت موسیٰ علیہ السلام نے پوری کی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جو ان میں سے زیادہ اور مکمل تھی۔

اس حدیث کو بزاز اور ابن ابی حاتم نے عوید بن ابی عمران جوان کی بیان کردہ حدیث سے روایت فرمایا جو کہ ضعیف ہے۔ وہ اپنے والد گرامی سے۔ وہ عبداللہ بن صامت سے اور وہ ابو ذر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی مدت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوری کی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جو ان میں سے زیادہ مکمل اور نیکی کے زیادہ قریب تھی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی تجھ سے پوچھے کہ دونوں میں سے کس عورت کے ساتھ آپ نے نکاح کیا تو کہنا کہ ان میں سے چھوٹی کے ساتھ"

بزاز اور ابن ابی حاتم عبداللہ بن لھیعہ کے حوالے سے اسی کو روایت کرتے ہیں۔وہ حارث بن یزید حضرمی سے، وہ علی بن اباح سے۔وہ عتبہ بن نذر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ "موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شرم گاہ کی عفت اور پیٹ کے کھانے کے بدلے اپنے آپ کو اجرت پر دے دیا"۔جب مدت پوری ہوگئی۔عرض کی یا رسول اللہ! دونوں میں سے کون سی مدت؟ فرمایا: جوان سے نیکی کے زیادہ قریب اور مکمل تھی۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا کہ اپنے والد گرامی سے کہو کہ وہ تمہیں اپنی بکریاں دے دیں جو ہمارا ذریعہ معاش بنیں۔اس سال بکریوں اور بھیڑوں نے اپنے رنگ سے ہٹ کر جتنے بچے دیئے وہ حضرت شعیب نے بچی کو دینے کا وعدہ فرمایا۔ان کی تمام بھیڑیں اور بکریاں سیاہ رنگ کی بہت خوبصورت تھیں۔موسیٰ علیہ السلام اپنی چھڑی ایک چھوٹے سے حوض میں رکھ دی۔پھر ریوڑ کو لائے اور اس حوض سے پانی پلایا۔جب کوئی بھیڑ یا بکری پانی پی کر ہٹتی حضرت اسے چھڑی مارتے جاتے۔حتیٰ کہ تمام بھیڑ بکریوں کو مارتے گئے۔ساتھ یہ بھی فرماتے "یہ جڑواں جننے والی اور دودھ والی ہوگی ایک دو کو چھوڑ کر باقی تمام نے اپنے رنگ سے ہٹ کر بچے جنے۔

نہ تو ان میں کوئی وسیع دھار والی تھی۔نہ بڑے تھنوں والی کہ جس کے تھن چلتے ہوئے زمین پر لٹکتے ہوں۔نہ پھٹے ہوئے تھنوں والی، نہ بہت چھوٹے تھنوں والی۔نہ کوئی ایسی تھی جس کے تھن بہت چھوٹے ہوں اور دودھ دوہتے ہوئے ہاتھ میں نہ آتے ہوں" رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر تم نے شام کو فتح کیا تو ان بھیڑ بکریوں کی نسل وہاں دیکھو گے اور وہ سامدیہ ہیں۔اس حدیث کا مرفوع ہونا محل نظر ہے ہوسکتا ہے یہ موقوف ہو جیسا کہ ابن جریری نے کہا ہے ہم سے محمد بن مثنی نے بیان کیا: ہم سے معاذ بن ہشام نے۔ہم سے میرے والد گرامی نے۔انہوں نے قتادہ سے روایت کیا۔ہم سے انس بن مالک نے بیان کیا۔آپ فرماتے ہیں کہ "اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دوست کو بتایا کہ جو مدت ہمارے درمیان طے ہوئی تھی وہ گزر گئی ہے تو ان کے دوست (بوڑھے بزرگ) نے فرمایا: جو بکری اپنی رنگ سے ہٹ کر بچہ جنے گی اس کا بچہ تیرا ہوگا۔موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے اور پانی پر رسیاں ڈال دیں۔جب بکریوں نے رسیاں دیکھیں تو وہ ڈر گئیں اور گھومنے پھرنے لگیں۔سوائے ایک کے تمام بکریوں نے چتکبرے بچے جنے۔موسیٰ علیہ السلام اس سال کے تمام بچے کو اپنے ساتھ لے گئے۔

اس سے پہلے ہم ایک اسرائیلی روایت حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق بھی نقل

چکے ہیں۔جب آپ اپنے خالو "لابان" سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے بھی چتکبرے انہیں دینے کا ارادہ کیا۔آپ علیہ السلام نے بھی ویسا ہی کیا جیسا کہ ابھی آپ حضرت موسیٰ متعلق پڑھ رہے ہیں۔واللہ اعلم یہ قصہ کہاں تک صحیح ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے مقررہ مدت پوری کردی اور (وہاں سے) چلے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر تو آپ نے دیکھی طور کے ایک طرف آگ آپ نے اپنے اہل خانہ سے کہا تم ذرا ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔(میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں لے آؤں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا کوئی چنگاری تاکہ تم اسے تاپ سکو پس جب آپ وہاں گئے تو ندا آئی وادی کے دائیں کنارے سے اس بابرکت مقام میں ایک درخت سے کہ اے موسیٰ بلاشبہ میں ہی ہوں اللہ جو رب العالمین ہے۔اور (ذرا) ڈال دو (زمین پر) اپنے عصا کو اب جو اسے دیکھا تو وہ اس طرح لہرا رہا تھا جیسے وہ سانپ ہو آپ پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (آواز آئی) اے موسیٰ! سامنے آؤ اور ڈرو نہیں۔یقیناً تم (ہر خطرہ سے) محفوظ ہو۔ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید (چمکتا ہوا) بغیر کسی تکلیف کے اور رکھ لے اپنے سینہ پر اپنا ہاتھ خوف دور کرنے کے لئے تو یہ دو دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف لے جانے کے لئے بیشک وہ نافرمان لوگ ہیں"۔(القصص:۲۹۔۳۲)

گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں سے جو اور اتم مدت تھی پوری فلما قضی موسی الاجل کے الفاظ سے بھی یہی مفہوم اخذ ہوتا ہے۔حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ آپ نے دس سال اور دس دن کا عرصہ مکمل کیا۔

وسار باھلہ یعنی اپنے سسرال سے رخصت ہوئے اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ آپ گھر والوں کی ملاقات کے لئے بہت اشتیاق رکھتے تھے۔اس لئے آپ نے خفیہ طریقے سے ان سے ملاقات کرنے کی ٹھان لی۔جب آپ مدین سے چلے تو زوجہ محترمہ کے علاوہ بھی ساتھ تھے اور مدین کے قیام کے دوران آپ کو معاش کے لئے جو بکریاں ملی تھیں وہ بھی کے ساتھ تھیں۔

مدین سے روانگی اور بعثت

علماء فرماتے ہیں کہ جس رات آپ نے سفر شروع کیا وہ بہت تاریک اور ٹھنڈی رات تھی۔آپ راستہ بھٹک گئے اور مشہور راستے تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔بہت کوشش کی کہ کہیں راستے کا سراغ ملے لیکن ناکام رہے۔رات کی تاریکی اور شدت اختیار کر گئی اور سردی نے زور پکڑ لیا۔

اسی اثناء میں طور کے ایک طرف دور ایک جگہ آگ بھڑکتی نظر آئی۔یہ پہاڑ آپ کے دائیں مغرب میں تھا۔

قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا اِنِّیْ اٰنَسْتُ نَارًا

"آپ نے اپنے اہل خانہ سے کہا تم ذرا ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے"

لگتا ہے کہ یہ آگ صرف آپ کو نظر آرہی تھی۔اور آپ کے گھر والوں سے پوشیدہ تھی۔کیونکہ یہ آگ نہیں خدائی نور تھا جسے صرف آپ دیکھ رہے تھے۔یقیناً عام آدمی اس نور کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔

لَعَلِّیْ اٰتِیْكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ

"شاید میں لے آؤں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر"

کیونکہ آپ راستے سے دور ویرانے میں چل رہے تھے اس لئے کہا کہ شاید کہیں سے مصر کے راستے کے نشان نظر آجائیں۔

اَوْ جَذْوَةٍ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ

"یا آگ کی کوئی چنگاری تاکہ تم اسے تاپ سکو"

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ علیہ السلام راستہ بھول کر ویرانے میں نکل آئے تھے۔اور رات تاریک اور نہایت خنک تھی۔اس بات کی تائید اس آیت کریم سے بھی ہوتی ہے۔

"اور (اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو اطلاع موسیٰ کے قصے کی جب (مدین سے واپسی پر تاریک رات میں) آپ نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں کو کہا تم (ذرا یہاں) ٹھہرو۔میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں لے آؤں تمہارے لئے اس سے کوئی چنگاری یا مجھے مل جائے آگ کے پاس کوئی راہ دکھانے والا"

(طٰہٰ:۹۔۱۰)

آیت تاریکی اور راستے سے دور نکل جانے پر دلالت کر رہی ہے۔ان تمام کیفیات کو سورۂ نمل میں کھل کر بیان کیا گیا ہے۔

"(یاد فرماؤ) جب کہا موسیٰ نے اپنی زوجہ سے کہ میں نے دیکھی ہے آگ۔ابھی لے آتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا لے آؤں گا تمہارے پاس (اس آگ سے) کوئی شعلہ سلگا کر۔تاکہ تم اسے تاپو"(نمل:۷)

موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس ایک خبر لے آئے لیکن کیسی خبر؟آپ نے راستہ پا لیا لیکن کونسا راستہ؟آپ نے نور سے ایک چنگاری لی لیکن کیسا نور؟

رب قدوس فرماتے ہیں:

"پس جب آپ وہاں گئے تو ندا آئی وادی کے دائیں کنارے سے اس بابرکت مقام میں ایک درخت سے کہ اے موسیٰ بلاشبہ میں ہی ہوں اللہ جو رب العالمین ہوں"

سورۂ نمل میں ارشاد فرمایا:

"پھر جب اس کے پاس پہنچے تو ندا کی گئی کہ بابرکت ہو جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اور (ہر تشبیہ و تمثیل سے) پاک ہے اللہ جو رب العالمین ہے"۔(النمل:۸)

یعنی اللہ پاک ہے جو چاہتا کرتا ہے اور جس چیز کا ارادہ کرتا ہے حکم فرماتا ہے۔

یٰمُوْسٰٓی اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ

"اے موسیٰ! وہ میں اللہ ہی ہوں عزت والا دانا"(النمل:۹)

سورہ طہ میں فرمایا گیا:

''پس جب آپ وہاں پہنچے تو ندا کی گئی اے موسیٰ'' بلا شبہ میں تیرا پروردگار ہوں، پس تو اتار دے اپنے جوتے بیشک تو طوی کی مقدس وادی میں ہے اور میں نے پسند کرلیا ہے تجھے (رسالت کے لئے) سو خوب کان لگا کر سن جو وحی کیا جاتا ہے۔ یقیناً میں ہی اللہ ہوں نہیں ہے کوئی معبود میرے سوا پس تو میری عبادت کیا کر اور ادا کیا کر نماز مجھے یاد کرنے کے لئے۔ بیشک وہ گھڑی (قیامت) آنے والی ہے۔ میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو اس کام کا جس کے لئے وہ کوشاں ہے۔ پس ہرگز نہ روکے تجھے اس (کو ماننے) سے وہ شخص جو نہیں ایمان رکھتا اس پر اور پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی'' (طہ:۱۱-۱۶)

ایک سے زائد متقدمین اور متاخرین مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اس آگ کا ارادہ فرمایا جوان کو نظر آئی تھی اور چلتے چلتے آگ کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کانٹے دار سرسبز شاداب جھاڑی آگ کی لپیٹ میں ہے۔ آگ اپنے پورے جوبن پر بھڑک رہی ہے لیکن درخت کی شادابی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ آپ انگشت بدنداں جہاں تھے وہیں ٹھہر گئے۔ یہ درخت موسیٰ علیہ السلام سے مغرب میں دائیں ہاتھ پر تھا جیسا کہ کلام مجید سے ظاہر ہے۔

''اور آپ نہیں تھے (طور) کی مغربی سمت میں جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف (رسالت کا) حکم بھیجا اور نہ آپ گواہوں میں شامل تھے''

(القصص:۴۴)

موسیٰ علیہ السلام جس بابرکت وادی میں کھڑے تھے اس کا نام ''طوی'' ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا منہ قبلہ کی طرف تھا اور یہ درخت مغرب کی سمت آپ کے دائیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام سے طوی کی مقدس وادی میں گفتگو کی اور حکم دیا اس خطہ پاک کے احترام میں تعظیم و توقیر بجا لاتے ہوئے پاؤں سے جوتے اتار دو اور خصوصاً اس مبارک رات میں جب کہ آپ کا رب آپ سے ہم کلام ہے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے نور کی تیزی کی وجہ سے اپنے چہرے کو ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔ روشنی اس قدر تیز تھی کہ آپ کو اپنی بصارت کے ضائع ہونے کا خدشہ لاحق ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ سے خطاب فرمایا اور کہا:

إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ

''بلا شبہ میں ہی ہوں اللہ جو رب العالمین ہے''

إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي

''یقیناً میں ہی اللہ ہوں نہیں ہے کوئی معبود میرے سوا بس تو میری عبادت کیا کر اور ادا کیا کر نماز مجھے یاد کرنے کے لئے''

یعنی میں رب العالمین ہوں جس کے سواء کوئی معبود نہیں۔ عبادت اور نماز کا مستحق صرف میں ہوں۔ میرے سوا نہ کسی کی عبادت ہوسکتی ہے اور نہ کسی کے لئے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

پھر رب قدوس نے آپ علیہ السلام کو متنبہ کیا کہ اے میرے محبوب بندے یہ دنیا جائے قرار نہیں ہے۔ ہمیشہ کا گھر تو قیامت کے بعد ہوگا۔ اور قیامت ضرور برپا ہوگی۔ اور اس کو برپا کرنے کا سبب یہ ہے کہ۔

لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ. (طه: ۱۵)

''تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو اس کام کا جس کے لئے وہ کوشاں ہے''

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نیک اعمال کی ترغیب فرمائی اور انہیں ایسے بد بخت لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کا حکم دیا جو رب العالمین پر ایمان نہیں لاتے اور زندگی خواہش نفسانی کی پیروی میں گزار دیتے ہیں۔ پھر مخاطب ہوئے اور اپنے محبوب بندے کو تسلی دیتے ہوئے اور اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ میں ہر شے پر قادر ہوں۔ میں کسی چیز کے بارے جب ''ہو جا'' کہتا ہوں تو وہ چیز معرض وجود میں آجاتی ہے۔ فرمایا:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ

''یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ اے موسیٰ!''

یعنی کیا یہ وہی تیرا ڈنڈا نہیں جس کی حقیقت سے تو بہت اچھی طرح واقف ہے۔

قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ (طه:۱۸)

''عرض کی (میرے رب!) یہ میرا عصا ہے۔ میں ٹیک لگاتا ہوں اس پر اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں کے لئے اور میرے لئے اس میں کئی

اور فائدے بھی ہیں''

یعنی کیوں نہیں میرے پروردگار۔ یہ میرا ڈنڈا ہے جس کو میں خوب اچھی طرح پہنچانتا ہوں اور اس کی حقیقت سے واقف ہوں کہ یہ محض ایک لکڑی ہے۔

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسْعٰى (طٰہٰ:۱۹۔۲۰)

''حکم ہوا ڈال دے اسے زمین پر اے موسیٰ! تو آپ نے اسے زمین پر ڈال دیا۔ پس اچانک وہ سانپ بن کر (ادھر ادھر) دوڑنے لگا''

یہ ایک عظیم معجزہ تھا اور اس حقیقت پر ایک قطعی دلیل تھی کہ جو ذات اپنے محبوب بندے سے ہم کلام ہے وہ قادر مطلق ہے۔ وہ جب ہو جا کہتا ہے تو بڑی سے بڑی چیز بھی وجود میں آ جاتی ہے۔ وہ مختار کل ہے۔ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی الٰہی جب مصر کے لوگ مجھے جھٹلائیں گے تو میں کیا کروں گا۔ مجھے کوئی معجزہ عطا فرمایئے جو میری تصدیق کرے۔ رب قدوس نے فرمایا: تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کی۔ میرا عصا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسے زمین پر پھینک دے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جونہی عصا زمین پر پھینکا وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ہاتھ بڑھا کر اس کو دم سے پکڑ لو جونہی موسیٰ علیہ السلام نے اسے ہاتھ میں لیا تو وہ پھر سے ان کے ہاتھ میں عصا تھا۔

رب قدوس ایک دوسری آیت میں فرماتے ہیں:

''اور (ذرا) ڈال دو (زمین پر) اپنے عصا کو۔ اب جو اسے دیکھا تو وہ اس طرح لہرا رہا تھا جیسے وہ سانپ ہو۔ آپ پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا''۔ (القصص:۳۱)

یعنی وہ عصا ایک مہیب اژدہا بن کر لہرانے لگا۔ اس کی ضخامت اتنی بڑی تھی اور دانت اس قدر لمبے تھے کہ انسان دیکھے تو کانپ اٹھے۔ پھر اس میں جان کی سی تیزی تھی جو سانپوں کی ایک تیز ترین قسم ہے۔ جنہیں جان بھی کہتے ہیں اور جنان بھی۔ اگرچہ یہ قسم بہت چھوٹی جسامت رکھتی ہے لیکن ہوتی بلا کی تیز ہے۔ لیکن یہ سانپ تیز ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑی جسامت رکھتا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے سامنے تیزی سے لہراتے دیکھا تو پیٹھ پھیر کر چل دیئے۔ اور اس سے بچنے کے لئے بھاگ جانا چاہا۔ ولم یعقب اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا ایسے میں رب قدوس نے یہ کہتے ہوئے آپ کو مخاطب فرمایا:

''اے موسیٰ سامنے آؤ اور ڈرو نہیں یقیناً تم (ہر خطرے سے) محفوظ ہو''

موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اسے پکڑ لو۔

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى (طٰہٰ:۲۱)

''حکم ہوا اسے پکڑ لو اور مت ڈرو۔ ہم لوٹا دیں گے اسے اپنی پہلی حالت پر''

کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سانپ سے بہت خوف زدہ دکھائی دے رہے تھے جب اسے پکڑنے کا حکم ملا تو آپ نے اپنا ہاتھ چغے کی آستین میں لپیٹ کر سانپ کے منہ میں رکھ لیا۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ آپ نے سانپ کی دم سے پکڑ لیا بہرحال جب آپ نے اسے پکڑا تو وہ سانپ سے پھر ڈنڈا بن گیا جس طرح پہلے وہ دو شاخوں والا ڈنڈا تھا۔ سچ ہے وہ قدیر و عظیم ذات جو مشرق و مغرب کی رب ہے ہر نقص اور عجز سے پاک ہے۔

پھر حکم ہوا کہ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال دیا۔ پھر حکم ملا کہ اب اسے باہر نکالو۔ آپ نے حکم خداوندی کی پیروی کی اور ہاتھ گریبان سے باہر نکالا۔ نظر پڑی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہاتھ چاند کی مانند چمک رہا ہے اور کوئی تکلیف بھی نہیں۔ نہ کہیں برص ہے اور نہ کوئی اور داغ۔ اسی لئے رب قدوس فرماتے ہیں۔

''ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید (چمکتا ہوا) بغیر کسی تکلیف کے۔ اور رکھ لے اپنے سینے پر اپنا ہاتھ خوف دور کرنے کے لئے''

(القصص:۳۲)

کہا جاتا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب تجھے زندگی کے کسی موڑ پر خوف لاحق ہو تو اپنے ہاتھ کو اپنی سینے پر رکھ لینا سارا خوف دور ہو جائے گا اور بارگاہ خداوندی سے دل کو سکون و قرار کی دولت نصیب ہو جائے گی۔

پھر آپ نے فرعون کے احسانات جتانے کے جواب میں فرمایا:

''اور یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے۔ حالانکہ تو نے غلام بنا رکھا ہے بنی اسرائیل کو''۔ (الشعراء:۲۲)

تجھے اپنی نعمتیں یاد ہیں اور مجھ پر احسان جتلا رہا ہے حالانکہ یہ بنی اسرائیل کے ہزاروں افراد کی شب و روز کی محنت اور زندگی بھر تیری غلامی اور تیری خدمت میں رات دن مشغول رہنے کی برابری کر سکتی ہے۔

''فرعون نے پوچھا کیا حقیقت ہے رب العالمین کی؟ آپ نے فرمایا (رب

العالمین وہ ہے جو) مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر ہو تم یقین کرنے والے۔ فرعون نے اپنے اردگرد بیٹھنے والوں سے کہا کیا تم سن نہیں رہے آپ نے فرمایا وہ جو تمہارا بھی مالک ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی۔ فرعون بولا بلاشبہ تمہارا یہ رسول جو بھیجا گیا ہے تمہاری طرف یہ تو دیوانہ ہے آپ نے (معاً) فرمایا جو مشرق و مغرب کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو"۔ (الشعرا: ۲۳۔۲۸)

رب قدوس فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہونے والے مناظرہ اور مقالے کو بیان فرما رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے حقیقت کے کیا کیا دلائل پیش کیے کبھی عقلی معنوی دلیلیں پیش کیں اور کبھی عقلی حسی دلائل سے اسے زیر فرمایا کیونکہ فرعون بدبخت اس حقیقت کا منکر تھا کہ کائنات کا بنانے والا کوئی اور ہے اور صرف وہی عبادت کا تنہا مستحق ہے اس کا دعویٰ تھا کہ:

فَحَشَرَ فَنَادٰی اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (النازعات: ۲۳۔۲۴)

"پھر (لوگوں کو) جمع کیا پس پکارا اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں"

وَقَالَ فِرْعَوْنُ یَا اَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ
(القصص: ۳۸)

"فرعون نے کہا اے اہل دربار! میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لئے میرے سوا کوئی اور خدا ہے"

مگر موسیٰ علیہ السلام اس کی خدائی کا انکار کرتے تھے وہ جانتے تھے کہ یہ ایک بندہ ہے جس کی باگ ڈور اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ وہ ہے جو خالق ہے۔ ہر چیز کو وجود بخشنے والا ہر چیز کو صورت دینے والا۔ الہ حق ہے جیسا کہ رب قدوس کا ارشاد ہے۔

"اور انہوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کی صداقت کا ان کے دلوں نے (ان کا انکار) محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا۔ پس آپ ملاحظہ فرمایئے کیا (ہولناک) انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں گا" (النمل: ۱۴)

اسی لئے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا اور رب سے ان جان بنتے ہوئے کہا:

وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (الشعراء: ۲۳)

"کہا حقیقت ہے رب العالمین کی"

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا تھا کہ ہم اللہ کے فرستادہ ہیں اس لئے اس نے کہا کہ رب العالمین کون ہے۔ گویا وہ ان سے کہہ رہا ہوں کہ میں تو کسی رب العالمین کو نہیں جانتا۔ کون ہے جس کو تم رب العالمین کہہ رہے ہو؟ اور جس کے فرستادہ ہونے کا تم دعویٰ کرتے ہو۔

موسیٰ علیہ السلام نے جواب فرمایا:

"آپ نے فرمایا رب العالمین وہ ہے جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر ہو تم یقین کرنے والے" (الشعراء: ۲۷)

یعنی ان آسمانوں اور اس زمین کا جو تمہیں نظر آ رہے ہیں اور ان میں جو بے شمار مخلوق ہے بادل بارش، نباتات، حیوانات سب کے متعلق اگر تمہیں یقین ہے کہ خود بخود معرض وجود میں نہیں آئے بلکہ ان کا کوئی نہ کوئی موجد، خالق اور پیدا کرنے والا ہے تو وہی اللہ جس کے بغیر کوئی معبود نہیں رب العالمین ہے۔

قال کہا فرعون نے لمن حولہ اپنے اردگرد بیٹھنے والوں یعنی امراء، وزراء اور درباریوں سے حقارت اور استہزاء کے لہجے میں بولا کیا تم موسیٰ کی باتیں سنتے ہو۔

قال ربکم رب آباء کم الاولین

"آپ نے فرمایا وہ جو تمہارا بھی مالک ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی"

قال میں مستتر ضمیر کا مرجع موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ رب العالمین وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے جو پہلے تھے یعنی تمہارے آباؤ اجداد ان کو پیدا کیا۔ دنیا میں پہلے جتنے بھی انسان پیدا ہو کر فوت ہوئے ہر ایک اس حقیقت سے واقف تھا کہ وہ خود بخود پیدا نہیں ہوئے نہ ان کے ماں باپ خود بخود پیدا ہوئے تخلیق کا یہ سلسلہ کوئی حادثہ نہیں کہ اچانک رونما ہوا بلکہ ہر چیز کو اس ذات نے وجود بخشا۔ ہر ایک کو تخلیق کیا گیا۔ اور جس نے کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا اور عدم سے وجود بخشا وہی رب العالمین ہے۔ یہ دونوں مقام قرآن کریم کی اس آیت میں مذکور ہیں۔

"ہم دکھائیں گے انہیں اپنی نشانیاں آفاق (عالم) میں اور ان کے اپنے نفسوں

میں تا کہ ان پر واضح ہو جائے کہ قرآن واقعی حق ہے"

لیکن اس حکمت بھری گفتگو کے باوجود بھی فرعون کی آنکھیں نہ کھلیں اور وہ اپنی گمراہی سے باز نہ آیا۔ بلکہ کفر وطغیان اور عناد میں سرگرم عمل رہا۔

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ

"فرعون بولا بلا شبہ تمہارا یہ رسول جو بھیجا گیا ہے تمہاری طرف یہ تو دیوانہ ہے۔
آپ نے (معا) فرمایا جو مشرق ومغرب کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو"

یعنی ان دو روشن ستاروں کو اپنے اپنے راستے پر گامزن کرنے والا جو آسمان پر قندیلوں کی مانند چمک رہے ہیں اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں تاریکی اور روشنی کا پیدا کرنے والا۔ زمین اور آسمانوں کا رب، اولین اور آخرین کا پروردگار۔ مہر و ماہ کو وجود عطا کرنے والا۔ تمام ستاروں اور تمام گرم ثوابت کا خالق۔ رات کو تاریکی اور دن کو روشنی مہیا کرنے والا رب العالمین ہے جس کی طرف میں تمہیں بلا رہا ہوں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے قبضے میں ہے۔ وہ ہر فرد مخلوق کا مسخر ہے۔ سب اسی کے حکم سے فضا میں تیرتے پھرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے پیچھے ایک مقررہ نظام کے تحت رواں دواں ہیں اور گھوم رہے ہیں وہ ذات بہت بلند ہے جو ان کی خالق مالک اور مخلوق میں اپنی مضی سے تصرف کرنے والی ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے دلائل کے انبار لگا دیئے اور شکوک وشبہات کا قلع قمع فرمادیا اور اس کے پاس سوائے عناد اور ہٹ دھرمی کے کچھ نہ بچ رہا تو اس نے اپنی طاقت اور سطوت کے استعمال کا ارادہ کیا اور اپنی بادشاہی اور قوت کے ذریعے خدائی طاقت کو مغلوب کرنے کا سوچا۔

"اس نے (رعب جماتے ہوئے) کہا (یاد رکھو!) اگر تم نے میرے سواء کسی کو خدا بنایا تو میں تمہیں ضرور قیدیوں میں داخل کردوں گا۔ فرمایا: اگرچہ میں لے آؤں تیرے پاس ایک روشن چیز۔ اس نے کہا پھر پیش کرواسے اگر تم سچے ہو۔ پس آپ نے ڈالا اپنا عصا تو اسی وقت وہ صاف اژدہا بن گیا اور آپ نے باہر نکالا اپنا ہاتھ تو یک لخت وہ سفید ہوگیا دیکھنے والوں کے لئے" (الشعراء: ۳۳)

یہ وہی دو معجزے تھے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ کی پشت پناہی فرمائی۔ یہ دو معجزے ایک عصا تھا اور دوسرا ید بیضاء۔ یہی وہ مقام ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اس معجزے کا اظہار کیا جس سے عقلیں دنگ اور آنکھیں حیرانی سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جب آپ نے عصا پھینکا تو ایک لمحے میں وہ صاف اژدہا بن گیا۔ جو شکل وصورت، اور ضخامت میں اس قدر ہولناک تھا اور اس سے ایک ایسا خوفناک منظر سامنے آیا کہ کہا جاتا ہے فرعون کی سٹی گم ہوگئی۔ مارے خوف کے تھر تھر کانپنے لگا۔ اس قدر دہشت طاری ہوئی کہ ایک دن میں چالیس مرتبہ قضائے حاجت کے لئے جاتا۔ کہتے ہیں کہ وہ پہلے چالیس دن میں ایک مرتبہ پاخانہ کرتا تھا لیکن اژدہا دیکھ کر مارے خوف کے اس کا اس قدر برا حال ہوا کہ معمول بالکل الٹ گیا۔

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے اسے دوسرا معجزہ بھی دکھایا۔ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کیا۔ پھر اسے نکالا تو وہ چاند کی مانند چمک رہا تھا اور آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا اور پھر جب دوبارہ ہاتھ گریبان میں ڈالا اور نکالا تو اصل رنگت لوٹ آئی۔

لیکن ان کھلے معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود بھی وہ راہ راست پر نہ آیا۔ پہلے کی طرح کفر وضلالت کے راستے پر گامزن رہا بلکہ کہنے لگا کہ یہ سب جادو کی کرشمہ سازی ہے۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں ٹھان لی۔ اپنے پورے ملک سے بڑے بڑے جادوگر بلا لیے جو اس کی رعایا کہلواتے تھے اور اس کی دولت اور سلطانی میں رہائش پذیر تھے۔

رب قدوس سورہ طہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"اور میں نے مخصوص کرلیا ہے تمہیں اپنی ذات کے لئے۔ اب جایئے آپ اور آپکا بھائی میر نشانیاں لے کر اور سستی نہ کرنا میری یاد میں۔ آپ دونوں جائیں فرعون کے پاس وہ سرکش بنا بیٹھا ہے۔ اور گفتگو کریں اس کے ساتھ نرم انداز سے شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔ دونوں نے عرض کی اے ہمارے رب! ہمیں یہ خوف ہے کہ وہ دست درازی کرے گا ہم پر یا سرکشی سے پیش آئے گا۔ ارشاد ہوا ڈرو نہیں۔ میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں (ہر بات) سن رہا ہوں اور (ہر چیز) دیکھ رہا ہوں"۔ (طہ: ۴۱-۴۶)

جس رات کو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی۔ انہیں نبوت سے نوازا اور شرف ہم کلامی بخشا اسی رات کی گفتگو ان آیات میں بیان کی جارہی ہے۔ رب قدوس فرماتے ہیں اے میرے محبوب رسول جب تم فرعون کے گھر پرورش پا رہے تھے تو بھی میں تمہیں دیکھ رہا تھا تم میری

نگہبانی اور حفاظت میں تھے اور میرا لطف و کرم تم پر سایہ فگن تھا۔ پھر میں نے تمہیں اپنی مشیت، تقدیر اور اپنی تدبیر سے مصر سے نکالا اور تم مدین میں ایک عرصہ قیام پذیر رہے۔

ثم جئت علی قدر

''پھر تم آ گئے ایک مقررہ وعدے پر''

یعنی میرے مقررہ وعدے پر۔ اور آپ کی آمد میری تقدیر اور مشیت کے تحت تھی۔

واصطنعتک لنفسی

''اور میں نے مخصوص کر لیا ہے تمہیں اپنی ذات کے لئے''

یعنی اپنی رسالت اور شرم ہم کلامی بخشنے کے لئے میں نے تمہیں اپنے لئے چن لیا۔

اذھب انت واخوک بایاتی ولا تنیا فی ذکری (طٰہٰ:۴۲)

''اب جائیے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیاں لے کر اور نہ سستی کرنا میری یاد میں''

یعنی جب فرعون کے پاس تم دونوں جاؤ اور دربار میں پہنچو تو میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔ کیونکہ فرعون کے ساتھ گفتگو اور بحث و تمحیص میں میرا ذکر تمہارے لئے مددگار ثابت ہوگا۔ میری یاد کی شمع اگر دل میں روشن ہوگی تو تم ایک سرکش کو نصیحت کرنے اور اس پر حجت قائم کرنے میں ایک غیبی مدد محسوس کرو گے۔

ایک حدیث قدسی میں آتا ہے کہ رب قدوس فرماتا ہے ''میرا جو بھی بندہ میرا ذکر کرتا ہے وہ اپنے مقصد کو پا لیتا ہے''

رب قدوس ارشاد فرماتے ہیں:

''اے ایمان والو! جب جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ'' (انفال: ۴۵)

رب قدوس نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے پھر فرمایا:

''آپ دونوں جائیں فرعون کے پاس وہ سرکش بنا بیٹھا ہے اور گفتگو کریں اس کے ساتھ نرم انداز سے۔ شاید کہ وہ نصیحت قبول کر لیا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے''۔ (طٰہٰ: ۴۳۔۴۴)

اگر چہ رب قدوس جانتا تھا کہ فرعون کفر کرے گا۔ سرکشی اور عناد نہیں چھوڑے گا اور کلام

حق کو حقارت سے ٹھکرا دے گا لیکن اللہ کا اپنی مخلوق پر کرم، رافت و رحمت دیکھیے کہ اپنے دو جلیل القدر نبیوں کو حکم دے رہا ہے کہ اس سے نرم لہجے میں گفتگو کرنا شاید وہ سمجھ جائے اور سرکشی ترک کر دے رسول کریم ﷺ کو بھی یہی فرمایا گیا۔

''اے محبوب! بلائیے (لوگوں کو) اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور ان سے بحث (ومناظرہ) اس انداز سے کیجئے جو بڑا پسندیدہ (اور شائستہ ہو)''۔ (النحل: ۱۲۵)

ایک اور مقام پر رب قدوس فرماتے ہیں۔

''اور (اے مسلمانو!) بحث مباحثہ نہ کیا کرو اہل کتاب سے مگر شائستہ طریقہ سے مگر وہ جنہوں نے ظلم کیا ان سے''۔ (عنکبوت: ۴۶)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ **فقولا لہ قولا لینا** کا مطلب یہ ہے۔ کہ تم دونوں جا کر اس کے سامنے اس حقیقت کو واضح کر دو کہ تیرا اور ہمارا ایک پروردگار ہے۔ قیامت کے روز ہمیں اس کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اب تیری مرضی جنت کی راہ اختیار کرے یا جہنم کی۔

وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے اس سے جا کر کہنا عفو و درگزر میرے نزدیک سزا اور عقوبت کی نسبت زیادہ پسندیدہ ہے۔ یذید رقاشی اس آیت کے ضمن میں کہتے ہیں کہ اے وہ جو اپنے دشمنوں سے اس قدر محبت رکھتا ہے تو اپنے دوستوں اور ماننے والوں پر کس قدر مہربان ہوگا۔

''دونوں نے عرض کی اے ہمارے رب! ہمیں یہ خوف ہے کہ وہ دست درازی کرے گا ہم پر یا سرکشی سے پیش آئے گا''۔ (طٰہٰ: ۴۵)

موسیٰ اور ہارون علیہم السلام نے ایسا اس لئے کہا کیونکہ فرعون بہت جابر، سرکش، شیطان اور بدتمیز آدمی تھا۔ مصر کے طول و عرض کا وہ بلا شرکت غیرے بادشاہ تھا۔ اس کا بڑا رعب و دبدبہ تھا۔ اور ایک بڑا لشکر اس کے اشارے کا منتظر رہتا تھا۔ یہ دونوں بھائی بتقاضاء بشری اس کی سطوت و جبروت سے خوف کھانے لگے تھے کہ کہیں وہ انہیں دیکھتے ہی ظلم وستم کا نشانہ نہ بنا ڈالے۔ اللہ بزرگ و برتر نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

''ڈرو نہیں میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں (ہر بات) سن رہا ہوں اور (ہر چیز) دیکھ رہا ہوں''

جیسا کہ ایک دوسری آیت کے الفاظ ہیں:

اِنَّنَا مَعَکُمْ مُسْتَمِعُوْنَ (الشعراء ۱۵)

"ہم تمہارے ساتھ ہیں اور (ہر بات) سننے والے ہیں"

"پس (بے خوف وخطر) اس کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ ہم دونوں تیرے رب کے فرستادہ ہیں۔ پس بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور انہیں (اب مزید) عذاب نہ دے۔ ہم لے آئے ہیں تیرے پاس ایک نشانی تیرے رب کے پاس سے اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ بیشک وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ عذاب (خداوندی) اس پر آئے گا جو جھٹلاتا ہے (کلام الٰہی کو) اور روگردانی کرتا ہے"۔ (طٰہٰ: ۴۷۔۴۸)

اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ میں نے انہیں پیغام توحید پہنچانے کے لئے فرعون مصر کے پاس بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ جا کر فرعون کو بتائیں کہ ظلم کی انتہا ہو چکی اب بنی اسرائیل کو آزاد کر دے اور ظلم کی یہ داستان یہیں پر ختم کر دے قد جئناک بایۃ من ربک سے مراد وہ بڑی دلیل ہے جو اللہ نے آپ کو عصا اور ید بیضا کی صورت میں عطا فرمائی۔ والسلام علی من اتبع الھدی کے الفاظ کے ساتھ بلیغ و عظیم فائدہ کو ہدایت کے ساتھ مشروط کر دیا۔ پھر اسے دھمکی دی اور تکذیب کے خوفناک انجام سے ڈراتے ہوئے فرمایا۔

اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَا اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی

"کہ جو حق کو اپنے دل سے جھٹلائے گا اور اپنے اعمال سے اس سے منہ موڑے گا اس کے لئے عذاب مقدر ہو چکا ہے"

سدی وغیرہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے واپس آئے تو اپنی والدہ ماجدہ اور بھائی ہارون کو ملے۔ وہ دونوں رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ شلغم کا سالن پکا تھا۔ آپ نے ان دونوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ پھر فرمایا ہارون! اللہ تعالیٰ نے مجھے اور آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم فرعون کو اللہ کی عبادت کا حکم پہنچائیں۔ اٹھ میرے ساتھ چل۔ دونوں اٹھ کر چل دیئے اور فرعون کے محل پر پہنچے لیکن دروازہ بند تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے دربانوں اور دروازے پر متعین پہرہ داروں سے کہا جا کر فرعون کو بتاؤ کہ اللہ کا رسول دروازے پر کھڑا ہے۔ دربان آپ کا مذاق اڑانے لگے اور ہنسنے لگے۔

بعض لوگوں کا گمان ہے کہ فرعون نے بہت دیر بعد انہیں ملاقات کی اجازت

دی۔ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ موسیٰ اور ہارون کو دو سال بعد ملاقات کی اجازت ملی کیونکہ کوئی شخص بھی ان کے لئے اجازت مانگنے کی جسارت نہیں کرتا تھا۔ (واللہ اعلم)

"فرعون نے کہا: کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں اپنے جادو کے سبب ہماری زمین سے نکال دو؟ اے موسیٰ (علیہ السلام) تو ضرور ہم بھی تیرے آگے ویسا ہی جادو لائیں گے، تو ہم میں اور اپنے میں ایک وعدہ ٹھہرا دو جس سے نہ ہم بدلیں گے نہ تم۔ (جہاں مقابلہ ہوگا وہ) ہموار جگہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تمہارا وعدہ میلے کا دن ہے اور یہ لوگ دن چڑھے جمع کئے جائیں"

(پ ۱۶ سورۃ طہٰ ۵۷۔۵۹)

فرعون نے کہا تم اپنے جادو سے ہمیں ہماری زمین سے نکالنا چاہتے ہو؟ ہم بھی اپنے جادوگر جانتے ہیں وہ تمہارے ساتھ مقابلہ کریں گے: لہٰذا تم ہمارے ساتھ ایک دن اور ایک جگہ مقرر کر لو تاکہ اس دن مقابلہ ہو، وعدہ پر دونوں فریق قائم رہیں، کوئی بھی اپنے وعدے سے نہ پھرے۔ ایسی جگہ کا انتخاب کرنا جو ہموار میدان ہو، اس میں نشیب و فراز ہوتا کہ سب لوگ یہ مقابلہ دیکھیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا ٹھیک ہے تم اپنے میلے کا دن مقرر کر لو اس لئے کہ تمہارے تمام لوگ اس دن فارغ ہو کر ایک جگہ عیش و عشرت کے لئے جمع ہوتے ہیں اس طرح تمام لوگ اس مقابلہ کو آسانی سے دیکھ سکیں گے اور تمام لوگوں کو دن چڑھے جمع ہونا چاہیے۔

"تو جمع کیے گئے جادوگر ایک مقرر دن کے وعدہ پر اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم جمع ہوگے شائد ہم ان جادوگروں کی پیروی کریں اگر یہ غالب آجائیں پھر جب جادوگر آئے فرعون سے بولے کیا ہمیں کچھ مزدوری ملے گی اگر ہم غالب آئے اس نے کہا ہاں اس وقت تم میرے مقرب ہو جاؤ گے" (پ ۱۹ سورہ شعراء ۳۸۔۴۲)

جادوگر میلے کے دن آ گئے، لوگوں کو بھی کہہ دیا گیا کہ سب لوگ ضرور جمع ہونا کیونکہ ہمیں امید ہے کہ ہمارے جادوگر ہی غالب آئیں گے ہم ان کے دین پر قائم رہیں گے، اگرچہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے دین پر آنا ہی نہیں چاہتے تھے لیکن لوگوں کو مائل کرنے کے لئے انداز ایسا رکھا کہ کلام میں شک ہو کہ شائد ہم ان جادوگروں کی ہی تابعداری کریں گے اگر یہ غالب آگئے۔

جادوگر جب فرعون کے دربار میں آئے تو انہوں نے شاہی دربار سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور کہا کہ اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہمیں بہت بڑا معاوضہ ملے گا جو بادشاہ کی شان کے مطابق ہو؟ فرعون نے کہا ہاں! میں تمہیں اپنا مقرب بنا لوں گا۔ بادشاہ جن کو اپنا قریبی بنا لیتے ہیں

ان پر قومی خزانوں کا تو منہ کھول دیا جاتا ہے وہ انعام کا سن کر مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے۔

(از روح المعانی)

حضرت موسیٰؑ نے جادوگروں کو یوں تبلیغ کی:

''ان سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تمہیں خرابی ہو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھو، کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کر دے اور بے شک نامراد رہا جس نے جھوٹ باندھا، اور وہ اپنے معاملہ میں ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے۔ اور چھپ کر مشورہ کرنے لگے، بولے بے شک یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری زمین سے اپنے جادو کے زور سے نکال دیں اور تمہارا اچھا دین لے جائیں، تو اپنے داؤ کو پکا کرلو (تمام میلے میں مل کر جمع کرلو) پھر سب صف باندھے آجاؤ، آج وہی کامیاب ہوگا جو اس مقابلہ میں کامیاب رہا''

(پ ۱۶ سورہ طٰہٰ ۶۱۔۶۴)

یہاں سے یہ بیان کیا جارہا ہے کہ فرعون نے جب جادوگروں کو جمع کرلیا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے ہونے پر کیا کیا؟ تو اس کا جواب دیا جارہا ہے۔

قال لهم بطريق النصيحة

''آپ نے انہیں نصیحت کے طور پر کہا''

کہ میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دکھاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے معجزات عطا فرمائے ہیں، تم یہ کہتے ہو کہ میں یہ جادو کر رہا ہوں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے، اس سے تو تمہاری بربادی ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب سے تباہ کر دے گا۔ جس عذاب کو ٹالنے کی تمہیں کوئی قدرت حاصل نہیں ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام کی اس نصیحت پر......

فتنازعوا اى السحرة حين سمعوا كلامه عليه الصلوة والسلام كان الك غاظهم فتنازعوا

یعنی آپ کے کلام کو سن کر جادوگر غیظ وغضب میں ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگے اور بحث کرنے لگے کہ کیسے اسے جواب دیا جائے؟ اور یہ مشورہ ان کا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے چھپ کر تھا کہ وہ اس پر واقف نہ ہو جائیں۔ آخر کار ان کو اسی پر اتفاق ہوا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں، یہ تو ہمیں اس زمین سے نکالنا چاہتے ہیں۔ ہمیں ان سے سر توڑ مقابلہ کرنا

چاہئے اپنے اپنے داؤ اس کے سامنے لاکر اسے عاجز کرنا چاہیے۔ کامیابی پر ہمیں غلبہ حاصل ہوگا۔

(تفسیر ابوسعود)

''انہوں نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام یا تو آپ داؤ ڈالیں یا ہم (اپنی رسیاں اور لاٹھیاں) ڈالنے والے ہیں، آپ علیہ السلام نے کہا: تم ڈالو، جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی نگاہوں پر جادو کر دیا، اور انہیں ڈرایا اور بڑا جادو لائے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے انہیں تبلیغ کی کہ تم غلط راہ پر ہو اپنی بربادی نہ تلاش کرو۔ لیکن جادوگر جب باز نہ آئے، مقابلہ پر ہی ان کا اتفاق ہوا اور انہوں نے کہا موسیٰ علیہ السلام کو کہ اب ذرا سامنے آجاؤ یا پہلے تم اپنا عصا ڈالو یا ہم اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالتے ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان پر کوئی اثر نہیں ہوا تو آپ نے انہیں کہا کہ ٹھیک ہے پہلے تم ہی ڈال دو''

(پ ۹ سورت اعراف ۱۱۵۔۱۱۶)

یاد رہے کہ جادوگروں کو موسیٰ علیہ السلام کا فرمانا: ''پہلے تم ڈالو'' یہ جادو کی اجازت نہیں تھی۔ بلکہ ان کی ضد پر انہیں پہلے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالنے کی اجازت دی، ذکر کردہ بحث سے وہ اعتراض رفع ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو جادو کرنے کی اجازت دی، حالانکہ جادو کرنا کفر ہے۔ کفر کی اجازت دینا بھی کفر ہے تو آپ نے کیسے اجازت دی؟ اس کا جواب واضح ہو چکا ہے کہ آپ علیہ السلام نے انہیں جادو سے روکا اور یہ بتایا کہ یہ باعث عذاب ہے۔ لیکن جب وہ جادو کرنے پر بضد تھے تو آپ نے کہا ٹھیک ہے اگر اپنے کفر کی وجہ سے میرے معجزے سے مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو کرلو، تا کہ حق اور باطل میں فرق واضح ہو جائے۔ جب انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں تو لوگوں کی آنکھوں پر اثر کر دیا کہ وہ صحیح دیکھنے سمجھنے کے قابل نہ رہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ جادو سے کسی چیز کی حقیقت کو نہیں بدلا جا سکتا یہ صرف ایک بناوٹ ہوتی ہے۔

لو كان السحر حقا لكانوا قد سحر واقلوبهم لا اعينهم

''اگر جادو حق ہوتا یعنی اس کی کوئی حقیقت ہوتی تو یہ ذکر کیا جاتا کہ ان کے دلوں پر جادو کر دیا یہ نہ کہا جاتا کہ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا''

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ انہوں نے رسیوں اور لاٹھیوں پر پارہ چڑھا دیا تھا، پھر دھوپ میں رکھنے کی وجہ سے ان میں حرکت پیدا ہو گئی۔ لوگوں نے سمجھا کہ یہ اپنے اختیار سے

حرکت کر رہی ہیں، ان کی حرکت کو دیکھ کر لوگ ڈر گئے۔ وہ ایک دوسرے کو ڈرانے لگے کہ بچ جاؤ یہ تو سانپ بن گئے ہیں۔ کیونکہ کثیر مقدار میں تو خود جادوگر تھے۔ اور پھر ہر ایک کے ہاتھ میں کتنی کتنی لاٹھیاں اور رسیاں تھیں۔ اس طرح اس میدان میں ہر طرف سانپ ہی سانپ نظر آنے لگے گئے۔

(تفسیر کبیر)

فاوجس فی نفسه خیفة موسی. قلنا لا تخف انک انت الا علی

(پ ۱۶ سورت طٰہٰ ۶۷-۶۸)

''تو اپنے نفس میں موسیٰ علیہ السلام نے خوف پایا ہم نے فرمایا: ڈر نہیں بے شک تو ہی غالب ہے''

موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو بلا خوف و خطر تبلیغ فرمائی کہ بے شک تم اپنے جادوگروں کو بلا لو تو ڈرنے کا مطلب کیا ہوسکتا ہے جب کہ

قد علم موسی علیه السلام انهم ل یصلون الیه وان الله ناصره

موسیٰ علیہ السلام کو یقینی طور پر علم حاصل تھا کہ یہ جادوگر اور ان کے بنائے ہوئے سانپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ میرا ناصر ہے آپ کو ڈر اس چیز کا محسوس ہوا۔

انه خاف ان تدخل علی الناس شبهة فیما یرونه فیظنوا انهم قد ساووا موسی علیه السلام ویشتبه ذالک علیهم

کہ لوگ کہیں جادوگروں کے جادو کو دیکھ کر یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ یہ لوگ بھی موسیٰ علیہ السلام کے برابر ہی ہیں، لوگوں پر کہیں جادو اور معجزہ میں فرق کرنا مشکل نہ ہو جائے۔ جو اصل مقصد ہے کہ لوگوں پر معجزہ کا غلبہ واضح ہو جائے وہ فوت نہ ہو جائے پس صرف اسی بات کا خوف تھا۔

رب تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام ڈریئے نہیں بے شک آپ کو ہی غلبہ حاصل ہوگا یعنی جادوگر خود ہی اپنی شکست کا جب اعتراف کریں گے اور آپ کی حقانیت تسلیم کر لیں گے تو مقصد پورا ہو جائے گا۔ (ماخوذ از کبیر)

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی اَنْ اَلْقِ عَصَاکَ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَایَاْفِکُوْنَ. فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَاکَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. فَغُلِبُوْا هُنَالِکَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِیْنَ. وَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ قَالُوْا آمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. رَبِّ مُوْسٰی وَهَارُوْنَ

''اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اپنا عصا ڈال، تو ناگاہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا، تو حق ثابت ہوا اور ان کا کام باطل ہوا، تو یہاں وہ مغلوب ہوئے اور ذلیل ہو کر پلٹے اور جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے، بولے ہم ایمان لائے جہاں کے رب پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا''

وحی کرنے سے مراد حقیقی وحی بھی ہوسکتی ہے اور الہام بھی، یعنی ہوسکتا ہے کہ اس وقت آپ کے دل میں القاء کر دیا گیا ہو کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں، وہ ان کے جادو سے بنائے ہوئے سانپوں کو نگل جائے گا جب آپ نے اپنا عصا ڈالا تو وہ بہت بڑا اژدہا بن گیا اس نے اپنا منہ کھولا تو اس کے منہ کے درمیان اسی ذراع (ایک سو بیس فٹ) کا فاصلہ تھا اور اسی نے ان کی تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل لیا، حالانکہ وہ تین سو اونٹوں پر لاد کر لائے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب اسے پکڑا تو وہ پہلے کی طرح عصا ہوگیا۔ جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں معدوم ہوگئیں۔ یعنی ایسے باقی نہ رہیں جیسے ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔

بعض جادوگروں نے دوسرے جادگروں کو کہا کہ یہ جادو نہیں ہوسکتا کیونکہ جادو میں ایک چیز کی حقیقت نہیں بدلتی صرف دوسرے لوگوں کی آنکھوں پر اثر ہوتا ہے، اگر یہ جادو ہوتا تو ہماری رسیوں اور لاٹھیوں کو نہ نگل لیتا۔

فاستدلوا به علی ان موسی علیه السلام نبی صادق من عند الله تعالیٰ

''اس سے انہوں نے دلیل پکڑی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں''۔ (تفسیر کبیر)

واضح ہوا کہ علم کو بہت بڑی فضیلت حاصل ہے کیونکہ وہ لوگ اپنے جادو کا علم میں کامل درجہ رکھتے تھے انہیں معلوم تھا کہ جادو کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کی انتہاء کہاں ہے؟ جب وہ اپنے فن کا اعلیٰ درجے کا علم رکھتے تھے تو......

وجدوا معجزة موسی علیه السلام خارجة عن حد السحر علموا انه من المعجزات الا لهیة لا من جنس التمویهات البشریة

''انہیں معلوم ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ جادو کی حد سے خارج ہے انہیں یقین ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ معجزات سے ہے، انسانی بناوٹ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر وہ اپنے جادو کے علم میں کامل درجہ نہ رکھتے ہوتے تو وہ معجزہ اور جادو میں فرق نہ کر پاتے، بلکہ کہتے کہ وہ شخص جادو

کے علم میں ہم سے زیادہ ہے، اسی لئے ہم اس سے عاجز آ گئے ہیں۔ پتہ چلا کہ وہ جادو کے علم میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے اسی کامل علم کی وجہ سے وہ کفر سے ایمان کی طرف منتقل ہوئے۔"

فاذا کان حال علم السحر کذالک فما ظنک بکمال حال الانسان فی علم التوحید

"جب جادو کے علم سے ان کو اتنا فائدہ حاصل ہوگیا تو اے انسان ذرا غور کر کہ اگر تجھے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ہو تو اس میں کتنا ہی کمال ہوگا؟" (کبیر)

جب جادوگروں پر موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کی حقیقت کھل گئی تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے بے اختیار سجدہ میں گر گئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق عطا کی ہے کہ ہمیں پتہ چل گیا یہ معجزہ ہے جادو نہیں، پھر انہوں نے کہا رب العالمین پر ہمارا ایمان ہے۔

خیال رہے کہ صرف رب تعالیٰ پر ایمان لانے سے ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی بلکہ ایمان مکمل اسی وقت ہوتا ہے جب نبی پر ایمان لائے، کیونکہ نبی پر ایمان لانے سے تمام ایمانیات پر ایمان لانا لازم ہو جاتا ہے اسی لئے انہوں نے پھر کہا کہ ہمارا ایمان موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب تعالیٰ پر ہے یعنی انہیں اسی نے نبی بنا کر بھیجا ہے۔

جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ شروع کرنے سے پہلے کہا:

"اے موسیٰ (علیہ السلام) یا تو آپ ڈالیں اور یا ہم ڈالنے والے ہیں"

انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر پہلے کیا اور اپنا ذکر بعد میں کیا:

"بیشک جادوگر قوم نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر پہلے کر کے آپ کے ادب و احترام کی اچھے طریقے سے پاسداری کی، صوفیائے کرام نے فرمایا ہے: کہ اسی ادب و احترام کی برکت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کی نعمت سے سر فراز کیا" (تفسیر کبیر)

سبحان اللہ! کیا شان ہے انبیائے کرام کی، کہ ان کے ادب و احترام سے کافروں کو ایمان نصیب ہوتا ہے اور ان کی گستاخی کی وجہ سے کلمہ توحید پڑھنے والے بھی مردود ہو جاتے ہیں۔

اس واقعہ سے پتہ چلا کہ اس زمانے میں جادوگر کثیر تعداد میں تھے، اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسا معجزہ دیا گیا جس سے آپ نے جادوگروں کا مقابلہ کیا اور ان کو عاجز کر دیا،

تمام انبیائے کرام کو ان کے زمانے کے مطابق معجزات عطا کئے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں علم طب (حکمت) کا زور تھا آپ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطاء ہوئے کہ تمام اطباء (حکماء) ان سے عاجز رہے۔ کیونکہ آپ کو مردوں کا زندہ کرنا، مادر زاد اندھے کو نظر عطا کرنا، کوڑھ والے کو درست کرنے کے معجزات عطاء ہوئے۔ جو کسی طبیب کی طاقت میں یہ نہ تھا کہ ایسا کر سکے، نبی کریم ﷺ کے زمانے میں فصاحت کا زور تھا۔ بڑے بڑے شعراء ایک ایک طرح و شعر پر قصائد لکھ دیتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے جب اللہ تعالیٰ کا کلام پیش کیا جو آپ کا عظیم معجزہ ہے تو وہ تمام عاجز آ گئے، کسی ایک کو جرأت نہ ہوسکی کہ قرآن پاک کی انچھوٹی سورۃ کا مقابلہ کر سکے جب کہ قرآن پاک نے انہیں بار بار چیلنج بھی کیا۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر)

فرعون ...... جو خدائی کا دعویدار تھا، کہتا تھا: **(انا ربکم الاعلی)** میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں اس ...... کے متعلق تمام لوگوں کو پتہ چل گیا کہ وہ ذلیل، عاجز، گھٹیا انسان ہے۔

والا لما احتاج الی الا ستغانة بالسحرة فی دفع موسی علیه السلام

"ورنہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے دفاع میں جادوگروں سے امداد طلب نہ کرتا"

اگر خدا ہوتا تو خود ہی صرف "کن" سے کام تمام کر دیتا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ جادوگر کسی چیز کی حقیقت کو نہیں بدل سکتے، اگر وہ کسی چیز کی حقیقت کو بدل سکتے تو فرعون کو یہ نہ کہتے کہ "اگر ہم غالب آ گئے تو کیا تو ہمیں اجرت دے گا"؟ بلکہ وہ خود ہی مٹی سے سونا بنا لیتے۔ بلکہ وہ اپنے جادو کے ذریعے فرعون کی بادشاہی پر قبضہ کر لیتے یا کسی اور ملک کی بادشاہی حاصل کر کے بہت بڑے رئیس بن جاتے۔ انسانون کو ان آیات سے متنبہ کیا گیا کہ تم باطل اور جھوٹے اقوال اور شعبدہ بازی کے افعال سے فریب نہ کھا جانا، بلکہ اپنے ایمان پر قائم رہنا۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر)

"فرعون نے کہا تم اس پر ایمان لے آئے ہو اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دیتا یہ تو بڑا مکر ہے جو تم سب نے شہر میں پھیلایا ہے کہ شہر والوں کو اس سے نکال دو، تو اب جان جاؤ گے قسم ہے کہ میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا، پھر تم سب کو سولی دوں گا"

(پ ۹ سورہ اعراف ۱۲۳۔۱۲۴)

جب فرعون نے دیکھا کہ جادوگروں نے تمام مخلوق کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کر لیا ہے اسے خوف ہوا کہ تمام لوگ آپ پر ایمان نہ لے آئیں۔ اس نے دو قسم کے بہتان ڈال کر قوم کو ایمان لانے سے منع کرنے کی کوشش کی، ایک تو اس نے یہ کہا: کہ ان لوگوں کا

ایمان لانا اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت کو دیکھا ہے بلکہ انہوں نے پہلے سے موسیٰ علیہ السلام سے ساز باز رکھی تھی کہ ہم تمہاری نبوت کا اقرار کرلیں گے اورتم پر ایمان لے آئیں گے۔ لوگ ہمیں دیکھ کرتم پرایمان لائیں گے۔

دوسری بات اس نے یہ کہی کہ موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا اتفاقی مشورہ یہ ہے کہ تمہیں تمہارے شہروں سے باہر نکال دیں اور خود اس ملک پر قابض ہوجائیں۔ وطن سے لوگ کو بہت زیادہ محبت ہوتی ہے اس لئے وہ ان لوگوں کو ایمان سے دور رکھنے میں کامیاب ہوگیا اگرچہ اس کے دونوں شبہات کی کوئی حیثیت نہیں تھی، لیکن قوم بھی تو بے سمجھ ہی تھی۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر)

"انہوں نے کہا ہم ہرگز تجھے ترجیح نہیں دیں گے ان روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئیں، ہمیں اپنے پیدا کرنے والے کی قسم تو کرلے جو تجھے کرنا ہے، تو اس دنیا ہی کی زندگی میں تو کرے گا۔ بیشک ہم اپنے رب تعالیٰ پر ایمان لائے کہ وہ ہماری خطائیں بخش دے اور وہ جو تو نے ہمیں مجبور کیا جادو پر۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر ہے اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ بے شک جو اپنے رب تعالیٰ کے حضور مجرم ہوکر آئے تو ضرور اس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ مرے اور نہ جیئے، اور جو اس کے حضور ایمان کے ساتھ آئے کہ اچھے کام کئے ہیں انہی کے درجے اونچے بسنے کے باغ، جن کے نیچے جاری نہیں ہیں۔ اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور یہ صلہ اس کا ہے جو پاک ہوا" (پ۱۶ سورہ طٰہٰ ۷۲۔۷۶)

فرعون کی دھمکی کو انہوں نے دوٹوک الفاظ میں رد کردیا اور اس کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا: کیونکہ انہیں کامل یقین اور مکمل بصیرت حاصل ہوچکی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام سچے نبی ہیں، انہوں نے فرعون کو کہا کہ تمہارے فیصلہ کا تعلق دنیا کی زندگی سے ہے جو فانی ہے اور ہمارا مطلوب اخروی زندگی کی سعادت حاصل کرنا ہے جو ہمیشہ کے لئے باقی ہے۔ اور عقل کا تقاضہ ہے کہ ان فانی نقصانات کو برداشت کرلیا جائے جو باقی رہنے والی سعادت تک پہنچانے کا ذریعہ نہیں۔

"انہوں نے کہا ہم اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں اور تجھے ہمارا کیا برا لگا، یہی نہ کہ ہم اپنے رب کی طرف نشانیوں پر ایمان لائے جب وہ ہمارے پاس آئیں۔ اے رب ہمارے! ہم پر صبر انڈیل دے (ہمیں صبر عطا کر) اور ہمیں مسلمان اٹھا"۔ (پ۹ سورت اعراف ۱۲۵،۱۲۶)

انہوں نے رفعون کی دھمکیوں کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم مرعوب ہونے والے

نہیں: کیونکہ ہم تو اپنے رب تعالیٰ کی طرف پھرنے والے یعنی اسی پر ایمان لانے والے ہیں۔ اے بے عقل، خدائی کے دعوے دار! تو کس چیز کو برا سمجھ رہا ہے؟ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی نشانیاں آگئی ہم ان کو دیکھیں کر ایمان لائے۔ بس یہی چیز تجھے ناپسند آئی۔

پھر انہوں نے رب تعالیٰ سے دعا کی، کہ اے اللہ تعالیٰ! اگرچہ تو نے ہمیں سیدھی راہ پر قائم کردیا اور فرعون کی دھمکیوں کے مقابل صبر عطا کردیا ہے، لیکن یہ نعمت ہمارے پاس قائم اسی وقت رہ سکتی ہے جب تیرا فضل ہمیں شامل حال رہے۔ انہوں نے عرض کیا:

ربنا افرغ علینا صبرا

"اے ہمارے رب ہمیں کامل صبر عطا کر"

افراغ الاناء

اس وقت کہا جاتا ہے جب برتن کو انڈیل کر اس میں موجود چیز کو کامل طریقہ سے بہادیا جائے، گویا انہوں نے کامل صبر طلب کیا: کہ اللہ صبر ہم پر انڈیل دے۔ اور لفظ "صبرا" نکرہ ذکر کیا جس میں تنوین تعظیم پر دلالت کررہی ہے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے عظیم صبر کی دعاء کی۔ ان کی دعا کو رب تعالیٰ نے قبول فرمالیا اور انہیں وہ عظیم صبر عطاء فرمایا جس کی بدولت انہیں شہادت جیسی عظیم مرتبہ نصیب ہوا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فعل ذالک وقطع ایدیھم و ارجلھم من خلاف وھذا ھو الاظھر مبالغتمنہ فی تحذیر القوم عن قبول دین موسی علیہ السلام

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرعون نے اپنی دھمکی پر عمل کردکھایا وہ جادوگر جنہوں نے ایمان قبول کرلیا تھا ان کے ہاتھ پاؤں کٹوادیئے اور انہیں شہید کروا دیا گیا، یہی قول زیادہ واضح ہے کیونکہ فرعون نے اپنا رعب جمانے اور قوم کو موسیٰ علیہ السلام کا دین قبول کرنے سے روکنے اور ڈرانے میں مبالغہ ثابت کرنے کے لئے ایسا کیا"

"اور بیشک ہم نے فرعون والوں کو برسوں کے قحط اور پھلوں کے گھٹانے سے پکڑا کہ کہیں وہ نصیحت مانیں"۔ (پ۹ سورت اعراف ۱۳۰)

اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کرنے سے پہلے دنیا میں چھوٹے چھوٹے عذاب دے کر

سوچنے سمجھنے کا موقع دیا کہ یہ کفر و معصیت سے باز آ جائیں، فرعون نے اپنے چار سو برس کی عمر میں سے تین سو بیس سال تو اس آرام کے ساتھ گزارے تھے کہ اس کی مدت میں کبھی درد یا بخار یا بھوک میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔ اب قحط سالی کی سختی ان پر اس لئے ڈالی گئی کہ وہ اس سختی ہی سے خدا کو یاد کریں اور اس کی طرف متوجہ ہوں، لیکن وہ کفر میں اس قدر راسخ ہو چکے تھے کہ ان تکلیفوں سے بھی ان کی سرکشی ہی بڑھتی رہی۔

''تو جب انہیں بھلائی ملتی کہتے یہ ہمارے لئے ہے اور جب برائی پہنچتی تو موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھ والوں سے بدشگونی لیتے سن لو ان کے نصیبہ کی شامت تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہے لیکن ان میں اکثر کو خبر نہیں اور بولے تم کیسی بھی نشانی لے کر ہمارے پاس آؤ کہ ہم پر اس سے جادو کرو ہم کسی طرح بھی تم پر ایمان لانے والے نہیں''۔ (پ ۹ سورت اعراف ۱۳۱۔۱۳۲)

جب ان کو ارزانی فراخی خوشحالی اور امن و عافیت حاصل ہوتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارا حق ہے ہم جب مستحق تھے تو اسی لئے ہی یہ امن و عافیت کی حالت ہمیں حاصل ہے وہ اسے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ سمجھتے اور نہ ہی شکر بجا لاتے اور جب انہیں تنگ حالی قحط سالی اور مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا تو کہتے کہ یہ بلائیں تو موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کی وجہ سے پہنچیں اگر یہ نہ ہوتے تو یہ مصیبتیں بھی نہ آتیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ شامت تو تمہارے اپنے اعمال یعنی کفر و ضلالت کی وجہ سے ہے جو اس نے تمہارے لئے مقرر کیا ہے وہی تمہیں حاصل ہونا ہے پھر اصل شامت تو وہ ہوگی جب تمہیں جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے گا''

حق تو یہ ہے کہ وہ اس قسم کی تنبیہات کی وجہ سے سوچتے سمجھتے کفر و ضلالت کو چھوڑتے اور ایمان لے آتے لیکن وہ اپنی سرکشی میں اتنے غالب آ چکے تھے کہ ایمان لانے سے سراسر انکار کر دیا جب وہ اپنی ہٹ دھرمی میں یہاں تک پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے خلاف دعا کر دی۔

رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰۤی اَمۡوَالِهِمۡ وَاشۡدُدۡ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ

اے رب ہمارے! ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دل سخت کر دے۔ آپ کی دعا کو قبول کر لیا گیا فرعونیوں کے درہم و دینار پتھر ہو کر رہ گئے یہاں تک کہ پھل اور کھانے کی چیزیں بھی برباد ہو گئیں اور طرح طرح کی ان پر آزمائشیں آئیں۔

''تو بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی، گھن (یا کلنی یا جوئیں) اور مینڈک

اور خون جدا جدا نشانیاں تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھی''

(پ ۹ سورت اعراف ۱۳۳)

جب جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد بھی فرعونی اپنے کفر اور سرکشی پر جمے رہے تو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پے در پے نشانیاں آنے لگیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے حضور عرض کر دیا تھا کہ اے اللہ فرعون اس دنیا میں بہت سرکش ہو چکا ہے لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے اور اس کی قوم کو ایسے عذاب میں گرفتار کر جو ان کے لئے سزا اور میری قوم اور بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت کا سبب بنے تو اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیجا، ابر آیا اندھیرا ہوا، کثرت سے بارش ہونے لگی۔ قبطیوں کے گھروں میں پانی بھر گیا۔

یہاں تک کہ وہ اس میں کھڑے رہ گئے اور پانی ان کی گردنوں کی ہنسلیوں تک آ گیا۔ ان میں سے جو بیٹھا ڈوب گیا۔ نہ ہل سکتے اور نہ کچھ کام کر سکتے تھے۔ ہفتہ کے دن سے پھر ہفتہ کے دن تک سات روز اسی مصیبت میں مبتلا رہے اور باوجود اس کے کہ بنی اسرائیل کے گھر ان کے گھروں سے متصل تھے ان کے گھروں میں پانی نہ آیا۔ جب یہ لوگ عاجز ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے ہمارے لئے دعا فرمایئے کہ یہ مصیبت دور ہو تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے پاس بھیج دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی، طوفان کی مصیبت دور ہوئی، زمین میں سرسبزی و شادابی آئی جو پہلے نہ دیکھی تھی، کھیتیاں خوب ہوئیں، درخت خوب پھلے تو فرعونی کہنے لگے۔ یہ پانی تو نعمت تھا۔ اور وہ ایمان نہ لائے۔ ایک مہینہ اسی طرح ان کا عافیت میں گزر گیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ''ٹڈی'' بھیجی' وہ کھیتیاں اور پھل، درختوں کے پتے، مکانوں کے دروازے، چھتیں، تختے، سامان یہاں تک کہ لوہے کی کیلیں تک کھا گئی۔ اور قبطیوں کے گھروں میں بھر گئیں اور بنی اسرائیل کے گھروں میں نہ گئیں۔ اب قبطیوں نے پریشان ہو کر پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی، ایمان لانے کا وعدہ کیا۔ اس پر عہد و پیمان کیا۔ سات روز تک ٹڈی کی مصیبت میں گرفتار رہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے نجات پائی، کھیتیاں اور پھل جو کچھ باقی رہ گئے تھے انہیں دیکھ کر کہنے لگے، یہ ہمیں کافی ہیں۔ ہم اپنا دین نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ ایمان لانے کا وعدہ انہوں نے ایفاء نہ کیا اور اپنے برے اعمال میں مبتلا رہے۔ ایک ماہ پھر ان کا اس طرح عافیت میں گزر گیا۔

اس کے بعد ان پر ''قمل'' کا عذاب آیا۔ قمل سے مراد گھن یا جوں یا کوئی اور چھوٹا

سا کیڑا ہے۔اس کیڑے نے جو کھیتیاں اور پھل باقی بچے تھے وہ کھا لئے ، کپڑوں میں گھس جاتا تھا اور جلد کو کاٹتا تھا کھانے میں بھر جاتا تھا۔اگر کوئی دس بوری گیہوں چکی پر لے جاتا تو تین سیر واپس لاتا۔باقی سب کیڑے کھا جاتے۔یہ کیڑے فرعونیوں کے بال بھنویں پلکیں چاٹ گئے۔جسم پر چیچک کی طرح بھر جاتے۔سونا دشوار کردیا تھا۔اس مصیبت سے فرعونی چیخ پڑے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا ہم توبہ کرتے ہیں، آپ اس بلا کے دفع ہونے کی دعا فرمایئے۔آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس مصیبت کو بھی سات روز کے بعد دور فرمایا۔ لیکن فرعونیوں نے پھر وعدہ توڑ دیا اور ایمان نہ لائے بلکہ پہلے سے زیادہ برے اعمال شروع کردیئے ایک ماہ ان کا پھر آرام سے گزر گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ''مینڈک'' بھیجے۔اور یہ حال ہوا کہ آدمی بیٹھتا تھا تو اس کی مجلس میں مینڈک بھر جاتے تھے۔بات کرنے کے لئے منہ کھولتا تو مینڈک کود کر منہ میں داخل ہو جاتا۔ ہانڈیوں میں مینڈک ، کھانے میں مینڈک اور چولہوں میں مینڈک بھر جاتے تھے۔آگ بجھ جاتی تھی۔مینڈک اوپر سوار ہو جاتے تھے۔اس مصیبت سے فرعونی رو پڑے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا اس دفعہ ہم پکا وعدہ کرتے ہیں کہ توبہ کریں گے ایمان لائیں گے۔آپ دعا کریں یہ مصیبت ہم سے ٹل جائے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے عہد و پیمان لے کر پھر دعا فرمائی سات روز یہ عذاب بھی ان پر رہا آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ بھی دور ہوا ایک مہینہ ان کا پھر امن و عافیت میں گزر گیا لیکن انہوں نے پھر وعدہ توڑ دیا اور اپنے کفر پر برقرار رہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کا عذاب نازل کیا ان کے تمام کنوؤں کا پانی نہروں اور چشموں کا پانی دریائے نیل کا پانی غرضیکہ ہر پانی ان کے لئے تازہ خون بن گیا۔انہوں نے فرعون سے اس کی شکایت کی تو کہنے لگا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جادو سے تمہاری نظر بندی کی ہے انہوں نے کہا نظر بندی کیسے ہمارے برتنوں میں خون کے سوا پانی کا نام و نشان ہی نہیں تو اس نے حکم دیا کہ قبطی اور بنی اسرائیل ایک ہی برتن سے پانی لیا کریں، لیکن اس کا بھی انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا۔بنی اسرائیل جب نکالتے تو پانی ہی نکلتا لیکن جب اسی برتن سے قبطی نکالتے تو خون نکلتا۔

یہاں تک کہ فرعونی عورتیں پیاس سے عاجز ہو کر بنی اسرائیل کی عورتوں کے پاس آئیں اور ان سے پانی مانگا تو وہ پانی ان کے برتن میں آتے ہی خون ہو گیا تو فرعونی عورت کہنے لگی کہ تو پانی اپنے منہ میں لے کر میرے منہ میں ڈال دے جب تک وہ پانی اسرائیلی عورت کے منہ میں رہا پانی تھا جب فرعونی عورت کے منہ میں آیا خون بن گیا۔فرعون کا شدت پیاس کی وجہ

سے برا حال تھا۔درختوں کا رس چوس رہا تھا۔وہ بھی منہ میں پہنچتے ہی خون بن جاتا۔پھر اس مصیبت سے تنگ آ کر موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی اور ایمان لانے کا وعدہ فرمایا۔موسیٰ علیہ السلام نے پھر دعا کی اس طرح یہ عذاب بھی سات روز رہنے کے بعد ختم ہو گیا مگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے ان کے بار بار ایمان لانے کے وعدے اور مصیبت اٹھ جانے پر وعدے کو توڑنے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ مبارکہ میں ارشاد فرمایا:

''اور جب ان پر عذاب واقع ہوتا کہتے اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لئے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے پاس ہے۔بیشک اگر تم ہم پر عذاب اٹھا دو گے تو ہم ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے۔پھر جب ہم ان سے عذاب اٹھا لیتے ایک مدت کے لئے جس تک انہیں پہنچنا ہے جبھی وہ پھر جاتے''۔(پ ۹ سورہ اعراف ۱۳۴۔۱۳۵)

ان پر عذاب ایک ایک ہفتہ رہے جب بھی کوئی عذاب آتا موسیٰ علیہ السلام سے ایمان لانے کا وعدہ کرتے کہ تم دعا کرو کہ اگر یہ عذاب ہم سے اٹھا لیا جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے عذاب جب اٹھا لیا جاتا پھر وعدہ توڑ دیتے ایک مہینہ ان کا آرام سے گزر جاتا پھر دوسرے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہر بار انہوں نے ایمان لانے کا وعدہ کیا لیکن توڑ دیا۔

(ماخوذ از خزائن العرفان)

''اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے چل اور ان کے لئے دریا میں خشک راستہ نکال دے تجھے ڈر نہ ہوگا فرعون آ لے اور نہ خطرہ''۔(پ ۱۶ سورہ طہ ۷۷)

موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو رات میں مصر سے نکال کر لے جاؤ یعنی اب بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کا وقت آ چکا ہے۔

رات کو نکالنے کا حکم دیا تا کہ بنی اسرائیل کا اجتماع دشمن کے سامنے نہ ہو اور وہ ان کی مراد کی تکمیل میں مانع نہ بنے، رات کو نکالنے کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ فرعون اور اس کا لشکر ان کا پیچھا کر کے ان کو روک نہ سکے اور فرعون کے عظیم لشکر کو دیکھ کر بنی اسرائیل خوف نہ کریں۔چاندنی رات میں موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو ساتھ لے کر چلے۔بنی اسرائیل کے پاس کافی مقدار میں سونے اور چاندی کے زیورات بھی تھے جو انہوں نے قبطیوں سے مانگ کر لئے ہوئے تھے کہ ہم انہیں اپنی عید میں استعمال کریں گے وہ پہلے بھی ان سے زیورات لیتے رہتے تھے۔

یوسف علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ جب تم مصر سے نکلو تو میرا تابوت بھی ساتھ لے کر جانا تو موسیٰ علیہ السلام نے آپ کی وصیت کے مطابق ایک بوڑھی عورت کی نشاندہی پر وہ تابوت نکال کر خود بنفس نفیس اٹھایا۔

ابن ابی حاتم حضرت ابو موسیٰ اشعری سے ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دیہاتی کے پاس ایک مرتبہ ٹھہرے، اس نے حضور کی مہمان نوازی کی اور بہت تعظیم اور تکریم کی، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم کبھی ہمارے پاس بھی آنا، تو وہ دیہاتی ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: بتاؤ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ کہ میں تمہیں عطا کروں۔ اس نے کہا: ایک اونٹنی جس پر کجاوہ پڑا ہوا ہو اور ایک دودھ دینے والی بکری جس کا دودھ میرے گھر والے پیئیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: تو تو بنی اسرائیل کی بوڑھی عورت سے بھی گیا گزرا ہوا ہے۔ (اس نے تو جنت کی طلب کی تھی) صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ بنی اسرائیل کی بوڑھی عورت کا واقعہ کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو ساتھ لے کر چلے تو راستہ بھول گئے اس پر حیرانگی سے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے یہ کیا ہوا کچھ لوگوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت کا علم تھا تو انہوں نے کہا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت ہمارے آباؤ اجداد سے پختہ وعدہ لیا تھا کہ مصر سے نکلتے وقت میرا تابوت ضرور ساتھ لے جانا، ہمارے بھولنے کی یہی وجہ ہو سکتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے کون ہے جو یوسف علیہ السلام کی قبر کو جانتا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم میں سے ایک بوڑھی عورت کے بغیر کوئی بھی نہیں جانتا کہ یوسف علیہ السلام کی قبر کس جگہ واقع ہے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس عورت کو بلا کر کہا کہ تم بتاؤ کہ یوسف علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟ اس نے کہا میں اس وقت تک نہیں بتاؤں گی جب تک میری ایک شرط نہ پوری کرو۔ آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا میری صرف یہ خواہش ہے کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ موسیٰ علیہ السلام کچھ سوچ میں پڑے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی نازل کی کہ اے موسیٰ علیہ السلام اس سے وعدہ کر لو۔ آپ نے کہا ٹھیک ہے تمہاری درخواست منظور ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جب اس عورت کے ساتھ چلے تو اس نے آپ کی قبر کی نشاندہی کی۔ جب یوسف علیہ السلام کے تابوت کو نکالا گیا تو اندھیری رات روشن ہوگئی اس طرح انہیں راستہ مل گیا، یہ حدیث غریب ہے۔ قریب ہے کہ صحابی تک موقوف ہو۔

''فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والے بھیجے کہ یہ لوگ ایک تھوڑی جماعت ہیں اور بے شک ہم سب کا دل جلاتے ہیں اور بیشک ہم سب چوکنے ہیں (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) تو ہم نے انہیں باہر نکالا باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے ہم نے ایسا ہی کیا اور ان کا وارث کر دیا بنی اسرائیل کو، فرعون نے ان کا تعاقب کیا دن نکلے۔ پھر جب آمنا سامنا ہوا دونوں گروہوں کا تو موسیٰ علیہ السلام والوں نے کہا: ہم کو انہوں نے آلیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یوں نہیں بیشک میرا رب تعالیٰ میرے ساتھ ہے وہ مجھے ابھی راہ دیتا ہے''

(پ ۱۹ سورت شعراء ۵۳۔۶۲)

فرعون نے جب دیکھا کہ بنی اسرائیل موجود نہیں ہیں تو بہت غصہ میں ہوا اس نے ہر طرف اپنے کارندے دوڑا کر اپنی فوجوں، لشکروں اور اپنے تمام حامیوں کو جمع کر لیا اور کہنے لگا کہ بنی اسرائیل ہمارے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی جماعت ہے وہ ہمیشہ غیظ وغضب کو بھڑکاتے رہتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ ان کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کو برباد کرنے کے لئے ان کے دلوں میں یہ بات ثابت کر دی کہ سب لوگ بنی اسرائیل کا پیچھا کر کے ان کا مکمل صفایا کر دو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے ان تمام فرعونیوں کو برباد کر کے اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔ فرعون کو ماننے والے تمام اس کے کہنے پر اپنی نعمتوں اپنے اعلیٰ قسم کے مکانات اور پھلدار درختوں کے باغات اور اپنے سامان تعیش یعنی اپنی عیش وعشرت کے سامان کو چھوڑ کر بظاہر بنی اسرائیل کو تباہ کرنے کے لئے چلے اور در حقیقت اپنی ہی بربادی کی طرف چل رہے تھے۔

فرعون کے کہنے پر سب لوگ جمع ہو کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چل پڑے، دریائے قلزم کے کنارے پر ان کے سامنے پہنچ گئے۔ بنی اسرائیل نے جب دیکھا تو کہنے لگے کہ اب تو ہم پکڑ لئے جائیں گے، ان کے دلوں میں پہلے ہی فرعون کا رعب چھایا ہوا تھا اور وہ تعداد میں بھی فرعونیوں سے بہت کم تھے اور کسی قسم کا ان کے پاس کوئی اسلحہ بھی نہیں تھا اس لئے ان پر بہت زیادہ خوف طاری ہوا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب تعالیٰ میرے ساتھ ہے وہ ابھی میری راہنمائی فرمائے گا۔

''تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ دریا پر اپنا عصا مار تو جبھی دریا پھٹ گیا تو ہر حصہ ہو گیا جیسا بڑا پہاڑ اور وہاں قریب لائے ہم دوسروں کو اور ہم نے

بچالیا موسیٰ علیہ السلام اور اس کے سب ساتھ والوں کو پھر دوسروں کو غرق کر دیا
بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر مسلمان نہ تھے اور بیشک
تمہارا رب تعالیٰ ہی عزت والا مہربان ہے"۔ (پ ۱۹ سورت شعراء، ۶۳۔۶۸)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنا عصا دریا پر مارو آپ نے جب اپنا عصا دریا پر مارا تو دریا پھٹ گیا اس نے راستہ چھوڑ دیا۔ درمیان میں خشک راستہ اور ادھر ادھر پانی کی بلندی اتنی عظیم تھی جیسے بڑے بڑے پہاڑ ہوں۔ بنی اسرائیل چونکہ بارہ قبائل تھے ایک ہی راستہ میں ایک دوسرے کے ساتھ چلنا مناسب نہیں سمجھتے تھے اس لئے ہر قبیلہ کے لئے علیحدہ راستہ بنایا گیا۔ یعنی دریا میں بارہ راستے بنائے گئے۔ ہر راستہ کے دائیں بائیں پانی کی بلندی عظیم پہاڑوں جیسے تھی۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں کیا معلوم ہے کہ ہمارے دوسرے بھائی زندہ ہیں یا پانی کی طغیانی میں غرق ہو چکے ہیں۔ تو درمیان سے روشن دانوں کی طرح پانی کو ہٹا دیا گیا۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے دریا عبور کر گئے۔ فرعون اور اس کے لشکر نے بھی دریا میں راستہ دیکھ کر اپنے گھوڑے دوڑائے لیکن وہ بنی اسرائیل کو نہ پا سکے۔

حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرعونیوں اور بنی اسرائیل کے درمیان جبرائیل امین تھے۔ بنی اسرائیل کے پچھلے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال رہے تھے کہ جلدی چلو، اگلے لوگوں سے مل جاؤ۔ اور فرعونیوں کے دلوں میں یہ بات ڈال رہے تھے کہ آہستہ چلو پچھلے لوگوں کو ساتھ ملنے دو بنی اسرائیل جب دریا عبور کر چکے اور فرعونی ابھی درمیان میں ہی پہنچے تھے تو پانی آپس میں مل گیا اس طرح فرعون اور اس کی قوم کے تمام لوگ.........ایک روایت کے مطابق یہ چھ لاکھ کی تعداد میں تھے.........غرق ہو گئے۔ بنی اسرائیل یہ تمام ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

"اور ہم بنی اسرائیل کو دریا میں پار لے گئے تو فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا پیچھا کیا سرکشی اور ظلم سے یہاں تک جب اسے ڈوبنے نے آلیا بولا میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں۔ کیا اب؟ اور پہلے سے نافرمان رہا اور تو فسادی تھا۔ آج ہم تیری لاش کو اترا دیں گے (تند موجوں سے باہر پھینک دیں گے اور باقی رکھیں گے) کہ تو اپنے پچھلوں کے لئے نشانی ہو اور بیشک لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں"

سبحان اللہ! مالک الملک کی کتنی عظیم قدرت ہے؟ کہ وہ شخص.... جو کبھی (انا ربکم الاعلیٰ)

(میں تمہارا بڑا رب ہوں) کا دعویٰ کرتا تھا......آج جب اس کی گرفت میں آتا ہے، دریا کی طغیانی میں شدید موجوں کے تھپیڑوں میں آتے ہی ایک مرتبہ نہیں بلکہ تین مرتبہ ایمان لاتا ہے ایک مرتبہ کہا "آمنت" میں ایمان لایا دوسری مرتبہ کہا:

اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ

"کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے"

تیسری مرتبہ کہا:

وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

"اور میں مسلمان ہوں"

لیکن یہ اس کا ایمان قبول نہ ہوا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کے عذاب کو دیکھ کر، فرشتوں کا سامنا کرتے ہوئے ایمان لانا نفع مند نہیں ہو سکتا۔

فَلَمْ یَکُ یَنْفَعُھُمْ اِیْمَانُھُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا

"تو ان کے ایمان نے انہیں کام نہ دیا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا"

رب تعالیٰ نے فرمایا: اب تو ایمان لاتا ہے پہلے نافرمانیاں کرتا رہا اور فساد پھیلاتا رہا، یعنی پہلے تمہیں ایمان لانے کا کتنا وقت دیا؟ کئی مرتبہ تجھے آزمائشوں میں مبتلا کر کے ایمان لانے کی طرف سوچنے کے مواقع فراہم کئے، لیکن اس وقت تو ایمان نہ لایا، اب غرق ہونے پر تیرے ایمان لانے کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اب تو تیرے جسم کو دریا کی موجوں سے باہر پھینک کر لوگوں کے لئے نشانی بنایا جائے گا۔ سب کو پتہ چل جائے کہ آج خدائی کا دعویدار غرق ہو کر مردہ حالت میں پڑا ہے۔ خدائے حقیقی تو وہ ہو سکتا ہے جو ہمیشہ کے لئے قائم و دائم ہے۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر)

تفسیر حقانی ۳۔۴ میں ہے کہ قلزم کو عبور کر کے عرب کے ریگستانی اور کوہی بیابانوں آریہ وغیرہ میں بنی اسرائیل آپڑے۔ یہاں اسرائیلیوں نے جو لوگوں کو بت پرستی کرتے دیکھا۔ تو مصریوں کے تربیت یافتہ تو تھے منہ میں پانی بھر آیا کہ حضرت ہمارے لئے بھی ایسے ہی معبود بنا دیجئے جیسے ان لوگوں کے ہیں۔

معارف القرآن ۴۔۵۴ میں ہے کہ یہ قوم ابھی ابھی اعجاز موسوی کے ساتھ دریا سے پار ہوئی اور پوری قوم فرعون کے غرق ہونے کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ذرا آگے بڑھی تو ایک قبیلہ پر ان کا گزر ہوا جو مختلف قسم کے بتوں کی پرستش میں مبتلا تھا۔ بنی اسرائیل کو ان کا طریقہ پسند

آنے لگا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا معبود بنا دیجئے کہ ہم بھی ایک محسوس چیز کو سامنے رکھ کر عبادت کریں، تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا:

اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ

"کہ تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے"

یہ لوگ جن کے طریقہ کو تم نے پسند کیا ہے، ان کے اعمال سب ضائع اور برباد ہیں، یہ باطل کے پیرو ہیں تمہیں ان کی حرص نہیں کرنی چاہیے، کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا کسی اور کو معبود بنا دوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہی تم کو تمام جہان والوں پر فضیلت بخشی ہے۔ مراد اس وقت کے عالم ہیں، اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے دوسرے سب لوگوں سے افضل و اعلیٰ تھے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ بعض صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم مکہ سے حنین کی طرف حضور ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے راستہ میں کفار کا ایک بیری کا درخت تھا جس پر وہ دھرنا جمائے بیٹھے ہوئے تھے اور اپنے ہتھیار اس درخت پر باندھ رکھے تھے اور اس درخت کی تعظیم کرتے تھے اور اس درخت کو (ذات انواط کہا جاتا تھا، جب ہم اس درخت کے پاس پہنچے جو سرسبز و شاداب تھا، نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یارسول اللہ ایک ذات انواط ہمارے لئے بھی قرار دے دیجئے جیسا کہ ان لوگوں کا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم! تم نے تو وہ بات کہی جو موسیٰؑ کی قوم نے موسیٰؑ سے کہی تھی کہ اے موسیٰؑ ہمارے لئے بھی ایک خدا بنا دیجئے جیسا کہ ان لوگوں کا ہے، تو موسیٰ نے فرمایا تھا کہ تم بڑے ہی جاہل ہو۔ ان کا طریق اور ان کے اعمال سب جھوٹے اور باطل ہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم بھی انہی کے قدم بقدم چلنا چاہتے ہو۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون کو چوبیس ہزار آدمیوں کے ساتھ مصر بھیجا اور مصر میں اپنی حکومت قائم کرکے ایک شخص کو حاکم بنا کر حضرت موسیٰؑ کے پاس پہنچ گئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام خود مصر واپس آئے اور اسلام جاری کیا، اور ایک آدمی کو حاکم بنا کر پھر بنی اسرائیل کے پاس واپس آ گئے۔

حضرت موسیٰؑ سے خدا کا وعدہ تھا کہ جب بنی اسرائیل مصری حکومت کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے تو تم کو شریعت دی جائے گی۔ اب وہ وقت آ گیا کہ خدا کا وعدہ پورا ہو، اس لئے حضرت موسیٰؑ وحی الٰہی کے اشارہ سے طور پر پہنچے اور وہاں عبادت الٰہی کے لے اعتکاف کیا۔ اس اعتکاف کی مدت ایک مہینہ تھی مگر بعد میں دس دن اور بڑھا کر چلہ پورا کر دیا۔ جیسا کہ ارشاد باری

لیٰ ہے:

"اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا پھر دس راتیں بڑھا کر اسے پورا چلہ کر دیا اس طرح پروردگار کے حضور میں آنے کی مقرر میعاد چالیس راتوں کی ہوگی"

(اعراف)

اس آیت میں موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کا وہ واقعہ مذکور ہے جو غرق فرعون اور بنی اسرائیل کے مطمئن ہونے کے بعد پیش آیا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہم مطمئن ہیں اب ہمیں کوئی کتاب اور شریعت ملے تو ہم بے فکری کے ساتھ اس پر عمل کریں۔ حضرت موسیٰؑ نے حق تعالیٰ سے دعا کی۔ آیت میں لفظ واعدنا وعدہ سے مشتق ہے۔ اور وعدہ کی حقیقت ہے کہ کسی کو نفع پہنچانے سے پہلے اس کا اظہار کر دینا کہ ہم تمہارے لئے ...ں کام کریں گے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ پر اپنا کلام نازل کرنے کا اس شرط پر وعدہ ...مایا کہ تیس راتیں کہ طور پر اعتکاف اور ذکر اللہ میں گزاریں، اور پھر ان تیس پر دس کا اضافہ کر کے ...لیس کر دیا۔

ابن کثیر میں ہے کہ تیس دن ذی قعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے تھے۔ یعنی کہ موسیٰؑ کو ...رات اس دن ملی کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر اپنے دین اسلام کو مکمل اور اپنی ...توں کو تمام کر دینے کا اعلان فرمایا: لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلے تیس روز کا حکم دینا اور پھر ...د ان پر دس کا اضافہ کر دینا اس میں کیا حکمت ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ اس میں ایک حکمت تدریجہ اور آہستگی کی ہے کہ کوئی کام ...ی کے ذمہ لگایا جائے تو اول ہی کام کی زیادہ مقدار اس پر نہ ڈالی جائے تاکہ وہ آسانی سے ...اشت کر سکے، پھر مزید کام دیا جائے اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ تیسویں روز کے بعد موسیٰ ...سواک کر لی تھی جس کے ذریعہ وہ درجہ صوم زائل ہو گیا تھا۔ لیکن اس بات سے یہ دلیل نہیں ...ڑی جا سکتی کہ روزہ دار کے لئے مسواک کرنا ممنوع یا مکروہ ہے۔ کیونکہ اول تو اس روایت میں ...کوئی سند مذکور نہیں۔ دوسرے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حکم صرف موسیٰ علیہ السلام کی ذات سے ...لق ہو۔ یا شریعت موسوی میں سب کے لئے ایسا ہی حکم ہو۔ (معارف القرآن)

دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس کا ...ل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک ماہ کا اعتکاف ختم ہو گیا تو انہوں نے خدا تعالیٰ سے ...لامی کی تیاری شروع کی۔ چوں کہ مسلسل ایک ماہ کا عرصہ روزہ [illegible] بسر کیا تھا۔ اس لئے منہ

میں بومحسوس کرتے تھے لہٰذا انہوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ رب العلمین سے اس حالت میں ہمکلامی ہو۔اور انہوں نے ایک خوشبودار بوٹی کو چبایا اور کھالیا۔فوراً ہی وحی الٰہی نے ٹوکا کہ اے موسیٰ تم نے ہمکلامی سے قبل روزہ کیوں افطار کرلیا۔تو حضرت موسیٰؑ نے اس کی وجہ بیان کردی۔تب حکم ہوا کہ اب اس مدت کو بڑھا کر چالیس دن کردو۔کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے ہاں ایک روزہ دار کے منہ کی بدبومشک کی خوشبو سے زیادہ ہم محبوب ہے۔اس طرح یہ چلہ پورا ہوا۔(قصص القرآن)

''بولے اے میرے رب تو مجھ کو دکھا کہ میں تجھ کو دیکھ سکوں، فرمایا کہ تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھے گا لیکن تو دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف، اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو تو مجھ کو دیکھ لے گا۔پھر جب تجلّی کی اس کے رب نے پہاڑ کی طرف کردای اس کو ڈھا کر برابر اور گر پڑے موسیٰ بے ہوش ہوکر۔پھر جب ہوش آیا بولے تیری ذات پاک ہے میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں سب سے پہلے یقین لایا''

اتنی بات تو قرآن مجید کے الفاظ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے بلا واسطہ کلام فرمایا: ایک تو وہ جو اول عطاء نبوت کے وقت ہوا تھا، دوسرا یہ جو عطاء توراۃ کے وقت ہوا۔

تفسیر معارف القرآن میں ہے کہ لفظ لن ترانی میں اشارہ ہے کہ رویت ناممکن نہیں، مگر مخاطب بحالت موجودہ اس کو برداشت نہیں کرسکتا، ورنہ اگر رویت ممکن ہی نہیں لن ترانی کے بجائے لن اری کہا جاتا کہ میری رویت نہیں ہوسکتی۔

تفسیر حقانی میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر آکر خدا تعالیٰ سے احکام ملنے کی درخواست کی، حکم ہوا کہ یہاں آکر تیس راتیں عبادت کیجئے۔آپ ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنا کر کوہ طور پر تشریف لے گئے۔وہاں جاکر تیس کی جگہ چالیس راتیں لگ گئیں اسی چلہ میں ایک بار موسیٰ علیہ السلام کو دیدار الٰہی کا شوق ہوا کہ کاش میں آپ کو دیکھ سکوں۔چوں کہ یہ آنکھیں تو جسمانیات میں سے اجسام لطیفہ کو بھی نہیں دیکھ سکتیں جہاں آنکھ کی شعائیں لطافت کی وجہ سے منعکس نہیں ہوتیں، آئینہ میں جب تک پیچھے کوئی چیز نہ لگائے قلعی وغیرہ تو شعائیں منعکس نہیں ہوتیں بلکہ آر پار نفوذ کر جاتی ہیں اس لئے صورت دکھائی نہیں دیتی۔چہ جائے کہ خدا تعالیٰ کو دیکھ سکیں جو نہ جسم ہے، نہ کثیف بلکہ سب سے زیادہ لطف ہے اس لئے جواب دیا کہ لن ترانی کہ تو مجھے نہ دیکھ سکے گا، اور اطمینان کرنے کو ایک بات بتلائی کہ پتھر تجھ سے زیادہ سخت ہے جس قدر انسان میں انفعال اور قابلیت ہے خصوصاً انبیاء میں پتھر میں کہاں ہے۔انسان کی روح جو عالم قدس کے حوضوں میں دھوئی ہوئی ہے جو خدا تعالیٰ سے تقرب کی سخت مناسبت رکھتی ہے، ایک ایسی

پلی اور منفعل ہے جیسے بارود آگ کا اثر قبول کرنے میں۔

پس اے موسیٰ! عالم غیب کے پردہ کو ذرا سا اٹھا کر اس پہاڑ ناقابل پر اک یوں ہی سی جلی کرتا ہوں اگر وہ اس کی تاب لا سکا اور ٹھہرا رہا تو تو بھی مجھ کو دیکھ سکے گا۔پس جب یہ بات ٹھہر گئی تو خدا نے پہاڑ پر تجلّی کی جس سے وہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔یعنی خاص وہ مقام جس پر تجلّی کی تھی، نہ کہ سب کوہ طور اس تجلّی میں موسیٰؑ بھی بے ہوش ہوکر گر پڑے جب ہوش آیا اور حقیقت منکشف ہوئی اور اپنے سوال کا منشاء نادانستگی معلوم ہوا تو فرمایا کہ الٰہی! میری توبہ پھر ایسا سوال نہ کروں گا۔سبحنک تو آنکھوں کے ساتھ نظر آنے سے پاک ہے وانا اول المومنین اور بغیر دیکھے ب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اور یاد کرو جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تمہیں کہ تم ذبح کرو ایک گائے۔وہ بولے کیا آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں۔آپ نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں (کے گروہ) میں بولے دعا کیجئے ہمارے لئے اپنے رب سے کہ وہ بتائے ہمیں کہ کیسی ہے وہ گائے۔موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے ہے جو نہ بوڑھی ہو اور نہ بالکل بچی (بلکہ) درمیانی عمر کی ہو۔تو بجا لاؤ جو تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔کہنے لگے دعا کرو ہمارے لئے اپنے رب سے کہ بتائے ہمیں کیسا رنگ ہو اس کا۔موسیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایسی گائے جس کی رنگت خوب گہری زرد ہو۔جو فرحت بخشے دیکھنے والوں کو کہنے لگے پوچھو ہمارے لئے اپنے رب سے کہ کھول کر بیان کرے ہمارے لئے کہ گائے کیسی ہو بیشک گائے مشتبہ ہوگئی ہے ہم پر اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور اس کو تلاش کرلیں گے۔موسیٰ بولے اللہ فرماتا ہے وہ گائے جس سے خدمت نہ لی گئی ہو کہ ہل چلائے زمین میں اور نہ پانی دے کھیتی کو بے عیب بے داغ۔(عاجز ہوکر) کہنے لگے اب آپ لائے صحیح پتہ پھر انہوں نے ذبح کیا اسے اور وہ ذبح کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے۔اور یاد کرو جب قتل کر ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر تم ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے۔اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا جو تم چھپا رہے تھے۔تو ہم نے فرمایا کہ مارو اس مقتول کی گائے کے کسی ٹکڑے سے (دیکھا) یوں زندہ کرتا ہے

اللہ تعالیٰ مردوں کو اور دکھاتا ہے تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں شاید تم سمجھ جاؤ"

(البقرہ: ۶۷۔۷۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، عبیدہ سلمانی، ابوالعالیہ، مجاہد سدی اور کئی دوسرے علماء متقدمین فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت مالدار بوڑھا شخص تھا جس کی اولاد نہیں تھی۔ اس کے بھتیجے چاہتے تھے کہ وہ مرے تا کہ وراثت کا مال ان کے ہاتھ لگے۔ ایک بھتیجے نے رات کو اسے قتل کر کے شاہراہ عام پر ڈال دیا۔ بعض روایت میں ہے کہ کسی اسرائیلی کے دروازے پر پھینک دیا۔

جب صبح ہوئی اور لوگوں نے لاش دیکھی تو اس کے بارے میں گفتگو کرنے لگے اور آپس میں جھگڑنے لگے۔ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ جھگڑتے کیوں ہو اللہ کی نبی موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرو۔ بوڑھے کے بھتیجے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام سے اپنے چچے کے قتل کی شکایت کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے شخص کا بھلا کرے گا جو ہمیں اس مقتول کے بارے کچھ بتائے گا۔ لیکن کسی نے کچھ نہ بتایا۔ بوڑھے کے بھتیجوں نے عرض کی: حضور آپ اللہ عزوجل سے دریافت کریں کہ بوڑھے کا قاتل کون ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بتایا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا

"اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تمہیں کہ تم ذبح کرو ایک گائے وہ بولے کیا آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں"

یعنی ہم اس مقتول کے بارے دریافت کر رہے ہیں اور آپ ہیں کہ ہمیں گائے ذبح کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ

آپ نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں (کے گروہ) میں"

یعنی خدا کی پناہ کہ میں کوئی ایسی بات اللہ کی طرف منسوب کروں جو مجھے وحی نہ کی گئی ہو۔ جب میں نے قتل کے قضیے کے بارے اللہ کی بارگاہ میں سوال کیا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔ حضرت ابن عباس، عبیدہ، مجاہد، عکرمہ، سدی، ابو العالیہ اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے

ہیں۔ وہ کوئی سی گائے ذبح کر دیتے مقصد حاصل ہو جاتا لیکن انہوں نے خواہ مخواہ پابندیاں عائد کیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پابندیوں میں جکڑ دیا۔ اس سلسلے میں ایک مرفوع حدیث بھی ملتی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

بنی اسرائیل کے ان لوگوں نے گائے کی صفات کے بارے پوچھا۔ پھر اس کے رنگ کے بارے پوچھا۔ پھر اس کی عمر کے بارے دریافت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا جس کو بڑی مشکل سے تلاش کیا جا سکتا تھا۔

المختصر انہیں حکم دیا گیا کہ ایک ایسی گائے ذبح کریں جو نہ تو بڑی ہو اور نہ عمر میں بہت چھوٹی بلکہ درمیانی عمر کی ہو۔ یہ قول ابن عباس، مجاہد، ابو العالیہ، عکرمہ، حسن، قتادہ اور کئی دوسرے علماء کا ہے۔ پھر وہ سوال کرتے گئے اور پابندیاں بڑھتی گئیں۔ انہوں نے رنگ کے بارے پوچھا تو حکم ملا کہ بالکل گہری زرد ہو جسے دیکھ کر دل خوش ہو جائے۔ یہی رنگ لوگوں میں پسندیدہ ہے۔ پھر انہوں نے بات بڑھا دی اور پوچھا۔

"پوچھو ہمارے لئے اپنے رب سے کہ کھول کر بیان کرے ہمارے لئے کہ گائے کیسی ہو بیشک گائے مشتبہ ہوگئی ہے ہم پر اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور اس کو تلاش کر لیں گے"

ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ کی روایت کردہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ "اگر بنی اسرائیل انشاء اللہ نہ کہہ دیتے تو انہیں کچھ نہ دیا جاتا"

لیکن اس کی صحت میں شک ہے۔ (واللہ اعلم)

"موسیٰ بولے اللہ فرماتا ہے وہ گائے جس سے خدمت نہ لی گئی ہو کہ ہل چلائے زمین میں اور نہ پانی دے کھیتی کو بے عیب، بے داغ۔ (عاجز ہو کر) کہنے لگے اب آپ لائے صحیح پتہ۔ پھر انہوں نے ذبح کیا اسے اور وہ ذبح کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے"

یہ وہ صفات تھیں جن کا کسی ایک گائے میں پایا جانا مشکل تھا۔ کیونکہ حکم یہ دیا گیا تھا کہ ایک گائے ذبح کی جائے جسے ہل پر نہ جوتا گیا ہو اور نہ ہی اسے پانی نکالنے کے لئے کام میں لایا گیا ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ سب پابندیاں لگا دیں اور گائے کے اوصاف بیان کر دیئے تو وہ کہنے لگے ہاں اب آپ نے صحیح نشان دہی کی ہے۔

کہتے ہیں کہ ایسے رنگ اور اوصاف کی گائے صرف ایک یتیم کے پاس تھی۔ جس کا والد

بہت نیک تھا اور وہ ترکے میں صرف یہی چھوڑ گیا تھا۔ ان لوگوں نے اس یتیم بچے سے گائے خریدنا چاہی۔ اس نے دینے سے انکار کردیا۔ انہوں نے پیش کش کی کہ ہم گائے کے وزن کے برابر سونا دیں گے لیکن بچہ راضی نہ ہوا۔ وہ سونا بڑھاتے گئے حتیٰ کہ دس گنا وزن سونا پر سودا طے پا گیا۔

وہ گائے لے آئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ گائے کو ذبح کیا گیا۔ لیکن بڑے تردد کے بعد۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ نے بتایا کہ اب گائے کا گوشت کاٹ کر لاش پر مارا جائے۔ کہتے ہیں کہ ران کے گوشت کے متعلق حکم ملا۔ ایک روایت میں مذکور ہے کہ گوشت دونوں کندھوں کے درمیان کا تھا۔ جب گوشت میت کے ساتھ مس ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کردیا۔ وہ کھڑا ہوا اور خون اس کی شاہ رگ سے بہہ رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا تمہیں کس نے قتل کیا ہے۔ اس نے جواب دیا مجھے بھتیجے نے قتل کیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ شخص پھر مردہ ہوگیا رب قدوس فرماتے ہیں۔

كذالك يحى الله الموتى ويريكم آياته لعلكم تعقلون

"یوں زندہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ مردوں کو اور دکھاتا ہے تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں شاید تم سمجھ جاؤ"

یعنی جس طرح تم نے دیکھا کہ اذن خداوندی سے ایک مردہ زندہ ہوگیا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام مردے زندہ ہو جائیں گے۔ جب وہ چاہے گا بس ایک ایک مردہ اپنی قبر سے اٹھ کھڑا ہوگا اور کچھ دیر نہیں لگے گی۔ جیسا کہ کلام مجید میں ہے۔

"نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک مگر ایک نفس کی مانند)"۔ (لقمان: ۲۸)

حضرت موسیٰؑ کی حضرت خضرؑ کے ساتھ ملاقات

"اور یاد کرو جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان (ساتھی) کو کہ میں چلتا رہوں گا ہاں تک کہ پہنچوں جہاں دو دریا ملتے ہیں، دونوں بھول گئے اپنی مچھلی کو تو بنالیا اس نے اپنا راستہ یا میں سرنگ کی طرح۔ پس جب وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ آپ نے اپنے جوان ساتھی سے کہا لے آؤ ہمارا صبح کا کھانا بیشک ہمیں برداشت کرنی پڑی ہے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت اس اتھی نے کہا (اے کلیم!) آپ نے ملاحظہ فرمایا جب ہم (ستانے کے لئے) اس چٹان کے اں ٹھہرے تھے تو میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں۔ اور اس نے بنالیا تھا اپنا راستہ دریا میں بڑے تعجب کی بات ہے۔ آپ نے فرمایا ہی تو وہ ہے جس کی ہم جستجو کر رہے تھے۔

پس وہ دونوں لوٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے۔ تو پایا انہوں نے ایک ندے کو ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے عطا فرمائی تھی رحمت اپنی جناب سے اور ہم نے کھایا تھا اسے اپنے پاس سے (خاص) علم۔ کہا اس بندے کو موسیٰ نے کیا میں آپ کے ساتھ رہ کتا ہوں بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ اس ندے نے کہا (اے موسیٰ) آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں اس بات پر جس کی آپ کو پوری طرح خبر نہیں آپ نے کہا آپ مجھے پائیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا صبر کرنے والا اور میں نافرمانی نہیں کروں گا آپ کے کسی حکم کی۔ اس بندے نے کہا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھئے نہیں۔ یہاں

تک کہ میں آپ سے اس کا خود ذکر کروں۔

پس وہ دونوں چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب وہ سوار ہوئے کشتی میں تو اس بندے نے اس میں شگاف کر دیا موسیٰ بول اٹھے کیا تم نے اس لئے شگاف کیا ہے کہ اس کی سواریوں کو ڈبو دو۔ یقیناً تم نے بہت برا کام کیا ہے۔ اس بندے نے کہا کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میں یہ طاقت نہیں کہ میری سنگت پر صبر کر سکیں۔ آپ نے (عذر خواہی کرتے ہوئے) کہا کہ نہ گرفت کرو مجھ پر میری بھول کی وجہ سے اور نہ سختی کرو مجھ پر میرے اس معاملہ میں بہت زیادہ۔ پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ ملے ایک لڑکے کو تو اس نے اسے قتل کر ڈالا۔ موسیٰ (غضب ناک ہو کر) کہنے لگے کیا مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلہ کے بغیر۔ بے شک آپ نے ایسا کام کیا ہے جو بہت ہی نازیبا ہے۔ اس نے کہا کیا (پہلے ہی) میں نے کہہ نہ دیا تھا آپ کو کہ آپ میری معیت میں صبر نہیں کر سکیں گے۔ آپ نے کہا اگر میں پوچھوں آپ سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ آپ میری طرف سے معذور ہوں گے۔

پھر وہ چل پڑے یہاں تک کہ جب ان کا گزر ہوا گاؤں والوں کے پاس تو انہوں نے ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے (صاف) انکار کر دیا ان کی میزبانی کرنے سے پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اسے درست کر دیا موسیٰ کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر مزدوری ہی لے لیتے۔ اس نے کہا (بس سنگت ختم) اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا۔ میں آگاہ کرتا ہوں آپ کو ان باتوں کی حقیقت پر جن کے متعلق آپ صبر نہ کر سکے۔ وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی تھی جو (ملاحی کا) کام کرتے تھے دریا میں۔ سو میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار بنا دوں اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) ان کے آگے (جابر) بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی سے۔

اور وہ جو لڑکا تھا تو (اس کے والدین مومن تھے۔ پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (اگر زندہ رہا تو) مجبور کر دے گا انہیں سرکشی اور کفر پر۔ پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انہیں ان کا رب (ایسا بیٹا) جو بہتر ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر) زیادہ مہربان ہو۔ باقی رہی دیوار (تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ) وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (دفن) تھا اور ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا۔ پس آپ کے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں بچے اپنی جوانی کو پہنچیں اور نکال لیں اپنا دفینہ۔ یہ (ان پر) ان کے رب کی خاص رحمت تھی اور (جو کچھ میں نے کیا) میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ یہ حقیقت ہے ان امور کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا''

بعض اہل کتاب کا کہنا ہے کہ جس شخص نے خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لئے سفر کیا وہ اللہ کے نبی موسیٰ کلیم اللہ نہیں بلکہ اسی نام کے ایک اور شخص ہیں جن کا شجرہ نسب کچھ اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ موسیٰ بن منسا بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ۔ اسی طرح کچھ مسلمان بھی ان کی ہمنوائی کرتے نظر آتے ہیں جو ان کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور بے دھڑک ان سے روایات لیتے ہیں۔ جیسا کہ نوف بن فضالہ ضمیری شامی بکالی ہیں۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ دمشقی کہلاتے ہیں۔ ان کی والدہ ماجدہ حضرت کعب احبار کی زوجہ ہیں۔ اگرچہ بعض لوگ موسیٰ سے کوئی دوسرا شخص مراد لیتے ہیں لیکن صحیح وہی ہے جو اہل علم کے ہاں مشہور ہے اور قرآن کریم کا سیاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اس میں شک کی تو کوئی وجہ ہی نہیں کیونکہ ایک نص قرآنی جو بالکل صحیح اور صریح ہے بتا رہی ہے کہ خضر سے ملنے والے کوئی اور نہیں موسیٰ کلیم اللہ ہیں اور اس بات پر تمام علماء مفسرین کا اتفاق ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حمیدی نے، ہم سے سفیان نے، ہم سے عمرو بن دینار نے بیان کیا۔ عمرو بن دینار فرماتے ہیں کہ مجھے سعید بن جبیر نے خبر دی اور فرمایا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں گزارش کی کہ نوف بکالی گمان کرتا ہے کہ موسیٰ نامی شخص جو خضر علیہ السلام سے ملے وہ موسیٰ کلیم اللہ نہیں۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ کا دشمن جھوٹ بکتا ہے۔ ہم سے حضرت ابی بن کعب نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے رسول خدا ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل نے جواب دیا۔ سب سے زیادہ علم اللہ تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سرزنش فرمائی کہ یہ کیوں نہیں کہا کہ سب سے زیادہ اللہ جانتا ہے۔ وحی کی گئی کہ میرا ایک بندۂ خاص جو دو دریاؤں کے سنگھم پر رہتا ہے وہ تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔ میرے رب! میں اسے کیسے مل سکتا ہوں؟ ارشاد ہوا۔ اپنے ساتھ ایک مچھلی لیجئے اسے ٹوکرے میں رکھیے جہاں مچھلی گم ہو گئی وہی آپ کی جائے ملاقات ہو گی۔ آپ نے مچھلی لی اور اسے ٹوکری میں رکھ کر محو سفر ہوئے۔ آپ کے ساتھ ایک نوجوان یوشع بن نون بھی تھے۔ آپ ایک چٹان پر پہنچے دونوں نے سر رکھا اور نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ مچھلی ٹوکری میں زندہ ہو گئی ادھر ادھر پھرنے لگی اور آخر نکل کر چلی گئی اور قریب ہی دریا میں گر گئی۔ اور پھر سرنگ بناتی ہوئی سمندر میں پہنچ گئی۔

اللہ نے مچھلی کے سامنے پانی کے بہاؤ کو ساکت کر دیا۔ وہ طاق کی طرح کھڑا ہو گیا۔ جب یوشع جاگے تو موسیٰ علیہ السلام کو مچھلی کے متعلق بتانا بھول گئے۔ پھر دونوں دن کے باقی

ماندہ حصہ اور پوری رات چلتے رہے۔

جب دوسرا دن ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے جوان ساتھی سے کہا:

”لے آؤ ہمارا صبح کا کھانا بیشک ہمیں برداشت کرنی پڑی ہے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت“

حضورﷺ فرماتے ہیں۔موسیٰ علیہ السلام نے صرف وہاں تھکاوٹ محسوس کی جہاں وہ اس جگہ سے گزر گئے جہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں جانے کا حکم دیا تھا۔نوجوان نے عرض کی:

”آپ نے ملاحظہ فرمایا جب ہم (ستانے کے لئے) اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں۔اور اس نے بنالیا تھا اپنا راستہ دریا میں بڑے تعجب کی بات ہے“

مچھلی کے لئے سرنگ بن گئی پانی میں ٹھہراؤ آ گیا۔دونوں بہت حیران ہوئے۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:۔

”یہی تو وہ ہے جس کی ہم جستجو کررہے تھے۔پس وہ دونوں لوٹے اپنے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے“

حضورﷺ فرماتے ہیں کہ دونوں نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے حتی کہ چٹان تک پہنچ گئے۔موسیٰ علیہ السلام کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کپڑا اوڑھے لیٹا ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ میں موسیٰ ہوں۔خضر علیہ السلام نے فرمایا: بنی اسرائیل کا نبی موسیٰ علیہ السلام؟ آپ نے فرمایا ہاں۔میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے اس ہدایت کی تعلیم دیں جس سے آپ کو نوازا گیا ہے۔

”اس بندے نے کہا (اے موسیٰ) آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے“

اے اللہ کے کلیم اللہ تعالیٰ نے مجھے جس خصوصی علم سے نوازا ہے اس سے آپ ناواقف ہیں اور جو علم آپ کو بارگاہ ایزدی سے مرحمت ہوا ہے اس سے میں ناواقف ہوں۔موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

”آپ مجھے پائیں گے اگر اللہ نے چاہا صبر کرنے والا۔اور میں نافرمانی نہیں کروں گا آپ کے کسی حکم کی“

خضر علیہ السلام نے فرمایا:

”اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھئے نہیں۔یہاں تک کہ میں آپ سے اس کا خود ذکر کروں پس وہ دونوں چل پڑے“

ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔انہیں ایک کشتی گزرتی دکھائی دی۔اس سے بات کی کہ ہمیں سوار کریں۔ملاحوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر کرایہ کے چلنے پر راضی ہوگئے۔دوران سفر خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک پھٹا اکھاڑ پھینکا۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ان لوگوں نے ہمیں بغیر کرائے کے سوار کیا اور آپ ہیں۔کہ ان کی کشتی میں سوراخ کرنے کے درپے ہیں۔

”کیا تم نے اس لئے شگاف کیا ہے کہ اس کی سواریوں کو ڈبو دو۔یقیناً تم نے بہت برا کام کیا ہے۔اس بندے نے کہا کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میں یہ طاقت نہیں کہ میرے سنگت پر صبر کرسکیں۔آپ نے (عذر خواہی کرتے ہوئے) کہا کہ نہ گرفت کرو مجھ پر میری بھول کی وجہ سے اور نہ سختی کرو مجھ پر میرے اس معاملے میں بہت زیادہ“

راوی بیان فرماتے ہیں کہ رسول خداﷺ نے فرمایا: یہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلی بھول ہوئی تھی۔فرماتے ہیں کہ ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ کر پانی سے چونچ تر کی۔خضر علیہ السلام نے فرمایا۔میرے اور آپ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں جو اس قطرے کو سمندر سے ہے۔

پھر دونوں کشتی سے باہر آئے ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلتے جارہے تھے کہ خضر علیہ السلام کو ایک بچہ نظر پڑا جو دوسرے بچوں سے کھیل رہا تھا۔خضر علیہ السلام نے اس کا سر دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر کچل ڈالا اور اسے قتل کردیا۔موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے۔

”کیا مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلے کے بغیر۔بیشک آپ نے ایسا کام کیا ہے جو بہت ہی نازیبا ہے۔اس نے کہا کیا (پہلے ہی) میں نے کہہ نہ دیا تھا کہ آپ میری معیت میں صبر نہیں کرسکیں گے“

”آپ نے کہا اگر میں پوچھوں آپ سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔آپ میری طرف سے معذور ہیں“

”پھر وہ چل پڑے۔یہاں تک کہ جب ان کا گزر ہوا ایک گاؤں والوں کے پا تو انہوں نے ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے (صاف) انکار کردیا ان کی

میزبانی سے ۔پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے
قریب تھی تو اس بندے نے اسے درست کر دیا"

دیوار ٹیڑھی ہو چکی تھی۔حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اسے درست فرمایا:
موسیٰ علیہ السلام سے نہ رہا گیا فرمانے لگے تعجب ہے آپ ایک ایسی قوم کی دیوار درست فرما رہے
ہیں جو ہماری میزبانی سے انکار کر رہی ہے اور دو لقمے روٹی کے دینے کو تیار نہیں۔

"رسول کریم ﷺ نے فرمایا" ہماری تو یہ تمنا ہے کہ کاش موسیٰ علیہ السلام نے
صبر کیا ہوتا تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں ہمیں اور بھی بتاتا"

سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت (۷۹) کو یوں
پڑھا کرتے تھے۔

وکان امامھم ملک یاخذ کل سفینۃ صالحۃ اور آیت (۸۰) کو یوں
پڑھتے تھے۔**وام الغلام فکان کافرا وکان ابواہ مومنین۔**

پھر اس حدیث کو حضرت امام بخاری قتیبہ سے وہ سفیان بن عیینہ سے اسی سند سے انہیں
الفاظ میں روایت کرتے ہیں۔ان کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں "موسیٰ علیہ السلام روانہ ہوئے
اور ان کے ساتھ ایک نوجوان یوشع بن نون بھی تھے ان کے پاس مچھلی تھی روانہ ہوئے سفر کرتے
کرتے وہ ایک چٹان تک پہنچے اور اس پر ٹھہر گئے۔آپ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس
چٹان پر سر رکھا اور سو گئے۔

حضرت سفیان کہتے ہیں۔کہ عمرو کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ چٹان کے نیچے ایک
چشمہ تھا جسے "زندگی" کہا جاتا تھا اس کا پانی جس چیز تک پہنچتا وہ چیز زندہ ہو جاتی۔اس چشمے کا پانی
مچھلی تک پہنچا۔اس میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔وہ بے تاب ہو کر ٹوکری سے نکلی اور سمندر میں داخل
ہو گئی۔جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو نوجوان سے کہا کھانا لاؤ آج کے سفر نے تو ہمیں تھکا
دیا ہے۔اور اس کے بعد آپ پوری حدیث بیان کرتے ہیں۔

اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ایک چڑیا کشتی کے کنارے آ کر بیٹھی اور سمندر سے چونچ
ڈبوئی۔خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرا علم، آپ کا علم اور پوری مخلوق کا
علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اتنا بھی نہیں جتنا سمندر کے مقابلے میں چڑیا کی چونچ کا پانی
ہے۔پھر اس کے بعد تمام حدیث روایت کی۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم سے ابراہیم بن موسیٰ نے بیان کیا۔ہم سے ہشام بن
یوسف نے بیان کیا۔ابن جریج نے انہیں خبر دی۔فرمایا کہ مجھے یعلی بن مسلم اور عمرو بن دینار نے
بتایا انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ
عنہما کے گھر ان کے پاس بیٹھے تھے۔آپ نے فرمایا مجھ سے کچھ پوچھ لو۔میں نے عرض کی: اے
ابن عباس! میری جان آپ پر فدا ہو کوفہ میں ایک آدمی ہے جو بہت دور رہتا ہے لوگ اسے نوف
کہتے ہیں۔وہ گمان کرتا ہے کہ جس شخص کی حضرت خضر سے ملاقات کا ذکر قرآن میں آیا ہے وہ
موسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ موسیٰ نامی کوئی اور شخص ہے۔راوی کہتا ہے کہ مجھے عمرو نے بتایا کہ حضرت
ابن عباس نے جواب دیا کہ وہ اللہ کا دشمن جھوٹ بکتا ہے۔یعلی نے مجھے یہ بتایا کہ حضرت ابن عباس
رضی اللہ عنہما نے اس شخص کو یہ جواب دیا کہ مجھے ابی بن کعب نے بتایا کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد
ہے کہ ایک دن اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو وعظ و نصیحت کی حتی کہ لوگوں کی
آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور دل پسیج گئے۔ایک شخص نے آپ سے پوچھا اے اللہ کے رسول کیا
زمین میں آپ سے بڑا عالم بھی ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے بیان فرمایا۔نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو
سرزنش فرمائی کہ آپ نے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی۔فرمایا گیا کہ ہاں آپ سے بڑا
عالم زمین پر موجود ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔پروردگار! وہ کہاں ہوگا؟ فرمایا دو دریاؤں
کے سنگم پر عرض کی۔میرے پروردگار! کوئی نشانی بتا دیجئے کہ میں اسے ڈھونڈ لوں۔مجھے عمرو نے
بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جہاں مچھلی تجھ سے الگ ہو جائے گی وہی جگہ ملاقات کی ہوگی۔مجھے یعلی
نے بتایا کہ رب قدوس نے فرمایا۔ایک مردہ مچھلی لے لو جہاں اس میں روح لوٹ آئی وہیں آپ
کا مقصود موجود ہوگا۔

موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی پکڑی اور اسے ایک ٹوکری میں رکھ لیا۔ایک نوجوان کو فرمایا:
تمہاری صرف یہ ڈیوٹی ہے کہ جہاں مچھلی گم ہو جائے مجھے آگاہ کر دینا۔نوجوان نے عرض کی یہ تو
کوئی اتنی بڑی ڈیوٹی نہیں ہے۔اسی طرح رب قدوس کا قرآن کریم میں فرمان ہے۔واذ قال
موسیٰ لفتاہ (اور یاد کرو جب کہا موسیٰ نے اپنے نوجوان (ساتھی کو) یعنی یوشع بن نون۔یہ الفاظ
سعید بن جبیر کی روایت میں نہیں ہیں۔جب موسیٰ علیہ السلام اور ان کا ساتھی گیلی جگہ ایک چٹان
کے نیچے ستانے کے لئے بیٹھے تو مچھلی زنبیل میں تڑپنے لگی موسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے
تھے۔ان کے نوجوان ساتھی نے دل میں خیال کیا کہ ابھی انہیں جگانا مناسب نہیں جب وہ خود
جاگیں گے (تو بتا دوں گا) لیکن وہ جہاں جہاں سے وہ گزرتی گئی پانی ساکت ہوتا گیا حتی کہ یوں

محسوس ہوتا تھا کہ پتھر کے درمیان میں سے ایک سرنگ بن گئی ہے۔ مجھے عمرو نے اسی طرح بتایا ہے کہ پتھر کی طرح پانی میں ایک سرنگ بن گئی۔ اور انہوں نے اپنے انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی دونوں انگلیوں سے حلقہ بنا کر دکھایا۔

''بیشک ہمیں برداشت کرنی پڑی ہے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت''

فرمایا: اب اللہ نے آپ کی مشقت اور کلفت دور فرما دی ہے۔ لیکن یہ الفاظ سعید بن جبیر سے روایت نہیں کیے گئے۔ یوشع بن نون نے مچھلی کے بارے بتایا دونوں واپس پلٹے اور اسی جگہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی۔ مجھے عثمان بن ابی سلیمان نے بتایا ہے کہ سمندر کے درمیان پانی پر انہوں نے ایک چٹائی بچھا رکھی تھی اور اسی پر لیٹے ہوئے تھے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ وہ کپڑا اوڑھے ہوئے تھے جس کا ایک سرا سر کے نیچے تھا اور دوسرا پاؤں کے نیچے۔ موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا۔ خضر علیہ السلام نے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا: میرے اس علاقہ میں سلام کہاں سے آ گیا؟ تم کون ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں موسیٰ ہوں۔ خضر علیہ السلام بولے: کیا بنی اسرائیل والا موسیٰ؟ فرمایا: ہاں! خضر علیہ السلام نے پوچھا: کیسے آنا ہوا؟ آپ نے بتایا کہ میں آپ کے خداداد علم سے اکتساب کرنے آیا ہوں۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا اتنا کافی نہیں کہ تورات آپ کے پاس موجود ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو وحی فرماتا ہے؟ اے موسیٰ میرے پاس جو علم ہے وہ آپ کو نہیں سیکھنا چاہیے اور آپ کے پاس جو علم ہے وہ مجھے نہیں سیکھنا چاہیے۔ اسی عرصہ میں پرندے نے سمندر سے اپنی چونچ سے پانی پیا۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ میرے اور آپ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں جو چڑیا کے چونچ کے پانی کو سمندر سے ہے۔

حتی اذا رکبافی السفینۃ

''یہاں تک کہ جب وہ سوار ہوئے کشتی میں''

موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہاں چھوٹی چھوٹی کشتیاں ہیں جو لوگوں کو ایک ساحل سے دوسرے ساحل کی طرف لے جا رہی ہیں۔ ان ملاحوں نے آپ کو پہچان لیا اور کہا وہ اللہ کے نیک بندے تشریف لائے ہیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا کیا ملاحوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا؟ آپ نے فرمایا ہاں پھر وہ کہنے لگے ہم اس بندہ صالح کو کرایہ لیے بغیر سوار کریں گے۔ حضرت خضر نے ان کی کشتی میں سوراخ کر دیا اور اس میں کیل ٹھونک دی۔

(قال) یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:۔

''کیا تو نے اس لئے شگاف کیا ہے کہ اس کی سواریوں کو ڈبو دو۔ یقیناً تم نے بہت برا کام کیا ہے''

آیت میں امراً کا معنی منکراً یعنی بہت ناپسندیدہ ہے۔

''اس بندے نے کہا کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میں یہ طاقت نہیں کہ میری سنگت پر صبر کر سکیں''

پہلا (اعتراض) بھول تھی۔ دوسرا اعتراض ایک شرط کی وجہ سے تھا اور تیسرا اعتراض آپ نے جان بوجھ کر کیا تھا۔

''آپ نے (عذر خواہی کرتے ہوئے) کہا کہ نہ گرفت کرو مجھ پر میری بھول کی وجہ سے اور نہ سختی کرو مجھ پر میرے اس معاملے میں بہت زیادہ پھر وہ دونوں چل پڑے حتی کہ جب وہ ملے ایک لڑکے کو تو اس نے اسے قتل کر ڈالا''

یعلی بیان فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو اپنے ہم جولیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا اور اس مسخرے کافر لڑکے کو پکڑا۔ لٹایا اور چھری سے ذبح کر ڈالا۔

''موسیٰ (غضب ناک ہوکر) کہنے لگے کیا مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلہ کے بغیر''

اس معصوم نے تو کوئی ایسی بے جا حرکت نہیں کی۔ حضرت ابن عباس کی قرأت زاکیۃ مسلمۃ ہے جیسا کہ آپ غلاما زاکیۃ قرآت کرتے ہیں۔

دونوں چل پڑے **فوجدا جدارا یرید ان ینقض فاقامه** پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اسے درست کر دیا۔ حضرت سعید فرماتے ہیں کہ خضر علیہ السلام نے ہاتھ کا اس طرح (اشارہ کر کے دکھایا بھی) اشارہ کیا اور دیوار درست ہوگئی۔ حضرت یعلی کہتے ہیں مجھے تو یوں یاد پڑتا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر نے یوں فرمایا تھا کہ خضر علیہ السلام نے دیوار پر ہاتھ پھیرا تو وہ درست ہوگئی۔

قال لو شئت لا تخذت علیه اجرا

''موسیٰ کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر مزدوری ہی لے لیتے''

حضرت سعید بن جبیر کے الفاظ ہیں کہ آپ مزدوری لے لیتے تا کہ ہم اپنے کھانے کا بندوبست کر لیتے''

وکان وراء هم کو ابن عباس نے کان امامهم پڑھا ہے۔لیکن دوسرے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ابن عباس کی قرأت آمامهم ملک ہے۔اس بادشاہ کا نام ''ھد دبن بدو'' تھا اور جس بچے کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا اس کا نام ''جیسور'' تھا۔

ملک یا خذ کل سفینة غضبا

''ان کے آگے ایک جابر بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی سے''

میں نے اسے عیب دار اس لئے بنا دیا کہ جب کشتی وہاں سے گزری تو وہ پرانی اور عیب دار سمجھ کر اسے چھوڑ دے اور جب بادشاہ پیچھے رہ جائے گا تو پھر یہ غریب لوگ اسے درست کرلیں گے۔اور اس سے خود نفع اٹھائیں گے۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ یہاں بوتل ٹھونس کر سوراخ بند کردیں گے اور بعض نے کہا کہ آپ نے فرمایا کول تار لگا کر ٹھیک کرلیں گے۔

ابن جریر فرماتے ہیں۔جمہور علماء کتب سابقہ کا کہنا ہے کہ خضر بادشاہ فریدوں کے دور میں تھے۔بعض کا خیال ہے کہ آپ ذوالقرنین کے مقدمہ الجیش کے سپہ سالار تھے۔بعض لوگ جو ذوالقرنین کو فریدوں بتاتے ہیں انکا کہنا یہ ہے یہی وہ شخص ہے جس نے خلیل علیہ السلام کے زمانے میں ذوالفرس کے نام سے شہرت پائی۔ان کا گمان ہے کہ خضر نے آب حیات پی لیا جس وجہ سے وہ اب تک زندہ ہیں۔

بعض علماء کا قول ہے کہ خضر علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے کسی امتی کے بیٹے ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ارض بابل (عراق) کی طرف سفر فرمایا اور ان کے والد گرامی کا نام ''ملکان'' اور بعض کے نزدیک ''ارمیا بن حلقیا'' ہے بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ان کے والد نبی ہیں اور ان کا زمانہ سباسب بن بھراسب کا زمانہ ہے۔

ابن جریر فرماتے ہیں: افریدوں اور سباسب کے درمیان ایک طویل عرصہ حائل ہے جو علماء انساب سے مخفی نہیں۔ابن جریر فرماتے ہیں کہ صحیح قولیہ ہے کہ خضر علیہ السلام آفریدوں کے زمانے میں ہوئے ہیں۔اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک زندہ رہے۔موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ''منوچہر'' کے دور میں ہے جو ابرج بن آفریدوں کا بیٹا ہے۔یہ فارس کے حکمران ہیں اور منوچہر اپنے دادا افریدوں کے بعد تخت نشین ہوا ہے۔ااور اس نے فارس پر ڈیڑھ صدی حکومت کی ہے۔کہا جاتا ہے کہ بادشاہ کا تعلق حضرت اسحاق بن ابراہیم علیہما السلام کی نسل سے تھا۔اسی بادشاہ نے سب سے پہلے خندق کھودی۔اسی نے سب سے پہلے مختلف علاقوں میں گورنر مقرر کیے۔

اسی شخص کی طرف بہت سی اچھی چیزیں منسوب کی جاتی ہیں۔کہتے ہیں کہ وہ بہت

...حکمران تھا۔اس کی گفتگو بہت فصیح و بلیغ اور حکمت پر مبنی ہوتی تھی۔سب لوگ اس کی عقل ...ندی اور انصاف کے مداح تھے۔ان اوصاف سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی وہ ابراہیم علیہ السلام کی ...ل سے ہوگا۔(واللہ اعلم)

''اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو ...دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان کتابوں کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی۔اس کے بعد فرمایا کیا تم نے اقرار کرلیا اور اٹھالیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ۔سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں''

(آل عمران:۸۱)

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ وعدہ لیا کہ ان کے بعد جو نبی تشریف لائے گا وہ ان کی ...د کریں گے اور ان پر ایمان لائیں گے۔اس سے لازم آتا ہے کہ عہد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ...لے لیا گیا ہو۔کیونکہ آپ ﷺ ہی خاتم النبیین ہیں۔پس ہر نبی پر جو بھی آپ کا زمانہ پائے لازم ...ٹہرا کہ وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کے دین کی خدمت کرے۔اگر خضر علیہ السلام آپ کے ...زمانہ میں بقید حیات مانیں جائیں تو ان پر بھی حضور خاتم النبیین ﷺ کی اتباع ضروری ہے اور ...آپ کی مدد و نصرت سے وہ نہیں چھوٹ سکتے ضروری ہے کہ آپ بدر میں صحابہ کے شانہ بشانہ ...حضرت خاتم الانبیاء کے جھنڈے تلے لڑے ہوں جس طرح کہ جبریل امین اور دوسرے جلیل ...القدر فرشتے آپ کے جھنڈے کے نیچے کفار کے ساتھ لڑے۔

زیادہ سے زیادہ خضر علیہ السلام نبی ہوں گے اور یہی بات قرین قیاس ہے۔یا بعض روایات کے مطابق رسول ہوں گے یا بادشاہ ہیں جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔کچھ بھی ہو جبریل امین فرشتوں کے ...سردار ہیں اور خضر علیہ السلام سے زیادہ شرافت کے حامل ہیں۔اگر آپ زندہ ہیں تو محمد ﷺ پر ایمان ...لانے اور ان کی نصرت و تائید کرنے کے پابند ہیں۔اور اگر آپ ولی ہیں جیسا کہ بعض لوگوں کی تحقیق ...ہے تو پھر اور زیادہ آپ رسول کریم ﷺ پر ایمان لانے کے پابند ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی نبوت عام ہے ...کسی حسن بلکہ ضعیف حدیث سے بھی یہ بات ثابت نہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام آپ ﷺ کی ...خدمت میں حاضر ہوئے ہوں۔اور پھر خضر علیہ السلام کا زندہ ہونا جماع سے ثابت نہیں۔

''بے شک قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم میں سے تھا پھر اس نے سرکشی کی ان پر۔اور ہم نے دے دیئے تھے اسے اتنے خزانے کہ ان کی چابیاں (اپنے

بوجھ سے) جھکا دیتی تھیں ایک طاقت ور جتھے (کی کمروں) کو۔ جب کہا اسے
اس کی قوم نے زیادہ خوش نہ ہو بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا اترانے والوں
کو۔ اور طلب کر اس (مال وزر) سے جو دیا ہے تجھے اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر
اور نہ فراموش کر اپنے حصہ کو دنیا سے اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح
اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے اور نہ خواہش کر فتنہ وفساد کی ملک میں۔ یقیناً
اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا فساد برپا کرنے والوں کو۔ وہ کہنے لگا مجھے دی گئی ہے
یہ (دولت وثروت) اس علم کی وجہ سے جو میرے پاس ہے۔ کیا اس (مغرور) کو
اتنا علم بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالیں اس سے پہلے قومیں جو اس سے
قوت میں کہیں سخت اور دولت جمع کرنے میں کہیں زیادہ تھیں۔

اور نہیں دریافت کیے جائیں گے مجرموں سے ان کے گناہ۔ الغرض (ایک دن)
وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے بڑی زیب و زینت کے ساتھ۔ کہنے لگے وہ لوگ جو
آرزومند تھے دنیوی زندگی کے اے کاش! ہمیں بھی اسی قسم کا (جاہ وجلال)
نصیب ہوتا جیسے دیا گیا ہے قارون کو۔ واقعی وہ تو بڑا خوش نصیب ہے اور کہا ان
لوگوں نے جنہیں (دنیا کی بے ثباتی کا) علم دیا گیا تھا حیف ہے تمہاری عقل پر
اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے۔ اور نہیں
مرحمت کی جاتی یہ نعمت بجز صبر کرنے والوں کے۔ پس ہم نے غرق کر دیا اسے
بھی اور اس کے گھر کو بھی زمین میں۔ تو نہ تھی اس کے حامیوں کی کوئی جماعت
جو (اس وقت) اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں۔ اور وہ خود بھی اپنا
انتقام نہ لے سکا۔

اور صبح کی ان لوگوں نے جو کل تک اس کے مرتبہ کی آرزو کر رہے تھے یہ کہتے
ہوئے اوہو! (اب پتہ چلا) کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لئے
چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) اگر اللہ
تعالیٰ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں گاڑ دیتا اوہو! (اب پتہ
چلا) کہ کفار بامراد نہیں ہوتے یہ آخرت کا گھر ہم مخصوص کر دیں گے اس (کی
نعمتوں) کو ان لوگوں کے لئے جو خواہش نہیں رکھتے زمین میں بڑا بننے کی اور نہ
فساد برپا کرنے کی۔ اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔"

اعمش منہال بن عمرو سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ منہال نے حضرت سعید
بن جبیر سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

قارون موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد تھا۔ ابراہیم نخعی عبداللہ بن الحارث بن نوفل کا بھی یہی
قول ہے۔ سماک بن حرب، قتادہ، مالک بن دینار بھی اسی نظریہ کے قائل ہیں اور وہ اتنا زیادہ کرتے
ہیں کہ قارون کے باپ کا نام یصهب اور دادا کا نام قاہث تھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے والد گرامی
عمران تھے اور ان کے دادا کا نام بھی قاہث تھا۔ ابن جریری کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم کی یہی رائے
ہے کہ قارون موسیٰ علیہ السلام کا چچا تھا۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ قارون کو منور کے لقب سے موسوم کیا
جاتا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ تورات کی تلاوت بہت خوبصورت آواز میں کیا کرتا تھا۔ لیکن اللہ کا
دشمن سامری کی طرح منافقت پر اتر آیا اور کثرت مال و دولت نے اسے ہلاک کر کے رکھ دیا۔ شہر
بن حوشب کہتا ہے کہ بڑا مغرور تھا اس لئے اپنی قمیص کو ایک بالشت لمبا رکھا کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے خزانوں کی کثرت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہ اتنا مالدار تھا کہ اس کے
خزانوں کی چابیاں کئی طاقتور آدمی مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے تھے۔

کچھ لوگ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ خزانوں کی چابیاں چمڑے کی تھیں اور انہیں ستر
خچر بمشکل اٹھاتے تھے۔ واللہ اعلم یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔ بہرحال قارون کو لوگوں نے بہت
سمجھایا کہ اللہ نے جو مال تجھے عطا فرمایا ہے اس پر فخر وغرور نہ کر۔

"بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا اترانے والوں کو۔ اور طلب کر اس (مال و
زر) سے جو دیا ہے تجھے اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر" (القصص: ۷۶۔۷۷)

لوگوں نے اسے سمجھایا کہ آخرت کا ثواب کمانے کی کوشش کر اور اپنے مال وزر کو دنیا ہی
کمانے کے لئے استعمال نہ کر۔ آخرت کا ثواب بہت بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ ہاں ہم یہ بھی
نہیں کہتے کہ دنیا سے بالکل بے رغبتی کا ثبوت دے۔

"اور نہ فراموش کر اپنے حصہ کو دنیا سے"

یعنی اللہ نے جو مال تیرے لئے حلال کیا ہے اس سے لے اور حلال و پاکیزہ چیزوں
سے لطف اندوز ہو۔

"اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے"

یعنی مخلوق خدا سے حسن سلوک کر جس طرح اللہ کریم، تیرے خالق و مالک نے تجھ پر
اپنی نعمتیں تمام کر دی ہیں۔

"اور نہ خواہش کر فتنہ وفساد کی ملک میں"

یعنی مخلوق خدا سے زیادتی نہ کر اور زمین میں فساد مت برپا کرتا پھر ورنہ وہ اپنی نوازشات کا سلسلہ منقطع فرمادے گا اور سارے عطیے واپس لے لے گا۔

"یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا فساد برپا کرنے والوں کو" (القصص: ۷۷)

قارون نے اپنی قوم کو اس فصیح و بلیغ نصیحت کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"وہ کہنے لگا مجھے دی گئی ہے یہ (دولت و ثروت) اس علم کی وجہ سے جو میرے پاس ہے"

یعنی مجھے تمہاری نصیحت کی کوئی ضرورت نہیں اور مجھے نہ تمہاری خیر خواہی سے غرض۔ یہ مال و دولت تو میرے علم کا نتیجہ ہے۔ میں اپنے عقل و تجربہ کی وجہ سے اس کا مستحق تھا۔ اگر بارگاہ خداوندی میں مقبول اور نوازشات کا مستحق نہ ہوتا تو یہ دولت وثروت مجھے کبھی بھی عطا نہ کی جاتی۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے اوہام باطلہ کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

"کیا اس (مغرور) کو اتنا علم بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالیں اس سے پہلے قومیں جو اس سے قوت میں کہیں سخت اور دولت جمع کرنے میں کہیں زیادہ تھیں۔ اور نہیں دریافت کیے جائیں گے مجرموں سے ان کے گناہ"۔ (القصص: ۷۸)

یعنی گزشتہ امتوں میں کئی ایسے لوگ تھے جو قارون سے مال و دولت اور اولاد میں کہیں زیادہ تھے لیکن ان کے گناہوں اور سرکشیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اگر قارون کا کہنا صحیح ہوتا تو ان سرکشوں کو ہرگز سزا سے دوچار نہ ہونا پڑتا جن کے پاس قارون سے زیادہ مال و دولت تھی۔ مال کی فراوانی ہماری محبت اور رضا کی علامت نہیں جیسا کہ ارشاد رب العالمین ہے۔

"اور یاد رکھو نہ تمہارے اموال اور نہ ہی تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تمہیں ہمارا قرب بخش دیں۔ مگر جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا" (سبا: ۳۷)

ایک اور مقام پر فرمایا:

"کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال و اولاد (کی کثرت) سے۔ تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں" (المومنون: ۵۵-۵۶)

یہ آیت قارون کے جواب کا رد بیان کرتی ہے۔ یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ہم نے انما اوتیتہ علی علم عندی کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ صحیح ہے۔ رہی یہ بات کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ کیمیاء (سونا بنانا) کی صنعت سے واقف تھا یا اسے اسم اعظم یاد تھا اور اسی کے ورد سے وہ مال و دولت جمع کرتا رہتا تھا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کیمیا گری ایک وہم ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ مختلف دھاتوں کے ملاپ سے سونا بنایا جا سکتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اور اگر ان دھاتوں کے ملاپ سے سونے کی مانند کوئی دھات بن بھی جاتی ہو تو بھی وہ خالص سونا نہیں ہو سکتی کیونکہ خالق حقیقی کی کاریگری کی مشابہت ممکن نہیں۔ اور اسم اعظم ایک کافر کو کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اور ظاہر ہے قارون منافق تھا وہ زبان سے تو مسلمان ہونیکا دعویٰ کرتا تھا لیکن بباطن کافر تھا۔ اگر اس بات کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا جواب صحیح نہیں بنتا اور سوال و جواب میں کوئی مطابقت نہیں رہتی۔

رب قدوس ارشاد فرماتے ہیں۔

"الغرض (ایک دن) وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے بڑی زیب و زینت کے ساتھ"

کئی مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ ایک دن وہ بڑی سج دھج کے ساتھ گھر سے نکلا۔ خلعت فاخرہ زیب تن تھی۔ خدم و حشم ساتھ تھے۔ سواری کو پوری طرح سجایا گیا تھا۔ جب دنیا داروں نے اس جاہ و جلال کو دیکھا تو خواہش کرنے لگے کہ کاش ہم بھی قارون کی طرح مالدار ہوتے۔ ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور وہ مسحور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتے رہے جب بنی اسرائیل کے علماء نے ان دنیا داروں کی باتیں سنیں تو انہوں نے دنیا کی بے ثباتی کو بے نقاب کیا اور انہیں سمجھایا کہ دولت و ثروت ہی سب کچھ نہیں۔ غنا اور عقل مندی اصل دولت ہے۔ علماء انہیں نصیحت کرنے لگے۔

"حیف ہے تمہاری عقل پر اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے" (القصص: ۸۰)

یعنی آخرت میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان اور نیک اعمال کا جو صلہ ملے گا وہ دنیاوی جاہ جلال سے کہیں زیادہ۔ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ اس مال و دولت کی اس کے مقابلے میں حیثیت ہی کیا ہے۔ رب قدوس فرماتے ہیں۔

"اور نہیں مرحمت کی جاتی یہ نعمت بجز صبر کرنے والوں کے" (القصص: ۸۰)

یعنی اس دنیا کی چمک دمک کو دیکھ کر کوئی شخص ایسی نصیحت اور ایسی بات پر کان نہیں دھر سکتا۔ کوئی نہیں جو مال کی فراوانی پر فریفتہ ہو کر آخرت کے بارے سوچے ہاں جنہیں اللہ تعالیٰ

قلب سلیم عطا فرماتا ہے اور اس کے دل کو ثبات کی دولت عطا کرتا ہے وہ عقل مندی کا ثبوت دیتے ہیں اور اس دنیا کو پرکاہ کی حیثیت نہیں دیتے اور اس طرح اپنی مراد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

بعض بزرگوں نے کیا ہی خوب فرمایا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اس آنکھ کو پسند فرماتا ہے جو ورود شبہات کے وقت کھل جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسی عقل کو پسند فرماتا ہے جو طلول شہوات کے وقت کام آتی ہے۔

رب قدوس ارشاد فرماتے ہیں:

''پس ہم نے غرق کر دیا اسے بھی اور اس کے گھر کو بھی زمین میں۔ تو نہ تھی اس کے حامیوں کی کوئی جماعت جو (اس وقت) اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں۔ اور وہ خود بھی اپنا انتقام نہ لے سکا''۔ (القصص:۸۱)

جب وہ بڑے تزک و احتشام سے نکلا اور اپنے مال و دولت کی فراوانی پر نازاں ہوا تو اللہ نے اسے زمین میں غرق کر دیا۔ جیسا کہ حضرت امام بخاری حضرت امام زہری کے حوالے سے روایت کرتے ہیں۔ یہ حدیث امام زہری نے اپنے والد گرامی سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی زمین میں اپنی چادر کو گھسیٹتا جا رہا تھا کہ دھنس گیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا جائے گا۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت جریر بن زید کے حوالے سے ایسی ہی ایک حدیث بیان کرتے ہیں۔ اس حدیث کو جریر بن زید نے سالم سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے اور انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے۔

ابن عباس اور سدی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ قارون نے ایک فاحشہ عورت کو کچھ مال دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں میں بیٹھے ہوں تو وہ جا کر یہ کہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس عورت نے ایسا ہی کیا۔ آپ اس بہتان کو سن کر گھبراہٹ سے لرز اٹھے دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے قسم دے کر پوچھا کہ تجھے اس سازش پر کس نے برانگیختہ کیا ہے۔ عورت نے کہا مجھے قارون نے اس بہتان طرازی پر ابھارا ہے۔ عورت نے بارگاہ خداوندی میں توبہ کی اور اپنی خطا سے درگزر کی درخواست کی۔ موسیٰ علیہ السلام اسی وقت سجدہ ریز ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے قارون کے حق میں بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے زمین کو حکم دے دیا ہے وہ تیری اس بارے بات مانے گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ قارون اور اس کے گھر کو نگل

لے۔ حکم ملنے کی دیر تھی قارون اور اس کا گھر زمین نے نگل لیا۔ (واللہ اعلم)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قارون جب زیب و زینت کا پورا اہتمام کر کے اپنی قوم کے سامنے آیا اور بڑے تزک و احتشام، بڑے کروفر سے مال مویشی گھوڑے گدھے لیے لباس فاخرہ پہن کر موسیٰ علیہ السلام کی مجلس سے گزرا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو آخرت کے بارے وعظ فرما رہے تھے۔ جب لوگوں نے قارون کو دیکھا تو کئی لوگ موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے چہرہ پھیر کر اسے دیکھنے میں محو ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے بلایا اور فرمایا تجھے ایسا کرنے کا کس نے کہا ہے قارون کہنے لگا۔ اے موسیٰ! آپ نبوت کی وجہ سے مجھ سے بہتر ہیں اور میں مال کی وجہ سے تجھ سے افضل ہوں۔ اگر تو چاہے تو مجھے یہاں سے نکال سکتا ہے۔ تو میرے لئے بددعا کر اور میں تیرے لئے بددعا کرتا ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام باہر تشریف لائے۔ قارون بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر باہر آیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا۔ تو بددعا کرے گا یا میں کروں۔ کہنے لگا۔ یہ ٹھیک ہے بددعا کرنے میں پہل تو کرلے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی: الٰہی! زمین کو حکم دے کہ یہ آج میرا کہا مانے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی: میں نے زمین کو حکم دے دیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا۔ اے زمین! انہیں (قارون اور اس کے ساتھیوں کو) پکڑ لے۔ زمین نے انہیں پاؤں سے پکڑ لیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: انہیں پکڑ لے۔ انہیں گھٹنوں تک پکڑ لیا۔ پھر انہیں کندھوں تک پکڑا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ ان کے خزانے اور مال و دولت کو اپنی گرفت میں لے لے۔ زمین نے انہیں بھی اپنی گرفت میں لے لیا۔ یہ لوگ اپنے خزانوں کو دیکھتے رہ گئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ کا اشارہ فرمایا اور کہا: بنی لاوی جاؤ۔ پس زمین ان پر ہموار ہو گئی۔

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا زمین روزانہ انہیں ایک آدمی کے قد کے برابر دھنسا رہی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ لوگ زمین کے ساتویں طبق تک دھنس گئے۔ یہاں کئی مفسرین نے بہت ساری اسرائیلی روایات ذکر کی ہیں۔ ہم نے ان سے اعراض کیا ہے اور انہیں قصداً ترک کر دیا ہے رب قدوس ارشاد فرماتے ہیں۔

''تو نہ تھی اس کے حامیوں کی کوئی جماعت (جو اس وقت) اس کی مدد کرتے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اور وہ خود بھی اپنا انتقال نہ لے سکا'' (القصص:۸۱)

جب قارون کے مال ومتاع اور گھر کو زمین میں نگل گئی اور وہ خود بھی غرق ہو گیا۔ نہ اس کا کوئی ساتھی بچا اور نہ ہی گھر کا کوئی فرد تو وہ لوگ بہت نادم ہوئے جنہوں نے اس کی سج دھج دیکھ کر ہی یہ تمنا کی تھی کہ کاش ہم بھی انہیں کی طرح امیر ہوتے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا کہ وہ اپنے بندوں کے لئے جو تدبیر کرتا ہے بہتر کرتا ہے حالانکہ بندوں کی نگاہوں سے انجام کار مخفی ہوتا ہے۔ کہنے لگے:

''اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں گاڑ دیتا۔ او ہو! (اب پتہ چلا) کہ کفار بامراد نہیں ہوتے''۔ (القصص:۸۲)

ہم نے لفظ ویکانہ کے بارے تفسیر میں بات چیت کی ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ ویکان، الم تران (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ) کے معنی میں ہے۔ معنوی اعتبار سے یہ قول بہتر ہے۔ (واللہ اعلم)

پھر رب قدوس نے آگاہ فرمایا کہ دار آخرت یعنی ابدی قیام گاہ کہ جن خوش نصیبوں کو یہ گھر عطا ہوگا وہ تو اس پر فخر کریں گے اور خوش ہوں گے اور جن کو اس سے محروم کر دیا جائے گا وہ آہ و بکا کریں گے۔ یہ دار آخرت ان لوگوں کے لئے تیار کیا گیا ہے جو زمین میں بڑا بننے کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ وہ فساد برپا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آیت کریمہ میں لفظ علو سے مراد فخر وغرور اور تکبر بڑائی اور نازش ہے۔

اور فساد سے مراد گناہ سرکشی، لوگوں کا مال غصب کرنا۔ ان کی معیشت کو نقصان پہنچانا۔ ان کے اتھ زیادتی کرنا اور بھلائی کی کوشش نہ کرنا ہے۔ پھر رب قدوس فرماتے ہیں کہ حسن انجام صرف اہل تقویٰ کے لئے ہے۔

قارون کا یہ قصہ خروج مصر سے پہلے پیش آیا کیونکہ رب قدوس فرماتا ہے:

''پس ہم نے غرق کر دیا اسے بھی اور اس کے گھر کو بھی زمین میں''

گھر عموماً آبادی میں ہوتا ہے۔ لیکن کبھی ریگستان میں بھی ہوتا ہے۔ لفظ دار کا اطلاق بارہا ایسی جگہ پر بھی کیا جاتا ہے جس پر خیمہ لگایا گیا ہو۔ جیسا کہ عنترہ کا شعر ہے۔

یا دار عبلة بالجواء تکلمنی

وعمی صباحا دار عبلة واسلمی

''اے کشادہ وادی میں (میری محبوبہ) عبلہ کا گھر مجھ سے باتیں کر۔ اے عبلہ

کا گھر تیری صبح اچھی ہو اور تو سلامت رہے''

(یہاں لفظ دار خیمہ کی جگہ کے لئے استعمال ہوا ہے) (واللہ اعلم)

اللہ تعالیٰ نے قارون کی کئی آیات میں مذمت فرمائی ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

''اور بیشک بھیجا ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا (یہ) جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے''۔ (المومن:۲۳)

سورہ عنکبوت میں عاد وثمود کے ذکر کے بعد فرمایا:

''اور ہم نے (ہلاک کر دیا) قارون، فرعون اور ہامان کو۔ اور بلاشبہ تشریف لائے ان کے پاس موسیٰ روشن دلیلوں کے ساتھ۔ پھر بھی وہ غرور وتکبر کرتے رہے زمین میں اور وہ (ہم سے) آگے بڑھ جانے والے نہ تھے۔ پس ہر (سرکش) کو ہم نے پکڑا اس کے گناہ کے باعث۔ پس ان میں سے بعض پر ہم نے برسائے پتھر اور ان میں سے بعض کو آ لیا شدید کڑک نے اور بعض کو ہم نے غرق کر دیا زمین میں۔ اور بعض کو ہم نے (دریا میں) ڈبو دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ ان پر ظلم کرے بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے تھے''
(عنکبوت:۳۹۔۴۰)

جو شخص زمین میں غرق ہوا وہ قارون ہے جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں۔ اور جو دریا میں غرق ہوئے وہ فرعون ہامان اور ان کا لشکر تھا جو کہ نافرمان تھے۔ حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو عبدالرحمٰن نے بیان کیا۔ ہ سے سعید نے، ہم سے کعب بن علقمہ نے بیان فرمایا۔ انہوں نے عیسیٰ بن ہلال صدفی سے، انہوں نے عبداللہ بن عمرو سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے ایک دن نماز کی تلقین کی اور فرمایا: جس نے اس کی محافظت کی تو یہ نماز اس کے لئے قیامت کے روز نور، دلیل اور نجات کا سامان ہوگی اور جس نے اس کی محافظت نہیں کی تو نہ اس کے لئے نور ہوگا۔ نہ کوئی دلیل اور نہ ہی نجات۔ ایسا شخص قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے باب میں حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم سے یحییٰ بن موسیٰ نے بیان کیا۔ ہم سے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ ہم کو معمر نے اطلاع دی۔ انہوں نے ابن ابن طاؤس سے، انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ موت کے فرشتے کو موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا تو آپ نے فرشتے کو مکا مارا۔وہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔(مولا!) آپ نے مجھے ایسے شخص کو طرف بھیجا ہے جو مرنا نہیں چاہتا۔رب قدوس نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام کے پاس دوبارہ جاؤ اور ان سے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کی پیٹھ پر رکھو۔جتنے بال ہاتھ کے نیچے آئیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال عمر بڑھادی جائے گی۔آپ نے عرض کیا میرے رب پھر کیا ہوگا؟ فرمایا: پھر مرنا ہوگا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا(یہ صورت ہے) تو پھر ابھی"

راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت سے التجاء کی کہ مجھے ارض مقدس سے اتنا نزدیک فرمادے کہ کوئی پتھر پھینکے تو پہنچ سکے حضرت ابو ہریرہ (راوی حدیث) بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں راستے کے قریب سرخ ٹیلے کے نیچے ان کی قبر انور دکھاتا۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم کو عمر نے اطلاع دی، انہوں نے ہمام سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ایسی ہی حدیث روایت فرمائی۔

امام مسلم اس حدیث کو پہلے طریق سے عبدالرزاق کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں۔امام احمد حماد بن سلمہ کے حوالے سے عن عمار بن ابی عمار، عن ابی ہریرہ کی سند سے اسے مرفوع روایت کرتے ہیں۔یہ حدیث انشاء اللہ عنقریب بیان ہوگی۔

امام احمد فرماتے ہیں۔ہم سے حسن نے بیان کیا۔ہم سے لھیعہ نے بیان کیا۔ہم سے ابو یونس نے بیان کیا ابو یونس سے مراد سلیم بن جبیر ہیں۔انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روات کیا۔آپ فرماتے ہیں (امام احمد نے اسے مرفوع ذکر نہیں فرمایا) ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا اپنے رب کا فیصلہ مان لو (یعنی موت کا وقت آچکا ہے) موسیٰ علیہ السلام نے مکا مارا اور فرشتے کی آنکھ پھوڑ دی۔فرشتہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر، عرض کناں ہوا۔(مولا!) تو نے مجھے اپنے ایسے بندے کے پاس بھیجا ہے جو مرنا نہیں چاہتا فرشتے نے یہ بھی عرض کیا کہ الٰہی اس بندے نے تو میری آنکھ پھوڑ دی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرشتہ اجل کی آنکھ درست فرمادی اور حکم دیا کہ میرے بندے کے پاس جاؤ اور اس سے کہو۔کیا تمہیں زندگی چاہیے؟ اگر تمہیں زندگی چاہیے تو اپنا ہاتھ بیل کی پیٹھ پر رکھ۔جتنے بال ہاتھ کے نیچے آجائیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال زندہ رہے گا۔موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا پھر کیا ہوگا۔فرمایا:

پھر موت (کا ذائقہ چکھنا ہوگا) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: تو میرے رب پھر ابھی

اپنے پاس بلالے" حضرت امام احمد اسے روایت کرنے میں اکیلے ہیں۔اور ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث موقوف روایت کی گئی ہے۔

ابن حبان نے بھی اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔اس کی سند بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔معمر عن ابن طاؤس عن ابیہ عن ابی ہریرہ معمر کہتے ہیں کہ مجھے ایک ایسے شخص نے خبر دی ہے۔جس نے یہ حدیث حسن سے سنی ہے اور انہوں نے رسول کریم ﷺ سے روایت کی ہے۔اس کے بعد وہ پوری حدیث بیان کرتے ہیں۔

پھر ابن حبان نے اس حدیث پر ایک اشکال وارد کیا ہے اور اس کا خود بھی جواب دیا ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتہ اجل نے جب پہلی مرتبہ پیغام ربانی پہنچایا تو موسیٰ علیہ السلام اسے پہچانتے نہیں تھے۔کیونکہ وہ ایسی شکل میں آیا جس شکل وصورت سے موسیٰ علیہ السلام پہلے واقف نہیں تھے جیسا کہ جبریل آمین بارگاہ رسالت میں اعرابی کی شکل میں آتے اسی طرح فرشتے انسانی شکل میں ابراہیم اور لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور وہ انہیں نہ پہچان سکے۔اسی طرح موسیٰ علیہ السلام بھی فرشتہ اجل کو پہچاننے سے قاصر رہے۔مکا دے مارا اور ان کی آنکھ پھوڑ دی۔کیونکہ فرشتہ بغیر اجازت کے ان کے گھر گھس آیا تھا یہ ہماری شریعت کے موافق ہے۔ہماری شریعت میں بھی یہی حکم ہے کہ جو بغیر اجازت کے آپ کے گھر میں جھانکے اس کی آنکھ پھوڑ دو۔

پھر ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ عبدالرزاق کے طریق سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث کو عبدالرزاق معمر سے، وہ ہمام سے اور وہ ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"فرشتہ اجل موسیٰ علیہ السلام کے پاس ان کی روح قبض کرنے کی غرض سے آیا اور کہا کہ اپنے رب کی قضا مان لو۔موسیٰ علیہ السلام نے اس کی آنکھ پر مکا دے مارا اور آنکھ پھوڑ دی" پھر ابن حبان نے امام بخاری کی طرز پر تمام حدیث بیان کی۔

پھر ابن حبان نے اس کی تاویل کی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تو اس وقت فرشتے نے کہا کہ اپنے رب کو جواب دیجئے۔لیکن اس تاویل کو حدیث کے الفاظ قبول نہیں کرتے۔کیونکہ حدیث میں اجب ربک کے الفاظ پہلے ہیں اور لطم کے الفاظ بعد میں ہیں۔اگر پہلے جواب کو ملحوظ رکھا جائے تو حدیث کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔ درحقیقت موسیٰ علیہ السلام فرشتہ کو پہچان نہ سکے۔یہ قول اس سے مطابقت نہیں رکھتا۔کیونکہ اس

ساعت خاص میں یہ بات متحقق نہ ہوسکی کہ وہ کریم فرشتہ ہے کیونکہ آپ زندگی میں بہت سے کام کرنے کی تمنا رکھتے تھے۔اور تیہ کے بعد ان کو توقع تھی کہ اور بہت سے کام ان کے ہاتھ سے سر انجام پائیں گے اور وہ جہاد کر کے بیت المقدس میں داخل ہوں گے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا تیہ میں رحلت فرمانا مقدر فرما دیا تھا۔جیسا کہ ہم انشاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔

بعض لوگوں کا گمان ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ہی بنی اسرائیل کو لے کر تیہ سے نکلے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے۔لیکن یہ نظریہ اہل کتاب اور جمہور مسلم علماء کی تحقیق کے خلاف ہے۔اور اس کی دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا موت کے وقت یہ فرمانا ہے کہ: میرے رب مجھے ارض مقدس سے پتھر پھینکنے کے فاصلے تک قریب کر دے" اگر آپ بیت المقدس میں داخل ہو چکے ہوتے تو یہ دعا ہرگز نہ کرتے۔دراصل آپ تیہ میں تھے۔جب موت کا وقت قریب آیا تو عرض کی۔مولا مجھے بیت المقدس کے قریب کر دے جس کی طرف میں ہجرت کر کے آرہا تھا آپ نے اپنی قوم کو اس بات کی ترغیب دی کہ مجھے بیت المقدس میں دفن کرنا۔لیکن تقدیر بیت المقدس اور ان لوگوں کے درمیان حائل ہوگئی اور وہ ایک پتھر پھینکنے کے فاصلے سے آگے نہ جاسکے۔

اسی لئے سید البشر رسول خدا ﷺ نے فرمایا: اگر میں وہاں ہوتا تو سرخ پہاڑ کے نیچے ان کا مزار اقدس تمہیں دکھاتا۔

امام مسلم نے اس حدیث کو حماد بن مسلم کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

سدی ابو مالک اور ابو صالح سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ان دونوں نے ابن عباس اور مرہ سے، انہوں نے ابن مسعود اور کئی دوسرے صحابہ سے روایت کیا۔صحابہ کرام فرماتے ہیں: کہ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طف وحی کی کہ میں ہارون کو وفات دینے والا ہوں۔اس لئے انہیں فلاں پہاڑ پر لے آئے۔

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اس پہاڑ کی طرف چل پڑے۔اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے ایک درخت ہے کہ اس جیسا درخت پہلے کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہوگا۔درخت کے قریب۔ایک محل ہے جس میں ایک پلنگ بچھا ہے اس پلنگ پر بہت قیمتی بستر بچھا ہوا ہے۔اور اس بستر سے نہایت ہی خوشگوار مہک اٹھ رہی ہے۔ہارون علیہ السلام اس پہاڑ، محل اور سامان کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔کہنے لگے۔اے (میرے بھائی) موسیٰ!! میں اس پلنگ پر سونا چاہتا ہوں۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: سو جایئے ہارون علیہ السلام نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں گھر کا مالک نہ آجائے اور مجھ پر ناراض ہو۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ڈرنے کی کوئی بات نہیں میں صاحب

خانہ سے نمٹ لوں گا۔سو آپ سو جایئے۔ہارون علیہ السلام نے کہا: آپ بھی میرے ساتھ سو جایئے۔گھر کا مالک آگیا تو مجھ پر اور آپ پر یعنی ہم دونوں پر ناراض ہوگا۔جب دونوں بھائی سو گئے تو ہارون علیہ السلام فوت ہوگئے۔جب آپ کو محسوس ہوا کہ آخری وقت قریب ہے تو کہا: اے ہارونؑ! آپ نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔جب آپ کی روح قبض ہوگئی تو یہ گھر اٹھ گیا، درخت بھی غائب ہوگیا اور پلنگ آپ کے جسم کو لے کر آسمان کی طرف اٹھ گیا۔

جب موسیٰ علیہ السلام اکیلے اپنی قوم کے پاس تشریف لائے تو لوگ کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔وہ ان سے حسد کرتے تھے اور نسبتاً ہارون سے زیادہ محبت کرتے تھے۔کیونکہ ہارون علیہ السلام نرم خو اور محبت سرشت تھے جب کہ موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت میں جلال تھا۔جب موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ لوگ یہ باتیں کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا تمہارا ستیاناس ہو۔ہارون میرا بھائی تھا۔کیا میں اسے قتل کر سکتا ہوں۔جب بہت سے لوگ اس وہم میں مبتلا ہوگئے تو موسیٰ علیہ السلام نے دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو وہ پلنگ نیچا آگیا یہاں تک کہ لوگوں نے زمین اور آسمان کے درمیان پلنگ کو معلق دیکھا۔

پھر ایک دن ایسا ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون کہیں جا رہے تھے۔سیاہ آندھی آئی۔یوشع بن نون نے دیکھا تو سمجھے قیامت آگئی ہے۔فوراً موسیٰ علیہ السلام سے چمٹ گئے۔اور کہا: قیامت آگئی ہے اور میں اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام کے جسم سے چمٹا ہوا ہوں موسیٰ علیہ السلام حضرت یوشع کے ہاتھوں سے اس طرح نکل گئے کہ ان کی قمیص یوشع علیہ السلام کے ہاتھ میں رہ گئی۔جب یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قمیص لے کر اکیلے واپس آئے تو بنی اسرائیل نے انہیں پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ تو نے اللہ کے نبی کو قتل کر دیا ہے۔یوشع علیہ السلام نے کہا: بخدا میں نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ وہ میرے ہاتھوں سے چھن گئے۔لیکن اسرائیلیوں نے ان کی تصدیق نہ کی اور ان کے قتل کے درپے ہوگئے۔آپ نے فرمایا اگر تم میری بات پر یقین نہیں کرتے تو مجھے تین دن کی مہلت دو۔آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔جو لوگ یوشع علیہ السلام کی نگرانی کر رہے تھے انہیں خواب میں بتایا گیا کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کے قاتل نہیں ہیں بلکہ اللہ نے انہیں اپنے پاس اٹھا لیا ہے۔یہ سن کر ان لوگوں نے حضرت یوشع بن نون کو چھوڑ دیا۔

اس بات سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جتنے لوگ میدان تیہ میں داخل ہوئے تھے۔وہ سب اسی ویرانے میں مر کھپ گئے تھے ایک بھی ایسا نہیں تھا جو جابروں کی اس بستی میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ داخل ہوا ہو۔یا فتح کا دن دیکھا ہو۔

اس حدیث کے بعض الفاظ منکر ہیں اور بعض الفاظ میں غرابت ہے۔ (واللہ اعلم)

جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ مشہور ویرانے سے کوئی بھی نہ نکل سکا۔لیکن چند خوش نصیب ایسے تھے جنہیں بیت المقدس میں داخل ہونا نصیب ہوا۔ان میں سے یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا مشہور ہیں۔مؤخر الزکر موسیٰ و ہارون علیہا السلام کی ہمشیرہ حضرت مریم کے خاوند ہیں یہی وہ جوان ہیں جن کا تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو کہا تھا کہ ہم عمالقیوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کھود رہے تھے۔اس سے پہلے ایسی خوبصورت، پر رونق اود دلکش قبر آپ علیہ السلام کی نظر سے نہیں گزری تھی۔آپ علیہ السلام نے پوچھا اے اللہ کریم کے فرشتو! یہ قبر کس کے لئے کھود رہے ہو۔کہنے لگے اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے کے لئے۔اگر تو چاہتا ہے کہ وہ بندہ تو بنے تو اس قبر میں داخل ہو جا۔لیٹ جا اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جا۔اور آہستہ آہستہ سانس لے۔موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔فوراً آپ کا وصال ہو گیا فرشتوں نے نماز جنازہ ادا کی اور آپ کو دفن کر دیا۔اہل کتاب اور دوسرے کئی علماء کہتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام فوت ہوئے تو عمر مبارک ایک سو بیس سال تھی۔امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم سے امیہ بن خالد اور یونس نے بیان کیا۔یہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم سے حماد بن سلمہ نے بیان کیا۔انہوں نے عماد بن ابی عمار سے، انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا۔یونس کہتے ہیں کہ یہ حدیث رسول کریم ﷺ تک مرفوع ہے۔حدیث پاک یہ ہے۔

''موت کا فرشتہ لوگوں کے پاس کھلم کھلا آتا ہے۔فرماتے ہیں کہ جب یہ فرشتہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو آپ نے مکا مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دی۔وہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوا اور عرض کی: پروردگار! تیرے عبد خاص موسیٰ علیہ السلام نے تو میری آنکھ پھوڑ دی۔اگر وہ تیری بارگاہ میں عزت دار نہ ہوتا تو میں اسے مزا چکھا دیتا۔یونس کے الفاظ لشققت علیہ یعنی میں اسے دو لخت کر دیتا'' ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتہ سے کہا: میرے بندے کے پاس جا اور اس سے کہہ کہ بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھے یا فرمایا کہ بیل کی جلد کو چھوئے۔ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال عمر دی جائے گی۔فرشتہ [illegible] حاضر ہوا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام گوش گزار کیا۔موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ فرشتے نے بتایا کہ پھر موت کا سامنا کرنا ہوگا۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو

پھر ابھی سہی۔راوی فرماتے ہیں کہ فرشتے نے موسیٰ علیہ السلام کو سونگھا اور روح قبض کر لی۔

یونس کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کی آنکھ دوبارہ درست فرما دی۔تب سے وہ لوگوں کے پاس خفیہ آنے لگا۔اس حدیث کو اسی طرح ابن جریر نے ابو کریب سے انہوں نے مصعب بن مقدام سے انہوں نے حماد بن سلم سے روایت کیا ہے۔انہوں نے بھی حدیث کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی ہے۔

قرآن پاک میں آپ کا ذکر

(۱)	پارہ ۱	سورہ البقرہ	رکوع ۶ تا ۹
(۲)	پارہ ۱	سورہ البقرہ	رکوع ۱۱_۱۲
(۳)	پارہ ۲	سورہ البقرہ	رکوع ۳۱
(۴)	پارہ ۳	سورہ آل عمران	رکوع ۹
(۵)	پارہ ۶	سورہ نساء	رکوع ۲۳
(۶)	پارہ ۶	سورہ مائدہ	رکوع ۴
(۷)	پارہ ۷	سورہ انعام	رکوع ۱۰_۱۱
(۸)	پارہ ۸	سورہ انعام	رکوع ۱۹
(۹)	پارہ ۹	سورہ اعراف	رکوع ۱۳ تا ۲۰
(۱۰)	پارہ ۱۱	سورہ یونس	رکوع ۸_۹
(۱۱)	پارہ ۱۲	سورہ ہود	رکوع ۲_۹
(۱۲)	پارہ ۱۳	سورہ ابراہیم	رکوع ۱
(۱۳)	پارہ ۱۵	سوہ الاسرا	رکوع ۱_۱۲
(۱۴)	پارہ ۱۵	سورہ کہف	رکوع ۹
(۱۵)	پارہ ۱۶	سورہ مریم	رکوع ۴
(۱۶)	پارہ ۱۶	سورہ طہ	رکوع ۱ تا ۶

(۱۷)	پارہ ۱۷	سورہ انبیاء	رکوع ۴
(۱۸)	پارہ ۱۷	سورہ الحج	رکوع ۶
(۱۹)	پارہ ۱۸	سورہ مؤمنون	رکوع ۳
(۲۰)	پارہ ۱۹	سورہ فرقان	رکوع ۴
(۲۱)	پارہ ۱۹	سورہ شعراء	رکوع ۲ تا ۴
(۲۲)	پارہ ۱۹	سورہ نمل	رکوع ۱
(۲۳)	پارہ ۲۰	سورہ قصص	رکوع ۱ تا ۵
(۲۴)	پارہ ۲۰	سورہ قصص	رکوع ۸
(۲۵)	پارہ ۲۰	سورہ عنکبوت	رکوع ۴
(۲۶)	پارہ ۲۱	سورہ سجدہ	رکوع ۳
(۲۷)	پارہ ۲۲	سورہ احزاب	رکوع ۹
(۲۸)	پارہ ۲۳	سورہ الصفت	رکوع ۴
(۲۹)	پارہ ۲۴	سورہ مومن	رکوع ۳ تا ۶
(۳۰)	پارہ ۲۴	سورہ حم سجدہ	رکوع ۶
(۳۱)	پارہ ۲۵	سورہ شوریٰ	رکوع ۲
(۳۲)	پارہ ۲۵	سورہ زخرف	رکوع ۵
(۳۳)	پارہ ۲۵	سورہ دخان	رکوع ۱۔۲
(۳۴)	پارہ ۲۷	سورہ زاریات	رکوع ۲
(۳۵)	پارہ ۲۷	سورہ قمر	رکوع ۲
(۳۶)	پارہ ۲۸	سورہ الصف	رکوع ۱
(۳۷)	پارہ ۳۰	سورہ النازعات	رکوع ۱
(۳۸)	پارہ ۳۰	سورہ الاعلیٰ	رکوع

حضرت زکریا علیہ السلام

آپ کے والد ماجد کے نام کے بارے میں اصحاب سیر کے مختلف اقوال ہیں اور ان میں سے کوئی قول بھی باوثوق نہیں کہا جا سکتا۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر اور تاریخ میں ابن عساکر سے وہ سب اقوال نقل کر دیئے ہیں۔ یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ آپ حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ (قصص القرآن)

آپ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ماجدہ حضرت مریمؑ کے خالو ہیں۔

بشیر بن اسحاق نے المبتدا میں نقل کیا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی ایشاع اور حضرت مریم کی والدہ حنہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ آپ حضرت عیسیٰؑ کے معاصر ہیں۔ اور یحییٰ بن زکریاؑ اور عیسیٰ ایک زمانہ میں گزرے ہیں۔ (قصص القرآن)

جب حضرت زکریاؑ مبعوث ہوئے تو اس وقت بنی اسرائیل رومیوں کے ماتحت تھے۔ آپ بیت المقدس کے خادم تھے اور جلیل القدر پیغمبر تھے۔ قرآن عزیز نے آپ کو پیغمبروں کی فہرست میں شمار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ

"اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس یہ سب نیکوکاروں میں سے ہیں"

آپ کی زوجہ مطہرہ ایشاع حضرت ہارون کی اولاد میں تھیں (قصص القرآن)

تمام انبیاء علیہم السلام خواہ وہ بادشاہ اور صاحب حکومت ہی کیوں نہ ہوں اپنی روزی ہاتھ کی محنت سے پیدا کرتے اور کسی کے باردوش نہیں ہوتے تھے اس لئے ہر نبی نے جب اپنی امت کو رشد و ہدایت کی تبلیغ کی تو ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا کہ:۔

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

''میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو خدا کے ماسوا اور کسی
کے پاس نہیں ہے''

چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام اپنی روزی کے لئے نجاری کا پیشہ کرتے تھے۔ مسلم ابن ماجہ اور مسند امام احمد میں صراحت سے مذکور ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ کَانَ زَکَرِیَّا نَجَّارًا

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ زکریا علیہ السلام نجاری کا کام کرتے تھے''

انہی کے خاندان سے عمران بن ناشی اور ان کی بیوی حنہ بنت فاقود نیک نفس انسان تھے۔ اور پارسائی کی زندگی بسر کرتے تھے، مگر لاولد تھے حنہ کی دعا سے ان کے گھر میں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام انہوں نے مریم رکھا۔ اور حنہ نے اپنی منت کے مطابق مریم کو ہیکل کی نذر کر دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اس کی کفالت پرورش اور نگہداشت کس کے سپرد ہو۔ بیت المقدس کے خادموں کے درمیان اس مقبول نذر خدا کے بارے میں اختلاف پیدا ہو کر جب بات قرعہ وفال پر آ کر ٹھہری تو قرعہ حضرت زکریاؑ کے نام نکلا۔ اور وہی مریم کے کفیل پائے (قصص القرآن)

رب قدوس کلام مجید میں فرماتے ہیں:

''یہ ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی۔ جب اسنے پکارا اپنے رب کو چپکے چپکے۔ عرض کی اے میرے رب! میری حالت یہ ہے کہ کمزور اور بوسیدہ ہوگئی ہیں میری ہڈیاں اور بالکل سفید ہوگیا ہے۔ (میرا) سر بڑھاپے کی وجہ سے اور اب تک ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تجھے پکارا ہو! اے میرے رب! اور نامراد رہا ہوں۔ اور میں ڈرتا ہوں (اپنے بے دین) رشتہ داروں سے (کہ وہ) میرے بعد (دین ضائع نہ کیں اور میری بیوی بانجھ ہے پس بخش دے مجھے اپنے پاس سے ایک وارث۔ جو وارث بنے میرا اور وارث بنے یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان کا۔ اور بنا دے اسے اے رب! پسندیدہ (سیرت والا)
اے زکریا! ہم مژدہ دیتے ہیں تجھے ایک بچے (کی ولادت) کا۔ اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے نہیں بنایا اس کا کوئی ہم نام اس سے پہلے زکریا نے عرض کی میرے رب! کیسے ہوسکتا ہے میرے ہاں لڑکا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود پہنچ گیا ہوں بڑھاپے کی انتہاء کو۔ فرمایا

یونہی ہوگا۔ تیرے رب نے فرمایا ہے کہ اس کبرسنی میں بچہ دینا میرے لئے آسان بات ہے اور (دیکھو) میں نے تمہیں بھی تو پیدا کیا تھا اس سے پیشتر حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔ زکریا نے عرض کی اے میرے رب ٹھہراؤ میرے لئے کوئی علامت جواب ملا تیری علامت یہ ہے کہ تو بات نہیں کر سکے گا لوگوں سے تین رات تک حالانکہ تو بالکل تندرست ہوگا۔

پھر آپ نکل کر آئے اپنی قوم کے پاس (اپنی) عبادت گاہ سے تو اشارہ سے انہیں سمجھایا کہ تم پاکی بیان کرو اپنے رب کی صبح و شام اے یحییٰ پکڑ لو اس کتاب کو مضبوطی سے اور ہم نے عطا فرما دی ان کو دانائی جب کہ وہ بچے تھے۔ نیز عطا فرمائی دل کی نرمی اپنی جناب سے اور نفس کی پاکیزگی۔ اور وہ بڑے پرہیز گار تھے۔ اور خدمت گزار تھے اپنے والدین کے اور وہ جابر (اور) سرکش نہ تھے۔ اور سلامتی ہو ان پر جس روز وہ پیدا ہوئے اور جس روز وہ انتقال کریں گے اور جس روز انہیں اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔ (مریم: ۱۔۱۵)

رب قدوس کا ارشادہ ہے:

''اور نگران بنا دیا اس کا زکریا کو جب بھی جاتے مریم کے پاس زکریا (اس کی) عبادت گاہ میں (تو) موجود پاتے اس کے پاس کھانے کی چیزیں (ایک بار) بولے اے مریم! کہاں سے تمہارے لئے آتا ہے یہ (رزق) مریم بولیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بے حساب وہیں دعا مانگی زکریا نے اپنے رب سے عرض کی اے میرے رب! عطا فرما مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد بے شک تو ہی سننے والا ہے دعا کا پھر آواز دی۔

ان کو فرشتوں نے جب کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے (اپنی) عبادت گاہ میں کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوش خبری دیتا ہے آپ کو یحییٰ کی جو تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی اور سردار ہوگا اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہوگا اور نبی ہوگا صالحین سے زکریا کہنے لگے اے رب! کیونکر ہوگا میرے ہاں لڑکا حالانکہ آلیا ہے مجھے بڑھاپے نے اور میری بیوی بانجھ ہے فرمایا بات اسی طرح ہے (جیسی تم نے کہی لیکن) اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے عرض کی اے میرے رب! مقرر فرما دے میرے لئے کوئی نشانی۔ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بات کرسکو گے لوگوں سے تین دن مگر اشارہ سے اور یاد کرو اپنے

پروردگار کو بہت اور پاکی بیان کرو (اس کی) شام اور صبح"

رب قدوس سورۂ انبیاء میں فرماتا ہے۔

"اور یاد کرو زکریا کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو کہ اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا کو قبول فرمالیا اور اسے یحییٰ (جیسا فرزند) عطا فرمایا۔ اور ہم نے تندرست کر دیا ان کی خاطر ان کی اہلیہ کو بیشک وہ بہت سبک رو تھے نیکیاں کرنے میں اور پکارا کرتے تھے ہمیں بڑی امید اور خوف سے اور وہ ہمارے سامنے بڑا عجز و نیاز کیا کرتے تھے"۔ (الانبیاء: ۸۹۔۹۰)

حافظ ابو قاسم بن عساکر اپنی معروف اور جامع تاریخ کی کتاب میں فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے والد گرامی کا نام برخیا تھا۔ فرماتے ہیں کہ زکریاء بن دان بھی کہا جاتا ہے۔ اور ان کا نسب نامہ کچھ اس طرح بھی بیان کیا جاتا ہے۔ زکریا بن لدن بن مسلم بن صدوق بن حشبان بن داؤد بن سلیمان بن مسلم بن صدیقہ بن برخیا بن بلعطہ بن ناحور بن شلوم بن بھفا شاط بن اینامن بن رحجام بن سلیمان بن داؤد۔ حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کے معروف نبی حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد گرامی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم دیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے حالات سے لوگوں کو آگاہ فرمائیں۔ کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑھاپے میں بچے سے نوازا۔ حالانکہ ان کی زوجہ محترمہ جوانی میں بانجھ تھیں اور اب تو وہ عمر یاس کو پہنچ چکی تھیں۔ یہ معجزہ اس لئے صادر ہوا تاکہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے مایوس اور ناامید نہ ہو۔

ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا
إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا

"یہ ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی"

حضرت قتادہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ صاف دل کو جانتا ہے اور کمزور آواز کو سنتا ہے۔ بعض سلف صالحین کا ارشاد ہے کہ زکریاء علیہ السلام رات کے وقت اٹھے اور اپنے ساتھ لیٹے دوسرے شخص سے ڈر کے مارے آہستہ آہستہ بارگاہ خداوندی میں عرض کی۔ اے میرے رب! رب قدوس نے فرمایا: لبیک۔ لبیک۔ اے میرے

بندے میں حاضر ہوں۔

"عرض کی اے میرے رب! میری حالت یہ ہے کہ کمزور و بوسیدہ ہوگئی ہیں میری ہڈیاں" یعنی میں کمزور ہو چکا ہوں اور بڑھاپے کی وجہ سے قوت ماند پڑ گئی ہے۔

"اور بالکل سفید ہوگیا ہے (میرا) سر بڑھاپے کی وجہ سے"

یہ استعارہ ہے کہتے ہیں اشتعل النار فی الحطب آگ ایندھن میں شعلہ بار ہو چکی ہے۔ یعنی بڑھاپا میرے بالوں کی سیاہی پر بھی غالب آ چکا ہے۔ جیسا کہ درید اپنے قصیدہ مقصورہ میں کہتا ہے۔

أَمَا تَرَى رَأْسِيَ حَاكِيٌّ لَوْنُهُ
طُرَّةَ صُبْحٍ تَحْتَ أَذْيَالِ الدُّجَا
وَاشْتَعَلَ الْمُبْيَضُّ فِيْ مسوده
مِثْلُ اشْتِعَالِ النَّارِ فِيْ جَمْرِ الْغَضَا
وَآضَ عُوْدُ اللَّهُمَّ يَبَاسَ ذَاوِيًا
مِنْ بَعْدِ مَا قَدْ كَانَ مَجَاجَ الثَّرىٰ

"کیا آپ میرا سر نہیں دیکھتے جس کی رنگت اس صبح کے پہلو کی حکایت بیان کر رہی ہے جو تاریکی کے دامن سے ہویدا ہوگئی ہو۔ اور اس کی ظلمت سے روشنی اس طرح ظاہر ہوئی ہو جس طرح آگ جھاؤ کے ڈھیر میں بلند ہوتی ہے۔ بڑھاپے کی چھڑی ہر پہلو سے خشک ہوگئی ہے حالانکہ وہ پہلے زمین کی کھائی ہوئی لکڑی نہیں تھی"

حضرت زکریا علیہ السلام بیان فرمارہے ہیں کہ ان کا ظاہر بھی کمزور ہو چکا ہے اور باطن بھی۔ جیسا کہ مذکورہ شعروں میں شاعر اپنے بڑھاپے کو استعارے کی زبان میں بیان کرتا نظر آتا ہے۔

"اور اب تک ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تجھے پکارا ہو اے میرے رب! اور میں نامراد رہا ہوں"

یعنی تو نے میری ہر عرض داشت کو قبولیت سے نوازا ہے۔ حضرت زکریاء کو اس دعا کا خیال اس لئے آیا کہ حضرت مریم بنت عمران بن ماثان آپ علیہ السلام کی کفالت میں تھیں۔ آپ جب بھی ان کے حجرے میں تشریف لے جاتے تو وہاں بے موسم کے تر و تازہ پھل پاتے۔ یہ حضرت مریم کی کرامت تھی۔ اس سے آپ کو خیال آیا کہ جو ذات اقدس اس بچی کو بند کمرے میں

بے موسم کے پھل عطا فرمانے پر قادر ہے وہ مجھے بڑھاپے میں میری بیوی کے بانجھ پن کے باوجود بچہ دینے پر بھی قادر ہے۔

''وہیں دعا مانگی زکریاء نے اپنے رب سے۔عرض کی اے میرے رب! عطا فرما مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد۔بے شک تو ہی سننے والا ہے دعا کا''

(آل عمران:۳۸)

عرض کی:

''اور میں ڈرتا ہوں (اپنے بے دین) رشتہ داروں سے (کہ وہ) میرے بعد (دین ضائع نہ کردیں) اور میری بیوی بانجھ ہے''

ایک قول کے مطابق موالی سے مراد قریبی رشتہ دار ہیں (جیسا کہ ترجمہ میں ہے) ایسا لگتا ہے کہ آپ کو یہ اندیشہ لاحق تھا کہ اگر یہ لوگ بنی اسرائیل کی زمام اقتدار سنبھالیں گے تو اللہ تعالیٰ کے قوانین کو پس پشت ڈال دیں گے اور اطاعت خداوندی سے روگردانی کریں گے۔اس لئے آپ نے اپنی پشت سے ایک نیک، متقی بچے کی دعا مانگی جس سے اللہ راضی ہو۔اسی لئے عرض کی۔فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ یعنی مجھے اپنی جناب سے اپنی قدرت وطاقت کے باعث فرما ولیاً یرثنی ایک بچہ جو نبوت اور حکم کا وارث ٹھہرے۔

''اور وارث بنے یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان کا اور بنادے اسے اے رب! پسندیدہ (سیرت والا)''

یعنی جس طرح میرے آباؤ اجداد کو یعقوب علیہ السلام کی نسل سے انبیاء بنایا میرے بچے کو بھی ان کی طرح نبوت ووحی کا شرف عطا فرما۔یہاں مال کی وراثت مراد نہیں جیسا کہ اہل تشیع کا گمان ہے۔اور ابن جریر نے بھی ان کی موافقت کی ہے اور ابوصالح کے حوالے اس کو بیان کیا ہے۔اس کی کئی وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ تو وہی ہے جسے ہم آیت وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (النمل:۱۶) کے تحت بیان کر آئے ہیں۔حضرت سلیمان نبوت اور ملک میں اپنے والد گرامی کے وارث تھے۔اور اس مفہوم کی وجہ بیان کرتے ہوئے ہم نے ایک ایسی حدیث بیان کی تھی جس پر علماء کا اتفاق ہے اور جو صحاح ستہ مسانید اور سنن وغیرہ کتب حدیث میں صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مختلف طرق سے محدثین کی ایک جماعت نے روایت کی ہے۔حضورﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ

''ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی۔ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے''

اور یہ حدیث اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حضورﷺ کی وراثت جاری نہیں ہوئی۔اسی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مال کو جو آپ کے ساتھ مختص تھا اس آدمی پر ...ن کرنے سے انکار کردیا جو اس نص کے نہ ہونے کی صورت میں اس مال کا وارث قرار ...یعنی آپﷺ کی نورِ نظر فاطمۃ الزہراء آپ کی ازواج مطہرات، آپ کے چچا حضرت عباس ...اللہ تعالیٰ عنہم۔اور جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے ...بل میں یہ نص پیش کی۔اس کی حضورﷺ سے روایت ہونے پر حضرت عمر بن الخطاب، عثمان ابن ...ثان، علی بن ابی طالب عباس بن عبدالمطلب، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ، زبیر، ابوہریرہ اور کئی ...رے صحابہ متفق ہیں۔

۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایسے لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے جو تمام انبیاء کو عام ہے۔

نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوْرَثُ

''ہم گروہ انبیاء (کے مال میں) وراثت جاری نہیں ہوتی''

اور امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی نظروں میں دنیا حقیر ترین چیز ہے۔وہ ...ے سنبھال کے نہیں رکھتے، نہ ہی اس کی طرف توجہ مبذول کرتے ہیں اور نہ ہی دولت دنیا ان ...نزدیک کوئی حیثیت رکھتی ہے۔حتیٰ کہ وہ تو اپنی اولاد کو بھی یہی نصیحت فرماتے رہے کہ دنیائے ...نی کو دل نہ دینا۔جو ہستیاں زہد وورع میں اس مقام پر فائز ہوں ان کی نسبت یہ کہنا کہ ظاہری ...ودولت میں وارث کے لئے بارگاہ خداوندی میں التجا کی بہت بڑی تہمت کے مترادف ہے۔

۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت زکریاء علیہ السلام بڑھئی تھے۔وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بسر ...ات کرتے تھے۔جیسے کہ داؤد علیہ السلام محنت کر کے گزر بسر کرتے انبیاء علیہم السلام سے یہ بعید ...کہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو غیر ضروری مشقت میں ڈال کر اتنا مال کماتے ہوں کہ ان کی ...یات سے بچ رہتا ہو اور اسے وہ آنے والی نسلوں کے لئے ذخیرہ کر لیتے ہوں۔ارباب فکرو ...حال حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم سے یزید یعنی ابن ہارون نے بیان کیا۔ ہم کو حماد بن سلمہ نے بتایا، انہوں نے ثابت سے، انہوں نے ابی رافع سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

كَانَ زِكَرِيَّا نَجَّارًا

''زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے''

اسی طرح اس حدیث کو امام مسلم اور ابن ماجہ نے ایک اور سند سے حماد بن سلمہ سے انہیں الفاظ میں روایات کیا ہے۔

حضرت زکریاء علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت عطا کیا گیا۔ رب قدوس نے وحی فرمائی:

''اے زکریا ہم مژدہ دیتے ہیں تجھے ایک بچے (کی ولادت) کا۔ اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے نہیں بنایا اس کا کوئی ہم نام اس سے پہلے''

اس آیت کی تفسیر سورۂ آل عمران کی ایک آیت سے ہوتی ہے۔

''پھر آواز دی ان کو فرشتوں نے جب کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے (اپنی) عبادت گاہ میں کہ بیشک اللہ تعالیٰ خوش خبری دیتا ہے آپ کو یحییٰ کی جو تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی اور سردار ہوگا اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہوگا اور نبی ہوگا صالحین سے'' (آل عمران:۳۹)

جب زکریا علیہ السلام کو بچے کی بشارت دی گئی اور یہ مژدہ متحقق ہوا تو از راہ تعجب پوچھنے لگے کہ اس بڑھاپے میں بچہ کیونکر ہوگا۔

''زکریا نے عرض کی اے میرے رب! کیسے ہو سکتا ہے میرے ہاں لڑکا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود پہنچ گیا ہوں بڑھاپے کی انتہا کو''

کہتے ہیں کہ حضرت زکریا ناوے سال کے ہو چکے تھے۔ اور ممکن ہے آپ کی عمر مبارک اس سے بھی کہیں زیادہ ہو۔ وکانت امراتی عاقرا۔ یعنی میری بیوی تو جوانی میں بھی بانجھ تھی جو بچہ جننے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی اب بڑھاپے میں اس کی گود کیسے ہری ہوگی۔ (واللہ اعلم)

ایسے ہی خلیل علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔

''آپ نے کہا کیا تم مجھے اس وقت خوش خبری دینے آئے ہو جب کہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے پس یہ کیسی خوش خبری ہے'' (الحجر:۵۴)

اور حضرت سارہ نے حیران ہو کر کہا تھا:

''وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔ بلا شبہ یہ تو عجیب وغریب بات ہے۔ فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر۔ اے ابراہیم کے گھرانے والو! بے شک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے'' (۷۲۔۷۳)

حضرت زکریا علیہ السلام نے جب تعجب کا اظہار کیا تو انہیں بھی ایسا ہی جواب دیا گیا۔ رب قدوس کی طرف سے وحی پہنچاتے ہوئے فرشتے نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم آپ کے گوش گزار کیا:

''فرمایا یونہی ہوگا۔ تیرے رب نے فرمایا ہے کہ اس کبر سنی میں بچہ دینا میرے لئے آسان بات ہے''

''اور دیکھو میں نے تمہیں بھی تو پیدا کیا تھا اس سے پیشتر حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے''

یعنی جب میں تمہیں نیست سے ہست کر سکتا ہوں تو کیا بڑھاپے میں تیری صلب سے بچہ پیدا نہیں کر سکتا؟

رب قدوس کا ارشاد ہے۔

''تو ہم نے اس کی دعا کو قبول فرمالیا اور اسے یحییٰ (جیسا فرزند) عطا فرمایا اور ہم نے تندرست کر دیا ان کی خاطر ان کی اہلیہ کو۔ بیشک وہ بہت سبک رو تھے نیکیاں کرنے میں۔ اور پکارا کرتے تھے ہمیں بڑی امید اور خوف سے اور وہ ہمارے سامنے بڑا عجز و نیاز کیا کرتے تھے''۔ (الانبیاء:۹۰)

اصلاح زوجہ سے مراد یہ ہے کہ ان کی زوجہ محترمہ عمر یاس کو پہنچ گئی تھیں ان کی ماہ واری رک گئی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی ماہواری کا خون آنا شروع ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی زبان میں تیزی تھی اللہ نے اسے درست فرمادیا (نعوذ باللہ)

''زکریاء نے عرض کی اے میرے رب! ٹھہراؤ میرے لئے کوئی علامت''

یعنی ایسی نشانی مقرر فرما دیجئے جس سے معلوم ہو سکے کہ اب اس بشارت دادہ بچہ کا حمل میری بیوی میں قرار پکڑا چکا ہے۔

''جواب ملا تیری علامت یہ ہے کہ تو بات نہیں کر سکے گا لوگوں سے تین رات تک۔ حالانکہ تو بالکل تندرست ہوگا''

یعنی تجھ کو خاموشی لاحق ہو جائے گی۔ تو تین دن تک کسی سے گفتگو نہیں کر سکے گا۔ کچھ کہنے کی ضرورت ہوگی بھی تو اشارے کرے گا۔ لیکن اس خاموشی کے باوجود تو بالکل تندرست و توانا

ہوگا۔ تیرے مزاج میں کوئی خرابی نہیں ہوگی اور نہ فہم و فراست متاثر ہوگی۔ رب قدوس نے آپ علیہ السلام کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ خاموشی کے ان تین دنوں میں کثرت سے قلبی ذکر کرنا اور صبح و شام اپنے دل میں میری یاد کا دیپ روشن رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو بشارت سے سرفراز فرمادیا تو آپ خوشی خوشی اپنے کمرۂ عبادت سے باہر تشریف لائے اور اپنی قوم سے ملے۔

فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا

''تو اشارے سے انہیں سمجھایا کہ تم پاکی بیان کرو (اپنے رب کی) صبح و شام''

یہاں وحی سے مراد یا تو لکھ کر بتانا ہے جیسا کہ مجاہد اور سری کا قول ہے یا اشارے سے بتانا ہے جیسا کہ مجاہد کا دوسرا قول، وہب اور قتادہ کا قول ہے۔ مجاہد، عکرمہ، وہب، سدی اور قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی زبان کسی بیماری کے بغیر ہی گنگ ہوگئی۔ ابن زید فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام تلاوت کرسکتے تھے اور تسبیح و تہلیل بھی کرتے تھے لیکن کسی سے گفتگو کے لئے زبان نہیں کھلتی تھی۔

جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کردیا گیا تو حضرت زکریا علیہ السلام نے بادشاہ کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے شہر سے باہر جانے کا رخ کیا۔ بادشاہ نے اسی فاحشہ عورت کے کہنے پر آپ کو پکڑنے کے لئے بھی اپنے سپاہیوں کو بھیجا آپ نے اپنی جان بچانے کے لئے درخت کے تنے میں چھپالیا جو اندر سے خالی تھا۔

''آپ کو درخت کے اندر سے خالی تنے میں جب پایا گیا تو ان لوگوں نے درخت کو اوپر سے نیچے آرہے سے کاٹ دیا''

یعنی اس طرح آپ کے جسم کے دو ٹکڑے کرکے آپ کو شہید کردیا گیا۔ خیال رہے کہ جان کی حفاظت کا وعدہ صرف نبی کریم ﷺ سے رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

''اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا''

اور دوسرے رسولوں سے جو نصرت کا وعدہ فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ تم اتنے بڑے لوگوں کی مخالفت کے باوجود میرے احکامات ان تک پہنچا سکو گے تمہارے دلائل کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکیں گے اور تمہارے بدلے میں ان کے کئی آدمیوں کو قتل کرادوں گا جب دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو لوگوں سے بچائے رکھنے کا وعدہ نہ فرمایا تو ان دو آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ

''وہ بنی اسرائیل انبیائے کرام علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے'' (پ ا سورۃ البقرہ ۶۱)

یعنی وہ خود بھی سمجھتے کہ ہم ظلم کررہے ہیں ہمیں قتل کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا

''بیشک ہم اپنے رسولوں کی امداد کرتے ہیں''

یعنی دلائل و حجت اور ظاہری غلبہ ہیں۔ (از روح المعانی ج اول ص ۲۷۷)

قرآن عزیز نے متعدد مقامات پر یہود کی فتنہ سازیوں اور باطل کوششوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا ہے انہوں نے اپنے نبیوں کو بھی قتل کئے بغیر نہیں چھوڑا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ

''اور وہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے''

چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی انہی ظالموں کے ہاتھ شہادت پائی۔ حضرت وہب بن منبہ کی ایک روایت میں ہے۔ کہ یہود نے جب حضرت یحییٰؑ کو شہید کردیا تو حضرت زکریاؑ کی طرف متوجہ ہوئے کہ ان کو بھی قتل کریں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو وہ بھاگے تاکہ وہ ان کے ہاتھ نہ لگ سکیں۔ سامنے ایک درخت آگیا اور وہ اس کے شگاف میں گھس گئے۔ یہودی تعاقب کررہے تھے تو انہوں نے جب دیکھا کہ آپ درخت کے اندر ہیں تو انہوں نے درخت پر آرا چلا دیا۔ جب آرا حضرت زکریا علیہ السلام کے جسم پر پہنچا تو خدا کی طرف سے وحی آئی کہ اگر تم نے آہ و زاری کی تو ہم یہ سب زمین تہہ و بالا کردیں گے۔ اور اگر تم نے صبر سے کام لیا تو ہم بھی یہود پر فوراً اپنا غضب نازل کریں گے۔ چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام نے صبر سے کام لیا اور اف تک نہ کیا۔ اور یہود نے درخت کے ساتھ ان کے دو ٹکڑے کردیئے۔

قرآن مجید میں آپ کا ذکر

(۱)	پارہ ۳	سورہ آل عمران	رکوع ۱۰
(۲)	پارہ ۷	سورہ انعام	رکوع ۱۰
(۳)	پارہ ۱۶	سورہ مریم	رکوع ۱
(۴)	پارہ ۱۷	سورہ الانبیاء	رکوع ۶

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

حضرت یحییٰ علیہ السلام

آپ حضرت زکریا علیہ السلام کے بیٹے اور ان کی پیغمبرانہ دعاؤں کا حاصل تھے۔آپ کا نام بھی اللہ کا فرمودہ ہے اور ایسا نام ہے کہ اس سے قبل کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا تھا۔جیسا کہ ارشاد ہے۔

یَازَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامِ نِ اسْمُهٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا

''اے زکریا ہم تجھ کو ایک ایسے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔
اس سے پہلے ہم نے کسی کو اس کا ہم نام نہیں پیدا کیا''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰؑ کی والدہ حضرت مریمؑ سے کہا کرتی تھیں کہ میں اپنے پیٹ کی چیز کو سجدہ کرتے ہوئے پاتی ہوں۔یہ تھی حضرت یحییٰؑ کی تصدیق دنیا میں آنے سے پیشتر۔سب سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کی سچائی انہوں نے جانی۔سید کے معنی حلیم ، بردبار، علم و عبادت میں بڑھا ہوا۔متقی پرہیز گار۔فقہیہ علام خلق و دین میں سب سے افضل غصہ اور غضب مغلوب نہ کر سکے ۔(ابن کثیر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موفوعاً روایت ہے کہ تمام بنی آدم اللہ تعالیٰ سے کوئی نہ کوئی گناہ لے کر ملاقات کریں گے۔مگر یحییٰؑ بن زکریاؑ صرف ایسے شخص ہوں جن کے پاس کوئی گناہ نہ ہوگا۔نبی کے ساتھ صالحین کی قید کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نبی جو نیک لوگوں کی اولاد میں سے ہوگا۔(کشف الرحمٰن)

حضرت مالک بن انس فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن زکریا اور عیسیٰ بن مریم کا رحم مادر میں

...ز ا ایک ہی زمانہ میں ہوا اور ثعلبی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ سے چھ ماہ قبل آپ پیدا ہوئے۔
(قصص القرآن)

حضرت زکریا علیہ السلام نے جب حضرت یحییٰؑ کے لئے دعا کی تھی تو اس میں یہ کہا تھا ...وہ ذریت طیبہ ہو۔چنانچہ قرآن عزیز نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا منظور فرمالی۔چنانچہ ...رت یحییٰؑ نیکو کاروں کے سردار اور زہد ورع میں بے مثال تھے ۔نہ انہوں نے شادی کی نہ ان ...ے قلب میں کبھی گناہ کا خطرہ پیدا ہوا، اپنے والد ماجد کی طرح وہ بھی خدا کے برگزیدہ تھے۔اللہ ...تعالیٰ نے ان کو بچپن ہی سے علم وحکمت سے معمور کر دیا تھا اور ان کی زندگی کا سب سے بڑا کام یہ ...تا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی آمد کی بشارت دیتے اور ان کی آمد سے قبل رشد و ہدایت کے لئے زمین ...ہموار کرتے تھے۔(قصص القرآن)

ارشاد ہے۔

''فرشتوں نے زکریاؑ کو پکارا جب وہ مسجد میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے وہ کلمہ اللہ یعنی عیسیٰ کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا، اور خواہشات پر قابو یافتہ ہوگا اور وہ نیکو کاروں میں سے ایک نبی ہوگا''

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ ...سلام کی نبوت کو تسلیم کرنے والے حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں۔

آپ کی پیدائش کی بشارتیں اور نشانیاں حضرت زکریاؑ کے واقعہ میں گزر چکی ...ہیں۔پھر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ حضرت یحییٰؑ کو خطاب فرمایا: اور ان کے مزید اوصاف ...حمیدہ پر روشنی ڈالی۔

''اے یحییٰ کتاب توراۃ کی پوری قوت سے سنبھالے رہنا اور ہم نے اس کو بچپنے ہی میں دین کی سمجھ اور اپنے پاس سے رحم دلی اور پاکیزگی عطا کی تھی اور وہ بہت پرہیز گار اور اپنے والدین کا بڑ خدمت گزار تھا اور وہ سرکشی کرنے والا نافرمانی کرنے والا نہ تھا، وہ جس دن پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا ہر حال میں اس پر سلامتی ہے''

اللہ تعالیٰ نے انہیں بچپن ہی میں توراۃ سکھادی جو ان میں پڑھی جاتی تھی اور جس کے ...احکام نیک لوگ اور انبیاء دوسروں کو بتاتے تھے۔اس لئے اپنی اس انوکھی نعمت کا بھی ذکر کیا کہ بچہ

بھی دیا اور اسے آسمانی کتاب کا عالم بھی بچپن ہی سے کر دیا۔ اور حکم دیا کہ حرص و اجتہاد و کوشش و قوت کے ساتھ کتاب خدا سیکھ لے اور ساتھ ہی ہم نے اسے کم عمری میں علم و فہم، قوت و عزم دانائی اور حلم عطا فرمایا: آپ نیکیوں کی طرف بچپن ہی سے جھک گئے تھے۔ بچے آپ سے کھیلنے کو کہتے تو جواب دیتے کہ ہم کھیل کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔ نیک اعمال آپ کی عمر کا خلاصہ تھا۔ آپ گناہوں سے اور خدا کی نافرمانیوں سے یکسو تھے۔ ماں باپ کے اطاعت گزار اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے والے تھے۔ کبھی کسی بات میں ماں باپ کی مخالفت نہیں کی۔ ان اوصاف حمیدہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو پیدائش کے وقت اور موت کے وقت اور قیامت کے دن امن و سلامتی ملی۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی ملاقات ہوئی تو حضرت عیسیٰؑ حضرت یحییٰؑ سے فرمانے لگے کہ آپ میرے لئے استغفار کریں، آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ حضرت یحییٰؑ نے جوابدیا کہ آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ میں نے تو خود ہی اپنے پر سلام کہا ہے اور آپ پر خود خدا نے سلام کہا ہے۔ (ابن کثیر)

سیرت کی کتابوں میں موجود ہے کہ آپ تیس سال سے قبل ہی نبی بنا دیئے گئے تھے۔

(قصص القرآن)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اے یحییٰ پکڑ لو اس کتاب کو مضبوطی سے اور ہم نے عطا فرما دی ان کو دانائی
جب کہ وہ بچے تھے''

آیت کریمہ میں اس بچے کے وجود کی خبر دی جارہی ہے۔ جس کی بشارت حضرت زکریاء کو دی گئی تھی۔ رب قدوس فرما رہے ہیں کہ بچپنے کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں علم کتاب و حکمت سے نوازا تھا۔

عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ معمر فرماتے ہیں کہ بچوں نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام سے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ آئیں کھیلیں گے تو آپ نے جوابدیا: ہمیں کھیل کود کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ اسی لئے رب قدوس نے فرمایا:

وَحَنَانًا مِنْ لَدُنَّا

''نیز عطا فرمائی دل کی نرمی اپنی جناب سے''

کے متعلق روایت ہے۔ ابن جریر عمرو بن دینار سے، وہ عکرمہ سے [illegible] عباس سے

روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نہیں جانتا الحنان کیا ہے۔ ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور ضحاک سے مروی ہے کہ وحنانا من لدنا کا مطلب ہے اپنی جناب سے رحمت، ہم نے زکریا علیہ السلام پر اس رحمت خاصہ کے ساتھ نازل فرمائی۔ اور انہیں یہ بچہ عطا فرمایا: عکرمہ سے روایت ہے کہ حنانا کا مطلب ہے محبت۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد دل کی نرمی ہو جس کی بناء پر یحییٰ علیہ السلام تمام لوگوں سے محبت و شفقت کا برتاؤ کرتے تھے اور خصوصاً اپنے والدین سے کمال محبت سے پیش آتے۔ حنانا کا مطلب ہوگا والدین کی محبت، ان پر شفقت کا جذبہ اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کی دلی کیفیت۔

وَزَكٰوةً ''اور نفس کی پاکیزگی''

یہاں طہارت سے مراد کردار کی پاکیزگی اور نقائص و رذائل سے نفس کی سلامتی ہے۔

یعنی ہم نے اپنی جناب سے حضرت یحییٰ کو دانائی، دل کی نرمی اور بلندی اخلاق جیسی نعمتوں سے نوازا۔

وَكَانَ تَقِيًّا ''اور وہ بڑے پرہیزگار تھے''

تقویٰ کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت۔ اس کے اوامر کی پیروی اور نواہی سے اجتناب کرنا۔

پھر والدین کے ساتھ نیکی ان کی فرمانبرداری اور قول و فعل میں نافرمانی سے بچنے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اور وہ خدمت گزار تھے اپنے والدین کے اور وہ جابر (اور) سرکش نہ تھے''

پھر فرمایا:

''اور سلامتی ہو ان پر جس روز وہ پیدا ہوئے اور جس روز وہ انتقال کریں گے
اور جس روز انہیں اٹھایا جائے گا زندہ کرکے''

سعید بن ابی عروبہ حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن نے فرمایا: یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی باہم ملاقات ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا (اے یحییٰ!) آپ میرے لئے استغفار کریں کیونکہ آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے جواب دیا: آپ میرے لئے دعائے مغفرت کریں۔ آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ مجھ سے بہتر ہیں اس لئے کہ میں اپنے نفس کا محافظ ٹھہرایا گیا ہوں جب کہ آپ کا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی ان دونوں کی عظمت سے واقف ہے۔

دوسری آیت میں جو آپ کو حصورا ونبیامن الصلحین (آل عمران: ۳۹) فرمایا گیا ہے تو (باقی الفاظ کا معنی تو واضح ہے) حصور کا معنی ہے عورتوں کے قریب تک نہ جانے والا۔اس کے علاوہ بھی اس کے معانی بیان کیے جاتے ہیں۔

هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً (آل عمران: ۳۸)

"کا مفہوم بھی مذکورہ آیت سے ملتا جلتا ہے"

امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم سے عفان نے بیان کیا، ہم سے حماد نے بیان کیا ہم کو علی بن زید نے بتایا۔انہوں نے یوسف بن مہران سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نسل آدم میں کوئی شخص ایسا نہیں جس نے خطا نہ کی ہو یا خطا کرنے کا ارادہ نہ کیا ہو۔مگر یحییٰ بن زکریا ایسا نہیں ہے۔اور کسی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ کہے میں (محمد رسول اللہ ﷺ) یونس بن متی سے بہتر ہوں۔

علی بن زید جدعان کے بارے بہت سارے آئمہ حدیث نے گفتگو کی ہے۔یہ شخص منکر الحدیث ہے۔اس حدیث کو ابن خذیمہ اور دارقطنی نے ابی عاصم عبادانی کے حوالے سے علی بن زید بن جدعان سے طوالت سے انہیں الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔پھر ابن خذیمہ نے یہی کہا ہے کہ یہ حدیث ہماری شرط پر پوری نہیں اترتی۔

ابن وہب فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابن لھیعہ نے بیان کیا۔انہوں نے عقیل سے انہوں نے ابن شہاب سے روایت کیا۔فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک روز اپنے صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے وہ انبیاء کی باہمی فضیلت کا تذکرہ کر رہے تھے۔کوئی کہہ رہا تھا: موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم ہیں۔کوئی کہہ رہا تھا عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔کوئی کہہ رہا تھا ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔وہ اسی طرح بیان کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "شہید ابن شہید کہاں ہے (یعنی اس کا ذکر خیر بھی تو ہونا چاہیے) جو ٹاٹ کا لباس پہنتے تھے اور درختوں کے پتے خوراک کرتے تھے کیونکہ انہیں گناہ کا دھڑکا لگا رہتا تھا"

ابن وہب فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی مراد حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام سے تھی۔

اسے محمد بن اسحاق نے یحییٰ بن سعید انصاری سے۔انہوں نے سعید بن سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے۔ابن مسیب فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابن لعاص نے بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ہر آدمی قیامت کے دن آئے گا تو اس کے ذمے کوئی نہ کوئی گناہ ہوگا سوائے یحییٰ بن زکریاء کے"

محمد بن اسحاق مدلس ہے یعنی اپنے شیخ کا نام ذکر نہیں کر رہا اور حدیث کی نسبت یحییٰ بن انصاری کی طرف کر رہا ہے۔

ابن اسحاق اکثر تدلیس سے کام لیتا ہے اور اس حدیث میں تو اس نے عن فلاں عن کے الفاظ سے سند بیان کی ہے۔

پھر عبدالرزاق نے معمر سے، انہوں نے قتادہ سے، انہوں نے سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہوئے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

میں نے ابن عساکر کو دیکھا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو ابو اسامہ کے طریق سے ہے۔ابو اسامہ یحییٰ بن سعید انصاری سے روایت کرتے ہیں۔پھر ابن عساکر نے ابراہیم بن جوزجانی کے طریق سے اسے روایت کیا ہے جو دمشق کے خطیب ہیں۔(یہ فرماتے ہیں ہم سے محمد بن اصفہانی نے، ہم سے ابو خالد احمر نے بیان کیا۔انہوں نے یحییٰ بن سعید سے نے سعید بن المسیب سے۔انہوں نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے۔ہر ایک اللہ تعالیٰ ملاقات کرے گا تو اس کے نامہ اعمال میں کوئی نہ کوئی گناہ ہوگا سوائے یحییٰ بن زکریاء علیہما کے۔پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وسیدا وحصورا پھر زمین سے تنکا اٹھایا یا: انہیں تھا ان کے ساتھ (آلہ تناسل) مگر صرف اتنا پھر آپ ﷺ نے قربانی ذبح فرمائی"
کے اعتبر سے یہ حدیث موقوف ہے اور اس کو موقوف قرار دینا مرفوع قرار دینے سے زیادہ ہے۔واللہ اعلم۔اس حدیث کو ابن عساکر نے معمر سے کئی طریق سے روایت کیا ہے۔

اس سند کے لحاظ سے یہ موقوف ہے اور اس کا موقوف ہونا مرفوع ہونے سے زیادہ صحیح (واللہ اعلم) اسے ابن عساکر نے معمر کے طریق سے نقل کیا ہے۔اسی لئے اسحاق بن بشر والے سے بیان کی گئی حدیث ضعیف ہے۔اسے انہوں نے عثمان بن ساج سے، انہوں نے ... یزید سے، انہوں نے خالد بن معدان سے انہوں نے معاذ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ روایت کی ہے۔

ابو داؤد طیالسی کے حوالے سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے حکم بن عبدالرحمن ابن ... سے، انہوں نے اپنے والد گرامی سے، انہوں نے ابو سعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: حسن اور حسین اہل جنت کے سردار ہیں سوائے یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کے ... خالہ زاد بھائی ہیں۔

ابو نعیم حافظ اصفہانی فرماتے ہیں کہ ہم سے اسحاق بن احمد نے بیان کیا۔ہم سے ابراہیم

بن یوسف نے بیان کیا۔ہم سے احمد بن ابی اطواری نے بیان کیا۔کہ میں نے ابوسلیمان کو فرماتے سنا: عیسیٰ ابن مریم اور یحییٰ بن زکریا چہل قدمی کے لئے باہر نکلے۔اتفاق سے یحییٰ علیہ السلام ایک عورت سے ٹکرا گئے۔عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے میری خالہ کے بیٹے! آج آپ سے وہ خطا سرزد ہوئی ہے کہ میں سمجھتا ہوں کبھی معاف نہیں ہوگی۔حضرت یحییٰ نے پوچھا: اے خالہ زاد بھائی میں نے ایسا کیا کیا ہے؟ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ ایک عورت سے ٹکرا گئے ہیں۔یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تو عورت کا شعور تک نہیں۔عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: سبحان اللہ! آپ کا جسم تو میرے ساتھ ہے مگر روح کہاں ہے؟ یحییٰ علیہ السلام نے جوابدیا۔عرش کے ساتھ معلق ہے۔اگر میرا دل جبرائیل کی طرف بھی لگ جائے تو میں سمجھوں گا کہ میں نے ایک لمحہ کے لئے بھی خدا کی معرفت حاصل نہیں کی۔

اس میں غرابت ہے۔اور یہ اسرائیلیات میں سے ہے۔

اسرائیل ابی حصین سے، وہ خثیمہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔کہ عیسیٰ بن مریم اور یحییٰ بن زکریا دونوں خالہ زاد بھائی ہیں عیسیٰ علیہ السلام صوف کا لباس پہنتے تھے۔اور یحییٰ علیہ السلام پوستین کا۔دونوں کے پاس نہ تو درہم و دینار تھے اور نہ غلام اور لونڈی۔سر چھپانے کے لئے گھر نہ ہونے کی وجہ سے جہاں رات ہو جاتی وہیں پڑے سو رہتے۔جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہونے لگے تو یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔آپ نے فرمایا: غصہ نہ کرنا۔یحییٰ علیہ السلام نے کہا یہ تو نہیں ہوسکتا کہ میں غصہ نہ کروں۔فرمایا: تو پھر دولت دنیا کو دل نہ دیجئے آپ نے فرمایا ہاں یہ ہوسکتا ہے۔

وہب بن منبہ سے لی گئی ایک روایت میں اختلاف ہے کہ کیا زکریا علیہ السلام فوت ہوئے یا آپ کو قتل کیا گیا۔ایک روایت کی رو سے جسے عبدالمنعم بن ادریس بن سنان نے اپنے والد سے اور انہوں نے وہب بن منبہ سے لی ہے زکریاء علیہ السلام اپنی قوم سے بھاگ کر کسی درخت (کی کھو) میں داخل ہوگئے۔لوگ وہاں آ پہنچے اور دونوں کو آری سے چیرنا شروع کردیا۔جب آری آپ کی پسلیوں تک پہنچی تو آپ علیہ السلام تکلیف سے کراہ اٹھے۔اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: اگر یہ چیخ و پکار بند نہ کی تو میں زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب الٹ دوں گا۔یہ سن کر آپ کی چیخیں رک گئیں حتیٰ کہ درخت کے ساتھ آپ بھی کٹ گئے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم سے عفان نے بیان کیا۔ہم کو ابو خلف موسیٰ بن خلف نے بتایا۔موسیٰ کا شمار بدلاء (شریف لوگوں) میں ہوتا ہے ہم سے یحییٰ بن ابی کثیر نے بیان کیا۔انہوں

زید بن سلام سے، انہوں نے اپنے دادا ممطور سے، انہوں نے حارث الاشعری سے روایت کیا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو پانچ باتوں کا حکم دیا۔اور فرمایا ان پر خود بھی عمل کرنا اور بنی اسرائیل کو تلقین کرنا کہ وہ بھی اس پر عمل پیرا ہوں۔وہ سستی کرنے لگے تو عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: آپ کو پانچ باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔کہ آپ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ بھی باتوں پر عمل پیرا ہوں۔کیا آپ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ بھی باتوں پر عمل پیرا ہوں۔کیا آپ خود تبلیغ کریں گے یا میں یہ فریضہ انجام دوں۔یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: میرے بھائی! مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تو پہل کرے گا تو میں عذاب میں مبتلا ہو جاؤں گا یا زمین میں دھنس جاؤں گا۔حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں لوگوں کو جمع کیا۔جب مسجد بھر گئی تو آپ علیہ السلام اونچی جگہ پر بیٹھ گئے۔اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: اللہ عزوجل نے مجھے پانچ امور کا حکم دیا ہے۔کہ میں خود بھی ان پر عمل کروں اور تم بھی ان پر عمل پیرا ہو۔پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔اس کی مثال کچھ اس طرح ہے کہ اک شخص اپنے خالص سونے یا چاندی سے ایک غلام خریدتا ہے اور وہ غلام اپنے آقا کو چھوڑ کر دوسرے شخص کے لئے کام کرنا شروع کردیتا ہے اور اس کے لئے تقویت کا باعث بنتا ہے۔کون یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کا غلام اس طرح کا ہو۔اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو پیدا فرمایا اور آپ کو رزق سے نوازا۔پس اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی اور چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

میں تمہیں نماز کا حکم دیتا ہوں۔اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو تکتا رہتا ہے جب تک بندہ ادھر ادھر متوجہ نہیں ہو جاتا۔پس جب نماز ادا کرو تو ادھر نہ دیکھا کرو۔

میں تمہیں روزے رکھنے کا حکم دیتا اس کی مثال ایک ایسے آدمی کی سی ہے جس کے پاس مشک کی تھیلی ہو۔پوری محفل اس خوشبو سے مہک اٹھے گی۔بیشک روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

میں تمہیں صدقہ کرنیکا حکم دیتا ہوں اور صدقہ کرنے والے کی مثال ایک ایسے آدمی کی سی ہے جس کو دشمن نے قید کر رکھا ہو۔اس کے ہاتھ گردن سے باندھ رکھے ہوں اور وہ اسے گردن زدنی کے لئے لے جا رہے ہوں تو وہ کہے کہ کیا میں تمہیں اپنی جان کا فدیہ دے سکتا ہوں۔پس وہ اپنی رہائی کے لئے فدیہ دینے لگتا ہے۔تھوڑا یا زیادہ حتیٰ کہ اس کو آزاد کردیا جاتا ہے۔

اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو ذکر کرنے والے کی مثال

ایسے آدمی کی سی ہے جس کا دشمن اسے پکڑنے کے لئے تیزی سے اس کے پیچھے بھاگ رہا ہو۔پس وہ شخص ایک قلعے میں آئے اور قلعہ بند ہو جائے۔بندہ جب ذکر کرتا ہوں تو اس قلعہ بند کی نسبت شیطان سے زیادہ محفوظ ہو جاتا ہے۔

راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (یہ قصہ بیان کرنے کے بعد) فرمایا: میں تمہیں ان پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے۔اور وہ پانچ چیزیں یہ ہیں) اتحاد، فرمانبرداری، اطاعت، ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ۔پس جو ایک بالشت برابر بھی جماعت سے دور ہوا تو اس نے اسلام کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینکا۔ہاں واپس آجائے) تو خطا معاف) جس نے جاہلیت کے انداز پر قوم کو مدد کے لئے آواز دی تو وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔

(حدیث روایت کرنے والے صحابی نے) عرض کی: یارسول اللہ اگرچہ وہ نماز روزہ کرتا ہو تو بھی؟

آپ ﷺ نے فرمایا: چاہے وہ نماز روزہ کرتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو پھر بھی۔مسلمانوں کو ان کے ناموں سے بلایا کرو۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا نام اللہ کے بندے رکھا ہے۔

اسی طرح اس حدیث کو ابو یعلی نے ہدبہ بن خالد سے انہوں نے ابان بن زید سے، انہوں نے یحیٰی ابن ابی کثیر سے انہیں الفاظ کے ساتھ روایات کیا ہے۔اسے ترمذی نے بھی ابو داؤد طیالسی اور موسیٰ ابن اسماعیل کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ان دونوں نے ابان بن یزید العطار سے انہیں الفاظ میں روایت کیا ہے۔اور ابن ماجہ نے ہشام بن عمار سے، انہوں نے محمد بن شعیب بن سابور سے، انہوں نے معاویہ بن سلام سے، انہوں نے اپنے بھائی زید بن سلام سے، انہوں نے ابوسلام سے، انہوں نے حارث اشعری سے اسی متن کے ساتھ روایت کیا ہے۔پھر فرماتے ہیں کہ مروان طاطری معاویہ بن سلام سے روایت کرنے میں اکیلے ہیں۔

میں (ابن کثیر) کہتا ہوں کہ ابن ماجہ کا یہ کہنا کہ معاویہ بن سلام سے اسے مروان طاطری کے علاوہ اور کسی نے روایت نہیں کیا صحیح نہیں ہے۔اس حدیث کو طبرانی نے محمد بن عبدہ سے، انہوں نے ابی توبہ الربیع بن نافع سے، انہوں نے معاویہ بن سلام سے انہوں نے ابی سلام سے اور انہوں نے حارث اشعری سے روایت کیا ہے۔طبرانی نے اسی روایت کو اس سند کے بعد ذکر فرمایا ہے۔

پھر حافظ ابن عساکر عبداللہ بن ابی جعفر رازی کے طریق سے وہ اپنے والد گرامی سے، وہ الربیع بن انس سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں بتایا گیا کہ بعض صحابہ کرام نے علماء بنی اسرائیل سے یہ بات سنی یحیٰی بن زکریا کو اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزیں بھیجیں پھر پوری حدیث بیان کی۔

کہتے ہیں کہ حضرت یحیٰی علیہ السلام بہت خلوت پسند تھے۔آپ ویرانوں میں رہنا پسند کرتے درختوں کے پتے کھاتے، نہروں سے پانی پیتے اور کبھی کبھار ٹڈی سے بھوک مٹاتے۔اور فرمایا کرتے: اے یحیٰی تجھ سے زیادہ انعام یافتہ کون ہوسکتا ہے؟

ابن عساکر کا بیان ہے کہ آپ کے والدین آپ کی تلاش میں نکلے دیکھا تو آپ بحیرہ اردن بیٹھے تھے۔ملاقات کر کے دونوں میاں بیوی بہت روئے کیونکہ حضرت یحیٰی علیہ السلام بے حد عبادت گزار اور اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنے والے تھے۔

ابن وہب مالک سے، وہ حمید بن قیس سے، وہ مجاہد سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زکریاء کے بیٹے حضرت یحیٰی علیہ السلام کی خوراک گھاس تھی۔آپ اللہ تعالیٰ کی خشیت سے زار و قطار روتے رہتے حتیٰ کہ آپ کی آنکھوں پر تار کول ہوتی تو یہ آنسو اسے بھی پھاڑ دیتے۔

محمد بن یحیٰی ذہل فرماتے ہیں کہ ہم سے لیث نے بیان کیا۔مجھ سے عُقیل نے بیان کیا۔انہوں نے ابن شہاب سے روایت کیا۔فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ادریس خولانی کے پاس بیٹھا تھا۔ادریس قصہ بیان کرتے ہوئے کہہ رہا تھا میں تمہیں ایسے شخص کے بارے نہ بتاؤں جس کی خوراک تمام لوگوں سے زیادہ پاک تھی؟ جب ادریس نے دیکھا کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہیں تو فرمایا: یحیٰی بن زکریاء کی خوراک تمام لوگوں سے زیادہ پاک تھی۔آپ جنگلی جانوروں کے ساتھ چارا کھاتے کہ کہیں لوگوں کی معیشت میں ان کے ساتھ مل نہ جائے۔ابن مبارک وہیب بن الورد سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں زکریا علیہ السلام سے یحیٰی علیہ السلام تین دن تک گم رہے۔زکریا علیہ السلام انہیں تلاش کرتے کرتے ویرانے میں نکل گئے۔کیا دیکھتے ہیں کہ یحیٰی علیہ السلام قبر کھودے اس میں لٹ کر زار و قطار رو رہے ہیں زکریا علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا میں تمہیں تین دن سے تلاش کر رہا ہوں اور تو قبر کھودے اس میں کھڑا رو رہا ہے۔عرض کی: ابا جان آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک صحرا ہے جس سے صرف رونے والوں کے آنسوؤں کے ذریعے گزرا جا سکتا ہے۔آپ نے فرمایا: میرے بیٹے خوب روئیے پھر دونوں باپ بیٹا رونے لگے۔

وہب بن منبہ اور مجاہد نے ایسے ہی روایت کیا ہے۔

ابن عساکر انہیں کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: اہل جنت نہیں سوئیں گے کیونکہ وہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔صدیقین کو بھی چاہیے کہ وہ نہ سوئیں کیونکہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی نعمت موجود ہے۔پھر فرمایا: ان دو نعمتوں کے درمیان کتنا

فرق ہے اوران دونوں خوش بختوں کے درمیان کتنا تفاوت ۔

علماء حدیث بیان فرماتے ہیں کہ یحییٰ علیہ السلام بہت گریہ وزاری کرتے تھے حتی کہ آنسوؤں کی کثرت سے رخساروں پر رونے کے نشان پڑ گئے تھے۔

جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو نبوت منصب پر فائز کیا گیا تو انہیں کتاب پر پوری تندہی سے عمل کرنے کی تلقین کی گئی۔آپ کی زندگی بتاتی ہے آپ نے اس حکم خداوندی کی تعمیل کا حق ادا کردیا ملک کے گوشہ گوشہ میں جا کر دور افتادہ صحراؤں اور دشوار گزار پہاڑوں میں جاجا کرلوگوں کو پیغام حق سنایا اورانہیں گناہوں سے تائب ہونے کی ترغیب دی۔بے شمار لوگ آپ کی تبلیغ کی برکت سے راہ حق پر آ گئے۔فسق وفجور کی زندگی کو ترک کر کے انہوں نے زہد وتقوی کو اپنا شعار بنایا۔قوم کے ہر طبقہ کوآپ نے ان کی کوتاہیوں اور خامیوں پر متنبہ کیا۔

علمائے بنی اسرائیل جو دنیا کی محبت میں اس قدر وارفتہ ہوگئے تھے کہ احکام الٰہی کی تحریف میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے انہیں بڑی سختی سے جھنجھوڑا اور بڑے درشت لہجہ میں انہیں فرمایا:

اے سانپ کے بچو! تم کو کس نے جتا دیا ہے کہ آنے والے غضب سے بھاگو،پس توبہ کے موافق حل لاؤ اور اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابراہام ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابراہیم کے لئے اولاد پیدا کرسکتا ہے اوراب درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔

(متی باب ۳ آیت ۷۔۱۰)

آپ کی دعوت کا حلقہ صرف عوام تک محدود نہ تھا بلکہ شاہی دربار بھی آپ کے نعرہ حق سے لرزہ براندام تھا بادشاہ وقت ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپ کی منکوحہ بیوی ہیرودیاس کو اپنے گھر میں ڈال رکھا تھا آپ نے اس کو برملا جا کر کہا اپنے بھائی کی بیوی کو رکھنا تجھ کو روا (جائز) نہیں۔

انجیل مرقس کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

''پس ہیرودیاس اس سے دشمنی رکھتی تھی اور چاہتی تھی کہ اسے قتل کرائے مگر نہ ہوسکا کیونکہ ہیرودیس یوحنا کو راست باز اورمقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا اوراسے بچائے رکھتا تھا اوراس کی باتیں سن کر بہت حیران ہوجاتا تھا مگر سنتا خوشی سے تھا اور ایک موقع کے دن جب ہیرودیس نے اپنی سالگرہ میں اپنے

امیروں اور فوجی سرداروں اور گلیاں کے رئیسوں کی ضیافت کی اوراسی ہیرودیاس کی بیٹی اندر آئی اور ناچ کر ہیرودیس اوراس کے مہمانوں کو خوش کیا تو بادشاہ نے اس لڑکی سے کہا جو چاہے مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا اوراس سے قسم کھائی جوتو مجھ سے مانگے گی اپنی آدھی سلطنت تک تجھے دوں گا اوراس نے باہر جا کر اپنی ماں سے کہا کہ میں کیا مانگوں اس نے کہا یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر۔وہ فی الفور بادشاہ کے پاس جلدی سے اندر آئی اوراس سے عرض کی میں چاہتی ہوں کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں ابھی مجھے منگوادے بادشاہ بہت غمگین ہوا اوراپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب سے انکار نہ کرنا چاہا پس بادشاہ نے فی الفور ایک سپاہی کو حکم دے کر بھیجا کہ اس کا سر لائے اس نے جا کر قید خانہ میں اس کا سر کاٹا اورایک تھال میں لاکر لڑکی کو دیا اورلڑکی نے اپنی ماں کو دیا''۔(مرقس باب ۶ آیت ۱۹۔۲۸)

اس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنا سر کٹا کراپنے رب تعالیٰ کے اس فرمان:

یا یحیی خذ الکتاب بقوۃ

''کی تعمیل کا حق ادا کیا''

(پ ۱۶ سورہ مریم آیت ۱۲) (از ضیاء القرآن ج ۳ ص ۵۷ پ ۱۶)

آپ علیہ السلام کے قتل کے کئی اسباب بیان کئے گئے ہیں۔مشہور ترین واقعہ یہ ہے کہ دمشق کا بادشاہ وقت اپنی کسی محرم سے یا ایسی عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا جس کے ساتھ اس کا نکاح جائز نہیں تھا یحییٰ علیہ السلام نے بادشاہ کو روکا کہ وہ یہ شادی نہ کرے۔وہ عورت حضرت یحییٰ سے سخت نالاں تھیں ایک دن جب بادشاہ اور وہ عورت اکٹھے۔ہوئے تو عورت نے یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا مطالبہ کیا۔بادشاہ نے اس کی بات مان لی۔ایک شخص کو بھیج کر بادشاہ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کروادیا۔وہ آپ کا سر اور خون لے کر آیا اور ایک تھالی میں اس عورت کو پیش کیا۔کہتے ہیں کہ وہ عورت اسی لمحے ہلاک ہوگئی۔

ایک قصہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ کی بیوی حضرت یحییٰ علیہ السلام پر فریفتہ ہوگئی اورانہیں بلا بھیجا مگر آپ نے انکار کردیا اورتشریف نہ لے گئے۔جب ملکہ مایوس ہوگئی تو حیلے بہانے سے بادشاہ سے یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا مطالبہ کردیا بادشاہ پہلے تو انکار کرتا رہا لیکن اصرار پر بالآخر مان گیا۔ایک آدمی بھیج کر آپ کو قتل کروادیا اور سر اور خون ایک تھالی میں عورت کو پیش کردیا۔

اسی مفہوم کی ایک حدیث اسحاق بن بشر نے اپنی کتاب ''المبتداء'' میں روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمیں یعقوب کوفی نے بتایا، انہوں نے عمرو بن میمون سے، انہوں نے اپنے والد گرامی سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسراء کی رات زکریا علیہ السلام کو آسمان پر دیکھا سلام کیا اور پوچھا: اے یحییٰ علیہ السلام کے والد گرامی! اپنے قتل کے بارے بتائیے اور فرمائیے کہ آپ کو کیوں قتل کیا گیا؟ انہوں نے جواب دیا: اے محمد! (ﷺ) میں تمہیں بتاتا ہوں۔ قصہ یہ ہے کہ یحییٰ علیہ السلام اپنے زمانے کا بہترین انسان تھا۔ آپ تمام لوگوں سے زیادہ حسین وجمیل تھے۔ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے قول سیدا و حصورا کا مصداق تھے۔ آپ علیہ السلام کو عورت ذات سے کوئی تعلق خاطر نہیں تھا۔ بنی اسرائیل کے بادشاہ کی ملکہ ان پر فریفتہ ہوگئی۔ عورت فاحشہ تھی۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بلا بھیجا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی عصمت کی حفاظت فرمائی۔ آپ نے انکار کر دیا اور اس کی حاجت براری کے لئے تیار نہ ہوئے۔ اس نے یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کا تہیہ کرلیا۔ اسرائیلیوں کی عید کا دن تھا۔ اس عید میں سب لوگ شریک ہوئے۔ بادشاہ کا طریقہ تھا کہ عید کے روز وہ جو بھی وعدہ کرتا اسے پورا کرتا اور کسی صورت وعدہ خلافی نہ کرتا تھا۔

راوی فرماتے ہیں کہ بادشاہ عید کی خوشیوں میں شریک ہونے کے لئے نکلا ملکہ نے بڑی گرم جوشی سے اسے الوداع کیا بادشاہ بہت حیران ہوا کیونکہ وہ پہلے ایسا نہیں کرتی تھی۔ بادشاہ نے کہا: مجھ سے کچھ مانگیے۔ جو کچھ تو مانگے گی میں ضرور عطا کروں گا۔ ملکہ نے کہا مجھے یحییٰ بن زکریا کا خون چاہیے۔ بادشاہ نے کہا: اس کے علاوہ کچھ اور مانگ لیجیے۔ کہنے لگی نہیں یحییٰ کا خون ہی چاہیے۔ بادشاہ نے وعدہ کرلیا کہ یحییٰ کا خون تیرا رہا ملکہ نے کارندے بھیج کر یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرا دیا۔ جب کہ یحییٰ اپنے کمرۂ عبادت میں کھڑے عبادت کر رہے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ عبادت میں مصروف تھا۔ زکریاء علیہ السلام نے بتایا کہ آپ کو ذبح کرکے سر اور خون پاک تھالی میں رکھ کر ملکہ کو پیش کر دیا گیا۔

راوی بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپ کے صبر کے کیا کہنے؟ زکریاء علیہ السلام نے فرمایا: میں نماز سے باہر نہ آیا (نماز مکمل کی) آپ علیہ السلام نے بتایا: کہ جب یحییٰ علیہ السلام کا مبارک سر ملکہ کے سامنے رکھ دیا گیا تو بادشاہ اس کے گھر والے اور تمام خدام کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا۔ یہ واقعہ رات کو پیش آیا۔ جب صبح ہوئی تو بنی اسرائیل کہنے لگے یہ سب اس لئے ہوا ہے کہ زکریا علیہ السلام کی وجہ سے زکریا علیہ السلام کا خدا ناراض ہوگیا ہے۔ آؤ

ہم اپنے بادشاہ کی ہلاکت کی وجہ سے اس سے ناراض ہو جائیں اور اسے قتل کر دیں زکریاء علیہ السلام نے بتایا کہ وہ لوگ میری تلاش میں نکلے کہ پکڑ کر مجھے قتل کر دیں۔ مجھے ایک آدمی نے آ کر آگاہ کر دیا کہ اسرائیلی آپ کے قتل کے درپے ہیں۔ میں بھاگ کھڑا ہوا۔

ابلیس اسرائیلیوں کے آگے آگے ان کی رہنمائی کرنے لگا۔ جب مجھے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ میں ان کو عاجز نہیں کرسکتا تو میرے راستے میں ایک درخت آیا اور اس نے مجھے آواز دیتے ہوئے کہا: میری طرف آؤ میری طرف آؤ۔ میں گیا درخت پھٹ گیا اور میں اس میں داخل ہوگیا۔

آپ نے فرمایا: ابلیس آیا حتی کہ اس نے میری چادر کو پلو سے پکڑا درخت کے دونوں حصے آپس میں مل گئے لیکن میری چادر کا پلو باہر ہی رہا اسرائیلی آئے۔ ابلیس نے کہا: اس درخت کے اندر ذرا دیکھو۔ یہ جو کپڑے کا پلو نظر آ رہا ہے زکریاء کی چادر ہے۔ وہ اپنے جادو کے زور پر اس درخت میں داخل ہوگیا ہے۔ اسرائیلی کہنے لگے: ہم اس درخت کو آگ لگا دیتے ہیں۔ ابلیس نے کہا۔ اسے آری سے چیر دو۔ زکریاء علیہ السلام نے بتایا کہ میں درخت کے ساتھ آری کے ذریعے دو حصوں میں چر گیا۔

حضور ﷺ نے پوچھا کہ آپ نے کوئی درد یا تکلیف محسوس کی؟ فرمایا: بالکل نہیں۔ یہ تکلیف تو اس درخت کو پہنچی جس کے اندر اللہ تعالیٰ نے میری روح کو رکھ دیا تھا۔

یہ ایک عجیب وغریب واقعہ ہے۔ اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں ہے۔ اس میں بعض ایسی باتیں ہیں جو کسی صورت قابل قبول نہیں ہیں۔ اور کچھ ایسی چیزیں بھی اس میں مذکور ہیں جو اسراء کی کسی اور حدیث میں ہرگز مذکور نہیں ہیں۔ ہاں بعض الفاظ صحیح کی حدیث اسراء کے مطابق ہونے کی وجہ سے محفوظ مانے جا سکتے ہیں۔ مثلاً میں خالہ زاد بھائیوں یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔ یہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں جمہور کا قول یہی ہے کہ یہ دونوں حضرت خالہ زاد بھائی تھے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ اشیاع بنت عمران مریم بنت عمران کی بہن تھیں۔ ایک قول یہ بھی ملتا ہے کہ اشیاع عمران کی بیوی اور مریم کی والدہ ماجدہ تھیں۔ اس طرح یحییٰ علیہ السلام مریم رضی اللہ عنہما کے خالہ زاد قرار پائے۔ (واللہ اعلم)

پھر یحییٰ بن زکریاء کے مقتل کے بارے بھی اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق آپ مسجد اقصیٰ میں قتل ہوئے اور دوسرے قول کے مطابق کسی اور جگہ۔ ثوری اعمش سے وہ شملہ بن عطیہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ بیت المقدس کی اس چٹان پر ستر انبیاء قتل ہوئے اور ان میں ایک یحییٰ بن زکریاء علیہ السلام بھی ہیں۔

ابوعبیدہ قاسم بن سلام فرماتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن صالح نے بیان کیا، انہوں نے لیث سے، انہوں نے یحییٰ بن سعید سے، انہوں نے سعید بن المسیب سے روایت کیا کہ بخت نصر دمشق آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ یحییٰ بن زکریا کا خون ابل رہا ہے۔ بخت نصر نے پوچھا یہ کیا ہے۔ لوگوں نے صورت حال سے اسے آگاہ کیا۔ اس نے یحییٰ کے خون پر ستر ہزار اسرائیلیوں کو قتل کر کے سانس لیا۔

اس حدیث کی نسبت سعید بن المسیب کی طرف صحیح ہے۔ اس روایت سے یہی پتہ چلتا ہے کہ آپ علیہ السلام دمشق میں شہید ہوئے اور بخت نصر کا واقع حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد واقع ہوا۔ جیسا کہ عطاء اور حسن بصری کا قول ہے۔ (واللہ اعلم)

حافظ ابن عساکر ولید بن مسلم کے طریق سے زید بن واقد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت یحییٰ بن زکریاء علیہما السلام کے سر مبارک کی زیارت کی جب دمشق میں مسجد بنانے کا ارادہ کیا گیا تو آپ کا سر مبارک محراب کے سات والے ستونوں میں سے مشرقی ستون کے نیچے سے نکلا تھا۔ چہرے کی جلد اور سر کے بالوں میں ذرا برابر بھی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ یوں لگتا تھا کہ اسی لمحے آپ علیہ السلام کو شہید کیا گیا ہے۔

تعمیر مسجد کے بارے یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سر مبارک سکاسکہ نامی عمود کے نیچے دفن کر دیا گیا۔

حافظ ابن عساکر "المستقصی فی فضائل الاقصیٰ" میں عباس بن صبیح کے حوالے سے مروان سے، وہ سعید بن عبدالعزیز سے، وہ معاویہ کے آزاد کردہ غلام قاسم سے روایت کرتے ہیں کہ اس شہر یعنی دمشق کا بادشاہ ہداد بن ہدار تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کی شادی اپنی بھتیجی سے کر دی جس کا نام اریل تھا اور جو میرا کی ملکہ تھی۔ دمشق کا وق الملوک اس کی جملہ املاک میں سے تھا اور اس بازار میں صرف خالص سونے کا کاروبار ہوتا تھا۔ راوی فرماتے ہیں کہ۔

لڑکے نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں۔ پھر بسانے کا ارادہ کر لیا تو یحییٰ علیہ السلام سے فتویٰ لینا چاہا۔ آپ نے فرمایا: جب تک کسی دوسرے مرد سے شادی نہیں کر لیتی اس وقت تک تیرے لیے حلال نہیں ہے۔ ملکہ اس بات سے سخت برہم ہوئی اور بادشاہ سے یحییٰ بن زکریاء کا سر مانگ لیا۔ دراصل یہ لڑکی کی والدہ کا اشارہ تھا۔ بادشاہ نے انکار کیا لیکن اس کے اصرار پر راضی ہو گیا۔ قاتل بھیجا۔ آپ علیہ السلام جبرون کی مسجد میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ قاتل آپ علیہ السلام کا سر مبارک تھالی میں رکھ کر لے آیا۔ سر مبارک سے یہ آواز آرہی تھی: یہ اس کے لئے

جائز نہیں جب تک کسی دوسرے مرد سے شادی نہ کر لے۔ لڑکی نے تھالی اٹھائی اور وہ سر مبارک اپنی ماں کے پاس لے آئی۔ سر سے اب تک یہی آواز آرہی تھی کہ یہ اس کے لئے حلال نہیں جب تک کسی دوسرے مرد سے شادی نہ کر لے۔ جب وہ اپنی ماں کے سامنے کھڑی تھی تو زمین میں دھنسنا شروع ہو گئی حتیٰ کہ پاؤں زمین میں غائب ہو گئے پھر وہ پہلوؤں تک دھنس گئی۔ اس کی ماں نے واویلا کرنا شروع کر دیا۔ لونڈیاں بھی چیخ اٹھیں۔ اور پیٹنے لگیں۔ پھر وہ کندھوں تک دھنس گئی۔ اس کی ماں نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ دو تا کہ وہ اس کے سر سے اپنے دل کو تسلی دے سکے۔ جلاد نے سر تن سے جدا کر دیا اسی وقت اس کا بقیہ جسم زمین نے نگل لیا۔ سب لوگ نیست و نابود ہو گئے۔ یحییٰ علیہ السلام کا خون ابلتا رہا حتیٰ کہ بخت نصر نے دمشق پر حملہ کیا اور اس جگہ پچھتر ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔

سعید بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ یہ ہر ایک نبی کا خون تھا۔ یہ خون ابلتا رہا حتیٰ کہ ارمیاء علیہ السلام اس کے پاس آ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے خون تو نے بنی اسرائیل کو فناء کے گھاٹ اتروا دیا اب رک جا۔ پس خون کا ابلنا بند ہو گیا اور تلوار بھی اٹھالی گئی اور اہل دمشق میں جو بھاگ سکتا تھا بیت المقدس کی طرف بھاگ گیا۔ مگر بادشاہ نے انکا پیچھا کیا اور خلق کثیر کو تہہ تیغ کیا۔ اتنے لوگ موت کی گھاٹ اترے کہ ان کا شمار ممکن نہیں اور بے اندازہ ان میں سے قید کر لئے گئے اور بادشاہ انہیں لے کر واپس وطن پہنچا۔

آپ کا ذکر قرآن پاک میں

(۱)	پارہ ۳	سورہ آل عمران	رکوع ۴
(۲)	پارہ ۷	سورہ الانعام	رکوع ۱۰
(۳)	پارہ ۱۶	سورہ مریم	رکوع ۱
(۴)	پارہ ۱۷	سورہ الانبیاء	رکوع ۶

حضرت دانیال علیہ السلام

ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن عبدالاعلی الشیبانی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر میں نے شعیب بن صفوان سے نہ بھی سنا ہوتو بھی مجھ سے بعض دوستوں نے ان سے روایت کرکے بیان کیا ہے۔ انہوں نے اجلح کندی سے، انہوں نے عبداللہ بن ابی الھذیل سے رویت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ بخت نصر نے دوشیر پال رکھے تھے جو ایک کنویں میں رکھے گئے تھے۔ دانیال علیہ السلام کو قید کرلایا اور انہیں ان شیروں کے آگے کنویں میں ڈال دیا۔ لیکن شیروں نے حضرت دانیال کو کچھ نہ کہا۔ آپ ایک عرصے تک اس کنویں میں ٹھہرے رہے جتنا کہ مشیت خداوندی تھی۔ آپ نے بھوک اور پیاس محسوس کی جس طرح دوسرے لوگ محسوس کرتے ہیں۔

حضرت ارمیاء علیہ السلام کو ملک شام میں اللہ تعالیٰ نے یہ وحی فرمائی کہ دانیال علیہ السلام کے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرو۔ انہوں نے عرض کی: پروردگار! ہم ارض مقدس میں ہیں جب کہ دانیال علیہ السلام سرزمین عراق کے شہر بابل میں۔ رب قدوس نے وحی فرمائی: ہم نے جس چیز کا حکم دیا ہے اسے تیار کرو ہم اسے تیار کریں گے جو تمہیں اور تمہاری تیار کردہ کھانے پینے کے سامان کو اٹھا کر بابل پہنچا دیگی۔ ارمیاء علیہ السلام نے کھانا تیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک (فرشتے) کو تیار فرمایا جس نے حضرت ارمیاء علیہ السلام کو اور ان کے تیار کردہ کھانے پینے کی چیزوں کو اٹھا کر بابل پہنچا دیا۔

حتی کہ ارمیاء نے دیکھا کہ وہ کنویں کے دھانے پر کھڑے ہیں۔ دانیال علیہ السلام نے پوچھا کون ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں ارمیاء ہوں۔ دانیال علیہ السلام نے فرمایا: کیسے آنا

ہوا ارمیاء علیہ السلام نے بتایا کہ مجھے تیرے پروردگار نے بھیجا ہے۔ دانیال علیہ السلام بولے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو اس شخص کو نہیں بھولتا جو اسے یاد کرتا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کریم کے لئے ہیں جو امید رکھنے والوں کو جواب دیتا ہے تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو اس پر بھروسہ کرتا ہے وہ اسے کسی اور کے سپرد نہیں کرتا۔ تم تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو نیکی کا بہترین صلہ عطا فرماتا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو صبر کی جزا نجات کی صورت میں عطا کرتا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو اس وقت بھی ہماری امید گاہ ہوتا ہے جب ساری کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں۔

یونس بن بکیر فرماتے ہیں کہ انہوں نے محمد بن اسحاق سے، انہوں نے ابی خالد بن دینار سے روایت کیا۔ ابو خالد فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو العالیہ نے بیان کیا۔ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے ''تستر'' کو فتح کیا تو ہمیں ہرمزان کے خزانے میں ایک چارپائی ملی جس پر ایک لاش پڑی تھی اور اس لاش کے سرہانے ایک مصحف بھی رکھا تھا۔ ہم نے مصحف اٹھا لیا۔ اور اسے عمر بن خطاب کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ حضرت عمر نے حضرت کعب کو بلا بھیجا۔ آپ آئے۔ اس مصحف کو پڑھا میں نے اس کی اسی طرح تلاوت کی جس طرح قرآن کی تلاوت کرتا ہوں۔ ابو خالد فرماتے ہیں کہ میں نے ابو العالیہ سے پوچھا۔ اس مصحف میں کیا لکھا تھا؟ انہوں نے فرمایا: اس میں تمہارے چلنے کے انداز، تمہارے امور، تمہاری گفتگو کے انداز اور اس کے بعد جو ہونا تھا سب اس میں درج تھا۔ میں نے پوچھا لاش کا کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا ہم نے دن کے وقت الگ الگ تیرہ قبریں کھودیں اور جب رات ہوئی تو میت کو ان میں سے ایک میں دفن کر دیا۔ اور تمام قبور کو زمین کے ساتھ برابر کر دیا تا کہ لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ لاش کو کس قبر میں دفنایا گیا ہے۔ یہ احتیاط اس وجہ سے کی گئی تا کہ اسے کوئی نکال نہ لے۔ میں نے پوچھا: تمہارا کیا خیال ہے وہ کس شخص کی لاش تھی۔ انہوں نے کہا دانیال نامی شخص کی لاش تھی۔ میں نے پوچھا: انہیں رحلت فرمائے کتنا عرصہ گزر چکا ہوگا؟ انہوں نے بتایا تین سو سال۔ میں نے سوال کیا: کیا اس کے جسم میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی تھی؟ فرمانے لگے ہاں گدی کے کچھ بالوں میں تبدیلی آ گئی تھی۔ کیونکہ انبیاء کے گوشت کو زمین نہ تو بوسیدہ کرتی ہے اور نہ ہی اسے درندے کھاتے ہیں۔

حضرت ابو العالیہ کی طرف اس کی نسبت صحیح ہے۔ لیکن ان کی تاریخ وفات کو تین سو سال پہلے تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ دانیال نبی نہیں ہو سکتے۔ بلکہ کوئی اور نیک آدمی ہوں گے جن کا اسم گرامی دانیال ہوگا۔ کیونکہ عیسیٰ ابن مریم اور حضرت ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا۔ یہ چیز

حدیث سے ثابت ہے جسے بخاری نے روایت کیا ہے۔فترت کا یہ دوچار سو سال پر محیط ہے۔ہو سکتا ہے اس کی تاریخ وفات آٹھ سو سال پہلے ہو اور یہ مدت حضرت دانیال کے قریب پڑتی ہے۔اگر وہ لاش حضرت دانیال کی گمان کی جائے تو پھر آخری مدت کے ساتھ یہ مطابقت کھاتی ہے۔اور ممکن ہے یہ کسی اور نیک وصالح شخص کی لاش ہو۔اور یہ نیک شخص نبی بھی ہو سکتا ہے اور غیر نبی بھی۔لیکن لگتا ایسے ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی ہوگی کیونکہ فارس کا بادشاہ آپ علیہ السلام کو پابہ جولان فارس لے آیا تھا اور قید میں مسجون رکھا تھا۔جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ابو العالیہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ ان کی ناک ایک بالشت لمبی تھی۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بہتر سند سے روایت ہے کہ آپ کی ناک ایک ہاتھ لمبی تھی۔ممکن ہے یہ لاش قدیم ترین انبیاء میں سے کسی کی ہو۔(واللہ اعلم)

ابوبکر بن ابی الدنیا نے اپنی کتاب ''احکام القبور'' میں لکھا ہے کہ ہم سے ابو بلال محمد بن حارث بن عبداللہ بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ اشعری نے۔ہم سے ابومحمد القاسم بن عبداللہ نے بیان فرمایا۔انہوں نے ابو الاشعث احمری سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت دانیال علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں یہ دعا کی تھی کہ خداوندا! مجھے امت محمدیہ کے لوگ دفن کریں۔ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری نے تستر فتح کیا تو انہیں ایک تابوت ملا جس میں دانیال علیہ السلام کی لاش تھی۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔''جو دانیال کے بارے بتائے اسے جنت کی بشارت دو'' جس شخص نے بتایا کہ یہ دانیال کی لاش مبارک ہے اس کا نام حرقوص تھا۔ابوموسیٰ اشعری نے حضرت عمر کو لکھا اور دانیال علیہ السلام کے متعلق خبر دی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں یہ لکھ بھیجا کہ ان کی لاش کو دفن کر دو اور حرقوص کو میری طرف بھیجو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے انہیں جنت کی بشارت دی ہے۔

اس سند کے اعتبار سے یہ حدیث مرسل ہے۔اس کا محفوظ ہونا محل نظر ہے۔(واللہ اعلم)

پھر ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو بلال نے، ہم سے قاسم بن عبداللہ نے بیان کیا۔انہوں نے عنبسہ بن سعید سے روایت کیا۔عنبسہ ایک عالم تھے۔فرماتے ہیں کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو دانیال علیہ السلام کی لاش کے ساتھ ایک مصحف ملا۔اس مصحف کے ساتھ ایک گھڑا تھا جس میں گوشت، کچھ درہم اور حضرت دانیال کی انگوٹھی تھی۔حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ساری تفصیلات حضرت عمر کو لکھ بھیجیں۔حضرت عمر نے واپسی خط لکھا اور فرمایا کہ مصحف ہماری طرف بھیج دو۔گوشت میں سے بھی کچھ حصہ ہماری طرف بھیجو اور اپنے سے پہلے مسلمانوں کو حکم دو کہ وہ اس گوشت کو دوائی

کے طور پر استعمال کریں۔دراہم تقسیم کرلو۔رہی انگوٹھی تو وہ ہم نے آپ کو عطا فرما دی ہے۔

ابن ابی الدنیا کئی طرق سے روایت کرتے ہیں کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو جب یہ لاش ملی اور انہیں بتایا گیا کہ یہ دانیال علیہ السلام کی لاش ہے تو وہ حاضر ہوئے۔لاش سے معانقہ کیا اور بوسہ کی سعادت حاصل کی۔اور حضرت عمر کی طرف خط لکھا جس میں حضرت دانیال کے متعلق تفصیلات کو درج فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ لاش کے ساتھ تقریباً دس ہزار درہم کی مالیت کا سامان بھی رکھا ہوا ہ۔اور اس مال کی یہ خصوصیت ہے کہ جو اسے اٹھاتا ہے اگر اسی جگہ واپس نہیں رکھ دیتا تو بیمار ہو جاتا ہے۔یہ بھی خط میں مندرج تھا کہ لاش کے ساتھ ایک صندوق بھی ہے۔عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ پانی اور بیری کے پتوں کو ابال کر میت کو غسل دیا جائے اور کفن پہنا کر اسے دفن کر دیا جائے۔لیکن مخفی طریقے سے تاکہ قبر کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔اور مال کے متعلق یہ حکم صادر فرمایا کہ اسے بیت المال میں جمع کر دیا جائے جب کہ صندوق اپنے پاس منگوا لیا اور انگوٹھی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ہبہ فرما دی۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے چار قیدی لانے کا حکم صادر فرمایا: قیدی لائے گئے۔آپ کے حکم صادر فرمایا۔قیدی لائے گئے۔آپ کے حکم سے انہوں نے ایک نہر کے پانی کو روک کر درمیان میں قبر کھودی اور اس قبر میں حضرت دانیال کے جسم اطہر کو دفن کر دیا گیا۔ازیں بعد ان چاروں قیدیوں کو لا کر ان کی گردن ماردی گئی اس طرح حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے علاوہ کوئی اور شخص حضرت دانیال کے مزار اقدس سے واقف نہ رہا۔

ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں: مجھ سے ابراہیم بن عبداللہ نے، ہم سے احمد بن عمرو بن السرج نے، ہم سے ابن وہب نے بیان کیا۔انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی الزناد سے، انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا۔فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن ابی بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی دیکھی جس کے نگینے پر دو شیر کندہ تھے جن کے درمیان ایک آدمی کی تصویر تھی۔دونوں شیر اس شخص کے پاؤں چاٹ رہے تھے۔حضرت ابو بردہ نے بتایا کہ یہ انگوٹھی اس لاش کی ہے جس کے متعلق اس شہر کے لوگوں کا گمان ہے کہ وہ حضرت دانیال علیہ السلام ہیں۔یہ انگوٹھی میرے والد گرامی حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے دفن کے وقت لے لی تھی۔ابو بردہ کے بقول حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے اس شہر کے علماء سے اس انگوٹھی کے اس نقش کے بارے دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا تھا کہ حضرت دانیال علیہ السلام جس ملک میں پیدا ہوئے وہاں کے بادشاہ کو نجومیوں نے بتایا تھا۔کہ تیری مملکت میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو

تیرے ملک کو تاخت و تاراج کردے گا۔ بادشاہ نے قسم اٹھائی کہ آج رات جو بچہ ہوگا جو تیرے ملک کو تاخت و تاراج کردے گا۔ بادشاہ نے قسم اٹھائی کہ آج رات جو بچہ پیدا ہوگا اسے ضرور قتل کردیا جائے گا۔ دانیال علیہ السلام جونہی پیدا ہوئے تو انہیں اٹھا کر شیروں کی کچھار میں ڈال دیا گیا۔ شیر رات کو آئے۔ بچے کو دیکھا۔ اس کے جسم کو چاٹا اور مادہ نے ان کے لئے دودھ اتار دیا (جس طرح ایک مادہ اپنے بچے کو چاٹتی ہے تو اس کے تھنوں میں دودھ بھر جاتا ہے) اور شیروں نے بچے کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ حضرت دانیال علیہ السلام کی والدہ ماجدہ آئیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ شیر بچے کو چاٹ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بچے کو اس مصیبت سے محفوظ رکھا۔ حتیٰ کہ آپ اس مقام کو پہنچے جو ان کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس شہر کے علماء کہتے ہیں کہ حضرت سے نادانیال علیہ السلام نے تصویر اور ان دو جسم چاٹنے والے شیروں کی تصویر کو اپنی انگوٹھی میں بھی نقش کروایا تا کہ اس وقت اللہ نے جو انعام و اکرام کیا تھا کبھی نہ بھولے۔

حضرت دانیال علیہ السلام بخت نصر کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ ایک دن آپ کہیں تبلیغ کرنے جا رہے تھے کہ جنگل میں ایک طرف سے آواز آئی کہ اے دانیال اس طرف آؤ۔ جب آپ اس طرف گئے تو دیکھا کہ جنگل میں ایک شاہی باغ ہے اور باغ میں شاہی محل ہے اس میں بڑا عالیشان تخت ہے اور تخت پر ایک نوجوان بادشاہ پڑا ہے اور اس کے پاس تخت پر ایک موتیوں کا برتن بھرا ہوا ہے اور وہاں ایک تلوار بھی پڑی ہوئی تھی۔ تلوار پر قدرتی اس کا سارا واقعہ تحریر تھا۔ کہ میں عاد کی قوم سے ایک بادشاہ تھا۔ پروردگار عالم نے مجھے ہر قسم کی فراخی اور فراوانی عطا فرمائی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے میری طرف ایک پیغمبر بھی بھیجا تھا۔ لیکن بدبختی سے میں نے اس کی کوئی بات نہ سنی، اس نے ہر طرح سے مجھے سمجھایا لیکن شقاوت اور بدبختی کی وجہ سے مجھ پر کسی بات کا اثر نہ ہوا۔ آخر وہ پیغمبر ناراض ہو کر چلے گئے۔

پھر میرے ملک پر بارش بند ہوگئی اور قحط سالی شروع ہوگئی باغات وغیرہ خشک ہوگئے۔ لیکن میں نے دوسرے ملکوں سے اناج اور سبزیاں وغیرہ منگائیں لیکن جس چیز کو بھی کھول کر دیکھا وہ مٹی ہوتی۔ دوسرے ملکوں سے چل کر جب ہماری سرحد پر چیزیں پہنچتیں تو وہ آٹے چاول اور میوہ جات سے مٹی میں تبدیل ہو جاتیں۔ دو چار دنوں میں میرے اہل و عیال نوکر چاکر اور رعیت بھوک سے مرگئے اور صرف میں اکیلا اس تخت پر رہ گیا تھا اچانک میں نے دیکھا کہ ایک شخص میرے سامنے آیا تو اس کے ہاتھ میں کسی چیز کے دانے تھے جو وہ کھا رہا تھا۔ تو میں نے اس کو موتیوں سے بھرا ہوا ایک برتن پیش کیا کہ یہ بیش قیمت موتیوں کا برتن لے لے اور یہ اناج جو

تیرے ہاتھ میں ہے مجھے دیدے لیکن اس نے انکار کردیا اور میرے سامنے اس نے وہ دانے کھالئے پھر میں بھی مرگیا۔

حضرت دانیالؑ کو پروردگار عالم جل جلالہٗ نے یہ منظر دکھایا کہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں۔

دائرۃ المعارف میں ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام کو بخت نصر نے قید کردیا تھا لیکن دانیالؑ خوابوں کی تعبیر کے ماہر تھے۔ بادشاہ نے خواب دیکھا کہ ایک بڑا بت ہے جس کا سر سونے کا تھا اور ناف سے اوپر کا حصہ چاندی کا تھا اور نیچے کا حصہ تانبے کا اور ٹانگیں لوہے کی تھیں اور پاؤں مٹی کے اتنے میں آسمان کی طرف سے ایک پتھر گرا جس نے بت کو پاش پاش کردیا اور بت کے تمام اجزا اپنے اپنے عناصر سے مل گئے۔ اور وہ پتھر اتنا بڑا ہوگیا کہ تمام زمین اس سے پر ہوگئی۔ بخت نصر اس خواب سے حیران ہوگیا۔ کسی نے کہا کہ اس کی تعبیر دانیال علیہ السلام بتائیں گے فوراً ان کو قید سے نکالا گیا۔ دانیال علیہ السلام کو نقیب نے کہا کہ بادشاہ کو سجدہ کریں آپ نے سجدہ سے انکار کردیا کہ سوائے خدا کے کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔ اب دانیال علیہ السلام کے قتل کے لئے یہی بات کافی تھی لیکن بادشاہ نے معاف کردیا کیونکہ اس سے تعبیر پوچھنی ہے۔ دانیال علیہ السلام نے خواب سن کر فرمایا کہ بت مختلف قوموں کو ظاہر کرتا ہے سونے سے مراد بخت نصر کی بادشاہی ہے۔ چاندی سے مراد وارث سلطنت ہیں اور تانبے سے مراد اہل روم ہیں اور لوہے سے مراد اہل ایران ہیں اور مٹی سے مراد ازوزنی ہے شاید یہ بھی کوئی حکومت ہوگی اور پتھر سے مراد مذہب ہے جو بخت نصر کی سلطنت کو خاک میں ملا کر تمام روئے زمین پر پھیل جائے گا۔

حضرت عبدالرحمن بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ بابل کی سرزمین عراق میں بخت نصر نے ایک بڑا بت بنایا تھا اور لوگوں سے جبراً اس کا سجدہ کراتا تھا۔ جو اس بت کے آگے سجدہ نہ کرتا اس کو خندق میں جو آگ سے روشن تھی پھینکوا کر جلا دیتا تھا۔ حضرت دانیالؑ اور ان کے دونوں ساتھی عزریا اور میسابل نے بت کے آگے سجدہ کرنے سے انکار کردیا تو ان تینوں کو بھی خندق میں ڈال دیا۔ تو پروردگار عالم جل جلالہ نے ان پر آگ کو ٹھنڈا کردیا اور آگ میں ڈالنے والوں کو خود آگ میں ڈال دیا جو جل کر راکھ ہوگئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام بخت نصر کے زمانے میں گزرے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

رب قدوس کا ارشاد گرامی ہے۔

''اور (اے حبیب!) بیان کیجئے کتاب میں مریم (کا حال) جب وہ الگ ہوگئی اپنے گھر والوں سے ایک مکان میں جو مشرق کی جانب تھا۔ پس بنالیا اس نے لوگوں کی طرف سے ایک پردہ۔ پھر ہم نے بھیجا اس کی طرف اپنے جبرائیل کو پس وہ ظاہر ہوا اس کے سامنے ایک تندرست انسان کی صورت میں۔ مریم بولیں میں پناہ مانگتی ہوں رحمٰن کی تجھ سے اگر تو پرہیز گار ہے۔ جبرائیل نے کہا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں۔ تاکہ میں عطا کروں تجھے ایک پاکیزہ فرزند۔ مریم (حیرت سے) بولیں (اے بندۂ خدا) کیونکر ہوسکتا ہے میرے ہاں بچہ حالانکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے اور نہ میں بدچلن ہوں۔ جبرائیل نے کہا یہ درست ہے۔ (لیکن) تیرے رب نے فرمایا یوں بچہ دینا میرے لئے معمولی بات ہے اور (مقصود یہ ہے کہ) ہم بنائیں اسے اپنی (قدرت کی) نشانی لوگوں کے لئے اور سراپا رحمت اپنی طرف سے اور یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

پس وہ حاملہ ہوگئیں اس (بچہ) سے پھر وہ چلی گئیں اسے (شکم میں) لئے کسی دور جگہ پس لے آیا انہیں دردزہ ایک کھجور کے تنے کے پاس (بصد حسرت و یاس) کہنے لگیں کاش! میں مرگئی ہوتی اس سے پہلے اور بالکل فراموش کردی گئی

ہوتی۔ پس للکارا اسے ایک فرشتے نے اس کے نیچے سے (اے مریم!) غم زدہ نہ ہو جاری کردی ہے تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی۔ اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے تنے کو گرنے لگیں گی تم پر پکی ہوئی کھجوریں۔ (میٹھے میٹھے خرمے) کھاؤ اور (ٹھنڈا پانی) پیو اور (اپنے فرزند دلبند کو دیکھ کر) آنکھیں ٹھنڈی کرو پھر اگر دیکھو کسی آدمی کو تو (اشارے سے اسے) کہو کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے رحمٰن کے لئے (خاموشی کے) روزہ کی پس میں آج کسی انسان سے گفتگو نہیں کروں گی۔ اس کے بعد وہ لے آئیں بچہ کو اپنی قوم کے پاس (گود میں) اٹھائے ہوئے۔ انہوں نے کہا اے مریم! تم نے بہت ہی برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ یہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی۔

اس پر مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کیا۔ لوگ کہنے لگے ہم کیسے بات کریں اس سے جو گہوارہ میں (کمسن) بچہ ہے۔ (اچانک) وہ بچہ بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔ اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا جب تک میں زندہ ہوں۔ اور مجھے خدمت گزار بنایا ہے اپنی والدہ کا۔ اور اس نے نہیں بنایا مجھے جابر (اور) بدبخت اور سلامتی ہو مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے اٹھایا جائے گا زندہ کرکے یہ ہے عیسیٰ بن مریم (اور یہ ہے وہ) سچی بات جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں یہ زیبا نہیں اللہ تعالیٰ کو کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے، وہ پاک ہے۔ جب وہ فیصلہ فرمادیتا ہے کسی کام کا تو بس صرف اتنا حکم دیتا ہے اس کے لئے کہ ہوجا تو وہ کام ہوجاتا ہے اور۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی سو اسی کی عبادت کیا کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ پھر کئی گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ پس ہلاک ہے کفار کے لئے اس دن کی حاضری سے جو بہت بڑ ہے'' (مریم: ۱۶۔۳۷)

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ مریم کو ان کی والدہ نے بیت المقدس کی خدمت کے لئے جب آزاد کیا تو ان کی کفالت ان کی خالہ کے خاوند یا بہن کے خاوند اللہ کے نبی حضرت زکریاء علیہ السلام نے کی اور حضرت زکریاء نے مریم کے لئے مسجد میں ایک الگ

حجرے کا بندوبست فرمایا جس میں سوائے زکریاء علیہ السلام کے کوئی نہیں جا سکتا تھا۔اور یہ بات بھی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت مریم عبادت و ریاضت میں اپنی مثال آپ تھیں۔ان کے ہاتھوں ایسی کرامات کا ظہور ہوا جس پر حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی رشک کیا۔انہیں فرشتوں نے بشارت دی کہ تو اللہ کریم کی چنیدہ ہے عنقریب اللہ کریم اسے ایک پاک سیرت بچے سے نوازے گا جو نبی، کریم طاہر اور مکرم ہوگا۔اس کے ہاتھ پر کئی معجزات کا ظہور ہوگا۔یہ بشارت سن کر حضرت مریم حیران رہ گئیں۔بغیر باپ کے بچہ؟ کیونکہ انہوں نے شادی نہیں کی تھی۔اور نہ وہ شادی کر سکتی تھیں کیونکہ وہ بیت المقدس کی خدمت کی خاطر وقف ہو چکی تھیں۔فرشتوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے۔وہ جب فیصلہ فرماتا ہے تو ہو جا فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے۔یہ باتیں سن کر انہیں تسلی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے سامنے سر جھکا لیا آپ جانتی تھیں کہ انہیں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔لوگ باتیں بنائیں گے کیونکہ وہ تو حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔وہ تدبر و تعقل کے بغیر واقعہ کی ظاہری صورت کو دیکھیں گے۔

حیض کے دنوں میں آپ مسجد نکل جاتی تھیں۔اور دوسری ضروریات زندگی مثلاً خورد و نوش کے لئے بھی انہیں مسجد سے نکلنا پڑتا تھا۔ایکدن جب وہ کسی کام سے مسجد سے نکلیں اور مسجد اقصیٰ کی مشرق جانب ذرا دور اکیلی ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے روح الامین حضرت جبریل کو بھیجا۔

"پس وہ ظاہر ہوا اس کے سامنے ایک تندرست انسان کی صورت میں"

جب حضرت مریم کی نظر پڑی تو گھبرا گئیں اور کہنے لگیں۔

"میں پناہ مانگتی ہوں رحمٰن کی تجھ سے اگر تو پرہیزگار ہے"

ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ آپ جانتی تھیں کہ ایک متقی آدمی عقل مندی سے کام لیتا ہے۔

یہ ان لوگوں کا رد ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ تقی بنی اسرائیل کا ایک مشہور فاسق شخص کا نام تھا اور حضرت مریم نے جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ شاید یہ وہی فاسق و فاجر تقی ہے جو بدمعاشی میں مشہور ہے۔یہ محض باطل سوچ ہے۔اس کی کوئی دلیل نہیں۔بلکہ یہ محض جھوٹ کا پلندہ ہے۔

"جبریل نے کہا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں"

یعنی فرشتے نے حضرت مریم سے براہ راست گفتگو کی اور بتایا کہ میں اللہ کا پیغام لے کر آیا ہوں انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہوں۔اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے۔

"تاکہ میں عطا کروں تجھے ایک پاکیزہ فرزند"

"کیونکر ہو سکتا ہے میرے ہاں بچہ"

"نہ چھوا مجھے کسی بشر نے اور نہ میں بدچلن ہوں"

یعنی نہ تو میں شادی شدہ ہوں اور نہ فاحشہ ہوں پھر بچہ کیونکر ہوگا۔

جبریل نے کہا یہ درست ہے (لیکن) تیرے رب نے فرمایا یوں بچہ دینا میرے لئے معمولی بات ہے"

تعجب کی کوئی بات نہیں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تیرے بطن پاک سے بن باپ کے بچہ پیدا ہوگا اور یہ اس ذات کے لئے بھلا مشکل ہی کیا ہے جو ہر شے پر قادر ہے۔فرمایا:

"اور (مقصد یہ ہے کہ) ہم بنائیں اسے اپنی (قدرت کی) نشانی لوگوں کے لئے"

اور لوگ یقین کر لیں کہ جو بن باپ کے بچہ دے سکتا ہے وہ انواع و اقسام کی مخلوق پیدا کرنے پر کمال قدرت رکھتا ہے۔وہی ہے جس نے آدم کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا اور حواء کو بغیر عورت کے پیدا فرمایا۔اب وہی ذات مریم کے بطن سے بن باپ ایک بچہ پیدا فرما رہی ہے۔وہ کسی قانون کا محتاج اور پابند نہیں ساری کائنات کو مرد اور عورت سے یا نر اور مادہ سے پیدا فرمایا لیکن جب چاہا قانون بدل دیا۔ورحمة منا "اور سراپا رحمت اپنی طرف سے" یعنی اس بچے کے ذریعے ہم اپنے بندوں پر رحمت کریں گے۔یہ بچہ بچپنے میں۔جوان ہو کر اور عمر کے آخری حصے میں دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دے گا۔اور کہے گا کہ خدائے یکتا لاشریک کی عبادت کرو اور اسے بیوی، بچے، مددگار۔ہم پلہ، اضداد اور انداد سے پاک مانو۔فرمایا:

"اور یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے"

یہ کنایہ ہے جبریل امین کے مریم کے بطن پاک میں پھونک مارنے سے جیسا کہ رب قدوس کا ارشاد ہے۔

"اور (دوسری مثال) مریم بنت عمران کی ہے جس نے اپنے گوہر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے پھونک دی اس کے اندر اپنی طرف سے روح" (التحریم:۱۲)

زکریا علیہ السلام کا واقعہ دراصل اس واقعہ کی تمہید تھا۔اب میلاد مسیح کا تذکرہ ہو رہا ہے جو اس تمہید کی اصل ہے۔اسے سورۂ آل عمران میں بھی بیان کیا گیا ہے اور ان دونوں سورتوں کا انداز ایک سا ہے۔اسی طرح رب قدوس سورۂ الانبیاء میں اس واقعہ کو بیان کرتا ہے۔

"اور یاد کرو زکریا کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو کہ اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ۔اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔تو ہم نے اس کی دعا کو قبول فرما لیا اور اسے یحییٰ (جیسا فرزند) عطا فرمایا اور ہم نے تندرست کر دیا ان کی

خاطر ان کی اہلیہ کو۔ بے شک وہ بہت سبک رو تھے نیکیاں کرنے میں اور پکارا
کرتے تھے ہمیں بڑی امید اور خوف سے۔ اور وہ ہمارے سامنے بڑا عجز و نیاز کیا
کرتے تھے اور یاد کرو اس اتون کو جس نے محفوظ رکھا اپنی عصمت کو پس ہم نے
پھونک دیا اس میں اپنی روح سے اور ہم نے بنا دیا اسے اور اس کے بیٹے کو (اپنی
قدرت کی نشانی) سارے جہاں والوں کے لئے"۔ (الانبیاء: ۸۹۔۹۱)

کئی بزرگوں نے ذکر فرمایا ہے کہ جبریل امین نے حضرت مریم مقدسہ کے گریبان میں
پھونکا سو یہ پھونک آپ رضی اللہ عنہا کے مقام خاص کے طرف اتر گئی اور آپ فوری طور پر حاملہ
ہو گئیں۔ جس طرح عورت مرد کے جماع سے حاملہ ہو جاتی ہے۔ اور جن لوگوں نے کہا ہے کہ نفخ
روح حضرت مریم مقدسہ کے منہ میں ہوا یا یہ کہا ہے کہ خود ایک روح حضرت مریم سے مخاطب تھی
اور وہی آپ کے منہ کے راستے آپ کے اندر داخل ہوگئی تو یہ قول قرآن کریم کی آیات کے سیاق
سے مطابقت نہیں رکھتا۔ یہ واقعہ جہاں قرآن کریم میں بیان ہوا ہے اس کا سیاق اس قول کی تردید
کرتا ہے۔ کیونکہ آیات سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پاس جس
فرشتے کو بھیجا گیا وہ جبریل تھے اور جبریل ایک فرشتے ہیں اور جبری نے ہی نفخ روح کا عمل
سرانجام دیا۔ اور جبریل نے حضرت مریم کے گریبان میں روح کو پھونکا نہ کہ مقام خاص میں جیسا
کہ رب قدوس کا ارشاد ہے۔ فنفخنا فیه من روحنا یہ الفاظ اس حقیقت پر دلالت کر رہے ہیں
کہ نفخ روح منہ کے ذریعے نہیں بلکہ گریبان کے ذریعے عمل میں آیا۔ جیسا کہ سدی نے بعض صحابہ
کرام سے اپنی سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔

اسی لئے فرمایا: فحملته یعنی وہ اپنے بچے سے حاملہ ہوئیں۔

فانتبذت به مکانا قصیا

"پھر وہ چلی گئی اسے (شکم میں لئے) کسی دور جگہ"

وجہ یہ تھی کہ آپ کی قوت جواب دے گئی۔ جانتی تھیں کہ لوگ باتیں بنائیں گے اور کئی
لوگ ان کی عفت و عصمت پر زبان طعن دراز کریں گے۔ وہب بن منبہ اور دوسرے کئی اسلاف
نے ذکر کیا ہے کہ حضرت مریم پر جب حمل کے آثار ظاہر ہوئے تو سب سے پہلے جس شخص کو اس کا
اندازہ ہوا وہ بنی اسرائیل کا ایک نیک خصلت نوجوان تھا۔ اس نوجوان کا نام یوسف بن یعقوب تھا
جو پیشہ کے لحاظ سے بڑھئی تھا یوسف رشتہ میں حضرت مریم کا خالہ زاد تھا۔ اسے بڑا تعجب ہوا۔ مریم
جیسی دیانتدار، پاک طینت اور عبادت گزار کا حاملہ ہونا اس کی سمجھ سے بالا تر تھا۔ کیونکہ مریم

کنواری تھیں۔ ایک دن باتوں باتوں میں یوسف نے پوچھا: مریم! یہ بتاؤ کیا بغیر بیج کے فصل اگ
سکتی ہے؟ حضرت مریم نے جواب دیا۔ ہاں! جو ذات پہلی فصل اگانے پر قادر ہے وہ بغیر بیج کے
فصل اگا سکتی ہے۔ پھر یوسف نے کہا: کیا بغیر باپ کے بچہ ہو سکتا ہے؟ حضرت مریم نے فرمایا ہاں
بغیر باپ کے بچہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ماں باپ کے بغیر پیدا فرمایا۔ یوسف
نے کہا اپنے بارے بتایئے۔ حضرت مریم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی ہے۔

"ایک حکم کی اپنے پاس سے۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا معزز ہوگا دنیا اور
آخرت میں اور (اللہ کے) مقربین سے ہوگا۔ اور گفتگو کرے گا لوگوں کے
ساتھ گہوارے میں بھی اور پکی عمر میں بھی اور نیکو کاروں میں سے ہوگا"

(آل عمران: ۴۵۔۴۶)

اسی طرح کا واقعہ حضرت زکریاء علیہ السلام کے متعلق بھی روایت کیا جاتا ہے کہ
انہوں نے حمل کے بارے پوچھا تو حضرت مریم نے حقیقت حال کہہ سنائی۔ (واللہ اعلم)

سدی صحابہ کرام سے ایک سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت مریم ایک دن اپنی
بہن کے پاس تشریف لے گئیں تو انہوں نے کہا: مریم! جانتی ہو میں امید سے ہوں؟ حضرت مریم
نے جواب دیا: اور کیا آپ کو بھی پتہ ہے کہ میں بھی امید سے ہوں؟ آپ کی بہن آپ سے لپٹ
گئیں اور کہنے لگیں (مریم!) میں محسوس کر رہی ہوں کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ آپ کے
پیٹ میں موجود بچے کو سجدہ تعظیمی کر رہا ہے۔ اسی لئے فرمایا:

"جو تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی"

(آل عمران: ۳۹)

یہاں سجدے سے مراد خضوع اور تعظیم ہے جس طرح کہ ایک انسان سلام کے وقت
بجا لاتا ہے۔ ایسا سجدہ تعظیم پہلی شریعتوں میں جائز تھی جس طرح کہ اللہ کے حکم سے فرشتوں نے
آدم کو سجدہ فرمایا تھا۔

ابو القاسم فرماتے ہیں کہ امام مالک کا ارشاد ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم
اور یحییٰ بن زکریا خالہ زاد بھائی تھے۔ اور یہ دونوں ایک ہی وقت میں ماؤں کے بطن میں تھے۔ اور
مجھ تک یہ بات بھی پہنچی ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے حضرت مریم کو بتایا کہ میں دیکھ
رہی ہوں جو میرے پیٹ میں ہے وہ تیرے پیٹ میں موجود کو سجدہ کر رہا ہے۔ امام مالک فرماتے
ہیں کہ اس سے عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت عیاں ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو

مردوں کو زندہ کرنے نابیناؤں اور کوڑھیوں کو شفایاب کرنے کا معجزہ عطا فرما رکھا تھا۔

اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔

مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت مریم نے فرمایا: جب میں خلوت میں ہوتی ہوں تو میرا بچہ مجھ سے گفتگو کرتا ہے اور ہم کلامی ہوتا ہے۔اور جب میرے پاس لوگ ہوتے ہیں تو وہ میرے پیٹ کے اندر اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل کرتا ہے۔پھر ظاہر ہے نو ماہ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی جس طرح کہ دوسری عورتیں نو ماہ بعد بچہ جنتی ہیں۔اگرچہ آپ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی لیکن جنم نو ماہ کے بعد دوسری عام عورتوں کی طرح ہوا۔

ابن عباس وعکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت مریم آٹھ ماہ تک امید سے رہیں۔

حضرت ابن عباس کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دورانیہ نہایت مختصر تھا۔ادھر آپ امید سے ہوئیں اور ادھر بچہ کی ولادت عمل میں آئی۔بعض کا خیال ہے کہ حمل نو گھنٹوں کا تھا آیت کریمہ سے بھی ظاہراً یہی مستفاد ہوتا ہے۔

''پس وہ حاملہ ہو گئیں (اس) بچہ سے پھر چلی گئیں اسے (شکم میں) لئے کسی دور جگہ۔پس لے آیا انہیں دردزہ ایک کھجور کے تنے کے پاس''

ابن جریر نے اپنی تاریخ میں ذکر فرمایا ہے کہ ان نے حضرت زکریاء پر تہمت لگائی اور انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا۔آپ بھاگ نکلے مگر ان لوگوں نے آپ علیہ السلام کو جالیا۔درخت پھٹ گیا اور آپ اس میں داخل ہو گئے۔شیطان نے آپ کو چادر کو پکڑ لیا اور اسے درخت کے اندر دولخت کر دیا گیا۔جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔منافقین سے کچھ لوگوں نے انہیں ان کے خالہ زاد بھائی یوسف بن یعقوب بڑھئی سے تہمت لگائی۔

تاب وتواں جواب دے گئی۔زبان گنگ تھی بس اب اللہ پر توکل تھا۔حضرت مریم کے پاس کچھ نہیں تھا۔تھا تو صرف اخلاص کی پونجی اور اللہ تعالیٰ کا آسرا۔فَاَشَارَتْ اِلَیْہِ آپ لوگوں جو کچھ پوچھنا چاہتے ہیں اس سے پوچھیے۔آپ کے سوالوں کا جواب میں نہیں یہ معصوم نو مولود بچہ دے گا۔حضرت مریم نے اشارہ کر دیا۔لوگ آگ بگولہ ہو گئے۔کہنے لگے:

''ہم کیسے بات کریں اس سے جو گہوارہ میں (کمسن) بچہ ہے''

مریم تو جواب بچے پر ڈال رہی ہے حالانکہ وہ ابھی بہت چھوٹا ہے بات کا شعور ہی نہیں رکھتا۔دودھ پیتے اس بچے کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ خالص دودھ اور مکھن میں کیا فرق ہے وہ ہمارے سوالوں کے جواب کیا دے گا۔یہ تو ہم سے استہزاء کر رہی ہے۔ہمیں تو کوئی وقعت نہیں دے رہی

تو فریبی ہے اور حیلہ جوئی سے کام لے کر ٹالنا چاہتی ہے۔عجیب بات ہے تو ایک نو مولود بچے کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ہمارے سوالوں کا یہ جواب دے گا۔ایسے میں:

''(اچانک) وہ بچہ بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔اور اسی نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں۔اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا جب تک میں زندہ رہوں۔اور مجھے خدمت گزار بنایا ہے اپنی والدہ کا اور اس نے نہیں بنایا مجھے جابر (اور) بدبخت۔اور سلامتی ہو مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے اٹھایا جائے گا زندہ کر کے''

(مریم: ۳۰۔۳۳)

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ہونے والی یہ پہلی گفتگو ہے۔سب سے پہلے جو الفاظ ان کی زبان پر جاری ہوئے وہ یہ تھے ''میں اللہ کا بندہ ہوں''

آپ علیہ السلام نے اقرار کیا کہ میں اپنے پروردگار کا بندہ ہوں۔اور اللہ میرا پروردگار ہے۔آپ نے پہلی گفتگو میں ہی ان ظالموں کے قول کی تردید فرما دی جو سمجھتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔آپ نے بتا دیا میں اللہ کا بیٹا نہیں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔اور اللہ کی ایک بندی حضرت مریم کا بیٹا ہوں۔پھر اپنی والدہ ماجدہ کی ان الزامات سے برأت کا اعلان کیا جو الزامات جاہل لوگ لگا رہے تھے اور بن باپ کے اس نے مجھے نبی بنایا ہے'' اور اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو نبوت عطا نہیں فرماتا جو ایسا ہو جیسا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سمجھ رہے تھے۔(لعنہم اللہ وقبحھم)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ویکفرھم وقولھم علی مریم بھتانا عظیما (النساء:۱۵۶)

''اور ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بہتان عظیم باندھنے کے باعث کیونکہ اس دور میں یہودیوں کا ایک گروہ ایسا تھا جو کہتے تھے کہ مریم نے حیض کے دنوں میں زنا کیا جس سے وہ حاملہ ہوئی۔اللہ تعالیٰ کی ان یہودیوں پر لعنت ہو۔اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی خود صفائی پیش فرمائی اور ان کے متعلق بتایا کہ وہ صدیقہ ہیں اور میں نے اس کے بیٹے کو نبی مرسل بنایا ہے جن کا شمار پانچ بڑے اولی العزم رسول میں ہو گا۔اسی لئے فرمایا: ''اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں'' اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جہاں کہیں ہوئے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی طرف بلایا اور اس کی ذات کو ہر نقص اور عیب سے پاک کہا اور بتایا کہ وہ بچے اور جورو سے پاک ذات ہے۔'' اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا جب تک میں زندہ ہوں''

یہ اللہ کے بندے کا فریضہ ہے کہ وہ اس کی جناب میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرے اور اللہ کا حق عبودیت بجالائے۔ اور زکوٰۃ دے کر اس کی مخلوق سے احسان کا برتاؤ کرے نماز سے نفوس اخلاق رذیلہ سے پاک ہوجاتے ہیں جب کہ محتاجوں کی مختلف اصناف کو صدقات دینے، مہمانوں پر مال خرچ کرنے، اپنی گھر والیوں، غلاموں، قریبی رشتہ داروں اور خیر کے دوسرے کاموں میں خرچ کرنے سے اللہ کا عطا کردہ مال و متاع پاک ہوجاتا ہے۔ فرمایا:

وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا

یعنی اللہ کریم نے مجھے والد سے حسن سلوک کرنے والا بنایا ہے۔ اس طرح کہ اس نے مجھے تاکید فرمائی ہے کہ والدہ کے تمام حقوق کو پوری طرح ادا کروں اور ان کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول رکھوں کیونکہ ان کا کوئی اور بیٹا بیٹی تو ہے نہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور اس کے ساتھ حسن برتاؤ کا معاملہ رکھا اور ہر ایک کو اپنی راہ سے آگاہ فرمادیا۔ **ولم یجعلنی جبارا شقیا** یعنی میں ترش رو اور سخت گیر نہیں ہوں۔ اور مجھ سے کوئی ایسا فعل یا قول صادر نہیں ہوگا جو امرو اطاعت خداوندی کے منافی ہو۔

اللہ تعالیٰ پورا قصہ بیان کرنے اور تفصیل و شرح امور کے بعد فرماتا ہے۔

"یہ جو ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو آیتیں ہیں اور نصیحت حکمت والی بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے بنایا اسے مٹی سے۔ پھر فرمایا اسے ہوجا تو وہ ہوگیا۔ (اے سننے والے!) یہ حقیقت کہ عیسیٰ انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے (بیان کی گئی ہے) پس تو نہ ہوجا شک کرنے والوں سے پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس بارے میں اس کے بعد کہ آگیا آپ کے پاس (یقینی) علم تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی پھر بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجا کریں پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر بے شک یہی ہے واقعہ سچا اور نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کی اور بے شک اللہ ہی غالب ہے (اور) حکمت والا ہے پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے فساد برپا کرنے والوں کو"

(آل عمران: ۵۸-۶۳)

اسی لئے جب نجران کا وفد آیا جو ساٹھ سواروں پر مشتمل تھا۔ اور یہ ساٹھ اپنا معاملہ اپنے

میں سے چودہ آدمیوں کی طرف لوٹاتے تھے اور پھر ان چودہ کے پیش کردہ اس معاملہ کی صرف تین آدمی تاویل کرتے تھے جو ان کے سردار اور قائد تھے۔ جن کے نام عاقب، سید اور ابو حارثہ بن علقمہ تھے تو یہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے مناظرہ کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں سورۂ آل عمران کی ابتدائی آیات کو نازل فرمایا۔ اور واضح فرمادیا کہ مسیح کون ہیں۔ وہ کیسے پیدا ہوئے اور ان کی والدہ ماجدہ کی تخلیق کس طرح واقع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو یہ حکم بھی ارشاد فرمایا کہ ان سے مباہلہ کرو۔ (رسول کریم ﷺ نے مباہلہ کے لئے خانوادۂ نبوت کو بلالیا) جب ان لوگوں نے ان نفوس قدسیہ کے دمکتے چہروں کو دیکھا تو سر جھکا لئے اور مباہلہ کی جرأت نہ کر سکے۔ باہم مشورہ کر کے صلح صفائی کی راہ اختیار کی۔ ان کا ایک ساتھی جس کا نام العاقب عبدالمسیح تھا اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: اے گروہ نصاریٰ! تم خوب جانتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے نبی اور فرستادہ ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت کو تم اپنی آنکھوں سے عیاں دیکھ چکے ہو اور تم اس حقیقت سے بھی واقف ہو کہ جب ایک نبی اپنی قوم کے لئے بددعا کرتا ہے تو قوم کے چھوٹے بڑے سب نیست و نابود ہوجاتے ہیں۔ اگر تم نے ایسی کوئی حماقت کی تو تمہاری جڑ کٹ جائے گی اور نیست و نابود ہوجاؤ گے یا تو اس دین کو قبول کرلو۔ اگر نہیں مانتے تو اپنے دین پر اور مسیح کے بارے اپنے خیالات پر قائم رہو مگر اس شخص سے صلح کرلو اور واپس وطن چلے جاؤ۔

پس انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی مطالبہ کیا اور عرض کیا کہ ہم پر جزیہ عائد کردیں اور ہمارے ساتھ کوئی امانت دار شخص بھیجیں۔ رسول کریم ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراح کو بھیجا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے وضاحت فرمادی اور اپنے رسول ﷺ سے فرمایا:

"یہ ہے عیسیٰ بن مریم (اور یہ ہے وہ) سچی بات جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں"

یعنی عیسیٰ علیہ السلام بندۂ خدا ہیں اللہ کی ایک عبادت گزاری بندی کے بطن مقدس سے پیدا ہوئے ہیں اور مخلوق ہیں۔ اسی لئے فرمایا:

"یہ زیب ہی نہیں اللہ تعالیٰ کو کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ وہ پاک ہے جب وہ فیصلہ فرمادیتا ہے کسی کام کا تو بس صرف اتنا حکم دیتا ہے اس کے لئے کہ ہوجا تو وہ کام ہوجاتا ہے"

یعنی نہ تو کوئی چیز اسے درماندہ کرسکتی ہے، نہ عاجز اور نہ اکتاہٹ کا شکار ہوسکتی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے۔ کرتا ہے۔

''اس کا حکم، جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے''۔ (یٰس:۸۲)

''اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی سو اسی کی عبادت کیا کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے''۔ (مریم:۳۶)

یہاں عیسیٰ علیہ السلام کی وہ گفتگو مکمل ہوتی ہے جو انہوں نے پنگھوڑے میں فرمائی تھی۔ آپ نے زبان طعن دراز کرنے والوں کو بتایا کہ اللہ میرا اور تم سب کا پروردگار ہے۔ میرا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے لہٰذا ہمیں اللہ کی عبادت کرنی چاہیے یہی سیدھا راستہ ہے۔

معارف القرآن میں ہے کہ جس وقت خاندان کے لوگوں نے حضرت مریمؑ کو ملامت کرنا شروع کر دیا تو حضرت عیسیٰؑ اس وقت دودھ پی رہے تھے۔ جب انہوں نے یہ سنا تو دودھ چھوڑ دیا اور اپنی بائیں کروٹ پر سہارا لے کر ان کی طرف متوجہ ہوئے اور انگشت شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے کہا اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ یعنی میں خدا کا بندہ ہوں۔ اس پہلے ہی لفظ میں حضرت عیسیٰؑ نے اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ اگرچہ میری پیدائش ایک معجزانہ انداز سے ہوئی ہے مگر میں خدا کا بندہ ہوں۔ تاکہ لوگ میری پرستش میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا: ان الفاظ میں حضرت عیسیٰؑ نے اپنی شیر خواری کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت اور کتاب ملنے کی خبر دی۔ حالانکہ کسی پیغمبر کو چالیس سال کی عمر سے پہلے نبوت و کتاب نہیں ملی۔ اس لئے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرمادیا ہے کہ مجھے نبوت اس وقت عطا کر دی گئی تھی کہ جب آدم علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ان کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔ اس کا مطلب بھی ظاہر ہے کہ اس کے سوا نہیں، عطاء نبوت کا وعدہ حضورﷺ کے لئے قطعی یقینی تھا۔ یہاں بھی اسی یقین کو عطاء نبوت کے لفظ ماضی سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ عطاء نبوت کا اظہار کرنے سے ان لوگوں کی بدگمانی رفع کر دی گئی کہ میری والدہ پر بدکاری کا الزام لگانا سراسر غلط ہے کیوں کہ میرا نبی ہونا اور مجھے رسالت کا ملنا اس کی دلیل ہے۔ کہ میری پیدائش میں کسی گناہ کا دخل نہیں ہو سکتا اور عیسیٰؑ نے یہ بھی فرمادیا کہ واوصنی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ (اور وصیت کی گئی ہے مجھے ساتھ نماز کے اور زکوٰۃ کے)

جس چیز کا زیادہ تاکید کے ساتھ کہا جاتا ہے تو اس کو وصیت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس جگہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت فرمائی ہے۔ اس کا مفہوم یہی ہے کہ بڑی تاکید سے ان ... چیزوں کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ ایسی

عبادتیں ہیں کہ آدمؑ سے لے کر خاتم الانبیاءﷺ تک ہر نبی و رسول کی شریعت میں فرض رہی ہیں۔ البتہ مختلف شریعتوں میں ان کی تفصیلات گزری ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی شریعت میں بھی نماز اور زکوٰۃ فرض تھی۔ اگرچہ حضرت عیسیٰؑ نے نہ گھر بنایا نہ مال تھا لیکن قانون بنایا گیا کہ جس آدمی کے پاس مال ہو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ تو عیسیٰؑ بھی مخاطب ہیں کہ اگر جب بھی مال نصاب کو پہنچے تو زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ مادمت حیا یعنی زکوٰۃ اور نماز کا حکم مجھے دائمی ہے۔ جب تک میں زندہ رہوں گا۔ اس سے مراد وہ حیات ہے جو اس عالم دنیا میں رہے تھے اور دوبارہ آ کر رہیں گے۔ کیوں کہ یہ اعمال زمین پر ہو سکتے ہیں۔ اور فرمایا وبرا بوالدتی میں اپنی والدہ کے ساتھ اچھا لوک کرنے والا ہوں) اس جگہ بھی صرف والدہ کا فرمایا۔ والدین نہیں کہا۔ اس میں بھی اشارہ کر دیا کہ میرا وجود معجزانہ طور پر بغیر والد کے ہوا اور بچپن میں یہ معجزانہ کلام اس کے لئے کافی شہادت اور دلیل ہے۔ (معارف القرآن)

اور ساتھ ہی عیسیٰؑ نے یہ بھی فرمادیا تھا کہ میں پیدا بھی سلامتی سے ہوا اور سلامتی ہی کے ساتھ مروں گا۔ اور پر سلامتی ہی سے اٹھوں گا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

''اور مجھ پر میری پیدائش اور میری موت کے دن اور جس دن کہ میں دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا سلامتی ہی سلامتی ہے''۔ (مریم)

یعنی میری پیدائش اور دوبارہ جی اٹھنے کے بعد بھی مجھ پر سلامتی ہے اس سے بھی عبودیت کا ثبوت اور مخلوق ہونا ثابت ہو رہا ہے کہ آپ مثل انسانوں کے عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ پھر موت کا مزہ بھی چکھیں گے۔ پھر قیامت کے دن دوبارہ اٹھیں گے۔ (ابن کثیر)

ان تمام باتوں سے قوم کو پختہ یقین ہو گیا کہ یہ خدا کے بندے ہیں اس کے بعد حضرت مریمؑ کی بڑی تعظیم کرتے۔ لیکن بعض بد باطن لوگوں نے اپنے دل میں بدتخم بویا اور ایک ظالم بادشاہ کو یہ خبر پہنچادی۔ تفسیر حقانی نے اس ظالم بادشاہ کا نام یہودیہ بتایا ہے اس ظالم کے ڈر سے یوسف نجار جو حضرت مریمؑ اور عیسیٰؑ کو مصر کی طرف لے گیا۔ وہاں ایک زمیندار نے حضرت مریمؑ کو بیٹی بنا کر اپنے پاس رہنے کی جگہ دی۔ وہاں پر چین و آرام سے بچے کی پرورش ہوئی وہ گاؤں اونچے ٹیلے پر تھا اور پانی خوب تھا۔

رب قدوس کا ارشاد گرامی ہے:

''جب کہا تھا حواریوں نے اے عیسیٰ بن مریم کیا یہ کر سکتا ہے تیرا رب کہ اتارے ہم پر ایک دسترخوان آسمان سے (ان کی اس تجویز پر) عیسیٰ نے کہا ڈرو اللہ سے

اگر تم مومن ہو حواریوں نے کہا ہم تو (بس) یہ چاہتے ہیں کہ ہم کھائیں اس سے اور مطمئن ہو جائیں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم ہو جائیں اس پر گواہی دینے والوں سے عرض کی عیسیٰ بن مریم نے اے اللہ ہم سب کے پالنے والے اتار ہم پر دستر خوان آسمان سے بن جائے ہم سب کے لئے خوشی کا دن (یعنی) ہمارے اگلوں کے لئے بھی اور پچھلوں کے لئے بھی اور (ہو جائے) ایک نشانی تیری طرف سے اور رزق دے ہمیں اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ میں اتارنے والا ہوں اسے تم پر پھر جس نے کفر اختیار کیا اس کے بعد تم سے تو بے شک میں عذاب دوں گا اسے ایسا عذاب کہ نہیں دوں گا کسی کو بھی اہل جہان سے" (المائدہ: ۱۱۲۔۱۱۵)

اس واقعہ کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو تیس دن روزے رکھنے کا حکم دیا۔ جب تیس روزے مکمل ہوئے تو انہوں نے مطالبہ کیا کہ ان پر آسمان سے دستر خوان اترنا چاہیے۔ کیونکہ وہ آسمانی خوان کھا کر وہ اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے کہ اللہ نے ان کے روزے قبول فرمالئے ہیں۔ اور ان کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی تمنا کہ خوشی کے اس موقعہ پر وہ بہترین کھانا تناول کریں تاکہ ان کی شادمانی میں اضافہ ہو اور یہ با برکت کھانا اول و آخر اور فقیر و غنی سب کے لئے کافی ہو عیسیٰ علیہ السلام نے وعظ فرمایا اور انہیں اس بات سے ڈرایا کہ وہ اس نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکیں گے اور اس پر عائد کی گئی شرائط کی پاسداری ان کے لئے مشکل ہو جائے گی۔ مگر حواری بضد تھے کہ ہر حال میں اللہ عزوجل سے خوان آسمانی کا سوال کیا جائے۔

جب ان لوگوں کا اصرار بڑھ گیا تو آپ واپس شہر میں تشریف لائے۔ پوستین پہنی جو سر سے پاؤں تک لمبی تھی۔ سر جھکا کر آہ و زاری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست سوال دراز فرمائے۔ اور نزول مائدہ کی دعا کی۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان سے دستر خوان نازل فرمایا: لوگ اسے دو بادلوں پر اترتا دیکھ رہے تھے۔ دستر خوان آہستہ آہستہ قریب آتا گیا۔ جب وہ بہت قریب آ گیا تو عیسیٰ علیہ السلام نے التجا کی الٰہی! اسے رحمت بنانا زحمت کا باعث نہ بنانا۔ اور اس میں برکت و سلامتی پیدا فرمانا۔ دستر خوان اور قریب ہوا حتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے ٹھہر گیا۔ اس پر ایک رومال پڑا تھا عیسیٰ علیہا السلام نے بسم اللہ خیر الرازقین پڑھ کر اس سے رومال اٹھایا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں سات

مچھلیاں اور سات روٹیاں رکھی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ سرکہ بھی تھا۔ ایک قول کے مطابق انار اور دوسرے پھل بھی تھے۔ دستر خوان سے کمال خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ رب قدوس نے فرمایا ہو جا تو وہ ہو گیا تھا۔

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کھاؤ۔ حواری کہنے لگے جب تک آپ تناول نہیں فرمائیں گے ہم ہرگز نہیں کھائیں گے۔ آپ نے فرمایا تمہیں نے تو اس سوال کی ابتداء کی تھی۔ انہوں نے پہلے کھانے سے انکار کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے فقیروں محتاجوں، مریضوں اور لاعلاج کوڑھیوں کو جن کی تعداد ایک ہزار تین سو کے قریب تھی فرمایا تم شروع کرو۔ انہوں نے دستر خوان سے خوان نعمت تناول کیا تو سب تکلیفیں اور لاعلاج بیماریاں دور ہو گئیں۔ جو سال ہا سال سے انہیں پریشان کر رہی تھیں۔ جب لوگوں نے ان برکتوں کو ملاحظہ فرمایا تو بہت نادم ہوئے اور کہنے لگے کاش ہم پہل کرتے تو نہ جانیں کتنی برکتوں سے مالا مال ہو جاتے۔ پھر کہا گیا کہ یہ کھانا ہر روز ایک مرتبہ اترا کرتا تھا۔ اور لوگ اس میں سے کھایا کرتے تھے۔ آخری آدمی بھی اسی طرح (سیر ہو کر) کھاتا جس طرح پلا کھاتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک قول کے مطابق تقریباً سات ہزار آدمی اس دستر خوان سے سیر ہو کر کھاتے تھے۔

پھر ایک دن کے وقفے سے نازل ہوتا رہا جس طرح کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن گھاٹ پر پانی پینے آتی تھی۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ یہ کھانا صرف فقیر اور حاجت مندوں کے لئے ہے غنی اسے نہیں کھا سکتے۔ یہ سن کر منافق چہ میگوئیاں کرنے لگے اس طرح دستر خوان کو بالکل اٹھا لیا گیا اور جو لوگ قیل و قال کرتے تھے انہیں مسخ کر کے خنزیر بنا دیا گیا۔

ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ ہم سے حسن بن قزعہ باہلی نے، ہم سے سفیان بن حبیب نے، ہم سے سعید بن ابی عروبہ نے بیان کیا۔ انہوں نے قتادہ سے، انہوں نے خلاس سے، انہوں نے عمار بن یاسر سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا: فرماتے ہیں کہ آسمانی دستر خوان میں روٹی، روٹی والا گوشت اور گوشت نازل ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے حکم فرمایا کہ اس میں نہ تو خیانت کریں اور نہ ہی ذخیرہ کر کے کل کے لئے بچا کر رکھیں۔ مگر ان لوگوں نے خیانت کی۔ کھانا اکٹھا کیا اور کل کے لئے بچا کر رکھ لیا۔ جس سے وہ مسخ ہو کر بندر اور خنزیر بن گئے۔

پھر اسے ابن جریر نے بندار سے، انہوں نے ابن عدی سے، انہوں نے سعید سے، انہوں نے قتادہ سے، انہوں نے خلاس سے، انہوں نے عمار سے موقوفاً روایت کیا ہے اور یہی

زیادہ صحیح ہے۔اور اسے اسی طرح ایک دوسرے طریق سے نبی عجل کے ایک آدمی سے، انہوں نے عمار سے موقوفاً روایت کیا ہے اور یہی صحیح ہے واللہ اعلم۔

اور خلاص کا عمار سے روایت کرنا منقطع ہے۔اگر اس حدیث کا مرفوع ہونا صحیح ہو تو یہ اس قصہ میں قول فیصل ہوگی۔علماء نزول مائدہ کے بارے اختلاف رکھتے ہیں۔جمہور علماء کے نزدیک مائدہ نازل ہوا جیسا کہ سابق کلام اور ان آثار سے ثابت ہے۔خصوصاً قرآن کریم کے ان الفاظ سے ان منزلها علیکم. جیسا کہ ابن جریر نے بیان کیا ہے۔(واللہ اعلم)

ابن جریری مجاہد اور حسن کی طرف نسبت کرتے ہوئے ایک صحیح سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری کے بقول مجاہد اور حسن رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ مائدہ کا نزول نہیں ہوا۔ان کی دلیل یہ آیت ہے۔فمن یکفر بعد منکم فانی اعذبه عذابا لا اعذبه احدا من العالمین. اسی لئے کہا گیا ہے کہ نصاریٰ مائدہ کا واقعہ جانتے تے اگرچہ وہ ان کی کتب میں مذکور نہیں ہے۔حالانکہ اس کی نقل پر دواعی کی کثرت ہے۔(واللہ اعلم)

معجزہ اس چیز یا عمل کو کہا جاتا ہے جس کو دکھانے سے لوگ عاجز آ جائیں وہ غیر معمولی واقعہ جس کے صدور سے انسانی عقل و ذہن عجز محسوس کرے جو عام رائج حالات و واقعات سے یکسر مختلف ہو جسے دیکھ کر انسان سمجھ لے کہ یہ محیر العقول کارنامہ صرف اور صرف تائید خداوندی کے بل بوتے پر دکھایا جاسکتا ہے۔کسی انسانی طاقت کے بس میں نہیں کہ اس کی نظیر پیش کر سکے۔کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جن کا ذہن جلا یافتہ ،دل منور اور عقل رسا ہوتی ہے۔ان کے لئے پیغمبر کی زندگی ہی سرتاپا معجزہ ہوتی ہے بلکہ اس کی آواز اور اس کا رخ انور ہی ان کے لئے پیغام ایمان ثابت ہوتا ہے۔مگر ایسے لوگ زمانے میں کم ہی ہوتے ہیں اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو دعویٰ نبوت کے ساتھ ساتھ تائید غیبی کے کھلم کھلے نشانات کی طالب ہوتی ہے اس اکثریت کو آخری حد تک مطمئن کرنے کے لئے انبیاء کو معجزات عطا فرمائے گئے۔

مگر یہ بات ہر عاقل کے ذہن میں آتی ہے کہ ہر نبی اور رسول کو اللہ تعالیٰ نے مقتضائے وقت کے لحاظ سے معجزے عطا فرمائے۔مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادو کا عام رواج تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا معجزہ عطا فرمایا کہ مصر کے تمام جادوگروں کا جادو خاک میں مل گیا۔اور ان کے لئے موسیٰ علیہ السلام کے خدا پر ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فن طب اپنے عروج پر تھا۔بڑے بڑے اہل فن اس سلسلے میں اپنے اپنے کمالات کا مظاہرہ کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے شفائے امراض میں

حضرت مسیح علیہ السلام کو وہ کلی کمال عطا فرمایا جسے دیکھ کر بڑے بڑے اطباء دنگ ہو کر رہ گئے تھے۔

ان کمالات میں سے ایک کمال احیائے موتی یعنی مردوں کو زندہ کرنا بھی تھا یہ ان کا سب سے بڑا معجزہ تھا۔حضرت مسیح علیہ السلام نے بے شمار معجزات لوگوں کو دکھائے جن میں سب سے نمایاں مردوں کو زندہ کرنے کا شمار کیا جاتا ہے۔مگر یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ معجزے حضرت عیسیٰ علیہا السلام اس لئے پیش کرتے تھے کہ وہ ان پر قادر تھے آپؑ صرف ایک ذریعہ تھے اصل میں جو کچھ ہوتا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا تھا۔اس لئے یہ ذہن میں رکھا جائے کہ ہر معجزہ کسی بھی نبی یا رسول نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور حکمت کے تحت پیش کیا تھا۔ہر معجزے میں پیغمبر یا رسول کا عمل صرف پیش کرنے والے ہی ہوتا تھا اصل قدرت تو خدا تعالیٰ کی حکومت کی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی فہرست تو طویل ہے مگر ان میں سے نمایاں معجزات کی فہرست دی جاتی ہے تاکہ قارئین کی معلومات میں اضافہ ہوا۔

یہ آپؑ کا قبل از پیدائش معجزہ ہے اس کا تفصیلی واقعہ گذشتہ اوراق میں بیان کر دیا گیا ہے۔دہرانے کی ضرورت نہیں۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہو چکی تو والدہ بچے کے ساتھ واپس آ گئیں۔لوگوں نے مریم کی گود میں بچے کو دیکھ کر حیرت کا اظہار بھی کیا اور مختلف قسم کی تہمت نما باتیں بھی کرنی شروع کر دیں تو حضرت مریمؑ نے بچے کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ میں روزے سے ہوں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوں گویا ہوئے۔

”میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔تاکہ جہاں رہوں، جس حال میں رہوں صاحب کرامت رہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا بھی حکم دیا ہے میں پیدا بھی سلامتی سے ہوا ہوں اور سلامتی ہی کے ساتھ مروں گا اور سلامتی ہی سے اٹھوں گا“

جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

”اور مجھ پر میری پیدائش اور میری موت کے دن اور جس دن کہ میں دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا، سلامتی ہی سلامتی ہے“۔(سورۃ مریم: آیت ۳۳)

ایک دفعہ قانائے گلیل میں ایک شادی تھی۔تو یسوع کی ماں بھی وہاں شادی میں موجود تھی۔اس کے علاوہ یسوع اور اس کے شاگرد بھی اس شادی میں مدعو تھے۔شادی میں مے (شراب) ختم ہو چکی تھی تو یسوع کی ماں نے اس سے کہا ”ان کے پاس مے نہیں رہی“ یسوع نے

اس سے کہا'' اے عورت مجھے تجھ سے کام ہے ابھی میرا وقت نہیں آیا۔اس کی ماں نے خادموں سے کہا'' جو کچھ یہ تم سے کہے وہ کرو'' وہاں یہودیوں کی طہارت کے دستور کے مطابق پتھر کے چھ مٹکے رکھے ہوئے تھے اور ان میں دو دو تین تین من کی گنجائش تھی۔یسوع نے ان سے کہا مٹکوں میں پانی بھر دو۔پس انہوں نے مٹکوں کو پانی سے لبالب بھر دیا پھر یسوع نے خادموں سے کہا ''اب نکال کر میر مجلس کے پاس لے جاؤ'' تو خادم وہ پانی نکال کر لے گئے جب میر مجلس نے وہ پانی چکھا جو مے بن چکا تھا اور وہ جانتا نہ تھا کہ یہ کہاں سے آئی ہے (مگر خادم جنہوں نے پانی نکالا تھا جانتے تھے) تو میر مجلس نے دولہا کو بلا کر اس سے کہا'' ہر شخص اچھی مے پیش کرتا ہے جب ناقص اس وقت پی کر ختم ہو جائے مگر تو نے اچھی مے ابھی تک رکھ چھوڑی ہے'' یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پہلا معجزہ تھا جو کہ انہوں نے قانائی گلیل میں دکھا کر اپنا جلال ظاہر کیا۔

اور اس کے شاگرد اس پر ایمان لائے۔اس کے بعد وہ اور اس کی ماں اور شاگرد کفر نحوم کی طرف چلے گئے اور وہاں چند روز قیام کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جو پانی مٹکوں میں بھرا تھا وہ بھی شراب بن گیا اور ایسی شراب بنا جو کہ اصل شراب شادی والوں نے مہمان کے لئے پہلے تیار کر رکھی تھی اس سے بھی بہتر اور اعلیٰ قسم کی بن گئی جس کی تصدیق میر مجلس نے خود دولہا سے کی اور ہر شخص پہلے اچھی مے پیش کرتا ہے اور ناقص بعد میں مگر آپ لوگوں نے پہلے ناقص شراب پیش کی ہے اور اب اچھی یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قوت کا اظہار تھا کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا فرمایا جس سے پانی مہمانوں کے لئے شراب بن گیا اور لوگوں نے بڑے مزے سے اس کو استعمال کیا، یہ آپؑ کا پہلا معجزہ تصور کیا جاتا ہے جو کہ نبوت سے پہلے تھا جب آپ جوان بھی نہ ہوئے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اور یہ تمام معجزوں میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

معالم التنزیل میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار شخصوں کو زندہ کیا تھا۔

(۱) عاذر: حضرت مسیح علیہ السلام کا دوست، جسے تین دن کے بعد قبر سے نکالا۔

(۲) ایک بڑھیا کا بیٹا جس کا جنازہ لے کر جا رہے تھے اور لوگوں کے کندھوں سے اتر کر گھر آ گیا۔

(۳) ایک چونگی محصول لینے والے کی بیٹی جو ایک دن کی مری ہوئی تھی اپنے گھر میں پڑی زندہ کی۔

(۴) سالم بن نوح

ان معجزات کی تفصیل درج ذیل بیان کی جاتی ہے مردوں کو زندہ کرنے کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔آپ ایک دفعہ نائن شہر میں داخل ہو رہے تھے کہ ایک جنازہ جاتے دیکھا جو کہ ایک بیوہ کا بیٹا تھا اور جوان مر گیا تھا آپ کو اس بیوہ کے رونے پیٹنے پر ترس آیا اور لاش کو چھو کر کہا'' میں تجھ سے کہتا ہوں اٹھ تو مردہ فوراً زندہ ہو گیا''

آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر حاضرین پر دہشت طاری ہو گئی۔وہ خدا کی حمد و ثناء کرنے لگے اور اقرار کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ نبی ہیں۔

(۲) اسی طرح ایک عبادت خانے کے سردار کی بارہ سالہ لڑکی قریب المرگ تھی وہ آپؑ کو بلا کر لے گئے راستے میں آپؑ کو بتایا گیا کہ وہ مر چکی ہے مگر آپؑ نے لڑکی کے باپ سے کہا کہ' تو پریشان نہ ہو فقط اعتقاد رکھ'' اس کے گھر پہنچ کر لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر کہا'' میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اٹھ وہ لڑکی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور چلنے پھرنے لگی۔

(۳) یہودیہ کے علاقے پر ایک شخص جس کا نام لعزر تھا وہ شخص آپ کا بہت معتقد تھا وہ بہت بیمار ہوا اور پھر مر گیا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب اس کی موت کا علم ہوا تو آپؑ اس کے گاؤں جس کا نام بیت ضیاء تھا کی طرف چل پڑے۔یہ گاؤں یروشلم سے دو میل کے فاصلے پر تھا جب آپ وہاں گاؤں میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ لعزر کو دفن کئے ہوئے چار دن گزر گئے ہیں۔اس علاقہ میں یہودی بہت رہتے تھے اور وہ آپ کے سخت خلاف تھے وہ آپؑ کو سنگسار کرنا چاہتے تھے جب آپؑ لعزر کے گھر پہنچے تو وہاں آپؑ نے یہودیوں کا ہجوم دیکھا جو کہ اس کی تعزیت کے لئے آئے ہوئے تھے۔

آپ نے لعزر کے گھر والوں سے دریافت کیا کہ اس کو کہاں دفن کیا گیا ہے۔اور اس کی قبر کہاں ہے یہ گھر والے آپؑ کو قبر دکھانے کے لئے چل پڑے اور وہاں موجود یہودی بھی ان گھر والوں کے ساتھ قبر دکھانے کے لئے روانہ ہو گئے۔لعزر کو ایک غار میں دفن کیا گیا جس کے

منہ پ ایک بھاری پتھر رکھا ہوا تھا آپ نے اس بھاری پتھر کو ہٹایا اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی اور پھر بلند آواز سے فرمایا "اے لعزر غار سے نکل آؤ" آپ کی آواز سن کر لعزر غار سے کفن پہنے ہوئے نکل آیا اور آپؑ نے حکم دیا کہ کفن اتار دو اب یہ زندہ ہے" یہودیوں پر اس معجزے کا یہ اثر ہوا کہ وہ آپؑ کی نبوت پر ایمان لانے کی بجائے آپ کی جان لینے کے درپے ہوگئے اور دشمنوں کا سا سلوک کرنے لگے۔مگر چونکہ آپؑ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ نبی تھے لہٰذا ان کی پرواہ نہ کرتے تھے اور مسلسل لوگوں کو توحید کی تبلیغ کرتے رہے۔اگر چہ یہودیوں پر کوئی اثر نہ تھا۔

ایک دفعہ آپ بیت ضیاء کی جانب روانہ ہوئے تو لوگوں کا ایک بڑا ہجوم آپ کے ساتھ ہولیا۔ابھی تک آپ آبادی سے کافی دور تھے کہ شام ہوگئی تو آپؑ کے حواریوں نے آپؑ سے کہا کہ ان لوگوں کو اجازت دیں تاکہ وہ جا کر کسی گاؤں سے کھانا کھا آئیں مگر آپؑ نے اتفاق نہیں کیا اور آپؑ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو کسی جگہ بھی جانے کی ضرورت نہیں ہے تم مجھے اپنا کھادو" تو حواریوں نے عرض کی کہ جو کی پانچ روٹیاں اور صرف دو مچھلیاں ہیں ان سے اتنے سارے انسانوں کا پیٹ کیسے بھرے گا" آپ نے وہی روٹیاں اپنے سامنے منگوائیں اور ان روٹیوں کے بہت سے ٹکڑے کئے آسمان کی طرف دیکھ کر برکت کی دعا فرمائی اور اپنے حواریوں کو ہدایت کی کہ یہ ٹکڑے اور مچھلی کے قتلے ان انسانوں میں تقسیم کردو۔وہاں پانچ ہزار مرد اور عورتیں تھیں۔اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ وہی پانچ رویاں اور دو مچھلیوں کے قتلے، پانچ ہزار افراد نے خوب سیر ہو کر کھایا مگر پھر بھی اتنے ٹکڑے بچ گئے کہ ان سے بارہ ٹوکریاں بھر گئیں۔

اسی طرح کا دوسرا واقعہ ملاحظہ ہو کہ ایک مرتبہ جھیل گلیلی کے قریب ایک جگہ آپ نے صرف سات روٹیوں اور چند مچھلیوں سے چار ہزار سے زائد لوگوں کے پیٹ بھر دیئے۔پھر ابھی اتنے ٹکڑے بچ گئے کہ ان سے سات ٹوکریاں بھریں۔

آپ ایک دفعہ اپنے حواریوں کے ہمراہ جھیل گلیلی عبور کر رہے تھے کہ اچانک جھیل میں طوفان آ گیا اور کشتی اس کے تھپیڑوں سے ڈوبنے لگی۔آپ اس وقت سو رہے تھے۔حواریوں نے آپ کو جگایا ان پر سخت خوف و ہراس طاری تھا کہنے لگے "کیا مجھے فکر نہیں کہ ہم ہلاک ہونے کو ہیں" آپ نے ہوا اور پانی سے کہا "ساکن ہو جا، تھم جاؤ فوراً تھم گئی اور پانی ساکن ہوگیا۔لوگ آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر حیران رہ گئے اور آپ کا احترام کرنے لگ گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ پانی پر بغیر کشتی کے چلنا یقیناً ایک بڑے تعجب کی بات ہے

ایک معجزہ تھا کہ ایک مرتبہ وہ گلیلی جھیل عبور کر رہے تھے اپنے تمام ساتھیوں یا حواریوں کو انہوں نے کشتی پر سوار کر کے بھیج دیا مگر خود رات کے آخری حصہ میں بغیر کشتی کے جھیل کے پانی پر پیدل چلتے ہوئے کشتی کی طرف آ رہے ہیں ان کے حواری خوف زدہ ہوگئے کہ شائد کوئی بھوت ہے اور وہ خوف سے چیخنے لگے مگر جب آپؑ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو ان کو آواز دی "میں ہوں ڈرو نہیں" اور یہ حالت پا کر آپ کے ایک حواری جس کا نام پطرس تھا اس نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے بھی پانی پر چلوائیے۔آپ نے فرمایا "چلے آؤ" لہٰذا پطرس کشتی سے اتر کر آپ کی جانب چلے تو ڈوبنے لگے آپؑ نے ہاتھ بڑھا کر پطرس کو پکڑ لیا اور کہا "اے کم اعتقاد تو نے کیوں شک کیا"

یہ ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر ہر معاملے میں پختہ یقین ہونا ضروری ہے پر دنیا کی کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچ سکتی مگر شیطان انسان کے یقین کو ہر وقت کمزور کرتا رہتا ہے انسان کو اپنا یقین محکم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنی چاہیے۔اور حضورﷺ کے احکام کی اطاعت کرنی چاہیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ایک اہم اور محیر العقول معجزہ تھا کہ وہ اپنی شکل اپنی مرضی کے تحت تبدیل کر لیتے تھے انجیل میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ جب آپ قیصر فلپی کے علاقے میں انموتہ میں تشریف لے گئے تو ایک دن اپنے تین حواریوں یعنی پطرس، یعقوب اور یوحنا کو ساتھ لے کر ایک اونچے پہاڑ پر چڑھے۔وہاں آپ نے اپنی شکل کو بدل لیا اور نورانی پوشاک پہن لی۔شکل بدلنے اور نورانی پوشاک پہننے سے آپ کی شکل ایسی سفید نظر آنے لگی کہ دنیا میں کوئی دھوبی کپڑے کو اتنا سفید نہیں کر سکتا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ نورانی شکل تو خدائی حکم اور حکمت کے تحت تھی کسی دنیاوی عمل کو کوئی دخل نہ تھا جو کہ عام طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیغمبروں کی کیفیت ہو جاتی ہے مگر عام مخلوق ان حالات و واقعات کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے اور وہ سوائے اس امر کے کہ ان کو سچا مان کر ان پر ایمان لے آئے اور نہ کچھ سمجھ سکتی ہے اور نہ کر ہی سکتی ہے۔ہر پیغمبر نے اپنے زمانے میں حالات کے تحت معجزات کی رونمائی کر کے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی اور یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی طریقہ اور عمل تھا قدرت تو خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں تھی وہ تو صرف ایک اشارے پر عمل کرنے والے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ اہم معجزہ تھا کہ وہ انسانوں میں داخل بدروحوں کو باہر نکال دیتے تھے اور مریض بالکل تندرست ہو جاتا تھا اور روز مرہ کی زندگی میں حصہ لینا شروع کر دیتا۔جس سے لوگ بہت حیران ہوتے تھے مگر پھر بھی یہودی ایمان نہ لاتے اور آپ کو مختلف قسم کے ناموں سے منسوب کرتے۔بری روحوں کو نکالنے کے درج ذیل واقعات بیان کئے جاتے

ہیں تا کہ قارئین کی معلومات میں اضافہ ہو۔

(۱) آپؑ ایک مرتبہ کفرنحوم پر تبلیغ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں کے عبادت خانے میں ایک ایسا شخص ملا جس پر کسی بدروح کا سایہ تھا وہ آپ کو دیکھتے ہی ڈر کر رونے اور چیخنے لگا اور کہنے لگا کہا اے یسوع ناصری میں تجھ کو جانتا ہوں تو کون ہے کیا تو مجھے ہلاک کرنے آیا ہے؟'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کو ڈانٹا تو اس شخص سے بدروح نکل کر بھاگ گئی وہ آدمی تندرست ہوگیا اور عام انسانوں کی طرح حرکات کرنے لگا مگر لوگ آپ کے اس معجزے کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے، گلیلی اور اس کے اردگرد اس معجزے کا چرچا ہونے لگا مگر محض لوگوں نے چہ میگوئیاں کی حد تک ہی اس محیر العقول عمل کو سمجھا اس سے زیادہ ایمان لانے کی طرف یہودیوں کی رغبت نہ ہوئی اور پھر بھی ایمان نہ لائے۔

(۲) اس کے علاوہ آپ جھیل گلیلی کی دوسری طرف گرایسنیوں کے علاقہ میں گئے تو وہاں بھی ایک شخص ملا جس پر کئی بدروحوں کا سایہ تھا یہ شخص قبروں کے اندر رہا کرتا تھا۔ کئی مرتبہ اس کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑا گیا مگر وہ زنجیریں توڑ کر نکل جاتا، پہاڑوں میں چڑھ جاتا اور اپنا کلیجہ پھاڑ پھاڑ کر چیختا، اکثر پتھروں سے اپنا جسم زخمی کر لیتا تھا اس کی ان حرکتوں کی وجہ سے لوگ اس سے بہت ڈرتے اور خوف زدہ ہوتے تھے جہاں وہ نظر آتا لوگ نظر بچا کر نکل جاتے اور خوف کھاتے ہوئے رہتے۔ مگر جب اس شخص نے آپؑ کو دیکھا تو خوف سے دیوانہ وار چلانے لگا۔ آپ نے ان بدروحوں کو جو اس کے اندر تھیں باہر نکل جانے کا حکم دیا اور وہ بدروحیں اس شخص سے نکل کر قریب ہی چرنے والے سؤروں کے اندر گھس گئیں اور وہ سوار حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ڈر کر بھاگے اور جھیل میں کود پڑے جہاں ڈوب کر مر گئے اس کے بعد وہ آدمی بالکل ٹھیک ہوگیا اور روز مرہ کی زندگی میں عام آدمیوں کی طرح حرکات کرنے لگا۔ یہ بھی آپ کا اہم معجزہ تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نمایاں معجزہ اندھوں کو بینا کرنا بھی تھا اس کا یہ مطلب ہے کہ جو شخص پیدائشی طور پر اندھے ہوتے تھے آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان اندھوں کی بینائی بحال کر دیتے تھے جیسا کہ درج ذیل واقعات سے ظاہر ہے۔

(۱) ایک دفعہ آپ اریحا شہر سے باہر تشریف لے جا رہے تھے تو سڑک کے کنارے اندھا فقیر بیٹھا ہوا ملا اس فقیر نے روکر آپ سے رحم کی اپیل کی آپ نے اسے اپنے قریب بلا کر پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ تو اندھے فقیر نے جواب دیا میری بینائی بحال کر دیجئے'' آپ نے فرمایا ''جاؤ ہوگئی'' وہ اسی وقت بینا ہوگیا اور اس نے عام لوگوں کی طرح گھومنا پھرنا شروع کر دیا اور اس کو یہ احساس قطعاً نہ رہا کہ وہ کسی وقت آنکھوں کی بینائی سے محروم تھا۔

(۲) ایک مرتبہ بیت صیدا سے لوگ آپ کے پاس ایک اندھے کو لائے اور آپ سے درخواست کی کہ اس کی بینائی بحال کر دیجئے۔ آپؑ اس اندھے کو اپنے ہمراہ بستی سے باہر لے گئے اور اس اندھے کی آنکھوں پر اپنا لعاب مبارک لگایا اور اس سے پوچھا ''کچھ نظر آتا ہے''؟ تو اس نے جواب دیا '' آدمی دکھائی دے رہے ہیں۔ مگر صاف نظر نہیں آئے'' آپ نے اس کی آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھا تو اس کو ہر چیز صاف دکھائی دینے لگی۔ یہ دوسرا اہم نمایاں معجزاتی واقعہ ہے۔

(۳) ایک مرتبہ آپؑ بیت المقدس میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک فقیر وہاں لیٹا ہوا تھا جو کہ پیدائشی اندھا تھا آپ نے تھوڑی سی مٹی اپنے لعاب دہن میں تر کر کے اس کی آنکھوں پر مل دی تو اس پیدائشی اندھے کی بینائی بحال ہوگئی۔

یہ ایسے اہم اور نمایاں معجزاتی واقعات ہیں کہ جن کو جان کر ہر آدمی کی عقل دنگ رہ جاتی ہے کیونکہ آج تک اس سائنسی ترقی ہونے کے باوجود کسی پیدائشی اندھے کو کوئی حکیم یا ڈاکٹر بینائی نہیں کر سکا بلکہ معمولی سی روشنی یا بینائی بحال کرنے کے قابل نہیں ہوئے مگر وہ یہ کہنے سے بالکل گریز نہیں کرتے کہ پیدائشی بیماری کا کوئی ڈاکٹر بھی علاج نہیں کر سکتا البتہ پیدائش کے بعد کی بیماری پر اس کا علاج کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے مگر شفا پھر بھی قدرت کاملہ کی مہربانی سے ہی

ہوتی ہے۔مگر آج سے صدیوں پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدائشی اندھوں کی بینائی بحال کر دیتے تھے اور عوام حیران اور ششدر رہ جاتی تھی مگر ایمان پھر بھی نہیں لاتے تھے یہ ان کی بدنصیبی اور ناشکری کی انتہا تھی۔

آپؑ نے پہاڑی کی چوٹی پر کھڑے ہو کر لوگوں سے وعظ فرمایا اور ان کو پند و نصائح کی باتیں بتائیں آپ کا یہ وعظ کافی لمبا اور مفید تھا۔مگر جب آپ وہاں سے فارغ ہو کر پہاڑی سے نیچے آ رہے تھے تو ایک کوڑھ والا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے درخواست کی کہ مجھے اچھا کر دیجئے۔آپ نے اس کے جسم پر ہاتھ لگایا تو وہ بالکل اچھا ہو گیا اور وہ کوڑھ والا عام آدمی کی طرح چلنے پھرنے لگا اور بہت خوش ہوا۔

اس معجزے کا لوگوں پر بہت اثر ہوا۔اور اس کا کافی چرچا کیا گیا۔سامریہ اور گلیلی کے درمیان یروشلم کے راستے پر ایک گاؤں میں داخل ہوتے وقت آپؑ کو دس کوڑھی ملے اور انہوں نے آپؑ سے یہ درخواست کی کہ ہمارا کوڑھ دور کر دیجئے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان سب کا کوڑھ دور کر دیا اور وہ سب اچھے ہو گئے اورم انہوں نے روزمرہ زندگی میں عام آدمیوں کی طرح حصہ لینا شروع کر دیا اور ان کے عزیز و اقارب بھی بہت خوش ہوئے اور انہوں نے آپ کا شکریہ ادا کیا۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے مفلوجوں کو بھی اچھا کرنے کا معجزہ عطا کر رکھا تھا تا کہ عوام اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت کے قائل ہو کر آپ پر ایمان لے آئیں۔

ایک دفعہ کفرنحوم میں لوگ آپ کے پاس ایک مفلوج شخص کو چارپائی پر اٹھا کر لائے اور آپ سے انہوں نے عرض کی کہ آپؑ اس مفلوج شخص کو اچھا کر دیں، آپ کو اس مفلوج شخص پر ترس آیا اور آپؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہا ''میں تجھ سے کہتا ہوں اٹھ اور اپنا کھٹولا اٹھا کر گھر لے جا'' وہ شخص اس لمحے اٹھ کھڑا ہوا اور چارپائی اٹھا کر اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔

یہ معجزہ اس لحاظ سے بڑا اہم معلوم ہوتا ہے کہ مفلوج شخص کو آج تک اچھا کرنے کا کوئی علاج دریافت نہیں ہو سکا۔اور پیدائشی مفلوج شخص کا کوئی بھی حکیم یا ڈاکٹر علاج نہیں کر سکتا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد سے فوری طور پر اچھا کر دیا اور وہ اچھا ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔یہ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کرم نوازی کا ہی عطیہ ہے جو وہ خصوصی طور پر اپنے نیک بندوں اور پیغمبروں کو عطا فرماتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ بھی ایک نمایاں معجزہ تھا کہ آپ سوکھے ہوئے اعضائے جسم

کو اچھا کر دیا کرتے تھے جس کا واقعہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ایک دفعہ آپ نے کفرنحوم کے عبادت خانے میں ایک شخص کو دیکھا جس کا ایک ہاتھ بالکل سوکھ چکا تھا بالکل حرکت نہ کرتا اور نہ کسی کام میں ہی مددگار تھا آپ نے اس آدمی سے کہا ''اپنا ہاتھ بڑھا'' اس نے اپنا سوکھا ہوا ہاتھ آپؑ کی طرف بڑھایا تو اس شخص کا ہاتھ اچھا ہو گیا۔اور اس شخص نے اس ہاتھ کے ساتھ روزمرہ کا کام کرنا شروع کر دیا اس شخص نے آپ کا بہت شکر ادا کیا اور دعائیں دیں۔

آپ کا یہ بھی نمایاں معجزہ تھا کہ آپ تپ کے مریضوں کو بھی اچھا کر دیا کرتے تھے اس سلسلے میں ایک واقعہ قارئین کی نذر کیا جاتا ہے۔

ایک دفعہ آپ کفرنحوم میں مقیم تھے کہ وہاں آپ کے حواری پطرس کی بیوی تپ میں مبتلا تھی آپ نے اس کا ہاتھ چھوا اور کہا ''کھڑی ہو جا'' وہ عورت فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کا بخار اتر گیا اور وہ عورت بالکل ٹھیک ہو کر چلنے پھرنے لگی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تقریباً ہر بیماری کا شافی بنا کر بھیجا تھا۔اور لوگوں نے بھی آپؑ سے دنیاوی نقطہ نگاہ سے خوب فائدہ اٹھایا مگر مذہبی لحاظ سے یہودی بدنصیب ثابت ہوئے تو اسی قسم کا واقعہ پیش خدمت ہے۔کہ ایک عورت کافی عرصے سے جریان خون کی بیماری میں مبتلا تھی۔اور اس نے کافی علاج بھی کروایا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔تو ایک مرتبہ آپ کسی مقام کی طرف جا رہے تھے اور آپ کے ساتھ بہت سے لوگ بھی ہم سفر تھے اور وہی عورت جس کو تقریباً بارہ برس سے جریان خون کی بیماری تھی وہ آئی اور اس نے کو اس عقیدے سے آپؑ کا کنارہ چھوا کہ اس کا خون بند ہو جائے گا۔تو واقعی فوری طور پر وہ عورت تندرست ہو گئی اور اس کی جریان خون کی بیماری جاتی رہی۔عورت نے آپ کا بہت شکریہ ادا کیا۔تو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ہی کرشمہ تھا کہ جس قسم کی بیماری کا بھی فرد آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؑ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کے مرض کو دور کر دیا اور وہ شفا پا کر لوٹا اور یہ آپؑ کا اہم معجزہ تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے نبی ہونے کے لئے کئی واضح دلائل دیئے جن میں ایک جلندر کے مریض کا شفایاب ہونا بھی تھا جس کے بارے میں یوں بیان کیا جاتا ہے کہ:۔

ایک دفعہ یروشلم (بیت المقدس) میں آپ نے جلندر کے ایک مریض کو اپنے پاس بلا کر اس کے جسم پر اپنا ہاتھ پھیرا تو وہ شخص فوری طور پر صحت یاب ہو گیا اور جلندر کی بیماری جاتی رہی۔ایک نبی ہونے کے لئے اس قسم کے معجزات واضح سچائی کے دلائل ہیں جو خدا کی قدرت کے بغیر سرزد نہیں ہو سکتے۔

یروشلم میں بھیڑ دروازہ کے پاس ایک حوض ہے جو عبرانی زبان میں بیت حسدا کہلاتا ہے۔اور اس کے پانچ دروازے ہیں ان میں بہت سے بہرے، اندھے، لنگڑے اور پژمردہ لوگ پڑھے تھے اور وہ پانی کے ہلنے کے منتظر ہوتے تھے۔کیونکہ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ فرشتہ آ کر پانی کو ہلاتا ہے۔کیونکہ وقت پر خداوند کا فرشتہ حوض میں اتر کر پانی ہلایا کرتا تھا اور پانی ہلتے ہی جو کوئی پہلے حوض میں اتر جاتا سو وہ شفا پاتا تھا خواہ اس کی جونسی بھی بیماری کیوں نہ ہو۔مگر وہاں ایک شخص تھا جو کہ اڑتیس برس سے بیماری میں مبتلا تھا۔اس کو یسوع نے پڑے دیکھا اور یہ جان کر کہ وہ بڑی مدت سے اس حالت یں بیمار پڑا ہے۔اس شخص سے یسوع نے کہا تو تندرست ہونا چاہتا ہے۔اس بیمار نے جوابدیا۔اے خداوند میرے پاس کوئی آدمی نہیں۔کہ جب پانی ہلایا جائے تو مجھے حوض میں اتار دے بلکہ میرے پہنچنے سے پہلے دوسرا مجھ سے پہلے اتر جاتا ہے۔یسوع نے اس سے کہا ”اٹھ اور اپنی چارپائی اٹھا کر چل پھر“ وہ شخص فوراً تندرست ہوگیا اور اپنی چارپائی اٹھا کر چلنے پھرنے لگا۔یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نمایاں معجزہ تھا اس کا مقصد تو یہ تھا کہ مخلوق اس خرق عادت عمل کو دیکھ کر حیران ہوتے اور یہ یقین کر لیتے کہ یہ خداوند تعالیٰ کی حکمت کے بغیر ممکن نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور چونکہ قوم بڑی برکش اور نافرمان تھی اس لئے انہوں نے مختلف انداز سے یسوع سے جھگڑنے کے بہانے تلاش کرنے شروع کر لئے جن کی وضاحت درج ذیل میں کی جاتی ہے۔

وہ سبت کا دن تھا یہودی اس سے جس نے شفا پائی تھی کہنے لگے کہ آج سبت کا دن ہے تجھے چارپائی اٹھانا روا نہیں ہے مگر اس شخص نے جوابدیا کہ جس نے مجھے شفا دی ہے اس نے مجھے فرمایا کہ ”اپنی چارپائی اٹھا کر چل پھر“ یہودیوں نے دریافت کیا کہ وہ کون شخص تھا اصل میں وہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جانتا نہ تھا اور یسوع بھی وہاں سے فوراً نکل گئے تھے۔ان باتوں کے بعد یسوع اس شخص کو ہیکل میں ملا تو یسوع نے اس شص کو نصیحت کی کہ:۔”دیکھ تو تندرست ہوگیا ہے۔پھر گناہ نہ کرنا“

ایسا نہ ہو کہ تجھ پر اس سے بھی زیادہ آفت آئے۔اس شخص نے جا کر یہودیوں کو بتایا کہ وہ شخص جس نے مجھے تندرست کیا ہے وہ یسوع ہے۔اور یہودیوں نے یسوع کو ستانا شروع کیا کیونکہ یسوع سبت کے دن ایسے تمام کام کرتا تھا۔یسوع نے ان یہودیوں سے کہا کہ میرا باپ اب تک کام کرتا ہے اور میں بھی کام کرتا ہوں۔اس وجہ سے یہودی اور بھی زیادہ قتل کرنے کی کوشش کرنے لگے کہ وہ نہ فقط سبت کا حکم توڑتے بلکہ خدا کو خاص اپنا باپ کہہ کر اپنے آپ کو خدا

کے برابر بناتے تھے۔(فقرات ۱ تا ۱۹: یوحنا کی انجیل، صفحہ ۹ (ب ۱۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب چاہتے لوگوں سے نظر بچا کر نکل جاتے اور مجمع میں سے کسی کو خبر نہ ہوتی حالانکہ وہ سب کے سامنے سے جاتے تھے مگر ان کی شکل بدل جاتی تھی جو کہ خدائی امر تھا۔واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ایک دفعہ آپؑ ناصرہ کے عبادت خانے میں تبلیغ فرما رہے تھے کہ یہودی غصے سے بے قابو ہوگئے اور وہ آپ کو پہاڑی پر لے جانے لگے تا کہ اس پر سے گرا کر مار ڈالیں مگر آپ ان کے بیچ میں سے نکل کر چلے گئے۔

(۲) ایک دفعہ یروشلم کے اندر عبادت گاہ میں آپ کے وعظ پر یہودی آپے سے باہر ہوگئے۔اور انہوں نے آپ کو سنگسار کرنے کے لئے پتھر اٹھا لئے مگر آپ وہاں سے نکل گئے اور کسی کو نظر نہ آئے۔

(۳) ایک دفعہ یہودی آپ کو گھیرنے لگے مگر آپ کو بھی ان کی نیت کا علم ہوگیا تھا آپ چونکہ اکیلے تھے اور وہ یہودی تعداد میں زیادہ تھے لہٰذا آپ ان کے ہاتھ نہ آئے اور ان سے نظر بچا کر نکل گئے مگر ان کو بھی نظر نہ آئے۔

یہ ایسے سچے حقائق اور دلائل تھے کہ جن کی وجہ سے لوگ آپ کو نبی مانتے مگر یہودیوں کی ہٹ دھرمی اور سرکشی کا یہ عالم تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سنگسار کرنے پر تل آئے اور ان کو ان سے نظر بچا کر نکل جانا پڑا۔اس سے زیادہ کسی قوم کی کیا بدبختی ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر محض ان کی بھلائی کے لئے بھیجے مگر وہ بجائے ان سے فائدہ حاصل کرنے، رہنمائی حاصل کرنے کے ان کے قتل کے درپے ہوگئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بھی معجزہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا کہ وہ بہرے اشخاص کی قوت سماعت کو بحال کر دیتے تھے اور اس کا بھی اہم مقصد یہی تھا کہ لوگ ایسے حقائق پر غور کر کے آپؑ کو نبی منجانب اللہ تسلیم کر کے اطاعت کریں اس سلسلے میں ایک معجزے کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

جھیل گلیلی پر لوگ ایسے شخص کو آپؑ کے پاس لائے جو کہ پیدائشی طور پر سماعت سے محروم تھا اور بہرہ ہونے کے علاوہ وہ ہکلاتا بھی تھا۔آپؑ اس شخص کو الگ لے گئے اور اپنی انگلیاں اس کے کانوں میں ڈالیں، اس کی زبان کو بھی چھوا اور آسمان کی طرف دیکھ کر ایک آہ بھری پھر کہا:

"کھل جا" بہرے کی سماعت بحال ہوگئی اور ہکلانے کا عیب بھی جاتا رہا۔ جس بہرے کی قوت سماعت بحال ہوگئی اس نے آپؑ کا بہت شکریہ ادا کیا اور آپ کا بہت احترام کیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گونگے کی قوت گویائی کو بحال کرنے کے معجزے سے بھی نوازا تاکہ مخلوق آپؑ کو سچا نبی تسلیم کرلے۔ آپ کفرنحوم میں قیام کررہے تھے تو وہاں لوگ آپ کے پاس ایک گونگے آدمی کو پکڑ کر لائے جو بولنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ تو آپ نے اس پر عنایت کی نظر کی وہ فوراً ٹھیک ہوگیا۔ یعنی اس کی قوت بحال ہوگئی اور وہ شخص عام اشخاص کی طرح گفتگو کرنے لگا۔

ان تمام معجزات کے پیش کرنے سے قوم کو پختہ یقین ہوگیا تھا کہ وہ خدا کے برگزیدہ بندے اور نبی ہیں۔ حضرت مریم کی بھی بہت تعظیم کرتے لیکن بعض بدباطن لوگوں نے اپنے دل میں بدتخم بویا اور ایک ظالم بادشاہ کو ان کے خلاف بھڑکانا شروع کردیا۔ عرصہ دراز گزرنے کے ساتھ کئی تورات کے احکام منسوخ ہوچکے تھے مگر یہودی اس بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات کے احکام کو مٹانے میں اور کئی مشکل واحکاموں میں تخفیف بھی کی گئی تھی اور کئی ممنوع اور حرام باتوں کو درست بھی انہوں نے کردیا تھا۔ حتیٰ کہ یہود نے کہہ دیا کہ ہم ایک بے پدر طفل کے کہنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دین نہیں چھوڑ سکتے۔

رب قدوس کا ارشاد ہے:

"اور یہودیوں نے بھی (مسیح کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی اور (مسیح کو بچانے کے لئے) اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر (اور موثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔ یاد کرو جب فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے عیسیٰ! یقیناً میں پوری عمر تک پہنچاؤں گا تمہیں اور اٹھانے والا ہوں تمہیں اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تمہیں ان لوگوں (کی تہمتوں سے) جنہوں نے (تیرا) انکار کیا اور بنانے والا ہوں ان کی جنہوں نے تیری پیروی کی غالب کفر کرنے والوں پر قیامت تک۔ پھر میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تم نے پس (اس وقت) میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان (ان امور کا) جن میں تم اختاف کرتے رہتے تھے" (آل عمران: ۵۴۔۵۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"(ان پر پھٹکار کی) وجہ یہ تھی کہ انہوں نے توڑ دیا اپنے وعدے کو اور انہوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور انہوں نے قتل کیا انبیاء کو ناحق اور انہوں نے یہ (گستاخانہ) بات کہی کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں (یوں نہیں) بلکہ مہر لگادی اللہ نے ان کے دلوں پر بوجہ ان کے کفر کے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑی سی تعداد۔ اور ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بہتان عظیم باندھنے کے باعث اور ان کے اس قول سے کہ ہم نے قتل کردیا ہے مسیح عیسیٰ فرزند مریم کو جو اللہ کا رسول ہے حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ اسے سولی چڑھا سکے بلکہ مشتبہ ہوگئی ان کے لئے (حقیقت) اور یقیناً جنہوں نے اختلاف کیا ان کے بارے میں وہ بھی شک وشبہ میں ہیں ان کے متعلق۔ نہیں ان کے پاس اس امر کا کوئی صحیح علم بجز اس کے کہ وہ پیروی کرتے ہیں گمان کی اور نہیں قتل کیا انہوں نے اسے یقیناً بلکہ اٹھالیا ہے اسے اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔ اور کوئی ایسا نہیں ہوگا اہل کتاب سے مگر وہ ضرور ایمان لائے گا مسیح پر ان کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن وہ ہوں گے ان پر گواہ" (النساء: ۱۵۵۔۱۵۹)

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ اس نے عیسیٰ علیہ السلام پر نیند کے ذریعے ایک عارضی موت طاری کی اور پھر اسے یقینی طور پر اٹھالیا اور یہ حقیقت ہے جس میں کوئی التباس نہیں اللہ تعالیٰ نے یوں اپنے نبی کو یہودیوں کی آزار سانیوں سے بچالیا جنہوں نے رومی بادشاہ کی عدالت میں یہ دعویٰ دائر کیا تھا اور چغلی لگائی تھی۔ یہ بادشاہ کافر تھا۔

حسن بصری اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں اس بادشاہ کا نام داؤد بن نورا تھا۔ بادشاہ نے حکم صادر کردیا کہ مسیح کو قتل کردیا جائے اور سولی پر لٹکتا چھوڑ دیا جائے۔ یہ فیصلہ سن کر یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کا محاصرہ کرلیا جو بیت المقدس میں ایک گھر میں تشریف فرما تھے۔ یہ جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب تھی۔ جب یہودیوں کے اندر داخل ہونے کی گھڑی آئی تو اللہ تعالیٰ نے وہاں پر موجود لوگوں میں سے کسی ایک کی شکل حضرت مسیح علیہ السلام جیسی بنادی اور مسیح علیہ السلام روزن سے نکل کر آسمان پر تشریف لے گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا آسمان کی طرف تشریف لے جانے کو اس گھر کے باسی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ سپاہی گھر میں داخل ہوئے اور اس جوان کو پکڑ لیا جس کی شکل مسیح علیہ السلام جیسی بنادی گئی تھی۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہی مسیح ہیں۔ پس انہوں نے مسیح علیہ السلام کے بدلے اسی کو تختہ دار پر لٹکا کر قتل کردیا۔ اور اسے مزید ذلیل

کرنے کے لئے کانٹوں کا ایک تاج اس کے سر پر رکھدیا۔ یہودیوں کی باتوں میں آ کر ان نصرانیوں نے بھی اس بات کو تسلیم کرلیا جنھوں نے رفع آسمانی کا معجزہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ اسی وجہ سے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گئے اور اکثر ان میں سے راہ راست کو چھوڑ بیٹھے۔

اللہ کا ارشاد ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو اس وقت تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

آپ آخری زمانہ میں قیامت کے برپا ہونے سے تھوڑا عرصہ پہلے دوبارہ تشریف لائیں گے۔ دجال کو قتل کریں گے۔ خنزیر کو ماریں گے اور صلیب کوتوڑ دیں گے۔ ان کے دور میں جذیہ کا حکم ساقط ہو جائے گا اور کافروں سے صرف اسلام پر صلح ہوگی۔ جس طرح کہ ہم نے اس سورۂ پاک کی اس آیت کے ضمن میں اپنی تفسیر میں تفصیلی گفتگو کی ہے کہ کیسے آپ کا نزول ہوگا اور کیسے دجال لعین کو قتل کریں گے۔ اس کتاب میں حضرت مہدی موعود کا تذکرہ بھی ہے۔ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ مل کر جھوٹے دجال سے جہاد کریں گے جو گمراہی کی طرف لوگوں کو بلا رہا ہوگا۔ ذیل میں آثار کی روشنی میں حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بارے بات کی جاتی ہے۔

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن سنان نے، ہم سے ابو معاویہ نے بیان کیا۔ انہوں نے منہال بن عمرو سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے پاس باہر تشریف لے ئے۔ جس گھر میں آپ تشریف لے گئے اس میں بارہ آدمی تھے جن میں کچھ حواری تھے۔ یعنی آپ ایک چشمے سے نہا کر باہر تشریف لائے اور ان لوگوں کے پاس گھر میں داخل ہوئے۔ آپ علیہ السلام کے سرس ے پانی کے قطرے گر رہے تھے۔ آپ علیہ السلامنے فرمایا: تم بارہ میں سے کچھ ایسے ہیں جو مجھ پر ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کریں گے۔ پھر آپ علیہ السلام ان سے مخاطب ہوئے اور پوچھا: تم میں سے کس شخص کو میرے ہم شکل بنا دیا جائے تا کہ وہ میری جگہ صلیب پائے اور قتل ہو۔ ایسا شخص جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔ ایک نوجوان اٹھا اور عرض کی: میں یہ مصیبت اٹھانا چاہتا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ۔ پھر آپ علیہ السلام نے بات دہرائی پھر وہی نوجوان اٹھا اور کہا میں اس خدمت کے لئے تیار ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے تم وہی شخص ہو

اس شخص کو مسیح علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا اور عیسیٰ علیہ السلام اسی گھر کے روزن سے نکل کر آسمان پر تشریف لے گئے۔

راوی فرماتے ہیں کہ یہودی آپ کو تلاش کرتے ہوئے یہاں آ پہنچے انہوں نے مسیح علیہ السلام کے ہم شکل اس نوجوان کو پکڑ لیا اور اسے قتل کر کے صلیب پر لٹکا دیا۔ بارہ میں سے کچھ لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کا راستہ اختیار کیا اور اس طرح مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والے تین فرقوں میں بٹ گئے۔ ایک فرقہ کہنے لگا عیسیٰ علیہ السلام خدا تھے۔ خدا ہمارے درمیان اس وقت تک رہا جب تک چاہا اور جب چاہا واپس چلا گیا یہ فرقہ یعقوبی تھا۔ ایک گروہ نے کہا نہیں وہ خدا کے بیٹے تھے جب تک چاہا دنیا میں رہا اور جب خدا نے چاہا اپنے بیٹے کو واپس بلا لیا یہ فرقہ نسطوری تھا۔ تیسرے گروہ نے کہا کہ نہ عیسیٰ علیہ السلام خدا ہے اور نہ خدا کا بیٹا بلکہ وہ اللہ کا بندہ اور رسول ہے یہ ذی شان رسول ایک عرصہ تک ہم میں قیام پذیر رہا اور جب اللہ تعالیٰ نے چاہا اسے آسمان پر زندہ اٹھالیا۔ یہ آخری گروہ مسلمانوں کا تھا۔ کافر فرقے مسلمانوں پر غالب آ گئے اور انہیں قتل کر دیا۔ اسلام لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہا یہاں تک کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس کی تائید کرتا ہے۔

"پھر ہم نے مدد کی جو ایمان لائے دشمنوں کے مقابلے میں بالآخر وہی غالب رہے"

(الصف:۱۴)

اس حدیث کی حضرت ابن عباس کی طرف نسبت صحیح ہے اور یہ مسلم شرط کے مطابق ہے۔ اسے نسائی نے ابو کریب سے، انہوں نے حضرت ابو معاویہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اسے ابن جریر نے مسلم بن جنادہ سے اور انہوں نے ابو معاویہ سے روایت کیا ہے کئی اسلاف نے بھی اس واقعہ کو اسی طرح ذکر کیا ہے۔ اور جن لوگوں نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے ان میں ایک محمد بن اسحاق بن یسار بھی ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ ان کی موت کو مؤخر کیا جائے یعنی اس وقت تک کہ سلسلہ رسالت حد کمال تک پہنچے اور دعوت کی تکمیل ہو جائے اور کافی لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاس بارہ حواری تھے جن کے نام یہ ہیں۔ پطرس، یعقوب بن زبدی، یعقوب کا بھائی یوحنا، اندریاس، فیلبوس، برتلمائی، متی، توما، یعقوب بن حلفائی، تدائی، شمعون قانونی اور یہودہ اسخر یوطی (واللہ اعلم) (مرقس ۳:۱۶تا۱۹)

اور یہودہ ہی وہ شخص ہے جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو پکڑوایا اور یہودیوں کو یہاں تک لے آیا۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ ان بارہ میں سے ایک شخص ایسا بھی تھا جس کا نام سرجس تھا اور اس کو مسیح علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا گیا تھا۔نصاریٰ نے کوشش کی کہ یہودیوں کی نظروں سے یہ بچارہے لیکن وہ نہ بچ سکا اور مسیح علیہ السلام کی جگہا سے کاٹھ پر لٹکا دیا گیا۔بعض عیسائیوں کا گمان ہے کہ مسیح علیہ السلام کی جگہ جس کو پھانسی دی گئی اس کا نام یہودہ اسخر یوطی ہے۔اور یہی مسیح علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا گیا تھا۔(واللہ اعلم)

ضحاک ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے شمعون کو مقرر فرمایا تھا لیکن یہودیوں کے ہاتھوں قتل یہودہ ہوگیا کیونکہ یہی مسیح علیہ السلام کے ہم شکل بن گیا تھا۔

احمد بن مروان فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن الجہم نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے فراء کو ومکروا و مکر اللہ واللہ خیر الماکرین کی تفسیر میں یہ فرماتے سنا کہ عیسیٰ علیہ السلام عرصہ تک اپنی خالہ کو ملنے نہ گئے۔ایک دن جب وہ ان کو ملنے کے لئے ان کے گھر گئے تو راس الجالوت یہودی اٹھ کھڑا ہوا اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو گھر میں بند کردیا۔لوگ کفای مقدار میں وہاں اکٹھے ہوگئے حتیٰ کہ اس جم غفیر سے دروازہ توڑ دیا۔راس جالوت یہودی عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لئے اندر داخل ہوا۔اللہ تعالیٰ نے اسے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اندھا کردیا۔وہ باہر نکلا اور کہنے لگا میں نے اندر دیکھ لیا۔یہاں عیسیٰ نہیں ہے۔اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔لوگ کہنے لگے تو ہی عیسیٰ ہے کیونکہ اللہ نے اسے عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا۔لوگوں نے اسے پکڑ کر قتل کردیا اور پھانسی پر لٹکا دیا۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ابن جریر فرماتے ہیں کہ ہم سے ابن حمید نے ہم سے یعقوب قمی نے بیان کیا۔انہوں نے ہارون ابن عنترہ سے، انہوں نے وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے۔فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے سترہ حواریوں کے ساتھ ایک گھر میں تشریف لائے۔یہودیوں نے ان کا محاصرہ کرلیا۔جب یہ محاصرین اس گھر میں داخل ہوئے جس میں عیسیٰ علیہ السلام اور حواری موجود تھے تو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کو عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا ہے۔محاصرین کہنے لگے تم نے ہم پر جادو کردیا ہے۔یا تو بتادو کہ تم میں سے عیسیٰ کون ہے یا پھر ہم تمام کو قتل کردیں گے۔عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا: کون ہے جو آج جنت کے بدلے اپنے آپ کو فروخت کرتا ہے؟ ایک شخص نے کہا: میں فروخت کرتا ہوں۔یہ کہہ کر وہ شخص محاصرین کے پاس باہر چلا گیا اور

کہا میں عیسیٰ ہوں۔اللہ تعالیٰ نے اسے عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا۔بلوائیوں نے اسے پکڑ کر قتل کردیا اور سولی پر لٹکا کر یہ سمجھنے لگے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو کاٹھ پر لٹکا دیا ہے نصاریٰ بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے۔اللہ تعالیٰ نے اسی دن عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا۔

ابن جریر نے کہا ہے اور ہم سے المثنی نے، ہم سے اسحاق نے ہم سے اسماعیل بن عبدالکریم نے بیان کیا۔مجھ سے عبدالصمد بن معقل نے بیان کیا کہ انہوں نے وہب کو یہ فرماتے سنا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ آپ دنیا سے جانے والے ہیں تو وہ موت کے خوف سے بہت روئے اور یہ بات ان پر بہت شاق گزری۔آپ علیہ السلام نے حواریوں کو بلایا اور ان کے لئے کھانے کا اہتمام فرمایا۔آپ نے فرمایا کہ آج رات میرے پاس آنا مجھے تم سے ایک کام ہے۔جب رات کے وقت یہ لوگ آگئے تو آپ علیہ السلام نے انہیں رات کا کھانا پیش کیا اور خود ان کی خدمت کی۔جب یہ لوگ کھانا کھا چکے تو آپ علیہ السلام ان کے ہاتھ دھلانے لگے اور اپنے ہاتھ سے انہیں وضو کرانے لگے۔پھر خود ان کے ہاتھوں کو اپنے کپڑے سے پونچھا۔یہ دیکھ کر انہیں بہت تعجب ہوا اور عیسیٰ علیہ السلام سے خدمت لینے کو ناپسند کیا۔آج رات جو کچھ میں کررہا ہوں اگر کسی نے اس میں سے کچھ بھی مجھ پر لوٹایا تو نہ وہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں۔انہوں نے سر اطاعت جھکالیا۔جب عیسیٰ علیہ السلام ان کی خدمت سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: آج رات میں نے جو کچھ کیا تمہارے سامنے کھانا رکھا اور تمہارے ہاتھ دھلوائے تو یہ اس لئے کہ تمہارے لئے یہ نمونہ بن جائے۔تم دیکھ رہے ہو میں تم سب سے بہتر ہوں۔اس لئے ایک دوسرے سے بڑا ہونے کی کوشش نہ کرنا اور ایک دوسرے کے لئے ایثار کا مظاہرہ کرنا جس طرح میں نے تمہارے لئے ایثار کا اظہار کیا ہے۔تمہاری مدد کرنے سے مطلوب یہ ہے کہ تم میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور خوب فریاد کرو کہ اللہ تعالیٰ میری موت کو مؤخر کردے۔

جب یہ لوگ دعا میں مشغول ہوئے اور ارادہ کیا کہ دعاء میں خوب محنت کریں تو انہیں نیند نے آلیا اور وہ دعا نہ کرسکے۔عیسیٰ علیہ السلام انہیں بیدار کرنے لگے اور فرمانے لگے۔سبحان اللہ! کیا تم صرف ایک رات صبر کرکے میری مدد نہیں کرسکتے؟ حواری کہنے لگے۔بخدا ہم نہیں جانتے کہ یہ ہمارے ساتھ کیوں ہورہا ہے۔بخدا ہم رات کو دیر تک جاگتے رہتے تھے لیکن آج رات تو ہم سے نہیں جاگا جارہا۔ہم جب بھی دعا کرتے ہیں تو ہمارے اور ہماری دعا کے درمیان نیند حائل ہوجاتی ہے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: چرواہے کو لے جایا جائے گا اور بھیڑیں منتشر ہو

جائیں گی۔ اور آپ اسی طرح کی اور باتیں کرتے رہے اور اپنے چلے جانے کی خبر دیتے رہے۔

پھر فرمایا: یہ بات سچ ہے کہ تم میں سے ایک شخص مرغ کی اذان سے قبل تین بار میرا انکار کرے گا اور تم میں سے ایک شخص تھوڑی سی رقم کے عوض مجھے۔ بیچ دے گا کہ میری قیمت لے کر کھالے۔

حواری وہاں سے باہر نکلے اور بکھر گئے۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تلاش کر رہے تھے۔ انہوں نے حواریوں میں سے ایک شمعون نامی شخص کو پکڑ لیا اور کہا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے ہے شمعون گیا اور کہا کہ میں مسیح کا ساتھی نہیں ہوں سو یہودیوں نے شمعون کو جانے دیا۔ پھر اسے چند اور یہودیوں نے پکڑ لیا لیکن یہاں بھی اس نے مسیح علیہ السلام کا ساتھی ہونے سے انکار کر دیا۔ اسی دوران مرغ نے اذان دی اور شمعون زارو قطار رویا اور بہت غمگین ہوا۔

جب صبح ہوئی تو حواریوں میں سے ایک شخص یہودیوں کے پاس آیا اور کہا اگر میں تمہیں مسیح علیہ السلام تک لے جاؤں تو تم مجھے کیا دو گے انہوں نے کہا تیس درہم۔ اس نے رقم لے لی اور انہیں بتایا کہ مسیح علیہ السلام کہاں ہیں۔ مگر اس سے پہلے کہ مسیح علیہ السلام گرفتار ہوتے وہ خود مسیح علیہ السلام کے ہم شکل بن گیا۔ یہودیوں نے اسے پکڑ لیا اور یقین کر لیا کہ یہی مسیح ہے۔ پھر اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور لے کر چلے گئے۔ وہ ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے۔ تو جو مردوں کو زندہ کر دیتا تھا۔ شیطانوں کو نکال دیتا تھا، پاگلوں کو شفا دیتا تھا۔ اب اپنے آپ کو اس رسی سے کیوں نہیں چھڑا سکتا؟ وہ اس کے منہ پر تھوکتے تھے اور اس پر کانٹے پھینکتے تھے۔ حتیٰ کہ اسے لے کر کاٹھ تک لے آئے جہاں اسے مصلوب کرنا تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو تو زندہ اٹھا لیا اور ان کا ہم شکل شخص سولی چڑھ گیا اور اس کی لاش سات دن تک لٹکتی رہی۔

پھر مسیح علیہ السلام کی والدہ ماجدہ اور وہ عورت جس کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دوائی تجویز کی تھی اور وہ پاگل پن سے صحت یاب ہوئی تھی دونوں روتی ہوئی آئیں اور جہاں مصلوب کی لاش لٹک رہی تھی وہاں پہنچ گئیں۔ اسی دوران ان کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور ارشاد فرمایا تم کیوں روتی ہو؟ انہوں نے کہا ہم تیری وجہ سے رو رہی ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی طرف اٹھا لیا ہے اور مجھے سوائے بھلائی کے اور کوئی چیز نہیں پہنچی۔ اسی چیز سے وہ لوگ شبہ میں پڑ گئے پس تم ان حواریوں سے کہو کہ مجھے فلاں جگہ لے جائیں۔ حواری عیسیٰ علیہ السلام کو مطلوبہ جگہ پر لے گئے۔ ان کی تعداد گیارہ رہ گئی تھی۔ اور جس نے عیسیٰ علیہ السلام کا سودا کیا تھا اور یہودیوں کی رہنمائی کی تھی وہ موجود نہیں تھا۔ آپ نے حواریوں

سے پوچھا کہ بارہواں حواری کہاں ہے تو انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے کیے پر نادم ہوا اور گردن میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لی۔ آپ نے فرمایا: اگر وہ توبہ کر لیتا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا۔ پھر آپ نے اس بچے کے بارے میں پوچھا جو ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا اور جسے یحییٰ کہتے تھے۔ آپ نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اب چلے جاؤ۔ تم میں سے ہر ایک شخص ایک قوم کی زبان بولنے لگے گا پس تم انہیں ڈراؤ اور انہیں تقویت دو یہ واقعہ بہت عجیب و غریب ہے۔ نصاریٰ کے نزدیک یہی صحیح ہے کہ مسیح علیہ السلام مریم کے پاس آئے وہ بیٹھی رو رہی تھی آپ نے اسے اپنے جسم کے زخم دکھائے اور بتایا کہ میرا جسم تو سولی پا گیا ہے لیکن روح اٹھا لی گئی ہے۔

یہ محض دھوکہ، جھوٹ، تحریف اور تغیر و تبدل ہے۔ یہ وہ زیادتی ہے جو ان لوگوں نے اپنی طرف سے انجیل میں الحاق کر دی ہے۔ یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے اور اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

حافظ ابن عساکر، یحییٰ بن حبیب کے دو طریقوں سے جو حدیث انہیں پہنچی ہے یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مریم نے بادشاہ کے گھر سے جا کر پوچھا کہ کیا وہ مصلوب کے جسم کو اتار لے۔ کیونکہ سولی کو سات دن گزر چکے تھے اور مریم سمجھ رہی تھی کہ مصلوب ان کا بیٹا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں بادشاہ نے اجازت دے دی اور انہیں وہاں ایک قبر میں دفن کر دیا گیا۔ حضرت مریم نے یحییٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سے کہا کہ کیا آپ میرے ساتھ آئیں گی کہ ہم مسیح علیہ السلام کی قبر کی زیارت کر آئیں۔ دونوں چل دیں جب وہ قبر کے قریب پہنچیں تو مریم نے ام یحییٰ سے کہا کیا تو پردہ نہیں کرے گی؟ ام یحییٰ نے کہا پردہ کس سے کروں؟ مریم نے فرمایا اس شخص سے جو قبر کے نزدیک ہے۔ ام یحییٰ نے جواب دیا مجھے تو کوئی آدمی دکھائی نہیں دے رہا۔ مریم سمجھ گئیں کہ یہ جبریل امین ہیں۔ مریم کا جبریل سے ملے ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ مریم نے فرمایا کہ ام یحییٰ تم یہاں ٹھہرو۔ اور خود قبر کی طرف تشریف لے گئیں۔ جب قبر کے نزدیک پہنچیں تو جبریل ان سے مخاطب ہوا۔ حضرت مریم پہچان گئیں۔ جبریل نے کہا: اے مریم! کہاں جا رہی ہو؟ آپ نے فرمایا حضرت مسیح علیہا السلام کی قبر کی زیارت کرنے اور سلام کرنے جا رہی ہوں تا کہ ان سے نیا عہد باندھ سکوں۔ جبریل نے کہا اے مریم! یہ مصلوب حضرت مسیح علیہ السلام نہیں ہے۔ مسیح علیہ السلام کو تو اللہ تعالیٰ نے اٹھا لیا ہے اور کافروں کے مکر و فریب سے انہیں پاک فرما دیا ہے۔ یہ جوان تو مسیح علیہ السلام کا ہم شکل تھا اور اسی وجہ سے مسیح علیہ السلام کی جگہ صلیب پر لٹک گیا اور اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے گھر والے اسے نہ پا کر تلاش کر رہے ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ پھانسی چڑھ گیا ہے۔ اسی

لئے وہ رو رہے ہیں۔فلاں دن تشریف لانا۔فلاں جنگل میں آپ کی ملاقات حضرت مسیح علیہ السلام سے ہوجائے گی۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت مریم جبریل سے گفتگو کر کے واپس ام یحییٰ کے پاس آ گئیں اور انہیں بتایا کہ جبریل امین تشریف فرما تھے اور انہوں نے مجھ سے یہ باتیں کی ہیں۔جب مقررہ دن آیا تو حضرت مریم تشریف لے گئیں جنگل میں حضرت مسیح علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی۔جب حضرت مسیح علیہ السلام کی نظر پڑی تو اپنی والدہ ماجدہ کی طرف دوڑے چلے آئے اور فرط محبت سے ان سے لپٹ گئے۔ان کے سر مبارک کو بوسا دیا اور ان کے لئے دعا کرنے لگے جیسا کہ وہ پہلے دعا کیا کرتے تھے۔حضرت مسیح علیہ السلام اپنی والدہ سے مخاطب ہوئے اے امی جان! یہودیوں نے مجھے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اٹھالیا ہے اور باذن خداوندی اب میں صرف آپ کی ملاقات کے لئے آیا ہوں۔عنقریب آپ اس دنیا سے رحلت فرما جائیں گی۔صبر سے کام لیجئے اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتے رہیے۔یہ کہہ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلند ہوئے۔آپ کی یہی پہلی اور آخری ملاقات تھی۔پھر رحلت تک حضرت مریم کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔

راوی کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت مریم عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پانچ سال زندہ رہیں اور پھر آپ کی رحلت ہوئی۔جس وقت آپ کا انتقال ہوا تو عمر مبارک ترپن سال تھی۔رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حسن بصری فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام جس دن اٹھائے گئے اس دن آپ کی عمر چونتیس سال تھی۔حدیث پاک ہے کہ ”جنتی جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کی موچھ داڑھی نہیں ہوگی آنکھیں سرگیں ہوں گی اور ان کی عمر تینتیس سال کی ہوگی“ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ”(اھل جنت) عیسیٰ علیہ السلام حضرت حسن اور حضرت یوسف کے یوم پیدائش کو (جنت میں داخل ہوں گے) حماد بن سلمہ علی بن یزید سے اور وہ سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: عیسیٰ علیہ السلام کو جب اٹھایا گیا تو آپ کی عمر مبارک تینتیس سال تھی۔

حافظ ابن عساکر فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عمر کو نہیں پہنچے۔اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے اپنی امت میں اتنا عرصہ قیام فرمایا: جس طرح کہ سفیان بن عیینہ، عمرو بن دینار سے اور وہ یحییٰ بن جعدہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عیسیٰ ابن مریم بنی اسرائیل میں چالیس

سال رہے“ یہ حدیث منقطع ہے۔

جریر اور ثوری، اعمش سے، وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں چالیس سال تک رہے۔

حضرت امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بائیسویں رمضان المبارک کی رات کو اٹھائے گئے اور بائیسویں ہی کی رات کو نیزے سے زخمی ہونے کے پانچ دن بعد آپ کا وصال ہوا۔

ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو جب اٹھایا گیا تو ایک بادل نمودار ہوا وہ آپ کے بالکل قریب آ گیا حتی کہ آپ اس بادل پر بیٹھ گئے۔حضرت مریم وہاں تشریف لے آئیں آپ نے انہیں رخصت کیا اور جدائی میں بہت روئیں۔پھر مسیح علیہ السلام بلند ہوئے اور وہ دیکھتی رہیں۔عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا عمامہ مبارک شمعون پر گرا دیا۔حضرت مریم ہاتھ ہلا کر اشارے سے انہیں الوداع کہتی رہیں حتی کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے حضرت مریم اپنے بیٹے سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھیں کیونکہ شفقت پدری بھی آپ کے دل میں انڈیل دی گئی تھی کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کا والد نہیں تھا۔حضرت مریم سفر وحضر میں اپنے بیٹے کے ساتھ رہتی تھی۔گویا وہ اس شعر کی مصداق تھیں۔

وكنت ارى كالموت من بين ساعة
فكيف ببين كان موعده الحشر

مجھے ایک پل کی جدائی بھی موت کھائی دیتی ہے۔
پھر وہ جدائی (کس قدر روح فرسا ہے) کہ وصال کا وعدہ حشر کا دن ٹھہرے۔

اسحاق بن بشر، مجاہد بن جبیر سے روایت کرتے ہوئے ذکر کرتے ہیں کہ جب یہودیوں نے مسیح علیہ السلام کے ہم مشکل شخص کو سولی دے دی جسے وہ مسیح سمجھ رہے تھے اور کئی نصرانی بھی جہالت کی وجہ سے اسے مسیح خیال کر رہے تھے تو اب مسیح علیہ السلام کے ساتھیوں پر ظلم وستم شروع ہوا۔انہیں مارا پیٹا گیا۔انہیں حبس بے جا میں رکھا گیا۔یہ بات دمشق کے رومی حکمران کے پاس پہنچی کہ یہودی ایک ایسے شخص کے ساتھیوں پر ظلم کر رہے ہیں جو اللہ کا رسول تھا۔مردوں کو زندہ کرتا تھا۔اندھوں کو بینا، کوڑھیوں کو تندرست کرتا تھا اور اس کے ہاتھ پر طرح طرح کے معجزے صادر ہوتے تھے رومی حکمران نے انہیں بلا بھیجا۔جو لوگ بادشاہ کے پاس گئے ان میں یحییٰ بن زکریا، اور

شمعون کے علاوہ اور کئی لوگ تھے بادشاہ نے مسیح علیہ السلام کے بارے دریافت کیا انہوں نے بتایا کہ عیسیٰ علیہا السلام صاحب معجزات نبی تھے حضرت مسیح علیہا السلام کے بارے معلومات حاصل کر کے بادشاہ نے ان کے دین کو قبول کر لیا جس کی وجہ سے یہودیوں کے مظالم کا سلسلہ بند ہو گیا اور نصرانی عزت وتکریم سے رہنے لگے۔بادشاہ نے آدمی بھیج کر اس صلیب کو منگوالیا جس پر حضرت مسیح علیہ السلام کو پھانسی دی گئی تھی۔بادشاہ نے آدمی بھیج کر اس صلیب کو منگوالیا جس پر حضرت مسیح علیہ السلام کو پھانسی دی گئی تھی۔بادشاہ نے صلیب کی اس لکڑی کی بڑی تعظیم کی۔اسی وجہ سے نصاریٰ اس کی تعظیم کرتے ہیں اور یہاں سے یہ دین روم میں داخل ہوا۔لیکن کئی وجوہات کی بناء پر یہ قصہ محل نظر ہے۔

(۱) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا اللہ کے نبی ہیں جو اس بات کا قطعاً اقرار نہیں کر سکتے کہ عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہوئے۔ایک نبی معصوم ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ حق کس طرف ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام پانچ سو سال بعد روم نصرانیت میں داخل ہوئے۔یہ قسطنطین بن قسطن کا ہے جس نے اپنے نام پر ایک شہر بسایا تھا جسے اسی مناسبت سے قسطنطنیہ کہتے ہیں۔عنقریب اس کا تذکرہ آئے گا۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے جب اس شخص کو پھانسی دی گئی اور اسے کاٹھ کی اس لکڑی کے ساتھ وہیں پھینک دیا گیا تو لوگ ایک عرصے تک اس جگہ کوڑا کرکٹ نجاست، جانوروں کی مردہ لاشیں اور دوسری گندگی پھینکتے رہے۔یہ سلسلہ قسطنطین مذکور کے دور تک جاری رہا۔پھر بادشاہ کی ماں ہیلانہ حرانیہ فندقانیہ کے حکم سے اس لاش کو وہاں سے نکالا گیا اور گمان یہ کیا گیا کہ یہ مسیح علیہ السلام کی لاش ہے۔ان لوگوں نے اس لکڑی کو بھی پالیا جس پر حضرت مسیح علیہ السلام کو پھانسی دی گئی۔کہتے ہیں کہ جو بھی مصیبت زدہ اس لکڑی کو چھوتا تھا تندرست ہو جاتا تھا۔اللہ جانتا ہے کہ حقیقت کیا ہے۔اور ہو سکتا ہے کہ لوگ اس لکڑی سے شفا پاتے ہوں کیونکہ جس شخص نے حضرت مسیح علیہ السلام کی جگہ پھانسی پائی تھی وہ ایک نیک آدمی تھا۔اور ممکن ہے یہ نصرانیوں کے لئے امتحان اور

آزمائش ہو۔بہر حال یہ لکڑی اس دن سے انکے نزدیک معزز ٹھہری اور انہوں نے اسے سونے اور موتیوں سے جڑ دیا۔اسی وجہ سے اب صلیب بنائی جاتی ہے اور اس کی شکل کو بابرکت سمجھا جاتا ہے۔بادشاہ کی ماں ہیلانہ نے حکم دیا کہ جس جگہ مسیح علیہا السلام کو صلیب دی گئی اس جگہ کو کوڑا کرکٹ سے صاف کیا جائے کیونکہ وہ مقدس جگہ ہے۔سو اس کے حکم سے یہ جگہ صاف ہوئی۔اور اس کی جگہ ایک بڑا کلیسا تعمیر کرایا گیا جسے خوب مزین کیا گیا۔اسی گرجا گھر کو آج القمامہ کہا جاتا ہے کیونکہ یہ قمامہ (کوڑا کرکٹ) کی جگہ تعمیر ہوا ہے۔یہ گرجا گھر بیت المقدس میں بہت شہرت رکھتا ہے اور اسی کو لوگ قیامت کا نام بھی دیتے ہیں کیونکہ عیسائیوں کے نزدیک اسی جگہ سے مسیح علیہ السلام کا جسد خاکی دوبارہ زندہ ہو کر آسمانوں پر گیا تھا۔پھر ہیلانہ نے حکم دیا کہ کوڑا کرکٹ اور دوسری گندی چیزیں اس چٹان پر پھینکی جائیں جو یہودیوں کا قبلہ تھا۔گندگی پھینکنے کا سلسلہ جاری رہا حتی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کو فتح کیا۔حضرت عمر نے خود اپنی چادر سے اس کوڑے کرکٹ کو اٹھایا۔اس جگہ کو صاف کیا اور اس سے پیچھے نہیں بلکہ آگے جہاں حضور ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی ایک مسجد تعمیر فرمائی۔یہ وہی جگہ ہے جہاں اسراء کی رات حضور ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت کروائی۔اسی کو مسجد اقصیٰ کہا جاتا ہے۔

آپ کا ذکر قرآن پاک میں

نمبر	پارہ	سورہ	رکوع
(۱)	پارہ ۱	سورہ بقرہ	رکوع ۱۱_۱۶
(۲)	پارہ ۳	سورہ بقرہ	رکوع ۳۳
(۳)	پارہ ۳	سورہ آل عمران	رکوع ۵
(۴)	پارہ ۶	سورہ نساء	رکوع ۲۲_۲۳_۲۴
(۵)	پارہ ۶_۷	سورہ مائدہ	رکوع ۳_۷_۱۰_۱۱_۱۵_۱۶

(۶)	پارہ ۱۰	سورہ توبہ	رکوع ۵
(۷)	پارہ ۱۶	سورہ مریم	رکوع ۶
(۸)	پارہ ۱۷	سورہ انبیاء	رکوع ۶
(۹)	پارہ ۱۸	سورہ مؤمنون	رکوع ۳
(۱۰)	پارہ ۲۱	سورہ احزاب	رکوع ۱
(۱۱)	پارہ ۲۲	سورہ یٰسین	رکوع ۲
(۱۲)	پارہ ۲۵	سورہ زخرف	رکوع ۶
(۱۳)	پارہ ۲۷	سورہ حدید	رکوع ۴
(۱۴)	پارہ ۲۷	سورہ القف	رکوع ۱۔۲

کتابیات

سیرۃ النبیؐ:

۱ امتاع الاسماع تالیف تقی احمد المقریزی (متوفی ۱۴۴۲ء) مطبوعہ مصر (۱۹۴۱ھ)

۲ انساب الاشراف تالیف احمد بن یحیٰ البلاذری (م: ۸۹۲ء) مطبوعہ مصر (۱۹۵۹ء)

۳ البدایہ والنہایہ تالیف ابوا لغداد اسماعیل بن عمر الدمشقی المعروف بہ ابن کثیر (م: ۷۷۴ھ) مطبوعہ مصر ۱۹۳۴ھ۔

۴ الروض الانف تالیف ابو القاسم عبدالرحمٰن ابن عبداللہ الخثعمی السہیلی (م: ۵۸۱ھ) مطبوعمہ مصر ۱۹۱۴ء۔

۵ السیرۃ النبویہ تالیف ابن اسحاق (م ۲۱۳ھ) مطبوعہ مصر ۱۹۵۵ھ۔

۶ السیرۃ الحلبیہ تالیف امام علی بن برہان الدین الحلبی الشافی (م: ۱۰۴۴ھ) مطبوعہ استنبول ۱۳۲۰ھ۔

۷ السیرۃ المحمدیہ والطریقتہ الاحمدیہ تالیف محمد کرامت علی دہلوی الموسوی بن محمد حیات قادری۔

۸ الشفاء تبعریف حقوق المصطفیٰ تالیف قاضی عیاض بن موسیٰ (م: ۵۴۴ھ) مطبوعہ استنبول ۱۳۲۵ھ۔

۹ الطبقات الکبیر تالیف محمد ابن سعد (م: ۸۴۵ء) مطبوعہ ہالینڈ (۱۲۔۵۔۱۹ء)۔

۱۰ تاریخ الکامل تالیف امام ابو الحسن علی ابن الاثیر الجزری (م: ۶۳۰ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۴۹ھ۔

۱۱ تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیروالا علام تالیف حافظ شمس الدین محمد بن عثمان

الذہبی (م: ۷۴۸ھ) مطبوعہ قاہرہ ۱۳۶۷ھ۔

۱۲ تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس تالیف امام حسین محمد الدیار بکری۔ (م: ۹۶۶ھ) مطبوعہ مصر ۱۲۸۳ھ۔

۱۳ تراجم رجال سیرۃ تالیف محمد بن اسحاق عنہم۔ مطبوعہ ہالینڈ ۱۸۹۰ء۔

۱۴ جوامع السیرۃ تالیف ابومحمد علی بن احمد ابن حزم الاندلسی (م: ۴۵۶ھ) مطبوعہ مصر۔

۱۵ زادالمعاد فی ہدی خیر العباد تالیف امام ابوعبداللہ محمد ابن قیم الجوزیہ (م: ۷۵۱ھ) مطبوعہ مصر ۱۹۵۰ء۔

۱۶ زرقانی: تالیف محمد بن عبدالباقی الرزاقانی المالکی (م: ۱۱۲۲ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۲۷ھ۔

۱۷ سیرۃ ابن ہشام تالیف عبدالملک ابن ہشام (م: ۲۱۳ھ) مطبوعہ مصر ۱۹۳۷ء۔

۱۸ عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر: تالیف ابی الفتح محمد بن یحییٰ ابن سید الناس۔ (م: ۷۳۴ھ) مطبوعہ قاہرہ ۱۳۵۶ھ۔

۱۹ کتاب الاکتفاء فی مغازی المصطفیٰ والثلاثۃ الخلفاء: تالیف ابی الربیع سلیمان بن سالم الکلاعف (م: ۶۳۴ھ) مطبوعہ پیرس ۱۹۳۱ء۔

۲۰ کتاب المغازی: تالیف ابی عبداللہ محمد بن عمر الواقدی (م: ۲۰۷ھ) مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۵ء

۲۱ المواہب الدنیا بالمغ المحمدیہ: تالیف شہاب الدین احمد بن ابی بکر القسطلانی۔ (م: ۱۵۱۷ھ) مطبوعہ مصر ۱۹۰۷ء۔

۲۲ نسیم الریاض: تالیف احمد شہاب الدین الخفاجی۔ (م: ۱۶۵۹ء) مطبوعہ مصر ۱۳۲۵ء۔

۲۳ الانوار المحمدیہ من مواہب الدنیہ: تالیف یوسی بن اسماعیل النبہانی مطبوعہ بیروت ۱۳۱۲ھ۔

۲۴ تقریب السیرۃ النبویہ: تالیف محمد بن عبدالعزیز اسماعیل الشمرادی۔ مطبوعہ مصر

۱۹۶۱ء۔

۲۵ تہذیب السیرۃ: تالیف عبدالاسلام ہارون۔ مطبوعہ مصر ۱۹۵۵ء۔

۲۶ حیاۃ محمد (ﷺ) تالیف امیل درمنغم۔ عربی ترجمہ: عادل زعیر۔ مطبوعہ مصر۔

۲۷ محمد رسول اللہ ﷺ: تالیف مولانا محمد علی لاہوری۔ مطبوعہ مصر۔

۲۸ الطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم: تالیف شاہ ولی اللہ۔ مطبوعہ مراد آباد ۱۸۸۷ء۔

۲۹ خزانۃ الادب وغاتیہ الارب: تالیف شیخ تقی الدین ابی بکر المعروف بہ ابن حجۃ الحموی مطبوعہ مصر ۱۳۰۴ھ۔

۳۰ آثار المدینۃ المنورہ: تالیف عبدالقدوس الانصاری المدنی مطبوعہ دمشق ۱۹۳۵ء۔

۳۱ ثورۃ الاسلام وبطل الانبیاء: تالیف محمد لطفی جمعہ۔ مطبوعہ مصر ۱۹۵۸ء۔

۳۲ حجۃ المصطفیٰ: تالیف محب الدین الطبری۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء۔

۳۳ حیاۃ محمد ﷺ: تالیف محمد حسین ہیکل۔ مطبوعہ مصر۔

۳۴ دلائل النبوۃ: تالیف ابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی۔ مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۲۰ھ۔

۳۵ الرسول فی بیتہ: تالیف عبدالوہاب حمودہ۔ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۱ء۔

۳۶ سیرت الرسول ﷺ: تالیف محمد عزۃ دروزہ۔ مطبوعہ مصر ۱۹۴۸ء۔

۳۷ علی ہامش السیرۃ: تالیف ڈاکٹر طٰہٰ حسین۔ مطبوعہ مصر ۱۹۶۱ء۔

۳۸ عین الیقین فی سیرۃ سید المرسلین: تالیف محمد سید کیلانی۔ مطبوعہ مصر ۱۹۵۶ء۔

۳۹ فقہ السیرۃ: تالیف محمد الغزالی۔ مطبوعہ مصر ۱۹۵۲ء۔

۴۰ محمد رسول اللہ ﷺ: تالیف محمد رضا۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۴ء۔

۴۱ نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین: تالیف شیخ محمد خضری بک۔ مطبوعہ مصر ۱۹۶۰ء۔

۴۲ وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ تالیف نور الدین علی بن احمد المصری۔ مطبوعہ مصر ۱۹۵۴ء۔

۴۳ حیات فخر کائنات: از سید علی رضا زادہ۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۲۷ء۔

۴۴ زندگانی پیشوائے اسلام: از عمادالدین حسین اصفہانی۔ مطبوعہ تہران ۱۳۲۸ھ۔

۴۵ مدارج النبوۃ: تالیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ مطبوعہ دہلی ۱۸۶۵ء۔

۴۶ اللہ والا: تصنیف شیخ عنایت محمد صوفی پسروری۔ مطبوعہ راولپنڈی۔

۴۷ پنج ہادی: تالیف ڈاکٹر فقیر محمد فقیر۔ مطبوعہ لاہور۔

۴۸ تحفہ فضل: از سید فضل شاہ۔ مطبوعہ لاہور ۱۸۹۸ء۔

۴۹ رحمتہ للعالمین: تالیف قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۲ء۔

۵۰ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی: تالیف ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء۔

۵۱ سیرۃ النبیؐ: تالیف مولانا شبلی نعمانی (م: ۱۳۳۱ھ) مطبوعہ کانپور ۱۹۱۸ء۔

۵۲ سیرۃ النبیؐ: تالیف سید سلیمان ندوی۔ مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۳۵۳ھ۔

۵۳ عہد نبوی کے میدان جنگ: تالیف ڈاکٹر محمد حمید اللہ مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۵۸ء۔

۵۴ عہد نبوی میں نظام حکمرانی: تالیف ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ مطبوعہ حیدر آباد۔

۵۵ نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب: تالیف مولانا اشرف علی تھانوی۔ مطبوعہ دیوبند ۱۳۶۵ھ۔

۵۶ آداب النبیؐ: تالیف محمد شفیع دیوبندی۔ مطبوعہ دیوبند ۱۳۷۰ھ۔

۵۷ سلام قدس: مرتبہ سید طفیل احمد بدر امروہوی۔ مطبوعہ لاہور ۱۳۷۴ھ۔

۵۸ الامین: از شیخ محمد اکرام۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۳ء۔

۵۹ پیارے نبیؐ از خواجہ عبدالحی فاروقی۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۳ء۔

۶۰ رسول عربی: از عبدالسلام خورشید۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۱ء۔

۶۱ سرتاج الانبیاء: مرتبہ عبدالرحمٰن شوق امرتسری۔ مطبوعہ لاہور ۱۳۷۱ھ۔

۶۲ سرکار مدینہ: تالیف چراغ حسن حسرت۔ مطبوعہ لاہور۔

۶۳ سرور عالمؐ: تالیف مولانا غلام رسول مہر۔ مطبوعہ لاہور۔

۶۴ بانئ اسلام: از شردھے پرکاش دیو جی پرچارک۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۲۴ء۔

۶۵ سیرت نبویؐ: از خواجہ حسن نظامی دہلوی۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۳۴ء۔

۶۶ طلوع اسلام: تالیف رشید اختر ندوی۔ مطبوعہ لاہور۔

۶۷ ازواج النبیؐ: تالیف سید ظہور الحسن۔ مطبوعہ دہلی۔

۶۸ رسول عربیؐ: تالیف مولانا ابوالکلام آزاد۔ مطبوعہ لاہور۔

۶۹ رسول عربیؐ: از گوردت سنگھ دارا۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۴۱ء

۷۰ محسن انسانیت: تالیف فضل الرحمٰن نعیم صدیقی۔ مطبوعہ سرگودھا ۱۹۶۰ء۔

۷۱ محمد رسول اللہ: از مولوی عبدالرحمان جامی۔ مطبوعہ گوجرانوالہ ۱۹۵۶ء۔

۷۲ میلاد نامہ اور رسولؐ بیتی: تالیف خواجہ حسن نظامی دہلوی۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۳۱ء

۷۳ یتیم کا راج: از مولانا عبدالماجد دریا آبادی۔

۷۴ مہنامہ آستانہ دہلی (رسول نمبر) دسمبر ۱۹۵۳ء۔

۷۵ شاہ نامہ اسلام حصہ اول تا چہارم (منظوم) تالیف ابی الاثر حفیظ جالندھری لاہور ۱۹۵۳ء۔

۷۶ ختم نبوت: از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لاہور ۱۹۶۲ء۔

۷۷ ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ از کارلائل انگلستان ۱۸۴۶ء۔

۷۸ دی عربین پرافٹ از لی چائی لن۔ چینی مسلم شنگھائی ۱۹۲۱۔

۷۹ دی بیٹلفڈز آف دی پرافٹ محمدؐ: از ڈاکٹر محمد حمید اللہ انگلینڈ ۱۹۵۳ء۔

۸۰ دی گریٹ پرافٹ: از الف۔ کے خاں درانی بی۔ اے لاہور ۱۹۳۶ء۔

۸۱ ہاف آورز ود محمد از آرتھر این دالاسٹن سی۔ آئی۔ ای لندن ۱۸۸۶ء۔

۸۲ امیج آف گریٹس از محمد شریف قریشی لاہور ۱۹۴۸ء۔

۸۳ اسلام اینڈ الس ہولی پرافٹ ایز ججڈ بائی دی نان مسلمز از نور احمد ایم اے۔

۸۴ دی لائف آف محمدؐ از ای۔ ڈلپسٹ اینڈ سلمان بن ابراہیم پیرس ۱۹۸۱ء۔

۸۵ لائف آف محمدؐ از صوفی مطیع الرحمان بنگالی ایم۔ اے یو۔ ایس اے ۱۹۴۱ء۔

۸۶ لائف آف محمدؐ اینڈ ہسٹری آف اسلام از سر ولیم میور لندن ۱۸۶۱ء۔

۸۷	لائف اینڈ ٹیچنگز آف محمد (سپرٹ آف اسلام) از سید امیر علی ایڈنبرگ ۱۸۹۱ء۔
۸۸	محمدؐ دی ہولی پرافٹ از حافظ غلام سرور ایم۔اے لاہور ۱۹۶۱ء۔
۸۹	محمدؐ پرافٹ اینڈ سٹیٹمین از ڈبلیو منٹگمری ویٹ لاہور ۱۹۶۱ء۔
۹۰	محمدؐ ان ہسٹری از عبداللہ یوسف علی جالندھر سٹی ۱۹۳۴ء۔
۹۱	محمدؐ اینڈ اسلام از سر ولیم میور لندن ۱۸۹۵ء۔
۹۲	محمد اینڈ محمدن ازم از آر بوسورتھ سمتھ لندن ۱۸۷۶ء۔
۹۳	محمدؐ اینڈ ہز پاور از دی لیسی جون سٹون نیویارک ۱۹۰۱ء۔
۹۴	دی شیڈولس پرافٹ آف اسلام از سید عبدالوہاب لاہور ۱۹۶۲ء۔
۹۵	محمدؐ، بدھ اینڈ کرائیسٹ از مارکس ڈوڈز ڈی۔ڈی لندن۔
۹۶	محمد اینڈ ٹیچنگز آف قرآن از جون دیون پورٹ لاہور ۱۹۴۴ء۔
۹۷	دی پرافٹ اینڈ اسلام از لین پول لندن ۱۹۵۹ء۔
۹۸	دی پرافٹ اینڈ اسلام از ڈاکٹر محمد عبدالحکیم پٹیالہ ۱۹۱۶ء۔
۹۹	محمدؐ اینڈ دی رائز آف اسلام از ڈی۔ایس مارگولائیتھ ۱۹۴۰ء۔